تحقیق

شمارۂ مشترکہ

(۱۲-۱۳)

(۱۹۹۸-۹۹ء)

مجلس مشاورت

☆ مراسلت کے لیے پتا: سی ۲۰، بلاک سی یونٹ نمبر ۶، لطیف آباد، حیدرآباد، سندھ (پاکستان)

طابع: سندھ یونیورسٹی پریس، ایلسا قاضی کیمپس، حیدرآباد (فون ۲۸۱۳۹)

ناشر: شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، نیو کیمپس، جام شورو

تعداد: ۵۰۰   مشترکہ شمارہ ۱۲، ۱۳ برائے ۹۹-۱۹۹۸ء

تاریخ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۰ء   ضخامت: ۱۱۰۴ صفحات

قیمت: ایک سو چالیس روپے پاکستان میں، ۱۲ ڈالر بیرون ملک

فہرست مشمولات

● مقالات

● گوشۂ مختار الدین احمد

اس شمارے کے مقالہ نگار

• ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں	پروفیسر ایمریطس، سندھ یونیورسٹی
• ڈاکٹر نذیر احمد	پروفیسر ایمریطس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
• ڈاکٹر مختار الدین احمد	پروفیسر ایمریطس، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی
• ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ	پروفیسر ایمریطس، سندھ یونیورسٹی
• ڈاکٹر محمد سلیم اختر	نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ، اسلام آباد
• ڈاکٹر شریف حسین قاسمی	صدر شعبۂ فارسی، دہلی یونیورسٹی
• ڈاکٹر الیاس عشقی	سابق ڈائریکٹر ریڈیو پاکستان، حیدرآباد سندھ
• ڈاکٹر سردار احمد خاں	سابق صدر شعبۂ اردو، اسلامیہ کالج (پوسٹ گریجویٹ سیکشن) سکھر
• ڈاکٹر زاہد منیر عامر	استاد شعبۂ اردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور
• سیّد جاوید اقبال	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی
• ڈاکٹر نجم الاسلام	مدیر تحقیق

تبصرہ نگار

• نجم الاسلام	مدیر تحقیق
• فہمیدہ شیخ	چیرپرسن شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی
• عتیق احمد جیلانی	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی
• سیّد جاوید اقبال	اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی
• رفیق احمد خاں	لکچرر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی
• انعام الحق عباسی	لکچرر، گورنمنٹ کالج، ٹنڈو محمد خاں

ماہرین خصوصی برائے مقالات

(حسب سابق)

اداریہ

رسالۂ تحقیق کے گزشتہ شمارے پر متعدد فضلاء و محققین نے تحریراً اظہار پسندیدگی فرمایا اور اس کی افادیت کے بارے میں حوصلہ افزا کلمات خیر سے نوازا۔ تہ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور، ان حوصلہ افزائیوں سے تحریک پاکر، ایک بار پھر بہتر گنجائش کے ساتھ، ایک اور شمارہ مشترک نذر قارئین کیا جاتا ہے۔ اس میں ایک خصوصی گوشے بعنوان "گوشۂ مختار الدین احمد" کا اہتمام کیا گیا ہے۔

"تحقیق" کی محفل میں ہم ایک بار پھر محترم ڈاکٹر رشید شاہ صاحب کی شرکت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ ان کے تحریر کردہ "پیش گفتار" میں بطور خاص اپنے اور جامعہ کے حوالے سے حکیم محمد سعید شہید کی یادوں کو تازہ کیا گیا ہے اور عمدہ طور پر ان کی خدمات جلیلہ کی تحسین کی گئی ہے۔ بمثل "نام نیک رفتگاں ضائع مکن"۔

مدیر

پیش گفتار

تحقیق جامعات کی آبرو اور تحقیقی مجلے اس کا نمایاں اظہار ہیں، جامعۂ سندھ کی سربراہی کے پہلے دور (۱۹۸۹ء تا ۱۹۹۳ء) میں، مجھے رسالۂ تحقیق کے شماروں میں چار "پیش گفتار" لکھنے کا موقع ملا تھا۔ یہ تحقیق و مجلاتِ تحقیق سے متعلق میرے خیالات و محسوسات کے آئینہ دار ہیں۔

اب کہ اس جامعہ کی سربراہی اور خدمت کی سعادت ایک بار پھر ۱۹۹۹ء سے میرے حصے میں آئی ہے، رسالۂ تحقیق کی مسلسل تیرہ چودہ سالہ علمی خدمات کو اپنے اس پانچویں پیش گفتار کے ذریعے بطور تحسین پیش کرتا ہوں۔ اس رسالے نے علمی و تحقیقی حلقوں میں ہماری جامعہ کی نیک نامی میں اضافہ کیا ہے۔

(۲)

بے شک معاشرے اور ادارے افراد سے کہیں زیادہ طویل عمریں پاتے ہیں، لیکن یہ افراد ہی ہیں جن کی خدمات کی بدولت قومیں سدھرتی ہیں، معاشرے اصلاح پاتے ہیں اور ادارے مستحکم ہوتے ہیں۔

ان خیالات کے ساتھ، اس وقت حکیم محمد سعید شہید کی یاد بہت شدت سے آتی ہے۔ وہ بین الاقوامی حیثیت کے حامل تھے، اور سندھ کی گورنری کے زمانے میں بر بنائے عہدہ جامعۂ سندھ کے چانسلر بھی رہے۔ ان کی زندگی مثالی تھی۔ وہ کثیر الوسائل تھے مگر اپنی مرضی سے درویشانہ زندگی گزار گئے۔ انھوں نے متعدد عظیم الشان ادارے قوم اور ملک کی بھلائی کے لیے قائم کیے، اور علم و حکمت، تعلیم، اصلاح معاشرہ اور دانش وری کے فروغ کے لیے کیا کچھ نہ کیا۔ وہ کس کس طرح دل بڑھاتے تھے اور خدمتِ علم و فن کی ترغیب دلاتے تھے۔ اس کا میں خود ایک شاہد ہوں۔

وہ ایجوکیشن سے متعلق میری ناچیز خدمات سے بخوبی واقف تھے، اور تہ دل سے ان خدمات کے قدر دان تھے۔ میرے حق میں ان کا جاری کردہ وثیقۂ اعتراف (۱۹۹۲ء) آج بھی ان

کے اعلیٰ مقاصد اور ان کی عالی نفسی کی یاد دلاتا ہے، جس کے آغاز میں مجھ ناچیز کی علمی اور ادبی خدمات کو یوں سراہا ہے:۔

" قدر علم اور احترام واکرام عالمِ تہذیب و تمدن، ثقافت عالیہ کے نہایت جلی عنوانات ہیں، اور تمدن کے قصر رفیع کے مرتفع ستون معاشرہ انسانی کی زیبائش اس سے عبارت ہے کہ عالم کے علوئے مرتبت سے کوئی غفلت نہ کی جائے اور سر بلندیِ معاشرہ اور سرفرازیِ علم و حکمت کے لیے ان کے افکار و اعمال جلیلہ کا اعتراف کیا جائے"۔

اس صراحت کے بعد اس خادمِ علم کے حق میں جو کلماتِ خیر ادا کیے ہیں وہ ان کی عالی ظرفی کے آئینہ دار اور فروغِ علم سے ان کی گہری وابستگی کے مظہر ہیں۔ وہ ملک و ملت کے ایک عظیم محسن تھے۔

رشید شاہ

(ڈاکٹر آر اے شاہ)

وائس چانسلر، سندھ یونی ورسٹی

مقالات

ڈاکٹر نذیر احمد

قاسم کاہی کابلی اور اس کا رسالۂ قافیہ

قاسم کاہی ہمایوں اور اکبر کے دور کا ممتاز شاعر تھا۔ وہ میانکال کا رہنے والا تھا جو سنٹرل ایشیا کا ایک قریہ تھا۔ پھر وہ کابل آگیا۔ چنانچہ وہ میانکالی اور کابلی دونوں نسبتوں سے جانا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے ایک سو بیس سال کی لمبی عمر پائی تھی اور ۹۸۸ھ میں آگرہ میں وفات پائی۔ فیضی نے اس کی وفات پر یہ قطعہ لکھا تھا:

افسوس کہ شد قاسمِ کاہی فانی — در گلشنِ دہر کرد پر افشانی
تاریخ مہ و سالِ وفاتش جُستند — گفتم: دویم از ماہِ ربیع الثانی۔

اس سے ۹۸۸ھ ہجری نکلتا ہے۔ گویا دوم ربیع الثانی ۹۸۸ھ اس کی تاریخ وفات ہے۔ قاسم کاہی کا سارا کلام بکھرا پڑا ہے۔ دیوان کا ایک ناقص نسخہ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے پاس لکھنؤ میں تھا۔ اس کو پروفیسر ہادی حسن نے حاصل کیا۔ اس میں کل ۱۲۰۳ ابیات تھیں۔ پروفیسر مذکور نے برٹش میوزیم کے ایک مخطوطے سے ۲۹۹ اور اشعار حاصل کیے۔ اس طرح کل اشعار ۱۵۳۵ ہوئے جن کی تفصیل اس طرح ہے:

۲۹۵	غزلیں	۱۵۳۵	اشعار
۳	قصیدے	۵۳	اشعار
۳	مثنوی	۱۲	اشعار
۳۳	قطعے	۸۱	اشعار
۱۷	رباعی		
فرد		۱۳	اشعار

قاسم کاہی کا باز یافتہ کلام اس کے کُل کلام کا ایک حصہ ہے۔ بداونی نے ان کی ان تالیفات کا ذکر کیا ہے جو موجود نہیں:

۱۔ قصیدہ در مدح ہمایوں
۲۔ مثنوی گل افشاں در جواب بوستان سعدیؒ
۳۔ تصنیفی در علم موسیقی

پروفیسر ہادی حسن نے کاہی کے بازیافتہ کلام کا ایک خوبصورت ایڈیشن ۱۹۵۳ء میں شایع کیا تھا۔ لیکن انگریزی مقدمے میں یکم مارچ ۱۹۵۶ء درج ہے۔ پروفیسر صاحب نے کاہی کے حالات پر ایک رسالہ لکھا تھا جو حیدرآباد دکن میں کچھ پہلے طبع ہوا تھا (۱)

قاسم کاہی کے کلام کے کافی حصے کی عدم بازیابی کی بنا پر راقم کو اس کی طرف توجہ ہوئی، چنانچہ اس سلسلے میں معارف میں ۱۹۵۷-۱۹۵۸ء میں چند مضامین لکھے۔ اسی درمیان مجھے قاسم کاہی کے معمّات کا ایک رسالہ حبیب گنج میں نواب حبیب الرحمان شروانی کے کتابخانے میں ملا۔ اور ایک ناقص نسخے کا اور پتا چلا جو قاضی احمد میاں جوناگڑھی کے پاس تھا۔ اور جس پر ایک مقالہ اردو کالج کراچی کے استاد غضنفر صاحب نے رسالہ اردو کراچی جولائی ۱۹۵۳ء میں شایع کیا تھا۔ بعد میں راقم نے انھی دونوں نسخوں کی بنیاد پر معمیات قاسم کا انتقادی متن اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۵۸ء میں شایع کر دیا۔ یہی متن بعد میں میرے فارسی مقالات کے مجموعے قند پارسی تہران میں شامل ہوا۔ معمیات کاہی (اورینٹل کالج میگزین) میں میں نے پنسل سے ایک اور نسخے سے مقابلے کے نتیجے درج کر دیے ہیں۔ یہ نسخہ ناقص ہے لیکن مجھے یاد نہیں آتا کہ وہ کون سا نسخہ ہے جس کی مدد سے شایع شدہ متن کی تصحیح کی کوشش کی گئی ہے۔
اس وقت مُعمّاے قاسم کاہی کا ایک نسخہ (عکس) میرے پیش نظر ہے جو رام پور رضا لائبریری میں شامل ہے۔ اور عنقریب اس نسخے کی مدد سے معمیات کا دوسرا تنقیدی متن شایع کرنے کا ارادہ ہو رہا ہے۔

انھی ایام کے کچھ ہی دن بعد راقم کو مسلم یونی ورسٹی لائبریری کے ذخیرۂ حبیب گنج (نواب حبیب الرحمان کا کتاب خانہ مسلم یونی ورسٹی لائبریری میں شامل ہو گیا ہے) میں زیر شمارہ ۵۰/۹۲ میں مغلیہ دور کی اہم بیاض ملی۔ اس بیاض میں قاسم کاہی کی ۱۸ غزلیں ملیں جن میں تین مطبوعہ دیوان سے خارج ہیں اور ایک اور ناقص غزل کی کامل روایت ملی۔ اور یہ چاروں غزلیں میں نے اپنے مقالے بعنوان "سلاطین و امرائے مغلیہ کا نیا کلام" مجلۂ فکر و نظر جنوری ۱۹۶۳ء میں شایع کر دی ہیں۔ اسی دوران مجلۂ "کابل" کابل (افغانستان) سالِ اوّل شمارہ ۴ ص ۱۱-۱۳ میں آقای سرور گویا نے قاسم کاہی کے تین رسالوں کا پتا دیا۔ یہ رسالے یہ ہیں: رسالۂ اوّل در علم عروض۔ رسالۂ دوّم در معانی و بیان۔ رسالۂ سوّم در نقد الشعر و قرض الشعر و سرقاتِ ادبی ہے۔ ان کا ترقیمہ یہ ہے:

تمام شد رسائل این احقر العباد قاسم کابلی بتاریخ بیست و ہفتم صفر المظفر روز پنج شنبہ

سنہ ۹۷۶ھ صلعم در قصبۂ تونک پیشاور در عہد محمد اکبر پادشاہ غازی ادام اللہ تعالیٰ اقبالہ۔

راقم الحروف کو معلوم نہ ہوسکا کہ یہ رسایل چھپے یا نہیں۔

حال ہی میں راقم الحروف کو قاسم کاہی کے ایک نثری رسالے کا رضا لائبریری رام پور میں (۲) پتا چلا ہے۔ یہ رسالہ قافیہ سے ہے۔ رسالہ ، ورق پر مشتمل ہے جس کا ترقیمہ یہ ہے:

خاتمۃ الکتاب (۳)

للہ الحمد کہ این گوہر جود　　آمد از بحر عدم سوی وجود

بے بہا و بہ ضیا چون مہ و خور　　رشکِ لعل آمدہ و غیرتِ دُر

خجل از وی دُر غلطان باشد　　لایق گوشِ سخندان باشد

این چنین نسخہ ندیدست کسی　　بلکہ ہرگز نشنیدست کسی

گاہ تا چند ازین گفت و شنو　　باش خاموش و حکایت بشنو

بلبل آسا چہ شوی نغمہ سرا　　کاین چمن را نبود بوی وفا

خوش بود قافیۂ عمر شریف　　در پیش گر نبود مرگ ردیف

تا بکی نظم و قصاید گوئی　　در قصاید بمقاصد پوئی

بغزل چند شوی قافیہ سنج　　کشی از بہر غزالان غم و رنج

مثنوی را دہی ز ابیات فروغ　　تا شود راست حکایت نہ دروغ

قطعہ قطعہ جگرِ بریان را　　چارہ سازی برباعی آنرا

از معمّا نہ بری جوئی کام　　تا ازان مرد بردن آری نام؟

جان و دل این ہمہ بر شعر منہ　　عمرِ خود بیہدہ برباد مدہ

چہ کنی صرف سخن عمر صرف　　بہ کہ سازی بدعا آن را حرف؟

یارب این گوہر عالی مقدار　　کہ ز بحر سخن آمد بکنار

تاکہ باشد سخن از نو و کہن　　باد پایندہ بر اربابِ سخن!

یہ مختصر رسالہ ، ورق پر مشتمل ہے۔ اسکی ابتدا بسملہ کے بعد اس طرح پر ہے (ص ۱)

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　مطلع دیباچۂ نظم قدیم

قافیہ سنجان کہ بہ بیت اللہ اند　　از فن این نظم بدیع آگہ اند

حمد کہ در قافیہ اُحمد قبول　　سازد او نعت بدرود رسول

از پی توحید بصدق و صفا　　صلی علی سیدنا المصطفیٰ

بدانکہ شعر در لغت دانستن است و در اصطلاح کلامی است موزون کہ مُقفیٰ باشد و آنچہ از اقسام شعر معتبر است پنج قسم ۔ قصیدہ و غزل و قطعہ و رباعی و مثنوی و دانستن ہریک ازین اقسام موقوف است بر عروض

وقافیہ از قفاست بمعنی بعد ، و در عرفِ شعرا عبارت است از آنچہ تکرار یابد در اواخرِ ابیات

و حروف قافیہ نُہ است چنانکہ کاتب (۴) راست :

نُہ حرف کہ در قافیہ گردد ظاہر — باید کہ شوی ز نامِ ایشان ماہر
تاسیس و دخیل و ردف است و رَوِی — وصل است و خروج است و مزید و نایر

تاسیس الفی را گویند کہ پیش از رَوِی واقع شود و درمیان او و رَوِی حرف متحرک واسطہ باشد و تکرارِ آن حرف گاہ بہ شخص باشد ... و گاہ بہ نوع چنانکہ کاتب (۵) راست :

دیوانہ شد دلِ من زان عنبریں سلاسل
دیوانہء کہ مجنون (۶) در پیشِ اوست عاقل (ص ۲)

و دخیل آن حرفِ متحرک را گویند کہ میان تاسیس و رَوِی واقع شود

و ردف حرفِ علت را، گویند کہ پیش از رَوِی واقع شود ... و آن بر دو نوع است اصلی و غیر اصلی، ... و غیر اصلی چنانکہ کاتب (۷) راست :

چنین کہ سر بگریبان ز فکرِ جانانم — عجب اگر نہ برآید سر از گریبانم (ص۲)

... اما در واوی جائز است اما دریائی عیب است چنانکہ کاتب (۸)

مُصوّر تا بصورت کرد نسبت آن پری رو را — نمی خواہم کہ بر دیوار بینم صورتِ او را
ہوس دارد کہ آموزد فسوں از چشمِ او نرگس — مگر در خواب بیند شیوۂ آن چشمِ جادو را (۹) (ص۴)

قید حرفِ ساکن است غیر ردف کہ پیش از رَوِی واقع شود بیواسطہ چنانکہ کاتب راست :

بگوو (۱۰) چشمہ نہ از عکسِ لالہ شد گلرنگ — کز آتشِ دلِ فرہاد آب شد دل (۱۱) سنگ (ص ۴)

قید یکجا واو است و یکجا یاست ۔ رَوِی آخرین حرفِ اصلی است چنانکہ کاتب راست :

در ملاحتہای (۱۲) خطِّ و خالِ آن لب نیست شک — ہرچہ در کانِ نمک (۱۳) افتد شود کان نمک (ص۴۔۵)

وصل حرفی را گویند کہ بہ رَوِی پیوندد چون یا درین بیت (۱۴) کاتب راست :

باز در دل خار خاری دارم از (۱۵) اشکِ گلی — بے سر و سامانم از سودای مشکین کاکلی (ص ۵)

خروج حرفی را گویند که بوصل پیوندد چون میم درین (۱۶) بیت کاتب راست:

ما معتقدان سگان یاریم پروای دگر کسی نداریم (ص ۵)

مزید حرفی را گویند که بخروج پیوندد ...

نائره حرفی را گویند که بمزید پیوندد چون الف و نون درین (۱۷) بیت کاتب راست:

مرغان وصل را که بجان پروریم شان از دانهای اشک بدام آوریم شان (ص ۵)

حرکات قافیه شش است:

رس و اشباع است و حذو ای دلنواز بعد ازآن مجری و توجیه و نفاذ

رس حرکت ما قبل تاسیس را گویند و اشباع حرکت ما بعد الف تاسیس را گویند و آن بیشتر کسره باشد و فتحه نیز باشد چنانکه (۱۸) کاتب راست:

خواند آن هندو پسر گہ یار و گہ یادر مرا کافرم گر این سخن آید از و باور مرا (ص ۵)

و ضمه نیز باشد چنانکه کاتب راست:

(۱۹) آن زلف سیه رسم تطاول نگذارد وآن نرگس مخمور تغافل نگذارد (ص ۵)

و حذو حرکت ما قبل ردف و قید را گویند مثال ردف چنانکه کاتب راست:

غم (۲۰) ندارم زگنه گرچه گنهگار من است عذر خواه گنه من کرم یار من است (ص ۶)

مثال قید چنانکه (۲۱) کاتب راست:

از پی شیرین لبی لیلی وشی درکوه و دشت رفته رفته خواهم از فرهاد و از مجنون گذشت (ص ۶)

توجیه حرکت ما قبل روی است غیر اشباع و نشاید که مختلف باشد مگر وقتی که حرف وصل باو پیوندد چنانچه کاتب (۲۲) راست:

با چشم مردمی ز تو داریم ای پری هرچند در پری، نبود آدمی گری

باد ادعای جان تو ورد سخنوران تا در جهان بود سخن از شعر و شاعری (ص ۶)

اگر روی مقید از حرف قافیه هیچ نداشته باشد آن را مقید مجرد گویند چنانکه کاتب راست:

منم (۲۳) سلطان ملک عشق و شاه کشور غم هم دلم فارغ ز قید عالم و از اہل عالم هم (ص ۶)

اگر روی مطلق از حروف قافیه هیچ نداشته باشد آن را مطلق مجرد خوانند چنانکه کاتب (۲۴) راست:

ای قدت شاخ گل و روی تو گلبرگ (۲۵) تری پای تا سر چو گلی بلکه زگل خوبتری (ص ۰)

یا مطلق بردف گویند چنانکه کاتب (۲۶) راست :

شده برسر بازار ز عشق بنده حیرانش — که اینک سر برون آورده یوسف از گریبانش

وگاه باشد که مطلق بردف وصل باشد

چنانکه کاتب راست

گر نخواهد شمع از اوّل غمش پروانه را — ازچه رو برگرد سر گرداند آن دیوانه را (ص ۸)

وگاه باشد که مطلق بقید و خروج باشد چنانکه کاتب راست :

غافل ز دیده ودیعت جان بدست سپردیم (ص ۸) — دردا که آرزویت آخر بخاک بردیم

وگاه مطلق بخروج و مزید باشد چنانکه کاتب راست :

آن (۲۸) که بخوبان جفا جو نظر ستش — از حال دل اهل محبت خبر ستش (ص ۸)

چون شعر مشتمل بر دو قافیه بود آن را ذو قافیتین گویند ... چنانکه کاتب راست :

خط (۲۹) بآن لب ای دلستان تو عذار ورق لاله فزوده — یا ماه منیر است که از هاله نموده (ص ۸)

و باشد که اشتقاق نیز ردیف داشته باشد چنانکه کاتب راست :

در باغ (۳۰) جلوه کردی سرو چمن چمان (۳۱) شد — گل راز نشتر خار خون از کفن (۳۲) کفان شد (ص ۸)

و قافیه محجوب می تواند که ردیف هم داشته باشد چنانکه (۳۳) کاتب راست :

در چمن رفتی و گل شرمنده از روی تو شد — یافت بوست غنچه و در خنده از بوی تو شد (ص ۸)

عیوب قوافی : سناد ، اقوا ، اکفا و ایطا

سناد اختلاف ردف است چون زمین و زمان

اقوا حذو و توجیه است چون زشت و رشت

اکفا تبدیل روی است بحرفی که در مخرج با وی نزدیک باشد

و ازین قبیل است جمع میان حروف عربی و عجمی چنانکه کاتب (۳۴) راست :

ست بوسم لب بالا لب تنگ — که می گویند الحمد بلبک (ص ۹)

(۳۵) داغی است تازه بر دل زان نازنین مرا

در باغ گل شگفته گل آتشین مرا (ص ۱۰)

ایطا یعنی تکرار قافیه که جلی نباشد مثل دانا و بینا ، چنانکه کاتب راست ، (۳۶)

چون سایہ ہمویم مہر سو روان شوی — شاید کہ رفتہ رفتہ بجا مہربان شوی (ص ۱۰)

کاتب راست:

(۲۸) دمِ صحبت ای ساقی بدہ جامِ دمادم را — گر خوش بود دوبد ہم غنیمت دار این دم را
عجب نبود کہ گردد بلبل آخر مشتِ خاکستر — کہ آتش می زند درخانمانِ او گلِ حمرا (ص ۱۲)

چنانکہ کاتب راست:

(۳۸) برسرم افتاد سودای خطِ نوخیزِ او — می کند رسوا مرا دانستم از انگیزِ او
اے کہ برحالِ منِ مسکین ندارد ہیچ رحم — از رقیب روسیہ دانیم این را لی ز او (ص ۱۲)

چنانکہ کاتب راست:

(۳۹) نہ شبنم در دہانِ غنچہ پروردہ تحمن دیدم
کہ از لعلِ تو او را آبِ حسرت در دہن دیدم
اگر آگہ شود از دردمندی ہای من مجنون
نخواہد زد بہ پیشِ عاشقان از (۳۰) دردمندی دم (ص ۲۱-۱۳)

آخر میں زیرِ بحث رسالۂ قافیہ کے متعلق سے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

۱۔ رسالۂ قافیہ نادر ہے۔ اب تک اس کے کسی اور نسخے کا پتا نہیں چلا ہے۔ کاہی کے تین نثری رسالے افغانستان میں آقائے سرور گویا کو ملے۔ ان میں پہلا علم عروض پر، دوسرا معانی و بیان پر اور تیسرا نقد الشعر پر ہے۔ قافیے کے مباحث علم عروض سے متعلق ہوتے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ افغانستان والے رسالے میں قافیے والا رسالہ شامل ہے یا نہیں؟ گو امکان اس کا زیادہ ہے کہ اس میں شامل نہ ہوگا۔ اگر یہ قیاس درست ہے تو زیرِ بحث رسالے کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔

۲۔ اس رسالے میں علمِ قافیہ کے مسایل مختصر الفاظ میں بیان کیے گئے اور شاعروں کے کلام سے ہر مسئلے کی توضیح کی گئی ہے۔

۳۔ اس قبیل کے رسالوں میں قدیم شعراء کے اشعار زیادہ شامل ملتے ہیں۔ کاہی کے رسالے میں دور متوسطین و متأخرین کے شعراء کے کلام پیش کیے گئے ہیں۔ ان شعراء میں حافظ، کمال خجندی، جامی، آصفی ہروی سب سے ممتاز ہیں۔ جامی تو کاہی کا معاصر تھا، لیکن قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ کاہی کے معاصرین شعراء کے کلام کے شواہد سے پرہیز کیا گیا۔ عرفی، نظیری

ظہوری اور دوسرے مشاہیر کے کلام کو مطلقاً نظر انداز کیا گیا ہے۔

۳۔ کاہی کا مکمل دیوان نہیں مل رہا ہے، پروفیسر ہادی حسن نے مختلف ذرایع سے کل ۱،۰۲۸ اشعار فراہم کیے ہیں۔ راقم حروف نے کئی سو اشعار مُعمّیات کے حاصل کیے ہیں۔ اور اس رسالے میں جو زاید اشعار ہیں وہ یہاں اکٹھے درج کر دیے جاتے ہیں:

نظم

بسم اللہ الرحمن الرحیم — مطلع دیباچۂ نظم قدیم
قافیہ سنجان کہ بہ بیت اللہ اند — از فن این نظم بہیچ آگہ اند
حمد کہ در قافیہ گفتہ قبول — سازد او نعتش بہ درود رسول
از پی توحید بصدق و صفا — صلی علی سیدنا المصطفی (ص ۱)

قطعہ

نُہ حرف کہ در قافیہ گردد ظاہر — باید کہ شوی ز نام ایشان ماہر
تاسیس و دخیل و ردف است و روی — وصل است و خروج است و مزید و نایر (ص ۱)

نظم

للہ الحمد کہ این گوہر جود — آمد از بہر عدم سوی وجود
بہ بہا و بضیا چون مہ و خور — رشکِ لعل آمدہ و غیرتِ دُر
خجل از وی دُرِ غلطان باشد — لایقِ گوشِ سخندان باشد
این چنین نسخہ ندیدست کسی — بلکہ ہرگز نشنیدست کسی
گاہ تا چند ازین گفت و شنو — باش خاموش و حکایت بشنو
بلبل آسا چہ شوی نغمہ سرا — کاین چمن را نبود بوی وفا
خوش بود قافیۂ عمرِ شریف — در پی اش گر نبود مرگ ردیف
تا بکی نظم و قصاید گوئی — در قصاید چہ مقاصد یوئی
بغزل چند شوی قافیہ سنج — کشی از بہرِ غزالان غم و رنج
مثنوی را دہی ز ابیات فروغ — تا شود راست حکایت نہ دروغ
قطعہ قطعہ جگرِ بریان را — چارہ سازی بہ رباعی آنرا
از معمّا نبری جوئی کام — تا ازان مرد بردن آری نام
جان و دل این ہمہ بر شعر منہ — عمرِ خود بیہدہ برباد مدہ

چه کنی حرفِ سخن عمرِ صرف — به که سازی بدعا آن را حرف
یارب این گوهرِ عالی مقدار — که ز بحرِ سخن آمد بکنار
تا که باشد سخن از نو و کهن — باد پاینده بر اربابِ سخن (ص ۱۳-۱۴)

غزلیات

- دیوانه شد دلِ من زان عنبرین سلاسل — دیوانه‌ء که مجنون در پیش است عاقل (ص ۲)
- ما معتقدان سگان یاریم — پروای دگر کسی نداریم (ص ۵)
- مرغانِ وصل را که بجان پروریم شان — از دانهای اشک بدام آوریم شان (ص ۵)
- خواند آن هندو پسر گه یار و گه یاور مرا — کافرم گر این سخن آید از و باور مرا (ص ۵)
- آن زلفِ سیه رسمِ تطاول نگذارد — آن نرگسِ مخمور تغافل نگذارد (ص ۵)
- ستاده برسرِ بازار و خلقی مانده حیرانش — که اینک سر برون آورده یوسف از گریبانش

(دیوان ص ۵،)

البتہ اسی وزن اور قافیے میں دوسری غزل اس طرح ہے:

- زمرد گون خطی ظاهر شده برلعلِ خندانش — چو آن طوطی که باشد آشیان در شکر ستانش
- گر نخواهد شمع از اول غمش پروانه را — از چه رو برگردسر گرداند آن دیوانه را (ص ۶)
- جانان ندیده رویت جان باغمت سپردیم — درداکه آرزویت آخر بخاک بردیم (ص ۶)
- شوخی که بخوبانِ جفا جو نظر ستش — از حالِ دلِ اهلِ محبت خبر ستش (ص ۶)
- رخسارِ تو خط بر ورقِ لاله فزوده — یا ماهِ منیر است که از هاله نموده (ص ۸)
- در باغ جلوه کردی سروِ چمن چمان شد — گل را ز نشترِ خار خون از کفن کفان شد (ص ۸)
- در چمن رفتی و گل شرمنده از روی توشد — یافت بویت غنچه و درخنده از بوی توشد (ص ۸)
- گفت بوسم لبِ بالا گهی تنگ — که می گویند اللهم یلیک (ص ۹)
- داغی است تازه بر دل زان نازنین مرا — در باغ گل شگفته گل آتشین مرا (ص ۱۰)
- بر سرم افتاد سودای خطِ نوخیز او — می کند رسوا مرا دانستم از انگیز او
- ای که برحالِ منِ مسکین ندارد هیچ رحم — از رقیب روسیه دانیم این را نی ز او (ص ۱۲)

واضح ہے کہ ۱۵ غزلیں دیوان میں نہیں، جیسا کہ پندرہ مطلعوں سے ظاہر ہے، لیکن غزلوں کے اشعار کہیں درج نہیں، صرف ایک غزل کے مطلع کے علاوہ ایک بیت اور نقل ہے۔
مخطوط خط نستعلیق میں واضح خط میں ہے لیکن کاتب بہت کم پڑھا لکھا تھا۔ اس بنا پر

رسالہ اغلاط سے پر ہے۔ تلفظ کے التزام میں بے توجہی برتی گئی ہے۔ ایسے بے علم کاتب کی وجہ سے اس رسالے میں بے پناہ غلطیاں راہ پا گئی ہیں:

حواشی

(۱) قاسم کاہی کا ایک قطعہ مجمع الشعرای جہانگیر شاہی میں نقل ہے۔ نو شعر کا یہ قطعہ ہے جو مجمع الشعراء میں دوبار نقل ہوا ہے (ص ۳۰، ص ۱۰) یہ قطعہ اس طرح ہے:

دوشم آمد این ندا از قاسم کاہی کہ گفت   آنکہ ہم پیر است و ہم استاد من در شاعری
پایۂ شعر [illegible] بالاتر [illegible]   رتبۂ عالی است اہل شعر را چون بنگری
گر نبودی [illegible] شعر ہم در [illegible]   نسبت شاعر چرا کردند با پیغمبری
[illegible] ابنای زمان   پرورد در مہد معنی دایۂ چرخ چنبری
[illegible] پستانستی طبع   [illegible] او [illegible] ریزہ ز مہر مادری
[illegible]   ہمچو فردوسی بود در شعر یا چون انوری
دعوی کردم [illegible] چون این بزرگان سخن   معنی رنگین و لفظ خوش ادا می آوری
[illegible]   سحر عیسیٰ اگر داری و سحر سامری
تا کی این [illegible] شاعر [illegible]   قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری

ملا قاطعی نے اس کا جواب لکھا ہے

بشنو ای یار عزیز من اگر یار منی   آورد بابای فطرت چون تو نیکو بنگری
گر دست فیض الٰہی در سخن من ہم کنم   یا کند پیرم نظر یا طبع فرّا یاوری
روح خاقانی شود آگاہ در ملک سخن   گر رسانم یک سخن در گوش روح انوری
گر کنم تعریف شعر تو نباشد ہیچ عیب   زانکہ من بشنودہ ام در شعر سحر سامری
ہیچ کس از حالت شاعر نگفتی شمہ‌ای   نظم فخریہ زان گفتند اندر شاعری
می باید جاسی دیگر بجز [illegible]   گر بگردد پیر گردون زیر چرخ چنبری
بستہ بودم اسب رہواری گرو [illegible] سخن   گر ز خاطر رفتہ باشد مولوی یادآوری
گر زندش بر سنگ خاص بود این زر ناب   شعر من رایج بہ شہر آمد چو زر جعفری
قاطعی بر نظم [illegible] پیش زرشناس   قدر زر زرگر شناسد قدر جوہر جوہری

مجمع الشعرای جہانگیر شاہی ص ۳۰، ۱۵۰

(۲) فہرست مخطوطات فارسی ج ۲ ص ۱۱۱، یہ مختصر سا رسالہ، ورق پر مشتمل ہے، ڈاکٹر وقار الحسن۔ او ایس ڈی، رضا لائبریری رامپور کی مہربانی سے اس کی ایک نقل فراہم کر دی گئی ہے۔

(۳) ص ۱۳-۱۴

(۴) ص ۱

(۵) یہ نفیس شعر مطبوعہ دیوان سے خارج ہے

(۶) دیوان ص ۸۴ کا یہ مصرعہ اس کے مشابہ ہے: عاقل شدہ دیوانہ و مجنون شدہ عاقل

(۷) دیکھیے دیوان ص ۹۲

(۸) دیوان ص ۱۹

(۹) چشمِ جادو بمعنی چشمِ ساحر

(۱۰) دیوان ص ۸۳

(۱۱) اسم فاعل ہے (بدون اضافت) جیسے سنگدل

(۱۲) دیوان ص ۸۲

(۱۳) ضرب المثل یہ ہے: ہر چہ در کان نمک رفت نمک شد: مگر کاہی نے اس ضرب المثل کو محاورے میں تبدیل کر دیا ہے

(۱۴) دیوان

(۱۵) دیوان: عشق

(۱۶) یہ بیت دیوان میں نہیں،

(۱۷) یہ بیت دیوان میں نہیں ہے

(۱۸) یہ دیوان میں نہیں۔

(۱۹) یہ غزل دیوان میں نہیں

(۲۰) دیوان ص ۳۰

(۲۱) دیوان ص ۳۳

(۲۲) دیوان ص ۱۰۷

(۲۳) دیوان ص ۸۶

(۲۴) دیوان ص ۱۰۵

(۲۵) ضرورتِ شعری سے حذفِ اضافت

(۲۶) یہ غزل دیوان میں شامل نہیں، بلکہ دوسری غزل اسی وزن اور قافیے میں ہے (ص ۵۰) اس کا مطلع یہ ہے:

زمرد گون خطی ظاہر شدہ بر لعل خندانش چو آن طوطی کہ باشد آشیاں در شکرستانش

(۲۷) دیوان میں شامل نہیں

(۲۸) یہ غزل دیوان میں شامل نہیں۔

(۲۹) یہ معمّا نہ دیوان میں ہے اور نہ معمیات میں۔

(۳۰) دیوان میں شامل نہیں۔

(۳۱) اسم حالیہ از مصدر جھمیدن، ناز سے چلنے کی حالت

(۳۲) اصل: کفا، کفان اسم حالیہ از مصدر کفتن بمعنی شگافتن، ترکیدن، باز شدن

(۳۳) دیوان میں شامل نہیں

(۳۴) دیوان میں شامل نہیں

(۳۵) دیوان میں شامل نہیں

(۳۶) دیوان ص ۱۰۳

(۳۷) دیوان ص ۲۶

(۳۸) دیوان میں شامل نہیں

(۳۹) دیوان ص ۸۸

(۴۰) دیوان میں یہ الفاظ نہیں

متن رسالۂ قافیہ

از

قاسم کاہی کابلی

مبنی بر نسخۂ منحصر بفرد
کتابخانۂ رضا رام پور - یو - پی

اگرچہ متن رسالہ خیلی مغلوط نقل شدہ چنانکہ در بعضی جا ہا تصحیح متن ممکن نشدہ، متن مذکورہ چاپ می شود باسید اینکہ ممکنست جائی نسخہ دیگر کشف شود و امکان مقابلہ و تصحیح پیدا شود

نذیر احمد

۲۶ - اپریل ۱۹۹۹ء

باسمه تعالی

بسم الله الرحمن الرحیم   مطلع دیباچه نظم قدیم
قافیه سنجان که به بیت الله اند   از فن این نظم بدیع آگه اند
حمد که در قافیه افتد قبول   سازد او نقش به درود رسول
از پی توحید بصدق و صفا   صلی (۱) علی سیدنا المصطفی

بدانکه شعر در لغت دانش است، و در اصطلاح کلامیست موزون که حقیقی باشد، و آنچه از اقسام شعر معتبر است پنج قسم (است) قصیده و غزل و قطعه و رباعی و مثنوی، و دانستن هر یک ازین اقسام موقوف است به عروض، و قافیه از قفاست یعنی بعد، و در عرف شعرا عبارت است از آنچه تکرار یابد در اواخر ابیات بغیر استقلال حقیقتاً یا حکماً یا وجوباً یا استحباباً (۲)

و حروف قافیه نه است چنانکه کاتب (۳) راست:

نُه حرف در قافیه گردد ظاهر   باید که شوی ز نام ایشان ماهر
تاسیس و دخیل و قید و ردف است و روی   وصل است و خروج است مزید و نایر

تاسیس الفی را گویند که پیش از روی واقع شود و میان او و روی یک حرکت دار واقع شود و حرکت متحرک واسطه باشد و تکرار آن حرف گاه بالشخص باشد چنانکه حافظ (۴) راست:

هر نکته‌ای که گفتم در وصف آن شمایل (۵)   هر کو شنید گفتا لله دَرُّ قایل

گاه تکرار بنوع باشد چنانک کاتب (۶) راست:

دیوانه شد دل من زان عنبرین سلاسل   دیوانه‌ای که مجنون در پیش اوست عاقل

و اگر بنای قافیه بر تاسیس شد آن قافیه را موسس گویند و شعرای عجم رعایت تاسیس را مستحسن دارند و شعرای عرب واجب می شمارند

و دخیل آن حرف متحرک را گویند که میان تاسیس و روی واقع شود خواه بالشخص خواه بالنوع چنانکه گذشت

و ردف حرف علت را گویند که پیش از روی واقع شود بیواسطه متحرک، و حرکت ما قبل او از جنس او باشد، و هر قافیه که مشتمل بر ردف باشد آن را مردف خوانند بسکون را، مثال الف چنانکه سعدی راست:

به هیچ (۷) یار مده خاطر و به هیچ دیار   که بر و بحر فراخ است و آدمی بسیار

مثال وادی چنانکہ ظہیر (۸) راست :

سپیدہ دم کہ شدم محرم سرای سرور — شنیدم آیۂ توبوا الی اللہ از لب حور

مثال یائی چنانکہ جامی (۹) راست :

زد بحر طاہر قدم ز سر سدرہ صفیر — کہ درین دامگہ حادثہ آرام مگیر

و آن بردو نوع است اصلی و غیر اصلی، اصلی چنانکہ گذشت و غیر اصلی چنانکہ کاتب (۱۰) راست

چنیں کہ سر بگریبان ز فکر جانانم — عجب اگر نہ برآید سر از گریبانم

مثال وادی :

ہر کہ ز اہل خرد برون باشد — در رہ عشق ذو فنون باشد

مثال یائی :

آنم کہ نخواندہ ام کتیبی ہرگز — خود رہ ننمودہ ام بریبی ہرگز

پایم نرسیدہ بہ رکیبی ہرگز — از خود نگرفتہ ام حسیبی ہرگز

اصل او کتاب و رباب درکاب و حساب بود ۔ چون امالہ کردہ شد کتیب ۔ ربیب ۔ رکیب ۔ حسیب شد ۔ واگر ساکن واسطہ باشد میان ردف و روی آن را ردف زاید گویند و حرف علت را ردف اصلی ۔ واگر مشتمل بردف اصلی باشد پس آن را مردف بردف مفرد گویند والا مردف بردف مرکب گویند چنانکہ عاشق راست :

از تن چون مو بہ تیغ کیں سرم برداشتی — در جفا کاری سر موئی فرد نگذاشتی

و ردف زاید شش بود چنانکہ گفتہ اند :

ردف زاید شش بود ای خوردہ بین — خا و را و فا و نون و سین و شین

چون ساخت و کارد و یافت و راند و راست و کاشت

چون ردف واو و یا باشد دو گونہ است ، معروف و مجہول ۔

معروف آنست کہ حرکت ماقبل ایشان را اشباع تمام کردہ باشند و مجہول آنست کہ اشباع تمام نکردہ باشند ۔ چون نور و نیر و شور و شیر ۔ شیع (۱۱) درمیان معروف و مجہول در وادی جائز است اما در یائی عیب است ، چنانکہ کاتب (۱۲) راست :

مصور تا بصورت کرد نسبت آن پری رو را — نمی خواہم کہ بر دیوار بینم صورت اورا

ہوس دارد کہ آموزد فسون از چشم او نرگس — مگر در خواب بیند شیوۂ او چشم جادو را (۱۳)

چنانکه جامی (۱۴) راست:

من نه تنها خواهم این خوبان شهر آشوب را — کیست در شهر آنکه خواهان نیست روی خوب را

این قسم در اشعار اُستادان بسیار است و تواند بود که بجهت تجنیس معروف و مجهول را در یائی تجویز کرده باشید چنانکه جامی (۱۵) راست:

گرد از اشک آستین پویم — قیمت در وصل می پویم

دگر حرکت ماقبل واو و یا از جنس ایشان نباشد آن را قید گویند چنانکه آصفی (۱۶) راست:

زبخت درد می و محتسب ز دیر گذشت — رسیده بود (۱۷) بلائی ولی بخیر گذشت

مثال وادی (۱۸):

ما عاشق خوبان نه درین دور بوده ایم — هر جا که بوده ایم همین طور بوده ایم

قید حرف ساکن است غیر ردف که پیش از روی واقع شود بیواسطه چنانکه کاتب (۱۹) راست:

بلوه چشم نه از اشک لاله شد گلرنگ — کز آتش دل فرهاد آب شد دل سنگ

و حرف قید در فارسی ده است چنانکه درین بیت مذکور است:

با و خا و سین و شین و را و زا — عین و فا و نون و ها گفتم ترا

چنانکه ابر و بخت و دست و دشت و درد و رزم و خفر و رفت و قند و مهر

رعایت قید بعینه لازم است مگر وقتی که موصله باشد. اسعدی (۲۰) راست:

قزل ارسلان (۲۱) قلعه سخت داشت — که گردن بالوند بر می فراشت

چنان نادر افتاده در روضه — که در لاجوردی طبق بیضه

قید یکجا واو است و یکجا یا است. و روی آخرین حرف اصلی است چنانکه کاتب (۲۲) راست:

در ملاحتهای خط و خال آن لب نیست شک — هرچه (۲۳) در کان نمک افتد شود آخر نمک

یا آنکه بمنزله آن باشد چنانکه حافظ (۲۴) راست:

باشد (۲۵) ای دل که در میکده ها بگشایند — گره از کار فروبسته ما بگشایند

وصل حرفی را گویند که به روی بپیوندد چنانکه یا درین بیت کاتب (۲۶) راست:

باز در دل خار خاری دارم از اشک گلی — بی سر و سامانم از سودای مشکین کاکلی

خروج حرفی را گویند که به وصل پیوندد چو میم درین بیت کاتب (۲۷) راست:

معتقدان سگان یاریم پروای کسی دگر نداریم

نایره حرفی را گویند یا بیشتر که به مزید پیوندد چون شین درین بیت:

آن خال سیه نام که زیب سمنش زاغی است که در صحن گلستان وطنش

نایره حرفی را گویند یا بیشتر که به مزید پیوندد چون الف و نون درین بیت (۲۸) کاتب راست:

مرغان وصل را که بجان پروریم شان از دانه های اشک بدام آوریم شان

فصل

حرکات قوافی شش است چنانکه گفته اند:

رس و اشباع است و حذو ای دلنواز بعد ازین مجری و توجیه و نفاذ

رس حرکت ما قبل تاسیس را می گویند و آن بیشتر کسره باشد چنانکه گذشت، و فتحه نیز می باشد چنانکه کاتب (۲۹) راست:

خواند آن هندو پسر گه یار و گه یاور مرا کافرم گر این سخن آید ازو باور مرا

و ضمه نیز باشد چنانکه (۳۰) کاتب راست:

آن زلف سیه رسم تطاول نگذارد آن نرگس مخمور تغافل نگذارد

و حذو حرکت ما قبل ردف و قید را گویند، مثال ردف چنانکه (۳۱) کاتب راست:

غم ندارد ز گنه گرچه گنهگار منست عذر خواه گنه من کرم یار منست

مثال قید چنانکه (۳۲) کاتب راست:

از پی شیرین لبی لیلی وشی در کوه و دشت رفته رفته خواهم از فرهاد و از مجنون گذشت

اختلاف حذو جائز نیست مگر وقتی که موصوله باشد، چنانکه آهی راست:

تکی بچشم غمزه بلب خنده می کنی چندم چو شمع می کشی و زنده می کنی

توجیه حرکت ما قبل روی است غیر اشباع و نفاذ که مختلف باشد مگر وقتیکه [illegible] وصل باز پیوندد چنانکه کاتب (۳۳) راست:

بادا دعای جان تو ورد سخنوران	تا هم در جهان بود سخن از شعر و شاعری

مجری حرکت رَوِی را گویند و اختلاف آن جایز نیست چنانکه حافظ (۳۴) راست ؛

مجمع خوبی و لطف است رخ همچو مهش	لیکنش مهر و وفا نیست خدایا بدهش

نفاذ حرکت وصل است وقتی که خروج باو پیوندد چنانکه (۳۵) کاتب راست ؛

بگذشته در هوای وصالت جوانیم	پیرانه سر محنت هجران نمانیم

حرکت خروج و مزید را نیز نفاذ گویند چنانکه درین بیت ؛

خوبان اگر بچشم تعین بنگریم شان	هر دم هزار سجدۀ شکر آوریم شان

چون رَوِی ساکن باشد آن قافیه را مقید خوانند و اگر متحرک (باشد) آن قافیه را مطلق خوانند و اگر روی مقید از حرف قافیه هیچ نداشته باشد آن را مقید مجرد گویند چنانکه کاتب راست (۳۶)

منم سلطان ملک عشق و شاه کشور غم هم	دلم فارغ ز قید عالم و از اهل عالم هم

واگر حرفی از حروف قافیه داشته باشد [و] بآن حرفش نسبت کنند مقید بردف گویند چنانکه کاتب (۳۷) راست ؛

در شب عید از حنا رنگین کف جانان شده	یا ز دریا باز ظاهر پنجۀ مرجان شده

یا مقید بقید خوانند چنانکه کاتب راست (۳۸)

در شب عید ماه من لبست حنا هم سمند	یا پی ... عاشقان نعل در آتش فگند

اگر روی مطلق از حرف قافیه هیچ نداشته آن را مطلق مجرد خوانند چنانکه کاتب (۳۹) راست ؛

ای قدت شاخ گل و روی تو گلبرگ تری	پای تا سر چون گلی بلکه زگل خوبتری

یا مطلق بردف گویند چنانکه کاتب (۴۰) راست ؛

ستاده برسر بازار و خلقی مانده حیرانش	که انیک سر برآورده یوسف از گریبانش

وگاه باشد که مطلق بردف وصل باشد چنانکه کاتب (۴۱) راست ؛

گر نخواهد شمع از اول غمش پروانه را	از چه رو برگرد سر گرداند آن دیوانه را

وگاه باشد که مطلق بقید و خروج باشد چنانکه کاتب (۴۲) راست ؛

جانان ندید رویت جان با غمت سپردیم	دردا که آرزویت آخر بخاک بردیم

وگاه مطلق به خروج و مزید باشد چنانکه کاتب (۳۳) راست :

شوخی که بخوبان جفا جو نظر ستش — از حال دل اهل محبت خبر ستش

چون شعر مشتمل بر دو قافیه بود آن را ذو قافیتین گویند اعم از آن که ردیف داشته باشد چنانکه میر شاهی راست :

لبالب ست زخون جگر پیاله ما — دم نخست چنین شد مگر حواله ما

یا یکی ازین دو طریق معمول واقع شود چنانکه درین بیت :

ز قد و روی تو شرمنده باغبان می گفت — که آب و رنگ ندارد سر و پیاله ما

یا ردیف نداشته باشد چنانکه کاتب راست معما (۳۴) باسم ایاز :

رخسار تو خط بر ورق لاله فزوده — یا ماه منیر است که از هاله نموده

وگاه بطریق اشتقاق باشد چنانکه جامی (۳۵) راست :

ای با لب تو طوطی شیرین زبان زبون — کردی عنان ز پنجه یمین بران برون

و باشد که اشتقاق نیز ردیف داشته باشد چنانکه کاتب (۳۶) راست :

در باغ جلوه کردی سرو چمن چمان شد — گل را زنشتر خار خون از کفن کفان شد

وگاه باشد که میان دو قافیه لفظی تکرار یابد . آن را حاجب خوانند وآن قافیه را محجوب چنانکه استاد راست :

ای شاه جهان بر آسمان داری تخت — سست است عدو تا تو کمان داری سخت

حمله سبک آری و گران داری لخت — پیری تو و بند بر جوان داری بخت

قافیه محجوب می تواند که ردیف داشته باشد چنانکه کاتب (۳۷) راست :

در چمن رفتی و گل شرمنده از روی تو شد — یافت بویت غنچه و درخنده از بوی تو شد

[عیوب قافیه]

عیوب قافیه چهار است چنانکه درین بیت می گوید :

عیوبی که در قافیه هست پیدا — سناد است و اقوا و اکفا و ایطا

سناد اختلاف ردف است چون زمین و زمان را دریک قافیه جمع کند . این عیب است در فارسی و بخلاف [این] اشعرای عرب اختلاف ردف را جائز می دارند چون محمود و عمید

اقوا اختلاف حرکت حذو و توجیه است چون رَست و رُست و دَر و دُر . واگر روی مقید

باشد اختلاف اصلاً جایز نیست، واگر مطلق بود جایزاست چنانکه جامی (۴۸) راست :

دو هفته شد که ندیدم مه دو هفته خود را — کجا روم که گویم غم شفته خود را

اکفا تبدیل روی است بحرفی که در مخرج با وی نزدیک باشد، مثال :

گشتم چنان ضعیف که در چشم عنکبوت — صد بار خانه کردم و اورا خبر نبود

وازین قبیل است جمع میان حروف عربی و عجمی چنانکه کاتب (۴۹) راست :

گفت بوسم لب بالا گهی تنگ — که می گویند اللهم یلبیک

وچنانکه جامی (۵۰) راست :

برلبم کف از جنون نبود که بینی روز و شب — می خورم غمهای اورا خاک می مالم بلب

زاهدان را در سماع از نغمه مطرب چه حظ — چون نمی دانند دست راست را از دست چپ

واگر قافیه مطلق را با مقید جمع کنند آنرا غلو نامند، چنانکه حافظ (۵۱) راست :

صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببین تفاوت ره از کجاست تا بکجا

واگر بدل کنند قید را بحرفی که در مخرج بادی نزدیک باشد چنانکه سعدی راست :

چه مصر و چه شام و چه بر و چه بحر — همه روستااند و شیراز شهر

ومناسب آنست که آنرا نیز اکفا خوانند :

ایطا (۵۲) مکرر کردن قافیه است بیک معنی، وآن دو قسم است جلی و خفی، جلی آنست که عدم اصالت روی بصریح مذکور باشد وآن را شایگان نامند وآن بیشتر الف و نون باشد، چنانکه استاد راست :

خدایا درد مندی ده دل بیرحم خوبان را — که بی دردان نمی دانند قدر درد مندان را

چنانکه حافظ (۵۳) راست :

در وفای عشق او مشهور خوبانم چو شمع — شب نشین کوی سر بازان رندانم چو شمع

در شب هجران مرا پروانه وصلی فرست — ورنه از دردت جهانی را بسوزانم چو شمع

وازین قبیل است نون و دال جمع چنانکه نشاطی راست :

دل شیشه و چشمان تو هر گوشه برندش — ترسم که دو مستند مبادا شکنندش

وازین قبیل است الف جمع :

آنکه در باغ جمال اوست هر سو لاله ہا
گل خجل از عارض او وز دہانش غنچہ ہا

ہرچہ در قافیہ بیک معنی مکرر شود صریحاً خواہ بیک حرف خواہ بیشتر از قبیل شایگان است، نشاید کہ بنای قافیہ بران نہند کہ عیب فاحش است؛

خفی آنست کہ عدم اصالت روی و روی بصریح مذکور نباشد چون نون تخصیص، چنانکہ آصفی (۵۴) راست

آغاز شب است این خط مشکین کہ تو داری
پایان مہ آن غبغب سیمین کہ تو داری

چنانکہ کاتب (۵۵) راست؛

داغی است تازہ بر دلی زان نازنین مرا
در باغ دل شگفتہ گل آتشین مرا

و ازین جملہ است الف و نون صفت چنانکہ جامی (۵۶) راست؛

رفتم بہ باغ و سرو خرامان من نبود
وآن نو شگفتہ غنچہ خندان من نبود

تکرار این در قافیہ غیر ظاہر است؛

و ایطاے خفی عبارت است از آنچہ بعد از قافیہ بر سبیل استقلال بعینہ تکرار یا بدو آن بیشتر بیک معنی آید چنانکہ کاتب (۵۷) راست؛

چون سایہ ہرہم ہر سو روان شوی
شاید کہ رفتہ رفتہ بمن مہربان شوی

وگاہ بہ تغیر بہ باشد چنانکہ خسرو (۵۸) راست؛

ہر دم ستم زعشق پریشان و دیدہ تر
دل از برم رمیدہ و من زو رمیدہ تر

چنانکہ حافظ (۵۹) راست؛

ما حاصل خود برسر خمخانہ نہادیم
محصول دعا در رہ جانانہ نہادیم

قانع بخیال ز تو بودیم چو حافظ
یارب چہ گدا ہمت و مردانہ (۶۰) نہادیم

چنانکہ کمال خجندی (۶۱) راست؛

ہزار سرو کہ در حد اعتدال برآید
بقامتش نرسد گر ہزار سال برآید

علی الصباح تفأل بروی خوب تو کردم
کہ تا ازین ورق گل مرا چہ فال برآید

برآمد اول خط زلف سرکش تو بعالم
بشارت (۶۲) است بدولب چوحرف دال برآید

چنانکہ قادری راست؛

ای دولعلت در لطافت با می گلگون یکی
سبزہ و گل باخط و عارض بخاک و خون یکی

یار درخلوتکدہ ناز است و دمسازش رقیب
زین چہ غم دارد کہ برد از غصہ وز بیرون یکی

چنانکه در قافیه معمول آبی راست :

آزاده کجاست که راه عدم رویم ... بایکد گر چو سایه قدم بر قدم رویم

دگاه باشد که زاید شود چنانکه جامی (۶۳) راست :

هر کجا جلوه کند این بت چالاک آنجا ... خواهم از شوق کنم جامهٔ جان چاک آنجا

و چنانکه آصفی (۶۴) راست :

توئی که نیست عذار تو مشک سود هنوز ... منم که آتش عشقت ندیده دود هنوز

ردیف مقطع زیاده است، شعرا، گفته اند در غزل ردیف زیب است و در مثنوی عکس آن . ردیف بر دو نوع است [یکی آنکه] بوضع واضع باشد [دیگری] معمول آنکه تبصرّف شاعر شایسته آن گردد که قافیه تواند شد ، وآن بردو نوع است یا بطریق تحلیل و لبی چنانکه آصفی (۶۵) راست :

لبی خود را در آب دیده چون ماهی وطن دیدم ... که تا قلاّب زلفش را بکام خویشتن دیدم

زگریه غرق خون می خواستم چشم رقیبان را ... ولی پیش من آمد آنچه بر مردم پسندیدم

و چنانکه کاتبی (۶۶) راست :

دم صبح است ای ساقی بده جام دما دم را ... گر خوش بود دور جم غنیمت دار این دم را

عجب نبود که گردد بلبل آخر مشت خاکستر ... که آتش می زند در خانمان او گل حمرا

و چنانکه خسرو (۶۷) راست :

گر افتد پرتو لال تو بر سنگ ... شود یاقوت رخشان سر بسر سنگ

بجای جان من از جستجویت ... روان است اشک من فرسنگ فرسنگ

حسن (۶۸) راست :

ای سر زلف تو سراسر بلا ... هر دو بست نیز بلا بر بلا

بر سر کوی تو حسن کشته شد ... ای سر کویت بتر از کربلا

جامی راست ،

در خرابات (۶۹) عاشقان زنهار از عفت دورع مائی ... زانکه بایکدیگر نیاید راست دعوی عاشقی ورعنائی

چنانکه آصفی (۷۰) راست :

من دیوانهٔ لیلی دشتی در کوه و بامونم ... بگردم آهوان سرگشته پندارند و مجنونم

حباب گریه خواهد بر سرم مردم فرود آید ... که از باران اشک من کشید این خانه بر سونم

چنانکه کاتب (۱) راست :

در سرم افتاد سودای خط نوخیز او | می کند رسوا مرا دانستم از انگیز او
ای که بر حال من مسکین ندارد هیچ رحم | از رقیب روسیه دانیم این را نی ز او

گاه باشد که تحلیل و ترکیب باشد چنانکه کاتب راست :

نه شبنم در دهان غنچه پرورد چمن دیدم | که از لعل تو او را آب حسرت در دهن دیدم
اگر آگه شود از دردمندیهای من مجنون | نخواهد زد به پیش عاشقان از درد مندی دم

لزوم مالایلزم ، آن چنانست که شاعر حرفی از حرفهای بجا که غیر حروف قافیه باشد در قافیه التزام کند با آنکه بروی هیچ لازم نیست چون واو درین غزل جامی (۲) راست :

رحمی بده خدایا آن سنگدل جوان را | یا عاقبت (۳) صبوری این پیر ناتوان را
بختم جوان و عقلم پیر است لیک عشقت (۴) | آورده زیر فرمان هم پیر و هم جوان را
گر زرد شد گیاهی در خشک سال هجران | پژمردگی مبادا آن شاخ ارغوان را
جامی زعشق خوبان گر گفت توبه کردم | این نکته بشنو از من زنهار مشنو آن را

گاه باشد که بعد از چند بیت تغیر یابد چون دال درین بیت :

فردا که دوست کشته خود را ندا کند | خیزد زخاک و بار دگر جان فدا کند
جامی بمیر در غم یاری که بهر او | گر صد هزار بار بمیری کرا [illegible]

خاتمة الکتاب

للّه الحمد که این گوهر جود | آمد از بحر عدم سوی [illegible]
بی بها و بی ضیا چون مه و نور | رشک لعل [illegible] و غیرت [illegible]
خجل از وی در غلطان باشد | لایق گوش سخندان باشد
این چنین نسخه ندیده است کسی | بلکه هرگز نشنیده است کسی
گاه تا چند ازین گفت و شنو | باش خاموش و [illegible]
بلبل آسا چه شوی نغمه سرا | کاین چمن را نبود [illegible]
خوش بود قافیه عمر شریف | در پی [illegible]
تا بکی نظم و قصاید گوئی | در [illegible]
بغزل چند شوی قافیه سنج | کشتی [illegible]
مثنوی را دهی تو ابیات فروغ | [illegible]

قطرہ قطرہ جگر بریان را ... چارہ سازی بہ رباعی آمرا

از معما نبری جوئی کام ... تا ازان مرد بردن آری نام ؟

جان و دل این ہمہ بر شعر مدہ ... عمر خود بیہدہ برباد مدہ

چہ کنی صرف سخن عمر صرف ... بہ کہ سازی ز دعا آں را حرف

یارب این گوہر عالی مقدار ... کہ ز بحر سخن آمد بکنار

تاکہ باشد سخن از نو و کہن ... باد پایندہ بر ارباب سخن

تمت تمام شد کار من نظام شد

حواشی

(۱) نسخهٔ ملی. متن تصحیح قیاسی

(۲) نسخهٔ بجویا. متن تصحیح قیاسی

(۳) در دیوان چاپی شامل نیست

(۴) دیوان حافظ طبع قزوینی ص ۲۰۹

(۵) نسخه: بعد

(۶) این شعر در دیوان چاپی شامل نیست

(۷) کلیات سعدی. تهران ۱۳۶۵. ص ۲۰، مطلع قصیده در مدح صاحب دیوان

(۸) دیوان ظهیر فاریابی طبع طهران ۱۳۲۴. ص ۱۳۶

(۹) دیوان ص ۳۲۸

(۱۰) دیوان چاپ بادی حسن ص ۹۲

(۱۱) در نسخه غیر واضح

(۱۲) دیوان ص ۱۹

(۱۳) شاعر در پیروی قدما جادو بمعنی ساحر آورده به بمعنی سحر چنانکه اکنون مرسوم است

(۱۴) دیوان جامی ص ۱۵۰

(۱۵) این شعر که در نسخه مغلوط درجست تصحیح نشد زیرا که در دیوان کامل جامی یافته نشد

(۱۶) دیوان ص ۱۸

(۱۷) ضرب المثل معروف است

(۱۸) دیوان جامی ص ۲۵۰

(۱۹) دیوان کاہی ص ۸۳

(۲۰) کلیات ص ۲۳۰

(۲۱) مظفر بن ایلد گزیکی از اتابکان آذر بائیجان (م: ۵۸۰)

(۲۲) دیوان کاہی ص ۸۲

(۲۳) مثل مشہور: ہرچہ در کان نمک رفت نمک شد

(۲۴) دیوان ص ۱۳۷

(۲۵) دیوان : بود آیا کہ

(۲۶) دیوان ص ۱۰۳

(۲۷) در دیوان چاپی شامل نیست

(۲۸) در دیوان چاپی شامل نیست

(۲۹) در دیوان چاپی شامل نیست

(۳۰) در دیوان چاپی شامل نیست

(۳۱) دیوان ص ۳۰

(۳۲) دیوان ص ۳۳

(۳۳) دیوان ص ۱۰۷

(۳۴) دیوان ص ۱۹۵

(۳۵) در دیوان چاپی شامل نیست

(۳۶) دیوان ص ۹۲

(۳۷) در دیوان چاپی شامل نیست

(۳۸) این بیت در دیوان نیست و در نسخ غلط درج است

(۳۹) در دیوان چاپی نیست

(۴۰) در دیوان چاپی نیامده

(۴۱) در دیوان چاپی نیست

(۴۲) در دیوان چاپی نیامده

(۴۳) در دیوان چاپی شامل نیست

(۴۴) این شعر در رسالہ معمیات کاہی شامل نیست

(۴۵) دیوان ص ۵۹۶

(۴۶) در دیوان شامل نیست

(۴۷) در دیوان شامل نیست

(۴۸) دیوان ص ۱۵۵

(۴۹) در دیوان چاپی شامل نیست

(۵۰) در دیوان دیده نشد

(۵۱) دیوان ص ۳

(۵۲) ایطاے جلی و خفی کی تشریح کاہی نے تقریباً ایک صفحہ لیا۔ اس کے بر خلاف غیاث اللغات میں دو سطروں میں ان کی تشریح نہایت واضح طور پر کر دی ہے۔ ایطا بکسر پامال کردن و مکرر کردن قافیہ و آن بر دو قسم است، ایطاے خفی و ایطاے جلی، خفی آنست کہ تکرار ظاہر نباشد چون دانا و بینا و آب و گلاب۔ و جلی آنست کہ تکرار ظاہر باشد چون زیبا تر و خوش تر۔ ستمگر و فسون گر۔ و زرین و سیمیں۔ و گریان و خندان ... و این عیب فاحش ماست

(۵۳) دیوان ص ۱۹۹

(۵۴) دیوان آصفی تہران ۱۳۴۲، ص ۲۲۳

(۵۵) در دیوان چاپی شامل نیست

(۵۶) دیوان ص ۳۳۸

(۵۷) دیوان ص ۱۰۳۔

(۵۸) دیوان کامل امیر خسرو دہلوی، تہران ۱۳۶۱، ص ۳۳۶

(۵۹) دیوان ص ۲۵۶ : ما درس سحر در رہ میخانہ نہادیم

(۶۰) دیوان حافظ : بیگانہ

(۶۱) دیوان کمال خجندی، دو شنبہ ۱۹۸۰، ج ۲ ص ۲۵

(۶۲) دیوان : دلالت است بدولت

(۶۳) دیوان ص ۱۰۵

(۶۴) دیوان ص ۱۱۳

(۶۵) دیوان ص ۱۳۲

(۶۶) دیوان ص ۲۶

(۶۷) در دیوان چاپی دیدہ نشد

(۶۸) دیوان حسن دہلوی، دو شنبہ ۱۹۹ ص ۷۷

(۶۹) تصحیح این بیت میسر نشد

(۷۰) دیوان ص ۱۵۱

(۷۱) در دیوان چاپی نیست

(۶۲) دیوان ص ۱۵۵

(۶۳) دیوان : یا طاقتی و صبری

(۶۴) دیوان : عشقش

غزالان غم و رنج مثنوی را رهی زابیات فروغ؛ تا نشود راست حکایت فروغ؛

قطعه قطعه جگر بریان را، چاره سازی برباعی آن را؛ از معما بتری جوی کام؛ تا

از آن فرد افزون آری نام؛ جان و دل بین همه بر شعر منه؛ عمر خود بیهده بر باد مده؛

چه کنی صرف سخن عمر عزیز؛ به که سازی بدعا آن را صرف؛ یا رب

این گوهر منضد عالم مقدار که نه بحر سخن آمد یکبار؛ تا که باشد سخن از نو و کهن؛ یاد باید

بار ارباب سخن؛ تمام شد تمت تمام شد کار من نظام شد

[illegible]

(رسالۂ قافیہ کے آخری صفحے کا عکس)

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں :

سوانحِ عمری یوسفی

(تعارف و تجزیہ)

یہ کتاب مولانا محمد یوسف خاں (ابن محمد جلال خاں) گلشن آبادی کے سوانح سے متعلق ہے۔ کتاب(۱) انھی نے لکھی تھی۔ اور وہ بھی ۵۰ سال کی عمر میں اور صرف ۱۵ دن میں مکمل کر لی تھی۔ آخری صفحہ ۱۹۸ کے اختتام میں وہ فرماتے ہیں کہ " راقم نے یہ سب حالات عرصہ پندرہ یوم میں تحریر کیے۔ اور نقل اس کی بتاریخ ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ مطابق ، اکتوبر ۱۹۰۳ء میں اختتام کو پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ انجام اس کا بخیر کرے۔ آمین ثم آمین"

(یعنی یہ پوری کتاب کسی اور سے نقل کرائی گئی تھی۔) اس تحریر کے بعد اس صفحہ (ص ۱۹۸) میں جو دوسرے قلم سے تحریر ہے بہت ممکن ہے کہ خود مصنف کے قلم سے ہو، اس میں قطع و برید اور کہیں کہیں اضافے بھی ہیں یہ تحریر اس طرح شروع ہوتی ہے ۔ " جو کہ اس وقت میری دو زوجہ اور چھ فرزند اور دو دختر ہیں ..." (ہو سکتا ہے کہ اس صفحے کے بعد بھی کوئی صفحہ رہا ہو جو موجود نہیں)

شروع کتاب میں (بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد) نو اشعار میں حمد ہے ۔ پہلا شعر یہ ہے۔

کروں کس زباں سے میں شکر خدا   محمد کی امت میں پیدا کیا

(ملخصاً)۔ صفحہ ۲ ۔ لکھتے ہیں کہ میں ۱۲۷۱ھ میں اندور میں پیدا ہوا ۔ ۵۰ سال کی عمر میں ۱۳۲۱ھ میں گلشن آباد (جاورہ) پہنچا۔ اخبار وفادار ، دہلی پنچ پریس لاہور کی فرمائش پر یہ سوانح عمری لکھ رہا ہوں۔

صفحہ ۳ ۔ والد محمد جلال خاں قوم افغان اکوزئی رام پور میں رہتے تھے۔ وطن [illegible]

[illegible] جاورہ کے بڑے بھائی عبدالحکیم خاں [illegible]

نواب امیر خاں (۲) (والیِ ٹونک) کے لشکر کے ساتھ نواب عبدالغفور خاں ناگور (ملک مارواڑ) گئے تو وہاں کے حاکم مقرر کر دیے گئے۔ میرے والد ان کی خدمت میں پہنچے تو ان کی دلیری کی قدردانی ہوئی۔ (وہاں جسونت راؤ ہلکر کی دماغی حالت خراب ہو گئی تھی اس لیے تلسا بائی کی فرمائش پر نواب امیر خاں وہاں تشریف لے گئے تھے لیکن انھیں ناگ پور کی مہم پر جانا تھا تو وہ ناگور میں نہیں رکے اور نواب عبدالغفور خاں کو وہاں کا حاکم مقرر کرا دیا)۔ نواب عبدالغفور خاں کو اسی موقع پر جاورہ کا پرگنہ جاگیر میں دیا گیا تھا۔ اور افتخار الدولہ دلیر جنگ کا لقب بھی تفویض ہوا۔ ان کا انتقال ۱۸۲۵ء میں ہوا۔ پھر صفحہ ۳ سے صفحہ ۱۳ تک مصنف نے اپنے بزرگوں کے منصب اور ان پر انعامات کی تفصیل دی ہے۔ اور صفحہ ۱۴ میں اپنے متعلق لکھا ہے کہ میں افتخار الدولہ نواب عبدالغفور دلیر جنگ (م ۱۸۲۵ء) کے منتسبانِ خاص میں سے ہوں ان کا نواسا ہوں۔ نواب غوث محمدؐ خاں بہادر کا چچا زاد ہمشیرزادہ ہوں۔ اور نواب محمدؐ اسمٰعیل خاں کا برادر پھوپھی زادہ اور نواب محمدؐ افتخار علی خاں بہادر کا چچا رشتے کا۔ ۲۵ سال تک اندور میں رہا جس میں سے سولہ سال تک میں نے علم فارسی اور تلاوت قران مجید کی تعلیم حاصل کی (۳) (پھر اور تفصیل ہے) اس کے بعد نواب غوث محمدؐ خاں کے یہاں ملازمت، پرگنہ سنجیت، کارگزاری بلوہ مندسور (۱۲۷۳ھ - ۱۸۵۷ء)، عہدہ گیرانی، دربار لاٹ کنگ، ماموں زاد بھائی محمدؐ مصطفیٰ خاں (ولد محمدؐ مستقیم خاں) کے ساتھ کام اور عہدہ، ۱۸۶۰ء میں غدر کے زمانے میں خیر خواہی کرنے کی سند وغیرہ کا ذکر ہے۔ مولوی خواجہ احمد صاحب (راے بریلی والے) حج سے واپس تشریف لائے اور تال کے منصف سیّد محمدؐ صاحب کے یہاں قیام کیا تو مُصنّف نے ایک ہی وقت میں ان کے قادریہ، چشتیہ اور نقشبندیہ سلسلوں میں بیعت حاصل کی۔ پھر لاموجودہ اللہ (۴) لامقصودہ اللہ (جس دم کے ساتھ) کا ورد کیا۔ پھر اجمیر شریف میں حاضر ہوئے۔ ۱۲۸۰ھ میں عرس شریف سے دس روز قبل وہاں (اجمیر شریف میں) حاضر ہو کر صاحبزادہ عبداللہ خاں کو (خفیہ خفیہ) مدد دی۔ واپسی پر نواب غوث محمدؐ خاں کی وفات کی خبر ملی۔ ان کی وفات کی تاریخ (۱۲۸۱ھ) کا قطعہ لکھا پھر نواب محمدؐ اسماعیل خاں کو (بعمر دس سال) ریاست جاورہ کا صدر نشین بنا دیا گیا اور نواب غوث محمدؐ خاں مرحوم کی والدہ اولیاء بیگم کی جانب سے اس صدر نشینی کی اطلاع ضروری اختیارات والوں کو دے دی۔

مصنف کے والد محمدؐ جلال خاں کا اندور میں ۱۲ جمادی الاول ۱۲۸۱ھ کو انتقال ہوا۔ ان کی متروکہ تنخواہ کی تقسیم ان کے چار بیٹوں اور تین بیٹیوں میں تقسیم کے لیے درخواست دی گئی۔

ایک سال کے بعد مصنف نے اپنے بھائی محمدؐ یعقوب کی شادی کر دی اور ۱۲۸۴ھ میں صاحبزادی (سکندر بیگم) کی بھی شادی کر دی۔ پھر چار سال تک سیر و سیاحت کرتے رہے اور بدایوں جا کر حضرت مذاق صاحب سے خلافت حاصل کی۔ دو سال تک جذب کی کیفیت رہی۔ حضرت مذاق صاحب نے پھر شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ جہان پوری کے پاس بھیج دیا۔ وہ ان کے دادا تھے۔ انھوں نے بھی خلافت دے دی۔ اس کے بعد کچھ اور کیفیات ہیں۔ دہلی کے اکثر اولیاء کرام قدس سرہم کے یہاں اور آگرہ میں حضرت ابوالعلاء رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی حاضری دی۔ پھر جے پور میں حضرت ضیاء الدین علیہ الرحمہ کے مزار شریف پر حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ۱۲۸۳ھ میں مہدپور کے مجذوب کی خدمت میں بھی حاضری ملی (صفحہ ۴۶ تک یہ واقعات اور ان کی تفصیل ہے)۔

۱۲۸۴ھ میں شاہ جہاں پور حاضر ہوا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ یوسف علی شاہ (مجھے اسی طرح کہتے تھے صفحہ ۴۹) میں تمھارے ساتھ جاورہ اور وہاں سے حیدرآباد (دکن) جاؤں گا۔ چنانچہ وہ اپنے دو خادموں کو لے کر میرے ساتھ فرخ آباد اور آگرہ پہنچے۔ دوسرے دن فرمایا کہ اب ہم دہلی چلیں گے اور مولانا فخر صاحبؒ کے مزار پر حاضری دیں گے۔ لیکن جب دوسرے دن وہاں پہنچے تو حیدرآباد (دکن) جانے کا خیال ترک کر دیا۔ میرٹھ روانہ ہوئے۔ وہاں سے امروہہ اور مراد آباد ہوتے ہوئے رام پور پہنچے۔ وہاں بھائی محمود خاں کے یہاں قیام کیا اور دوسری رات کو ڈومنیوں کا سماع کرایا۔ اور فرمایا کہ اس خدمت کے عوض تم کو بمقام جاورہ (اعلیٰ خدمت) عطا کی گئی۔ (پھر اور واقعات ہیں) جاورہ آکر بھائی محمد عمر خاں سے کچھ ناچاقی ہو گئی۔ وہ حج کر کے واپس آئے تو ایک ہفتے کے بعد فوت ہو گئے۔ میں نے قطعہ تاریخ لکھا۔

بروز جمعہ بیامد و جاں بہ عقبیٰ برد	بہ کعبہ رفت عمر خان و حج اکبر کرد
سروش گفت کہ یوسف، میاں عمر خاں مرد	مسیح گفت کہ تاریخ خاتمہ بالخیر
۱۸۸۹ء	۱۳۰۶ھ

۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں حضرت نور خاں صاحب کے عہد حکومت میں (کہ وہ کام دار تھے) مجھے پھر محکمہ فوج داری ملا اور میری کارگزاری بہت پسند کی گئی۔ (بہت سے واقعات تفتیش سے متعلق درج ہیں)۔ کچھ اپنے مباحثوں کا ذکر بھی ہے۔ دو مرحلوں میں مولانا عبدالرب صاحب کو خاموش کر دینے (۵) کی کیفیت بھی درج ہے (صفحہ ۴۰۔ ۵۶) تک کے واقعات یہاں ختم ہوتے ہیں)۔

۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء میں نواب محمد اسماعیل خاں بہادر فیروز جنگ کو ریاست کا اختیار ملا (کہ اب وہ ۱۹ سال کے ہو گئے تھے)۔ اس ذیل میں تبدیلیاں ہوئیں۔ ان کی تفصیل ہے۔ محمد بشیر خاں عرف ننھے میاں کی چھوٹی صاحبزادی شہر بانو جہاں بیگم ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء میں ۸ سال کی تھیں۔ وہ کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہوئیں تو مصنف کے تعویذ سے بفضلہ تعالیٰ اچھی ہو گئیں اور ۱۲۸۹ھ میں ان کی شادی نواب محمد اسماعیل خاں کے ساتھ ہوئی اور دلھن بیگم لقب ہوا۔ ۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۳ء میں گورنر جنرل لارڈ برک نے ملک مالوہ کے انتظام ملکی کو دیکھنے کا ارادہ کیا اس وقت بادرہ کی سڑکیں صحیح نہیں تھیں۔ مصنف نے نواب صاحب کو تنہائی میں کہا کہ اگر انھوں نے سڑکوں کے متعلق کچھ پوچھا تو پھر آپ یہی کہہ دیں کہ مجھے اختیار ملے ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اس لیے میں کچھ نہیں کر سکا۔ اتفاق سے گورنر جنرل نے یہی بات آ کر پوچھی (ریل سے اس کا سفر تھا) اس طرح مصنف کو نواب صاحب کا مزید قرب حاصل ہو گیا (۶) (صفحہ ۶۸ سے ۱ تک مصنف نے اپنے مکاشفات درج کیے ہیں)۔

صفحہ ۷۰ سے مصنف کی تصنیفات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔

۱۔ ۱۲۹۲ھ میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ سے منسوب گنج الاسرار (فارسی) (۷) کا اردو ترجمہ (نواب صاحب کی فرمائش پر کیا اور اس کا نام مخزن الانوار رکھا۔ (قطعہ تاریخ بھی ہے)۔

۲۔ مولانا روم کی مثنوی کا منظوم اردو ترجمہ: یہ مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب کی فرمائش پر کیا تھا چار سال میں لفظی ترجمہ اور چار سال میں اس کی شرح لکھی۔ (یہ واقعی بہت بڑا کارنامہ ہے)۔ نول کشور پریس (لکھنؤ) نے اسے پانچ سال میں (پانچ ہزار روپیہ صرف کر کے) طبع کرایا اور مصنف کو ۶ نسخے عنایت کیے۔ قطعۂ تاریخ بھی ہے۔ تاریخی مصرع ۱۲۹۶ھ بنتا ہے۔ پیراہنِ یوسفی اس کا نام ہے (۸)۔

۳۔ مثنوی حسنِ یوسف۔ (سلوک میں ہے) اس کے آخر میں قطعۂ تاریخ ہے۔ "مظہر قلبی" کے اعداد سے ۱۲۸۷ھ بنتا ہے۔

۴۔ مثنوی جمالِ یوسف۔ حضرت فرید الدین عطار کی پیروی میں سلوک سے متعلق ۱۲۸۸ھ میں لکھی۔ قطعۂ تاریخ میں تاریخی مصرع کے "جمال دو چراغ" سے سال برآمد ہوتا ہے۔

۵۔ مثنوی وصالِ یوسف۔ علم توحید سے متعلق ہے۔ "عاشق ہونا ہے نظیر کا نور بصیر پر بمقام مشاہدہ"۔ اس کے ساتھ بھی قطعۂ تاریخ ہے۔ ۱۳۰۵ھ میں لکھی گئی۔

۶۔ مولد شریف منظوم ۔ اس کا بھی قطعۂ تاریخ ہے۔ یہ بھی ۱۳۰۵ھ کی تصنیف ہے

۷۔ چار باغ (ترجمۂ چہار گلزار) ۔ علم صرف و نحو ، علم بیان مجاز مرسل صنائع و بدائع سے متعلق ہے ۔ یہ بھی اسی سال یعنی ۱۳۰۵ھ میں مرتب ہوا اور مطبع نول کشور (کان پور) سے شائع ہوا۔

۸۔ مولد حسنین ولادت سبطین ۔ نظم و نثر میں مرتب کیا اور مطبع نول کشور (لکھنؤ) سے شائع ہوا۔ قطعۂ تاریخ ۱۳۰۶ھ کا ہے۔

۹۔ شرح یوسفی دیوان حافظ ۔ دیوان حافظ کے ایک سو چوراسی مشہور اشعار کی شرح ہے جو متصوفانہ ہے۔

۱۳۰۷ھ کا قطعۂ تاریخ ہے۔ مطبع نول کشور (لکھنؤ) نے شائع کی۔

۱۰۔ تاریخ یوسفی (دربار جاورہ) نواب عبدالغفور ،نواب غوث محمد خان ، نواب محمد اسماعیل خان (مرحومین) اور نواب محمد افتخار علی خان بہادر دام اقبالہ (مع شجرۂ جمیع اہل خاندان) ۱۳۰۷ھ میں لکھی۔ مطبع لامع الانوار ، آگرہ سے شائع ہوئی اس کے لیے بھی قطعۂ تاریخ ہے۔

۱۱۔ مظہر العجائب یوسفی ۔ یہ ان کے مرشد کے جدامجد شاہ عبدالرحیمؒ کے ملفوظات ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں مرتب کیے ۔ شائع نہیں ہو سکے۔ اس کے لیے بھی قطعۂ تاریخ ہے۔

۱۲۔ میلاد غوثیہ یوسفی ۔ نظم و نثر میں بروایاتِ صحیحہ ۱۳۱۶ھ میں تالیف ہوئی۔ لیکن طبع نہیں ہوئی تاریخی قطعہ اس کے لیے بھی ہے۔

۱۳۔ کلیاتِ یوسفی بعلم تصوّف ۔ یہ مجموعۂ کلمات توحید ، نعت ، عرفان ، غزلیات ، رباعیات ، مناجات اور مثنویات پر مشتمل ہے ۔ ناتمام بھی ہے اور طبع نہیں ہوا۔

۱۴۔ ماتم پنج تن ، نالہ جان کاہ یوسفی ۔ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے متعلق ہے۔ انیس اور دبیر کے ، قریب چھے اشعار بھی شامل ہیں۔ ۱۳۱۸ھ میں شروع کیا تھا۔

۱۵۔ پھر سوانح عمری یوسفی ہے جو اصل کتاب ہے۔ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ (اگست ۱۹۰۳ء) میں شروع کی گئی تھی۔ ۱۵ دن میں مکمل ہوئی اور اس کی نقل ۱۵ رجب ۱۳۲۱ھ (۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء) کو اختتام کو پہنچی (صفحہ ۱۶۷)۔ ۱۲۹۳ھ میں نواب محمد اسماعیل خاں اپنے حواریوں کے ساتھ اور بالخصوص مُصنّف کی معیت میں) دربار قیصری ، دہلی تشریف لے گئے تھے اس کی تفصیل آتی ہے اور دہلی کا یہ سفر صفحہ ۸۵ پر ختم ہو جاتا ہے۔

پھر مصنف نے اپنی دیگر کارگزاریوں کی تفصیل دی ہے اور ان کے عہدوں کا ذکر

بھی ہے۔ جاورہ کے مختلف عہدہ داروں کے حالات اور جو ملات درج ہیں جو وہاں کی تاریخ کے لحاظ سے بہت اہم ہیں۔ صفحہ ۱۲۰ میں پیر عبدالرحیم شاہ صاحب کو نواب صاحب کی طرف سے وظیفہ دیا گیا تھا اس کا ذکر ہے۔ صفحہ ۱۲۲ میں ان کے ساتھ جو بحثیں کی تھیں ان کی تفصیل دی ہے۔ دوسری بحثوں کا بھی ذکر ہے جو صفحہ ۱۳۶ پر ختم ہوتی ہیں۔ صفحہ ۱۴۴ میں پیر دلدار علی شاہ مذاق کے انتقال (۱۳۰۱ھ) پر قطعۂ تاریخ درج ہے۔ صفحہ ۱۴۸ پر نواب محمد اسماعیل خاں کے انتقال (۸ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ - ۱۸۹۶ء) سے متعلق قطعۂ تاریخ ہے۔ ان کے بعد یار محمد خاں گدی نشین ہوئے۔ صفحہ ۱۵۴ میں ذکر آتا ہے کہ نواب محمد اسماعیل خاں مرحوم کی والدہ عالیہ بیگم نے اپنے نواسے فیروز محمد خاں کی شادی کا اہتمام مُصنّف ہی سے ۱۳۱۸ھ میں کرایا تھا۔ مُصنّف نے اپنے بعض عزیزوں کا ذکر بھی کیا ہے اور آخر میں ان کے لیے تیرہ نصیحتیں بھی درج کر دی ہیں جو سب ہی کے لیے مفید ہیں۔ پس ماندگان کے لیے وصیت بھی ہے کہ محبت و اتفاق سے رہیں اور جس طرح میں نے ترکۂ پدری تقسیم کر دیا ہے اسی طرح وہ بھی کریں اور جس طرح میں نے سب کو جاورہ میں یک جا کر دیا ہے وہ بھی اتفاق کو کام میں لائیں۔

بالکل آخر میں لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب پندرہ دن میں تحریر کی ہے اور نقل اس کی بتاریخ ۱۵ رجب المرجب ۱۳۲۱ھ مطابق ۸ اکتوبر ۱۹۰۳ء میں اختتام کو پہنچائی (۹) اللہ تعالیٰ انجام اس کا بخیر کرے۔ آمین ثم آمین۔

پس نوشت:

کہیں کہیں چند (کاغذی) پرزے بھی جلد میں منسلک ہو گئے ہیں جن میں متعدد "یادداشتیں" ہیں۔ وہ جاورہ ہی سے متعلق ہیں۔ ایک پوتے صاحب (نام نہیں دیا) لکھتے ہیں کہ ان کے دادا کا انتقال سہ شنبہ پہلی ربیع الاول ۱۲۸۲ھ (۲۵ جولائی ۱۸۶۵ء) کو ہوا۔ خوش محمد خاں صاحب کا انتقال ۱۲۸۱ھ - ۱۸۶۵ء میں اور عمر خاں صاحب کا انتقال ۱۳۰۶ھ - ۱۸۸۹ء میں ہوا۔

پوتے صاحب (جن کے نام کا علم نہیں) اپنے والد کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء میں ملازم ہوئے۔ کچھ اور باتیں اور مختلف لارڈ وغیرہ کے آنے کی تاریخیں بھی تحریر کر دی ہیں۔

کتاب کی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ ادبی حیثیت یہ ہے کہ وسطِ ہند کی اردو نثر کا خاصا اچھا نمونہ ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حواشی

(۱) مولانا سید مطیع اللہ راشد برہان پوری (۱۳۱۵ھ تا ۱۳۷۱ھ) نے یہ کتاب مجھے ۲۷ ستمبر ۱۹۵۴ء کو کراچی میں عنایت فرمائی تھی۔ وہ بڑے صاحبِ فضل و کمال تھے۔ تاریخ نویسی اور تاریخ گوئی میں بھی بڑی مہارت تھی۔ خطِ شکستہ پڑھنے میں کمال حاصل تھا۔ جسم کے منحنی اور علم کے دھنی تھے۔ ان کے مخطوطات سندھ یونی ورسٹی میں محفوظ ہیں۔ راقم الحروف کی کتاب انعمت علیہم میں ان کے حالات کی تفصیل ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کرنے کے لائق ہے کہ وہ خود بہت اچھی جلد سازی کرتے تھے۔ اسی کتاب میں بعض اہم پرزے بھی شامل کر دیے ہیں۔

(۲) نواب امیر خاں (م ۱۲۵۰ھ۔ ۱۸۳۴ء) اپنے دور کے بہت بہادر نواب تھے۔ رام پور، بھوپال، ناگ پور، مارواڑ وغیرہ میں ان کا کوئی جواب نہیں تھا۔ محمد اعجاز خاں نے تاریخ ٹونک (مطبوعہ ٹونک ۱۹۸۳ء، صفحہ ۵۶۔ ۵۷) میں میں درج کیا ہے کہ جسونت راؤ کی بیوی نے نواب صاحب کو خط لکھے کہ چتوڑ کے دھرمان چیلے نے ستا رکھا ہے تو آپ ناگ پور وغیرہ کے دورے سے واپس آئے۔ اس کا خاتمہ کیا اور ریاست اندور جسونت راؤ کی بیوی کے حوالے کر دی۔ جسونت راؤ جلد مر گیا۔ یہ واقعہ ۱۲۲۷ھ۔ ۱۸۱۰ء سے کچھ پہلے ہو گا۔

(۳) یعنی عربی علوم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

(۴) تحریر کی اس نقل میں اسی طرح ہے لیکن لاموجود الا اللہ۔ لامقصود الا اللہ چاہیے۔

(۵) مولانا عبدالرّب صاحب کو خاموش کر دینے کے واقعات سمجھ میں نہیں آتے۔ کیونکہ میں نے اپنے بزرگوں سے ان کے علم و فضل کی بڑی تعریف سنی ہے۔ اور ہمارے مُصنّف عربی علوم سے زیادہ واقف نہیں تھے۔

راقم الحروف ۱۹۴۳ء میں والدہ صاحبہ کے ساتھ جاورہ گیا تھا۔ ایک دن ایک کباڑی کی کے یہاں مولانا عبدالرّب صاحب کے ایک صاحبزادے کی (نام اب یاد نہیں) ایک

علمی کتاب دیکھی ۔ موضوع غالباً طب تھا ۔ افسوس کہ میں اسے خرید نہ سکا۔

(۶) جادرہ میں ریل ۲۱ جنوری ۱۸۸۰ء کو جاری ہوئی۔ میرے منجھلے نانا حکیم عبدالکریم صاحب نے میرے نانا عبدالقادر خاں کو اس کی اطلاع دی تھی ۔ (تاریخِ اسلاف صفحہ ۱۰۳)

(۷) رسالۂ گنج الاسرار حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ کا نہیں ہے۔ دیکھیں راقم الحروف کا مضمون، سراج البیان (کراچی ۱۹۹۲ء، صفحہ ۱۳۳ بعد)

(۸) پیراہنِ یوسفی بہت بڑا کارنامہ ہے پھر سیماب اکبر آبادی نے بھی الہامِ منظوم کے نام سے اس مثنوی کا منظوم ترجمہ کیا ہے ۔ ان کو کئی مقامات پر توارد ہو گیا ہے یعنی مصرع کے مصرع پیراہنِ یوسفی سے ملتے ہیں ۔ دیکھیں راقم الحروف کی کتاب ادبی جائزے (کراچی ۱۹۵۹ء ۔ صفحہ ۱۹۹ بعد)۔

(۹) نقل کرنے والا شخص کم سواد تھا ۔ الحمد للہ کو کئی مقامات پر الحمد اللہ لکھا ہے (ص ۲، ۱۱۲، ۱۲۰) اسی طرح لاموجودہ اللہ ۔ لامقصودہ اللہ (ص ۳۸) ۔ تعویز (ص ۴۳) ۔ معین ([illegible]) مکرر سکرر (ص ۹۶)۔ بلکل (ص ۶۶) زخیرہ (ص ۸۰)۔ موالفہ (۶۲)۔ تسو بالا (ص ۱۵۰) لکھا ہے۔

ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ :

سندھ کے اُجڑے ہوئے کتاب خانے

اسلام کی آمد و برکت سے ، دوسری صدی ہجری (آٹھویں صدی عیسوی) سے سندھ میں تعلیم کو فروغ حاصل ہوا ، اور مساجد ، مدارس اور کتاب خانے قائم ہوئے۔ بعد میں ، صدیوں تک یہ روایت باقی رہی۔

باہر کے سیاحوں نے بھی یہاں پر تعلیم کا عروج دیکھا۔ چناں چہ سیاح ہیملٹن نے (۱۷۲۳ء ۔ ۱۷۰۰ء) جو سندھ میں آئے اور شہر ٹھٹہ کو دیکھا ، شہر ٹھٹہ میں چار سو کالجوں ، (مدرسوں) کا ذکر کیا ہے۔ ایک تاریخی روایت چلی آ رہی تھی کہ باوجود حکومتوں کی تبدیلی اور حکمرانوں کی آویزشوں کے، تعلیمی اداروں کا احترام کیا جاتا تھا اور اساتذہ و علماء اپنے تعلیمی اور تحقیقی کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ مغلیہ دور کے بعد ، سندھ میں عباسی (کلہوڑہ) میاں نور محمد کی حکمرانی میں البتہ مخادیم کھوہڑا کے سفاکانہ قتل (۱۱۳۵ھ) کی وجہ سے کچھ عرصے تک مدارس پر سایہ پڑ گیا اور علماء و فضلاء سہم گئے۔ لیکن بعد میں جب میاں غلام شاہ نے حکومت کو سنبھالا تو اعتدال و اعتماد قائم ہوا۔ یہ میاں صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھے مگر صاحبِ تدبیر و تدبّر تھے۔ میر بہرام خان ٹالپور جیسا مُدبّر و مُدبّر ان کا وزیر اعظم تھا اور مخدوم محمّد ہاشم جیسا جیّد عالم مملکت کا مفتی اعظم۔ مخدوم صاحب شہر ٹھٹہ میں آکر متمکن ہوئے ، مدرسہ قائم کیا اور اس کے ساتھ اپنی زیرِ نگرانی ایک بڑا کتاب خانہ، ان کے معاصرین احباب اور فارغ التحصیل طالب علموں نے خصوصاً پائینِ سندھ ("لاڑ") کے اضلاع اور کچھ (انڈیا) میں مدرسے اور کتاب خانے قائم کیے۔

عباسی کلہوڑا کے بعد ٹالپور امیروں (۱۷۸۴ء ۔ ۱۸۴۳ء) نے علماء و فضلاء و شعراء کی بڑی قدردانی کی۔ خاص طور پر مدارس اور معروف عُلماء کے لیے وقف و وظائف کا انتظام کیا۔ ان اقدامات سے تعلیم کو فروغ حاصل ہوا اور بعض مدرسے اعلیٰ ترین تعلیمی درسگاہیں بن گئیں۔ ۱۸۵۱ء میں مشہور و معروف انگریز ادیب و عالم رچرڈ برٹن نے ، جو سندھ میں آئے تھے ، ٹالپور عہد کے چھے مدرسوں (سیوہن ، کھوہڑا ، مٹیاری ، ٹرپٹ ، دلہار اور چوٹیاری) کو کالج کی سطح کی درسگاہوں میں شمار کیا ہے۔ Richard F. Burton : Sindh and the Races That Inhabit the Valley of the Indus (Chapter VI on Education in Sindh) ۔ کتاب، خانے مدرسوں

کا لازم و ملزوم جزو تھے اور جوں ہی مدارس اجڑ گئے تو کتاب خانے بھی اجڑ گئے۔ انگریزوں نے ۱۸۴۳ء میں جب سندھ پر قبضہ کیا تو مدارس کے وقف و وظائف بند کر دیے۔ نہ صرف یہ بلکہ ایسے حوالے بھی ملتے ہیں کہ اہلکاروں نے مدارس کے اساتذہ اور علماء سے جب بھی موقع ملا، بے اعتنائی برتی۔ فارسی زبان کو بطور مملکتی زبان کے ختم کر دیا گیا جس سے تعلیمی نظام اور تصنیف و تالیف میں اس کی اہمیت ختم ہونے لگی۔ آئندہ ساٹھ سال کے بعد ۱۹ ویں صدی کے آخر تک، فارسی کتابوں کو پڑھنے اور سمجھنے والے کچھ باقی رہ گئے۔ اسلاف کے بعض جاہل پس ماندگان نے کتابوں کو ورثے کے طور پر مقفول کمروں میں بند کر دیا جہاں پر بالآخر دیمک اور چھتوں سے گرتے ہوئے پانی نے ان کو تباہ کر دیا، یا کتابوں کو سستے داموں بیچ دیا گیا۔

پچھلے پچاس برس میں سندھ میں صحرانوردی کے دوران راقم کو عموماً بارہویں صدی ہجری میں مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی، ان کے معاصرین، اور بعد کے متاخرین عُلماء و فُضلاء کے کتاب خانوں کے آثار نظر آئے۔ مجھے صرف اتنی مہلت ملی کہ کتابوں کے اور کاتبوں کے نام لکھ سکا، چناں چہ جس طور پر میری یاد داشتوں میں اندراجات پائے جاتے ہیں ویسے ہی ان کو لکھ دیا گیا ہے۔ اکثر کتابیں جو بچ گئی ہیں نصابی ہیں، تاہم بعض علمی کتابوں کے آثار بھی پائے جاتے ہیں۔

کتاب خانۂ درسگاہ وُلہار

نتر قبیلے کے بعض عُلماء شاہ بیگ ارغون کے حملے (۹۲۰ھ) کی وجہ سے ٹھٹہ کو چھوڑ کر موجودہ حیدر آباد ضلع کی حدود میں پناہ گزین ہوئے۔ یہاں پر وُلہار کی اراضی (تعلقہ ٹنڈو الہیار) میں مکتب قائم کیا۔ بارہویں صدی ہجری میں مخدوم محمد صابر کی مساعی سے یہ مکتب بڑھ کر مدرسہ ہوا۔ ان سے شاہ عبداللطیف کی ملاقات ہوئی تھی۔ یہاں پر اساتذہ فوت ہوئے تو علماء کے دوسرے گروہ نے جو اسی مدرسے کے شاگردوں میں سے تھے، اس مدرسے کو ضلع میرپور خاص کی اراضی (گوٹھ کنبھرا) میں منتقل کیا اور پہلے نام مدرسۂ وُلہار قائم رکھا۔ میرپور خاص کے حکمراں میر ٹھارہ خاں نے توجہ فرمائی، وقف قائم کیا، اور ٹالپور حکمرانوں کے دور میں یہ مدرسہ ایک بڑی علمی درسگاہ بنا۔ انگریز محقق رچرڈ برٹن نے اس کا ذکر ایک بڑی علمی درسگاہ کے طور پر کیا ہے۔

مکتب سے لے کر مدرسے تک یہاں کے اساتذہ نے کتابوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ آخر میں میاں عبداللہ نے اور بعد میں ان کے دو عالم فرزندوں میاں محمد اور میاں احمد نے کتاب خانے کو سنبھالا۔ کتاب خانے کے لیے میاں محمد نے گھر کی پکی عمارت کے اوپر ایک خاص کمرہ (20 x 20 فٹ) تعمیر کروایا اور اس میں داخل ہونے کے لیے گھر کے اندر سے سیڑھی

بنوائی۔ اوپر چھت میں ایک دریچہ اوپر جانے کے لیے رکھا۔ یہ سب اہتمام اس لیے کیا کہ کتابیں حتی المقدور محفوظ رہیں۔ لیکن متأسفانہ ہُوا کچھ اور۔ ۱۹۳۰ء میں میاں محمد مدینہ شریف چلے گئے۔ کمرہ ۱۹۵۰ء تک مقفول رہا۔ کوئی اہل علم باقی نہ رہا۔ اور کتابوں کو دیمک اور کیڑوں نے چاٹ لیا۔ بعد میں ادھر ادھر کے لوگ اور بعض جاہل افسران نے باقی سالم کتابوں کا صفایا کر دیا۔ راقم یکم اکتوبر ۱۹۷۸ء کو اسلام آباد سے یہاں پہنچا اور بعض بہی خواہوں کی اجازت سے منتشر کاغذات کو اٹھا کر لایا اور جن اوراق و اجزاء پر کتابوں کے نام تھے وہ قلمبند کر لیے۔ اس یاد داشت کا یہ ایک حصہ ہے، مگر بڑا حصہ۔

۱۔ شمہ من شرح الثناء الحسن الحسنی والدعاء الرضی المرتضوی
۲۔ شرح قصیدہ التی انشد معانی مدح خیر الانام من المصنف عبد الحی بن عبدالحق بن محمود الشرعی الکنہ
۳۔ ابواب فی الحدیث مثلاً باب الھدیٰ، باب القرآن والمتمتع
۴۔ کتاب الاربعین فی اصول الدین لابی حامد محمد الغزالی
۵۔ نصائح دینی لموسیٰ بن محمد علماء غشرون افغان
۶۔ مسائل شتیٰ من تصنیف محمد انس بن مخدوم لقمان
۷۔ [تفسیر القاضی] عربی: قال القاضی فی التفسیر (کذا العبارت)
۸۔ [اصول الشرع] اما بعد ان اصول الشرع ثلثـۃ الکتابت والسنـۃ و اجماع الخ
۹۔ مرغوب القلوب فی معراج المحبوب، تصنیف شاہ احمد صاحب نقشبندی (اردو)
۱۰۔ [ستآئی عروض۔ فارسی]
۱۱۔ تکملـۃ تفسیر القرآن الکریم للشیخ جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی (تفسیر جلالین)
۱۲۔ مدارک التنزیل وانوار التاویل (عربی) تفسیر مدارک
۱۳۔ حواشی الفاضل السندی علی الکافیہ
۱۴۔ علی بن سلطان محمد القاری - المبین المعین لفھم الاربعین "
۱۵۔ فی مجلد واحد: فرائض و مختصر الصلوۃ باچین و عمدۃ الاسلام و تکمیل الایمان، بلکہ شامل بن شاہ محمد پلی۔
۱۶۔ فرائض الاسلام کتابت عبدالرحمٰن بن عبدالحمید ربیع الاول ۱۲۱۵ھ کتب الکتاب لحاجی ابراہیم
۱۷۔ شرح کتاب الکافیہ

۱۸. شرح هیاکل النور لعلامہ الدوانی ۔ کاتب خان محمد تالپور شاهوانی ساکن ٹنڈو محمد خان تالپور ۱۲۰۲ھ

۱۹. خلاصۃ الحساب لبہاء الدین العاملی

۲۰. خلاصۃ الحساب کاتب عبداللہ ۲۴ شعبان ۱۲۷۹ھ (عربی)

۲۱. تصنیف عظمۃ اللہ سہارن فوری شرح لہ فی خلاصۃ الحساب

۲۲. نان حلوا لبہاء الدین العاملی

۲۳. کتاب فی بحث الاستعارہ (عربی) المنسوب الی خواجہ ابو القاسم

۲۴. الدر المختار للحصکفی ۔ محررہ عبداللہ عفی عنہ ۱۲۸۱ھ "

۲۵. مجموعہ حاشیہ خطائی علی مختصر معانی

۲۶. الوجوہ والنظائر لابی عبداللہ الحسین بن محمد الدامغانی

۲۷. الحاشیہ الشریف ۔ بید الفقیر عبدالمجید ساکن بعید پورستہ

۲۸. کتاب ابوالمکارم (کذا)

۲۹. بحر قصیدۃ یا سامع الدعاء

۳۰. رسالۂ اهم الامور علم عقائد

۳۱. تکمیل الایمان لعبد الحق الدهلوی

۳۲. عقائد السنیہ

۳۳. شرح شذور الذھب فی معرفۃ کلام العرب

۳۴. میزان الطب تملیک عبدالرحمن ولہاری

۳۵. کتاب البستان لابی اللیث نصر بن محمد السمرقندی

۳۶. عقائد نسفی

۳۷. حاشیہ کواکبی علی حاشیۃ السعدی الآفندی علی تفسیر البیضاوی

۳۸. مشارق الانهار فی شرح مشارق الانوار لعبد اللطیف بن عبدالعزیز المعروف بابن الملک المصحف ۔

۳۹. شرح منیۃ المصلی

۴۰. شرح الوقایہ کتبہ احمد بن یعقوب بن ابراهیم

۴۱. کتاب الاشباہ والنظائر کتابت ۲۰ جمادی الاول ۹۹۹ھ

۴۲۔ شرح اسماء الحسنیٰ
۴۳۔ جامع الصحیح للبخاری
۴۴۔ جمع الوسائل شرح الشمائل للفقیر میر محمدؐ (کذا) بخطِ یعنی میر محمد بن باقی خان بن ابوبکر ساجن بن اسحٰق بن خیر الدین بن مرحوم خیر محمد بن مخدوم پلّی
۴۵۔ الکافیہ ۔ کاتب گل محمدؐ
۴۶۔ الباب المناسک و حباب المسالک من کتابی جمع المناسک
۴۷۔ جواھر القلوب فی زیارۃ المحبوب کتابت ۱۱۱۱ھ
۴۸۔ کتاب ریاض الصالحین
۴۹۔ کتاب اسماء الرجال ۲۴ رجب ۱۱۳۹ھ کتبہ حامد بن حاجی ھارون
۵۰۔ شرح مشکوۃ المصابیح للشیخ علی القاری ۔ کاتب عبدالسلیم بن مرحوم حافظ یعقوب المستوطن بموضع زادہ ثم بموضع ھکورہ ۱۱۹۳ھ
۵۱۔ کتاب نصاب الصبیان
۵۲۔ کتاب جامع معجزات کتابت ۱۱۸۶ (عربی)
۵۳۔ فتاویٰ نور العین فی علم الفقہ
۵۴۔ دیوانِ غنی (کشمیری)
۵۵۔ کتاب در نحو و صرف (فارسی) خادم العماء محمدؐ ہاشم ریگستانی خادم الفقراء میاں عبدالعزیز کتاب بلکیہ عبید اللہ ھنگورجہ گوٹھ ڈلیار تعلقہ کھپرہ
۵۶۔ الجزء الاول من کتاب الدر النثیر للسیوطی
۵۷۔ الجزء الاول من شرح العقیدہ سقانی المحب ۔ الخ ۔
۵۸۔ الکراس الاول من الدر المختار لعلاء الدین حصکفی
۵۹۔ شرح سکندر نامہ محمدؐ نصیر ابن سلطان شتیانی
۶۰۔ کتاب مختصر در علم تذکیر و وعظ و حکایات و حدیث
۶۱۔ محمود نامہ قلمی
۶۲۔ تحفۃ خانی فارسی تمت تم ماہ ربیع الآخر ۱۰۱۹ فقیر الحقیر سیاں کاتب ابوالحسن ولد ...
۶۳۔ مفتاح الصلوٰۃ تصنیف شیخ فتح محمدؐ
۶۴۔ شرح شافیہ تمام شد بتاریخ ۱۵ شہر ربیع الآخر ۱۰۲۹

۶۵۔ الترغیب فی الاخلاص والصدق والنیۃ الصالحۃ

۶۶۔ مسلم العلوم لمحب اللہ

۶۷۔ شرح الشمسیۃ المسمیٰ بالزبدہ للمحقق علاؤ الدین السنبل پوری ۔ مہر " خاکراہ جناب احمدیۃ ۱۱۵۹ "

۶۸۔ نسخۃ العقد ۔ مہر " عبداللہ "

۶۹۔ کتاب تعلیقات المیزان (؟)

۷۰۔ نسخۃ زرادی ۔ مہر " عبداللہ "

۷۱۔ نسخۃ شرح مایۃ ۔ مہر " عبداللہ "

۷۲۔ نسخۃ سجاوندی ۔ مہر " عبداللہ "

۷۳۔ نسخۃ المیزان فی علم الصرف ۔ مہر " عبداللہ "

۷۴۔ قد زال النقص من کتاب مشکوٰۃ الانوار النبویہ فی صحاح الاخبار المصطفویہ بید احوج العباد الی اللہ العلام نور محمد بن نظام غفر لہا ربہا المتوطن بالتعلیقۃ الکمارہ فی التاریخ ۱۱ شہر جمید الثانی ۱۱۶۳ قبل العصر یوم الثلاثاء۔

۷۵۔ شرح لطیف علی الاربعین الاحادیث التی جمعہا ابو زکریا یحییٰ ابن شرف النووی الشافعی الزاہد ... مالکہ بندہ فقیر شامل بن شاہ محمد بن مولنا محمد ہاشم

۷۶۔ صحیفۃ الحوار و ارزقنا الجواز الی الحقیقۃ من المجاز ۔ للتفتازانی ربیع الآخر تسعمائۃ

۷۷۔ شرح الکیدانی تمت بعد الزوال فی تاریخ ۱۲ شہر جمید الثانی سنۃ ۱۱۵۳ از دست فقیر پر تقصیر اضعف العباد پیر محمد بن حاجی الحرمین الشریفین میان حاجی پرنہ ساکن موضع کوترہ کمارہ از قبیل تحسیر پکھر شد

۷۸۔ مفید الانسان (فی الاخلاق والتصوف)

۷۹۔ کتاب الاربعین فی اصول الدین للغزالی

۸۰۔ نافع الطب لسید عبدالفتاح الخاطب بہ خواجہ عبداللہ تمکین

۸۱۔ تفسیر مدارک التنزیل و حقایق التاویل للنسفی

۸۲۔ کتاب میزان المنطق ۔ مہر ۔ محمد حسن "

۸۳۔ کتاب الحسامی فی اصل الفقہ

۸۴۔ مشکوٰۃ المصابیح فی علم الاحادیث محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی

۸۵۔ خلاصۃ الاحکام فی دین الاسلام

۸۶۔ روض الریاحین فی حکایات الصالحین لعبد اللہ بن اسعد الیافعی الیمنی الشافعی

۸۷۔ کتاب الاشباہ والنظائر لزین الدین نجیم الحنفی المصری

۸۸۔ الشرح للجزری

۸۹۔ مفتاح الخیرات لاسمٰعیل بن لطف اللہ باخرزی

۹۰۔ اساس المصلی

۹۱۔ رسالۂ تحفۃ المجربات اضعف عباد اللہ الحامی تاج بن محمد حکیم ۔ در چہار و دو فصل است ۔ فصل اول پند نامہ شیخ فرید الدین چہل دو باب رسالۂ بندگی حضرت شیخ فرید الدین والحق در تصانیف سلوک و مواعظ اھل سلوک ۔ بدان اسعدک اللہ تعالی فی الدارین کلمات حکمات با کفایت و بلغاء درایت رحمہ اللہ بسیاری شمار است اما احوال کلمات در تصانیف و اوقات پشت مکتوب از توفیق عمل رفیق گردانیده اللہ ولی التوفیق باب اول بدانکہ چہار چیز مردم را بچہار رساند ...

(ابواب مختصر ۴۱ ابواب ، مکتوب در پنج اوراق)

۹۲۔ زینۃ القاری بغایت الباری ۔ " تمام شد این کتاب بدست فقیر الحقیر امیدوار بسوئی رحمت پروردگار راجیو رنگریز ساکن قریہ کھرہ در ملک کچھ واسم والدہ تا باریہ د حق و ملک ہم وی است دعوی غیر او باطل است "

(در قراءت قرآن : مثلاً فصل در تبدیل و تحقیق و تسہیل ")

۹۳۔ ... الحواشی للمحقق الشریف علی الرسالۃ (فی المناظرہ ؟)

۹۴۔ الحواشی لغیرہ علی الرسالۃ الشریفۃ المتبرکہ فی علم المناظرۃ۔ قال المحشی فی آخر الرسالۃ :

اعلم ان الحواشی المنسوبۃ الی المحقق الشریف قدس سرہ لھذہ الرسالۃ لاحظتھا فی النسخ المتعددۃ و وجدت بعضھا سقیما ولم یبق اعتماداً علیھا لم التزم نقلھا بل قدرت الکلام علی وجہ لاحظتہ و وقع لعین تقریر نا موافقا تقررہ قدس سرہ و بعضا غیر موافق لہ فتأمل وانصف فان وجدتہ حقا تبعہ والا فا علی فان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین۔

۹۵۔ رسالۃ لعضد الحق والملۃ والدین ... مشتمل علی مقدمۃ و تنبیہ و تقسیم و خاتمۃ۔ المقدمۃ اللفظ قد یوضع لشخص بعینہ وقد یوضع لہ باعتبار

۹۶۔ الرسالۃ فی المناظرہ ... آخرہ

"والبرهان ای الطریق الوقوف علی الحق والعمل به وهذا بالمقاصد اشبہ تمت"

۹۷ آداب البحث فی علم المناظرة

۹۸ رسالۃ المسماۃ بنج المناظرہ

۹۹ رسالۃ فی المنطق ۔ آخرہ

"واما زوج واما فرد لکنہ زوج ولیس بفرد ولکنہ فرد ولیس بزوج لکنہ لیس بزوج فھو فرد لکنہ لیس بفرد فھو زوج ۔ تمت ھذہ الرسالۃ المشھورۃ فی المنطق وقت الظہر یوم الاربعاء من شھر ذی قعدہ" [بغیر سنۃ]

۱۰۰ التوضیح شرح التنقیح ۔ "تم وقت الضحی یوم الثلثاء فی التاریخ ثلثۃ عشر من جمادی الاول ۱۱۰۷ من الہجریہ کاتبہ و راقمہ فقیر الحقیر اضعف عباد مراد ابن حضور دار عرف بھٹی ساکن قصبہ قصور"

۱۰۱ فوائد وافیہ بحل مشکلات الکافیۃ للشیخ ابن حاجب

۱۰۲ مستوجب المحامد فی شرح خاتم ابی حامد الغزالی لابی عمرو عثمان بن یحیی الانصاری عرف بابن بنت ابی سعید ... فی مجلس ثامن محرم سنہ اربع و تسعین و ستمائۃ ۔ کتابت در ذی قعدہ ۱۲۳۱ از دست فقیر عبدالکریم تمام شد

۱۰۳ تکمیل الایمان للشیخ عبدالحق الدھلوی

۱۰۴ العقائد النسفیۃ ، مُہر ، محمد شکیل عفی عنہ ۱۱۹۳"

۱۰۵ فتاوی نور العین فی الفقہ نور الدین بن قطب الدین بن احمد بن زین الدین الخوافی

۱۰۶ الرسالۃ المسماۃ رُشد المجالس ۔ تمت بید فقیر عبدالرحمن بن ساجن ساکنہ قریہ دلدار

۱۰۷ رسالۃ تصنیف احمد محمد عباسی ؛ الحمد للہ پس از حمد و درود بندہ درگاہ حضرت احدیت احمد محمد عباسی کہ از راہ توفیق سلک زمرۂ بندگان شیخ المشائخ نظام الدین درآمد وبعد روزگاری باز این بندہ را از سعادت پائی بوسی از قطب دین دار در یابم ... [فی نصف ورق فقط]

مطبوع : شرح الفصول فی نوادر الوصول در مطبع عالی علوی محمد علی بخش خاں لکھنؤی منطبع گردند ۱۲۹۶ ہجری

۱۰۸ بیاض المقادیر فیھا ، منطقی النواحی بابر محمد ابوبکر علیہ الرحمۃ والغفران

۱۰۹ شرح کافیہ

۱۱۰۔ نحو منظوم فارسی مثنوی

۱۱۱۔ رسالۃ فی بیان المعاصی صغائرھا وکبائرھا

۱۱۲۔ منتخب المثنوی (فارسی) تمت ... کاتب بندہ حبیب اللہ جونیجہ ۱۲۸۳ تاریخ ۱۰ ماہ ربیع الاول روز یکشنبہ

۱۱۳۔ الاستغفارات المنسوبۃ الی سیدنا الحسن البصری ۔ " وکان الفراغ ۔ شھر شعبان فی الطایف ... علیٰ ید فقیر العباد " حامد "

۱۱۴۔ شفاء الامراض [بل الادعیہ فی شفاء الامراض] حق بلک فقیر " میر محمد بن بائی خان بن ابوبکر بن اسحٰق بن خیر الدین بن مخدوم پیرج بن مخدوم مرحوم مغفور پلی قدس اللہ سرہ " شفاء الامراض لمحمد المدعو بالفاضل ... تمت یوم الاحد شھر ربیع الاول بید الفقیر المحتاج الضعیف میر محمد پلی پوترہ ۱۲۴۵

"شیخ مخدوم بلال و مخدوم حسن مالکہ آخر مخدوم ساند قد سلم اللہ ۔ ۲)

[غالباً دعائیہ طور نالاکیل میر محمد جی اکھریں ۔ وری اگتے دعائیہ طور بادشاہ پیر جو نالو]

۱۱۵۔ المنتخب من الرسالۃ " شرح الصدور فی زیارۃ القبور "

۱۱۶۔ کتاب الاجرومیہ فی علم العربیہ : " الکلام ھو اللفظ المرکب المفید بالوضع ...

۱۱۷۔ کتاب ابراھیم شاہی (فارسی) ۔ حق و بلک میاں ابوالبقا

۱۱۸۔ مختصر فتح الروف الوہاب بشرح ترتیب الشھاب (حدیث) (عربی)

۱۱۹۔ بدائع منظوم : فارسی مثنوی ۔ " نام ناظم علی رضا کن یادمولودش ہند ومرقدش بغداد "

۱۲۰۔ ۱۲۱۔ رسالتین للمخدوم محمد ابراھیم بن مخدوم عبداللطیف بن مخدوم ہاشم

۱۲۲۔ رسالتین لمحمد معز بن المرحوم ابوالمعانی مرحوم نصر پوری

(۱) مختصر شرح الحلیۃ القاری للفاضل وجیہ الدین الہاکندی اسکنہ اللہ تعالی

(۲) شرح الصدور فی احوال الموتی واھل القبور ۔ تمت بید محمد معز یوم الجمعۃ الثانی والعشرین من جمید الثانی ۱۱۸۰

۱۲۳۔ کنزالدقایق : کتابۃ روز مبارک جمع تاریخ بیست شر شعبان سنہ ۱۱۶۳ ۔

۱۲۴۔ خلاصۃ الحساب محمد حسین العاملی تمت بید میر محمد السبزواری سنہ ۱۰۸۱

۱۲۵۔ دیوان صائب

۱۲۶۔ منتھی العقول فی منتھی النقول لابی زید عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی

۱۲۷۔ تفسیر الشیخ الامام جلال الدین المحلی الشافعی

۱۲۸۔ رسالہ تعلیم الصبیان۔ تالیف العباد الخاطب من الرّسول الامین بخواجہ عبداللہ تمکین المشہور بسیّد عبد الفتاح حکیم۔ (غالباً بخطہ۔ در طب)

۱۲۹۔ کتاب فی صنعۃ الوان الطبیخ (بڑی تختی۔ بڑی خاص کتاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ الذی نطقت بحکمۃ الاطیار وسبحت لعظمۃ الحیتان فی ... وصلی اللہ علی محمدؐ النبی المختار وعلی آلہ الاطہار و عترۃ الاخیار اناء اللیل و ... اما بعد فانی ذاکر فی کتابی ہذا صنعۃ الوان الطبیخ المستعمل فی زماننا من الحلو والحامض والسادج والمقلی والمشوی واصناف عمل الحلوی و ... وما اشبہھا و اصناف اعمال السمک الخ

۱۳۰۔ حاشیہ ہندی

۱۳۱۔ دیوان ثنائی

۱۳۲۔ کتاب المنہج المبین فی شرح الاربعین للفاکہانی کھانی رحمہ اللہ (کذا فی الشروع)

شروع: الحمد للہ الذی اظہر السنۃ وانارھا ... اما بعد فانہ کان قد خطرلی ان اجمع اربعین حدیثاً

الآخر: قال المصنّف رضی اللہ عنہ وکان الفراغ منہ فی اللیلۃ المسفر صباحھا عن یوم الاربعا سابع عشر جمادی الاولی عام خمسۃ وعشرین و سبعمایۃ ...تم کتاب المنہج المبین تالیف الشیخ تاج الدّین ابی حفص عمر بن علی اللخمی المالکی الاسکندری رحمہ اللہ تعالی مُہر مالکہ۔ عبدالرحمٰن بن حاجی باردن ۱۱۲۶ "(ان بعد آڈد خالی صفحو ان تی ساگئی کاتب جی ھٿ اکرین مسخ شدہ عبارت ہہ ھی۔ تاریخ غرۃ شوال سنہ عددو سبعمائۃ یا تسمائۃ"؟

یعنی ہہ ھی کتاب یاتہ تصنیف واری ساگئی سال یا ب سو سال پوء لکیو ویو۔

۱۳۳۔ کتاب الشمائل المحمدیہ تصنیف عبدالرّسول بن عبدالصمد۔ الخادم للشیخ الاعظم والاستاد لافخم جبیب جبیب اللہ الحنان المنان مولانا الشیخ عبدالواحد بن عبدالغفور بن عبد الرحمٰن"

۱۳۴۔ کتاب فی الاربعین (ناقص از ورق اوّل) کتابہ ۱۰ جمادی الاول ۱۲۱۵۔

۱۳۵۔ کتاب الاربعین مرتبہ عبدالکریم الجیلی۔ کتابۃ عرب کاتب جی۔ مُہر محمد حسن ۱۲۰۱۔

۱۳۶۔ مشکاۃ المصابیح۔ کتابۃ جی تاریخ کانھی

حق بلک میاں عبدالسمیع ساکن موضع وطار ، مُہر حامد ۱۸۱ (۱۰۸۱ ؟)
ثم ساقه عنه التقدیر من نوبة الی نوبة ذی الخاتم

۱۳۷ ۔ حل معاقد القواعد اللآتی شتبت بالدلائل والشواہد "
(و ہو شرح مغنی اللبیب ، لابن ہشام ، او حل معاقد القواعد اللآتی فی مغنی اللبیب) ابو الثناء احمد بن محمد
سر ورق پر : قد دخل فی ملک و افقر عباد اللہ تعالیٰ محمد بن ابراہیم اللستدیلی
(ناقص فی الآخر)

۱۳۸۔ کتاب شرح قاضی حسین ، و للمصنف کتاب آخر المسمیٰ بہ دُرّ الاسرار ۔
وفی الآخر : فلیرجع الی کتابنا المسمیٰ بدرّ الاسرار طی (۹) ان الواجب علی طالب الحق مطالعة کتب الشیخین ابن علی و شہاب الدین المقتول قدس سرہما وقوف ہور ہما طوراً عن قدرہ کالسکبریت الاحمر و توفیق الوصول الیہ اللہ اکبر و اللہ اعلم بالصواب تم ہذا الکتاب المسمیٰ بشرح قاضی حسین۔

۱۳۹۔ رسالہ تصنیف مولانا ابو المکارم فی حرمت استماع سرود و مزامیر (عربی)

۱۴۰۔ شرح وقایة لعبید الدین مسعود بن تاج الشریعة

۱۴۱۔ رسالة ثانیة فی تعداد التشہدات علی قول ابی حنیفہ وابی یوسف رحمہما اللہ ۔ سماہا " رفع المنصب لتکثیر التشہدات فی صلوٰۃ المغرب "

۱۴۲۔ الجمع بالقواعد المسمیٰ بین الشرح بحل المعاقد (غالباً حلّ معاقد القواعد فی مغنی اللبیب لابن ہشام) کتابة خلیل بن ابراہیم فی شہر رمضان سنہ اربع و خمسین والف " ۱۰۵۴ (نسخہ اخریٰ)

۱۴۳۔ مفتاح الدین و خزانة المسلمین شرح مفید الطالبین فی علم الفقہ والیقین۔
کتاب ضخیم فی ۳۹۰ ورق لمصنفہ درویش محمد بن جلال عرف نجار ساکن قادر پور قریب تلنبہ ۔ مالک کتاب مُہر ، بندۂ درگاہ ملک صوبدار خان بن غزیخان سرد "

۱۴۴۔ حاشیہ علی جامی : فی الآخر ، تمت الحاشیہ لمولانا الاعظم والمرتضیٰ الاکرام عصام الملة والدین علی شرح مولانا نور الدین عبدالرحمٰن الجامی ۱۲۵۵

۱۴۵۔ دیوان عرفی

۱۴۶۔ حواشی علی الشرح المشہور لتلخیص المفتاح ۔ والحواشی ایضاً لمصنف الشرح قال : الشرح کنت قید تحا علیہ مجملة حال ما قرأ علی بعض الجیق فسالونی ادامة ان

افصلہ الہم وانقدھا فقعلت ۔ الخ

۱۴۷۔ مختصر مشتمل علی زبدۃ مایجب استحضارہ للطبیب من صناعۃ الطب (عربی)

۱۴۸۔ حکایات و احادیث مرویہ عن النبی صلعم : (عربی)

شروع : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حُکِیَ عن غالب (؟) قال اتیت الکوفۃ فی تجارۃ قال فنزلت قریباً من الاعمش فکنت اختلف علیہ الکوفۃ ...

۱۴۹۔ منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی (عربی)

۱۵۰۔ دیوان نوری (غالباً نور اللہ شاہ نوری نصر پوری) (فارسی)

۱۵۱۔ غزلیات عراقی (فارسی)

۱۵۲۔ نسخۂ مجربات (فارسی) از داؤد خان ولد خدا یار خان عباسی (فارسی)

۱۵۳۔ طوطی نامہ (؟) فارسی

۱۵۴۔ کنز الدقائق (عربی) لابی البرکات عبداللہ بن محمود النسفی

۱۵۵۔ شرح السراجیہ فی الفرائض

۱۵۶۔ تکلمہ عبدالغفور لملا عبدالحکیم

۱۵۷۔ انشاء صلاح المتعلمین (فارسی) بہ دستخط احقر العباد حقیر پر تقصیر ہیچمدان بندہ سامیداس ولد مولچند بن مہتہ منگت رام ساکن بلدہ تہتا تاریخ بست یکم ماہ ربیع الثانی ۱۲۱۰

۱۵۸۔ نسخۂ تاریخ مغول (؟ لیتحقق) (فارسی) کتابت ۱۱۱۲ھ

۱۵۹۔ شرح الاربعین للامام ... والشارح المخدوم رکن ... المعروف بہ "متو نور اللہ مرقدہ (؟) مُہر : - محمد معین ۱۱۱۷" ... صاحب الخاتم بالشراء الشرعی مہر - رب اجعلنی مقیم المحمود ۱۱۹۶ "
یعنی محمد معین کے بعد یہ کتاب محمد مقیم کے پاس آئی ۔

۱۶۰۔ کتاب الاعراب من قواعد الاعراب لجمال الدین عبداللہ بن ہشام الانصاری (عربی)

۱۶۱۔ رسالۃ سلوک الطریق اذا فقد الرفیق لعلی متقی (عربی)

۱۶۲۔ رسالۃ - فتح الکلام فی کیفیۃ فی اسقاط الصلوٰۃ والصیام - لمخدوم محمد ہاشم البنورانی تصنیف شب جمعہ تاریخ بیستم شہر شوال سنہ الف ومأۃ وثمث وثلثین۔ (فارسی)

۱۶۳۔ فصوص الحکم نسخۃ جیدہ ناقصہ من الشروع والآخر

۱۶۴۔ حاشیہ سید شریف حاشیہ عماد الدین

۱۶۵۔ کتاب فی الصرف (؟) - بروز شنبہ بوقت چاشت بتاریخ ہشتم ماہ شعبان ۱۲۰۰ در بلدہ ٹھٹھا

نوشتہ شد ۱۳ ۔ از دست فقیر محمدؐ عفی عنہ در مسجد شریف میاں قاضی صاحب میاں عبدالرحیم عفی عنہ

۱۶۶۔ رسالۃ / کتاب فی بیان اھل الجنۃ آخرھا : دفی الجنۃ لاینفد طعام دان اکل منہ لا ینقص منہ شیئا و نظیرہ فی الدنیا القرآن فتعلمہ الناس ویعلمون وعلی حالۃ لا ینقص منہ شیئا النبی صلعم ان اھل الجنۃ یاکلون و یتنکھون تم طعامھم و شرابھم ریحا کریم الکمک واللہ علیھم بالصواب والیہ المرجع والمآب ۔

بتاریخ ۲۳ جمید الاول ۱۰۶۷

۱۶۷۔ رسالۃ دیدار درسیکات حروف تہجیؔ (کذا) (ابی جعفر و رہل ؟) ۔

۱۶۸۔ کتاب التصحیح با زالۃ الفضیحۃ : (عربی) جمع کاتبہ العبدالی محمدؐ بن محمدؐ البصفیی العقیلی نسباً الشافعی مذھباً الحلوتی النقشبندی

۱۶۹۔ رسالۃ " برھان الجلی فی معرفۃ الولی (فارسی) " شیخ علی متقی۔

۱۷۰۔ شمنی شرح مختصر وقایہ (عربی) ۔ جلد اول وجلد ثانی : مالکہ فقیر حقیر پُر تقصیر حسام الدین بن حافظ جیو از اولاد مخدوم حضرت پلی علیہ الرحمۃ مُہر - حسام الدین ۱۲۳۰ ؟؟ - بتاریخ ششم شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۱۱ ہجری شروع در تحریر این نسخہ نمودہ شد ۔

۱۷۱۔ قوت القلوب (عربی) من مُصنفات رئیس المشائخ قطب الدین ابو طالب محمدؐ بن علی بن عطیۃ الیمنی الدمشقی المکی ۔ ملک حافظ عبدالمجید ۔ کتب الحقیر سلیمان

۱۷۲۔ کتاب الوجوہ والنظائر للفظ المغائر (عربی) الامام العلامہ والحبر الفہامۃ ابی عبداللہ الحسین بن محمدؐ الدامغانی

۱۷۳۔ الاعانۃ الصمدیۃ فی طریقۃ النقشبندیہ (عربی) لمولانا حیات السندی المدنی

۱۷۴۔ کتاب شرح رجلیہ لمولانا و مخدومنا میاں پیر محمد ھالکندی

۱۷۵۔ " سیر الادب ... للطوسی کتابت ۶ محرم ۹۰۴ (= ۹۰۴)

۱۷۶۔ الدر المختار شرح تنویر الابصار لمحمدؐ علاؤ الدین بن الشیخ علی الحصکفی وفی الآخر الخاتم الامضا ۔ لمالکہ - احمد عرف صابر بن نور بن کمال السندی الحنفی وقد نقلت الاجزا ۔ فی اواخر رجب ۱۲۴۲ھ ۔ مُہر - خاک رہ ست احمد صابر "

۱۷۷۔ شرح الھدایہ لابن الہمام کتابت ، شہر صفر ۱۱۰۱

۱۷۸۔ رسالہ چمن فصاحت (فارسی) (فی انشاء لبعض منشیان سند)

۱۷۹۔ رسالہ فی الطب (فارسی) لسید عبدالفتاح (وھوالسندی)

۱۸۰۔ انشاء صلاح المتعلمین از مصنفات اخوند محمد صالح کہ شہرت بہ ٹھارو داشت

۱۸۱۔ فرھنگ بہار دانش (فارسی)

۱۸۲۔ کتاب الاغراب بین قواعد الاعراب لعلامۃ قدوۃ المحققین جمال الدین عبداللہ بن ہشام الانصاری

۱۸۳۔ خلاصۃ التصریف للمخدوم میران (والد مخدوم جعفر) البوبکانی

۱۸۴۔ غایۃ تھذیب الکلام فی تحریر المنطق والکلام و تقریب المرام من تقریر عقائد الاسلام

شروع : الحمد للہ الذی ھدانا سواء الطریق وجعل لنا التوفیق خیر الرفیق والصلوٰۃ علی من ارسلہ ھدی ھو بالاھتداء حقیق و نوراً بہ الاقتداء یلیق ... فھذہ غایۃ تھذیب الکلام الخ

۱۸۵۔ اختصار کتاب المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث للحافظ ابی الخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی لمحمد بن عبدالباقی الزرقانی

الحمد للہ الذی نضر حفاظ سنۃ نبیہ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ و نجیبہ وعلی آلہ واصحابہ و ذریتہ و ازواجہ و صفیہ اما بعد فان الفقیر الحقیر الفانی محمد بن عبدالباقی الزرقانی قد اختصر فیما مضی کتاب المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ علی الالسنۃ للحافظ الشھیر العالم الکبیر ابی الخیر محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی تغمدہ اللہ برحمتہ

۱۸۶۔ ترجمۂ متن عصندیہ بالفارسیہ لعبدالرحیم

این فقیر حقیر کہ عبدالرحیم نام دارد و در دیار سند ایام حیاۃ می گذارد گوید کہ چون فن اعتقادیات و عملیات محاورات و خواندگانان آیہ بچندین شمار است پس خواستم کہ متن عصندیہ کہ تعلق بعلم باطنی دارد و رواج تعلّم و تعلیم او از میان برخاستہ بانکہ صلاح جد بحصول دی ست آنرا ترجمہ بفارسی کنم تا طالب مقصود را نافع آید ... مقدمہ در معنی علم الاخلاق الخ

۱۸۷۔ رسالہ فی السلوک (بغیر نام) تصنیف عبدالکریم لاھوری

۱۸۸۔ کتاب سلک السلوک للنخشبی مشتمل بر ۱۵۱ سلوک نام مصنف ندارد ۔ مُہر مالکہ "صدیق عفی عنہ ۱۲۰۵"

[کاتب : محمد مقیم ۔ "وقت الظہر فی یوم السبت تاریخ ۱۰ من شھر المحرم فی الف ومأۃ و خمس و تسعین" ۱۱۹۵]

كتاب السلوک جي شروع ۾ سلوک جي فهرست وارا ورق جن مان هڪ تي مٿين مُهر صدّيق عفي عنه غالبا، فاضل صدّيق جي هٿ لکيل عبارت ۾ " برادرم ميان محمّد مقيم " جي تاريخ وفات ١٧ ماه جماد الثاني في سنه خامس بعد الف وماتين " ١٢٠٥ سندس پاڻ جي وفات تي فاضل صدّيق پهنجي مهر ١٢٠٥ واري عمل ۾ آندي

١٨٩. مفتاح الجنان لمولانا محمّد محير تغمده الله تعالى بغفرانه

١٩٠. تبيان الطرق تصنيف حسام الدّين متقي| صنف الرّسالة في العربية ثم ترجمها بالفارسيه | براۓ فهم مبتديان

١٩١. رساله در ارشاد زنان و دست بيعت ايشان تصنيف حسام الدّين متقي

١٩٢. لغات كتاب يوسف زليخا درين اوراق جمع نموده شد

١٩٣. مُقدمه شيخ داؤد قيصري از شرح فصوص

١٩٤. انتخاب فتوحات، مالكه حاجي محمود چلپه

١٩٥. مُقدمه شرح فصوص لمولانا عبدالرحمٰن جامي۔

١٩٦. رساله جناب الحرمين ويواقيت الحرمين كتابه حفدهم ذوالقعده ١١٨٨ في لحوظ تصرف من يد الحقير افغان شير محمّد ولد جانو خان افغان

١٩٧. فصول مشتمله على وصول الطّريقة وما يتصل بهما ممّا استفدناه من مشائخنا. الخ للشيخ ولى الله بن الشيخ عبدالرحيم

١٩٨. غاية الكمال في بيان افضل الاعمال او منحة الفتاح في فضل التعليم والتعلم لحسام الدّين متقي

١٩٩. رسالة كنز الذخائر في بيان الكبائر والصغائر لابن نجيم المصرى

٢٠٠. حاصل طريقة خواجه بهاء الدّين و الحقّ نقشبند

٢٠١. رسالة التوحيد من كلام قدوة الواصلين الشيخ عبدالله بنياني

٢٠٢. القنيه المنيه لتتميم الغنيه ـ تاريخ اربع و عشرين ١٢١٣ بيد ابوالحسن عرف والدينه بن عبدالواحد المتعلوى (خوش خط ـ ٢٢٩ ورق

٢٠٣. (كتاب في المنطق او الكلام ؟) كاتبه عبدالرّسول المشتهر بطبيب بن المرحوم عبدالرحمن الحنفي السّندي

٢٠٤. شرح « المطلع » على ايسا غوجي ؛ يعني شرح كتاب العلامة اثير الدّين الابهري رحمه

الله المسمّیٰ بایساغوجی فی علم المنطق ... و سمیۃ المطلع

۲۰۵۔ مشکواۃ المصابیح (تصنیف آخر یوم الجمعۃ من رمضان عند رؤیۃ ھلال شوال سنہ سبع و ثلاثین و سبع مائۃ)۔ - وقد تمت ھذہ النسخۃ مشکواۃ المصابیح فی قصبۃ نابان صانھا اللہ تعالےٰ ... من ید یعقوب ابن مرحوم مغفور مولانا دمریہ (؟) خطیب قصبۂ مذکور فی یوم السبت فی تاریخ ۲۳ شہر شعبان المعظم ۱۰۹۵

اللھم غفر لکاتبہ ولابویہ وصاحبہ و مالکہ حقائق آگاہ میاں شیخ فقیر ساکن موضع بتہ (کذا)

۲۰۶۔ حل بعض مواضع شرح الشمسیۃ المشہور بالھمدانی

۲۰۷۔ الحاشیۃ الجلالی (؟) بید کاتبہ الفقیر سلیمان

۲۰۸۔ بہاؤ الدین بن یوسف بن ملک دیناری ... کتاب الاربعین

۲۰۹۔ منح الفوائد فی شرح ھدایۃ النحو لیوسف بن ابی القاسم الحسینی المشہور بلاھوری۔

۲۱۰۔ "رسالۃ النفق فی دفع ما قال بن الحمد متعلوی" (کذا)

۲۱۱۔ شرح عقائد للنسفی

۲۱۲۔ الدّرر (فی الصرف والنحو) و اودعت فیہ ما یحتاج الیہ من الدّلائل سمیۃ بالدّرر وما توفیقی الا باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب : الکلام کلہ علی ثلثۃ اضرب ۔ المراد من الکلام ھنا الکلام اللغوی لا الاصطلاحی الخ.

۲۱۳۔ مفتاح الصّلواۃ للشیخ فتح محمّد

۲۱۴۔ دیوان صائب

۲۱۵۔ المیزان تصنیف شیخ عثمان المعروف بلال شہباز (فقط ایک ورق مع حاشیہ) بدانکہ این رسالہ مسماۃ بمیزان در علم تصریف است۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ ربّ العالمین والعاقبۃ للمتقین والصّلواۃ والسّلام علی رسولہ محمّد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ اسعدک اللہ تعالیٰ فی الدّارین کہ ھمہ افعال برسہ قسم است ماضی و حال و مستقبل ۔ امّا ماضی آن باشدکہ بزمان گذشتہ تعلق دارد وحال انکہ اندرو باشی و مستقبل آن باشدکہ بزمان آئندہ تعلق دارد ۔ امّا ماضی ازان بر چاردہ وجہ است سہ ازان مر مذکر غائب راست وسہ ازاں مر مؤنث غائب راست (ختم)

۲۱۶۔ "شرح میزان للمخدوم احمد الکری" (کذا) اقتباس ۔ ۱۲ "شرح مخدوم احمد لکہ یاری اعنی کوثرائے بر میزان للعثمان رحمہما اللہ المنّان۔ [illegible] بعد

ورق ۲ : "المعروف بہلال شہباز" " تالیف " الامام الکامل محب الملۃ والدین سید الائمۃ والمحدثین مغز الاولیاء عثمان ابن حسن الادیب العالی علیہما الرحمۃ " ۔ ۱۲ شرح المیزان۔

۲۱۷۔ الجث لثبات المحمول للموضوع ۔ ۱۲ مخدوم عبدالرحیم گرہوری من عین خط

۲۱۸۔ رسالہ عبدالهادی الجوهر گانی فی حکم صید البندق ۔ عبدالهادی ولد حاجی روشن الدین مرحوم جام نگر ۲ محرم ۱۳۱۵ھ

۲۱۹۔ کتاب شیخ المشائخ ابوالحسن خرقانی رحمہ ۔ کہ دربیان توبہ و ارادت و ذکر و عبادت و مقراض وکلاہ و خرقہ و میان بستن وسجادہ وعلم و قندیل و زنبیل و خدمت و جاروب دادن و کچکول گردانیدن و تکبیر گفتن و خرقہ پوشیدن

۲۲۰۔ رسالۃ تنبیہ الاحبۃ فی علامات المحبۃ لعلی بن حسام الدین متقی

۲۲۱۔ رسالہ تصنیف نجم الائمۃ والدین عمر بن احمد النسفی ۔ ابتداء ہ اھل الحق حقائق الاشیاء ثابتۃ والعلم بھا متحقق خلافاً للسوفسطائیہ واسباب العلم مختلف ثلث الحواس السلیمہ والخبر الصادق والعقل

۲۲۲۔ تکمیل الایمان لعبد الحق بن سیف الترک الدھلوی البخاری

۲۲۳۔ رسالۃ در اصول دین بدلیل کہ تراب علیہ الرضا معزّ الدین محمد موسوی جمع نمودہ۔

۲۲۴۔ التفسیر : مدارک التنزیل کتابۃ محمد شامل پلی ۱۲۱۳ ۔ مُہر میر محمد و مُہر محمد شامل ۔ "محمد شامل عفی عنہ"

۲۲۵۔ تحفۃ الاکمل والھمام المصدر لبیان جواز لبس الاحمر

لحسن بن عمار بن علی الشرنبلالی

من مآخذہ انہ نقل من متن مواھب الرحمٰن من عین خط مصنفہ و تاریخھا ۱۸ محرم تسعہ عشر و تسعمائہ

۲۲۶۔ غایۃ الاعتماد فی مسئلۃ الاختضاب بالسواد للشیخ محمد المعین التتوی

۲۲۷۔ رسالۃ (؟ ناقصۃ) لمحمد نجم الدین ابن احمد الغیطی الشافعی خادم الحدیث الشریف النبوی ... وکان ذلک بمطبعۃ السید محمد شاهین ... فی اواخر شہر صفر الخیر سنۃ ۱۲۰۸ھ

۲۲۸۔ سھام الاصابۃ فی الدعوات المجابۃ (لمن ؟ ناقص فی الآخر ۔ واولہ) الحمد للہ الذی لا یخیب راجیہ ولا یرد داعیہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ الفرقۃ الناجیہ الزاکیہ ۔ ھذا جزء فی الادعیۃ المجابۃ اما الوصف فی الداعی لیستبان او فضل فی الوقت

اوالمکان اوشرف فی الدعاء و ردت به الاحادیث الحسان۔

۲۲۹۔ کتاب ضخیم [احادیث من ۱۲۲ الی ۲۶۵ ورقۃ و آخرہ] " عن صہیب ان رسول اللہ صلعم قال اذا دخل اھل الجنۃ الجنۃ یقول اللہ تبارک و تعالی تریدون شیئا ازیدکم فیقولون ... رواہ مسلم قال اللہ تعالی ان الذین امنو و عملوا الصالحات یھدیھم ربھم ... العالمین ۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدینا اللہ اللھم صل علی محمد وآلہ محمد و ازواجہ و ذریاتہ و اصحابہ کما صلیت علی ابراھیم ... وحسبنا اللہ ونعم الوکیل والحمد للہ رب العالمین۔

۲۳۰۔ تعلیم المتعلم من طریق التعلم للزرنوجی

۲۳۱۔ نسخۃ من الاربعین المسماۃ " سبحۃ اللؤلؤۃ لحسنھا وجلالتھا عند العالمین " نسخۃ کتابتھا [بخط المصنف او غیرہ] ... المعتصم باللہ الغفار للذنوب الغیر المتناھی محمد المستخیر خان فراھی ... الثانی والعشرین من رجب المنتظم و شھور السنۃ الالف والحادی ... ین من الھجرۃ " [ناقص من ورق ۲ الی ۱۰]۔

۲۳۲۔ کیدانی

۲۳۳۔ کتاب " صواعق محرقہ " لفاضل " مفتی الحجاز ابو عبداللہ " اما بعد فانی قد سئلت قدیما فی تالیف کتاب یبین حقیقۃ خلافۃ الصدیق وامارۃ ابن الخطاب فاجبت ۔ الخ " کاتبہ فقیر ابراھیم مندرہ مالکہ خادم الفقراء میان [ابراھیم ؟] ولد حضرت مرحوم مغفور مخدوم قدس اللہ سرہ ...

۲۳۴۔ مختصر جامع لمعرفۃ الحدیث مرتب علی مقدمۃ و مقاصد (کذا) [فی علم الرجال ؟] آخرہ " تم ہ الکتاب المشہور باسماء الرجال وقت العصر من یوم الجمعۃ الخامس من جمادی الآخر سنۃ اربعین والف مالکہ محمد جعفر قوم کاہ از میان عبدالغنی بطریق ھبہ دست آمدہ است

۲۳۵۔ الرسالۃ مختصرہ فی بیان حکم لبس الاحمر البحت ای الخالص بالمعصفر ... شرعت فیھا سادس عشر من ذی الحجۃ من سنۃ ثلث وستین ومائۃ والف من ھجرۃ سید الانام

۲۳۶۔ الرسالۃ المسماۃ بتکمیل الکفایہ (فی ورثہ و ترکہ) " للمخدوم الاجل والمرشد الاکمل ناصر اھل الھدایہ نعمان الثانی ابو عبداللہ جعفر بن میرن عبدالکریم بن مخدوم یعقوب البوبکانی " [کذا عن الکاتب]۔

کتاب خانہ درسگاہ چوٹیاری:

قصبہ چوٹیاری ضلع سانگھڑ میں واقع ہے۔ بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں میاں محمد مبین نے یہاں پر ایک مکتب قائم کیا جو بعد میں تالپوروں کے عہد میں ایک بڑی درسگاہ بنا۔ میاں محمد مبین (وفات ۵ محرم ۱۱۹۶ھ) ایک جیّد عالم تھے۔ مخدوم محمد ہاشم کے ہم عصر تھے۔ دونوں میں خط و کتابت رہی اور ایک خط میں مخدوم محمد ہاشم نے ان کو "مولانا الشیخ الجلیل والحبر النبیل صاحب الفضل الجزیل والشرف الاصیل و المسجد الاثیل اعنی مولانا الشیخ محمد مبین نوّر اللہ تعالےٰ قلبہ بنور الیقین لکھ کر خطاب کیا ہے۔ مولانا محمد مبین کے ہاتھ کا لکھا ہوا دلائل الخیرات، کا نسخہ نظر سے گذرا۔ اس درسگاہ میں بڑے بڑے اساتذہ نے پڑھایا اور تیرہویں صدی ہجری میں یہاں سے کئی ہونہار طلبہ دستار بند ہوئے۔ مولانا محمد مبین نے کتاب خانے کی بنا ڈالی۔ ٹھٹھہ سے کتابیں نقل کروائیں۔ بعد میں اس درسگاہ کے اساتذہ میں سے میاں عبدالرحمان، قاضی محمد مسعود، میاں عبدالحکیم، میاں محمد اکمل، میاں رب ڈنہ اور خاص طور پر عبدالرسول نے کتاب خانے میں کتابوں کا اضافہ کیا۔ آخر میں میاں حاجی محمد اور ان کے فرزند میاں عبدالحکیم نے اس کتاب خانے کو سنبھالا۔ اس کتاب خانے کی مندرجہ ذیل کتابیں بعض ناقص صورت میں، راقم کی نظر سے گذریں۔

- ماۃ الفوائد والصلات العوائد، بخط محمد اکمل بن عبدالحکیم
- کتاب الاربعین لنوری محی الدّین ابو زکریا ۶۶۸ھ بخط محمد اکمل
- مولد النبی المحتوی علیٰ معجزات النبی، بخط محمد اکمل
- زینۃ المجالس لابی جعفر بن عمر بن الحسن النیسابوری المعروف بہ سمرقندی، وفیہ حکایات الصالحین، بخط محمد اکمل
- بیاض ہاشمی (یعنی بیاض المخدوم محمد ہاشم التتوی) بخط عبدالرحیم گرہوری
- رسالۃ صغیرۃ بعنوان "مناظرۃ الزّاہدین والدّیدان"، لعبد الرحیم گرہوری
- تحاریر المخدوم عبدالواحد السیوستانی والمخدوم عثمان المتعلوی، و دوست علی
- مردح المتعلمین، لعبد الرحیم بن ابی القاسم السندی
- فتح المصلّی (منظوم فارسی مثنوی) لمیان عبدالحکیم بن میان عبدالرحمن
- رسالہ فی قصۃ یوسف "الرّسالۃ التی صنفہا الامام الاجل ابو حامد محمد الغزالی رحمہ

رتہ فی قصۃ یوسف الصدیق "کتبہ - خادم الفقہاء عبدالحکیم بن عبدالرحمن ...
کان شروعہ فی الربیع الاول والخاتمہ فی الجمادی الثانی "

○ الشمایل المحمدیہ للفقیر عبدالرسول عبدالصمد الخادم للشیخ الاعظم والاستاذ الافخم حبیب
حبیب اللہ الحنان المنان مولانا الشیخ عبدالواحد بن عبدالغفور بن عبدالرحمن " بخط
عبید اللہ بن عبداللہ بن المخدوم محمد مبین ... ۲۱ رمضان یوم الجمعۃ سنہ الف و
مائتین و ثلاث و ثلاثین ۱۲۳۳ "

○ شرح شرح ملّاجامی

○ کتاب الھدایہ ۔ فی مجلّدین بخط قاضی محمد مسعود

○ ینابیع الحیاۃ الابدیہ للمخدوم ابی الحسن الداھری ۔ فی مجلّدین بخط رب ڈنہ بن
عبداللہ ونقلہ " من مسودۃ المصنف "

○ المجوعۃ فیھا کتاب فی النحو ۔ ویلیہ الصرف للزنجانی ۔ ثم الرسالہ فی الصرف
والنحو (سنہ الکتابہ ۱۲۹۰) ۔ ثم رسالہ السجاوندی فی النحو کتاب فی الحدیث ویلیہ
شرح مشکوۃ للشیخ عبدالحق خاتم المالکہ

○ نور الایضاح لحسن الوفائی الشرنبلالی الحنفی

○ رسالہ فتح الطالبین فی نصیحۃ المنافقین لعبد الوھاب بن احمد بن علی الشعرانی

○ الوصیۃ الہاشمیۃ للمخدوم محمد ہاشم التتوی

○ کتاب النحو (بالعربیۃ) : " تمت بالخیر والسعادۃ از دست فقیر حقیر پُر تقصیر حامد
بن میاں عبداللہ پہور ۱۲ ربیع الآخر ۱۲۹۵ھ "

○ کتاب ھدایہ شرح بدایہ ۔ لابی الحسنات محمد عبدالحق اللکنوی (مطبوع) مع حواشی
میاں تاج الدین بن میاں حسام الدین بخط شرح الکافیہ المتوسط لعبد اللہ اللبیب

- بوستان سعدی ۔ بخط محمد اکمل

- الدرر المنتقی شرح الملتقی للشیخ محمد علاء الدین الحنفی - فی یوم الاحد ، ماہ ذی الحج
۱۲۲۰ علی ید احقر العباد خالد بن حافظ کامل ڈھرجہ (راجڑ)

○ شرح آداب البحث فی علم المناظرہ " بید ... محمود بن با یزید المتوطن فی الھیجہ یوم
الاثنین الثانی عشر من شھر رمضان سنۃ الف ومایۃ وسبع سنین "

○ رسالہ صغیرۃ فی طریقۃ المطالعہ فی علوم الظن والیقین ۔ لعلم اللہ بن رزاق الحنفی ۔

وقع الفراغ من تالیفہ فی السادس من شہر شوال سنہ ۹۹۶ فی مکۃ المعظمہ "

○ الرّسالہ الوضعیۃ من تصانیف القاضی عضد الدّولہ و الدّین

○ رسالہ فی تعلیقات علی رسالۃ القاضی عضد الدّولہ و الدّین فی آداب البحث والمناظرہ الشہیر بعلم الخلاف ۔ لمحمّد صادق بن درویش محمّد

○ شرح الآداب الرّشیدیہ لعبد الباقی بن غوث الاسلام الصدّیقی (علیہ الحواشی و تعلیقات مخدوم محمّد معین و تصریحات مخدوم رحمت اللہ)

○ سوال و جواب نقشبندی (جوابات عن اعتراضات علی سلسلۂ نقشبندیہ)

○ عین العلم ، المختصر لاحیاء علوم الدین وقد ملکہ ابو طالب بعون الملک المنّان

○ کتاب برہان شرح مذاہب الرحمن فی مذہب ابو حنیفہ النّعمان جید الخط شہر ربیع الاول سنہ ۱۱۰۶ھ " فی مجلّدین

○ شرح الفقہ الاکبر للامام الاعظم المسمّی بہ ضوءالمعالی بدء الامالی لعلی بن سلطان محمّد القاری ۔ کاتبہ مصطفی بن محمّد

○ شرح الصدور بشرح حال الموتی فی القبور

○ کتاب فی النحو ۔ کاتبہ محمّد رضا بن حافظ فضل اللہ بن رحمۃ اللہ

○ ھدایۃ النحو لابی حیان

○ نصاب الاحتساب لعمر بن محمّد بن عرض السنامی التحریر بعد الخاتمہ " اشتریتہ من ورثاء المرحوم قاضی منوّر سنہ ۱۰۵۵ "

○ رشف النظلال فی فنّ الزلال تصنیف مخدوم محمّد ہاشم

○ حاشیۂ چلپی بر مطوّل کاتبہ علی بن محمّد برکت اللہ ۵ م شعبان سنہ ۱۰۲۲ مالکہ الفقیر سلیمان بن عبدالقادر

○ شرح الکافیہ فی النحو ۔ کاتب الحروف حافظ گل محمّد

○ شرح ایساغوجی

○ کشف الوافیہ فی شرح الکافیہ لمحمّد بن عمر الچلپی ۔ کاتبہ و مالکہ فقیر مسعود "

○ شرح الزنجانی للمحقق التفتازانی

○ الحاشیہ المسماۃ لعبد اللہ الیزدی علی الخطائی الذی ھوالمختصر علی التلخیص

○ الحاشیہ علی الزبدۃ لمیر نجم الدین التستوی

○ التهذیب ، یعنی تهذیب الکلام فی تحریر المنطق والکلام

○ شرح التهذیب للفاضل الیزدی

○ المشکواة (؟) کتابت - رمضان سنہ سبعین وتسعماۃ ، مالکہ فقیر ... یب (؟)

نصرپوری خرید سیزدہ روپیہ "

○ شرح الکیدانی ، کاتبہ عبید اللہ

○ سراج المصلّی لابی الحسن الداھری ، نسخہ اواخر صفر ۱۱۶۹ ، و تصنیف ۱۱۶۳

چو بر بوالحسن کرد احسان تمام بکردہ سراج المصلّی تمام

بتاریخ نظم جلی عزیاب باحسانہ المحض تمّ الکتاب

خدایا بایمان بود ختم بہ مرا بحر تاریخ این ختم دہ

معاسات خیرات دلکش زغیر چو باقلب خیر است راقم بخیر

۱۱۶۳

○ القول الاظہر فی جواز لبس الاحمر ، محمد بن حمات الدمشقی

الحنفی ۔ کتابت ، سنہ ۱۲۱۵

○ سراج المصلی لابی الحسن الداھری ، نسخۂ اخریٰ

شروع: بنام خداوند ھر دوسرا درین نام جاری کنم خامہ را

آخر: باعزاز حق خاتمہ خیر شد چو تاریخ ختمش "ہمہ خیر شد "

۱۱۶۳

○ مشکواۃ (؟) اول کتاب البیوع ... باب الکسب و طلب الحلال

○ الشباہ والنظائر ، مالکہ میاں عبدالرحیم بن مخدوم محمود بوبکانی

" وکان الفراغ فی السابع والعشرین من جمادی الاول سنہ تسع وتسعین "

○ بوستان سعدی ، نسخۂ اخریٰ ۔ تم یوم الخمیس وقت العصر بیدہ مسکین عبد اللہ "

○ " تفسیر القرآن بالعربیہ " قد تمّ فی شہر صفر ۱۱۱۹ "

○ شرح نخبۃ الفکر للشیخ ابن الحجر العسقلانی

○ بدور السافرہ فی امور الآخرہ للسیوطی کاتبہ عبدالخالق بن ملّا آدم

وقد وقع الفراغ الیوم الاثنین الثانی عشر ربیع الآخر سنہ ۱۱۳۳ "

○ تفسیر جلال الدّین السّیوطی
○ مسائل فقهیہ ماخوذہ من کتب شیٔ المبارک بن عبدالحق بن نور
○ تحفۃ الفقہ ـ کتابت یوم الاحد ۱۴ رجب ۱۰۷۲ھ "
○ تنویر الابصار ـ مالکہ محمّد حسن بن خلیفہ محمّد حسین ـ
○ تحفۃ الاخبار حاشیہ الدّرالمختار ـ کتابت صفر ۱۱۸۵
○ الدّر المختار شرح تنویر الابصار " یوم الاربعاء الثامن عشرہ من الجمادی الثانی سنہ ۱۲۱۰ ـ بیدا حقر عبدالرّحمٰن بن المرحوم حافظ یعقوب "
○ فتح الدّارین للمخدوم جعفر بوبکانی
○ فضل الرّحمٰن بحفظ الایمان و حفظ الایمان بفضل الرّحمٰن
○ چند مسائل فقہ جمع نمودہ عبدالرّحیم بن ابی القاسم السّندی
○ رسالۂ منظوم تحفۃ المبتدین ، و ابیات از کاتب الحروف عبدالرّحمٰن و از سراج المصلّی لابی الحسن
○ کتاب الکافیہ
○ شرح ایسا غوجی " بید ملّا زکریا ولد لشکری سبع عشر من شہر ربیع الثانی ۱۱۳۳ "
○ کتاب ناگھان
○ الحاشیۃ الغطائیہ علی مختصر التلخیص " کاتب عبدالحفیظ بن محمّد صدیق بن عبدالملک المتوطن فی المنگورجہ ـ ۲۲ صفر یوم الاحد بعد الاشراق ۱۱۴۳ "
○ شرح الرّسالۃ المنسوبۃ الی الحضرۃ خواجہ ابوالقاسم فی بحث الاستعارۃ تصنیف عصام الدّین ابراہیم بن محمّد
○ کتاب (؟ ناقص من الاوّل) فی آخرہ

تم تم العبد الفقیر عبدالرّحمٰن الجامی وفقہ اللہ سُبحانہ وظائف عبودیہ للاعراض عن مطالبۃ الاعراض والاعراض ضحوۃ السّبت الحادی عشر من شہر رمضان المنتظم فی سلک الشہور سنہ سبع و تسعین و ثمانما ضمن الہجرۃ تمۃ تمام شد ... کاتب و مالکہ فقیر ابوالحسن ولد مرحوم ابو طالب نوشتہ شد بتاریخ شہر شعبان المبارک ۱۱۷۰ (کذا)

○ النصف الاول من کتاب الفرائد شرح کنز الدقائق - بتاریخ ۳ ربیع الآخر ۱۲۰۳
بیدا حقر العباد عبدالغنی "

○ - کتاب نان حلوا بتاریخ ۸ ماه جمادی الآخر سنہ ۱۱۷۵ روز دو شنبہ وقت عصر
بدست فقیر حقیر چاکر فقیر قوم تالپر بلک این کتاب حق و بلک فقیر رب ڈنہ بن
عبد اللہ بن مخدوم مرحوم مغفور میاں محمدؐ مبین۔

○ الکتاب الوافیہ فی شرح الکافیہ - کتاب - شہر شعبان عشرین سنہ ماۃ والف "

○ التوضیح فی حل غوامض التنقیح - بید عزت اللہ وقت استواء الشمس یوم الاربعاء
الاول من شہر شعبان سنہ ۱۱۷۰ سبعون وماۃ بعد الالف "
جملہ اوراق یکصد و نود - این کتاب بلک مسکین محمدؐ مبین

○ کتاب اساس المصلیٰ (فارسی)

○ صداینۃ المسلمین (فارسی)

○ مفتاح الصلوٰۃ (تصنیف فتح محمدؐ السندی) کتابت بدست موسیٰ دھم شہر ذی الحجہ ۱۲۳۱

○ لباب الاخبار فی علم الحدیث

○ مجلد ضخیم (ناقص) کتاب البیوع ۔ (فی الحدیث)

○ رفع الفریہ والمریہ لابی الحسن الداھری - بید داتر ڈنہ بن حاجی محمود ۔ وقد نسخت ھذہ
النسخۃ من خط المصنف بعینہ ھو الشیخ ابوالحسن الداھری السندی قدس سرہ فی
یوم الاربعاء شہر جمادی الثانی ۱۲۲۶ "

○ شرح کتاب - تلخیص المفتاح المنسوب الیٰ جلال الدین محمد بن عبدالرحمن
القزوینی الخطیب -

○ بذل القوہ فی حوادث سنی النبوہ ۔ للمخدوم محمدؐ ہاشم التتوی

○ کتاب کیدانی - مالک سید دین محمدؐ بن سید شفیع محمدؐ "

○ رسالۃ ۔ تکمیل الایمان وتقویۃ الایقان، لعبد الحق بن سیف الدین الترک
الدھلوی

○ شرح اسماء اللہ (فارسی)

○ تفسیر پارۂ عم (فارسی)

○ کتاب فی التاویلات جامعا لوجوه الاعراب لۂ لعبد اللہ بن محمود النسفی
○ البستانہ فی مرمۃ الخزانۃ ۔ لمخدوم جعفر البوبکانی ۔ کتابت نسخۃ سنہ ۱۱۳۱ "
○ مقدمۃ الصلوٰۃ (منظوم باللغۃ السندیۃ)
○ تفسیر جلالین
○ ریاض الصالحین فی علم الحدیث للنوری
○ کتاب نور الابصار
○ کتاب التبیین ۔ کاتبہ سید معین الدین بن سید میان ۔ محرم الحرام شہر ثمان وستین وتسعمائۃ "۔ حق بلک فقیر ابوالقاسم والد میان جیند اللہ کھرہ "
○ بوستان سعدی ۔ نسخہ ۔ "تمت ماہ محرم ۱۲۱۷"
○ تفسیر ہاشمی (تفسیر پارۂ عم بالسندیۃ) لمخدوم محمد ہاشم
○ شرح الشامی للحسامی ۔ تمت فی شاہ جہان آباد اربع عشر شہر محرم فی جلوس ۲۸ اورنگزیب "
○ شرح قصۂ زلیخا (فارسی) لعبدالواسع ہانسوی
○ کتاب الشمائل المحمدیہ تصنیف شیخ المشائخ زبدۃ العلماء والبلغاء مولوی عبدالرسول بن مرحوم و مغفور میاں عبدالصمد
○ کتاب التوضیح فی حل غوامض التنقیح العبید اللہ بن مسعود بن تاج الشرعیہ "این کتاب ملک مسکین محمد مبین تھرائی" (بخطہ)
○ کتاب فتح القوی فی نسب النبی تصنیف محمد ہاشم "فراغ من کتابت یوم الثانی من شہر جمید الاول سنہ ۱۲۱۵ھ علی ید ملا محمد حسن مخدوم عرف خیر محمد ولد ملا صاحب دنہ مکان قصبہ سیوستان "
○ "کتاب فتح الکلام (فارسی) فی اسقاط الصلوٰۃ والصیام تصنیف مخدوم محمد ہاشم (فارسی)۔
"لا مالک فی الحقیقۃ الا اللہ الظاہر حافظ داتر دنہ بن حاجی الحرمین حاجی محمود بن حاجی عبداللہ التتوی "
○ نبراس تصاریف فارسیہ لابی الحسن الداہری

○ جواهر الاسرار منتخب بہجۃ الابرار
○ ککول نامہ تصنیف ابوالحسن الڈاہری - بید عبدالستار ساکن کاریانہ " (ملک کچھ)
○ رسالۂ سندی، یعنی ابیات السّندی (مع شرح عبدالرحیم گرہوری)
○ بشارۃ الحبیب فی فضل الغریب (مجموعۃ الاحادیث جمعہا عبدالوہاب بن ولی اللہ فارسی)
○ الجواہر الثّمنیہ لعلی بن حسام الدّین المتقی (فارسی)
○ رسالۂ تذکار النّعم و العطایا فی الصبر و الشکر علی الفقر والبلایا
○ رسالۂ چہل حدیث
○ رسالۂ (؟) مخدوم محمدّ حیات السندی - امّا بعد فھذا قدر قلیل فی شرح قصیدۃ من اسمہ مذکور فی قولہ تعالی لما قام عبداللہ یدعوہ ومن ظھر فیہ آثار قولہ ... قال رضی اللہ ... الزم باب ربک ... " (غالباً رسالہ شرح قصیدۃ الزم باب ربک)
○ وصیت نامۂ مخدوم محمدّ ہاشم
○ شرح قصیدۂ بُردہ مختصر
○ شرح قصیدۂ بردہ مطوّل
○ نور العین فی الاشارۃ فی التشھدین للمخدوم محمدّ ہاشم - علی ید محمدّ قبول بن محمدّ مقیم شانزدہ شعبان ۱۱۹۹ "
○ لبث ثوب الاحمر للمخدوم محمدّ ہاشم - البتورائی الاصل ثم التتوی " ۔
○ تحفۃ المبین فی شرح الاربعین للمخدوم محمدّ حیاۃ السندی ثم المدنی ھو المحمود ۱۲۲۰
○ درھم الصّرہ فی وضع الیدین تحت السّرہ للمخدوم محمدّ ھاشم
○ کتاب اوّلہ : کتاب البیوع اعرف ان مشروعات الشارع منقسمۃ الی حقوق اللہ تعالی خالصۃ ...

آخرہ : وھو نظیر اختلافھم فی تصرّفات المرتد لنفسہ بیعا وشراء و نظیر الصبی والعبد المجورین فی عدم تعلّق الحقوق الرّسول فی القاضی والمیۃ والعقود ۔ انتھی کلام الشّارح رحمہ اللہ

○ فاکہۃ البستان للمخدوم محمدّ ہاشم ... تمّت بید الفقیر الحقیر عبدالرحمن بن حافظ محمدّ یعقوب

○ نسخة محتوية علیٰ مسائل الصیام وطال الحاحم لدیّ لاسعاف ھذا المرام فشرعت فیہ اواخر سنۃ الف وماۃ وخمس وعشرین و سمیتہ منظر الانوار ۔ ... وقد وقع الفراغ من ... منظر الانوار تمم ماہ ذی حجہ ۱۲۰۳ "

○ مختصر المعانی لسعود بن عمیر الدعو بسعد التفتازانی

○ مختصر غُنیۃ المستملی (شرح کتاب منیۃ المصلی) لابراھیم بن محمّد بن ابراھیم الحلبی ۔ تمت تاریخ ہفتم شھر شھر ذی قعدہ ۱۱۸۲ ... حررہ فقیر عبدالواحد ولد مرحوم مغفور مولنا ملّا نوح

○ وصیت نامہ مخدوم محمّد ہاشم ۔ منظوم فارسی مثنوی ۔ تصنیف میان عبدالحکیم

خاتمہ : الاھی بحرمت محمّد امین بحرمت ھمہ آل و اصحاب دین ...
بگردان تو مقبول بین الانام بحرمت محمّد علیہ السّلام

○ مجموعۃ الاوراق فیھا : تحاریر علماء سند جمعھا میان محمّد مسعود و منھا تحریر محمّد اکرم متعلوی والمخدوم امام الدّین استاذ والدالتھتانی "

○ رسالۃ لمحمّد حیاۃ السّندی فی ردّ البدعۃ فی ایّام العشرہ الاولیٰ من المحرم

○ رسالۃ فی تعلیم المتعلم ۔ تصنیف الامام الغزالی " (کذا)

○ فرائض الایمان للمخدوم محمّد ہاشم

○ الوصیۃ الھاشمیۃ (بالعربیۃ ۔ نسخۃ اخری)

○ محزن الحقائق ترجمۃ کنزالدقائق ۔ باللغۃ السّندیۃ ۔ مطبوع مطبع فیض سبحانی کوٹڑی

○ تحفۃ الجربات ۔ منظوم در زبان سندی ۔ مطبوع

○ دلائل الخیرات ۔ خوش خط

○ القمر المنیر ۔ معجزات نبی صلعم ۔ مطبوع

○ کتاب النحو ۔ ویلیہ العوامل لعبد القاھر بن عبدالرّحمٰن الجرجانی

○ قصۂ سسئی ۔ پنون تصنیف خلیفہ نبی بخش ۔ مطبوع

○ الصحیح للامام بخاری

○ مشکواۃ المصابیح ۔ الاکمال فی اسماء الرّجال ۔ مطبوع

○ مُقدمۃ الھدایۃ ۔ لمحمّد عبدالحیّ اللکنوی ۔ نسخۃ اخری ۔ مطبوع

○ الکافیہ بالترجمۃ الفارسیہ ، والفوائد الشافیہ ، مطبوع

○ مثنوی مولانا ، مطبع نامی کانپور

○ تفسیر القرآن ، باللغۃ السندیۃ ، مطبوع باہتمام پیران جھنڈہ

○ کتاب زرادی

○ کتاب الصّرف و النّحو

○ یوسف زلیخا جامی ، مع حواشی ملّا سیّد حسن ولد ملّا سعد اللہ مرحوم ساکن قریہ گگہ والہ مطبوع

○ مفید الخلق المعروف بہ طبّ جعفری (سندی) مطبوع

○ یوسف زلیخا ، اردو قلمی

○ مجموعۂ کتب باللغۃ السندیۃ ، مطبوع

○ مدحیات سندی ، مطبوع

○ کواکب السّعادات فی شرح مناقب السّادات (سندی ، الجزء الرابع) مطبوع

○ دلائل الخیرات بخط مخدوم محمّد مبین

○ تحفۃ الفوائد (فی الوظائف) ویلیہ - اساس الفرائض " السّندی لعبد الرّحیم گرھوری

○ کشف اللغات تصنیف احمد نور مطبوع

○ شمائل النبی للترمذی - تمام شد از دست فقیر حقیر محمّد عالم بن حافظ فقیر صاحب دنہ مالکہ و کاتبہ

○ زاد المتّقی والمھتدی ، رسالۃ من رسائل الشّیخ محمّد حیاۃ السّندی ثم المدنی بید الفقیر عبدالرّحمٰن

○ دلائل الخیرات مالکہ حاجی جان محمّد چوٹیاردی ، نوشتہ محمّد حسن قوم ڈبرجہ (راجڑ) تاریخ ۲۹ ربیع الاول ۱۳۵۲ "

○ مشکلات الکافیہ لابن الحاجب

○ لغات فارسی ، ضخیم ناقص از اول و آخر

○ بانت سعاد ، قصیدۃ للکعب بن زھیر

○ شرح بانت سعاد ، لعلی بن سلطان محمّد القاری

○ جامع المعجزات ۔ "کتب فقیر محمد نصیر"
○ انتخاب الاحادیث من الواب مشکوٰۃ المصابیح لعثمان بن عبداللہ المعروف بہ تھارو بن یعقوب السنتلوی
○ العقائد السّنیّۃ لعثمان بن عیسیٰ الصدّیقی الحنفی
○ الهدایۃ (مختصر فی النحو)
○ ماچینی (فی اللغۃ) لفضل اللہ بن ایّوب بن شیخ ابی الحسن المنتسب الی ماچین
○ تجہیز الجنازہ، للمخدوم حامد البوبکانی
○ شمائل النبی للترمذی "خرید شد از سیّد محمود سیوستانی نہم جمادی الاول۔ سید محمّد شاہ بن سیّد الھدیۃ تحریریافت ۱۱۹۷"
○ الحلیۃ الحسنیٰ والعروۃ الوثقیٰ للمخدوم حامد البوبکانی، کاتب و مالکہ فقیر عزّت اللہ
○ اصلاح مقدّمۃ الصلوٰۃ (باللغۃ الفارسیۃ) للمخدوم محمّد ہاشم التتوی
○ مقیمان و پندنامہ فی مجلّد (فارسی)
○ شرح حصن حصین ۔ "کتابۃ نہم شہر ربیع الآخر ۱۰۵۷"
○ مولد النبی للشیخ محمّد ابن الجزری ۔ "ہفتم جمادی الثانی ۱۲۳۶"
○ کتاب فی بیان الخطّ العربی، یعنی انشاء فارسی للشہیر لکنبوہ لمتانی
○ تبیان الصّواب، للمخدوم محمّد قائم
"قال العبد الفقیر الی اللہ الغنی محمّد قائم بن صالح السّندی الحنفی یقول: سالنی الاخ فی اللہ سیّد اسحٰق الساکن بقریہ راجری من قری السّند رحمنا اللہ و ایاہ الباری من ان اذکر قضیۃ الامامین الکریمین .... و سمیۃ تبیان الصّواب فی مناقب سعیدی الآب الواجد الوهاب ۔ الخ" کتابت تمام شد در سنہ ۱۲۴۳ ۔ الفقیر موسیٰ بن چھتہ قوم ملّا سعد پوترہ از قبیلہ جنجہ (کذا۔ والصّواب جنوجہ یا جونیجہ)
○ کتاب جامع الرموز شرح مختصر لوقایہ لشمس الدّین قستانی کاتب الحروف بلال بن مرحوم مخدوم ابراہیم سنہ ۱۰۳۳
○ صحیفۃ الاسرار (؟) فارسی مثنوی

زہجرت ہزار و دو صد پنجاہ سال　　کامد آیات اکرام ذوالجلال

○ تفسیر مدارک التنزیل لاجل الشیخ میر بن مرحوم شیخ حمید ... کتابۃ ثامن رجب

سنۃ ثمانین والف ۱۰۸۰

- تفسیر حسینی ۔ کتابت ۹ ربیع الاول ۱۲۵۲
- ورد المحمدیہ ۔ للشیخ گل محمد قدس سرہ بن خواجہ محمد زمان لواری قدس سرہ وھو شرح فتح الفضل للشیخ عبدالرحیم منگریہ
- نبراس تصاریف فارسیہ
- امداد الفتاح شرح نور الایضاح ۔ کتابت ۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۱۰۳
- " بدایۃ الھدایہ ۔ من تصانیف حجۃ الاسلام ابو حامد زین الدین محمد الغزالی "
- انتخاب من کتاب جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب للشیخ عبدالحق الدھلوی
- کنز الدقائق للنسفی ۔ مالکہ حافظ میاں رحمت اللہ ")
- القرآن الحکیم ۔ حافظ پیر محمد ۱۲ صفر ۱۳۱۰ "
- رسالۃ نقلت لنجم الدین کوبکانی ۔
- مختصر المعانی
- شرح تلخیص المفتاح لسعود بن عمر الدعو بسعد التفتازانی
- مروح المتعلمین لعبد الرحیم بن ابی القاسم السندی
- کتاب ... من مؤلفات جامی تصنیف سنہ ۸۹۰ ۔ کتابۃ ۳۰ ذی قعدہ ۱۲۰۰ (؟)
- مفاتیح الجنان و مصابیح الجنان لکونہ محتویا بالمفاتیح جنان الاخبار و مصابیح حنان الاخبار (کذا ؟) لیعقوب بن سید علی کتابہ ۱۲۳۰
- مفتاح الصلوٰۃ (فارسی) از دست حقیر پُر تقصیر محمد حافظ بن محمد ۔ ساکن بالہ کنڈی کتبہ محرم الحرام سنہ ۱۲۱۰
- الآداب الباقیہ فی شرح الآداب الشریفیہ لعبد الباقی بن غوث الاسلام الصدیقی یعنی شرح الرسالۃ الشریفیہ فی علم آداب المناظرہ (علی الحاشیہ نبذ من تعلیقات محمد معین ۔ تصنیف رمضان سنہ الف و ستین

کتاب خانہ میاں عبدالرسول کتابی چوٹیاری:

میاں عبدالرسول (اول) بن میاں عبدالولی درسگاہ چوٹیاری کے دستار بند عالم تھے ۔ حافظ قاضی محمد مسعود کے ذہین شاگرد تھے۔ درسگاہ چوٹیاری کے کتاب خانے میں اضافہ کیا۔ ایک چھوٹا سا کتاب خانہ اپنے لیے جمع کیا۔ اس کی مندرجہ ذیل

باقیات نظر سے گذریں۔

○ الشمائل المحمدیہ للمخدوم عبدالرسول عبد الصمد : "فیقول من لا احقر منہ فقیر عبدالرسول بن عبد الصمد الخادم للشیخ الاعظم الاستاذ الافخم حبیب حبیب اللہ الحنان المنان مولانا الشیخ عبدالواحد بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن افاض اللہ تعالی علیہ سحائب الرحمہ والمغفرہ والرضوان "

○ قصۂ یوسف زلیخا ۔ کاتب حافظ ... ساکن بالہ کندی

○ کتاب فی الفقہ (ناقص)

○ کفایۃ المنتہی

○ کتاب العقائد للنسفی

○ شرح التفتازانی ۔ "کتب عبدالرسول یوم الثلثاء وقت الضحوۃ الکبری لخمس و عشرین مضین من رجب المنتظم فی سلک الشہور سنہ ۱۲۹۸ "

○ یوسف زلیخا ۔ "کاتب حافظ دلادر بن محمد راجر بن محمد صدیق بن دل جمادی الاول سنہ ۱۲۳۱ "

○ المبین المعین لفہم الاربعین ۔ شرح عزیز لابیط لعلی بن سلطان محمد القاری ۔ بخط محمد مبین

○ الکافیہ ۔ بخطِ عزت اللہ

○ المختصر فی المیزان

○ رسالہ (؟) کتابت ۔ "ولی محمد بن سید احمد لکعلوی بتاریخ روز اربعاء ۱۹ شہر ذی قعدہ الحرام ۱۱۰۸ "

○ گلستانِ سعدی

○ قطبیہ فی المنطق ۔ کاتبہ عبدالرسول ۔ "الیوم التاسع من شہر شعبان المبارک یوم الخمیس سنہ ۱۲۲۶ھ

○ قانونچہ چغمینی

○ دُرِّ المختار ۔ کاتبہ عبدالغنی

○ قرآن حکیم ۔ کاتب محمد صالح بن علی اصغر دربیلی

○ مختصر العقائد النسفیہ

○ السراجیہ فی علم الفرائض ۔ کاتبہا عبدالرسول یوم الخمیس وقت الضحی فی الشہر جمادی الثانی ۱۲۶۳ "
○ "ترجمہ (فارسی) درہم الکیس"۔ کتابت تاریخ ۱۴ شہر شعبان المعظم ۱۲۵۸ "
○ رسالہ کنایۃ الاعتقاد (فارسی) تصنیف فقیر حسین ساکن شہر کشمیر" (کذا)
○ میبذی تصنیف حسین بن معین الدین المیبذی
○ حواشی متعلق بخلاصۃ الحساب (و فی آخر الکتاب): "یقول الفقیر عبدالرسول ان ہذہ حواشی متعلقہ بخلاصۃ الحساب ماخوذۃ من عدۃ مشروحہا الاعلام اخذہا من ہو مستثنی فی فن الحساب مصححۃ بتصحیح مولانا نواب رحم رب الوہاب ۔ فرغت من کتابۃ یوم السبت سابع عشر من شہر ربیع الاول (المنتظم فی سالک الشہور سنۃ ست و ستین بعد الف و مائتین "
○ شرح شرح الفاضل الرازی للرسالۃ الشمسیہ لبرہان الدین المیری
○ تنویر البصار و جامع البحار ۔ کاتب عزت اللہ ۔ ۱۱۹۰ ۔ مؤلف الکتاب محمد بن عبداللہ
○ ہدایۃ المسلمین ۔ کاتب و مالک عبدالرحمن
○ میزان المنطق ۔ بید فقیر محمد حافظ
○ الزبدۃ ۔ علیہا حواشی للقاضی محمود علیہ الرحمہ (و ہو السندی)
○ شرح زرادی در علم صرف (منظوم فارسی) کتابت "تاریخ پنجم شہر جمادی الاول ۱۲۱۱ "
○ سورۃ الملک مکیہ ۔ "مالکہ حافظ یوسف بن نور الدین قوم پلی "
○ رسالۃ: اجوبۃ للشفاعۃ عن اسولۃ
○ النقایۃ للشیخ جلال الدین السیوطی
○ انیس المتقین للفقیہ حسین ابن فقیہ محمد
○ تفسیر مدارک التنزیل ۔ کاتب عبدالرحمن سنہ ۱۲۵۰
○ الطراد الذہب فی ترجیح الصحیح من الذہب (فی تصریح مذہب الامام ابی حنیفہ)
○ کتاب اشباہ والنظائر ۔ "مالک محمد مبین عفی عنہ و عن اسلافہ واخلافہ "
○ نصاب الاحتساب

○ کتاب ... (فارسی) محمد صفی اللہ فاروقی سرہندی

○ شرح مجمل لکتاب عین العلم و زین العلم لعلی بن سلطان محمد القاری
۔ نقل من خط المؤلف بمکۃ المکرمۃ السادس عشر من المحرم ۱۲۳۰

○ زرادی (منطق)

○ جنۃ النعیم فی فضائل القرآن الکریم ۔ للمخدوم محمد ہاشم ۔ "فراغ من تسویدہ فی شہر ربیع الآخر من سنۃ الف ومأۃ واربع وثلاثین"

○ نبراس میزان فارسی لابی الحسن الداہری

○ نسخۂ ابیات سندی " مع ترجمۃ عربی المخدوم عبدالرحیم گرہوری

○ مقصود القاصدین

○ واقعاتِ تاریخی ایام نبی صلعم و صحابہ "قد تم نسخۃ التاریخ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۲"

○ مجمع النکات

○ رسالۃ العنوان فی سلوک النسوان

○ شرح صلوٰۃ عصر (؟)

○ شرح بانت سعاد

○ شرح قصیدۃ بردہ تصنیف جلال الدین

○ شرح قصیدۃ بردہ لعلی القاری۔ کاتبہ موسیٰ ۲۶ ذی حجہ ۱۲۴۷

○ حاشیہ وجیہ الدین بر شرح ملا جامی " تم بید احقر الانام ابراہیم بن مخدوم باردن بن مخدوم مرحوم مغفور عجائب فی تاریخ یوم الثانی اثنان و عشرون من شہر شعبان سنۃ الف وستون۔

○ رسالۃ الحکمۃ فی علم الحکایۃ "بید احقر ابراہیم بن مخدوم باردن من شہر شعبان ۱۰۹۰"

○ کشف اللغات

○ کتاب فی الحدیث (ناقص) کتاب العاقل ... کتاب القسم ... کتاب الطلاق ... باب الاعتکاف

○ تفسیر کلام اللہ

○ تفسیر بیضاوی

○ حکایات الصالحین (بالعربیۃ) بید " حافظ محمد بن محمد حسن من آل بزرگان

نصرپوری فی القریہ المدنہ ساند کنارہ نالہ بون قار متصل تحریر بھار جت فی اوطاق حافظ وسند برای دی بقید قلم آمدہ ... من یوم الجمعۃ فی التاریخ اربع و عشرین من شہر ذی قعدہ ۱۲۵۰ھ "

○ الطریقۃ المحمدیۃ ۔ کتاب - تم الکتاب بعون اللہ و توفیقہ الوھاب فی یوم الثانی و العشرین من شہر شوال المبارک فی وقت العصر فی سنہ الف و ماۃ و ستین من ید عبدالضعیف الفقیر المحتاج الی مغفرۃ ربہ الجلیل منلا محمد بن منلا جیا (والاصل الجیا)۔

○ القرآن: من سورہ یسین الی الآخر (قل اعوذ برب الناس)۔ "وقد وقع الفراغ من تسوید ھذا الکلام بعون الملک السلام فی الشھر ربیع الآخر تاریخ اوان العصر یوم السبت ۱۲۶۰ھ بید اضعف العباد فقیر صالح بن اللہ بندہ بن مخدوم محمد بن مخدوم محمد مبین عفی عنھم "

○ میزان فی علم الصرف

○ زرادی فی علم الصرف

○ کتاب الضریری فی علم النحو لابی الحسن علی بن محمد بن ابراہیم الضریری التھندیزی

○ السجاوندی فی علم النحو للامام الزاھد العالم مجد الدین محمد بن احمد بن طیفور السجاوندی

○ ھدایۃ النحو علم النحو

○ شرح الجزریہ فی علم القرآن المسماۃ بہ "الدقائق المحکمۃ فی شرح المقدمۃ " لابی یحیی زکریا انصاری

○ ماۃ الفوائد ... کاتبہ عبدالرسول فرغ - وقت الظھر یوم الاثنین السابع عشر جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ "

کتاب خانۂ میر خدا بخش خاں ٹالپور:

میر خدا بخش خاں (اوّل) میر شہداد خان کی اولاد میں سے ٹالپوروں کے شہدادانی قبیلے میں سے تھے۔ یہ خاندان، خیرپور ریاست کے شہر سوبھو ڈیرو میں مقیم ہوا۔ میر خدا بخش خاں فارسی کے شاعر اور ادیب تھے۔ ضیاء تخلّص تھا۔ ۱۹ صدی کے نصف دوم میں فوت ہوئے۔ کتب خانہ قائم کیا جس کی باقیاتِ صالحات کو راقم نے ۱۹۵۵ / ۵ / ۲۵ کو سوبھو ڈیرو میں میر علی خاں (بن میر خیر محمد بن میر خدا بخش بن جام تدہ بن میر خدا بخش خان ضیاء) کے

ہاں دیکھا۔ میر غلام علی خاں عمر رسیدہ تھے۔ ان کے بعد کتابوں کا کیا ہوا، کہہ نہیں سکتا:

۱۔ عشقیہ (قلمي فارسي در تصوّف جنهن ۾ بادشاه پير غوث الثقلين جي فيض جي ذكر سان شروعات) کتبہ ملّا غلام محمد ساکنہ قصبہ سکھر سرکار بکھر واقع بتاریخ چہاردہم شعبان ۱۱۶۱ھ

۲۔ تاریخ اسلام (قلمی فارسی از نبی صلعم تا ذکر امام حسین ناقص در آخر)

۳۔ الجزاء الاوّل من كتاب شمائل النّبوه" مالكه اضعف عبدالرّحيم بن ابي الحسن رحمه الله في الدّارين" قلمي عربي۔

۴۔ شرح کلّیاتِ قانون ناقص فی اوّل و آخر (قلمی فارسی)

۵۔ شیرین فرہاد مُصوّرؔ (رواجی نسخہ) فارسی قلمی مُصوّر غالباً نظامی کا

۶۔ فی مجلّد واحد ۱۔ "ہفت پیکر" ۲۔ کتاب تحفۃ الاحرار جامی (فی آخرہ کاتبہ حقیر محمّد سعید، رمضان ۱۰۵۹ھ ۳۔ سلسلۃ الذہب جامی (شروع کے صفحے پر مُہر خدا بخش ابن خير محمد تالپر) " تمت النسخه الشريفه الميمونه سلسله الذهب روز پنجشنبہ بیستم جمادی الاول ۱۰۵۹ھ کاتبہ و مالکہ فقیر حقیر محمّد سعید بن مخدوم عبداللطیف مرحوم بن مولانا ابراہیم السّیوستانی " ۴۔ وامق و عذرا (متن، مگر شروع میں) "من کتاب سلامان اقبال؟ ہمان کاتب ۲۵ جمادی الاول ۱۰۵۹ھ ۵۔ خرد نامہ جامی (آخر ۾ تمام شد کتاب هفت اورنگ " حضرت عبدالرّحمٰن جامی " ششم رمضان ۱۰۵۹ھ کاتبہ و مالکہ محمّد سعید) ۶۔ سکندر نامہ (آخر میں ناقص) ساری کتاب خامی خوشخط

۷۔ مثنوي مولانا روم قلمي هر شش دفتر ناقص شروع کے ورق پر مُہر سیّد حزب الله" ۔ صاحبه خاتمه۔

۸۔ قرآن شريف شرح فارسي خوشخط

۹۔ مجموعہ مکتوبات فارسی (بڑی تختی) وهو كتاب بحرالمعاني " محمّد بن نصیرالدّین جعفر المکّی الحسینی (ناقص فی آخر)

۱۰۔ "تحفۃ المومنین" فی الطّبّ (طب جي لفظن ۽ اصطلاحن جي لغت، آخر ۾ اصول پنجم کيمياء باري ۾ ناقص ۽ كتاب كان جدا ٿيل (النسخه حكيم مير محمّد مومن) فارسي قلمي

۱۱۔ کتاب حدیث

۱۲۔ کتاب رشحات الفنون تصنیف سیّد امین الدّین خان بن سیّد ... الحسینی الھروی (فارسی قلمی)

۱۳۔ الجزء الاوّل والثانی من شرح کرمانی من کتاب کتاب الاستیذان ۔ فی مجلّد واحد ۔ الجلد الآخر ناقص فی آخر ۔ وفی آخر الجزء الاوّل " تمّ بید احقر العباد (فقیر حقیر غازی ولد مرحوم حافظ ملّا قاسم بتاریخ بیست و ھفتم شھر محرم الحرام سنہ ۱۰ " (کذا) (عربی قلمی)

۱۴۔ شاید شرح قانون شیخ (عربی قلمی) ناقص فی اوّل و آخر

۱۵۔ کتاب قرا خانی فارسی ناقص فی آخر

۱۶۔ کنز دقائق الجزء الاول ناقص عربی قلمی

۱۷۔ آئین اکبری قلمی ناقص فی آخر قلیلا

۱۸۔ شرح ایسا غوجی عربی قلمی

۱۹۔ نسخۃ آخر من ایسا غوجی

۲۰۔ لغت عربی مجلّد ضخیم ناقص فی شروع و آخر

۲۱۔ کتاب فی فقہ عربی قلمی ۔ ناقص فی آخر ۔ فی ابواب مثل باب الصّلوۃ ۔ باب احلہ لابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔

۲۲۔ کتاب فی النحو ۔ لعل کتاب سیبویہ (؟) عربی قلمی

۲۳۔ تفسیر قرآن من سورۃ الصّافات ۔ نقل نسخۃ المصنّف وقال المصنّف فی آخر " ھی نسخۃ الاصل لاوّلی التی نقلت من السّواد وھی ام الکشّاف الحرمیۃ المبارکۃ المتبع بھا المحفوفۃ بان یستنزل بھا برکات السماء و یستمطر بھا فی والسّنۃ السبحاء فرغت منھا ید المصنّف تجاہ الکعبۃ فی جناح دارہ السلیمانیۃ التی علی باب اجیاد الموسومۃ المدرسۃ العلّامۃ ضحوۃ یوم الاثنین الثالث والعشرین من ربیع الآخر سنہ ثمان و عشرین و خمسمایۃ "
تمّ الکتاب والحمد للہ ربّ العالمین وصلوۃ علیٰ سیّدنا محمّد وآلہ الطّیبین والطّاھرین یوم الجمعۃ من شھر جمادی الآخر مضین منہ احد عشر یوما بید الفقیر المحتاج الیٰ رحمۃ اللہ الملک الشکور عبدالکریم بن حافظ اسمٰعیل

۲۴۔ دیوان مخفی قلمی (رواجی نسخہ)

۲۵۔ تفسیر قرآن سورہ کہف تک ' فارسی تصنیف حسین واعظ کاشفی برائی " الحضرت السلطانیہ موتمن الملک الخاقانیۃ عضد الدّولۃ القاہرہ رکن السّلطنۃ الزاہرہ مؤیّد الاسلام والمسلمین نظام الدّولۃ والامارۃ والدّین۔

فی غرۃ محرم الکرم سنہ ۸۹۸ھ

۲۶۔ رسائل در بیان اصطرلاب۔ میر صاحب نے یہ مجموعہ ۱۲۵۶ میں لکھوایا۔ کاتب نے آخر میں یہ عبارت لکھی۔

تمت بالخیر والعافیۃ ھذہ نسخہائی دربیان اسطرلاب از ید اضعف العباد اللہ فقیر پُر تقصیر الھرکیہ ولد میاں عمر دراز از قوم پیرزادہ نبیرۂ شہباز فضای لاھوت واقف عرصۂ جبروت جنت مکان فردوس آشیان حضرت مخدوم سلیمان علیہ الرحمۃ والغفران و از اولاد سلطان العاشقین برھان المحققین رحمۃ اللہ تعالے حضرت سلطان محمود ہمیشہ خوشنود نور اللہ مرقدہ و عطر مضجعہ ساکن قصبہ گڈیجی تعلقہ پرگنہ گاگڑی بتاریخ ہشتم ماہ جمادی الاول ۱۲۵۶ بروز پنجشنبہ ... حسب الارشاد فیض رشاد بندگان میر صاحب عظیم الشان منبع جود والامتنان محب العلماء والفقراء میر صاحب میر میاں خدا بخش خاں جیو زید حیاتہ وطال اللہ عمرہ و دام حشمتہ واقبالہ...

۲۷۔ کتاب کفایۃ التعلیم فی صناعۃ التنجیم من مصنفات مولانا زکی المنجم الغزنوی۔ کاتب عبدالملک۔ وقد فرغ من تحریر الکتاب فی یوم الثلثاء سبع وعشرین من شھر ربیع الاول ۱۲۵۱ھ

کتب خانۂ قاضیان کارڑہ:

کارڑہ بستی، ضلع لاڑکانہ کے تعلقہ شہداد کوٹ میں واقع ہے۔ اس کتب خانے کی بنیاد قاضی محمد ابراہیم (اول) نے ڈالی۔ وہ ٹالپور کے دور کا عالم تھا۔ اس کتب خانہ کی باقیات صالحات راقم نے قاضی محمد ابراہیم (دوم) کے ہاں باقی محفوظ ذخیرے میں (۲۲ / ۴ / ۷۱ کو) دیکھی۔ قاضی محمد ابراہیم عمر رسیدہ تھے۔ ان کی ولادت سنہ ۱۳۱۴ھ میں تھی۔

مندرجہ ذیل کتابیں دیکھ سکا:

۱۔ تفسیر کشف الظنون (قلمی)
۲۔ فتاویٰ عالمگیری
۳۔ نصاب سیالکوٹی کی کم و بیش جملہ درسی کتابیں
۴۔ مطول، مصنف سعد الدین تفتازانی بخطہٖ (ان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی)
۵۔ فتح القوی فی نسب النبی تصنیف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کاتب محمد شریف سکنہ لاڑکانہ، چہار دہم جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۴ھ
۶۔ وصایا حاشمی، کاتب محمد شریف ۱۲۸۰ھ
۷۔ النفحات الباھرہ فی جواز القول بالحسنۃ الطاہرہ، تصنیف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی
۸۔ حقیقت محمدی

۹۔ حصن الحصین۔ کاتبہ حامد بن السید محمد فاضل السندی التتوی ۱۱۵۶ھ ۔ اس کتاب کی لوح اجازہ مخدوم محمد ہاشم برائے سید محمد شجاع۔ مخدوم محمد ہاشم کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی:

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ومن نحا نحوہ وبعد فانی قد اجزت بکتاب الحصن الحصین من کلام سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تالیف الولی الکبیر والبحر الحبر الشیخ العارف باللہ ابی الخیر شمس الدین محمد بن محمد بن محمد بن علی الشہیر بابن الجزری نفعنا اللہ تعالیٰ ببرکاتہ ومتعنا بکراماتہ آمین اخانا فی اللہ وحسبنا اللہ السید محمد شجاع بن المرحوم السید امین بن السید زکریا الشریف الحسینی السندی الکبیرائی کان اللہ تعالیٰ لہ دبہ ومعہ بسندی المعتبر[۹] فی ذلک الکتاب من طریق مشائخی الکرام الی مؤلفہ الکریم رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ بشرطہ المعتبر عند المحدثین وتفصیل ذلک السند موکور الی رسالتی المسماۃ اتحاف الاکابر وکان ذلک خامس عشری شہر محرم الحرام من سنۃ ست وخمسین ماۃ والف من ہجرۃ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ واشرف السلام ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم قال ذلک بفیہ وکتبہ بقلمہ رہین ذنبہ الراجی عفو ربہ کثیر الآثام الفقیر محمد ہاشم بن عبدالغفور بن عبدالرحمٰن السندی التتوی غفر اللہ تعالیٰ لہ ذنوبہ وستر عیوبہ بفضلہ العظیم آمین ٥ "۔

مُہر۔ محمد ہاشم عفی عنہ ۱۱۵۳ "۔

کتاب خانۂ مولانا محمدؐ ابراھیم گڑھی یاسین:

قصبہ گڑھی یاسین تعلقہ شکارپور سندھ میں واقع ہے۔ مولانا محمدؐ ابراہیم زندہ تھے جب ان سے ۱۹۴۴ء میں راقم نے استفادہ کیا۔ اُس وقت مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں "سند تحت سیطرۃ العرب" پر تحقیقی مقالہ لکھ رہا تھا۔ مندرجۂ ذیل کتابیں دیکھیں جو مولانا کے کتاب خانے کا ایک حصہ تھیں۔

۱۔ کلیاتِ صائب خوشخط
۲۔ دیوانِ فصیحی
۳۔ دیوانِ سید نعمت اللہ شاہ ۱۱۳۴
۴۔ طرفیۃ فی مدح خیر البریۃ
۵۔ تاریخ سند
۶۔ تذکرۃ الشعراء لغلام علی آزاد
۷۔ تذھیب طباع (در سلوک)
۸۔ نسخۂ کتاب فتحنامہ میر صاحب ٹالپر
۹۔ رسالہ منظوم در تصوّف (سنہ ۱۲۰۰)
۱۰۔ کتاب دیوان موسوی للجزء الاوّل من دیوان میر معزّ موسوی (نسخۂ محمد عظیم الدّین) میں محسن ٹھٹوی اور دوسرے شعراء کا کلام
۱۱۔ کتاب تحفۃ العالم
۱۲۔ مجموعۂ کریما قلمی مترجم بترجمۂ سندھی منظوم، و فالنامہ، و سورۃ حاقی قرآنیہ و چند بند نظم فارسی در مدح حضرت علی، و قصیدہ در مدح نوّاب ولی محمدؐ خاں لغاری از آخوند صاحب ڈنہ امام مسجد قاضی سندھی شکارپوری وایضاً قصیدہ در مدح نوّاب احمد خاں و چند اوراق در حالات شاہ طھماسپ صفوی و توزکات امیر تیمور کہ دستور العمل خود کردہ بود۔
۱۳۔ ۱۵ رسائل للمخدوم سیّد بایزید الحنفی مذھباً، الثقفی مسکناً و مدفناً فی مسئلۃ الاشارۃ فی التشھد (بالعربیۃ)
۱۴۔ دیوان ناصر قلمی۔ ناصر علی ھندی ۱۱۲۰
۱۵۔ تذکرۃ المراد

۱۶۔ تحفۃ العراقین کتابت ۱۱۹۳ھ

۱۷۔ مجموعۂ رسائل حضرت علامہ ھمایونی

۱۸۔ ھیر د را نجھن فارسی منظوم تصنیف میر عظیم الدین

قصۂ عشقِ پاکِ را نجھن و ھیر　　شد ز طبعِ عظیم نظم پذیر

گفت سالش سروشِ فرخ پی　　قصۂ عشقِ ھیر و را نجھن طی

۱۲۱۳

۱۹۔ نصاب البلغاء میر علی شیر قانع۔ کاتبہ مؤلفہ روزِ خمیس چہاردہم رجب ۱۱۹۸

۲۰۔ مناقب العارفین (فارسی)

۲۱۔ کتاب الوسائل الی معرفۃ الاوایل للسیوطی

۲۲۔ الجزء الاول من کتاب الدرر المنثور فی ردِّ منکری الاستداد من اصحاب القبور لمولوی ھمایونی

۲۳۔ مجموعۂ رسائل لمخدوم حامد الگھی و مخدوم محمّد ہاشم ٹھٹوی

۲۴۔ قصۂ ھیر و رانجھا منظوم فارسی لضیاء ٹھٹوی ۱۲۱۵ھ : "سنینِ نظمِ این نامہ گہر سنج۔ ہزار و دو صد و بالا دہ و پنج"

۲۵۔ مجموعۂ رسائل فیہا "رسالۂ بیان بدعات" لمخدوم محمّد جعفر بوبکانی

۲۶۔ الوسیلۃ الغریب الی جناب الحبیب لمخدوم محمّد ھاشم ٹھٹوی۔

۲۷۔ مجموعۂ تحاریر مخادیم محمّدی سندھ

۲۸۔ توضیح المسامرۃ فی العقائد للامام ابن الھمام قلمی ناقص فی آخر

۲۹۔ مجموعۂ رسائل از مخدوم محمّد ہاشم و خبارش

۳۰۔ مجموعۂ رسائل فیہا رسالۃ شیخ بہاؤ الدین ملتانی و "رسالۂ سندی از مخدوم دھمی ڈنہ

۳۱۔ مجموعۂ تفسیر سورۂ یوسف و رسائل دیگر

کتاب خانۂ قادر شاہ نصرپوری:

بتاریخ ۱۰۔ مئی ۱۹۶۳ء کو اس کتاب خانے کی مندرجۂ ذیل باقیات کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ قادر شاہ بن سیّد ڈنل شاہ حکیم تھے۔ کافی طب کی کتابیں، اردو ترجمہ یا فارسی میں۔ بعض عربی کتابیں قلمی

۱۔ شرح عقد (عربی صرف نحو میں) مُہر "غلام محمد ۱۰۳۰ "

۲۔ مدحیات در عربی فارسی تدرای تقطیع. مُہر: "نصیر محمد ۱۲۲۱" "مُہر دیگر" گل محمد"

۳۔ کنز الھدایات، بید اضعف العباد محمد ذاکر ثمانیہ و عشرین شہر رجب ۱۱۸۳

۴۔ "کتاب بوارق الالماع فی تکفیر من محرم السماع و تبین شرفہ بالاجماع تالیف الامام العلامۃ الاوحد الورع الزاھد ابی عبداللہ احمد بن محمد بن محمد الغزالی الطوسی (صرف آخری صفحے کے اختتام کی عبارت)

۵۔ شرح العقد من مصنفات المخدوم المرحوم المشتہر بقاضی محمود من ید الفقیر الحقیر العاصی القاصی الفقیر المعاصی اضعف العباد من عبد الضعیف الیٰ التحقیق بندہ فتح محمد عفی عنہ ۱۲۹۱

۶۔ رسالۃ الموسومۃ براح الارواح فی تاریخ عشرین من شہر شعبان ۱۲۹۰ من ید الفقیر فتح محمد بن حاجی عبداللہ فارسی

۷۔ (روزہ نماز وغیرہ کی بابت نبی صلعم کے اقوال وغیرہ فارسی) فارسی کاتبہ کمال الدین رضوی تاریخ بست چہارم درشنبہ شہر محرم الحرام ۱۱۱ (کذا)

۸۔ کتاب نل دمن مثنوی منظوم فارسی (خوش خط)

۹۔ دیوان حافظ ناقص

۱۰۔ یوسف زلیخا ناقص

۱۱۔ چہل حدیث متبرکہ بلکیہ حاجی احمد فقیر بھارون از قبیلہ نده ولد ناقھ فقیر

۱۲۔ مکتوبات امیر کبیر سید محمد یوسف ھمدانی از دست خادم درسگاہ خانقاہ معلیٰ حاجی احمد سندی

۱۳۔ این کتاب بلکیہ حافظ قاضی عبدالجلیل (فقط این طور سر ورق)

۱۴۔ الصلوٰۃ الملمعۃ المبارکہ تصنیف مجدد الف ثانی علیٰ ید گل محمد بن عبدالباقی بن نعمت اللہ قادری نقشبندی

۱۵۔ گنج اکسیر مختصر کتاب مرید علی شاہ مرحوم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۔ نسخہ ترتیب از سید امید علی شاہ ۔ نسخہ از فتح محمد نصر پوری۔ نسخہ از محمد رضا کنہانی (کذا) سیوستانی۔ نسخہ از آخوند جمعہ۔ نسخہ از ملاں جمعہ پہنور

۱۶۔ دیوان حافظ قدرے خوش خط

۱۷۔ حزب الامام النووی

۱۸۔ حزب البیونی

۱۹۔ حزب الدوار الاعلیٰ

۲۰۔ اوراد سیّد عبدالقادر

۲۱۔ کتاب در رمل

۲۲۔ بوستان

۲۳۔ انشاء

۲۴۔ گرشاسپ نامہ (اسدی)

حسب الارشاد فیض رشاد میر صاحب والا مناقب سپہر سلطنت را آفتاب فلک عظمت را ماهتاب حضرت بندگان آقائی میر صاحب میر میاں محمد خاں تالپر دام اقبالہٗ واجلالہٗ کتاب گرشاسب نامہ تصنیف اسدی از دست فدویت گزین دعاگوئی کمال الدین صورت اختتام و زینت اتمام یافت واقعہ تاریخ ۲۶ ماہ ذی حجہ ۱۲۷۱ ہجری

یہ نسخہ مجھے عنایت ہوا۔ زہے عزّت و شرف

۲۵۔ منشات فیہا رقعات عبدالرسول

کتاب خانۂ حکیم سیّد غلام رسول شاہ رضوی نصرپوری:

سنہ ۱۹۶۳ء میں شہر نصرپور (ضلع حیدرآباد سندھ) جانے کا اتفاق ہوا جہاں پر اس کتاب خانے میں مندرجۂ ذیل قلمی کتابیں دیکھی گئیں:

۱۔ دیوان حافظ (ناقص اوراق) بر حواشی تحریر سنہ ۱۰۶۰

۲۔ گلستان سعدی (ناقص اوراق)

۳۔ دیوان نوری (ناقص سہ ورق)

۴۔ مثنوی مولانا (ناقص چند اوراق)

۵۔ طبِ جانوراں المسمّیٰ بہ دولت نامہ در آخر: "تمت تمام شد نسخہ دولت نامہ" (کذا) بتاریخ چہاردہم ماہ رجب ۱۲۳۰ - تصنیف در ایّام و بر ایماء سلطان فیروز شاہ در سال ہفت صد و ہشتاد -

۶۔ باز نامۂ دیگر لمؤلفہ احمد جامی ترخان در آخر- تمام شد نسخۂ باز نامہ بتاریخ سیوم ماہ شعبان ۱۲۳۰

۷۔ الجزء الاول کتاب ریاض العارفین تصنیف حضرت جدّ بزرگوار سیّد عبدالقادر رضوی نصرپوری

پوری

۸۔ دیوان صابر اردو سالِ تصنیف ۱۸۱۱ [یہ نسخہ مجھے دیا گیا اور شائع ہوا]

۹۔ لغت فارسی (ناقص از اول و در آخر حرف یاء)

۱۰۔ محکِ کمال لحسن مثنوی (غالباً) ناقص

۱۱۔ طبّ قلمی (چہار اوراق دکنی نسخۂ خوب بوده)

۱۲۔ نسخہ جات دیگر (اوراق چند)

۱۳۔ سیفل نامہ لطفعلی (ناقص اوراق در آخر ورق ۱۔ ۳۹)

۱۴۔ تفسیر جلالین۔ الجزء الاول۔ کتبہ الفقیر الحاج موسیٰ سنۃ ستۃ و ستین بعد الالف و مائتین مالکہ المجاری عبدالقادر ... ثمّ مالکہ امام بخش شاہ ثمّ غلام حسین عرف خدا ڈنہ شاہ

۱۵۔ نصف آخر عبدالحق مشکواۃ المصابیح (اشتراہ سیّد غلام حسین شاہ عرف خدا ڈنہ شاہ من مولوی مظفر ناہیہ ساکن قریہ دڈیرد بابو ناہیہ بتاریخ ۱۷ جمادی الاول ۱۳۱۶

۱۶۔ دیوان محی (فارسی)۔ در آخر "تمت تمام شد دیوان حقیقت بیان حضرت غوث صمدانی قطب ربانیؒ کاتب الحروف فقیر عبدالرحیم ولد ملا لعل محمد نصر پوری

۱۷۔ "رسالۃ الموسومۃ بالصبد ؟ ... الاضعف فقیر حبیب بن مغفور ... حبیب مقیم تتہ در محلہ مخدوم شیخ فر ... بملکیہ"۔ ثمّ مالک سیّد وجہ الدّین بن سیّد غیاث الدّین رضوی (وھی معجم الحیوان رتبہ علی حروف المعجم۔ نبی بخش)۔

۱۸۔ لُغت فارسی در اشیاء ادویہ (درق آخر آخرہ) "یتق" اندلی الفخہ پارسی پنیر مایہ "یلشون" ثافیا یونانی صمغ سداب کوچی "یون" بنفشہ بتاریخ ۱۷ ستمبر محرم الحرام ۱۱۴۲ تمام شد

۱۹۔ موسیقی (ہندوستانی) (چہار اوراق باقی)

۲۰۔ الجزء الاول نسخۂ اوّل من کتاب آیہ و احادیث فی شرف السادات ملکیۃ سیّد غلام مرتضیٰ رضوی [ساکن لوھری شریف]، نسخۂ دوم نقش راج حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ملکیہ غلام مرتضیٰ رضوی

نسخۂ سوم نقش چہار دہ معصوم۔ نسخۂ چہارم آفرینی اوّل دین تا نہایت حضرت آدم صفی اللہ ملکیہ غلام مرتضیٰ رضوی

۲۱۔ سیفلنامہ لطفعلی خوش خط ناقص بعدۂ نصف او زیادہ

۲۲۔ قصۂ یوسف علیہ السّلام سندی نظم الف اشباع ترجمہ از قصۂ یوسف علیہ السّلام از میر امین

دہلوی (ناقص اول)

۲۳۔ "کتاب گلشن راز" مشتمل / سوالات از امیر حسین سادات مرید شیخ زکریا ملتانی وجوابات از شیخ محمود چھبنری است۔

کتاب خانۂ منصورہ قصبہ ڈیپر، تعلقہ ہالہ:

۳۔ اپریل ۱۹۷۰ء کو مکتبۂ منصورہ کے کتاب خانے میں یہ قلمی کتابیں دیکھی گئیں

۱۔ تجہیز الجنازہ لفوز السعادۃ ۔ تصنیف حامد بن کمال الدین بن صلاح الدین البوبکانی عربی ۔ سال تصنیف ۱۰۹۹ھ ۔ غالباً مصنف کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ

۲۔ ظفر الفاتح فی علم سلوک ۔ کاتب عبداللہ بن ابراہیم فی شہر صفر ۹۰۶ و مالکہ مولانا آچر۔

۳۔ مجموعہ جس میں مندرجہ ذیل رسالے سماع کے منع یا جواز میں:

- ذم الغناء المحرم فی مذاہب الاربعہ : تصنیف حاجی عیسیٰ باشندہ تعلقہ نوشہرہ فیروز
- تمییز الغناء الصحیح عن السماع الممنوع : تصنیف فضل علی
- فتویٰ جوازِ دُہلِ عرس ۔ تصنیف محمد سعید بن محمد حسن نقشبندی سندی (وھو صاحبِ لواری)
- منتخب اصباح الاسرار فی منع ضرب الطبل والمزمار ، تصنیف قاضی عبدالغنی بن علامہ عُمر کھدہری
- شموس الانوار علی اصباح الاسرار ۔ للعلامہ الحاج ولی محمد فی اللواریہ ۔ عند محمد سعید ادام اللہ
- نفائس الفوائد ۔ عبدالغنی کھدہری
- تنبیہ الغبی فی ردّ ما حررہ الکدھری ۔ محمد عالم المتعلوی
- اغلاط محمد عُمر د ابنہ عبدالغنی الکدھری ۔ علامہ الحاج ولی محمد

باقیات از کتاب خانہ مولوی ہدایت اللہ ہالائی:

۱۔ کتاب حیاۃ الصائمین (سندی قلمی) اصل عربی کتاب مظہر الانوار تصنیف مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی

۲۔ فوح الازہار علی الدر المختار شرح تنویر الابصار ۔ تصنیف ہالائی (قلمی) جلد اول وجلد ثانی۔

۳۔ کتاب مظہر الانوار ۔ تصنیف مخدوم محمد ہاشم (قلمی)

کتاب خانۂ میر علی نواز علوی شکارپوری:

قرۃ العین فی اثبات الاشارۃ فی التشہدین ۔ تصنیف میر علی نواز علوی مطبوع ۔ مطبع اسلامی

لاہور ۱۳۲۳ھ ۔ اندراجات جن سے میر علی نواز کی اپنی کتابوں اور ان کے کتاب خانے پر روشنی پڑتی ہے۔

کتاب خانۂ پیر عباس علی شاہ جیلانی:

گوٹھ رنگ، تعلقہ سکرنڈ ضلع نواب شاہ میں جیلانی سادات آباد ہیں۔ اس خاندان سے بعض اہل علم پیدا ہوئے۔ راقم نے مرحوم پیر عباس علی شاہ کے یہاں ۱۹۵۵ء میں مندرجۂ ذیل کتابیں دیکھیں جو متأخرین علماء سند کی تصنیفات میں سے ہیں۔

- فتاویٰ احمد، تالیف مولوی محمد ہالائی
- مناقب غوثیہ، تصنیف مولوی هدایت اللہ متعلوی
- کواکب السعادات فی شرح مناقب السادات (جلد ۱۰۳۰۵۰۹۰) سادات سندھ کے حالات کے بیان میں ایک ضخیم کتاب تصنیف [illegible] اللہ۔
- نُصرة العاشقین، تصنیف مولوی عنایت اللہ۔ جس میں مولوی هدایت اللہ کے اشعار مرقوم
- اختصار "کواکب السعادات" پر لکھے ہوئے رد کا رد

☆☆☆

ریگستانِ تھر کے کتاب خانے

کتاب خانۂ حافظ خالد راجڑ:

یہ ریگستانِ تھر کے کتاب خانوں میں سے ایک کتاب خانہ تھا جس کو درسگاہ چوٹیاری کے شاگردوں میں سے عالم فاضل خالد بن کامل دہرجہ راجڑ اصل اپنے آبائی گاؤں پہایہ (تعلقہ سوراہ ضلع خیرپور) میں سنہ ۱۲۰۰ھ کے لگ بھگ خیرپور کے حکمران میر سہراب خاں ٹالپور کے عہد میں قائم کیا۔ وہ چوٹیاری کی درسگاہ کے استاذ عبدالرحمان کے تلمیذ اور پیرانِ پاگارہ کے جدِ امجد حضرت محمد راشد کے مرید تھے۔ سہراب خاں نے لحاظ کرتے ہوئے سب محصول معاف کر دیے۔

حکمنامہ میر سہراب خاں ٹالپور

معتمد قدیم الخدمت مقیم خدمتگار قلعہ دار شیر گڑھ و سیموجت بدانہ چون اخوت پناہ برادر عزیز القدر گرامی مقدار مستی خاں فقیر عرضی در حضور بعرض رسانیدکہ کامل درویش قوم دہرجہ دران جا سکونت پذیر کہ ابواہای در سرکار ادای نہ کردہ در حال شمایان خلافِ معمول مبلغ بیست روپیہ عوض آب نوشی و سوداگری، از تحصیل کردہ گرفتہ پروانہ استرداد آں صادر شود لہذا قلمی یافت کہ بورودِ این پروانہ آنچہ مبلغ شمایانہ خلافِ معمول از درویش مذکور وغیرہ قوم ڈہرجہ گرفتہ است آنرا واپس بدہند و آئندہ ہم ابو ہای کل غیر معمول بحالِ او تکلیف نکنند کہ بخاطر جمع بودہ بدعای دولت و اقبال مشغول باشد دراں بابت تاکیدِ تمام دانند تاریخ ۱۱ ماہ رمضان ۱۲۰۵ سہراب فقیر ٹالپور

اس کتاب خانے کی مندرجۂ ذیل کتابیں تا ہنوز حافظ خالد کی اولاد میں سے مولوی میر محمد کے ہاں محفوظ ہیں۔

۱۔ بیاض ہاشمی، یعنی بیاض مخدوم محمد ہاشم التتوی فی مجلدین

۲۔ مفتاح الصلوٰۃ "تم مفتاح الصلوٰۃ فی التاریخ ... من شہر رمضان المبارک (بغیر سنہ) ۔ حق و ملک فقیر محمد ہاشم"

۳۔ الناسخ والمنسوخ

۴۔ کتاب مشکوٰۃ: حقِ ملک میاں یونس ساکن وسندی متعلق نصرپور، شروع کے صفحے پر مُہر: "محمد اسعد حبیبی ۱۱۸۹" ۵۶ ورق اصلی، پھر زیادہ تر نقل کر کے پورا کیا۔

۵۔ توضیح تلویح من علم اصول آخری کتاب شرح تنقیح

۶۔ شرح مشکوٰۃ شریف عاریتی از حافظ عبداللہ ولد مرحوم حافظ خالد گرفتہ محمد الیاس ۱۴ ماہ جون ۱۸۶۶

۔ عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعۃ ... یقول لما رفقنی اللہ بتالیف تنقیح الاصول اردت ان اشرح مشکلات افتح مغلقات

۷۔ شرح منیۃ المصلی لمصنفہ ابراہیم بن محمد ابراہیم الحلبی " قد کنت شرحت کتاب منیۃ المصلی شرحا وسمیۃ بغنیۃ المتملی لکن رایت فیہ بعض الاطالۃ ... فاراد تسیل واختصار۔ ۸۔ سراج المصلی منظوم فارسی للمخدوم ابی الحسن الداہری

۹۔ الشمائل المحمدیہ ، مُہر " داوود عفی عنہ ۱۲۳۰ "

۱۰۔ نفرک شرح زرادی ، در علم صرف بتاریخ پنجم جمادی الاول ۱۲۳۱

۱۱۔ شرح حموی اشباہ والنظائر

۱۲۔ کتاب اشباہ والنظائر ۔ نسخۃ مکتوبہ ۹۹۹ھ

۱۳۔ فرائض الاسلام للمخدوم محمد ہاشم

۱۴۔ کتاب نامِ حق منظوم فارسی مثنوی

نام حق بر زبان ہمیں رانم کہ بجان و دلش ہمی خواہم

۱۵۔ عربی (؟) کتبہ الفقیر عبداللطیف ابن مخدومی میاں عبدالغفور غفرلہٗ

۱۶۔ تاریخ طبری اوائلی حصہ انبیاء سابق سے متعلق

۱۷۔ شرح مشکوٰۃ شریف

۱۸۔ دلائل الخیرات (خوشخط)

۱۹۔ تفسیر منظوم سندی پارہ عم قلمی

۲۰۔ شرح شرح ملّان ؛ عبدالغفور

۲۱۔ سراجی بید اضعف العباد عزت اللہ قوم ڈھرجہ فی یوم الجمعہ صفر

خالد

ابراہیم	عبداللہ
عزت اللہ	حبیب اللہ

۲۲۔ سراجی بید اضعف العباد حامد قوم ڈھرجہ فی لیلۃ الخمیس فی شہر رمضان ۱۲۳۲ھ

۲۳۔ کتاب فی صرف و نحو فارسی مثنوی منظوم

۲۴۔ دُرِّ مختار جلد اول تاریخ کتابت فہرست عنوانات تاریخ ۱۴ رمضان ۱۲۸۳ھ متن کی کتابت "یوم الاثنین وقت العصر"

۲۵۔ دُرِّ مختار جلد ثانی کتابت میون خالد

۲۶۔ ھدایۃ المسلمین (فارسی) بخطِ میون خالد

۲۷۔ درہم الکیس (ترجمہ فارسی از متن عربی)

۲۸۔ مردح المتعلمین لعبد الرحیم بن ابوالقاسم

۲۹۔ وصیّت نامۂ مخدوم محمد ہاشم

۳۰۔ عقائد للنسفی

۳۱۔ المیزان

۳۲۔ کتاب اجناس

۳۳۔ العقد

۳۴۔ مائۃ عوامل للجرجانی

۳۵۔ کتاب النحو (؟) ابو الحسن علی بن محمد بن ابراہیم العزیزی القمندزی

۳۶۔ کتاب النحو (؟) لمجد الدین بن احمد بن طیفور السجاوندی

۳۷۔ کتاب ھدایۃ النحو

۳۸۔ کتاب التصریف

۳۹۔ البدور السافرۃ فی امور الآخرۃ للسیوطی بخطِ اشرف بن عبداللہ بن خالد یوم الاربعاء الخامس عشر من شہر محرم الحرام سنۃ اربع و تسعین بعد الالف و مائتین ۱۲۹۴

۴۰۔ مفتاح الصلوٰۃ (فارسی)

۴۱۔ الحصن الحصین للجزری

۴۲۔ ترغیب الصلوٰۃ لمحمد بن احمد الزاہد (فارسی)

کتابت "از دست فقیر محمد زمان ابن شیخ عبدالملک منشی بتاریخ ہفتم شہر ذی قعدہ روز یک شنبہ وقت پنج گھری روز گذشتہ بخیریت تحریر یافت ۱۱۱۰"

۴۳۔ شرح وقایہ

۴۴۔ اصلاح مقدمۃ الصلوٰۃ تالیف مخدوم محمد ہاشم

۴۵۔ شرح مشکوٰۃ و آخرہ "تم النصف الاوّل من سراج المشکوٰۃ المسمّیٰ بلمعات التنقیح للشیخ عبدالحق

الدہلوی"

۴۶۔ تعلیم المتعلّم فی طریق التعلّم للزرنوجی

۴۷۔ شرح العقد

۴۸۔ رسالہ فی الفلسفہ

۴۹۔ شرح اجناس

۵۰۔ مشکوٰۃ المصابیح مالک میاں محمّد صدیق بن دل از قوم دلیسجہ (میاں تاج محمّد دیسجہ کے عزیزوں میں سے)

۵۱۔ شرح قصیدہ بانت سعاد

۵۲۔ شرح فقہ اکبر رسالۂ علی قاری کاتب شیخن ڈھرجہ کتابت ۲۰ رمضان ۱۲۲۲

۵۳۔ شرح قصیدہ بُردہ المسمّیٰ بہ زبدہ

کاتب میون خالد تاریخ ۱۴ شہر ذی قعدہ ۱۲۲۳

۵۴۔ طریقۃ محمّدیہ (حدیث) کتابت صفر ۱۱۹۰

آخری صفحے کی حاشیے کی عبارت:

محمّد اشرف ڈھرجہ از محمّد عارف ڈھرجہ عاریتی گرفتہ

بعد ازاں پسران محمّد عارف یعنی گل محمّد، سیف اللہ

و علی محمّد این ... کتاب بہ نیت اسقاط مصحف مجید

محمّد اشرف مرا داوند ۱۳۰۶

۵۵۔ "الشمائل النبوی" بید الاضعف تاج محمّد ا ؛ تمت الفہرست بید الفقیر داود بن محمّد بن صدیق بن دل غفرلہ ذنوبہم بتاریخ یاز دہم جمادی الثانی روز چہار شنبہ ۱۲۳۰

و کتابت متن الکتاب بید الفقیر الحقیر تاج محمّد

یوم الجمعۃ من شہر رمضان ۱۱۴۳

۵۶۔ رسالۂ مخدوم محمّد ہاشم فی اسقاط، شوال ۱۱۳۳ھ

۵۷۔ رسالۂ مخدوم محمّد ہاشم شرب الدّخان شروع بتاریخ یازدہم شہر شوال ۱۱۳۳ھ

۵۸۔ مفاتیح الجنان مالک حافظ اشرف بن عبداللہ بن حافظ خالد قوم ڈھرجہ

۵۹۔ تفسیر بیضاوی کتابت یوم الثلاثاء السابع والعشرین من شہر جمادی ۱۰۳۲

۶۰۔ شرح ملّا، کتابت خالد بن حافظ کامل بن محقق وقت الضحیٰ۔ اخر یوم شہر جمادی الثانی ۱۲۲۶"

۶۱۔ بناء الاسلام سندی مخدوم محمدؐ ہاشم، ذوالحجہ ۱۱۳۳ ۔

۶۲۔ سندھی کتاب مجموعہ:

شروع میں: بیت مخدوم محمدؐ ہاشم دو حصہ ۔ ۱۱۴۹ھ

کتاب خانۂ مخدوم حافظ حامد:

حافظ حامد، راجڑ قبیلہ کے ڈیرجہ گھرانے میں سے تھے۔ ریگستانِ تھر میں اپنے آبائی گاؤں تڑ بھرونی میں مکتب اور کتاب خانہ قائم کیا۔ حافظ حامد حافظ قرآن، عالم اور کاتب تھے۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن پاک موجود ہے۔ ایک قرطاس پر مندرجۂ ذیل عبارت دیکھی گئی جس میں حافظ حامد کی بعض کتابوں کے نام دیے گئے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"کتابہای ملکیہ حضرت استاذ مولانا حافظ حامد غفر اللہ لہ و دام اللہ فیوضاتہ و برکاتہ:

یکے	فتوح الاوراد بمعہ تعلیم المتعلمین	نہم	فتح الفضل
دوم	مجموع عربی	دہم	مقدار محافظہ دیوان
سوم	بوستان	یازدہم	نسخۂ طب مجہول
چہارم	ہرکرن	دوازدہم	یک دفتری
پنجم	صواعق	سیزدہم	یک دفتری
ششم	میزان طب بمعہ نسخۂ دیگر طب	چہاردہم	مفتاح الصلوٰۃ پارسی
ہفتم	سراجی	پانزدہم	بعض حکایات الصالحین
ہشتم	زلیخا	شانزدہم	بوستان

واین ہر دو کتاب اخیر از کتابہای حافظ محمدؐ ہاشم کہ در ترکہ دختر حافظ موصوف مسماۃ صالحہ"

کتاب خانۂ مخدوم میاں تاج محمدؐ راجڑ:

یہ کتاب خانہ ریگستانِ تھر کے کتاب خانوں میں سے ایک کتاب خانہ تھا۔ میاں تاج محمدؐ اور حافظ داود نے کتابیں جمع کیں۔ دونوں راجڑ قبیلے کے ولیجہ گھرانے میں سے تھے۔ مدرسہ بمقام واہ ڈیساؤں تھا جو چھچھرو تعلقہ میں شہر چھچھرو سے چالیس میل شمال کو واقع ہے۔ ایک قرطاس میں عبارت نظر آئی کہ مندرجہ ذیل ۱۴ کتابیں مخدوم تاج محمدؐ و حافظ داود کے کتاب خانے میں سے عاریتہً حافظ حامد کو موصول ہوئیں۔

۱۔ کتاب شمائل محمدیہ
۲۔ مشکوٰۃ
۳۔ کتاب اشباہ و نظائر
۴۔ شرح وقایہ
۵۔ شرح منیۃ المصلّی بمعہ میر شریف شرح سراجی فی علم الفرائض
۶۔ فرائض الاسلام
۷۔ تفسیر جلالین
۸۔ حصن الحصین
۹۔ تاریخ طبری
۱۰۔ یک هفتک مدارک
۱۱۔ ترغیب الصلوٰۃ بمعہ شرح نامۂ حق
۱۲۔ گلستان
۱۳۔ عین العلم
۱۴۔ دُرِّ مختار

ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ :

ایک قلمی مجموعۂ رسائل

(تعارف مشمولات)

۱۲ فروری ۱۹۶۶ء کو راقم نے مولوی شمس الدّین مرحوم (م ۱۹۶۸ء) تاجر کتب نادرہ کی دکان (چوک مینار مسجد ، لوہاری دروازہ ، لاہور) پر رسائل کا ایک قلمی مجموعہ دیکھا جو مولوی صاحب مرحوم نے اپنی علم دوستی کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے میرے حوالے کر دیا۔ رحمہ اللہ۔

اس مجموعے میں مندرجہ ذیل رسائل اور تحریریں شامل ہیں :

(۱) فاضل محمّد عبدالحلیم لکھنوی کا عربی میں لکھا ہوا رسالہ - التعلیق الفاصل فی مسئلۃ الطہر المتخلل " ۔

(۲) اردو نثر میں لکھا ہوا رسالہ " ہدایت الاضاحی " ۔

(۳) بعض مسائل پر ، فقہی تصریحات

(۴) تمباکو نوشی کے رد میں لکھا ہوا رسالہ " ردّ الملحدین " (عربی)

(۵) مولوی جان محمد (بن محمد غوث بن ولی اللہ) سیال کوٹی ثمّ لاہوری (مدفون گڑھی شاہو) کا ، تمباکو نوشی کی قباحت کے بیان میں سنہ ۱۲۲۶ھ میں لکھا ہوا رسالہ " بیان فی قباحۃ الدّخان " (فارسی)

(۶) شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی سے سکھوں کی مملکت کے بارے میں سوالات اور ان کے جوابات (فارسی) ۔

نمبر ۴ اور نمبر ۵ والے رسالے سماجی اور تاریخی لطائف سے خالی نہیں اور کسی دوسری صحبت میں قارئین کو ان سے روشناس کرایا جائے گا۔ سر دست منثور اردو رسالے " ہدایات الاضاحی " کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ مگر اس سے پہلے کچھ کاتب کے بارے میں:

اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی غلام حسین اس مجموعۂ رسائل کے کاتب ہیں۔ رسالہ نمبر ۱ (تصنیف محمّد عبدالحلیم لکھنوی ذوالحجہ ۱۲۶۱ھ) کے آخر میں انھوں نے اپنا نام اور سنہ کتابت اس طرح لکھا ہے :

"قد تمت هذه الحاشیۃ النافعۃ ... فی سنۃ ۱۲۷۱ھ کاتبہ فقیر غلام
حسین عفی عنہ"۔

اسی رسالے کے سرورق پر اپنی مُہر بھی ثبت کر دی ہے۔
رسالہ نمبر ۵ یعنی مولوی جان محمدؒ کے رسالے کے آخر میں لکھا ہے:

"تمام شد رسالہ مسمّی بیان فی قباحت الدّخان تصنیف جناب
مولوی صاحب مرحوم و مغفور جان محمدؐ صاحب سیال کوٹی ثم
لاہوری مطابق ۱۲۸۱ ہجری معلّی مقدسی للنظم و تم بالخیر و بہ
استعین"۔

یہاں پر بھی اپنی مُہر کو ثبت کر دیا ہے۔ قلم اور املاء کے انداز سے واضح ہوتا ہے کہ رسائل کا یہ مجموعہ کاتب غلام حسین ہی کا لکھا ہوا ہے۔ رسالہ نمبر ۲ رسالہ نمبر ۴ کے مصنّفین کے ناموں کی صراحت مجموعے میں نہیں ہے، اور ان کا سراغ خارجی شہادتوں سے لگایا جانا چاہیے۔

رسائل کا یہ مجموعہ غلام حسین نے ۱۲۷۱ھ اور ۱۲۸۱ھ کے مابین اپنے ہاتھ سے نقل کیا۔ مولانا جان محمدؒ ۱۲۸۱ھ سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ اور مولوی غلام حسین کو ان سے عقیدت تھی۔ دونوں ہم ذوق تھے۔ علمی و دینی خدمت میں مولوی غلام حسین، مولوی غلام رسول (قلعۂ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ، یوسف زلیخا کے مصنّف اور اپنے وقت کے مشہور واعظ) اور مولوی عبداللہ غزنوی (شیخ حبیب اللہ قندھاری کے مرید) ایک دوسرے کے رفیق تھے۔ غلام رسول اور عبداللہ اپنی تعلیم کے سلسلے میں دہلی گئے تھے اور شاید فاضل عبدالحلیم لکھنوی کے رسالے کا قلمی نسخہ بھی انھی کی وساطت سے غلام حسین تک پہنچا ہو۔ مولانا غلام رسول سے تو غالباً ان کی رشتے داری تھی۔

اب ذیل میں رسالۂ ہدایات الاضاحی اور اس کے مُصنّف کا بطور خاص ذکر کیا جاتا ہے۔
حسنِ اتفاق سے اس رسالے کا اوّلین مطبوعہ نسخہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے پاس نکل آیا، جس سے بخوبی معلوم ہوگیا کہ اس رسالے کا مُصنّف کون ہے، اور یہ کب اور کہاں پہلی بار چھپا تھا۔ اس رسالے کے مُصنّف مفتی محمدؐ عنایت احمد کاکوروی ہیں، اور یہ ۱۲۶۲ھ میں جو اس کا سنِ تصنیف بھی ہے، پہلی بار محمدؐ عبدالرحمٰن کے اہتمام سے مطبع نظامی واقع محلہ پٹکاپور کانپور میں چھپ تھا۔ مطبوعہ نسخے کے خاتمے کی عبارت میں مُصنّف نے اپنا نام یوں درج کیا ہے۔

• الحمد للہ کہ یہ رسالہ تمام ہوا۔ خدای تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور خاتمہ اوس کا بخیر کرے۔ والمؤلف العبد المعتصم بذیل سیّد الانبیاء محمد عنایت احمد عفرلہ الصّمد وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہ سیّد المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین"۔ (خاتمے کی یہ عبارت ہمارے قلمی مجموعۂ رسائل کے اوراق میں نہیں ہے)۔

یہ مفتی محمدؐ عنایت احمد کا کوروی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ان عُلما و فُضلا میں سے ہیں جو انگریزوں کی حکومت سے بغاوت کی پاداش میں انڈمان میں اسیر کیے گئے تھے۔ مفتی عنایت احمد نے علمائے عصر سے علوم عقلیہ و نقلیہ کا اکتساب کیا تھا اور سندِ حدیث شاہ محمد اسحٰق دہلوی سے حاصل کی۔ اس کے بعد قانون پڑھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں منصفی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ منصفی کے اجلاس میں ایک طرف طلبہ اپنی کتابیں لیے بیٹھے رہتے تھے اور جب موقع ملتا سبق پڑھ لیتے۔ ۱۸۵۷ء میں مفتی صاحب کا تقرّر صدر اعلیٰ کے عہدے پر ہوا مگر قبل اس کے نئے عہدے پر کام شروع کریں، ۱۸۵۷ء کا واقعہ رونما ہوا، جس میں مفتی صاحب پر بغاوت کا الزام قائم ہوا اور جزیرہ انڈمان بھیج دیے گئے۔ وہاں ایک انگریز کی فرمائش پر مفتی صاحب نے تقدیم البلدان کا ترجمہ کیا اور یہی ترجمہ ظاہراً انڈمان میں ان کی قید سے رہائی کا باعث ہوا۔ انڈمان کی اسیری کے دوران ہی انھوں نے کتاب "تواریخ حبیب الٰہ" (اسم تاریخی= ۱۲۷۵ھ) انڈمان کے ایک نیٹو ڈاکٹر، حکیم محمد امیر خاں کے پاس خاطر سے لکھی، اس حالت میں کہ حوالے کی کتابیں سامنے نہ تھیں۔ بعد میں اسیری سے نجات پاکر وطن پہنچنے پر کتاب کے سارے مضامین حرف بحرف کتب احادیث و سیَر کے مطابق کر دیے۔ تواریخ حبیب الٰہ کا بھی ایک مطبوعہ نسخہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے پاس ہے۔ مفتی عنایت احمد کا کوروی استاد تھے مفتی لطف اللہ علی گڑھی کے، اور وہ استاد تھے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے (دیکھیے استاذ العلماء از مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی)۔

اب مزید کچھ تعارف ہدایات الاضاحی کا پیش کیا جاتا ہے جو مصنّف کی انڈمان میں اسیری سے قبل کا ہے۔ اس کا نام بھی تاریخی ہے۔ ہدایات الاضاحی سے سنہ ۱۲۷۲ھ برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ اسی سنہ میں چھپ بھی گیا تھا جیسا کہ مطبع نظامی کانپور کے ایڈیشن مطبوعہ ۱۲۷۲ھ سے ظاہر ہے۔

یہ رسالہ تین ہدایت اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے۔ ہدایت اوّل فضائل عشرہ اولیٰ ذی حجہ اور صوم یوم عرفہ اور ثواب قربانی کے بیان میں ہے۔ ہدایت دوّم مسائل قربانی کے بیان ہے۔ ہدایت سوم تکبیرات تشریق کے بیان میں ہے اور خاتمہ عقیقے کے بیان میں۔ آخر میں مجموعۂ رسائل کے اس صفحے کا متن اور اس کا عکس شاملِ اشاعت کیا جاتا ہے جو ہدایات الاضاحی کا پہلا صفحہ ہے۔ اس سے کاتب غلام حسین کی شانِ کتابت اور صاحبِ رسالہ مفتی عنایت احمد کی اردو نثر کے اسلوب کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ہدایات الاضاحی کے پہلے صفحے کا متن:

الحمد للہ ربّ العالمین خالق الفجر مفضل اللیالی العشرہ والصلوٰۃ والسّلام عدد الشفع والوتر علیٰ والوتر علیٰ سیّد الانبیاء محمد وآلہٖ واصحاب ذوی الفجر۔ یہ رسالہ ہے مشتمل تین ہدایت اور ایک خاتمہ پر۔ ہدایت اوّل فضائل عشرہ اولیٰ ذی حجہ اور صوم یوم عرفہ اور ثواب قربانی کے بیان میں۔ ہدایت دوئم مسائل قربانی کے بیان میں۔ ہدایت سوئم تکبیرات تشریق کے بیان میں۔ خاتمہ عقیقہ کے بیان میں۔ اور رسالہ سنہ ۱۲۰۲ ہجری میں تالیف ہوا اور مقصود بالذات اس سے ہدایت مسائل قربانی کی ہے۔ لہذا نام اس کا ہدایات الاضاحی رکھا۔

ہدایت اوّل فضائل عشرہ اولیٰ ذی حجہ اور صوم یوم عرفہ اور ثواب قربانی میں بیان میں:

قال اللہ تعالیٰ - والفجر ولیال - یعنی قسم ہے صبح کی اور راتوں دس کی۔ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ لیال عشرہ سے یہاں اولیٰ ذی حجہ کا مراد ہے۔ پس اس آیت سے فضیلت اس عشرہ کی متحقق ہوتی ہے کہ خداتعالیٰ نے اوس کی قسم کھائی ہے اور بخاری میں ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان دس روز ذی حجہ میں آدمی جو کچھ عمل کرے، جیسا کہ پسند اور محبوب اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے ایسا اور دنوں کا عمل نہیں ہوتا۔ اصحاب نے عرض کیا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی ان دنوں کے عمل صالح کے برابر نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ بھی نہیں ہے، مگر جو آدمی اپنا جان اور مال لے کر نکلے، اوس سے کچھ پھر گھر نہ لاتے یعنی اللہ کی راہ میں شہید ہوجاوے اور مال بھی اوس کا اوسی میں جاوے۔

فائدہ: اس حدیث میں کمال بزرگی ان دنوں کی معلوم ہے کہ سوائے جہاد کے جس میں آدمی اپنا جان و مال خداتعالیٰ کے فدا کرے اور کوئی عمل صالح ان دنوں کی عمل صالح کے برابر ثواب میں نہیں ہوتا۔ اور شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ "ماثبت بالسنۃ" میں لکھا ہے کہ قول پسندیدہ ہے کہ دنوں میں دس دن اوّل ذی حجہ کے سب دنوں سے افضل ہیں، اس لیے کہ ان

دنوں میں عرفہ داخل ہے جو افضلِ ایّام ہے۔ اور راتوں میں دس راتیں رمضان کی افضل ہیں، اس لیے کہ ان راتوں میں لیلۃ القدر داخل ہے جو افضلِ لیالی ہے۔ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان دنوں میں ہر قسم کی عبادت کرے۔ خیرات کرے بلکہ سی عرفہ کے دن تک روزہ رکھے شب بیداری کرے نفلیں پڑھے کہ ہر عبادت کا بہت ثواب ملے گا اور سب گناہوں سے پرہیز رکھے۔ اس واسطے کہ جن اوقات عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔ اون اوقات میں گناہوں کا عذاب ویسا زیادہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ بیان ثواب روزہ عرفہ کا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ جو آدمی ہر مہینے تین روزہ رکھے اور رمضان کے روزہ رکھے اور عرفہ کے دن روزہ رکھنا کفارت ہو جاوے گا ایک برس پہلے کا اور ایک برس پچھلے کا اور عاشورہ کے دن روزہ رکھنا کفارۃ ہوجاوے گا ایک برس پہلے کا یعنی جو شخص عرفہ کے دن روزہ رکھے اوس کے ایک برس پہلے اور ایک برس پچھلے کے سب گناہ معاف ہو جاویں گے اور ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت عایشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ کوئی عمل آدمی کا عید اضحیٰ کے دن محبوب تر قربانی سے نہیں اور بے شک آدمی کی قربانی قیامت کے دن ساتھ اپنے سینگوں اور بالوں کے ترازو اعمال میں قربانی کرنی ڈالی گئی یہ سب چیزیں ساتھ ...

ڈاکٹر نجم الاسلام:

بارہویں صدی ہجری کے شاہ مُراد اللہ انصاری سنبھلی اور ان کی اردو تفسیر

عہد طالب علمی سے راقم الحروف کو اِس مُصنّف کے احوال و آثار کی تحقیق سے طالب علمانہ دل چسپی رہی ہے۔ چنانچہ اس کا پہلا ذکر راقم کے مونو گراف (۱۹۶۰ء) میں آتا ہے جو " دین و ادب " کے نام سے حیدر آباد سندھ سے چھپ چکا ہے۔ پھر مضمون " تین نثری نوادر " مطبوعہ نقوش (سالنامہ ۱۹۶۶ء) لاہور میں بھی ایک نادر نثری نمونے کی حیثیت سے تفسیر مرادیہ کا تعارف پیش کیا گیا۔ اور اب شاہ مراد اللہ کے احوال سے متعلق مزید کچھ تفصیلات کے ساتھ اس اہم تصنیف کے چند غیر مطبوعہ اجزاء بھی نقل کیے جاتے ہیں۔ آخر میں اس قدیم اردو نثر کا ایک مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس اردو تفسیر کے مطبوعہ نا مکمل متن کے ساتھ، دستیاب غیر مطبوعہ متن بھی ملایا جائے تو یہ ضخامت میں فضلی کی کربل کتھا سے بھی آگے نکل جاتی ہے، جب کہ قدامت میں فضلی کی کربل کتھا کے بعد آتی ہے مگر شاہ عبدالقادر دہلوی کی موضح قرآن سے اقدم ہے۔ اس کے مکمل متن کو ترتیب دے کر چھپوانے کا ارادہ ہے۔

شاہ مُراد اللہ

شاہ مراد اللہ سنبھل کے رہنے والے تھے، جو شاہی زمانے میں صوبۂ دہلی کی ایک سرکار تھا۔ شاہ مراد اللہ نسباً انصاری مذہباً حنفی اور مشرباً نقشبندی تھے۔ مرزا مظہر جانجانان کے ہم عصر اور خلفاء میں سے تھے۔ مرزا مظہر جانجانان کے ایک خط بنام مولوی شاہ اللہ سنبھلی میں ضمناً شاہ مراد اللہ کا نام اس طرح آیا ہے۔

"محمدؐ دانش بنگالی از یاران شاہ مراد اللہ جیو کہ یک نیم سال در خانقاہ ماندہ ... "

(مکتوب بست و نہم، کلماتِ طیبات ص ۳۲) جیسا کہ مکتوب میں آیا ہے، محمدؐ دانش

بنگال طالب حق تھے۔ مگر مرد سادہ تھے۔ کچھ اسی قسم کے الفاظ شاہ مُراد اللہ نے اپنی تفسیر کے دیباچے میں اپنے دوستوں کے لیے لکھے ہیں۔ اس لیے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ مرزا مظہر نے اپنے خط میں انھی شاہ مُراد اللہ سنبھلی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱)

شاہ مُراد اللہ سنبھلی کے حالات مقاماتِ مظہری میں ملتے ہیں۔

مقامات مظہری مؤلفہ شاہ غلام علی میں مُراد اللہ کے حالات ص ۱۰۰ پر اس طور پر درج ہیں۔

(ترجمہ) "شیخ مُراد اللہ عرف غلام کابل۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ آنجناب (حضرت مظہر جانجاناں) کے بڑے خلفاء سے تھے۔ آپ علم و عمل میں اعلیٰ شان رکھتے تھے آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کی تربیت حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ (شیخ الشیوخ محمدؐ عابد) نے آنجناب کے حوالے فرمائی۔ آپ آنجناب کی تربیت کے یمن سے طریقے کے انتہائی مقامات کو پہنچے اور خلافت حاصل کی اور ملک بنگال میں طالب و مرشد کا سلسلہ شروع کیا آپ کا شہرہ سن کر بہت خلق خدا آپ کی طالب ہوئی اور ان سے جمعیت آگاہی کا سرمایہ حاصل کر کے یاد الٰہی میں مصروف ہوئی ان میں سے محمدؐ غوث کے احوال اچھے ہیں۔ محمدؐ دانش اور محمدؐ درویش نے جو آپ کے خلفاء سے تھے آنجناب سے استفادہ کیا جن میں سے محمدؐ دانش باطنی نسبت کا کام آنحضرت کی عنایت سے فنائے قلب اور فنائے نفس سے بھی اوپر تک پہنچا کر حضور اور آگاہی اور استہلاک اور اضمحلال کی کیفیتوں سے جو کہ فنائے نفس کا خاصہ ہے خوش ہوا۔ آپ نے ارادہ کیا کہ کلام اللہ کی تفسیر ہندی زبان میں طالبوں کی آسانی کے لیے تصنیف کریں لیکن آنجناب نے منع فرمایا کہ انوارِ طریقہ کی اشاعت اخلاص اور مرتبۂ احسان کے حصول کا موجب ہے اپنے اوقات کو اسی شغل صرف کرنا چاہیے اور ذکر اور مراقبے کے سوا اور کسی کام میں مشغول نہیں ہونا چاہیے۔ آپ نے آنجناب سے پہلے ہی انتقال کیا" (ص ۱۰۰، ۱۰۱)

اردو ترجمہ مقامات مظہری ناشر ملک فضل الدین چنن الدین، لاہور۔

نثری تصنیف

شاہ مُراد اللہ شمالی ہندوستان میں دوسرے شخص ہیں۔ جنھوں نے قرآن پاک کی تفسیر (جزواً) اردو نثر میں لکھی ان سے قبل سنبھل ہی کے ایک بزرگ قاضی محمدؐ معظم سنبھلی

"تفسیر ہندی" کے نام سے قرآن پاک کی تفسیر ۱۱۳۱ھ میں لکھ چکے تھے۔ (قاضی محمد معظم کا ذکر ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کے مقالہ "علمیہ - اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" مطبوعہ ۱۹۶۵ء آیا ہے جس میں تفسیر ہندی کو بھی متعارف کرایا گیا ہے) شاہ مُراد اللہ نے، سورہ فاتحہ اور پارۂ عم کی تفسیر خطیبانہ انداز میں نہایت آسان اردو نثر میں لکھی۔ جو خود ان کی تصریح کے مطابق ۲۶ محرم ۱۱۸۵ھ کو اِتمام پذیر ہوئی۔ یہ تفسیر "خدا کی نعمت یا تفسیر مُرادیہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کے تمام خطی اور مطبوعہ نسخوں میں نام "خدا کی نعمت" ملتا ہے۔ جب کہ سال اِتمام ۱۱۸۵ھ "خدائی نعمت" سے برآمد ہوتا ہے۔ بقول مولوی منصور احمد بردوانی (مُصحح تفسیر مُرادیہ، ماہِ عالم افروز ایڈیشن کلکتہ) "قیاس یہ ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے کاف کی کشش اس پر پڑ گئی۔"

شاہ مُراد اللہ نے اس تفسیر پر ایک طویل دیباچہ (۲) تحریر کیا ہے۔ جس میں انھوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کی تفسیر ہندی زبان میں علمِ دین کی اوّلین تصنیف ہے۔ شاہ مُراد اللہ نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے۔ کہ اردو میں تفسیر لکھنے کا سب سے پہلے انھیں خیال آیا۔ اب جب کہ قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیرِ ہندی دریافت ہوچکی ہے۔ ان کا یہ دعویٰ بھی شمالی ہند کی حد تک بھی تسلیم نہیں۔ (۳) بہر کیف ان کی تفسیر کو شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن پر ضرور فضیلتِ تقدّم حاصل ہے۔ گویہ فضیلت جزواً ہے۔ پورے قرآن مجید کے تفسیری فوائد شاہ عبدالقادر ہی کے قلم سے نکلے ہیں۔ شاہ مُراد اللہ کو احساس تھا کہ ان کے زمانے میں عام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد میں دینی جذبہ تو ہے، لیکن اردو میں علوم دینی کی کتابیں نہ ہونے کی وجہ سے دین کی ضروری باتوں سے نا واقف رہتے ہیں۔ خود شاہ مُراد اللہ کے حلقۂ احباب میں اس طرح کے مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی جو علم کے اعتبار سے کم تر مگر اخلاص سے بہرہ مند تھے اور طالب دین تھے۔ شاہ مُراد اللہ اپنے حلقۂ احباب میں بیٹھ کر قرآن مجید کی تفسیر بیان کرتے تھے۔ سامعین کے اصرار پر اسی واعظانہ انداز میں تفسیر قلم بند کرنے پر وہ متوجہ ہوئے۔

بقول مولوی منصور احمد بردوانی:

"حضرت قدّس سرہٗ نے اس کی تفسیر اس خوبی سے ہندی زبان میں بیان فرمائی ہے کہ جیسے بہتر سے بہتر کوئی واعظ منبر پر بیٹھ کے کہہ رہا ہے"

نقشبندی تحریک کی ادبی و تصنیفی خدمات میں شاہ گل، گلشن، عندلیب، درد، مرزا مظہر وغیرہ بزرگوں کے ساتھ شاہ مُراد اللہ کو بھی ان کے تفسیری کارنامے کی بناء پر شامل کیا جاسکتا ہے۔

تفسیر مُرادیہ کے چند قلمی نسخے :

۱۔ مخطوطۂ شیرانی مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور
۲۔ مخطوطۂ ادارہ ادبیات اردو۔ حیدر آباد دکن
۳۔ نسخہ مکتوبہ ۱۲۵۶ھ مملوکہ راقم

تفسیر مُرادیہ کے مطبوعہ نسخے :

۱۔ طبع اوّل۔ مطبع ماہ عالم افروز کلکتہ سال طبع ۱۲۵۱ھ
مولوی منصور احمد بردوانی نے اس نسخے کو دس بارہ قلمی نسخے جمع کر کے ترتیب دیا تھا۔ جیسا کہ خاتمۃ الطبع میں انھوں نے خود تصریح کی ہے۔
۲۔ مطبع مہا تندی کلکتہ سال طبع ۱۲۶۶ھ مخزونہ انجمن ترقی اردو کراچی
۳۔ مطبع کریمی۔ بمبئی ٹائپ۔ پنجاب پبلک لائبریری لاہور
۴۔ مطبع مظہری کلکتہ۔ ٹائپ (تصوف اکیڈیمی کراچی)
۵۔ مطبع اسماعیلیہ بمبئی۔ سالِ طبع ۱۲۷۱ھ مخزونہ کتب خانہ نیشنل بنک آف پاکستان برٹش میوزیم کے کتب خانے میں موجود ہندوستانی مطبوعات کی کیٹلاگ سے معلوم ہوا کہ وہاں بھی اس کے کئی نسخے موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔
۱۔ بمبئی لیتھو ص ۳۲۸ سال طباعت ۱۸۰۵ھ (۱۲۹۲ھ)
۲۔ بمبئی لیتھو ص ۳۸۸ سال طباعت ۱۸۸۱ھ (م ۱۲۹۸ھ)
۳۔ کانپور لیتھو ص ۳۲۳ سال طباعت ۱۸۹۳ء (م ۱۳۱۱ھ)

غرض یہ تفسیر گذشتہ صدی میں متعدد بار کلکتہ بمبئی اور کانپور سے چھپی ہے۔

خطّی نسخوں کے علاوہ اس کے آٹھ مطبوعہ نسخوں کا ذکر راقم نے اپنے مضمون "تین نثری نوادر" (نقوش سالنامہ ۱۹۶۶ء) میں کیا تھا۔ اس کے بعد مطبع مظہری کا ایک نسخہ تصوف اکیڈیمی کراچی میں اور مطبع اسماعیلیہ بمبئی کا نسخہ نیشنل بینک آف پاکستان (ہیڈ آفس) کراچی کے کتب خانہ میں نظر سے گذرے اور ممکن ہے کہ مذکورۂ بالا ایڈیشنوں کے علاوہ اور بھی کوئی ایڈیشن نکلا ہو۔ یہ مطبوعہ نسخے دستیاب بھی ہیں۔ گذشتہ صدی میں اس ضخامت کی کوئی منثور اردو تصنیف شاید ہی اتنی مرتبہ چھپی ہو۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو جلد دوم (۱۹۸۲ء) سے قبل کی اردو نثر کی تاریخوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں آیا۔ اس کا ذکر مولوی عبدالحق کے مضمون "پرانی اردو میں قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیریں" مشمولہ رسالہ اردو ۱۹۳۰ء

(۴) اور پروفیسر محمد مسعود کے مقالہ " بارہویں صدی ہجری میں قرآن پاک کے اردو ترجمے اور تفاسیر " (نوائے ادب بمبئی جولائی ۱۹۶۳ء) میں آیا ہے۔

سوانحی کتابیات

۱۔ تفسیرِ مُرادیہ قلمی۔ مخطوطہ شیرانی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور
۲۔ تفسیر مُرادیہ قلمی مملوکہ راقم
۳۔ کلماتِ طیبات، مطبعِ مجتبائی دہلی ۱۸۹۱ء
۴۔ قدیم اردو مولوی عبدالحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء
۵۔ رسالۂ نوائے ادب بمبئی۔ جولائی ۱۹۶۳ء۔ مقالہ پروفیسر محمد مسعود احمد
۶۔ نقوش سالنامہ ۱۹۶۶ء
۷۔ مقاماتِ مظہری، اردو ترجمہ شائع کردہ ملک فضل الدین چنن الدین، لاہور۔

تفسیرِ مُرادیہ

تفسیرِ مُرادیہ کے متعدد مطبوعہ اور خطی نسخوں کی تفصیل پیشتر بیان کی جا چکی ہے۔ مطبوعہ تفسیر مرادیہ صرف پارۂ عم کی تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس کے مطبوعہ نسخوں میں سورۂ فاتحہ کسی اور شخص کے قلم سے ہے۔ مطبوعہ نسخے شاہ مراد انصاری کے تحریر کردہ طویل دیباچے، بسم اللہ کی مفصل شرح اور سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے خالی ہیں۔ خطی نسخوں میں یہ اجزا موجود ہیں نیز تفسیر مرادیہ کا جو خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی کے شیرانی کلیکشن میں موجود ہے اس میں سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات کی تفسیر بھی موجود ہے شاہ مُراد اللہ کے تحریر کردہ دیباچے کے چند اقتباسات پہلی بار راقم کے مضمون " تین نثری نوادر " میں شامل ہو کر نقوش (سالنامہ ۱۹۶۶ء) میں چھپے تھے۔ پورا دیباچہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے یہاں اس کے آغاز و اختتام کی کچھ سطریں نمونے نقل کی جاتی ہیں۔ قدیم طرزِ املا کو جوں کا توں برقرار رہنے دیا ہے (۵)۔

آغاز کی عبارت

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بیحدبی نہایت حمد اور شکر اللہ تعالیٰ کی درگاہ کی نیاز میں نثار ہیں ایسا پاک پروردگار ہی وہ خاوند ایسا قادر کریم ہی جسنی اشارہ ہزار عالم پیدا کیا عرش

کرسی لوح قلم آسمان و زمین ۰ چاند و سورج ۰ تارے دریا پہاڑ آگ باد پانی
خاک سونا ۰ روپا موتی لعل جواہر بنائی بھانت بھانت کی درخت میوی طرح
طرح کی حیوان چرند پرند فرشتی جن بھی پیدا کئی ہر طرح کی خلقت موجود کری
حکمت کی کارخانی ہر صورت میں قدرت سی ظاہر (کئی) پہر آخر کو آدمیوں
کی باپ کو آدم علیہ السلام کو پیدا کر کر اس کی پیٹھ سی اور سب آدمیوں کو
پیدا کیا ۔ سب طرح کی خوبیاں آدمیوں کو دیں ظاہر و باطن کی نعمتیں بخشیں
اچھی صورت اچھی ہات پاؤں اچھا قد قامت آنکھ کان عقل شعور دانائی دل
جان اور ہزاروں طرح کی نعمتیں آدمیوں کو دے کر بڑی درجوں میں پہنچنی کی
لائق کیا سب کچھ آدمیوں کی واسطی بنایا آدمیوں کی اپنی بندگی کی واسطی اور
اپنی معرفت کی پہچان کی واسطی پیدا کیا یہ آدمی جو اس راہ کی اوپر دنیا میں
قائم ہو دیں اللہ تعالی کو پہچانیں بندگی میں محکم ہوویں حکم کے موافق چلیں
تو آخرت میں دوزخ کی آگ سی بچیں عذاب سی چھوٹیں پہر ایسی بڑی
جلال سیں نجات پاکر چھوٹ کر بہشت میں داخل ہوویں بڑی دولتوں میں
بڑی نعمتوں میں پہنچیں دیدار پاویں پہر اس راہ کی سمجھا دینکے واسطی دکھاونی
بتاونی واسطی ان سب عام بندوں میں سیں بعضی بندوں کو خاص کیا اور
آپ ان کو علم دیا ادب دیا تربیت کیا جو کچھ سکھاونا تھا اور سمجھاونا سمجھا
سیکر سکھائی کر ان کو پیغمبری کا خلعت بخشا نبی کیا رسول کیا اور بندوں کی
راہ بتادینکی واسطی بھیجا ان کی اوپر وحی بھیجی اپنی کلام بھیجی کتابیں بھیجیں
توریت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زبور
حضرت داود علیہ السلام کو پھر آخر زمانی میں سب پیغمبروں کا خاتم محبوب
پیارا رسول ظاہر کیا سب خلق کا بڑا سب کا بہتر بہتر افضل اکرم احمد مجتبی
محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر کیا۔ پھر اس کو سب طرح کی نعمتیں
سب دولتیں خاص اپنی طرف سیں بخش کر بہت بڑی بڑی درجوں میں
پہنچانی کر سب خلق کی ہدایت کی واسطی راہ بتادنی کی واسطی بھیجا ۔ سب
پیغمبروں کا اور تمام جہاں کا بادشاہ کر دیا پھر اس کی اوپر وحی کری اپنی کلام
نازل کری قرآن مجید بھیجا چار کتابوں کی چوتھی کتاب سب کتابوں میں

افضل اعلیٰ بڑی کتاب بھیجی سب طرح کی ہدایت کی علم دنیا آخرت کی خوبیاں پاونی کا راہ قرآن میں بیان کیا سب طرح کی چھپی بھید ظاہر کر دئی جو کچھ علم اور عمل کا راہ تھا اور دو جہاں کی سعادت پاونی کا طریق سب بندوں کی چاہیی تھا فرمائی دیا بتی دیا پھر لاکھوں کروڑوں بے شمار بندوں کو ایمان اور مسلمانی کی توفیق بخشی اور سب طرف سی گمراہی کی راہ میں سے ان کی مونہہ کو پھیر کر دل میں صدق اور اخلاص ڈال کر اپنی طرف کھینچا اپنی بندگی میں یاد میں محبت میں قائم کر دیا استوار محکم کر دیا اپنی دوست کی محبوب کی پیروی میں متابعت میں رکھ کر دین اور دنیا کی دولتیں پاونی کا لائق کیا پھر اس عاجز بندے کو گنہگار نالائق کی بھی اپنی فضل کرم سے سب عام رحمتوں کا نصیبا بخش کر خالص رحمتوں کا بھی حصہ بخشا مومن کیا مسلمان کیا ایمان اور مسلمانی کی قدر خوبی سو جہانے دی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل کیا اپنی بندگی کی توفیق بخشی اپنی کلمی کو زبان کی اوپر جاری کر دیا نماز کا پڑھنا اور روزوں کا رکھنا آسان کر دیا اپنی ذکر کو یاد کو زبان کی اوپر دل میں جاگہ دی اور قرآن کی پڑھنی کی توفیق عنایت کری پھر قرآن کی معنوں کی سمجھنی کا راہ کھول دیا اور دین کی کام کرنی کا شوق دیا اور دنیا آخرت میں آسانیوں کا امیدوار کیا ایسی بڑی منتیں رکھیں ایسی بڑی احسان کیی ایسا بڑا کرم فضل کیا جو تمام بدن میں بال بال زبان ہو جاوی اور ہر زبان سی ہر ساعت میں لاکھوں کروڑوں حمد اور شکر کرتی رہی تو بھی ایک نعمت کا ان نعمتوں میں سبی حق ادا نہ ہو سکی بندا عاجز ہی اس پاک خاوند کی ایسی بڑی احسانوں کا اس کرم فضل کا کس طرح سی کیوں کر حق ادا کرسکتا ہی۔ سب سب طرح کی منتیں اور احسان اس ہی خاوند پاک پروردگار کی تمام خلق کی اوپر بالا ہیں تمام خلق کی بندگی سی عبادت سین زیادہ ہیں بڑھتے ہیں سب طرح کی اچھی تعریفیں خوبیاں ثنائیں اور صفتیں حمد اور شکر، اول سی آخر تک اس ہی پاک پروردگار کو سزاوار ہیں لائق ہیں اور لاکھوں کروڑوں بیحد بی نہایت بیشمار درود و سلام خدائی تعالی کی طرف سے سب طرح کی کامل رحمتیں اللہ تعالی کی اول سین اخیر تک ہمیشہ ہمیشہ حضرت

پیغمبر صاحب کی اوپر سب پیغمبروں کی بڑی دونوں جہاں کی سرور سرتاج
دونوں عالم ان کی محتاج اللہ تعالیٰ کی پیاری محبوب محمدؐ مصطفیٰ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر نازل رہیں پہنچتی آوتی رہیں ان کی طفیل سے اللہ
تعالیٰ نی اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیا عرش کرسی آسمان زمین اور سب کچھ ان کی
واسطی ظاہر کیا پہلی سب اسباب کارخانی جو درکار تھی ضرورت تھی پیدا کر
کر ایک لاکھ چوبیس ہزار کم زیادہ پیغمبر رسول دنیا میں خلق کی ہدایت کی
واسطے بھیجی پھر آخر کو حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنیں
سب طرح کی نعمتیں دولتیں خوبیاں بڑائیاں دے کر پیغمبری کا کارخانہ اس
محبوب کے اوپر تمام کیا۔ پیغمبروں کا خاتم سب طرح کری نعمتیں خوبیاں اپنی
پوری کر دیں کامل کر دیں۔ قرآن مجید اپنا کلام محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی
اوپر بھیجا سب کتابوں میں بہتر افضل کتاب نازل کری سب دینوں میں
افضل دین اکمل دین ان کو بخشا سب خلق کی سعادتمندی نیک نیتی دنیا
آخرت کی خیر خوبی ہمیشہ ہمیشہ تک محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں
پیروی میں مقرر کر دیں اور شقاوت بدبختی ہمیشہ ہمیشہ کے خلاف میں
مخالفت میں محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رکھ دی لاکھوں کروڑوں بی حد بی
شمار خلق نین محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سبب سی ہدایت پائی ہمیشہ کی
دولت کا راہ پایا اور قیامت تک راہ پاوتی جاویں کی اور آخرت میں سب
خلق کی شفاعت کرنی کا درجہ مقام محمود حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو
بخشا قیامت میں لواء الحمد بڑا جھنڈا نور کا حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو
عنایت کیا سب پیغمبر رسول پیر اولیاء اول آخر کی مومن مسلمان حضرت محمدؐ
صلی اللہ علیہ وسلم کی جھنڈی کی نیچی ہوویں کی محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی
دولتوں کا اور بڑائیوں کا دی دولتیں وی بڑائیاں جو اللہ تعالیٰ نی خاص اپنی
طرف سین ان کو بخشی ہیں کچھ بیان نہیں ہوسکتا اور اول آخر کی خلقت کی
اوپر محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ثابت ہی تمام جہاں کلی عالم کا وجود ان
کی نورسی ہوا۔ سب مومنوں مسلمانوں کو ہر طرح کی دولتیں دین دنیا کی
خوبیاں محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدقی سین ملیں اور ہمیشہ ہمیشہ بہت بہت

بڑی بڑی دولتوں کی پاونی کی ان کی طفیل سین امیدوار ہیں بی نہایت بی شمار ان گنت کامل رحمتیں اللہ تعالےٰ کی طرف سین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اوپر نازل ہوتی رہیں اور اترتی رہیں سلام خدائی تعالی کی ہمیشہ ہمیشہ تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اولاد پر اہل بیت گھر کی لوگوں کی اوپر پہنچتی رہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصحابونکی اوپر یاروں کی اوپر خدائی تعالےٰ کی رحمتیں نازل رہیں اور اول سین آخر تک اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ان کی نصیب رہی اور امت کی بزرگ بڑی آدمی عالم فاضل مجتہد امام ہادی پیر اولیا جنھوں کی سبب سی دین کی باتیں سب کو پہنچیں سب کنہیں نی راہ پایا ظاہر باطن دینکی حکم احکام سب کی نی اونکی وسیلے وساطت سی جانی معلوم کیی اور جن لوگوں نی دین کی خدمت کریں دین کے محکم کرنی میں شریک ہوئی نا واقفوں کو واقف کیا بے خبروں کو خبردار کیا گمراہوں کو راہ بتایا ہدایت کر دی اور سب مومن مسلمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی لوگوں کی اوپر اللہ تعالی کی رحمت مہربانی کرم فضل ہمیشہ قایم دایم رہی دنیا میں آخرت میں خوبیاں نعمتیں آوتی رہیں سب کی مرادیں ملتی رہیں مقصود حاصل ہوتی رہیں آمین یارب العالمین۔

پھر اس حمد شکر ثنا کی پیچھی درود سلام دعا کی بعد یہ عاجز بندہ عاصی گنہگار فقیر مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری نقشبندی اللہ تعالی کی رحمت کا امیدوار مہربانی کرم فضل کا آرزو مند منگتا خاکسار کہتا ہی ایک دن اپنی دوستوں کی آگی قرآن مجید پڑھتا تھا جن لوگوں نی متن قرآن کا پڑھا تھا قرآن کی معنونسی کچھ خبر نہ رکھتی تھی ان کو قرآن کی آیتوں کی تفسیر ہندی زبان میں معنی سناوتا تھا سننی والی مرد بی بیاں بہت اخلاص سے شوقسی سنتی تھی خوشی ہوتی تھی ایمان اور مسلمان ہونی کی قدر معلوم کر کر شکر کرتی تھی اس حالمیں بعضی اخلاص مندوں نی کہا جو ہم کو بھی قرآن کی آیتوں کی یہ تفسیر معلوم رہتی سورتوں کی یہ معنی یاد رہتی تو کیا خوب بات ہوتی کیسا بڑا اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی سچی شوق اور اخلاص کے برکت سین اس عاجز بندی خاکسار کی دل میں یہ بات ڈال دی جو اس ہندی تقریر

کو وہی بات جو عربی فارسی تفسیروں کی بیان میں زبان سی نکلتی ہے اس ہی
تقریر کو کاغذ کی اوپر قلم بند کر کر کہہ کر ان کو پڑھا دیجئے تو دین کی علوم کی
باتیں ان کی اوپر خوب طرح سی معلوم ہوجا دیں یاد رہیں کام آدیں مشکل کی
راہ آسان ہوجادی یقین کی روشنی میں دین کا راہ کھل جادی ایمان کی پکی
عقیدی نظر آدنی لگیں مسلمانی کی کام سب اچھی لگیں اچھی عمل کرنے کا
شوق بڑھ جادی دین کی خوبیاں خوب طرح سی سوجھنی لگیں بری باتیں بری
لگنی لگیں اچھی باتیں اور اچھی خصلتیں خوش آدیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی پیروی متابعت پیاری لگی اللہ تعالیٰ کی یاد محبت دل میں قائم
ہووے اس وسیلہ سیں اللہ تعالی کی رضامندی خوشنودی کی نعمت ملجادی اس
سبب اس واسطی اس بندی گنہگار خدا کی رحمت کی امیدوار نی خدائی تعالیٰ
کی مدد توفیق مانگ کر خدا تعالی کی حکم سے پہلی صورت قرآن مجید کی سورہ
فاتحہ الحمد کی تفسیر اور عم کی سیپاری کی تفسیر ہندی زبان میں جو ہر کوئی پڑھا
ان پڑھا سمجھ سکی پڑھنی والا وہی خاوند ہی اول آخر آغاز انجام اس ہی کی ہاتھ
میں ہی اول آخر وہی پاک خاوند ہی اور سورہ فاتحہ کی اور عم کی سیپاری کی
تفسیر لکھنا اس واسطی مقرر کیا ہی جو الحمد اور اس سیپاری کی سورتیں تھوڑی بہت
ہر ایک مومن مسلمان کو یاد ہیں ہمیشہ نماز میں پڑھتی رہتی ہیں جو معنی بھی
ان سورتوں کی معنوں میں لحاظ پڑی سمجھ آدی تو نماز میں حضور آجا دی نماز
پڑھنے میں بہت ثواب ملجا دی اللہ تعالیٰ کی فضل سی نماز پڑھنی والا مقبول
ہوجا دی ثواب پر ثواب ملتا رہی پھر اسبات کو سمجھ کر اور ایک بات جانا
چاہیے قرآن مجید کی عربی بہت تفسیریں ہر طرح کی ہوئی ہیں ہندی تفسیر
کنھیں نے نھیں لکھی کسی کی خاطر میں یہ بات نہ آئی پھر حق تعالیٰ اپنی
وعدے کی موافق وہ جو قرآن میں فرمایا ہی ان علینا جمعہ و قرانہ ثم ان علینا
بیانہ تحقیق ہماری اوپر ہی جمع کر دینا قرآن کا اور پڑھنا یاد کردا دینا قرآن
کا پھر اسبات کی پیچھی ہماری ہی ہمارا ذمہ ہی قرآن کا بیان کر دینا قرآن
کے بھیدوں کا ظاہر کر دینا اپنی کلام کا آپ بیان کرنی والا ہی کسی بندی
عاجز کو کیا قدرت ہی جو قرآن کا بیان کر سکی اس ہی پاک پروردگار نے

جس طرح سی چاہا جس بندے کے ہاتھ سیں چاہا عربی فارسی تفسیر لکھوائی دی توفیق بخشی قدرت دی قوت عنایت کری سب اسباب تیار کر دیی کچھ دی علم قرآن کی بھیدوں کا اس کی دل میں ڈال دیا الہام کیا زبان کو ہاتھ کو قلم کو دل کی موافق جاری کر دیا اس ہی طرح سی سینکڑوں ہزاروں تفسیریں عربی زبان میں فارسی زبان میں لکھی گئیں ہیں پھر جب چاہا ہندی زبان میں کچھ قرآن کی بھید ظاہر ہویں بیان میں آویں ایک عاجز بندے کو اس طرح کی بیان کی توفیق بخشی دل میں علم ڈال دیا باتیں سکھائیں دین زبان کو ہاتھ کو قلم کو جاری کر دیا جو کچھ اس تفسیر میں اچھی اچھی باتیں آویں ہدایت کی باتیں آویں وہ کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طفیل سی اللہ تعالی کی عنایت ہی اور فضل کرم ہی اور جو کہیں کسی جاگہ میں کچھ تفاوت ہو جاوی وہ اس بندے کی تقصیر ہی بھول چوک ہی گناہ کا معاف کر دینی والا وہی خاوند ہی پاک پروردگار ہی اور اللہ تعالیٰ سی امیدواری یہی جو اس بیان میں تفاوت کی بات کچھ نہ آوی اور جو کچھ بیان کی جاوی قرآن کی حدیث کی ظاہر باطن کی موافق ہووی اور اس بات کو جانا چاہی علم جس چیز کا نانوں ہی وہ چیز کوئی بولی نہیں کوئی زبان نہیں جس طرح کا علم ہووی جو علم ہووی دین کا علم یا غیروں کا علم علم کسی زبان کسی بولی کا نانوں نہیں علم معنوں کا سمجھ کا نانوں ہی ہر ایک زبان ہر ایک بولی اس کا لباس ہی معنی بغیر کی یہ زبان کیسے بولے گا پھر آئی تعبیر میں بیان میں نہیں آئی سکتی پھر سب بولیوں میں عربی بولی کی بڑائی ہی عربی بولی سب بولیوں کی بادشاہ ہی یہ بڑائی عربی بولی کو اس سبب سی ہی جو قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کلام عربی زبان میں ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہی حدیث عربی ہی اس واسطی عربی پڑھنا ضرور ہوا ہی عربی پڑھی تو عرب کی زبان بوجھی قرآن کی حدیث کی معنی سمجھی پھر عربی زبان کی پیچھی سب زبانیں سب بولیاں برابر ہیں کسی بولی کی اوپر شرف بزرگی بڑائی نہیں فارسی ہندی رومی ترکی اور سب زبانیں یکساں ہیں قرآن پڑھی حدیث پڑھی کوئی سمجھی کہ اپنی ہی زبان میں سمجھتا ہی اور زبان میں نہیں سمجھ سکتا جن لوگوں

کی زبان عربی زبان تھی سوائی عربی زبان کی اور زبان کچھ نہ سکتی تھی ان
کی بجھادنی کی واسطی قرآن کی بھید چھپی ہوئی عربی زبان والوں نی عربی
زبان میں تفسیریں لکھیں وہی تفسیریں عربی کجھنی والوں ہی کی کام کی تھیں
اور کوئی کجھ نہ سکتا تھا بوجھ نہ سکتا تھا ۔ پھر جن لوگوں کی فارسی زبان تھی
سوائی فارسی کی اور زبان کجھ نہ سکتی تھی ان لوگوں کی بجھا دینی کی واسطی
بہت فاضل عالم دین دار لوگوں نی جن کی زبان فارسی تھی اور عربی پڑھ کر
عربی زبان سی بھی خوب واقف خبردار ہوئی تھی انھوں نے فارسی زبان میں
بہت تفسیریں لکھیں جن لوگوں نے عربی کی پڑھنی کی فرصت نہ پائی تھی وہ
فارسی تفسیر ان کے کام آئیں ان فارسی تفسیروں کی سبب بہت لوگ ہزاروں
لاکھوں آدمی جو دین کی علم میں قرآن میں حدیث سی بے خبر تھی جاہل
تھی عالم ہو گئی دانا ہو گئی واقف ہو گئی پھر اس ہی طرح سی لاکھوں کروڑوں
مسلمان جو ہندی زبان بولتی ہیں عربی زبان فارسی زبان میں کچھ واقف نہیں
ہیں ان لوگوں کو عربی فارسی تفسیروں میں کیا خبر ہی کیا جان سکتی ہیں جتنا
کچھ ہندی زبان میں سنا ہی کسی نی کچھ کہا ہی کوئی بات سن پائی اوتنا ہی
واقف ہوئی ہیں اوتنا ہی جانا اور کچھ نہ کچھ نہیں جان سکی نادان رہی ایسی
بڑی نعمت سی نا واقف رہی بغیر علم کی اچھا راہ اچھا عمل کس طرح پہچان
سکیں دین کا علم سب کی اوپر فرض ہی دین کی اچھی عمل سب کی اوپر لازم
ہی بہت لوگ ایسی ہیں جو ان کو کسی بات کی کچھ خبر نہیں مسلمان ہیں
مسلمان سی کچھ واقف نہیں بہت لوگ مرد عورت ایسی ہیں جو عربی فارسی
کچھ نہیں پڑھی اور پڑھنی کی طاقت نہیں رکھتی روزہ نماز سیکھ لیا ہے قرآن
کی عبارت ناظراں پڑھتی ہیں اور جو کچھ کسی نی بتا دیا ہی زبانی پڑھ لیتی ہیں
اور کچھ نہیں جانتی آخرت کی کیا بات ہے کیا کیا چاہئی اللہ تعالیٰ نی کیا
بندوں کو فرمایا ہی کیا خبر دی ہی کیا حکم کیا ہی کیا وعدہ دیا ہی حضرت محمد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا کچھ فرمایا ہی کیسی کیسی بڑی نعمتیں
ہمیشہ کی دولتیں پاونی کا راہ دکھایا ہی بہت مسلمانوں کو کچھ بات معلوم نہیں
لاچار بے خبر رہتی ہیں ہزاروں طرح کی فایدی ایمان کی اور مسلمانی کی ہاتھ

سے چلی جاتی ہیں اور حقیقت کی جواہر خانی معرفت کی خزانی کیوں کر کس
طرح سی جہالت کی اندھیار میں نادانی کی تاریکی میں نظر آویں ہی سب کچھ
فایدی علم کی روشنی میں نظر آوتی ہیں دیکھی جاتی ہیں اول مسلمانی کا علم دنیا
آخرت کی فایدوں کا علم سب طرح کا عربی زبان میں ظاہر ہوا روشن ہوا
ہزاروں لاکھوں آدمیوں نی ہزاروں فایدی پائی لئی اپنی مقصود کو پہنچ گئی
پھر عربی کی پیچھی فارسی زبان والوں نے اپنی لوگوں کی واسطی جو فارسی زبان
جانتی تھی ہزاروں کتابیں دین کی علم میں قرآن کی حدیث کی بہت تفسیر
شرحیں لکھ ڈالیں اور سب علم فارسی زبان میں لائی ڈالی بے شمار کتابیں لکھ
گئیں کنھیں بزرگ نیں کسی عالم فاضل نی ہندی زبان میں کوئی کتاب
دین کی علم میں نہ لکھی قرآن مجید کی تفسیر پیغمبر صلی علیہ وسلم کی حدیث کی
شرح نہ کریں اللہ تعالیٰ اپنی فضل کرم سین اس عاجز بندے کی دل میں ڈالا
توفیق بخشی سورہ فاتحہ اور عم کی سیپارے کی تفسیر اس ہندی زبان میں لکھنا
شروع کیا وہی پاک پروردگار اپنی مہربانی سی اس بیان کو صاف عبارت
میں تمامی کو پہنچائی دینی والا ہی قبولیت بخشی والا ہی اور دل میں یہ نیت ہی جو
اس تفسیر سے اس سیپارے کی فراغت کرنے کی اور اس کی پیچھی فرصت فراغت
پاوی اور وہ پاک پروردگار توفیق بخشی تو اور سیپاروں کی بھی تفسیر لکھی اور
وقت پاوی اور وہ اللہ تعالیٰ چاہی تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی
حدیثوں کی بھی اس زمانے میں شرح لکھی عقاید کی مسئلی ایمان عقیدی جو
مومنوں مسلمانوں کو دین کی علم اور عمل اور عمل کی باتیں چاہئیں سب کچھ
ہندی زبان میں لکھی یہ فیض خدائی تعالیٰ کا ناواقفوں کی واسطی عام کردیوی
اور جو اس بندے کو ان سب ضروری باتیں لکھنی کا اتفاق نہ پڑی تو چاہئے
اور کوئی صاحب توفیق اس خدمت میں کمر باندھے اللہ تعالیٰ سین مدد مانگی
اوپر جو پرے والی خبر کی نیو دھری گئی ہے حویلیاں بناوی محل بناوی بیخبروں
کو خبردار کری راہ بتاوی ثواب پاوی اللہ تعالیٰ کی کرم فضل سی یہ بندہ گنہگار
امیدوار ہی جو وہ خاوند حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل
سی اللہ تعالیٰ کے کرم فضل سی یہ بندہ گنہگار امیدوار ہی جو وہ خاوند حضرت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سیں اس کام کی برکت سیں
اپنی کلام کی عزت اس تفسیر کو قبول فرمادی اس کی لکھنی کا پڑھنی کا پڑھا
دنی کا اپنی ہی نہایت رحمت سیں ثواب عنایت کریں اس خدمت کو
حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا اور اپنی
مغفرت اور بخشش کا پری حق مین اور جو کوئی پڑھی پڑھاوی فایدہ پاوی
اس کی حق میں وسیلہ کردیوی میری اور سب مومنوں کی گناہوں کو بخش یوی
پھر بہشت میں داخل کردیوی اپنی دیدار کی دولت نصیب کری آمین آمین
آمین یہ سب حقیقت کہہ کر دوعا مانگ کر اب تفسیر لکھنا شروع کرتا ہوں
پڑھنی والوں کو اور سنی والوں کو چاہئی جو خوب سمجھ کر پڑھیں اور ادب
سیں شوق سیں دلکی کانوں سی سنیں۔"

غیر مطبوعہ تفسیر سورۂ فاتحہ کا اقتباس

جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے مطبوعہ نسخوں میں بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ کے فوائد دوسری کتاب کے درج ہیں شاہ مراد اللہ کے قلم سے لکھے ہوئے نہیں ہیں۔ لیکن قلمی نسخوں میں شاہ مراد کی لکھی ہوئی یہ تفسیر موجود ہے۔ یہاں الرحمن الرحیم کی تفسیر کے ذیل میں درمیان سے ایک غیر مطبوعہ اقتباس درج کیا جاتا ہے جس سے تفسیر کے انداز تحریر کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔

پھر سب رحمتیں دو قسم ہیں عام اور خاص رحمت کے اعتبار میں رحمن
نانوھی اور خاص رحمت کی سبب رحیم نانوھی پھر عام رحمتیں بھی دو قسم
ہیں عام ہیں اور عام میں خاص ہیں پھر عام رحمتیں وہ ہیں جو تمام خلق ان
رحمتوں میں شریک ہیں خلق کا پیدا کرنا ہر ایک کو وجود بخشنا پھر پرورش کرنا
روزی دینا آسمان زمین چاند سورج تارے دن رات آگ باد پانی خاک
لعل جواہر سونا روپا لوہا تانبا درخت بوٹی گل پھول اناج غلے ہر طرح کی
علاج دوائیاں ہر قسم کے حیوان ہاتی (ہاتھی) گھوڑی اونٹ بیل گائی بکری
مرغ کبوتر ہزاروں طرح کی جانور یہ سب کچھ رحمت ہی کی کار خانی ھیں
آدمیوں کی واسطی نعمتیں ہیں پھر آدمیوں میں عام رحمتیں وے ہیں جنمیں
مومن کافر بھلا برا (سب) شریک ہیں سیدھا قد قامت ہاتھ پاؤں آنکھ کان
شعور دانائی ہر چیز کی تمیز اور ہزاروں رحمتیں نعمتیں ہر کسی کو بخشی ہیں

عام و خاص ہیں مومن ہووے خاص کافر ہووے کسی کسی کو ملتی ہیں
خوبصورتی حسن جمال قوت زور شجاعت سخاوت دولت مال ملک سرداری
بادشاہی اسباب تجمل ہر طرح کی ہر حکمت علم بزرگیاں بڑائیاں اور ہزاروں
باتیں لذتیں عیش جیش خوشیاں آرام صحت سلامتی یار دوست جورو لڑکے
اولاد مراد سب کوئی ان عام رحمتوں کے دریاؤں میں ڈوب رہا ہی بے حد بی
بی حساب نعمتیں سب کسی کو پہنچی ہیں اور پہنچتی جاتی ہیں یہ سب رحمانی
رحمت کا فیض ہے جو بے نہایت جاری چلا جاتا ہے"۔

دبستان دہلی کے معلوم و متعارف نثری سرمائے میں تفسیر مرادیہ تقدم کے لحاظ سے شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن پر فضیلت رکھتی ہے گو یہ فضیلت جزواً ہے پورے قرآن مجید کے تفسیری فوائد اولاً شاہ عبدالقادر ہی کے قلم سے نکلے ہیں کہا جاتا ہے کہ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اور مختصر تفسیری فوائد موسوم بہ موضح قرآن اٹھارہ سال کی طویل مدت میں تکمیل کو پہنچے اگر یہ درست ہو اور اتنی ہی طویل مدت اس ترجمے اور مختصر تفسیری فواید کی تکمیل میں صرف ہوئی ہو تب بھی شاہ مُراد اللہ کا یہ لکھنا غلط (۳) نہیں کہ ان سے پہلے کسی کو اس کام کی طرف توجہ نہیں ہوئی کیوں کہ اس حساب سے شاہ مُراد اللہ کے تفسیر سورۂ فاتحہ و پارۂ عم لکھنے کے تین سال بعد شاہ عبدالقادر نے ترجمہ و تفسیر کا کام شروع کیا۔

تفسیر مرادیہ علمی انداز میں نہیں بلکہ تبلیغی مقاصد کے تحت لکھی گئی تھی شاہ مُراد اللہ کو احساس تھا کہ عام مسلمانوں کو دین کی ضروری باتوں سے روشناس کرانے کی ضرورت ہے۔ خوش قسمتی سے وہ ایک ایسی دینی تحریک سے وابستہ تھے جس نے ہندوستان میں اکبری دور کی بدعات کا قلع قمع کرنے اور مسلمانوں کی دینی حالت سدھارنے میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے شاہ مُراد اللہ نے اس دور کے عام مسلمانوں کی دینی معلومات سے بے خبری کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

"بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ان کو کسی بات کی خبر نہیں مسلمان ہیں
مسلمانی سے واقف نہیں بہت لوگ مرد عورت ایسے ہیں جو عربی فارسی کچھ
نہیں پڑھے اور پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے روزہ نماز سیکھ لیا ہے قرآن کی
عبارت ناظراں پڑھتے ہیں اور جو کچھ کسی نے بتا دیا ہے زبانی پڑھ لیتے ہیں
اور جو کچھ نہیں جانتے .... ہزاروں طرح کے فایدے ایمان کے اور مسلمانی

کے ہاتھ سے چلے جاتے ہیں۔

خود شاہ مراد اللہ کے حلقۂ احباب میں اس طرح کے مسلمانوں کی خاصی تعداد تھی جو علم کے اعتبار سے کم تر تھے، مگر اخلاص سے خالی نہیں تھے۔ شاہ مراد اللہ انھیں اپنی مجلسوں میں قرآن کے معنی آسان اردو میں سمجھاتے تھے۔ انھی کی فرمائش پر شاہ مراد اللہ کو اس تفسیر کے قلم بند کرنے کا خیال آیا۔ شاہ مراد اللہ کے اس حلقۂ احباب میں کم سے کم ایک نام معلوم ہے۔ یہ صاحب محمد دانش بنگالی تھے۔ ان کا ذکر مرزا مظہر جانجاناں کے ایک خط بنام مولوی ثناء اللہ سنبھلی میں آتا ہے۔

> (ترجمہ) "محمد دانش بنگالی جو شاہ مراد اللہ کے دوستوں میں ہیں اور ڈیڑھ سال اس خانقاہ میں رہے۔ اپنی استعداد کے مطابق انھوں نے فیض و برکت طریقہ حاصل کرلیے۔ چند روز کی رخصت لی ہے ظاہرا اسی طرف واپس آنے کا ارادہ ہے آپ کی خدمت میں پہنچتے ہیں ان پر مہربانی کیجیے ہر چند مرد سادہ ہیں لیکن طالب خدا ہیں" (۵)

غرض شاہ مراد اللہ کے مخاطب اردو داں عوام تھے اور ان میں ایسے بھی تھے جن کی مادری زبان اردو نہ ہونے کی وجہ سے اردو کی استعداد بہت ہی کم ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ مراد اللہ نے بے حد ... زبان استعمال کی ہے بالعموم چھوٹے چھوٹے فقرے لکھے ہیں افہام و تفہیم کی سہولت کے لیے اور مطالب اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے لیے مترادفات بکثرت لاتے ہیں تحریر میں تقریر کا انداز برقرار رکھا ہے بقول مولوی منصور احمد بردوانی (مصحح نسخہ مطبع ماہ عالم افروز)

> "حضرت قدس سرہ نے اس کی تفسیر اس خوبی سے ہندی زبان میں بیان فرمائی ہے کہ جیسے بہتر سے بہتر کوئی ایک واعظ منبر پر بیٹھ کے وعظ کہہ رہا ہے۔ اور ہر ایک زن و مرد چھوٹا بڑا بخوبی سمجھ لیتا ہے اور گرویدہ ہوجاتا ہے۔"

نثر کی قدامت کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ شاہ مراد اللہ نے کام کی باتیں کیسی سلجھی ہوئی عبارت میں بیان کر دی ہیں جب کہ فورٹ ولیم کالج کے بعد تک کی بعض تصانیف میں الجھاؤ پایا جاتا ہے۔ خود ان کے زمانے میں دیباچے اس قسم کی نثر میں لکھے جا رہے تھے۔

> • "اس کی بیت بہار معنی کے جنون میں مصرعوں کے دو ہاتھ سے گریبان پھاڑ رہی ہے اور ہر سطر ایک دیوانہ مضمون جنون کو زنجیر کر سرمہ سوختگی بیان سے خوشی کے نالے پکار رہی ہے۔ (عزلت)

• "گوہر سخن عاصی زیب گوش اہل ہنر ہوا ہے اس مدت میں مشکل گوئی دقیقہ سنجی کا نام رہا ہے اور سدا مرغ معنی عرش آشیاں گرفتار دام رہا ہے (سودا)

قافیہ پیمائی "دقتِ اسلوب" اور رنگینی جو عزلت و سودا کے دیباچوں اور نو طرز مرصع تحسین پر قیاس کر کے اردو نثر کے ابتدائی دور کا امتیازی وصف سمجھ لی گئی ہیں تفسیر مرادیہ میں مطلق نہیں اس لحاظ سے تفسیر مرادیہ کی نثر تقویت الایمان کی نثر کی پیش رو ہے۔

شاہ مراد اللہ کی نثر کا سب سے نمایاں پہلو لکھنے والے کی اخلاص مندی ہے جو سطر سطر سے جھلکتی ہے یہ نثر تبلیغی جذبے کے تحت لکھی گئی ہے۔ یہ جذبہ دراصل ان کی نقشبندی سلسلے سے وابستگی کا نتیجہ ہے۔اسی دور کے ایک اور نقشبندی مجددی بزرگ مرزا مظہر جانجاناں شہید نے بھی اردو کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مجدّد الف ثانی کی تحریک احیائے دین کی تصنیفی خدمات میں بجا طور سے تفسیر مرادیہ کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔

اس تفسیر پر مولوی عبدالحق کا تبصرہ بھی لائق مطالعہ ہے۔ یہ ان کے مضمون "پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" میں موجود ہے" مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

> "تفسیر کی زبان بہت صاف اور سادہ ہے۔ متروک الفاظ خال خال ہیں۔ اور وہ بھی بہت معمولی مثلاً ییے (بجائے یہ) وے (بجائے وہ) اندھیاری (بجائے اندھیرا) ان نے (بجائے اس نے) اور اس قسم کے اور لفظ ہیں جو اب بھی بعض مقامات پر بول چال میں آتے ہیں جملوں کی ساخت پرانی ہے ....

اس کتاب میں تفسیر شرح و بسط کے ساتھ لکھی ہے۔ اس کتاب کی زبان بارھویں صدی کے اواخر کی زبان کا اچھا نمونہ ہے" (قدیم اردو مطبوعہ ۱۹۶۱ء ص ۱۳۰)

مولوی عبدالحق کے پیش نظر تفسیر مرادیہ کا مطبوعہ نسخہ تھا جس کی نثر مشکوں کی تبدیلیوں کا شکار ہے۔ جہاں تک تفسیر مرادیہ کے طویل دیباچے کا تعلق ہے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ جملوں کی ساخت پرانی ہے اگرچہ اس نثر میں مترادفات کی بھرمار ہے۔

<u>مختصات</u>

۱۔ کسی - کسنہین (بجائے کسی) مثال - "جن کسنہین نے حق کو قبول کیا"

۲۔ سین (بجائے سے)

۳۔ نین (بجائے "نے" علامت فاعل)

۴۔ کتین (کے تئین) مثالیں "رات کتین" "دن کتین"

۵۔ جمع الجمع ۔ مثال "اصحابوں"

۶۔ تذکیر و تانیث کی ناہمواری "راہ" کہیں مونث مثلاً کتاب کی راہ سے ۔ کہیں مذکر مثلاً "راہ نکالا" بغل مذکر اور خواب مونث آیا ہے ۔ ہوشیں مونث مثال "لنگی جیب بڑی ہوشین" "بچی بچی خوابیں ظاہر ہونے لگین" "طلاق" کو مذکر استعمال کیا ہے "طلاق دیا"۔

۷۔ بعض افعال میں برج کا لہجہ ۔ لاتے نا ۔ فرماتے نا ۔ جاو نا ۔ سمجھاو نا ۔ لکھواتے نا ۔

۸۔ حرکات بالحروف ۔ مثالیں ۔ داوود ۔ دوعا ۔ یہ بقول ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب ترکی زبان کے اثرات میں سے ہے ۔

۹۔ لیے ،دے ("یہ" وہ کی جموع) کہیں کہیں شاہ مراد اللہ نے "وہ" کو "وو" بھی لکھا ہے

۱۰۔ حذف "کے" مثال "اپنے کلام بیچھے"

۱۱۔ ترک نے ۔ مثالیں

- اللہ تعالی قرآن میں فرمایا ہے
- (اصحاب رسول) قرآن کو حضرت نبی صاحب سے سنکر کاغذوں میں لکھ لیے ہیں "یاد کر لیے ہیں دلوں میں نقش کر لیے ہیں ۔
- "حضرت جبریل ان شہروں کو اٹھا آسمان کے نزدیک لیجا کر وہاں الٹ مارے۔
- (کفار) پانی مانگے۔
- ابوبکر لوگوں سے پوچھ کیا ہے۔
- یہ بات سن کر ابوبکر صدیق ان کے دروازے میں جا کر اوس کو بلایا احوال پوچھا۔
- (میکائل) حلق اور رگیں دھوئے ۔ دین مسلمانی کا قبول نہ کئے "۔
- "بادشاہ مال پایا ہے "۔

۱۲۔ "نے" کا غیر موثر استعمال ۔ پہلی مثال

"اصحابوں نے عبداللہ کو خبردار کیے جو حضرت اس وقت اور کام میں مشغول ہیں " ۔ یہاں علامت فاعل "نے" لانے کے باوجود فعل فاعل کے مطابق آیا ہے جب کہ اسے مفعول کے

مطابق ہونا چاہیے تھا۔

دوسری مثال

"پھر اس پاک خاوند نے دنیا کی راہوں کو آسان کر کر۔ آخرت کی راہوں کو آسان کر دی"۔ "حضرت نے دیکھ کر اس کو بہت خوش ہوئے۔"

۱۳۔ جو (بجائے کاف بیانیہ "کہ") مثالیں

اصحابوں نے عبداللہ کو خبردار کیے جو حضرت اس وقت اور کام میں مشغول ہیں۔ تب سب کو یقین ہوا۔ جو اب مریں گے"۔ "شور ہنگامہ دھوم فکر اندیشہ حساب کتاب قصہ قضیہ ایسا کچھ ہووے گا جو نیند کا نام نشان نہ رہے گا۔"

۱۴۔ کثرت مترادفات

مترادفات کی کثرت الفاظ کی حد تک ہی نہیں جملوں میں بھی ملتی ہے۔ مثالیں۔

(الف) "بڑے بڑے دانا عقلمند ہیں"۔ "تحقیق مقرر بیچ بے شک اس جاننے کے پیچھے شتاب جانیں گے۔" "اپنی احمقی اور نادانی سے"۔ "بُرے حال سے خواری خرابی سے"۔ "بہشت سب طرح کا آرام راحت عیش ہے کھانا پینا لذت مزا ہے"۔ "درخت .... ہرے سبز ہو جاویں"۔

(ب) ہزاروں طرح کے افسوس کریں گے۔ روویں گے اور آنکھوں سے ان کی آنسوں کی ندیاں بہ چلیں گی اور ہائے ہائے کریں گے
"آرام پاویں خوشیاں کریں راحت پاویں"۔
"اس بات کے اوپر لات مارے خاک ڈالے"۔

۱۵۔ اطناب و تطویل۔

شاہ مراد اللہ کی نثر کا انداز خطیبانہ اور واعظانہ ہے اس لیے اس میں ایجاز و اختصار کی بجائے اطناب و تطویل ہے جو بالعموم مترادفات کی کثرت کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں اطناب و تطویل کی

دوسری صورتیں بھی اختیار کرتے ہیں۔ مثلاً :۔

(الف) جزئیات نگاری و تفصیل پسندی "دے چیزیں جو سب کے کام آویں مثلاً دیگچا توا تفاری پیالہ رکابی سوئی کدائی آگ پانی نمک منع کرنے ہی نہیں دیتے۔"

" جو ہمیشہ رات ہی رہتی دن نہ ہوتا دنیا کی زندگانی کے سبب کاربار بند ہوجاتے معاش کارخانے بگڑ جاتے ٹھیک نہ رہتا خلق کو جینا زندگانی کرنی مشکل ہوجاتی تمام دنیا ویران ہوجاتی

جماد و نباتات کی تشریح ملاحظہ ہو۔

دانے بوئے ہوئے گھاس میں اُن بوئی ظاہر کریں گیہوں جو چاول مونگ ماش اور سب جنس جو آدمیوں کے کھانے میں آتا ہے اور گھاس پالا بیل بوٹیاں جو سب جانوروں چرند کے گھوڑا اونٹ گائے بیل بکری کے کھانے میں آتی ہیں اور طرح کی ترکاریاں اور بوٹیاں دوائیاں جو بیماریوں کے علاج میں لگتی ہیں ہزاروں کام آتی ہیں۔

(ب) بیان اضداد

" اللہ تعالیٰ نے جوڑا طرح بطرح خوب صورت بد صورت " قوی ضعیف " زور اور ناتوان " بھاری ہلکے " موٹے دبلے " غنی فقیر پیدا کیے بنائے "

(ج) تشبیہات

بادلوں کو نچوڑتے ہی چھلنی کی طرح بادلوں میں سوراخ ہو کر پانی برسنے لگتا ہے۔

" ایسی طرح سے روح کو بھی بدن سے کھینچتا ہے جیسے نان بائی لوہے کی سیخ میں کباب بھرتا ہے کبابوں کا گوشت سیخ میں لگا رہتا ہے کباب نکال کر اس گوشت کے چھڑانے کے واسطے کمل کے ٹکڑے کو تر کر کر بھگا کر سختی سے اس سیخ کو کمل سے پکڑ کر چھٹانا

ہے اس کے پیچھے وہ گوشت اچھی طرح سے نھیں چھوٹتا الگ رہتا ہے ......"

(د) "ایسا ہوگا دیسا ہوگا"۔ "بتوں کو پوجو بت بناؤ ایسا کرو ویسا کرو

(ہ) "کبھی رات کو بڑھایا دن کو گھٹایا کبھی دن کو بڑھایا رات کو گھٹایا"۔

(و) اطناب کی ایک اور مثال جس میں شاہ مراد اللہ کا طرز تحریر بخوبی نمایاں ہے

"جس وقت روحیں بدن کے ساتھ ملائی جاویں گی سب ... زندہ ہوویں گے۔ جی اٹھیں گے پھر اچھے لوگوں کو اچھوں کے ساتھ جمع کریں گے برے لوگوں کو بروں کے ساتھ جمع کریں گے مو۔ مومنوں کے ساتھ کافروں کو کافروں کے ساتھ اسی طرح ہر ہر جنس کو جنس کے ساتھ ملا دیں گے سچوں کو سچوں کے ساتھ جھوٹوں کو جھوٹوں کے ساتھ دوستوں کو دوستوں کے ساتھ "دشمنوں کو دشمنوں کے ساتھ" شاہوں کو شاہوں کے ساتھ چوروں کو چوروں کے ساتھ حبیبوں کو حبیبوں کے ساتھ اکٹھا کریں گے۔

لغات و محاورات قدیم۔

(الف) ڈرانی (بجائے ڈراونی۔ مثال "ڈرانی شکل") پھتر (پتھر) دیئے بارا۔ پالنے ہارا بے فرمانی (بجائے نافرمانی) چل بچل (ہزاروں کارخانے چل بچل ہوجاتے) اندھیار بجائے اندھیری "اندھیاری رات کی سارے عالم سے دور ہوئی اندھیارا (بجائے اندھیرا" ہمیشہ اندھیارا رہتا"۔ باد (ہوا) پیچھے (بجائے بعد۔ ہزاروں برس کے پیچھے) بدبوئی۔ خوشبوئی (بہشت کی خوشبوئی سے خوشبوئیاں ان کے ساتھ ہوتی ہیں) چوڑاو۔ ڈبانا (بجائے ڈبونا) چوکی (بمعنی پہرا "میر محل کے دروازے کی چوکی میں رہ) ما (بجائے ماں) بونٹی (بجائے بوٹی) بچھوانا۔ (بجائے بچھونا) "بہشت کا بچھوانا بچھواو" بچھوانے بچھوا کر) باگھ (شیر) جاگہ (جاگہ صاف کروائی)

پچھاڑی اگاڑی (" جب پچھاڑی حضرت موسیٰ کی فوج کی اس کنارے پہنچی تب فرعون کے لشکر کی اگاڑی اس کنارے دریا کے آ پہنچی) دل گیر (بمعنی دلگیری ۔ خاطر کے اوپر دل گیر ناخوشی حرام زادہ (بمعنی شریر ۔ حرام زادہ شریروں کو پیش کرے) باسن (برتن) ہٹھالنا (" دھوپ میں ہٹھالنا) بیٹھالنا (" اپنی چادر مبارک ان کے واسطے بچھا دی اس کے اوپر بیٹھالا) دابنا (بجائے دبانا ۔ قبر میں زمین کو کھود کر داب دیوے) کمل (کمبل) بھگانا (بھگونا) گاڑی گئی لڑکی (بجائے گاڑی ہوئی لڑکی) دان دہیز۔ دیوان پن (دیوانہ پن) اشارت (بجائے اشارہ) اشارتیں (بجائے اشارے ۔ اس آیت میں تین اشارتیں ") تمامی (بجائے تمام) بہوت (بہت) ماپنا (ناپنا ۔ ماپنے میں .. کمی کرتے ہیں ") گھٹے (پیمانے ۔ وے لوگ جس وقت لیتے پیمانوں میں گھٹوں میں کچھ سودا اپنے واسطے ۔ آدمیوں سے تمام بھر لیتے ہیں) بناوٹ (بمعنی زینت ۔ حوریں طرح طرح کی بناوٹ کیے ہوئے) ہچان (پہچان) چرکاہٹ (چمک ۔ اس کے مونہہ کی چرکاہٹ مونہہ کی روشنی کچھ اور ہی ہوتی ہے ") لڑھائی ۔ لڑھائیاں (لڑائی ۔ لڑائیاں) بھوکھا (بھوکا) جھوٹھ۔ (دیو (دو ۔ اس کا پانی کا حصہ تمام دیو کم مت کرو) ۔ گھاسن (جمع گھاس کی یعنی بہت گھاس) اکسان (یکسان ۔ عذاب اکسان ہوگا ") چپٹنا (بجائے چمٹنا ۔ کانٹے ان کے بدن میں گوشت میں چپٹ چپٹ جاتے ") پاس (بجائے نزدیک ۔ خیال میں ۔ حضرت بلال اس کے پاس بہت بے قدر تھے ... بلال کی قدر میرے پاس ایسی ہے جو تو ان کو میرے سارے مال متاع کے بدلے میں دیتا تو میں غنیمت جانتا ") بخیلی (بخل ۔ " جو کئی بخیلی کرتا ہے ") بڑھاؤ گھٹاؤ (آخرت میں کیا کچھ بڑھاؤ ہوئیگا " ۔ ہمیشہ ہی رہے گا ۔ گھٹاؤ کا نام نشان نھیں ہونے کا ") لڑکا پن (لڑکپن) چودھیں (چودھویں ۔

چودھوین رات کے چاند کو دو ٹکڑے کئے ") گیسنو (گیسون) نسوڑنا (" نسوڑ کر رکوع کرتا ہے ") نگلنا (نگلنا - تجھ کو نگل جادن گا ") بوجھے (بجائے سمجھنے - اپنا مددگار حافظ نگاہ بان یاری دینے والا ہر حال میں پاک پروردگار کو بوجھے ") جاگا (جائے گا " کچھ نہ جاگا ساتھ) چھپائیں ہیں (چھپاتی ہیں) (تھوڑین (تھوڑی " عمر میں تھوڑین ہیں " روشنائی (روشنی " صبح کی روشنائی اور رات کی اندھیاری کے درمیان میں "). بوجھا (بوجھ " لکڑیاں پھاڑ بوجھا باندھ کر ") . سرانے (سرھانے " جبرئیل میرے سرانے کی طرف بیٹھے ") بے فائدے باتیں (بے فائدہ باتیں)

(ب) بیان کر کر . افسوس کھانا . نجات بخشنا . مشکل ہو پڑنا (" جینا مشکل ہو پڑتا ") ٹوٹ پھوٹ (بطور مذکر . " ٹوٹ پھوٹ ان میں نہیں آسکتا ہے) بند چھند (" نجومی ... سونا روپا موتی مونگا اور منتر جنتر بنانے لگے اور جادوگر اپنے جادوگری کے بند چھند کرنے لگے ") " فرعون نے حضرت موسیٰ کو رخصت کی) حیف میں رہ جانا (" فرعون کے لوگ لوازم لاکھوں آدمی دریا میں ڈوب مرے) عبرت اٹھانا (" سبھوں نے اس کو دیکھ کر عبرت اوٹھائی) منہ لانا (بجائے منہ کرنا " پھر تو اے محمد اسی کے واسطے اسی طرف منہ لاتا ہے " ان مالداروں کی طرف منہ لاتا ہے " . " اس فقیر کی طرف منہ لانے کو فرمایا ") جہاں ... تہاں (" جہاں چاہتا ہے تہاں جاتا ہے ") مار رکھنا (مار ڈالنا " اس بات کے ڈر میں آگے ہی مار رکھتے تھے ") ننگ رکھنا (" بعضے عار کرتے تھے ننگ رکھتے تھے ") لیا چاہتا ہے . " بیٹھا چاہیں گے . (جب بہشتی ان تختوں کے اوپر بیٹھا چاہیں گے دے تخت زمین سے لگ جاویں گے ") خوشیاں کرنا . (خوشیاں منانا واویلا پڑیں گے . (بمعنی " واویلا کریں گے " . " یہ دوزخی آگ میں جلیں گے جلنے لگیں گے نالہ فریاد کریں گے واویلا پڑیں گے ") دکھ کھینچنا ،

(خواری کھینچنا سختیاں کھینچنا ۔ عذاب کھینچنا) جدی جدی (بجائے جدا جدا ۔ جدی جدی طرح) ڈر دکھانا (بمعنی ڈرانا ۔ محمد ایسے بندی خانے دوزخ کے ڈر دکھاتا ہے ۔) آزار پہنچانا ۔ تصدیع دینا ۔ خلاصی پانا ۔ سوارنا (سنوارنا ۔ ہر ایک تن کو جان کو راست کیا سوارا تمام کیا ۔) کوچیں مارنا (۔ دوسرے نے کوچیں مارین پاون کاٹ ڈالے ۔) وعدہ دینا (وعدہ کرنا) ٹال بتانا ۔ (۔ یہود نے ... لوگوں سے کچھ نہ کہا ٹال بتایا ۔) عرق آنا (پسینہ آنا ۔ ایسا دبا جو عرق آ گیا ۔) یاری دینا (۔ یاری دینے والا ۔) رسی باٹنا (رسی بٹنا ۔ ایک موٹی رسی بالوں کی بٹ کر اس بی بی کے حوالے کی ۔) پا بھی رہتا ہے (پا بھی لیتا ہے ۔) درہم برہم ہونا (۔ سب لوگ اپنی اپنی راہ رسم دین آئین کے اوپر تھے آپس میں درہم برہم تھے ۔) طعنہ مارنا کنایہ کرنا ۔ (۔ طعنے مارنے کنائے کرنے لگے) لوٹ کرنا (بجائے لوٹ مار کرنا ۔ لوٹ کی ۔) چل جانا ۔ (بجائے چلے جانا ۔) دو سو اونٹ اس لوٹ میں چلے گئے) ان نے کہا (انھوں نے کہا) دم کٹا ہوا (بمعنی ابتر) دشمنی ڈالنا (لوگوں کے درمیان دشمنی ڈال دیتی) باتیں لینا (۔ مسلمانوں کی باتیں لیتی پھرتی ۔) وعدہ دینا (۔ وعدہ دیا ۔) لحاظ پڑنا (اور جو لحاظ پڑے)

(۱۷) چند مزید غیر مانوس استعمالات

۔ زمین میں گر پڑا ۔ (زمین پر گر پڑا) بہت سا ناخوش ہوا (۔ سا حرف زائد ۔) ۔ تو اپنا ہی مطلب کہا ۔ ۔ ناکارے غلام کو (ناکارہ غلام کو ۔) ۔ خاطر جمع کر بھانے کر مت بیٹھو ۔ ۔ دانا عقلمند وہ کوئی ہے جو اللہ تعالیٰ کا ہو رہے حکم کو سر کے اوپر رکھے ۔

(۱۸) چند دل پذیر اسالیب

(الف) روز مرہ محاورات کا استعمال مثلاً ادھر کی ادھر لگانا ۔ لات مارنا ۔ خاک ڈالنا کمر باندھنا ۔ گپ شپ ۔ ادھر ادھر کی باتیں ۔ وقت بیوقت ہونا ۔ ایسا ویسا وغیرہ

(ب) کثیف مضمون کو ادا کرنے کا ڈھنگ۔ بے اختیار ہو کر نکرے کی
بات ہوگی۔

(۱۹) عطف کی ناہمواری۔ "جان و دل و تن و بدن و ہاتھ پاؤں"

(۲۰) ترک واو عاطفہ۔ "کار بار"، "آہ نالہ"۔

شاہ مراد اللہ کے اشعار

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ کی تفسیر کے ذیل میں شاہ مراد اللہ نے اشعار بھی درج کیے ہیں جو دو ہوں کی بحر میں ہیں اور قیاساً انھی کے ہیں۔ ذیل میں وہ جملہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔

کیا دنیا میں اٹک رہے ہو رکھتے ہو کیا خیال
آخری کچھ خبر نھیں ہے کیا ہووے گا حال
مال متول میں کیا رکھتے ہو اپنا کرو حساب
کرلو کام شتابی اچھے کرتے ہو کیا خواب
بری راہ میں کیوں بھٹکے ہو چھوڑ دو سب خیال
اچھی راہ کو ڈھونڈ کر رکھو پاوں سنبھال
کیا بھولے دنیا کے پیچھے کیا آوے گا ہاتھ
مال ملک سب جھوٹا جانو کچھ نہ جاگا ساتھ
غفلت میں دن کھو دیتے ہو لیے درد اور دکھ
بنا بندگی اس صاحب کے کہاں پاو گے سکھ
برے کام کرتے ہو بہت بھلے کام ہیں کم
بری بات برے کام میں بہت بھرے ہیں غم
اچھے کرلیو کام ستھرے جانا دن رات
بھلا برا آویگا سب آگے بھی بات بھی بات

حکایت نگاری کا انداز

"بنی اسرائیل کی قوم میں ایک بندہ تھا۔ شمعون اس کا نام تھا بعضے کہتے تھے ہمیشہ دن کو روزہ رکھتا تھا اور رات کو نماز پڑھتا تھا۔ ... میں کھڑا تھا اور کافروں کے ساتھ جہاد کرتا لڑتا۔ کافر اس کے ہاتھ سے تنگ آتے تھے

۔ ایک بار ان کافروں نے مصلحت کر کر شمعون کی بی بی کو بہلایا اور اس سے کہا تیرا خاوند تجھ سے کچھ کام نہیں رکھتا دن کو روزہ رکھتا ہے ۔ رات کو عبادت کرتا ہے تجھ کو کیا فایدہ ہے تو حیلہ کر کر اس کو بند کر ۔ ہم اس کو لیکر تیرے ساتھ ایک گھر میں بند کر دیویں گے ۔ ہمیشہ تو آرام سے رہے گی ۔ جورو کی ناقص عقل ہوتی ہے ۔ یہ قبول کی ایک موٹی رسی بالوں کی بانٹ کر اس بی بی کے حوالے کیے جو اس رسی سے اس کو باندھو ۔ ایک رات شمعون کو کچھ نیند آئی تھی ۔ ان کے ہاتھ باندھ لیے شمعون جاگ اٹھا ۔ کہا کیا کرتی ہو ۔ کیوں باندھی مجھ کو ۔ اس نے کہا میں تیری قوت آزماتی ہوں ۔ شمعون اس رسی کو توڑ ڈالا کہا میری قوت اس سے بھی زیادہ ہے ۔ پھر بی بی نے کافروں کو خبر دی حقیقت کہی ۔ پھر کافروں نے لوہے کی زنجیر لاکر دی دوسری رات خاوند کو زنجیر باندھی ۔ اس کو بھی توڑ ڈالا اور کہا میرا زور اس سے بھی زیادہ ہے کافروں کی خبر ہوئی ۔ کہا ہم عاجز ہوئے ۔ لوہے سے کوئی سخت چیز نہیں ۔ تو اسی سے پوچھ جو تجھ کو کس چیز سے باندھیں جو توڑ نہ سکے ۔ بی بی نے ان سے پوچھا شمعون نے کہا ۔ جس چیز سے کوئی مجھے باندھے وہ توڑ نہ سکوں اس بی بی نے کہا کس طرح اس کے سر کے بال لے کر رسی بنا کر اس کو باندھی ان نے کہا کھول دے ۔ جورو نے کہا میں نہیں کھولتی تو توڑ ڈال جس طرح اور چیزوں کو توڑتا تھا ۔ انھوں نے کہا میں نے تجھ سے کہا ہے میں اس کو توڑ نہیں سکتا ۔ اس بی بی نے کافروں کو خبر دی ۔ ایک ان کو پکڑ لیا اور وہ قول قرار جو اس احمق بی بی سے کیا تھا کچھ نکیا ۔ شمعون کے ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹ کر شہر دروازے کے آگے ڈال دیا ۔ جو خراب ہو کر مر جاوے ۔ رات کو جب نماز پڑھنے کا وقت ہوا شمعون نے اللہ تعالی کی درگاہ میں مناجات کی - دعا مانگی ۔ کہا اے پروردگار تو جانتا ہے تیری راہ تیری دوستی میں ان کافروں نے میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو قادر ہے جو مجھ کو اچھا کر دیوے میری مدد کر دے ۔ حق تعالی نے شمعون کی دعا قبول کی ۔ اسی وقت ہاتھ پاؤں سب کچھ ٹھیک ہوگئے ۔ اور جو کچھ اس کی قوت تھی زور تھا وہ بھی دیا ۔ اتنی قوت اور زیادہ بخشی ۔ اٹھ کھڑا

شہر کے دروازے کے پاس آیا۔ لوہے کا دروازہ تھا شہر کا۔ بند تھا۔ پکڑ کر اکھاڑ ڈالا اندر بیٹھ کر ہر گھر میں جا کر گھروں کے ستون پکڑ پکڑ کر کھینچ لیتا تھا۔ چھتیں گھروں کی گر گر پڑتی تھیں۔ سب کوئی چھتوں کے نیچے آپ گر گر جاتے تھے۔ اسی طرح رات میں سب کو ہلاک کیا۔ مار ڈالا "۔

ترجمۂ قرآن

ہر آیت یا اس کے جزو کے ساتھ اول شاہ مراد اللہ نے اس کا ترجمہ درج کیا ہے۔ جس میں مترادفات کی بھرمار اور الفاظ کی تقدیم و تاخیر پائی جاتی ہے۔ پھر مفصل تفسیر لکھی ہے۔ تفسیر لکھتے وقت ان کی نثر تقدیم و تاخیر الفاظ سے مبرا ہوتی ہے۔ ذیل میں نمونۃً سورۂ اذاجاء کی آیات کا ترجمہ (تفسیر سے جدا کر کے) لکھا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اذا جاء نصر الله والفتح:

جس وقت آئی یا محمدؐ یاری دینے مدد کرنی خدا کی اور فتح کلے کی اور لوگوں کی فتح۔

ورایت الناس یدخلون فی دین الله افواجا

اور دیکھا تونے آدمیوں کو داخل ہوتے ہیں خدا کے دین میں مسلمانی میں گروہ گروہ فوج فوج بہت بہت

فسبح بحمد ربک

پھر اس مدد اور فتح کی شکر گزاری میں سبحان اللہ والحمد اللہ کہو یا محمدؐ

واستغفرہ انه کان توابا

اور معافی مانگو یا محمدؐ خدائے تعالیٰ سے اپنی امت کے گناہوں کی بخشش چاہو تحقیق ہے وہ پاک پروردگار توبہ کا قبول کرنے والا ہے۔

ترجمۂ حدیث

تفسیر کے ضمن میں شاہ مراد اللہ نے حدیثوں کو بھی اپنے مخصوص انداز میں بیان کیا ہے۔ جو ترجمے سے زیادہ ترجمانی ہے۔ نمونۃً اقتباس ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

"حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں جو حضرت رسولؐ

کو پیغمبری سے چھ مہینے پہلے سچی خوابیں ظاہر ہونے لگیں جو کچھ رات کو
دیکھتے تھے صبح کو وہی صورت ویسا ہی آفتاب سا ظاہر ہوتا جس طرح سے
دیکھا تھا ویسا ہی طرح ہوتا پھر جب مبعوث ہونے کا زمانہ، وحی اترنے کا
وقت نزدیک ہوا قرآن مجید کے منازل ہونے کے دن نزدیک آئے
حضرت کو تنہائی خلوت پیاری ہوگئی حرا ایک پہاڑ ہے مکے کے پاس اس
میں ایک غار ہے اس غار میں اکیلے ہو کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد میں تسبیح اور
تہلیل میں مشغول ہوجاتے۔ دو دو رات تین تین رات دن وہیں رہتے پھر
زیادہ رہتے کبھی ایک مہینہ تک بھی وہیں رہے۔ کھانے پینے کے واسطے کچھ
اس غار میں اپنے ساتھ لے جاتے ایک دن حضرت نے آواز سنی کوئی کہتا
ہے "یا محمد" اور کسی کو نہ دیکھا۔ پھر دوسری بار سنا "یا محمدؐ" پھر کسی کو نہ
دیکھا۔ تیسری بار آواز سنی یا محمدؐ۔ اس وقت پہاڑ کے اوپر کھڑے تھے۔ جو
ایکبارگی آسمان زمین کے درمیان میں نظر پڑی دیکھا ایک سونے کے جڑاؤ
تخت کے اوپر ایک شخص آدمی کی صورت بہت خوبصورت بیٹھا ہے سبز
کپڑے پہنے ہوئے ایک نور کا تاج سر کے اوپر۔ حضرت نے دیکھ کر اس کو
بہت خوش ہوئے، پھر بہت دیکھتے رہے۔ تمام دن دیکھا کیے شام وہ تخت
اور وہ بیٹھنے والا غائب ہوگیا۔ حضرت نے بہت تعجب کیا پھر دوسرے دن
بھی اسی طرح وہی صورت ظاہر ہوئی۔ کچھ بات نہ کہی۔ پھر تیسرے دن
بھی اسی طرح ظاہر ہو کر وہ تخت کا بیٹھنے والا نزدیک آیا حضرت کو ایک
خوف پیدا ہوا۔ چاہا جو آپ کو پہاڑ سے نیچے گرا دیویں اور انھوں نے کہا یا
محمد ڈرو مت میں جبرئیل ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تمھارے پاس بھیجا ہے۔
تم خدا کے رسول ہو آخر زمانے کے پیغمبر ہو اس امت کے طرف تم کو
ہدایت کرنے کے واسطے مقرر کیا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت کی کچھ تسلی
ہوئی۔ پھر حضرت جبرئیلؑ نے اپنے پردے کے درمیان سے ایک نامہ نکالا۔
بہشت کا - حریری کپڑے کا - یاقوت اور موتیوں کا گونتھا ہوا حضرت
رسول کے نزدیک لائے۔ اور کہا پڑھو۔ حضرت نے فرمایا میں کچھ پڑھا
نہیں۔ اور اس نامے میں کچھ لکھا ہوا دیکھا بھی نہیں۔ حضرت جبرئیلؑ ان کو

دونوں ہاتھ سے پکڑ کر بغل دابا ایسا دابا جو عرق ہوگیا نزدیک تھا جو حضرت
بیہوش ہوجاویں پھر چھوڑ دیا۔ جب حضرت بحال ہوئے۔ تب حضرت جبرئیلؑ
نے کہا اقرا یعنی پڑھو۔ حضرت نے فرمایا ما انا بقاری میں نے کچھ پڑھا نہیں
۔ پھر حضرت جبرئیل نے ایسی طرح گودی میں اپنی لے کر دابا نزدیک تھا جو
بیہوش ہوجاویں طاقت نہ رہی چھوڑ دیا ۔ پھر کہا اقرا یا محمد یعنی پڑھو ۔
حضرت نے فرمایا ما انا بقاری میں پڑھا نہیں ۔ تین مرتبے اس طرح سے کہا ۔
چوتھی بار حضرت جبرئیل نے کہا ۔ اقرا باسم ربک الذی خلق پانچ آیتیں
پڑھیں پھر حضرت کی بھی زبان کھل گئی ۔ خداے تعالی کے حکم سے آیتیں
یاد ہوگئیں ۔

موازنۂ تراجم شاہ مراد اللہ و شاہ عبدالقادر

شاہ مراد اللہ انصاری کی تفسیر پارۂ عم محرم ۱۱۸۵ھ میں اختتام کو پہنچی تھی ۔ اس میں ہر
آیت کے ترجمے کے ساتھ مفصل تشریح بھی درج ہے ۔

شاہ عبدالقادر کے موضح قرآن کا سال اختتام ۱۲۰۵ھ ہے ۔ اس میں آیتوں کے ترجمے
کے ساتھ مختصر تفسیری فواید درج ہیں ۔

ذیل میں شاہ مراد اللہ انصاری اور شاہ عبدالقادر کے صرف تراجم آیات کا موازنہ
پیش کیا جاتا ہے ۔ شاہ عبدالقادر تفسیر مرادیہ کے وجود پر مطلع نہیں تھے ۔ (جیسا کہ موضح قرآن
کے دیباچے میں اس تفسیر کا ذکر موجود نہ ہونے سے اندازہ ہوتا ہے) اس لیے تفسیر مرادیہ
اقدم ہونے کے باوجود شاہ عبدالقادر کا ترجمہ اس سے مستفاد نہیں ہے ۔ نیز تفسیر مرادیہ صرف
پارہ عم اور جزواً سورہ بقر کی حد تک ہے ۔ شاہ عبدالقادر کا مکمل قرآن مجید کا ترجمہ ہے اور اس
پر مختصر تفسیری فواید بھی ہیں ۔ دونوں نثری کارنامے اپنی قدامت کے اعتبار سے بڑی اہمیت
رکھتے ہیں ۔ اس لیے ان کا موازنہ افادیت رکھتا ہے ۔ اس سے اس دور کی دینی نثر کے اسالیب
کو سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے ذیل میں شاہ مراد اللہ کے ترجمے کے آخر میں نشان (م) اور
شاہ عبدالقادر کے ترجمے کے آخر میں نشان (ن) لکھ دیا گیا ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم شروع کرتا ہوں (عم سیپارے کی تفسیر) اللہ کے نام کی برکت سے
جس نے ہم کو دنیا میں پیدا کیا اور روزی دی اور سب طرح کی
نعمتیں بخشی اور بخشنے والا ہے (م) شروع (اس کتاب کا) اللہ

کے نام سے جو اللہ صاحب بہت مہربانی کرنے والا ہے (ق)

عم یتساء لون — کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں یعنی آپس میں بیٹھ کر ایک دوسرے کو پوچھتے ہیں سوال کرتے ہیں (م) کس چیز کا احوال پوچھتے ہیں یہ کافر (ق)

عن النباء العظیم۔ — اس بڑی خبر سے (م)۔(ق)

الذی ھم فیہ مختلفون۔ — جس میں وے کئی طرف ہو رہے ہیں یعنی اختلاف کرتے ہیں (م) جو اس کے احوال میں جھگڑتے ہیں یعنی ہر ایک اپنی سمجھ سے کچھ کہتا ہے اور مر کر پھر اٹھنا قیامت کے دن کا سچ نہیں جانتے (ق)

کلا سیعلمون — یوں ہیں اب جان لیں گے (م) بے شبہہ اب جانیں گے اس چیز کو سچ (ق)

الم یجعل الارض مھدا — کیا ہم نے نہیں بنایا زمین بچھونا واسطے کے تمھارے (م) کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو پنگوڑا ان کے پالنے کو جو اس پر آرام سے رہتے ہیں اور اس سے نعمتیں جو پیدا ہوتی ہیں انھیں کھا کر پرورش پاتے ہیں (ق)

والجبال اوتادا۔ — اور پہاڑ میخیں جو زمین جنبش نکر سکے (م) اور بنائیں ہم نے پہاڑ کی میخیں زمین کی مضبوطی کی جو پانی پر تھر تھر اوے اور کانپے نھیں (ق)

و خلقنٰکم ازواجا — اور پیدا کیا ہم نے تم کو جوڑے جوڑے نر مادہ، بانت بہانت کے (م) اور پیدا کیا ہم نے جوڑا اور نر مادہ تو تمھارے اور اولاد پیدا ہوتی ہے (ق)

وجعلنا نومکم سباتا — اور بنایا تمھاری نیند کو دفع ماندگی کے یعنی واسطے آرام کے تمھارے (م) اور کیا ہم نے نیند تمھاری تمھارے بدن کو جو سارے دن کی ماندگی رات کے سونے سے جاوے (ق)

وجعلنا الیل لباسا — اور کیا ہم نے رات کتیں لباس تمھارا ستر تمھارا (م) اور بنائی ہم نے رات پوشاک جو سب چیز کو ڈھانک لیتی ہے (ق)

وجعلنا النھار معاشا۔ — اور کیا ہم نے دن کتیں وقت معاش کا زندگی کا تمھارے (م) اور بنایا ہم نے دن روزی پیدا کرنے کو اور تلاش کو (ق)

و بنینا فوقکم سبعا شدادا ۔ اور بنایا تیار کیا ہم نے تمھارے سروں کے اوپر سات
آسمان محکم مضبوط (م) اور بنائے ہم نے اوپر تمھارے سر کے
سات آسمان خوب مضبوط محکم (ق)

وجعلنا سراجا وھاجا ۔ اور کیا بنایا ہم نے آفتاب کو ایک بڑی خوبی کا چراغ روشن تمام
عالم کا روشن کرنے والا ۔ (م) اور کیا ہم نے آسمانوں میں چراغ
روشن یعنی سورج (ق)

وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا ۔ اور بھیجا ہم نے باد کے ساتھ بادلوں سے ابر سے پانی
بہت گرتا ہوا برستا ہوا ۔ (م) اور نیچے بھیجا ہم نے بل نچوڑنے
والی سے پانی جھرڑتا ہوا

لنخرج بہ حبا و بناتا ۔ تو نکالیں ہم اس پانی کے سبب دانے بوئے ہوئے گھاسین ان
بوئی ظاہر کرین (م) تو باہر للدین ہم اس زمین سے یا پانی سے
دانے اناج کے جیسے گیہوں چنا مونگ اور ایسی ہی اور پیدا کیا ہم
نے سبزہ (ق)

وجنّٰت الفافا ۔ اور باغ آپس ملے ہوئے (م) اور باغ بھرے ہوئے درختوں میوہ
دار سے (ق)

ان یوم الفصل کان میقاتا ۔ تحقیق مقرّر قیامت کا دن جدائی کا دن وعدے کا وقت ہے (م) پھر
بیشک دن جدا کرنے بھلے برے کا ہے مقرّر کیا ہوا واسطے حساب
لینے سب خلقت کے (ق)

یوم ینفخ فی الصور ۔ قیامت کا دن جدا ہونے کا دن اس دن میں صور دم ہووے گا
نرسنگا قدرت کے حکم سے پھنکے گا (م) جس دن پھونکا جائے گا
نرسنگھ یا قرنائے میں (ق)

فتاتون افواجا ۔ پھر آؤ گے تم گوروں سے اٹھ کر قیامت کے میدان میں فوج فوج
گروہ گروہ (م) دوسری بار پھر آؤ گے تم اٹھ اٹھ کے گوروں سے
قیامت کے میدان میں (ق)

و فتحت السماء فکانت ابوابا ۔
اور کھولے جاویں گے آسمان پھر ہو جاویں گے دروازے دروازے

(م) اور کھلے گا آسمان قیامت کے دن پھر ہوگا آسمان بہت دروازے
یعنی آسمان پھٹے گا اور بے انتہا در ہوں گے اس میں (ق)

و سیرت الجبال فکانت سرابا

اور چلا جاویں گے پہاڑ پھر ہوجاویں گے پہاڑ دھوکے یہ پہلے صور
کے پھونکنے میں (م) اور چلیں گے پہاڑ باد میں پھر ہوں گے وہ
پہاڑ جیسے ریت چمکتی ہوئی جو دور سے پانی دکھائی دیتی ہے جب
نزد پہنچے تو پانی نہیں ایسے پہاڑ ہوجاویں گے (ق)

ان جہنم کانت مرصادا

تحقیق مقرر دوزخ راہ ہے گزرگاہ ہے تمام خلق کی عالم کی لوگوں کی (م)
بے شک دوزخ ہے گھات میں اور تاک میں یعنی راہ دیکھتی
ہے کافروں کی یا دوزخ راہ میں ہے جو سب کو اس پر سے چلنا
ہے۔ (ق)

للطّٰغین مابا۔

اور دوزخ رہنے کی جگہ ہے وے ہمیشہ اس میں رہیں گے نکلنے کا
ان کو کبھی حکم نہ ہوگا۔ (م) اور دوزخ واسطے سرکشوں کے جو
خدایتعالے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا نہیں مانتے
ان کے واسطے جگہ ٹھرنے کی اور ہمیشہ رہنے کی (ق)

لّٰبثین فیھا احقابا۔

رہنے والے ہیں کافر دوزخ میں مدتوں تک (م) رہیں گے اس
دوزخ میں وہ سرکش بے نہایت برسوں (ق)

لا یذوقون فیھا برداً و شراباً

نہ چکھیں گے وے کافر بے ایمان دوزخ کے اندر کچھ سردی خنکی
اور کچھ شربت ٹھنڈا پانی (م) نہ چکھیں دوزخ میں سردی جو آرام
پاویں اور نہ پیویں گے وہاں (ق)

الا حمیما وغساقا۔

سوائے گرم پانی کے اور پیپ کے دوزخ کے درمیان دوزخیوں کو
آرام راحت سرد پانی شربت کا نام و نشان بھی نہ ملے گا (م) مگر
پانی نہایت گرم پینے کو ملے گا دوزخ کے رہنے والوں کو اور پیپ
جو دوزخیوں کے بدن سے بہے گی یا آنسو ان کے (ق)۔

(آیت ۲۵ تک)

حواشی

(۱) سلسلہ مجددیہ مظہریہ کے ایک بزرگ مولوی مراد اللہ (سال ولادت ۱۱۹۲ھ وفات / ۱۲۴۸ھ اور بھی ہیں جو میرزا مظہر کے مشہور خلیفہ مولوی نعیم اللہ بہرائچی (صاحب معمولات مظہریہ) کے جانشین تھے۔ لیکن یہ بزرگ تھانیسر کے رہنے والے تھے۔ (رشد و ہدایت کے سلسلے میں لکھنؤ میں مقیم تھے) علاوہ ازیں فاروقی النسب تھے۔ ان کا حال تذکرہ علمائے ہند میں موجود ہے نزہتہ الخواطر جلد ہفتم میں بھی ان کا ذکر موجود ہے۔ انھیں "شاہ مراد اللہ" کہہ کر کسی نے یاد نہیں کیا۔ اس لیے ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ مرزا جانجانان نے اپنے خط میں ان مولوی مراد اللہ کا نہیں بلکہ شاہ مراد اللہ سنبھلی کا ذکر کیا ہے۔

(۲) اگرچہ تفسیر مرادیہ گذشتہ صدی میں متعدد بار چھپی ہے لیکن اس کے مطبوعہ ایڈیشن شاہ مراد اللہ کے تحریر کردہ طویل دیباچے سے خالی ہیں اس دیباچے کے اقتباسات راقم کے مضمون "تین نثری نوادر" مشمولہ نقوش سالنامہ ۱۹۶۶ء میں شامل ہو کر چھپ گئے ہیں اور تفسیر مرادیہ کے سلسلے میں زیادہ تفصیل سے اس مضمون میں بحث کی گئی ہے۔

(۳) باستثناء تفسیر ہندی مصنفہ قاضی محمد معظم سنبھلی۔ اس تفسیر ہندی کا ذکر مع اقتباسات اولاً ڈاکٹر سلیم حامد رضوی مرحوم کے مطبوعہ مقالے "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" میں آیا تھا اور صرف وہی اس مخطوطے کو دیکھنے کے مدعی تھے۔ پھر کسی اور ذریعے سے اس کا حال معلوم نہ ہوا۔ اب یہ مخطوطہ کہاں ہے کچھ پتا نہ چلا۔ پروفیسر سید محمد سلیم صاحب ایک زمانے میں پاکستان سے اپنے سسرالی شہر بھوپال گئے تھے، میری درخواست پر انھوں نے اس مخطوطے کے بارے میں بھوپال کے فضلاء سے تازہ تر معلومات حاصل کرنے کی اپنی سی کوشش کی لیکن کوئی صاحب نشان دہی نہ کرسکے کہ اب یہ مخطوطہ کہاں ہے، اور یہ کہ دوسرا اور کون فاضل ہے جو اس مخطوطے کو دیکھنے کا مدعی ہو۔

(۴) یہ مضمون "قدیم اردو" مولوی عبدالحق، شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی، ۱۹۶۱ء میں بھی شامل ہے۔

(۵) اس سے قدیم طرز املا کی خصوصیات پر بھی روشنی پڑتی ہے جو یہ ہیں:

- یای معروف و مجہول میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا ہے۔
- اکثر غیر منقوط نون کی جگہ بھی نون منقوطہ ہے۔
- گ پر ایک ہی مرکز لگایا گیا ہے۔
- ہائے مخلوط کو ہائے ہوز لکھا ہے۔
- اکثر دو لفظوں کو ملا کر لکھا ہے۔
- علامت وقف کا کام جملے کے لفظ اول پر خط تخصیص بڑھا کر کیا ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام :

موضحِ قرآن کی دو روایتیں

(لسانی مطالعہ)

رسالہ تحقیق کے سابقہ شمارۂ خاص میں "دو موضحِ قرآن" کے عنوان سے راقم کا ایک مضمون شائع ہو چکا ہے، جس میں تحقیقِ منسوبات کے موضوع کی مناسبت سے، ثابت کیا گیا ہے کہ موضحِ قرآن از شاہ عبدالقادر دہلوی کے دو مختلف متن دستیاب ہیں اور وہ ایک ہی نام سے چھپتے رہے ہیں۔ ان میں سے ایک اصیل ہے، دوسرا مجعول۔ اب، مزید فرق و امتیاز کے لیے اِن دو مختلف روایتوں کا ایک لسانی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے، اور ان کے نثری مختصات کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

موضحِ قرآن (تاج کمپنی ایڈیشن) کا نثری تجزیہ

نوٹ :۔ ذیل میں سورہ کے نام کے ساتھ آیت کا نمبر شمار بطورِ حوالہ لکھا گیا ہے)

۱۔ صیغۂ جمع بطورِ واحد : اشراف (البقرہ ۱۷۸ ف)

۲۔ "کر کر" کا بکثرت استعمال : "موقوف کر کر۔ صلح کر کر" (البقرہ ۱۷۸ ف "رفیق کر کر" (البقرہ ۱۸۸ ف) جماعت کر کر (البقرہ ۱۸۵ ف) "راضی کر کر" (البقرہ ۲۲۹ ف) وغیرہ

نوٹ :۔ علیٰ ہذا یوں بھی آتا ہے "لڑائی میں اپنا بچاؤ کرنا زرہ کر، یا سپر کر، یا تدبیر کر، یا ہنر کر، منع نہیں" (النساء ۱، ف)

۳۔ منفی مرکبات

"بن ہاتھ لگائے (البقرہ ۲۳۷ ف) "ناچاری (البقرہ ۲۲۹ ف)
بن پڑھے (البقرہ ۷۸) ناچار (البقرہ ۱۰ ف) "بے پروا (البقرہ ۲۶۷ ف)
"اَن پڑھ (آل عمران ۲ ف) "بغیر پڑھے" (آل عمران ۴۹ ف)
"بے موسم میوہ" (آل عمران ۳۷ ف) "ناقبول" (المائدہ ۴۲ ف)
"بن دیکھے۔ (المائدہ ۹۴) "بن بُجھے (الأنعام ۱۰۱) بن سمجھ (الأنعام ۱۰۹)
نڈر (الاعراف ۹۹)۔ انجان" (یونس ۸۹) "بے حواس" (یوسف ۳۰ ف)
"بن ملی" (الرعد ۳) "بن خبر" (الحج ۳) بن نقشہ بنی۔ (الحج ۵)

"بن سوجھ" "بن کتاب" (الحج ۹) ان دیوا (نہ دینے والا۔ المعاد)

۴۔ کلمہ "ھی" کے بجائے "ھیں"

"انھیں" (انھیں کو آیا نقصان" البقرہ ۲۷

"مگر انھیں پر جن کے دل پگھلے ہیں" البقرہ ۴۵

"انھیں پر شاباش ہیں" البقرہ ۱۵۷

۵۔ "جن" بجائے "جنھوں"

مثال: "جن نے نماز نہیں وہ نماز کریں" (النسا ۱۰۲)

۶۔ حذف "کے"

"ان پاس" (البقرہ ۷۸) "ان کی خوشی سوافق" (البقرہ ۹۰ف)

نبی پاس" (البقرہ ۱۰۸ف) "تم پاس" (البقرہ ۸۵، ۸۷)

"جس پاس علم نہیں" (البقرہ ۱۱۳) جن پاس (البقرہ ۱۲۳)

"ہم پاس" (المایدہ ۸۴) کتاب والوں پاس (البقرہ ۱۳۵)

"مسجد الحرام پاس" (البقرہ ۱۹۶) اسی پاس (البقرہ ۲۰۳)

"تل برابر" (النسا ۵۳) "اس بغیر" (المایدہ ۴ف)

۷۔ حذف "جو"

"حق ہو سو کہو" (النسا ۱۵۸ف)

۸۔ فعل مطابقِ فاعلِ اول

مثال: اس کے بعد رُعب اور دہشت دفع ہو گیا" (آل عمران)

۹۔ فاعلِ واحد کے ساتھ فعلِ جمع

مثال: "قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگے۔" (المایدہ ۲۱ف)

۱۰۔ افعال جمع بہ اضافہ "اں" در آخر

"قید آتیاں نہ مستی نکالتیاں اور نہ یار کرتیاں چھپ کر" (النساء ۲۵) "خبرداری کرتیاں ہیں پیٹھ پیچھے" (النسا ۳۴) "کہنے لگیاں" (یوسف ۳۱) "مجھ کو بلاتیاں" (القصص ۲۴ف) مجھ بلاتیاں ہیں (یوسف ۳۳) بولیاں ہم نہیں پلاتے پانی (القصص ۲۳) پانی پلاتیاں (القصص ۲۴ف) "قلب کی نشانیاں روشن ہوتی جاتیاں ہیں" (الروم ۲۰ف) "اگر تم چاہتیاں" (الاحزاب ۲۸)

" آئیاں "۔ (الاحزاب ۵۰ ف)

" رکھتیاں " (الصافات ۴۸ ف)

" چڑھائی کردگیاں " (التحریم ۴) " پھرتیاں ہیں " (الزاریات ۴ ف)

۱۱۔ تقدیم و تاخیرِ الفاظ

(الف) شاہ عبدالقادر کے تفسیری فواید شاہ صاحب کی آزاد نثر کا نمونہ ہیں مگر اس میں بھی جملے تقدیم و تاخیرِ الفاظ سے خالی نہیں ہیں۔

مثلاً " حکم کیا جہاد کا " (البقرہ ۱۰ ف) " تب وہ ایک جواب دے گا نا امیدی کا، فیصل کرچکے یعنی مار ڈال چکے عذاب کر کر " (الزخرف ۷۷ ف) " پھر سخت ہوگیا اس کا دل " (النجم ۳۴ ف) " اور تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتادے مگر تمھارا نبی " (البقرہ ۱۴۳ ف)

(ب) تقدیم و تاخیرِ الفاظ بقرینہ

" کتاب کا علم چھوڑ دیا اور لگے تلاش میں اعمال سحر کے " (البقرہ ۱۰۳ ف)

" شبہے لگے ڈالنے " (البقرہ ۱۰۳ ف)

" فجر کو لگیں جی کی بات پر پچھتانے " (المایدہ ۵۲)

۱۲۔ لغات مستعملہ قدیم

چھپٹیاں (ایندھن البقرہ ۲۴ آل عمران ۱۰)

ستھری (" عورتیں ستھری" البقرہ ۲۵ " کھاؤ ستھری چیزیں البقرہ ۵۷) بکثرت یہ لفظ مفرد آیا ہے

سو (البقرہ ۲۶ بکثرت آیا ہے)

بہتیرے (البقرہ ۲۶)

ڈبانا (ڈبایا فرعون کے لوگوں کو) (البقرہ ۵۰)

چکوتی (فرقان کا ترجمہ "دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور چکوتی " البقرہ ۵۳ نیز در ترجمہ آیت ۱۴۱ البقرہ آیت ۵۸ " النساء وغیرہ)

ڈھڈا " ڈھڈا اس رنگ کا، خوشی آتی ہے دیکھنے والوں کو "(البقرہ ۶۹)

باھنا (" گائے محنت والی نہیں کہ باہتی ہو زمین کو " البقرہ ۷۱)

اِتّے " (ہم سے اِتّے حکم نسوں گے " البقرہ ۶۳ ف)

اِتّا (" اور کچھ اس کو سرکار نہ دے گا " عذاب سے اِتّا ہی نا " البقرہ ۹۶)
کِتّے (بمعنی کتنے " کِتّے رسول جن کا احوال نہیں سنایا " النساء ۱۶۴)
چُھڑوائی (" کسی کی قید میں پڑے تو ان کی چُھڑوائی دیتے ہو " البقرہ ۸۵)
رچنا (رچ رہا ان کے دلوں میں وہ بچھنا " البقرہ ۹۳)
پوچھ (بجائے پُرسش یا پوچھ گچھ " تم سے پوچھ نہیں ان کے کام کی " البقرہ ۱۳۴)
بڑے (مُخلصوں کا ترجمہ البقرہ ۱۳۹)
کاہے (کلمۂ استفہام " کاہے پر پھر گئے ، مسلمان اپنے قبلہ سے " البقرہ ۱۴۲)
پیچھے (بجائے بعد " مر گئے پیچھے " ترجمہ بعد موتہا کا البقرہ ۱۶۴)
ایمان لائے پیچھے " آل عمران ۱۰۰)
باؤ (پھیرنا باؤں کا " البقرہ ۱۶۴ نیز یونس ۲۲ وغیرہ)
مُقابل (" سامنے " یہ ان کے مُقابل فرمایا البقرہ ۱۳۸ ف)
مگر (" بمعنی سوائے " " تم کو حاجت نہیں کہ کوئی امت بتا دے مگر تمہارا نبی " البقرہ ۳)
اِشارت (" یہاں سے اشارت ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ " البقرہ ۱۵۳ ف)
مواشی (البقرہ ۱۶۸ آل عمران ۱۴)
سہار (" سو کیا سہار ہے ان کو آگ کی " البقرہ ۱۷۵)
ناتا (البقرہ ۱۷۷ ، ۱۸۱ وغیرہ)
جھگڑالو (البقرہ ۲۰۴)
رِجھانا (البقرہ ۲۱۲ آل عمران ۱۴)
جھڑ جھڑانا (" زلزلوا ، جھڑ جھڑائے گئے البقرہ ۲۱۴)
بچلانا (" والفتنۃ دین سے بچلانا " البقرہ ۲۱۰) بچلنا (البقرہ ۲۱۳ ف)
جوکس (البقرہ ۲۲۱)
ہتھ کنڈا (البقرہ ۲۲۴)
سنوار (البقرہ ۲۲۴)
تقید (" رسولِ خدا نے تقید کیا تراویح کا " البقرہ ۱۸۵ ف) " اس کا تقید زیادہ کیا ہے " عصر کا تقید زیادہ ہے " البقرہ ۲۳۸ ف) " اس نے تقید کیا کہ جو "

شخص جوان اور بے فکر ہو دہی نکلے "۔ اس نے تقید کیا کہ ایک چلو سے زیادہ جو کوئی پیوے وہ میرے ساتھ نہ آوے "(البقرہ ۲۴۹ ف)۔ اور ہم نے تقید کر دیا تھا آدم کو اس سے پہلے، پھر بھول گیا "(طہ ۱۵)۔ ایک بار حضرت نے تقید کیا خیرات پر "(التوبہ ۹، ف)۔ جب خیرات کا تقید ہوا تو قرض دینا اولیٰ ہے قرض پر سود کا ہے کو لیا چاہیے "(البقرہ ۲۱۳، ف)"۔ اس آیت میں دو چیزوں کا تقید فرمایا۔ اور تقید فرمایا "(البقرہ ۲۸۲ ف وغیرہ وغیرہ)

ڈونا (۔ اس کو ڈونا کرے کتنے برابر "(البقرہ ۲۴۵)

خوشبوئی (بقر، ۱۹۰ ف)

ساکا (۔ بازار لگاتے اور اپنے باپ دادوں کے ساکے یاد کرتے ۔ البقرہ ۲۰۳ ف)

جدی ("اس واسطے نہیں کہ ہر فرقے کو جدی راہ فرمائی البقرہ ۲۱۳ ف)

ڈھب (آل عمران ۷)

روپا (چاندی آل عمران ۱۴)

چنگا (مفرد "چنگا کرتا ہوں جو اندھا پیدا ہو" آل عمران ۴۹ نیز یونس ۵۷)

رکھیاو (۔ رکھ آو ۔ اور بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آو اور رکھیاو اپنے گھر میں آل عمران ۴۹)

پچھاڑی (آل عمران ۱۵۳)

ڈگانا (۔ ڈگاریا شیطان نے" آل عمران ۱۵۵)

مشورت (آل عمران ۴، ف۔ ۱۲۲ ف" ۱۵۹ ف)

نیچ (۔ جہاں مسلمانوں کی نیچ دیکھی اور کفر کی باتیں کرنے لگا" آل عمران ۱۶۳ ف)

درماہہ (النّساء ۶ ف)

توقعیں (صیغہ جمع ۔ ان کو توقعیں دوں گا ۔ النّساء ۱۱۹ ۔ توقعیں بتاتا ہے " النّساء ۱۲۰)

اُدھر (۔ ادھر میں لٹکتی" النّساء ۱۲۹)

ٹوٹھنا (لگ جانا ۔ حتی یخوضوانی حدیث غیرہ " جب تک وہ ٹوٹھیں اور بات میں اس کے سوا ۔ النّساء)

پٹھو جانا (= پیٹھوں کئی دروازوں سے" یوسف ۶۷)

جیوں (بمعنی زندوں - اور جیوں کے سامنے دھری ہے مرص - النساء ۱۲۸ ف)

تحقیق (=بے شک - لیکن تحقیق نہیں کچھتے - النساء ۱۵۸ ف)

چڑوائی (= چڑوائی میں دیں" مائدہ ۳۶)

نوے (= جھکنے والے - وھم راکعون =اور نوے ہیں مائدہ ۵۵ نیز الشوریٰ ۳۵)

بیر (المایدہ ۵۹)

پوٹ (= پوٹ باندھ کر لیے پھرا " المائدہ ۲۹ ف)

والّا (= اللہ صاحب کسی جگہ نبیوں کے حق ایسی بات فرماتے ہیں (۱)

تا ان کی امّت ان کو بندگی حد سے زیادہ نہ چڑھادیں والّا نبی اس

لائق کا ہے کو ہیں - المائدہ ۱۷ ف)

نیلہ گاد (المائدہ ۱ ف)

بنتایت (المائدہ ۳)

سنگت ۔ سنگتیں (=گروہ الانعام ۹ یونس ۱۳)

بک بک (الانعام ۹۳)

کھدیڑا (= نکل یہاں سے مردود کھدیڑا " الاعراف ۱۸)

ڈھلانا (= مایل کرنا " پھر ڈھلایا ان کو فریب سے " الاعراف ۲۲)

پچنا (الاعراف ۹۵)

سانگ (= ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کو کہ ڈال اپنا عصا تبھی وہ لگا نگلنے جو

سانگ وہ بناتے تھے" الاعراف ۱۱۷)

سج (سج سج پکڑیں گے " الاعراف ۱۸۲ بکثرت آیا ہے۔)

کھپانا (= ہلاک کرنا ۔ پھر کھپا دیا ہم نے ان کو - الانفال ۵۴ ۔ نیز یونس ۱۳

غیرہ بکثرت آیا ہے۔)

بلیس (التوبہ ۳۰ ف)

چھنا (=کھلا - چھنا گنتے ہیں اس کو ایک برس - التوبہ ۳۷)

ڈھینا (= ڈھے جاتے ہوزمین پر - التوبہ ۳۸ ۔ نیز ۱۰۹ وغیرہ)

چیتنا (= سوچنا - ہم تربصون = تم کیا چیتے گے ۔ التوبہ ۵۲)

تھانگ (گھات کی جگہ ۔ التوبہ ۱۰۷)

الگلے (یونس ۲۲ ۔ ۲۳)

جتا (= جتنا یونس ۵۴)

سُننا (= سماعت ۔ نہ رکھتے تھے سُننا ۔ ہود ۲۰) / تو نہ سکے گا میرے ساتھ ٹھہرنا الکہف ۶۷) ۔سکنا (= فعل

پاولیاں (دراہم معدودہ = گنتی کی پاولیاں یوسف ۲)

پنہارا (یوسف ۱۹)

نیگ (= اجر ۔ اور ضایع نہیں کرتے ہم نیگ بھلائی والوں کا یوسف ۵۶ ۔ اور نیگ آخرت کا بہتر ہے ۔ یوسف ۵۷ اچھا نیگ الکہف ۲۰)

ہویاتی (۔ ہویاتی ہے رسم پہلوں کی ۔ مراد یہ کہ ہوتی آئی ہے رسم پہلوں کی ۔ الحجر ۱۳)

گارا (الحجر ۲۶ ، ۲۸ ، ۳۳)

کھنکھنانا (الحجر ۲۶ ، ۳۳)

کھنگر (الحجر ۷۴)

چنائی (عمارت النحل ۲۶)

ھڑدنگا (سرکش ۔ طاغوت النحل ۳۶)

بیورا (= کھول سنانے والی النحل ۸۹)

جڑادل (النحل ۹۲ ف)

نبڑنا (النحل ۹۶)

کہوانا (بجائے کہلوانا ۔ کفر کا لفظ کہوا دے ۔ النحل ۱۰۶ ف)

پرلی (پرلی مسجد ۔ بنی اسرائیل ۱)

تاولا (جلد باز بنی اسرائیل ۱۱)

اولاھنا (بنی اسرائیل ۲۲ ۔ ۳۹)

دھکیلا (بنی اسرائیل ۳۹)

اٹکلنا (اٹکلو گے ۔ گمان کرو گے بنی اسرائیل ۵۲)

چلّو (چپو ۔ دریا میں اپنا زور نہیں چلتا بلّی یا چلّو کر مگر باد ۔ سو اسی

کے اختیار میں ہے " بنی اسرائیل ۶۶)

ڈول (- ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر' بنی اسرائیل ۸۴)

باچھ (- آپس میں باچھ ڈال کر کچھ مال جمع کریں " الکہف ۹۴ ف)

دھابا (اوٹ - بنا دوں تمہارے اور ان کے بیچ ایک دھابا " الکہف ۹۵)

اکارت (الکہف ۱۰۳)

ڈیگ (- ڈیگ نکلی سر بڑھاپے کی - یعنی بال سفید ہوئے' مریم ۴)

دُرے (- ان سے دُرے " مریم ۱۶)

جنٹھ (= جڑ' مریم ۱۰۳)

ٹھاکر (کیا تو پھرا ہوا ہے ٹھاکروں سے - یعنی خداوں سے' مریم ۴۶)

نیز الانبیا ۳۶ " ۵۹)

چٹا (سفید - نکلے چٹا ہو کر' طٰہٰ ۲۲)

لڑکاپن (طٰہٰ ۲۸ ف)

جھبکنا (طٰہٰ ۴۵)

سٹکنا (- پھر تب وہ سٹک جاتا ہے " الانبیاء ۱۸)

پہناوا (الانبیاء ۸۰)

اُچان (اونچی جگہ' الانبیاء ۹۶)

برتونا (الانبیاء ۱۱۱)

گچ گیری (- محل گچ گیری کے = الحج ۴۵)

رینگنا (المومنون ۵۳)

قمچی (- مارو ان کو اتنی چوٹ قمچی کی " النور ۲)

گھیرے (النور ۳۱)

چھوکریاں (النور ۳۳)

سانچ (المومنون ۶۹ ف)

تجدے (- جدے گھر والے " النور ۵۹ ف)

لنبا (الفرقان ۶۳ ف)

بھیٹنا (لڑائی جھاڑ' الشعرا ۷۷)

گابھا (" اور کھجوریں ہیں جن کا گابھا ملائم ۔ الشعراء ۱۴۸)

جھوٹو (الشعراء ، ۲۲۲ ف)

سنک (" اول سنک سی بن گئی تھی تیلی " النمل ۱۰ ف)

راکس (" عفریت ، راکشش ؛ النمل ۳۹)

نرسنگا (النمل ۸۷)

تھان (جگہ العنکبوت ۱۷)

اٹھان (العنکبوت ۲۰)

رلنا (" رل گئے زمین پر " السجدہ ۱۰ نیز البلد ۱۶)

ڈگرنا (" ڈگراتی ہیں آنکھیں ان کی جیسے کسی پر آوے بے ہوشی موت کی " الاحزاب ۱۹)

نیاد (سبا ۲۹)

الّنا (" سر الل رہے ہیں " یس ۶۹ نیز ۸۷)

کھوتی (" یہ نری کھوتی ہے " یس ۶۹)

سینڈ (زقوم " درخت سینڈ کا " الصافات ۶۲)

پٹپڑ (" پٹپڑ میدان " یعنی بے آب و گیاہ میدان " الصافات ۴۵)

ڈھیٹھ (ص ۲۸ نیز نوح ۲۷ ترجمہ فاجرہ کا)

تحفہ (بمعنی عمدہ " بچے ہوئے تحفہ " ص ۳۳ ف)

خفہ (بجائے خفا متعدد جگہ یونہی آیا ہے ۔ ازاں جملہ ص ۳۴ ف)

فکر (مذکر " اپنا فکر کرو " المؤمن ۲۸ ف)

ٹھری (باد ٹھری زور کی " حم السجدہ ۱۶)

جھوبجل (الزخرف ۵۵)

تھل (" ریت کے تھل " الاحقاف ۲۱ ف)

ڈھور (محمدؐ ۱۲)

چادن (" چلتے ہیں اپنے چادن پر " محمدؐ ۱۴ نیز ۱۹)

لڑویے (لڑنے والے " بڑے سخت لڑویے " الفتح ۱۶ " بڑے بڑے لڑویے حق تعالیٰ فرماتا ہے فارس کے لوگوں کو الفتح ۱۶ ف)

گنکنا (۔ خطاب کرو ادب سے گنگ کر نہ بولو ۔ الحجرات ۲ ف)

گوت (ذاتیں اور گوتیں ۔ الحجرات ۱۳)

سچ (۔ کھاؤ اور پیو سچ کے ۔ الطور ۱۹)

ایکوں (واقبل بعضہم علی بعض = اور منہ کیا ایکوں نے دوسروں کی طرف ۔ الطور ۲۵)

داروغے (الطور ۳۷)

چٹی (سو ان پر چٹی کا بوجھ ہے ۔ الطور ۴۰ نیز القلم ۴۶)

کڑاکا (الطور ۴۵)

تلچھٹ (الرحمان ۳۷)

بھونڈا (النجم ۲۲) بیاج (الحدید)

جاد (النجم ۲۲)

ڈیگ (۔ اور بنایا جان آگ کی ڈیگ سے الرحمن ۱۶)

تھلیاں (اباریق ۔ الواقعہ ۱۸)

جونسا (اور میوہ جونسا چن لیویں ۔ الواقعہ ۲۰)

سینتنا (الحاقہ ۱۲ ، ۱۸)

بکسنا (الحاقہ ۱۶)

کتھرے (اور کتھرے کو چھوڑے المدثر ۵)

کھوکھرا (۔ پھر جب لڑکھڑائے وہ کھوکھراف یعنی پھونکے صور ۔ المدثر ۸)

اکا (وحید ۔ المدثر ۱۱)

ڈھٹائی (فجور ۔ القیامہ ۵)

چوندھ (القیامہ ۷)

تیور (۔ فاذا برق البصر ۔ پھر جب چوندھ لانے لگے تیور ۔ القیامہ ۷) ۔ ابصار ها خاشعۃ ۔ ان کے تیور نوے ہیں ۔ النازعات ۹)

لمونی (کان مزاجہا کافورا ۔ جس کی لمونی ہے کافور الدھر ۱۷)

لچا (الدھر ۲) گچھا (الدھر ۱۴)

جٹ (۔ فتاتون افواجا = پھر چلے آؤ جٹ جٹ النبا ۱۸)

حانسی (القیامہ ۲۶)

کھوکھری (ھڈیاں کھوکھری

رول (" جب جنگل کے جانوروں میں رول پڑے " التکویر ۵)

ڈھوکنا (= رغبت کرنا ۔ ار اس پر آئے ڈھوکیں ڈھوکنے والے " المطففین ۲)

کھنڈ (" اور جب دیکھیں سودا بکتا یا کچھ تماشا کھنڈ جاویں اس کی طرف " الجمعہ ۱۱ اور " تخل کے نہالچے کھنڈ رہے " الغاشیہ ۱۶)

کھنڈانا (" کھنڈایا تم کو زمین میں " الملک ۲۴)

ھمکنا (" سو نہ ھمک سکا گھاٹی پر " البلد ۱۱)

موندنا (" انہی کو آگ میں موندا ہے " البلد ۲)

خرچنا (" نام کے جایوں میں مال خرچنے کو بڑائی گنتا ہے " البلد ، ف)

کڑکانا (" کڑکائی پیٹھ تیری " الانشراح ۳)

پھٹکی (" بنایا آدمی لہو کی پھٹکی سے " العلق ۲)

سہار (ترجمہ صبر کا العصر ۳)

دھاڑی (" قریش پر حرم کے ادب سے حوڑ دھاڑیں کوئی نہ آتا " القریش ۴ ف)

نرا دھار (بمعنی بے نیاز ترجمہ صمد کا " " اللہ نرا دھار ہے " الاخلاص ۲)

ہونسنا (" حسد کرنا ۔ الفلق ۵)

شنکارنا (= دوسہ پیدا کرنا ۔ الناس ۴)

۱۴۔ مرکبات محاورات مستعملہ قدیم

" مضبوط کیے پیچھے " (البقرہ ۲۰) " مر گئے پیچھے (البقرہ ۵۶)

" سجدہ کر پڑے (۳۵)

" ابلیس نے قبول نہ رکھا (۳۵)

سجدہ کر کر (البقرہ ۵۸) " خلاص کر کر " البقرہ ۳۰ ف) کر کر بکثرت آیا ہے

" خوشی آتی ہے دیکھنے والوں کو " (۶۹)

" بدن سے پوری (البقرہ ۷۱)

- بوجھ لے کر (بجائے بوجھ کر' البقرہ ۵۷)
خلاص ہونا (- بنی اسرائیل خلاص ہو کر چلے - البقرہ ۵۷ ف)
- اللہ کے ہاں - (البقرہ ۹۴، بنی اسرائیل ۲۸ ف) - حضرت کے ہاں
الاحزاب ۲۹ ف)
خوشی سنانا (بمعنی بشارت' البقرہ ۹۷)
کھڑی رکھو نماز " (البقرہ ۱۱۰)
- آرزوئیں باندھ لی ہیں " (البقرہ ۱۱۱)
باپ دادے (البقرہ ۱۷۰ ف)
وعدہ دینا (- اللہ تعالےٰ نے ابراہیم کو وعدہ دیا " البقرہ ۱۲۵ ف النساء ۹۵،
الاعراف (۷) پڑا مال (البقرہ ۱۳۹ ف)
محنت اٹھانا (- جہاد میں محنت اٹھاؤ البقرہ ۱۴۳ ف)
ضد کرنی (دھلوی انداز' البقرہ ۱۴۸ ف)
غلطیاں پڑنا (- غلطیاں پڑ گئیں تھی - البقرہ ۱۵۷)
افسوس کھانا (البقرہ ۱۶۷ ب)
نماز کھڑی رکھنا (- کھڑی رکھے نماز " البقرہ ۱۷۷)
مارے گیوں (- بدلا برابر مارے گیوں میں " البقرہ ۱۷۸)
خوش آنا ("خوش آوے تجھ کو بات اس کی" البقرہ ۲۰۴ نیز ۲۲۱)
- ناکاری قسمیں (البقرہ ۲۲۵) - ناکاری قسم (البقرہ ۲۲۵ ف)
چیز کام لگانا (- اپنی چیز ان کے کام لگائی البقرہ ۲۲۰ ف)
تعظیم خرچ کرنا (- اللہ کی تعظیم کسی اور پر خرچ کرے " البقرہ ۲۲۱ ف)
نکاح بندھنا (البقرہ ۲۳۰ ف)
حق کاٹنا (البقرہ ۲۳۳ ف)
بات کرنی (دھلوی انداز البقرہ ۲۳۸ ف)
دیا چاہیے (دھلوی انداز البقرہ ۲۳۷ ف) علیٰ ہذا لیا چاہیے کیا چاہیے
سنا چاہیے وغیرہ
کام بنا رہنا (- ایک مدت بنی اسرائیل کا کام بنا رہا " البقرہ ۲۴۶ ف)

بلا پڑنا (ان پر بلا پڑی " البقرہ ۲۴۰ ف)

بڑھاپا پڑنا (" ان پر بڑھاپا پڑا " البقرہ ۲۶۶)

بگولا پڑنا (" تب پڑا اس باغ پر بگولا " البقرہ ۲۶۶ ف)

غم کھانا (" نہ وہ غم کھاویں گے " البقرہ ۲۷۴ نیز المائدہ ۴۱)

کل بٹھانی (بمعنی تاویل " اور تلاش کرتے ہیں ان کی کل بٹھانی "
آل عمران ...)

کفایت ہونا (" تم سب کو میں کفایت ہوں " البقرہ ۲۵۱ ف)

خوب سے خوب (" بہتر سے بہتر " خوب سے خوب پسند کرتا ہے
البقرہ ۲۶۸ ف)

صحبت پکڑنا (البقرہ ۲۷۳ ف)

تین برابر ، دو برابر (" = تین گنا ، دو گنا ، مسلمانوں سے کافر تین
برابر تجھے پر اللہ دوہی برابر دکھاتا تھا کہ خوف نہ
کھاویں " آل عمران ۱۳ ف)

بہانہ پکڑنا (آل عمران ۱۸۳ ف) شریک پکڑنا (النسا ۳۹)

خاطر جمع کرنی (آل عمران ۱۶۱ ف)

[illegible] (النسا ، ۳)

خطرہ کھانا (النسا ، ۹)

- عہدہ گاڑھا (- میثاقاً غلیظاً - النسا ، ۲۱)

- گھن کی چھادن (= ظلاً ظلیلاً - النسا ، ۵۷)

- جُدی جُدی (- جُدی جُدی فوج - النسا ، ۷۱)

خون بہا ادا کرنی (- بصیغہ مونث ، دوسرے خون بہا ادا کرنی اس کے
وارثوں کو ... لیکن صلح رکھتے ہیں تو ادا کرنی واجب - النسا ،
۹۲ ف " - خون بہا مذہب حنفی میں مسلمان کی " النسا ،
۹۲ ف - خون بہا پہنچانی اس کے گھر والوں کی " النسا ،
۹۲ ف)

بہ تفریق (بمعنی بہ اقساط - تین برس میں بہ تفریق ادا کریں " النسا ، ۹۲ ف)

کنارہ پکڑنا (النسا ۹۱)

صلح لانا (النساء ۹۱)

نماز کرنا (نماز کردن کا ترجمہ - جن نے نماز نہیں کی وہ نماز کریں
تیرے ساتھ - النساء ۲)

لٹکن والیاں (المائدہ ۲)

سنوار پکڑنا (المائدہ ۳۹)

آگ سلگانا (فتنہ انگیزی کرنا ، قرآنی محاورہ - او قدوا ناراً
للحرب المائدہ ۶۴)

خاطر رکھنا (- انھوں نے دونوں کی خاطر رکھی - المائدہ ۲۰ ف)

نامردی کرنا (- قوم نے سنا تو نامردی کرنے لگے - المائدہ ۲۱ ف)

لعنت کھانا (- لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد کی
زبان پر اور عیسیٰ ابن مریم کی - المائدہ ۷۹)

تنگ پکڑنا (- زہد کے سبب سے اپنے اوپر تنگ پکڑے - المائدہ ۸۸ ف)

راہ مارنا (الاعراف ۱۶ ف)

بچاؤ پکڑنا (الاعراف ۵۳ ف)

جھوٹ باندھنا (- افترا کرنا الاعراف ۵۲ - نیز الشوریٰ ۲۳)

ذلت پڑنا (الاعراف ۱۵۲ ف)

چنگا بھلا (الاعراف ۱۹۰)

پنچ والے (الانفال ۱ ف)

باد باقی رہنا (یعنی اقبال سے ادبار آنا قرآنی محاورہ - تذھب ریحکم = جاتی
رہے گی تمھاری باد - الانفال ۴۶)

دھاک پڑنا (- دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر - الانفال ۶۰)

بہانہ لانا (- ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں
خوب صورت ہیں .... التوبہ ۹)

مال بھرنا (- اس نے کہا یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا - التوبہ ۸ ف)

بھوک کھنچنا ، محنت کھینچنا (- نہ کھیں پیاس کھنچتے ہیں نہ محنت اور نہ

بھوک ۔ التوبہ ۲۰)
سنگار پر آنا (یونس ۲۴)
انگلیں دوڑانا (یونس ۸۳)
سلیقہ پکڑنا (یوسف ۳۱ ف)
پرچھائیاں پسر جانا (الرّعد ۱۵ ف)
کھن کھن بولنا (= مٹی پانی میں ترکی اور خمیر اٹھایا کہ کھن کھن بولنے لگی " الحجر ۲۶)
کنارہ پکڑنا (الحجر ۸۵ ف)
دودھ رچنا (" دودھ ستھرا رچتا پینے والوں کو " النحل ۶۶)
راتی رات (بجائے راتوں رات ۔ بنی اسرائیل ۱)
بندی خانہ (بنی اسرائیل ۸)
رجوع لانا (بنی اسرائیل ۲۵)
اولاھنا کھانا (" اولاھنا کھایا ڈھکیلا " بنی اسرائیل ۳۹)
آس ٹوٹنا (" طیوس رہ جاوے آس ٹوٹا " بنی اسرائیل ۷۰)
بھانت بھانت (طٰہٰ ۵۲)
کپڑے بیونتنا (الحج ۱۹)
غم اٹھنا (" ان کو نہایت غم اٹھا " النّور ۱ ف)
برساو برسنا (الفرقان ۴۰ ف)
راہ مارنا (العنکبوت ۲۹)
جہاں تہاں (" کوئی دن کی زندگی جہاں بنے تہاں کاٹ دو " العنکبوت ۷۰ ف)
گال پھلانا (= غرور کرنا ۔ قرآنی محاورہ " ولا تصعر خدک للنّاس = اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کی طرف " لقمان ۱۸)
بوجھوں مرنا (الفاطر ۱۸)
بھجنگ کالے (الفاطر ۲۵ ف)
" بڑے مردانہ لوگ (ص ۴۴ ف)

زور چلنا (" وہاں بھی ہمارا یہی زور چلے گا " الجاثیہ ۳۲ ف)
چیر جانا (= بڑھ جانا " ہم سے چیر نہ جاویں گے " المعارج ۴۱)
جٹ کے جٹ (عزین " دوڑتے آتے ہیں داھنے اور بائیں سے جٹ کے جٹ " المعارج ۳۷)
من مانتی (الحاقہ ۔ ۲۱ نیز القارعہ ۷)
کانا پھوسی (بمعنی نجوی ؛ المجادلہ ۱۰)
اگاڑی والے (سابقون کا ترجمہ الواقعہ ۱)
منہ تھتھانا (المدثر ۲۲)
سین کرنا (اشارے کرنا " آپس میں سین کرتے " المطففین ۳۰)
کھنڈ پر کھنڈ (= درجہ بدرجہ - تم کو چڑھنا ہے کھنڈ پر کھنڈ " الانشقاق ۱۹)
بچا کٹا (= ابتر الکوثر ۳)
حت کھنڈا (الاحزاب ۲۳ ف)

۱۳۔ بعض عربی الفاظ و فقرات کے مخصوص اردو مترادفات جو موضحِ قرآن میں آتے ہیں

عربی	ترجمہ
عذاب عظیم	بڑی مار (البقرہ ۷)
عذاب الیم	دکھ کی مار (البقرہ ۱۰)
غیب	پردے (البقرہ ۳۳)
سبحان	سب سے نرالا (البقرہ ۱۱۶)
مخلصون	نرے (البقرہ ۱۳۹)
آیات	پتے (آل عمران ۱۱۸)
غنی	محظوظ (النساء ۱۳۵)
احبار	ملا (المائدہ ۶۳)
کفارہ	اتار (المائدہ ۸۹)
حکمہ	پکی باتیں (المائدہ ۱۱۰)
ضیاء	چمک (یونس ۵)

نور	اجالا (یونس ۵)
رکن	آسرا (ھود ۸۰)
حور	گوری۔ گوریاں (الطور ۲۰)
عصر	اُترتا دن (العصر ۱)
طیراً ابابیل	اڑتے جانور تنگ تنگ (الفیل ۳)

موضح قرآن (شیخ غلام علی والے ایڈیشن) کے نثری نمونے اور تجزیۂ نثر

اس ایڈیشن کا دیباچہ تمام و کمال پیشتر ہی تقابلی مطالعے کے ذیل میں پیش کیا جا چکا ہے اس دیباچے کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ دیباچہ کی عبارت میں تسہیلی رجحان پایا جاتا ہے۔ تعظیمی کلمات تک آسان تر اردو میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ اضافتوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔

مثلاً "ہمارے والد بزرگوار حضرت شیخ ولی اللہ بن عبدالرحیم محدّث دہلوی کی جگہ "ہمارے بابا صاحب بہت بڑے حضرت شیخ ولی اللہ عبدالرحیم صاحب کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے" لکھا گیا ہے۔

۲۔ "جو" کاف بیانیہ کی جگہ استعمال کیا گیا ہے۔

مثال "جو زبان ہی کو تو نے بولنے والی بنایا"

۳۔ حرفِ عطف "اور" بکثرت آیا ہے۔

۴۔ بخشانا بجائے بخشوانا استعمال کیا گیا ہے

۵۔ کلمۂ استفہام "کس واسطے بیانیہ انداز کے لیے لایا گیا ہے۔

مثال۔ اس کام کی بھلائی برائی میں عقل نہ دوڑائے کس واسطے کہ کہا ماننا ہی بھلائی ہے۔"

۶۔ زیر تجزیہ ایڈیشن کا دیباچہ مُقفّیٰ فقروں سے خالی ہے۔ (جب کہ دوسرے ایڈیشنوں میں جن میں ذکر ہو چکا ہے دیباچہ مُقفّیٰ فقرے رکھتا ہے)

ترجمہ آیات کا نمونہ:

والتین والزیتون: قسم ہے انجیر کی اور قسم ہے زیتون کی، ان دونوں کی قسم ہے۔ وطور سینین: اور قسم ہے طور سینا کی۔ طور سینا نام ہے اس پہاڑ کا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جا کر خدائے پاک سے باتیں کرتے تھے۔ وھذا البلد الامین: اور قسم ہے اس شہر امن دیے ہوئے کی یعنی مکہ کی قسم ہے کہ جس میں حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے سو مکہ میں لڑائی اور تلوار چلانا حرام ہے اور یہ قسمیں اس بات پر ہیں لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم: بے شک جو ہم نے پیدا کیا آدمی کو بیچ بہت اچھی صورت بنانے کے یعنی آدمی کو سب حیوانوں میں خوب صورت بنایا ہے۔ ثم رددناہ اسفل سافلین: پھر اس کو پھیر دیا ہم نے یعنی ڈال دیا ہم نے اسے نیچے سب نچانوں سے یعنی سب سے خوب صورت بنا کر سب سے نیچے بھیجا۔ الا الذین آمنو وعملوا الصالحت فلہم اجر غیر ممنون: مگر ان لوگوں کو جو ایمان لائے خدا تعالیٰ پر اور اس کے پیغمبر کو سچا جانا اور اس کا حکم بجا لائے اور نیک کام کیے پھر ان لوگوں کو ہے بدلہ کم نہ ہونے والا یعنی ایمان اور نیک کاموں کے بدلے ایسی نعمت دیویں گے جو کبھی کم نہ ہوگی فما یکذبک بعد بالدین: پھر کس چیز کو جھوٹ جانتا ہے تو اے منکر قیامت کے پیچھے ظاہر ہوتے ایسی دلیلوں کے اور انصاف کے الیس اللہ باحکم الحکمین: لے کیا نہیں ہے خدائے تعالیٰ سب حاکموں سے بہت اچھا حاکم ہے جو چاہے سو کرے۔"

ترجمے کی خصوصیات:

۱۔ ترجمہ کو کسی حد تک عربی عبارت سے قریب رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے عبارت میں تعقید آگئی ہے۔

۲۔ لفظی ترجمے کی صورت میں اس کے فوراً بعد ہم معنی مگر بامحاورہ اور آسان فقرہ لائے ہیں۔

۳۔ ترجمے میں ٹھیٹ ہندی الفاظ خاصی تعداد میں استعمال کیے گئے ہیں مثلاً ترجمۂ مذکورۂ بالا میں لفظ نچان۔

۴۔ اول قرآنی آیت لکھ کر اس کا اردو ترجمہ لکھتے ہیں اور ترجمے کے فقرۂ آخر کو کسی لفظ کے ذریعے اگلی آیت سے مربوط کر دیتے ہیں مثلاً: اور یہ قسمیں اس بات پر ہیں کہ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔

تفسیری فواید کے نمونے

(الف) ف " یہودی جو کہتے تھے کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے اس سبب سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملول تھے اور چاہتے تھے کہ کعبے کی طرف نماز پڑھنے کا حکم آوے سو آسمان کی طرف منہ کرکے راہ دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاوے کہ کعبے کی طرف نماز پڑھو اتنے میں یہ آیت اتری " (ص ۲۲)

(ب) تاریخی واقعات کی تشریح

ف " جب حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سے مدینہ میں آئے تو اس کے دوسرے برس بدر کی لڑائی ہوئی کے کے کافروں سے " خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی جو ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قیدی آئے۔ پھر اس لڑائی کے دوسرے برس کافر کے کے تین ہزار سوار اور پیادے جمع ہو کر مدینے پر چڑھ آئے۔ جس میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھوڑوں کے سوار اور باقی اونٹوں کے سوار اور پیادے تھے۔ حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ خبر سن کر مشورہ لڑائی کا کیا اکثر لوگوں نے کہا کہ ہم شہر کے اندر لڑیں گے اور حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی مرضی یہی تھی پر بعضے لوگ کہنے لگے کہ یہ ہماری غیرت قبول نہیں کرتی کہ ہم میدان میں نکل کر لڑیں گے آخر کو یہی صلاح ٹھہری جب حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار آدمی مہاجر اور انصار ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے عبداللہ بن ابی منافق مدینے کا رہنے والا بھی ساتھ لڑنے کو نکلا تھا راہ میں سے ناخوش ہو کر تین سو آدمی سے پھر گیا اور کہا کہ تم نے ہمارا کہا نہ مانا ہم تمہارا ساتھ نہیں دیتے اور اس کے بہکانے سے دو فرقے انصاریوں سے پھر چلے تھے آخر تو ان کے سرداروں نے عام لوگوں کو سمجھایا اور لشکر میں پھیر لائے۔ تب حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سات سو مرد لے کر کوہ اُحد کو پشت دے کر دشمنوں کے مقابل ہوئے ایک درہ اسی پہاڑ میں تھا عبداللہ بن جبیر کو پچاس مرد تیرانداز ساتھ دے کر اس درّہ پر مُقرّر کیا اور فرمایا کہ اگر مسلمانوں کی فتح یا شکست ہو

تم اس درہ سے ہرگز کسی حال میں اور طرف کو نہ جائیو پھر آپ نے دشمن کے سامنے صف درست کی (ص ۶۵)

(ج) قصے کا بیان:

٭ف روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اوپر پتھر بلند کے کھڑا کیا اور آسمان اور زمین کو کنگورے عرش کے سے تحت الرمیٰ تک کھول دیا ابراہیم علیہ السلام نے قدرتِ کاملہ کو دیکھا اور یقین کیا۔ معالم التنزیل میں آیا ہے کہ نمرود بیٹا کنعان کا، بادشاہ تمام روئے زمین کا تھا بابل میں بیٹھا تھا۔ ایک رات خواب دیکھا کہ ایک ستارہ اس شہر سے نکلا کہ روشنی جمال اس کے سے نور چاند اور سورج کا نیست اور نابود ہو گیا ہے۔ نہایت ڈر سے چونکا اور تعبیر پوچھی حکیموں نے اور تعبیر دینے والوں نے کہا کہ بیچ اسی برس کے بابل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا کہ ہلاکت تیری اور بادشاہت تیری کی اوپر ہاتھ اس کے ہو گی اور اب تک وہ لڑکا پشت پدر کے سے بیچ شکم ماں کے نہیں آیا ہے نمرود نے حکم کیا کہ درمیان شوہر اور زن کے جدائی کریں اور سزاول تعینات کی آزر نے کہ محرموں اور مقربوں نمرود کے سے تھا ایک رات ساتھ عورت اپنی کے، پوشیدہ موکلوں سے، صحبت کی اور وہ حاملہ ہو گئی صبح کو نجومیوں نے نمرود سے کہا کہ آج کی رات وہ لڑکا بیچ شکم ماں کے پہنچا ہے۔ نمرود غصہ ہوا اور فرمایا کہ اوپر ہر حاملہ کے موکل تعینات کریں کہ اگر لڑکا پیدا ہو قتل کریں ابراہیم علیہ السلام کی ماں کا حمل ظاہر نہ تھا کسی نے متوجہ ہونا نہ کیا جب تک کہ وقتِ جننے کا پہنچا ماں ابراہیم علیہ السلام کی ڈر گئی کہ اگر بیٹا جنوں میں، قتل کریں گے، بہانے سے شہر کے باہر گئی اور ایک غار میں پہاڑ کے ابراہیم علیہ السلام کو جن کر اور کپڑے میں لپیٹ کر اسی جگہ رکھا اور دروازہ غار کا پتھر سے بند کیا آزر سے کہا کہ ڈر موکلوں کے سے جنگل میں گئی میں اور لڑکا جنا میں نے اسی وقت مر گیا زمین میں دفن کیا میں نے، آزر نے یقین کیا دوسرے دن ماں ابراہیم علیہ السلام کی غار میں آئی دیکھا ابراہیم علیہ السلام دو انگلیاں اپنی چوستا ہے۔ ایک میں سے دودھ اور ایک میں شہد باہر نکلتا ہے۔ خوش دل ہو کر شہر کو آئی آخر قصہ ابراہیم علیہ السلام نے

جو پستان عنایت الٰہی سے دودھ پیا تھا ایک ایک دن میں ایسا بڑھتے تھے کہ اور لڑکے ایک مہینے میں بڑھتے تھے مانند ایک برس کے ۔ جس وقت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ پندرہ مہینے کے ہوئے ، جوان پندرہ برس کے مقابل ہوئے جب ابراہیم علیہ السّلام بڑے ہوئے ماں ابراہیم کی نے آزر سے کہا بیٹا تیرا کہ میں نے اس دن خبر موت کی جھوٹ دی تھی اب غار میں جوان خوب صورت ہوا ہے ۔ پس آزر غار میں آیا اور اپنے بیٹے کو دیکھ کر خوشحال ہوا اور ماں ابراہیم علیہ السّلام کی (سے) کہا کہ اس لڑکے کو غار سے باہر لا تو ملازمت نمردو کی کرے۔ ماں ابراہیم کی غار سے باہر لائی مغرب کے وقت ، نیچے غار کے ریوڑ بکریوں کے اور گھوڑوں کے اور اونٹوں کے ابراہیم علیہ السلام نے دیکھے اور ماں سے کہا یہ کیا ہیں ماں نے خبر دی ۔ ابراہیم نے کہا البتہ کوئی پیدا کرنے والا اور روزی دینے والا ان کا ہے ۔ پھر ماں سے پوچھا کہ پروردگار تیرا کون ہے ماں نے کہا باپ تیرا ۔ ابراہیم نے کہا کہ پروردگار اس کا کون ہے ۔ ماں نے کہا نمردد ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام نے کہا کہ پروردگار نمردد کا کون ہے۔ ماں نے ڈانٹا کہ ایسی باتیں نہ کہہ کہ خطرہ ہے اور اس زمانے میں بعضے ستارے کو پوجتے تھے اور بعضے سورج کو اور بعضے بتوں کو اور ایک جماعت پرستش نمردد کی کرتی تھی ۔ ابراہیم خلیل اللہ ماں کے ساتھ شہر کو روانہ ہوئے " (ص ۱۲۹)

(د) اسنادی شرح :

" عین المعانی میں فرمایا ہے کہ دوست اللہ کے وہ گروہ ہیں کہ صورت ان کی سبب یاد کرنے اللہ کی ہووے ۔ بحرالحقائق میں لایا ہے کہ دوست اللہ کے وہ لوگ ہیں کہ دشمن نفس اپنے کے ہیں اور کشف الاسرار میں صفت اولیاء اللہ کی اوپر اس درجہ کے کرتا ہے کہ طرح شریعت کے اور دلیل حقیقت کے ہیں کہ ظاہر ان کا ساتھ شریعت کے آراستہ ہے اور باطن ان کا ساتھ نور فقر کے روشن " (ص ۲۰۴)

یہاں اسنادی شرح سے ہماری مراد تفسیر کے وہ حصے ہیں جن میں معتبر کتبِ دینی کے حوالے دے کر کسی نکتے کی وضاحت کی گئی ہے۔ جن کتبِ معتبرہ کے حوالے جا بجا دیے ہیں نام یہ ہیں۔

عین المعانی۔ کشف الاسرار۔ مدارک۔ تفسیرِ حسینی۔ ینابیع۔ تفسیر زاہدی۔ تبیان۔ بحرالحقائق۔ زادالسیر۔ تفسیرِ تیسیر۔ حقائق سلمی۔ دمیاطی۔ وسیط۔ شرح اسماء اللہ۔ ذخیرۃ السلوک۔ نفحات۔ اسرار التنزیل۔ جواہر التفسیر۔ روح الارواح۔ عوارف المعارف۔ نگارستان۔ احقاف۔ لمعات طرف المجالس۔ فصول صحیحین۔ قوت القلوب۔ معالم۔ فوائد السلوک۔ لباب وغیرہ ان کتابوں کے حوالے دیتے ہوئے توضیح نگار نے جو جو مختلف نثری اسالیب اختیار کیے ہیں ان کا ذکر آگے اپنے مقام پر آئے گا۔

(ہ) توضیح بالاشعار:

(الف) - حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیت اس خبر کی سے اور دیدہ بہ حکم سے فرمایا کہ مضمون اس کا نظم میں ہے۔

آن یکے را از ازل لوحِ سعادت برکنار
وین یکے را تا ابد داغ شقاوت بر جبین
عدلِ او میراند آن را سوئے اصحاب الشمال
فضلِ او مے خواند آنرا سوئے اصحاب الیمین (ص ۲۲۶)

(ب) - خواجہ عصمت بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیچ صفت اہل استقامت کے فرمایا۔

کسے را دانم اہلِ استقامت
کہ باشد بر سرِ کوئے ملامت
ز اوصافِ طبیعت پاک مردہ
باخلاقِ ہویت جان سپردہ
تمام از گردِ تن دامن فشاندہ
برفتہ سایہ و خورشید ماندہ (ص ۲۲۰)

مختصاتِ نثر

۱۔ ٹھیٹ ہندی الفاظ کا استعمال

مثالیں:- ڈھیل، بھوک، پیٹ، مول، تھوڑا، بات، ناتا، ستھرا، حقہ کنڈا، لڑائی، ڈیل، بھاری، بانک، بیاج، سچ، اندھا بوچا، اندھیرا، ڈھیر، منہ بوہ، گڑھی، انکاو، چنگاڑ،

چھاؤں، جھگڑالو، چلن، اوٹ، پہاڑ، گھونگھٹ ، گاڑھا ، بکھیڑا ، گھڑی، جگمگانا، جھنجھلانا ، جھنجھانا ، ھانس ، بوجھ ، باو ، ڈنڈی ، باٹ ، پلڑا ، باسن، گارا، دھواں ، لپٹ ، چٹرکھٹ ، (کذا) کومل ، ٹھیٹھیاں ، کٹ کھنا ، لڑکا پن، جھوٹھ، نپان، ماپ، مپارنے، اچنبا، لنبان، چکلان ، جباڑا، الاھنا، ماکھیانا، مٹی، دھمک، دو بھاسا، اونچان، رھرہ، ٹھاکردوارہ، نیچان، استھان ، دھوہ، نرسنگاہ ، ترھی ، پرکارا ، گانوں ، پانوں ، چینٹی ، لمونی، کواری، لہاری ، چپی ، دھوم ، بھجانا (بمعنی تمسخر) جیانا ، ٹھٹھا، چوران ، پندھوا ، کھوہ ، روپا ، چوکی ، جھمکنا ، گھائل ، ٹھاٹھ ، کنٹھالی ، بھٹی، ٹھہراو، ہاتھ پسارنا، پرچھانواں، ٹیڑھی، سیدھی، راکھ، میتھ، گاد، پتھراو، بجال، لوڑ، اوندھا، گنا، بھونچال ، ڈھینگی ، انجان ، پرت ، چھپتا ، ٹھگ ، کنپانا، بچھنا ڈالی، روندنا، کھاری، گیلی، سوکھی، پیاسی، دھنیا، چھٹکارا وغیرہ

۲۔ عربی و فارسی الفاظ کا استعمال

مثالیں :۔ آبدار ، بکاول ، قدیمی ، خدمت ، طاسی ، طباق ، ناشبین ، کسب ، طومار ، بندی خانہ ، اندیشہ ، صبر ، سلوک ، ندا ، عذاب ، ظلم ، لشکر ، مقرر ، ہلاک ، قدرت ، اشارت ، مشورت ، گور ، راست ، تفرقہ ، کشادہ ، فتح ، تابعداری ، طعام ، ابر ، افتاب ، اشراف ، فکر ، روشنائی ، روشنی ، غلول ، فضل ، کفایت، غلبہ ، متاع ، عداوت ، عجائب ، شے ، تکبر ، متابعت ، اعراض ، عزل، وحدانیت، ممکنات، بزرگ تر، گمراہی، حجت، دلیلی، تہمت، افترا ، آزار ایذا، عزت، ذلت، احتیاج، ضعیف، بازگشت، وغیرہ وغیرہ

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہے کہ "آسان ہندی" سے مُصنّف کی یہ مراد نہیں کہ عربی و فارسی الفاظ کم سے کم استعمال کیے جائیں ۔ عربی و فارسی الفاظ ان کی نثر میں بکثرت موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ٹھیٹ ہندی الفاظ کا تناسب بھی خاصا ہے جیسا کہ بول چال کی اردو میں اس وقت تھا اور اب بھی ہے ۔ آسان ہندی یا ہندیِ متعارف سے مُصنّف کی مراد اس زمانے کے شرفا کی بول چال ہے جس میں ٹھیٹ ہندی اور عربی و فارسی الفاظ متناسب تعداد میں مستعمل تھے ۔

۳۔ جمع الجمع :

مثالیں :۔ امراؤں (ص ۳۰۶ ۔ ۲۳۸ ۔ ۲۶۸ ۔ ۳۳۸ ۔ ۳۹۸) اصحابوں (ص ۳۳۔ ۱۶۳ ۔ ۳۰۱ ۔ ۳۶۲) اشرافوں (۲۲۹ ۔ ۳۲۸ ۔ ۳۳۲) اقرباؤں (ص ۳۶۲ ۔ ۵۶۹) وزراؤں (ص ۳۹۸) اعمالوں (۵۶۸) علماؤں (۵۹۸) عجائبات (ص ۲۶۳)

۴۔ جمع بطورِ واحد :

مثالیں احوال (ہر ایک کے گھر میں ایسا احوال تھا " ص ۳۲۷)

اشراف (" ہر ایک محلے میں ایک اشراف سردار مل گیا " ص ۳۸۷)

عجایب (" عجایب مثل " " عجایب قصہ ص ۵۱۳)

۵۔ " جو " بجائے کافِ بیانیہ :

مثالیں :۔

" الٰہی شکر تیرے انعاموں کا اور احسانوں کا کس زبان سے کریں جو زبان کو تونے بولنے والی بنایا اپنا نام لینے کو (ص ۲)

" اب سنو اس کام کی بات جو سب مسلمانوں کو مقرر چاہیے کہ اپنے رب کو پہچانیں (ص)

" یاد کرو اے بنی اسرائیل اس احسان کو جو پھاڑا دریا کو تمھارے بچانے کے واسطے (ص ۹) ۔

" اور یاد کرو اے بنی اسرائیل اسبات کو جو وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات دن کا توریت دینے کو ... " (ص ۹)

" ایسے کتنے اصحاب حضرت کے جو انھیں اصحابِ صُفّہ کہتے تھے " ۔ (ص ۳۰)

۶۔ " جو " بجائے " جنھوں " نے :

مثال " پھر جب کہ پار اس ندی سے طالوت اور لوگ جو طالوت کے کہنے سے ایک چلو سے زیادہ پانی نہ پیا تھا طالوت کے ساتھ پار گئے " (ص ۳۱)

۷۔ " کے " زاید :

مثالیں " از روے مکان کے " (ص ۱۰۸) " از روے درجہ کے " ق ۱۶۷)

" از روے نفس کے " (ص ۲۲۸) از روے سمجھنے کے " (ص ۳۶۹)

"ازروے دوستی کے" (۵۰۲) "ازروے گرمی کے" (ص ۱۸۶)

۸۔ حذف "کے"

مثالیں "عزیز آگے" (۳۴۲) "تھوڑے دنوں پیچھے (۲۳۰)

۹۔ "کے" بجائے کی طرف

مثالیں "متوجہ کفار کے" (ص ۱۰۰) "متوجہ لڑائی کے" (ص ۱۸۹)

۱۰۔ جمع موصوف مع صفت

مثالیں "قبیلوں نکاحیوں پر (ص ۵۹۶)

دوسری مثال "بچھونوں باریکوں اور عمدوں کے" (ص ۵۵۸)

۱۱۔ دکنی انداز (ترکِ نے)

پہلی مثال (لوگ) طالوت کے ساتھ (نہر) پار کیے (ص ۳۱)

دوسری ("دوسرے دن حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امام حسین کو گود میں لیا اور حضرت امام حسن کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ زہرا کو اپنے پیچھے اور حضرت مرتضےٰ علی کو ان کے پیچھے لے کر چلے" (ص ۵۸)

تیسری مثال "اور (وہ) سچا تھا جو عزیز آگے کہا تھا کہ زلیخا مجھ سے چاہتی تھی اپنے دل کی آرزو (۲۳۰)

۱۲۔ تقدیم و تاخیرِ الفاظ بے قرینہ

مثالیں "کوئی قول اور فعل اوپر حق تعالیٰ کے پوشیدہ نہیں ہے" (ص ۲۰۳)

"اس پتھر پر برسا مینھ زور کا" (ص ۳۵)

"وہ (رحمت) خاص لکھی ہے ان کے نصیب میں" (ص ۱۵۸)

"بندگی اللہ کی پاک کی گئی شرک اور شبہ اور نفاق سے" (ص ۳۰۱)

۱۳۔ تقدیم و تاخیرِ الفاظ بقرینہ

مثال "بنی اسرائیل لگے عیش کرنے" (ص ۲۸۶)

۱۴۔ انھوں، بجائے "ان"

پہلی مثال "انھوں نے واسطے (ص ۳۰۶)

دوسری مثال اوپر کی آیتوں میں انھوں کا مذکور تھا" (ص ۹۳)

۱۵۔ جب ہی بجائے جوں ہی

مثال — "جب ہی وہ نکلا باہر لوگ جو راہ دیکھتے تھے اس کی صورت دیکھتے ہی چھٹ گئے" (ص ۵۹)

۱۶۔ "آن کر" بجائے "" آکر"

مثال — "آن کر پکڑ لیوے" (ص ۳۰۸)

۱۷۔ حذف کلمۂ حصر "ہی"

مثال — "پوچھا قوم کیا حال ہوا اس نے کہا کتنے مارے گئے اور کتنے بھاگے (ص ۳۳۶) یعنی کتنے ہی مارے گئے اور کتنے ہی بھاگے۔

۱۸۔ یائے زاید

مثالیں — تکبری (اور حرام کیا ظلم اور تکبری کو ساتھ کے۔ ص ۱۳۲ نیز ص ۳۲۳۔ ۵۹۸)

"بیدادی (" ستم اور بیدادی تمھاری" ص ۱۹۸)

"قدیمی" (قدیمی خدمت" ص ۲۳۸)

تمامی (" تمامی تعریف" ص ۲۰۱ "تمامی عزت ص ۳۵۵)

تغافلی (" تغافلی میں نے نہیں کی کبھی" ص ۵۹۸ ")

۱۹۔ اسماء کیفیت کی بعض مخصوص شکلیں

فاعل کے فعل پر قایم ہونے سے یا مفعول پر فعل کے صادر ہونے سے یا کسی شے میں وصف ظاہر ہونے کے بعد ایک کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کیفیت پر جو اسم دلالت کرے وہ اسم کیفیت ہے۔ مثلاً اسم فاعل مسافر سے مسافرت، مسخرہ سے مسخرگی، یا اسم مفعول مقبول سے مقبولیت یا اسم صفت راست سے راستی۔ شاہ عبدالقادر کی نثر میں ان اسماء کیفیت کی بعض مخصوص شکلیں بکثرت آئی ہیں جو یہ ہیں۔

(الف) اسماء کیفیت بہ یای اختتامی

مسافری ("اپنا وطن چھوڑ کر مسافری اختیار کریں" ص ۳۰ "مرد مسافری کو جاویں ص ۴۳۶" نیز ص ۲۰۱۔ ۲۴۳۔ ۲۶۶)

شاہدی (نہیں چھپاتے ہم شاہدی، ہم اگر چھپاویں شاہدی کو.. ص ۱۱۵۔ ۳۳۳)

مسخری ("مسخری کرتے تھے پیغمبروں سے" ص ۲۹۸ "مسخری اور ٹھٹھا ص ۲۰۸"

" مسخری کرنے والے تھے ص ۳۶۹ - " جو تجھ سے مسخری کرتے ہیں " ص ۲۶۹)

لباری (" لباری کے کسب سے " ..... " ص ۵۶۵)

معبودی (" جان لو کہ کوئی معبودی کے لائق نہیں ہے " ص ۲۲۳)

پلیدی (ص ۳۱۳)

پشتی (" پشتی اور حمایت کر کے "

انجانی (" برا کام کرتے ہیں انجانی سے " ص ۶۰ - " انجانی اور چوک کی طرح سے ہے ص ۸۸)

بخیلی (" وہ لوگ جو بخیلی کرتے ہیں " ص ۴۲)

بدشکلی (ص ۳۶۸)

بدرنگی (ص ۳۶۸) بے خرچی (بمعنی مفلسی ص ۲۹۰) یاری (ص ۲۲۰)

فائدہ مندی (ص ۳۴۲) فیروزی (" وہی ہیں فیروزی پانے والے " ص ۳۴۲)

لونی (" اور لونی اسی شراب کی ہوگی تسنیم کے پانی سے " ص ۶۱۸ " البتہ لونی ہوگی گرم پانی سے " ص ۳۶۸)

ستھرائی (" ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی ہے تمھارے حق میں " ص ۳۰) ناچاری (ص ۳۶) (تکبری " تغافلی " بیدادی " بھی اسی قبیل سے ہیں اور ان کا ذکر شق ۱۹ کے تحت کیا جا چکا ہے)

(ب) اسماء کیفیت بہ نون در آخر

نپان (ص ۱۰۸ " ۳۹۲ " ۶۰۸)

چکلان (ص ۶۲۰ " ۹۳۰ " ۲۳۰ " ۶۰۳)

چوڑان (ص ۵۶۵)

لنبان (ص ۶۲۰ ، ۳۹۰ ، ۲۹۱ ، ۲۳۰)

نچان (۶۲۰)

اچان (= اونچان ص ۲۹۱ ، ۳۲۹ ، ۶۰۳)

(ج) اسماء کیفیت بہ تائے اختتامی

اشارت (" اور اشارت نکلتی ہے کہ ... " ص ۶۶ نیز ۳۹)

مشورت (ص ۳۰)
همسائگت (ص ۳۰۰)

۲۰۔ عطف و اضافت مابین الفاظِ ہندی و فارسی

مثالیں - زن و بچو سمیت ان کو بلوایا (ص ۲۳۱)
- چشمہ پانی (- ص ۳۶۸)

۲۱۔ کثرتِ حرفِ عطف

مثال - سب نبیوں سے بزرگ اور بہتر ہے اور بہت مہربانی کرنے والا ہے اپنی امت پر اور چھڑانے والا ہے عذاب سے اپنی امت و قیامت کے دن اور امیدوار ہے ... اور اپنی مہربانی اس پر ہمیشہ زیادہ کر ..... اور اس کی آل پاک پر اور اس کے یاروں خاصوں پر اور اس کی امت کے عالموں پر ... اور اپنے دوستوں پر اور غریبوں عاجزوں پر" (ص ۲)

۲۲۔ مقتضائے حال کے موافق کلام

پہلی مثال - یہودی جو کہتے تھے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہے اس سبب سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ملول تھے " ص ۲۲).

اس مثال میں یہودیوں کا قول نقل کرتے وقت رسول اللہ کی نسبت صیغۂ واحد استعمال کیا

دوسری مثال حضرت ابراہیم کے بچپن کا بیان کرتے ہوئے بھی واحد کا صیغہ ہی استعمال کیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں " دیکھا ابراہیم (علیہ السّلام) دو انگلیاں اپنی چوستا ہے"۔

۲۳۔ املا کی بعض خصوصیات

(الف) کانوں (ص ۲۹۲) پانوں (۳۹۹) گھانس (ص ۶۲۱ ۔ ۶۲۲)
(ب) چیونٹی (ص ۳۹۹) جھنیٹے (ص ۶۱۲) چھونتا (ص ۳۹۰) لہاری (ص ۵۶۵)
(ج) لنبا - لنباں (ص ۳۱۸ وغیرہ) کنبل (بجائے کمبل) ص ۲۰۰)
(د) اچنبا ۔ اچنبے (ص ۲۸۳ ۔ ۲۳۵)
(ہ) پرواہ (ص ۲۰۵) جھوٹھ (ص ۳۱۰ ۔ ۱۵۲)
(و) پنہانا (بجائے پہنانا ص ۳۳۰) گڑھنا ۔ بجائے گھڑنا ص ۲۱۳)

(ز) ناپنا (ص ۱۳۹)

(ح) کواریاں (ص ۵۶) پھوکنا (ص ۶۳۶)

۲۴۔ لغات و محاوراتِ قدیم

(الف) پیچھے (بجائے بعد " کافروں کے ذکر کے پیچھے " ص ۴۔ " سو برس پیچھے " ص ۔۔۔
مقرّر (" ہم تو مقرّر ہنسی اور مزاح کرتے ہیں " مقرّر وہ گائے زرد ہے " ص ۱۲ "
مقرّر آشکارا ہو چکی تھی " ص ۴۴) ۔ جونسا (" اور جونسا میوہ چاہو " ص ۸۔ " اور
البتہ جانتا ہے جھوٹ کہنے والوں کو یعنی جون سے جھوٹ کہتے ہیں " ص ۳۱۰)
والّا (والّانہ بمعنی ورنہ " امیدوار ہوں کہ میرے تئیں توفیق اور یاری دیوے
والّا " فتنہ اٹھانے والا نہیں ہوتا میں " ص ۳۳۰) ۔ کنیانا (= پھر پھسلا دیا ۔
کنیا دیا ابلیس نے ان دونوں کو = ص ۷) تئیں (" مار ڈالو اپنے تئیں = ص ۹
یہ لفظ بکثرت آیا ہے) سو (= یہ جو پردے میں سنی سو آواز خدائے تعالیٰ ہی کی
تھی " ص ۹) ستھرا ۔ ستھری (مفرد لفظ بجائے صاف ستھرا یا صاف ستھری ۔
" پاکیزہ اور ستھری چیزیں " ۔ " حلال پاکیزہ اور ستھری ۔ ص ۲۵) " ناپاک
اسے طواف نہ کرے تو ستھرا رہے " ص ۲۰)

بدبو (بجائے بدبودار " جب اسے رکھا تو وہ بدبو ہوا " وہ سڑا اور بدبو ہوا " ص
۱۰) بعضا بعضا نبی ایک قوم کا بعضا ایک گاؤں کا بعضا ۔ ص ۴۲)

بندی بمعنی قید " قیدیوں کو چھڑانا ہے بندی سے " ۔ " قیدیوں کو چھڑانے کو
بندی سے مال دیوے " ص ۲۷) ۔ پشتی (حمایت " پشتی اور حمایت کر کے " ص)
ہتھ کھنڈا (" اور مت کرو خدا تعالیٰ کے نام کو ہتھ کھنڈا اپنی قسمیں کھانے کا "
ص ۳۵) تلک (= تک ص ۳۶) جد (ضد کی خرابی " وہ ہے سننے والا خاص
قول ان کے کو جو کچھ جد سے اور ہزل سے کہتے ہیں ص ۲۰۴)

نسبت ناتا (ص ۳۵) تقید (" اس کا تقید زیادہ فرمایا ہے " ص ۳۸) " اس
واسطے عصر کی نماز کا تقید ہے " ص ۳۸ ۔ " طالوت نے تقید کیا " ۔ خیرات کا
تقید ہے " ص ۴۰ ۔ " مسلمانوں پر فرض ہے کہ دینداری کا تقید کریں لوگوں پر "
ص ۹۳ " حضرت نے .... عبداللہ بن جبیر کو .... تقید کیا کہ ہرگز اس جگہ سے
نہ سرکیں " ص ۹۵ " اس کے وارثوں کو تقید ہے " ص ۱۰۳ ۔ ہوس (بمعنی

ذوق - سب ہی ہوس سے تیار ہوئے " ص ۴۱) روشنائی (بمعنی روشنی - اسے
اندھیری سے کفر اور گمراہی کی ، طرف روشنائی ایمان کے " ص ۴۳ - روشنائی
آنکھوں کی - ص ۱۱ ، جھڑ جھڑانا (۔ ایک باری وہ گدھا جھڑ جھڑا کر اٹھ کھڑا ہوا "
ص ۴۴) غلول (ص ۴۴) بیاج (ص ۴۰) سچ - قرض دینا سچ ہے " ص ۴۰
- جواب سچ میں اچھا دیوے ص ۲۵۶ - سچ میں آرام سے بٹھا دیا " ص ۲۳۱ -
بات ملائم نرمی سے اور سچ میں " ص ۳۲۳) ٹھورا (فرمایا ٹھورا کھینچتے ہوئے
جاویں ص ۳۰۶) ساتھ (بمعنی پاس - تھوک اس کا دو شعلۂ جانسوز اس کے
ہوئے اور ساتھ آنحضرت کے نہ پہونچا اوپر اسی کے پھرا " ص ۳۰۸) چمکارا
(بمعنی چمک " چمکارے آفتاب کے " ص ۳۸۰ ۔ " چمکارا اس کا روشن مانند
چشمہ پانی کے دکھلائی دیوے ص ۳۶۸ - چمکارا معرفت کا اوپر سوراخوں حواس
کے پڑے ص ۳۹۰ تحفہ (بمعنی عمدہ - جوڑا تحفہ خاصا ستھرا پاکیزہ " ص ۳۸۳ "
ایک تحفہ مکان - ص ۲۳۸ - ۔ لائی تو ایک چیز تحفہ یعنی یہ خوب کام کیا تونے ص
۳۱۴ - محل اونچے رنگ کاری کئے ہوئے ستھرے خاصے تحفہ خالی پڑے ہیں " ص
۴۴۰) گردا گرد (بجائے ارد گرد - سردار اور اشراف اسوقت گردا گرد اس کے
حاضر تھے ص ۳۸۶) روپا (چاندی " ص ۵۳) باد (= ہوا - نابود کیا اس باد
سرد نے " ص ۶۴ ۔ یہ لفظ بکثرت آیا ہے) ممو (" چچا ص ۶۶) درماہہ ("
خدمت کے موافق درماہہ لیوے " ص ۷۰) سواشی (ص ۸۹) کوٹل (نقب
ص ۹۰) مزاخ (" اور ہنسی اور مزاخ کرنے لگی " ۳۹) ٹھٹھے اور مزاخ طعنہ میں
نہ کریں ص ۵۳۸ - مزاخ کرتے تھے اور بھجاتے تھے ص ۵۳۸) لٹکھ والیاں
(ص ۹۹) گومیں (گومیں اور پانسے - ص ۱۱۲) باسن (ص ۱۱۵) لڑکا پن (۱۱۶)
ٹھیٹھیانی (ص ۱۲۰) کنگھنا (۱۲۱) کھیل اور مشغولی (= لہولعب ص ۱۲۵) بالی
(= بال - بالی جو کی اور گیہوں کی " ص ۱۲۹ ۔ نیز ص ۲۳۹) چھتا ، غیر چھتا
(باغوں اور انگوروں کے کو چھتا کیے گئے اور غیر چھتا کیے گئے ... " ص ۱۳۵)
تایہ کہ (= تاکہ - تایہ کہ ظاہر کر دے ... ص ۱۳۰) تایہ کہ دکھادے ان دونوں
کو ستر انکا ص ۱۳۱) بالا پوش (۱۳۲) چونپ (- اور کافروں کو چونپ دلاتی تھی
اوپر انکار لوط کے " ص ۱۳۹) نپان (= ترازو - قوم شعیب کی نے دو نپان اور

ترازوئیں بنائی تھیں " ص ۱۳۹) گزراتا (۔ وقت اپنا خوش گزراتے ہیں ص ۱۰۹) تو (بمعنی تا ۔ اس واسطے چھُری ہر ایک کے ہاتھ میں دی تو گوشت اس سے تراش کر کھاویں " ص ۲۳۵ ۔ ۔ ایک ایک آیت آہستہ آہستہ ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھتے تھے تو لوگ اچھی طرح سمجھیں ص ۳۳۸) چلون (چلمن ص ۱۲۱ ص ۲۳۳) مانپ (۔ اناج کی مانپ تول کی گئی ص ۶۱۷) ماپنا (۔ ماپ لادیں اناج کو ص ۲۳۲ " ۱۷ " ہ لینا (۔ گھڑ لینا ص ۲۱۳) الاہنا (ص ۲۵۹ ، ۵۲۰) دیو (= شیطان ص ۲۶۵) بدبو (۔ بدبودار ، بدبومٹی " ص ۲۶۵) دو بھاسا (= دو بولیاں سمجھنے اور بولنے والا = پھر دو بھاسے کو بلایا اور یعنی جو شخص دونوں بولیاں سمجھتا تھا اور بولتا تھا اسے بلایا اور اس دو بھا سے نے اس ملک کے رہنے والوں کے مطلب کو کہا اس قوم کی زبان میں " ص ۳۱) چکلی (= چوڑی ۔ پانچ اوپر ساٹھ گز چکلی بنیاد رکھو دی ص ۳۱۰) نرسنگا (ص ۳۱۰) قبیلہ (= بیوی ۔ بی بی آسیہ جو فرعون کی قبیلہ تھیں " ص ۳۲۱ ۔ ۔ اپنی قبیلہ بی بی صفورا کو لے کر مصر کی طرف روانہ ہوئے " ص ۳۲۰) چلک (= چقماق ص ۳۲۰) استھان (جگہ ص ۳۳۰) نکما (بیکار ۔ کنویں نکمے پڑے ہیں " ص ۳۳۰) یہ نکما قصہ ہے " ص ۶۱۷) کھنکار (ص ۳۶۳) چھُٹانا (= چھُڑانا ۔ عذاب سے چھُٹا دیوے گا " ص ۳۵۰) ۔ جس نے چھُٹایا ہم کو قوم ظالموں کی سے ۔ ص ۳۵۱) بخشانا (= بخشوانا ۔ کوئی بڑا دوست بخشانے والا ایسا نہ ہوگا جس کے بخشانے سے بخشے جاویں ص ۳۹۱) کھجانا (۔ مزاخ کرتے تھے (۱) اور کھجاتے تھے ۔ ص ۵۳۸) ۔ جو ٹھٹھا اور کھجانا کرتے ہیں " ص ۵۳۰ ۔ ۔ اور کھجانے اور چڑانے کے ناموں سے مت پکارو " ص ۵۳۸) چھپرکھٹ (ص ۵۵۸) جکوئی (= جو کوئی ۔ اور جکوئی پھرے گا حکم پیغمبر کے سے ۔ ص ۵۰۵ ") چنٹی (۔ ۔ پھر ان پر جو چنٹی بھاری ہوتی ہے جو تجھ سے بیزار ہوتے ہیں " ص ۵۹۳) میانے (پیمانے ۔ بعضوں نے دو میانے بنا رکھے تھے ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا لینے کے وقت بڑے میانے سے مانپ دینے اور دیتے وقت چھوٹے میانے سے مانپ دیتے تھے ۔ ص ۶۱۷) بیٹھنا (۔ سکوت اختیار کرنا ۔ نمرود بیٹا کنعان کا ، بادشاہ تمام روے زمین کا ، بابل میں بیٹھا تھا ص ۱۲۶)

(ب) وعدہ دینا ("وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو" ص ۹ "تمھیں وعدہ دیا ہے ص ۳۴۲) جھوٹھ جوڑنا (ص) ہوچکنا (بمعنی ختم ہوچکنا "جب اناج ہوچکا ص ۱۰) شبہہ اٹھانا ("یہودی اس مین شبہہ اٹھاتے تھے کہ اگر یہ قبلہ اصلی ہے تو اتنی مدت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی ص ۲۲) صف کھینچنا ("طالوت نے جالوت کے سامنے صف کھینچی ص ۳۱) چوکی دینا (پہرہ دینا ("یہودیوں نے ساری رات اس مکان کی چوکی دی" ص ۵۰) بدل کرنا ("یہ قسم اور وہ قول بدل کرتے ہیں تھوڑے سے مول کو ص ۹۰) پھوٹ کرنا (" جنھوں نے زمین میں پھوٹ کی ان ہی کے واسطے عذاب پڑا دوزخ کا" ص ۹۳) پیٹھ دینا ("اگر تم سے لڑیں تو پیٹھ دیویں تمھارے سامنے سے "ص ۶۳) آپڑنا (حملہ کرنا "جو دیکھا کہ درہ خالی ہے ادھر پڑے ۔ ص ۶۶) تنگی آنا ("رسول کا دل تنگ ہوا تھا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی "ص ۶۸) خواجہ کرنا (. خوجہ کرنا ص ۹۲) نامردی کرنا ("قوم نے سنا نام تو نامردی کرنے لگی اور چاہا کہ پھر الٹے مصر میں جاویں ص ۱۰۳ ") دلیل پکڑنا (۱۲۰) جُدی جُدی ("جُدی جُدی سمجھ پکڑی ہر فرقے نے " ۲۱۴ - ۱۵۱۵) جُدے جُدے ("اور جائیو جُدے جُدے دروازوں سے " ص ۲۳۲) مار کھپانا (= ہلاک کرنا "اور نہیں مار کھپایا ہم نے کسی شہر والوں کو مگر وقت ان کے مار کھپانے کا مقرر تھا " ص ۲۶۳) "شہر کے لوگوں کو مار کھپا دیا ہم نے ص ۳۳۰) نیز ص ۳۱۳ ۔ ۵۹۳) دھمک کر چلنا (۲۹۱) طعنہ مارنا (ص ۲۹۲) کونچیں کاٹنا (۲۹۳) حالت آنا ("انکو ایک حالت آئی اور وہ بات بھول گئے ص ۳۰۸) غم کھانا (ص ۳۱۳) چقمک کو جھاڑنا ("انھیں بہتیرا چقمک کو جھاڑا ہرگز آگ نہ نکلی " ص ۳۲۰) غصّہ کھانا ("غصّہ کھاتے ہوئے افسوس کرتے ہوئے " ص ۳۲۸) مزاقین کرنا ("اور مقرر مزاقین کیں کافروں نے پیغمبروں سے ص ۳۳۶) مخالفت پڑنا ("مخالفت پڑی " ص ۳۷۶) چومیخا کرنا (ص ۵۸۰) من ماننے (من ماننے "اور خوب گناہ من مانتے کر لیویں تب عذاب سے پکڑیں " ص ۵۹۳)

۲۵۔ منفی مُرکّبات

| مثالیں بے طاقت "بے سمجھ" بے زوال "بے پرواہ، بے ڈر، ناچار، ناچاری، بے

دیکھیے۔ بن گوشت اور چمڑے کے " " میوے بے بہار کے " " بغیر بہار کا میوہ "

۲۶۔ کثرتِ مترادفات اور تکرار

" سچ میں آرام سے بٹھا دیا " (ص ۲۳۱) " اور گواہ اور شاہد ہو (ص ۱۳)
" معجزے کھلے ہوئے صریحاً " (ص ۱۹) " پشتی اور حمایت کر کے (ص ۱۹)
" ہلکا اور کم نہ ہوگا ان پر سے عذاب (۱۹) " جو نہیں جانتے پڑھنا یعنی جاہل
" (ص ۱۹) " اور یاد کر یعنی مذکور کر " (ص ۱۹)
" قول کیا یعنی حکم کیا ہم نے (ص ۲۰) " بھاتا ہے اور پسند آتا ہے (ص ۳۵)
ذکر مذکور (ص ۳۱۳) " نئی تازی " (ص ۳۱۳) وغیرہ وغیرہ

۲۷۔ کتبِ معتبرہ کے حوالوں کا اسلوب

(الف) " اور فصول میں لایا کہ .... " (ص ۱۹۸)
" مدارک میں لایا کہ .... " (۱۹۸)
" ینابیع میں لایا کہ .... " (۱۹۹)
" تفسیرِ زاہدی میں لایا کہ .... " (۱۹۹)
" تبیان میں لایا کہ .... " (۲۰۱)
" زاد المسیر میں لایا کہ .... " (ص ۲۲۱) وغیرہ وغیرہ

اکثر حوالے اسی انداز کے ہیں

(ب) " اور عشراتِ حمیدی میں فرمایا ہے ... " (ص ۱۹۸)
" زاد المسیر میں کہتا ہے ... " (ص ۲۰۰)
تبیان میں عباس سے نقل کرتا ہے کہ .... " (ص ۳۶۹)
" اور تفسیر ماوردی میں مسحور کو ساتھ معنی ساحر کے جانتا ہے .... (ص ۳۰۵)

۲۸۔ سجع کی واحد مثال

" امام زاہد نے فرمایا کہ نور سکیے کہنا
و لیکن فارسی میں روشنی نہ چاہیے کہنا ... ص ۳۶۵)

۲۹۔ بعض مخصوص اسالیب

(الف) " نور سکیے کہنا " (ص ۳۶۵)

"سکا تو ان پر صبر کرنا" (ص ۳۰۸)
"نہ سکا تو اوپر اس کے صبر کرنا (ص ۳۰۹)
"ہر وقت نہ سکیں کہ رخصت مانگیں (ص ۳۱۰)
"محبت اور پسند کے لفظ فرمائے ہیں" (ص دہلوی انداز ص ۵۳)
"ڈھونڈھ لاکر ایک مکان میں بند کیا" (ص ۵۰)
"کیا تم نے قول لیا ہے خدا تعالیٰ کے پاس سے" (ص ۵۲)
"اور ایسی نہ لگتے تھے جو یہ کام کریں یعنی بنی اسرائیل نہ چاہتے تھے" (ص ۱۲)

۳۰۔ بعض محاورات

جھاڑا دینا، منہ کالا کرنا، تاوپیچ کھانا، دھوم مچانا، اسلام لانا، الٹے پاؤں پھرنا، راہ دیکھنا، پیٹھ دینا، داغ دینا، دولت اڑانا، وغیرہ

۳۱۔ مُشکل اردو کا نمونہ

"یہ تعلیق بالحال ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے
میں آوے گا اور نہ کافر بہشت میں جاویں گے" (ص ۱۳۳)

نوٹ :۔ اوپر موضح قرآن کے نسخہ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور ۱۹۴۹ء کے صفحات نمبر کے حوالے دیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد سلیم اختر:

سازمان لغت نامۂ دہخدا کے سربراہ، ممتاز ایرانی دانشور

استادِ علّامہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی

(ایک تعارف)

ذات باری تعالیٰ پر پختہ ایمان اور توکل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل اطہار کے ساتھ غیر معمولی عشق و ارادت اخلاص و مروت، صمیمیت و صفا، خوشروئی و خوش گفتاری اور حق شناسی و حق گوئی میں معروف، غیبت و بدگوئی سے کوسوں دور، لاف زنی، تفاخر اور نمائش علم سے متنفر، ایک کامیاب عملی زندگی گذارنے کے باوصف دنیا و مافیہا سے غیر معمولی طور پر بے اعتنا، بلند ہمت، پختہ ارادہ، معمولات زندگی میں بالکل وارستہ و آزادہ، شہرت طلبی جیسے مبالغے کی حد تک گریزاں، فروتنی و انکساری حد سے بڑھی ہوئی، صبر و رضا کا یہ عالم کہ انھیں دیکھ کر زہد و رہبانیت کا گمان ہو، مناعت نفس، پاکیزگی اور پاکدامنی پر اوائل عمر ہی سے سختی سے کاربند، ہمہ وقت باوضو، نماز کی ادائیگی میں اول وقت کا التزام مدام، سفر ہو کہ حضر، شب زندہ داری اور تلاوت کلام اللہ مجید ہمیشہ کا معمول، قوت حافظہ، حضور ذہن اور استحضار مطالب میں اپنی مثال آپ، فقہ و اصول میں مجتہد، اسلامی تاریخ کے مطالعہ و مداقہ سے سالہا سال کا شغف، زبان و ادبیات عرب و ایران کے ناپیدا کنار سمندر کے ایک مسلّم مشاق شناور، تصنیف و تالیف، تعلیم و تعلّم اور تقریر و تحریر کے شعبوں میں نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا شبانہ روز کا مجسم ریاض، یہ ہیں تہران یونی ورسٹی کے پروفیسر استادِ علّامہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی۔

آپ ۱۹۱۸ء میں بروجرد کے ایک متوسط قسم کے سیّد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ خاندانی حالات کچھ ایسے تھے کہ چھوٹی عمر ہی سے کسب معاش کے لیے کوشاں ہونا پڑا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھا، اور جب بروجرد کے محدود علمی امکانات آپ کی علمی پیاس کو بجھانے میں ناکام رہے تو آپ نے ۱۹۳۱ء میں نجف اشرف کا رخ کیا۔ بروجرد سے روانگی سے قبل آپ شرح لمعہ اور قوانین کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نجف اشرف پہنچ کر

آپ نے پہلے ان کتب کی تکمیل کی، پھر رسائل مکاسب پڑھے، اور اس طرح ہوتے ہوتے فقہ و اصول میں اجتہاد کے درجے پر فائز ہوگئے۔ عراق میں قیام کے دوران آپ کو متعدد علمی شخصیات سے ملاقات اور استفادے کا موقع ملا۔ البتہ آپ کا زیادہ وقت آیۃ اللہ سیّد محمود ...ہرتی اور آیۃ اللہ حاج سیّد ابو القاسم خوئی کی خدمت میں بسر ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں علالت کے باعث آپ کو بغرض علاج تہران آنا پڑا۔ لیکن یہاں کی خاک آپ کے کچھ ایسی دامن گیر ہوئی کہ آپ پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ آپ نے مدرسۂ عالی سپہ سالار (شہید مطہری) کی اوپر کی منزل میں ایک حجرے میں اقامت اختیار کی اور وہاں ہر ہفتے اصحاب چہار شنبہ کی مجالس علمی میں باقاعدہ شرکت کے علاوہ، امرار معاش کے لیے تہران یونی ورسٹی کے دانشکدہ ادبیات کے کتب خانے میں فہرست نویس کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ عرصے بعد آپ علامہ علی اکبر دہخدا کی زیرِ نگرانی ان کے لغت نامے کی ہیئتِ تحریریہ میں بھی شامل ہوگئے۔

یوں تو اس زمانے میں بھی آپ ایک فقیہ، اصولی اور مؤرخ کے طور پر پہچانے جاتے تھے۔ لیکن حالات کا رخ دیکھتے ہوئے آپ نے اپنے دوست (ڈاکٹر) مہدی محقق کی تشویق سے ۱۹۵۰ء میں تہران یونی ورسٹی کے دانشکدۂ معقول و منقول میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۵۲ء میں وہاں کا درس مکمل کر کے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس سے قبل ۱۹۵۱ء میں آپ کو محکمۂ تعلیم میں مدرّس کے طور پر ملازمت مل گئی، اور آپ نے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تہران کے ثانوی مدارس میں پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ انہی دنوں آپ کے سسر علامہ سیّد غلام رضا سعیدی نے فروغ علم کے نام سے تہران سے جدید نہج پر اسلامی افکار کی ترویج کے لیے ایک علمی مجلّے کا اجرا کیا تو اس کی ادارت کی ذمہ داری بھی ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کے کندھوں پر آن پڑی۔ یہ وہی دور تھا جب ایران میں تیل کی صنعت کے قومیائے جانے کے سلسلے میں تحریک بڑے زور و شور کے ساتھ جاری تھی۔ آپ نے اس تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اخبارات و جرائد میں اس موضوع پر متعدد مقالے شائع کیے۔ اپنی ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے ۱۹۵۶ء میں تہران یونی ورسٹی کے فارسی زبان و ادب میں بی اے کا امتحان پاس کیا، اور پھر ۱۹۶۱ء میں ...نی ورسٹی سے مشہور ایرانی شاعر اوحد الدّین انوری ابیوردی (متوفیٰ ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء) پر ...امور ایر...ی اسکالر ڈاکٹر محمّد معین کی رہنمائی میں تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری سے سر... ...ے، اور پھر اسی سال آپ کو تہران یونی ورسٹی میں تدریس پر مامور کر دیا گیا۔

لغت نامۂ دہخدا بڑے سائز کے باریک ٹائپ پر مطبوعہ ۲۰ ہزار صفحات پر پھیلا ہوا

ایک عظیم علمی کارنامہ ہے، جس کو خواب سے حقیقت کے روپ میں لانے کے لیے سوا سو کے قریب نامی ترین ایرانی اہل علم و قلم نے کئی دہائیوں تک مسلسل شبانہ روز محنت کی اور طرح طرح کی صعوبتیں انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی نجف سے تہران آنے کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے مؤلفین میں شامل ہوگئے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ کو اس ادارے کے اس وقت کے سربراہ اور آپ کے استاد، ڈاکٹر محمّد معین کا معاون، اور پھر ۱۹۷۰ء میں ڈاکٹر معین کے طویل علالت کے بعد انتقال پر، سازمانِ لُغت نامۂ دہخدا کا سربراہ بنا دیا گیا۔ آپ نے اپنی خطیر ذمہ داری کو، اور فرہنگ معین کی تکمیل کے عظیم کام کو، جو فاضل مُصنّف کی وفات کے باعث نامکمل رہ گیا تھا، جس حسن و خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ نے ان اضافی ذمہ داریوں کے لیے، اور یہاں تک کہ لغت نامہ کے لیے اس اثنا میں جتنے بھی مقالے لکھے، ان کا کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا۔ اور تہران یونی ورسٹی کے پروفیسر کے طور پر، جہاں آپ دو دفعہ صدرِ شعبۂ عربی کے طور پر بھی منتخب ہوئے، آپ کو جو تنخواہ اس سے پہلے ملتی تھی، اسی پر اکتفا کرتے رہے۔

ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی مختلف علمی مراکز اور یونیورسٹیوں کی دعوت پر متعدد دفعہ اردن، شام، لبنان، لیبیا، الجزائر، مراکش، سعودی عرب، ترکی اور افغانستان کے دورے کر چکے ہیں۔ ایران سے، انگلستان، فرانس، اٹلی، امریکہ اور چین جانے والے علمی وفود کی رکنیت کا شرف بھی آپ کو حاصل رہ چکا ہے۔ حکومت ایران کی طرف سے عطا ہونے والے مختلف علمی اعزازات کے علاوہ، آپ کو ۱۹۹۴ء میں پیکنگ یونی ورسٹی کی طرف سے، اعزازی ڈاکٹریٹ سے بھی نوازا گیا۔

ڈاکٹر شہیدی کے شاگرد ایران کے علاوہ، بشمول پاکستان و ہند دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کئی دفعہ پاکستان بھی تشریف لا چکے ہیں۔ اس ملک کے ساتھ آپ کی دلچسپی کا ایک سبب آپ کے سسر، مرحوم علّامہ سیّد غلام رضا سعیدی کی پاکستان، اقبال اور قائد اعظم کے ساتھ والہانہ محبت بھی ہے، جنھوں نے ان موضوعات پر نہ صرف متعدد گراں قدر علمی مقالے ایرانی مطبوعات و جرائد میں شایع کیے، بلکہ حیات قائد اعظم پر مشہور انگریز مصنف ہیکٹر بولیتھو (۱) کی کتاب کو بھی انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کر کے ۱۹۵۰ء میں تہران سے شایع کیا۔ ان کے نزدیک قائد اعظم محمد علی جناح ایشیا کے عظیم ترین سیاسی رہنما اور مدبر تو تھے ہی، اگر وہ

اور ان کے جاں نثار رفقا، ہندوؤں کے نوظہور استعمار کے خلاف "بصیرت ، درایت اور استقامت" کا وہ مظاہرہ نہ کرتے جو انھوں نے کیا ، تو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی سرنوشت اسلام کے زوال کے بعد اسپین میں مسلمانوں کی سرنوشت سے مختلف نہ ہوتی۔

ڈاکٹر شہیدی کا شمار موجودہ ایران کے برجستہ ترین اقبال شناسوں میں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں بھی ان کی شخصیت پر علامہ غلام رضا سعیدی کے گہرے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ علامہ سعیدی نے قائد اعظم کی طرح اقبال پر بھی ایک کتاب "اقبال شناسی ہنر و اندیشہ محمد اقبال (تہران ، ۱۹۵۹ء) یادگار چھوڑی ہے، جس میں اس کی غایت تالیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت کا مقصد اسلامی ایرانی معاشرے کے جدید ذہن کے مالک اور روشن فکر جوانوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اور آئندہ نسلوں کی زندگیوں کو عالم مشرق کے اس عظیم مفکر اور دانشور کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالیں ، اور اس بات کو انتہائی فخر اور انبساط کے ساتھ اپنے ذہنوں میں جاگزیں کرلیں کہ اگر اینگلو سیکسن نژاد لوگوں کو شیکسپیر پر ، اہل فرانس کو وکٹر ہیوگو کی ذات پر ، اور جرمنی کے باشندوں کو گوئٹے پر فخر ہوسکتا ہے ، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی معاشرے ، بالخصوص ایران اور پاکستان کے بسنے والے اقبال پر فخر نہ کرسکیں۔

علامہ سعیدی ایک جید عالم دین ہونے کے علاوہ ، فارسی و عربی کے ایک بے باک ، موثر اور صاحب طرز ادیب ، انشا پرداز ، اور مقرر بھی تھے۔ انقلاب ایران کے بعد ، اور اس سے کچھ پہلے خاص طور پر ڈاکٹر علی شریعتی کی اقبال سے شدید ارادت کے باعث اقبال کو ایران میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ لیکن اس سے پہلے کے دور میں جن لوگوں نے اقبال کے پیغام کو سمجھا اور پورے اخلاص کے ساتھ اسے گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی ، ان میں علامہ غلام رضا سعیدی صاحب کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایران کے علمی احوال سے آشنا پاکستانی اہل علم تو بارہا ان کی شخصیت کو قلمی خراج تحسین پیش کرچکے ہیں ، لیکن پاکستان کے علمی اداروں اور حکومت کی طرف سے ان کی خدمات کا رسمی اعتراف ہونا ابھی باقی ہے۔

ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے علمی مقالات عربی زبان میں العمل الاسلامی (نجف) ، منبر الاسلام (قاہرہ) ، الاصالۃ (الجزائر) ، المعرفۃ (دمشق) ، الہادی (قم) ، الفکر الاسلامی اور الاخاء (تہران) میں ، اور فارسی زبان میں دانش ، یغما ، وحید ، گوہر ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی (تہران) ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات (مشہد) ، اور مجلۂ اوقاف میں شایع ہوچکے ہیں۔

ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کا شمار ایران کے انتہائی کثیر التالیف اور پُر کار مصنفین اور اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے آثار کو نوعیت کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تالیفات :۔

۱۔ مہدویت در اسلام ۔ پیرامون نوشتہ ہای احمد کسروی ، اشاعتِ اوّل ، بروجرد ، ۱۳۲۴ شمسی ۔ ۱۹۴۵ء

۲۔ جنایاتِ تاریخ ، جلد اوّل و دوّم ، تہران ، کتاب فروشیِ حافظ ، ۱۳۲۷ شمسی ۔ ۱۹۴۸ء

۳۔ جنایاتِ تاریخ ، جلد سوّم ، تہران ، دفتر (نامہ) فروغِ علم ، ۱۳۲۹ شمسی ۔ ۱۹۵۰ء

۴۔ چراغِ روشن در دنیای تاریک (یا زندگانیِ امام سجّاد) ، تہران ، کتاب فروشی و چاپخانۂ محمّد حسن علمی ، ۱۳۳۵ شمسی ۱۹۵۶ء

۵۔ در راہِ خانۂ خدا ، تہران ، دانش نو ، ۱۳۵۰ شمسی ۔ ۱۹۷۷ء

۶۔ در دیار آشنایان ، تہران ، بمعہ لمعا ، ۱۳۵۸ شمسی ۔ ۱۹۷۹ء

۷۔ پس از پنجاہ سال ، پژوہشی تازہ پیرامون قیام امام حسین علیہ السّلام ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، امیر کبیر ، ۱۳۵۸ شمسی ۔ ۱۹۷۹ء ، اشاعتِ شانز دہم ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۷۲ شمسی ۔ ۱۹۹۳ء

۸۔ شرحِ لغات و مشکلاتِ دیوانِ انوری ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، انجمن آثار ملّی ، ۱۳۵۸ شمسی ۱۹۷۹ء ، انتشارات علمی و فرہنگی ، ۱۳۶۴ شمسی / ۱۹۸۳ء ۔

۹۔ تاریخِ تحلیلیِ اسلام تا پایان امویان ، تہران ، مرکز نشر دانش گاہی ، ۱۳۶۲ شمسی ۔ ۱۹۸۳ء

۱۰۔ زندگانیِ حضرتِ فاطمہ (ع) ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۶۰ شمسی ۔ ۱۹۸۱ء اشاعتِ ہجدہم ، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۱۹۹۳ء ۔

۱۱۔ زندگانیِ علی بن الحسین (ع) ، تہران ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۶۵ شمسی ۔ ۱۹۸۶ء ۔ اشاعتِ پنجم ، ۱۳۷۲ شمسی ۔ ۱۹۹۳ء

۱۲۔ آشنائی با زندگانیِ امام صادق (ع) ، تہران ، جامعۃ الامام الصادق ، ۱۳۶۲ / ۸ شمسی ۔ ۱۹۸۳ء

۱۳۔ عرشیان ، نشر مشعر ، قم ، ۱۳۷۱ شمسی ۔ ۱۹۹۲ء ۔

۱۴۔ شرحِ مثنوی شریف ، تہران ، انتشارات علمی و فرہنگی ، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۹۴ء ، جلد چہارم (دنبالہ کار ۳ جلد مرحوم فروز انفر)

۱۵۔ از دیروز تا امروز ، مجموعۂ مقالہ ہا ، بہ کوشش حرمز ریاحی و شکوفہ شہیدی ، تہران ،

انتشارات قطره، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۹۴ء

تصحیح و تعلیقِ متون:۔

۱۔ آتشکدۂ آذر اثر لطف علی بیگ آذر بیگدلی، تصحیح و مقدمہ و فہرست و تعلیقات، تہران، موسسہ نشر کتاب، ۱۳۳۷ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۵۸ء۔

۲۔ درّۂ نادرہ، اثر میرزا محمدی خان استرا بادی، اشاعتِ اوّل، تہران، انجمن آثار ملی ۱۳۴۱ شمسی / ۱۹۶۲ء، انتشارات علمی و فرہنگی، ۱۳۶۶ شمسی / ۱۹۸۷ء۔

۳۔ براہین العجم، اثر محمد تقی سپہر، حواشی و تعلیقات، تہران، دانشگاہ تہران، ۱۳۵۱ شمسی / ۱۹۷۲ء۔

تراجم:۔

۱۔ ابو ذر غفاری، نخستین انقلابی اسلام، بی تا، ۱۳۲۰ / ۱۹۴۱ء۔ اشاعت سوم، تہران، نشر سایہ، ۱۳۷۰ شمسی / ۱۳۹۱ء۔

۲۔ شیرزنِ کربلا۔ اثر بنت الشاطی، بروجرد، ۱۳۳۲ شمسی / ۱۹۵۳ء۔

۳۔ انقلابِ بزرگ، اثر دکتر طہٰ حسین، تہران، موسسہ مطبوعاتی علی اکبر علمی، ۱۳۳۶ شمسی / ۱۹۵۷ء

۴۔ ترجمہ نہج البلاغہ، اشاعتِ اوّل، تہران، سازمانِ انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی، ۱۳۶۸ شمسی / ۱۹۸۹ء، اشاعتِ ششم ۱۳۷۳ شمسی ۱۹۹۴ء۔

مجموعہ:۔

۱۔ محمد خاتم پیامبران، جلد اوّل و جلد دوّم، تہران، حسینیہ ارشاد، ۱۳۴۷ شمسی / ۱۹۶۸ء۔

۲۔ یاد نامہ علامہ امینی، با ہمکاری محمد رضا حکیمی، تہران، ۱۳۵۱ شمسی / ۱۹۷۲ء۔

۳۔ محیطِ ادب ۔ مجموعہ سی گفتار بہ پاس پنجاہ سال تحقیقات و مطالعات سید محمد محیط طباطبائی، باہمکاری حبیب یغمائی، محمد ابراہیم باستانی پاریزی و ایرج افشار، تہران، مجلہ یغما، ۱۳۵۷ شمسی / ۱۹۷۸ء۔

دشتِ علم کی عمر بھر کی بھرپور سیاحی کے باوجود کمال یہ ہے کہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی اپنی رائے اور عقیدے کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے، بلکہ نئی نئی باتیں سیکھنے کی دھن اور علم و ادب اور طلاب کی خدمت کے جذبے سے سرشار اَسّی سال کے سن میں بھی ایک جوانِ سی سالہ کی طرح ہمیشہ کوشاں اور فعّال نظر آتے ہیں۔ آپ جب نجف اشرف سے تہران منتقل ہوئے اور مدرسۂ عالی سپہ سالار میں آپ نے اقامت اختیار کی، تو وہاں دوپہر کے کھانے کے آس پاس مدرسۂ عالی کے اکاؤنٹنٹ مرحوم احمد راد کے دفتر میں اہلِ علم کی ایک محدود سی جماعت جس

میں احمد آرام، علی محمد عامری، حسن مبرہن، استاد مجتبیٰ مینوی، ڈاکٹر محمد معین، ڈاکٹر موسوی بہبہانی، ڈاکٹر احمد مہدوی، استاد شہید مطہری، شیخ عبداللہ نورانی، استاد سید محمد فرزان، شیخ محمد علی حکیم، استاد محیط طباطبائی، حبیب یغمائی، حسین خدیو جم، ڈاکٹر غلام حسین یوسفی، ڈاکٹر ابراہیم تیموری، وحید مازندرانی، اور ڈاکٹر محمدی محقق جیسے علم کے شیدائی شامل تھے۔ مختلف علمی موضوعات پر غیر رسمی تبادلۂ خیالات اور ایک دوسرے سے ملنے کے لیے بلا ناغہ جمع ہوتے اور دو تین گھنٹے کی نشست کے بعد جس میں دوپہر کا کھانا بھی شامل ہوتا اپنے اپنے کاموں پر نکل جاتے، اپنے اس باقاعدہ مجمع کے باعث یہ لوگ اصحاب چہار شنبہ کے نام سے مشہور تھے۔ ڈاکٹر سید جعفر شہیدی بھی اس جماعت میں شامل ہوگئے۔ انقلاب ایران کے کئی سال بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن، جب بعض احباب کے انتقال اور کچھ کی پیری کے باعث آہستہ آہستہ ان مجالس کا انعقاد ماند پڑنے لگا اور دوسری طرف لغت نامۂ دہخدا۔ ڈاکٹر شہیدی کے انہماک میں اضافہ ہوگیا، تو انھوں نے اپنے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کو سازمان لغت نامۂ دہخدا ہی میں بلا کر ہر بدھ کو ان کی کلاسیں تشکیل دینا شروع کر دیں۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نئے طلبہ و طالبات کا آنا تو خیر فطری بات تھی، عماد خراسانی کے اس بیت کے مصداق:

همه خفتند به غیر از من و پروانه و شمع

قصهٔ ما دو سه دیوانه دراز است هنوز

بعض ایسے لوگ بھی جو سالہا سال سے رسماً فارغ التحصیل ہوچکے تھے، وہ مدتوں بعد بھی محض استاد سے استفادے کی غرض سے زندگی کے سارے معمولات چھوڑ کر آپ کے چہار شنبہ کے درس آزاد میں شرکت کے لیے کھنچے چلے آتے۔

نتیجۃً استاد سید جعفر شہیدی کی ہمت سے اصحاب چہار شنبہ کی ایک نئی پود تیار ہوگئی، جس کے تیور بتا رہے ہیں کہ آئندہ کے مجتبیٰ مینوی، محمد معین اور سید جعفر شہیدی انھی کی صفوں سے اٹھیں گے۔ جن تشنگان علم کی پیاس چہار شنبہ کو بھی نہیں بجھتی وہ جمعہ کے روز استاد کے گھر پر پہنچ جاتے ہیں۔

ایران۔ عراق جنگ کے دوران بھی کلاسوں کا یہ معمول جاری رہا، چونکہ استاد کی نظر میں ان حالات میں کلاسوں کی تشکیل سے پہلو تہی کرنا، جہاد سے غفلت برتنے کے مترادف تھا۔ انھی دنوں میں اتفاق سے آپ کو یکے بعد دیگرے دو انتہائی درد ناک ذاتی حوادث کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک طرف آپ کے بھائی وفات پاگئے، اور دوسری طرف یہ اطلاع ملی کہ آپ کے

جواں سال فرزند، احسان، جو شیراز یونی ورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے، میدانِ جنگ میں لاپتہ ہوگئے ہیں۔ استاد کے حوصلے کی داد دیجیے کہ کلاسوں کا حسبِ معمول جاری رہنا تو اپنی جگہ، آپ کے بعض نزدیک ترین رفقاء کو بھی ان حوادث کی کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ بعد میں جب بات نکلی اور بعض احباب نے گلہ کیا کہ آپ نے ذکر تک نہیں کیا، تو آپ کا جواب مختصراً یہ تھا کہ اگر آپ کو پتہ چل بھی جاتا تو آپ کیا کرلیتے، سوائے اس کے کہ آپ بھی خواہ مخواہ میری وجہ سے پریشان ہوتے۔ اسی دوران میں جب آپ کے ایک ہونہار شاگرد، دکتر یداللہ شکری بھی خالقِ حقیقی سے جاملے تو استاد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔ اس موقع کی مناسبت سے آپ نے یہ پُردرد مرثیہ لکھا، خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا:

رہِ سیلابِ سرشک از مژگان باز کنید
سرِ زخم از جگرِ غم زدگان باز کنید

خرمنِ ماہ ز سوزِ نفس آتش بزنید
شررش تا بہ رہِ کاہکشاں باز کنید

خون ز غم در جگر افسرد و گرہ بست بہ دل
گرہش تا کہ نیارد خفقان باز کنید

اشک در دیدہ و خون در جگر از نیست کنون
ز تنِ کوفتہ باری رہِ جان باز کنید

روزنی تا بہ طرب گر کہ گشادہ است ہنوز
بنبید و درِ غم مویہ کنان باز کنید

شمعِ مارا چو فلک کشت ز سقفش بہ قصاص
حلقۂ مشعلِ شعرای یمان باز کنید

دستبردی سرہ ۔ زد حادثہ راہش ببرید
تاکہ آن بستۂ بندِ حدثان باز کنید

آن گلی را کہ بپروردمش از چشمۂ جان
از گزندِ دی و سرمای خزان باز کنید

آن امانت کہ گرفتید چہ کردید، کجاست؟
بہ من آریدش و گردن ز ضمان باز کنید

باری از دفترِ عمرش نتوانید گشود
دفترِ نوحۂ آن زندہ روان باز کنید

دو ایک برس کے بعد ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کی زوجۂ محترمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے پھر اسی طرح غیر معمولی صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن جب آخری وداع کے لیے آپ نے اپنے فرزندوں کو مرحومہ کی قبر کے نزدیک بلایا تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

آپ کی ساری اولاد۔ تین صاحبزادے سیّد حسن، سیّد حسین، سیّد محسن اور ایک صاحبزادی سیّدہ شکوفہ فراغ تحصیل کے بعد انتہائی کامیاب اجتماعی زندگی بسر کر رہی ہے۔ خود آپ نے اپنا آخری اثاثہ رہائش کا مکان اور عمر بھر کی جمع پونجی، ایک عظیم ذاتی کتب خانہ، بھی قوم کے نام وقف کر دیے ہیں، اور زندگی کے ہر لمحے کو کمالِ اطمینان کے ساتھ فروغ علم اور اپنے وطن اور اس کے گرانقدر ثقافتی ورثے کو رونق بخشنے میں صرف کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی عظیم علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر اب تک جو انعامات وغیرہ بھی ملے ہیں، آپ نے ان کو بھی انھی اہداف کو آگے بڑھانے کے لیے صرف کر دیا ہے۔ آپ دس برس تک "موقوفات دکتر محمود افشار" جس کے قیام کا مقصد بھی فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت ہے، انتظامی بورڈ کے چیئرمین رہے، اور اب گذشتہ کئی برس سے "شورای گسترش زبان فارسی در خارج از کشور" اور "انجمن بین المللی استادان زبان فارسی" کی سرپرستی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سازمانِ لغت نامۂ دہخدا کی سربراہی بھی بدستور آپ ہی کے ذمے ہے۔

خلیج فارس کو خلیج عرب کہنے کا مسئلہ ہو یا یونیسکو کے زیر اہتمام لکھی جانے والی مرکزی ایشیا کی تاریخ میں فارسی زبان کے مشاہیر شعراء، رودکی، عنصری، فرخی، خاقانی و نظامی کے انضمام کا موضوع، ان مسائل کے بارے میں ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کے ردِّ عمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اسی طرح عالمی سطح پر فارسی زبان کے احیاء و بقاء کے سلسلے میں ایران کے مرکزی کردار کو تسلیم کرانے میں آپ کسی قسم کی مصلحت اندیشی کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ "انجمن بین المللی استادان زبان فارسی" کا اساسنامہ جب مرتّب ہوچکا، اور اب اس کے پہلے اجلاس کے انعقاد کا مسئلہ زیرِ غور آیا تو کسی طرف سے اس سلسلے میں تاجیکستان کا نام تجویز کیا گیا، اس پر آپ کا دو ٹوک جواب یہ تھا، متولی زبان فارسی حیّ و حاضر است، این جلسہ

باید در تہران باشد و اساسنامہ آنجا نوشتہ شود ۔ جلسہ دوم را ممکن است در تاجیکستان یا افغانستان و یا ہند گذاشت ۔ چنانچہ اس انجمن کا پہلا اجلاس ۳ سے ۵ جنوری ۱۹۹۶ء تک تہران ہی میں منعقد ہوا اور اس کا افتتاح اس وقت کے صدرِ ایران ، ہاشمی رفسنجانی نے کیا ۔

ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسند نا پسند ہوتی ہے اور وہ مختلف موضوعات پر اپنی خاص سوچ رکھتا ہے ۔ فارسی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر شہیدی کا خیال ہے کہ جہاں تک شعریت کا تعلق ہے سعدی کو حافظ پر فوقیت حاصل ہے البتہ ایک فنکار کی حیثیت سے حافظ سعدی سے کہیں آگے ہے اسی طرح وہ انوری کو خاقانی پر ترجیح دیتے ہیں ۔ آپ کے نزدیک شاعر مجبور نہیں کہ کسی ایک بات پر اصل لاتغیر کے طور پر ہمیشہ ثابت قدم رہے ، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شعر کا منشا چونکہ احساس ہے اور احساسات ہر دم متفاوت ہوتے ہیں ۔ پس شاعر کے قول اور سوچ میں تضاد کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اسے دیکھ کر حیران نہیں ہونا چاہیے ۔

مذہبی امور میں بھی ڈاکٹر شہیدی کا اپنا ایک خاص انداز فکر ہے ، جس کا اظہار آپ نے ۱۹۹۱ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں مجمع التقریب کے ایک جلسے میں یوں کیا : " تقریب " سے مقصود مذاہب کے درمیان موجود اختلاف کو ختم کرنا نہیں ، چونکہ یہ اختلاف نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں بھی موجود تھا ، اور اس سے مسلمانوں کی وحدت کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا ۔ پس تقریب سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مختلف مذاہب ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور دوسرے یہ کہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں ان کا موقف ایک ہو ۔

راقم الحروف کو تہران یونی ورسٹی میں دوران تحصیل پانچ سال (۷۳ - ۱۹۶۹ء) تک ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی سے براہ راست تلمذ اور استفاضے کی سعادت حاصل رہی ۔ بالکل سنجیدہ ماحول کو آن کی آن میں کسی لطیفے ، چٹکلے یا پُر معنی جملے اور تبصرے کے ذریعے کشتِ زعفران بنا دیتے اور پھر اگلے ہی لمحے دوبارہ پوری سنجیدگی کے ساتھ موضوعِ زیر بحث کی طرف لوٹ آنے کی جو کیفیت آپ کی کلاسوں کا طرۂ امتیاز تھی ، دیگر دروس میں بہت کم دیکھنے میں آتی ۔ آسٹریلیا میں میرے طویل قیام کے دوران بھی ان سے خط کتابت کا سلسلہ جاری رہا ۔ اور واپس پاکستان آنے پر بھی انھوں نے خاکسار کو اپنی عنایات سے کبھی محروم نہیں رکھا ۔ اب گذشتہ چند سال سے تہران میں ماموریت کے دوران بھی گاہے ماہے علمی مجالس میں ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے اور استاد بدستور شفقت کا اظہار فرماتے

ہیں ۔ آج سے دو سال قبل جب ایران کی وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی کی جانب سے شایع شدہ میری کتاب "ہفت گفتار دربارہ سنائی و عطار و عراقی" کی رونمائی کا اہتمام انجمن آثار و مفاخرِ ملّیِ ایران کی طرف سے کیا گیا تو استاد شہیدی نے ازراہِ لطف اس وقت کے سفیرِ پاکستان در ایران اور ممتاز ایرانی دانشور ڈاکٹر فتح اللہ مجتبائی کے ہمراہ تقریب کی ہیئتِ رئیسہ میں شامل ہو کر اپنے اس ناچیز شاگرد کا سرِ ارادت اپنی عنایات کے بوجھ سے اور بھی جھکا دیا۔

استاد شہیدی فطری طور پر چونکہ بہت کم توقع واقع ہوئے ہیں، ممکن ہے بسا اوقات ان سے مل کر ایک گونہ وارستگی و بے نیازی کا احساس ہو، لیکن در حقیقت ایسا ہرگز نہیں۔ استاد اور شاگرد کا باہمی ربط و ضبط ہو، یا محقّق و قاری کے درمیان تعلق خاطر، آپ کے نزدیک اس سلسلے میں جذبے اور احساس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ان کی موجودگی میں اساتذہ، محققین اور اہل علم کی مادی بہبود کے اقدامات کی بات چھڑی، بلا اس کے کہ آپ انسانی زندگی کے اس اہم پہلو کی اہمیت و افادیت سے انکار کریں، آپ نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا ہے کہ کسی گوشہ گیر صاحب علم کی سادہ سی احوال پرسی، ہسپتال میں صاحب فراش فنکار کی عیادت، کسی شاعر کی ادبی خدمات پر اس کا اظہار تشکّر اور کسی اہل قلم کی زحمات کا معاشرے میں برملا اعتراف بازار علم کو رونق بخشنے کے لیے، ان لوگوں کو مادی تسہیلات فراہم کرنے سے کسی طرح کمتر اہمیت کا حامل نہیں۔ آپ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے اس عاطفی تعلق کی برقراری میں کس قدر کامیاب رہے ہیں اس کا تازہ ترین اظہار پچاس گراں قدر علمی مقالات کا وہ مجموعہ ہے جو آج سے دو تین سال قبل آپ کے ارادت مندوں نے نامۂ شہیدی کے نام سے آپ کو پیش کیا۔

اے ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی ایسے اکابرین علم کے بار بار کے تذکرے کا اثر سمجھ لیں، یا ایرانی حکومت کی بنیادی پالیسی جس کی تشکیل میں یقیناً آپ جیسے ممتاز اہل فکر و اندیشہ کا صلاح مشورہ شامل ہوتا ہے، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایران میں اہل علم کی، غیر ملکی ہوں یا ایرانی، عزت و تکریم، اور تجلیل و تبجیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی۔

سبزۂ خطّ تو دیدیم و ز بستانِ بہشت
بہ طلب کاریِ این مہر گیاہ آمدہ ایم

تہران ۳۰ جون ۱۹۹۸ء

باید در تہران باشد و اساسنامہ آنجا نوشتہ شود۔ جلسۂ دوم را ممکن است در تاجیکستان یا افغانستان و یا ہند گذاشت۔ چنانچہ اس انجمن کا پہلا اجلاس ۲ سے ۵ جنوری ۱۹۹۱ء تک تہران ہی میں منعقد ہوا اور اس کا افتتاح اس وقت کے صدر ایران، ہاشمی رفسنجانی نے کیا۔

ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسند نا پسند ہوتی ہے اور وہ مختلف موضوعات پر اپنی خاص سوچ رکھتا ہے۔ فارسی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر شہیدی کا خیال ہے کہ جہاں تک شعریت کا تعلق ہے سعدی کو حافظ پر فوقیت حاصل ہے البتہ ایک فنکار کی حیثیت سے حافظ سعدی سے کہیں آگے ہے اسی طرح وہ انوری کو خاقانی پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک شاعر مجبور نہیں کہ کسی ایک بات پر اصل لاتغیر کے طور پر ہمیشہ ثابت قدم رہے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شعر کا منشا چونکہ احساس ہے اور احساسات ہر دم متفاوت ہوتے ہیں۔ پس شاعر کے قول اور سوچ میں تضاد کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اسے دیکھ کر حیران نہیں ہو۔

مذہبی امور میں بھی ڈاکٹر شہیدی کا اپنا ایک خاص انداز فکر ہے۔ جس کا اظہار آپ نے ۱۹۹۱ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں مجمع التقریب کے ایک جلسے میں یوں کیا، "تقریب" سے مقصود مذاہب کے درمیان موجود اختلاف کو ختم کرنا نہیں۔ چونکہ یہ اختلاف نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں بھی موجود تھا، اور اس سے مسلمانوں کی وحدت کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ پس تقریب سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مختلف مذاہب ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور دوسرے یہ کہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں ان کا موقف ایک ہو۔

راقم الحروف کو تہران یونی ورسٹی میں دوران تحصیل پانچ سال (۱۹۹۹ء - ۰۳) تک ڈاکٹر سید جعفر شہیدی سے براہ راست تلمذ اور استفاضے کی سعادت حاصل رہی۔ بالکل سنجیدہ ماحول کو آن کی آن میں کسی لطیفے، چٹکلے یا پُر معنی جملے اور تبصرے کے ذریعے کشت زعفران بنا دیتے اور پھر اگلے ہی لمحے دوبارہ پوری سنجیدگی کے ساتھ موضوع زیر بحث کی طرف لوٹ آنے کی جو کیفیت آپ کی کلاسوں کا طرۂ امتیاز تھی، دیگر دروس میں بہت کم دیکھنے میں آتی۔ ایشیا میں میرے طویل قیام کے دوران بھی ان سے خط کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور واپس پاکستان آنے پر بھی انھوں نے خاکسار کو اپنی عنایات سے کبھی محروم نہیں رکھا۔ اب گذشتہ چند سال سے تہران میں ماموریت کے دوران بھی گاہے ماہے علمی مجالس میں ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے اور استاد بدستور شفقت کا اظہار فرماتے

ڈاکٹر شریف حسین قاسمی:

برِّ صغیر کے مشائخ کی مجالس و آثار میں عطّار کا ذکر

شیخ ابی حامد محمد بن ابی بکر ابراہیم مشہور بہ فرید الدین عطار نیشا پوری چھٹی اور ساتویں صدی ہجری / بارھویں اور تیرھویں صدی عیسوی کے معروف ایرانی شاعر اور صوفی ہیں۔ حالانکہ خود ان کے "تذکرۃ الاولیا" سے بہت سے قدیم صوفیۂ کرام کے حالات زندگی اور ان کے تولد و وفات کے بارے میں بنیادی اطلاعات اخذ کی جاتی ہیں، لیکن خود عطّار کی تاریخ تولد اور وفات سے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق عطّار چھے شعبان ۵۳۰ھ / ۱۱۳۶ء یا ۵۴۰ ہجری کو نیشا پور میں پیدا ہوئے اور نسبتہً ایک طویل زندگی گذارنے کے بعد ۵۸۹ھ / ۱۱۹۲ء اور ۶۳۲ ہجری کے درمیان کسی وقت فوت ہوئے۔ (۱)

اوائلِ زندگی میں دنیا ان پر غالب رہی، لیکن جلد ہی ایک ایسا وقت آیا کہ عطّار نے دنیوی آلائشوں سے اپنا رشتہ منقطع کرلیا اور عرفان و سلوک کی بے کراں وادی میں قدم رکھا۔ وہ سفر پر نکل آئے۔ شیخ نجم الدین کبریٰ (۲) کی خدمت میں پہنچے، ان سے بیعت ہوئے۔ شیخ مجدّد الدّین (۳) سے بھی کسب فیض کیا۔ اس طرح سیر و سلوک کے عالی مقام پر فائز ہوگئے۔ اس وجہ سے انھیں صوفیہ کے طبقے میں ایک خاص اور اہم مقام حاصل ہے۔ مولانا جلال الدّین رومی (متوفی ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء)، محمود شبستری (متوفی ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی جیسے صوفیۂ عالی مقام نے ان کا احترام سے ذکر کیا ہے اور انھیں ایک عارف کامل، سلوک سے آشنا مرشد اور واصل بہ حق و حقیقت سمجھا ہے۔ مولانا روم ایک بار اپنے والد کے ہمراہ بلخ سے نیشا پور پہنچے اور عطّار کی خدمت میں حاضر ہوئے (۴)۔ مولانا عطّار کو "روح تن عرفان" سمجھتے ہیں (۵)۔ جامی کے بقول ایک سو پچاس سال بعد منصور حلّاج کا نور شیخ فرید الدین عطّار کی روح میں نمایاں ہوا ہے اور اسی نور نے ان کی تربیت کی ہے (۶)۔

مختلف سلسلوں کے ہندوستانی عرفا و مشائخ نے بھی عطّار کو احترام و اعتبار کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ وہ ان کی کتابوں اور تعلیمات سے بہرہ مند ہوئے ہیں۔ عطّار کے آثار و افکار کی

گونج تقریباً ہر بڑے ہندوستانی عارف و صوفی کی مجالس میں سنی جا سکتی ہے۔ ہندوستانی عرفاء کی تالیفات میں عطار کا ذکر اس قدر کثرت سے ملتا ہے گویا ہمارے مشائخ جامی کے اس نظریے کے حامل تھے کہ، عطار کی مثنویات اور غزلیات میں اس قدر اسرارِ توحید، حقایقِ اذواق و مواجید محفوظ ہیں کہ اس طبقے کے کسی دوسرے شخص کے آثار میں نہیں پائے جاتے (۷)۔

ہندوستانی مشائخ کی نگاہ میں عطار ایک حقیقی عارف اور مرشد کامل ہیں۔ ہمارے مشائخ کرام نے اپنی مجالس میں عرفانی موضوعات پر اظہار خیال کرتے وقت عطار کا نہ صرف احترام سے ذکر کیا ہے بلکہ ان کے احوال، تعلیمات اور عرفانی عقاید و افکار کو اپنے وابستگان کی راہنمائی اور خود اپنے طریقۂ سلوک کی تصدیق و تائید کے لیے بیان کیا ہے۔ عطار کی غزلیات ان کا تذکرۃ الاولیا، پند نامہ، منطق الطیر وغیرہ وہ کتابیں ہیں جن کا ہمارے مشائخ نے خاص طور پر مطالعہ کیا اور اپنے اپنے عرفانی ادراکات کی تصدیق کے لیے ان کتابوں سے اخذ و اقتباس کیا اور شواہد پیش کیے۔ اس کی وجہ وہی ہے جسے عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیا میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

> بعد از قرآن و احادیث نبوی صحیح سخن بالای سخن مشائخ طریقت نیست۔ رحمہم اللہ علیہم۔ کہ سخن ایشان نتیجۂ کارہا وحال است، نہ ثمرۂ حفظ و قال و از عیان است نہ از بیان، و از اسرار است نہ از تکرار و از جوشیدن است نہ از کوشیدن، و از علم لدنی است نہ از علم کسبی و از علم ادبی است نہ از جہان علمنی ابی کہ ایشان ورثۂ انبیا اند (۸)۔

ایران اور برِصغیر پاک و ہند میں متعدد دانشوروں نے عطار کے احوال زندگی اور ان کے آثار پر گرانقدر کتابیں اور مقالات تحریر کیے ہیں، لیکن تصوف و عرفان کے موضوع پر برصغیر میں لکھی جانے والی بے شمار کتابوں سے عطار کی زندگی پر جو قابل قدر روشنی پڑتی ہے، وہ ابھی تک منظر عام پر نہیں آئی ہے۔ اس کا امکان ہے کہ عطار کے بارے میں جو اطلاعات برصغیر کے مشائخ کی تصنیفات و تالیفات میں بکھری ہوئی ہیں، وہ ایران کے اس عظیم صوفی اور شاعر کی زندگی کے بعض ایسے گوشوں کو اجاگر کرنے میں مددگار ثابت ہوں جن پر ابھی تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے یا جن کے بارے میں محققین کے درمیان اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔

اس سے پہلے کہ اصل موضوع پر اظہار خیال کیا جائے، یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ ایران میں سلجوقی بادشاہوں کے ہاتھوں پسپا ہونے کے بعد غزنوی خاندان کی حکومت پہلے

غزنی، اس کے اطراف اور پنجاب تک محدود ہو گئی۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ غزنویوں کو صرف پنجاب ہی میں حکومت کرنے پر اکتفا کرنا پڑا۔ ان غزنوی بادشاہوں نے لاہور کو اپنا مرکز قرار دیا۔ اس صورت حال کی وجہ سے لاہور برصغیر پاک و ہند میں فارسی زبان و ادب کا سب سے پہلا عظیم مرکز بن گیا۔ ادبا، شعرا، اور دیگر علما، و صوفیہ کی ایک تعداد غزنوی بادشاہوں کے ساتھ اسی لاہور میں سکونت پذیر اور اپنے اپنے مخصوص میدان میں اپنی طبیعت کے جوہر دکھانے میں مصروف ہو گئی۔ اس ضمن میں تذکرۂ سلاطین آلِ غزنین کا بیان قابل غور ہے کہ:

"جوق جوق تشنگان علوم از سائر بلاد ہند و ولایتہای کاشغر و ماوراء النہر و عراق و بخارا و سمرقند و خراسان و غزنین و ہری و غیر ذلک ازان خیرات منبع متمتع می شدید، چنانکہ یک آبادانی نو در حدود لاہور پدید آمد (۹)۔

اسی وجہ سے لاہور کو "غزنین خورد" کہا جانے لگا تھا۔

مسعود سعد سلمان، ابوالفرج رونی اور نکتی وغیرہ اسی دور کے فارسی شعراء ہیں جن کے کلام سے اس دور کی، حتیٰ کہ سیاسی تاریخ کے بعض اہم پہلوؤں پر بھی گرانقدر روشنی پڑتی ہے (۱۰)۔

سید علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری اسی دور میں ہندوستان تشریف لائے تھے۔ یہی وہ دور ہے جب ایران سے مختلف عرفا، نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ چشتی اور سہروردی سلسلوں کے مشائخ اسی دور میں ایران کے مختلف علاقوں سے ہندوستان آئے اور تبلیغ اسلام اور اپنے اپنے سلسلوں کی ترویج میں منہمک ہو گئے۔

کچھ عرصے بعد ایران اور عالم اسلام کے دوسرے علاقوں پر چنگیزی بربریت نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ ان علاقوں میں رہنا مشکل ہو گیا۔ اس وجہ سے علما، دانشور، عرفا، شعراء اور ادبا، وغیرہ کے علاوہ اہل حرفہ اور عام لوگوں کے ایک جم غفیر نے ہندوستان کا رخ کیا جہاں حالات نسبتاً پرسکون تھے اور جو منگولوں کے مظالم سے اس وقت محفوظ نظر آ رہا تھا۔ باہر سے آنے والے ان افراد کی وجہ سے صرف دہلی میں کیا صورت حال پیدا ہو گئی تھی، اس کا نقشہ عصامی نے اپنی مثنوی فتوح السلاطین میں جو آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کی تالیف ہے، ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

رسیدند در دہی ز ملک عرب	بسی سیدان صحیح النسب
بسی نقشبندان اقلیم چین	بسی کاسبان خراسان زمین
بسی زاہد و عابد از ہر بلاد	بسی عالمان بخارا نژاد

ز ہر شہر و ہر اصل سیمین بران　　ز ہر ملک و ہر جنس صنعت گران

بسی اہلِ دانش ز ہر مرز و بوم　　حکیمانِ یونان ، طبیبانِ روم

چو پروانہ بر نورِ شمع آمدند　　دران شہرِ فرخندہ جمع آمدند (۱۱)۔

بہرحال ایران وغیرہ سے ان آنے والے افراد میں ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں تھی جو ایرانی عرفا، وغیرہ سے واقف تھے ۔ ان کے حالات کا انھیں اندازہ تھا ، وہ ان کی تعلیمات سے بہرہ مند اور ان کے ارادت مند تھے۔ ہندوستان میں ان واقف کار حضرات نے متعلقہ عرفا، و مشائخ کا تعارف کرایا جو ہمارے صوفیہ کی تالیفات میں محفوظ ہے اور جسے معتبر سمجھا جاناچاہیے۔ بعض اوقات یہ اطلاعات نہایت اہم نظر آتی ہیں ، چوں کہ یہ اپنی نوعیت اور کمیاب قسم کی اطلاعات ہیں اور ایرانی عرفا، کی شخصیت کو مکمل طور پر سمجھنے میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔

برّصغیر کو یہ فخر حاصل ہے کہ فارسی شعراء کا اولین تذکرہ "لباب الالباب" عوفی نے اسی سر زمین پر ۶۱۸ھ میں مرتب کیا۔ عوفی نے اپنے اس تذکرے میں عطّار کا تعارف کرایا ہے (۱۲)۔ اس طرح عطّار کو خود ان کی زندگی میں نہ صرف برّصغیر پاک و ہند بلکہ تمام دنیاے تصوف اور جہان ادب فارسی میں روشناس کرانے کا سہرا محمدؐ عوفی کے سر ہے ۔ اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ عطّار کے بارے میں جو کچھ ہمارے عرفا، کی تصنیفات و تالیفات میں درج ہے ، وہ صرف لباب الالباب کی اطلاعات پر مبنی نہیں ۔ برّصغیر کے مشائخ نے عطّار کے آثار کا بلا واسطہ مطالعہ کیا اور اس طرح عطّار کے بارے میں ان کی دوسری اطلاعات اس امر کا ثبوت ہیں کہ وہ عوفی سے کہیں زیادہ عطّار سے واقف تھے ۔ عطّار کے بارے میں برّصغیر کے مشائخ کا ماخذ صرف وہ کتابیں نہیں جن میں عطّار سے متعلق اطلاعات فراہم کی گئی ہیں بلکہ وہ روایات بھی ہیں جو ایسے حضرات کے ذریعے ان تک پہنچی ہیں جو ایران سے مستقل برّصغیر آتے رہتے تھے اور برّصغیر کے مشائخ کی خانقاہیں غریب الوطنی میں ان کی بہترین پناہ گاہیں ہوتی تھیں اور جہاں وہ عطّار اور دیگر ایرانی مشائخ کے بارے میں اپنے اپنے مشاہدات بیان کرتے تھے ۔ ان ایرانیوں میں ظاہر ہے بعض ایرانی عرفا، کے پیرو کار بھی رہے ہوں گے ، بعض کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل رہا ہوگا ، ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے ہوں گے اور یا پھر انھوں نے ایسے حضرات اور ذرائع سے ایرانی مشائخ کے بارے میں اطلاعات حاصل کی ہوں گی جو ایران کے اہل طریقت سے وابستہ رہے ہوں گے ۔ بہرحال ایرانیوں نے جو اطلاعات

ایرانی مشائخ کے بارے میں ہم پہنچاتی ہیں وہ زیادہ تر خود ان کے اپنے مشاہدات اور یا پھر ایسی روایات پر مبنی ہیں جو خود ان کے دور میں ایران میں رائج تھیں ۔ ظاہر ہے کہ انھیں بے بنیاد قرار دے کر، ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بھی ایک دلچسپ حقیقت ہے کہ برصغیر کے مشائخ کی مجالس اور ان کی تصانیف میں ایران کے تقریباً تمام مشہور مشائخ اور اہل طریقت کی کتابوں سے نقل و اقتباس کیا گیا ہے۔ اس امر سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ہمارے مشائخ نے اپنے اپنے سلسلوں کی تکمیل، اپنے افکار کی تائید اور تصدیق اور اپنے سلسلوں کی ترویج کے لیے تصوف کے مختلف دبستانوں سے خوشہ چینی کی ہے ۔ نور العلوم تالیف ابوالحسن خارقانی (متوفی ۴۲۴ھ / ۱۰۳۳ء)، نور المریدین معروف بہ شرح تعرف تالیف ابوابراہیم مستملی بخاری (متوفی ۴۳۴ھ / ۱۰۴۲ء)، رسالۂ امام ابوالقاسم قشیری (متوفی ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ء)، سخنانِ شیخ ابو سعید ابی الخیر (متوفی ۴۴۰ھ / ۱۰۴۹ء)، خواجہ عبداللہ انصاری (متوفی ۴۸۱ھ / ۱۰۸۸ء) کی مختلف تصانیف ، تمہیدات عین القضات ہمدانی (مقتول ۵۲۵ھ / ۱۱۳۰ء)، آداب المریدین تالیف استاد نجم الدین کبریٰ معروف بہ شیخ ولی تراش (مقتول ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء)، سنائی مشہدی (متوفی ۵۲۵ھ / ۳۱-۱۱۳۰ء)، کی تصانیف ، مولانا جلال الدّین رومی (متوفی ۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ء)، کی مثنوی اور غزلیات، نجم الدّین دایہ (متوفی ۶۶۵ھ / ۱۲۶۶ء)، کی مرصاد العباد، سیف الدّین باخرزی (۶۵۹-۵۸۶ / ۱۱۹۰-۱۱۶۰ء)، کا رسالہ ، عطّار کی منظوم و منثور تصانیف، سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ / ۱۲۹۲ء) کی کتابیں ، حافظ شیرازی (۷۲۹ھ - ۷۹۲ھ / ۱۳۹۰-۱۳۲۹ء) کی غزلیات اور عراقی ، جامی وغیرہ کے آثار ہمیشہ مشائخ برصغیر کے مطالعے میں رہے ہیں اور ان صاحبانِ طریقت نے ان سے استفادہ اور استناد کیا ہے ۔

عطّار کی زندگی ، ان کی تعلیمات اور عرفانی عقائد کے بارے میں ہندوستانی مشائخ کے آثار میں جو اہم اشارے مندرج ہیں ، ذیل میں ان پر اظہار خیال کیا جا رہا ہے ۔

شیخ شرف الدّین بو علی قلندر ہریانا کے شہر پانی پت میں ۶۰۲ھ / ۱۲۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ خود ان کے والد فخر الدّین بھی ایک صوفی تھے ۔ نواحِ کرمان میں پیدا ہوئے تھے ۔ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد شاہ محمد کرمانی کے حلقہ ارادت میں شامل ہوگئے۔ ان کے ایک لڑکے نظام الدین اوائل جوانی میں ہندوستان آگئے اور پانی پت میں مقیم ہوگئے تھے ۔ بو علی قلندر کے والد اپنے خاندان کے ہمراہ اپنے لڑکے سے ملنے ہندوستان آئے اور یہیں کے ہو رہے ۔ پانی پت میں مستقل قیام اختیار کیا ، جہاں ان کا ساتویں صدیؒ کے اوائل میں انتقال ہوا ۔ شیخ شرف الدّین

بو علی قلندر کو تصوف کا ذوق اپنے والد سے ورثے میں ملا تھا۔ بو علی قلندر نے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک مدت تک مسجد قوۃ الاسلام میں درس دیا اور ایک روایت کے مطابق آپ یہاں وعظ و تذکیر میں بھی مشغول رہے۔ بعض قرائن اور روایات کی بناء پر کہا جاتا ہے کہ ـ خواجہ قطب الدّین بختیار کاکی اوشی (متوفی ۶۳۳ھ / ۱۲۳۵ء) یا سیّد خضر رومی قلندر یا سیّد نوی قلندر سے بیعت تھے۔ خود بو علی قلندر نے اپنے ایک رسالے میں یہ اطلاع بھی فراہم کی ہے کہ انھوں نے بلا واسطہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روحانیت سے کسب فیض کیا ہے۔

> ای برادر: بدان کہ مرا امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ علم حقیقت و علم قیل و قال بیا موزانید، از و روحانیت یافتم (۱۳)۔

بو علی قلندر نے عالم اسلام کے بعض علاقوں کا سفر اور مشائخ و علماء سے کسب فیض کیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اپنے سفر کے دوران یہ قونیہ پہنچے اور شیخ شمس الدّین تبریزی (متوفی ۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ء) اور مولانا جلال الدّین رومی کی خدمت بابرکت سے فیض یاب ہوئے۔ آپ کا انتقال ۷۲۴ھ / ۱۳۲۳ء میں ہوا۔ آپ کا مزار آج بھی پانی پت میں مرجع خلائق ہے (۱۴)۔

شیخ شرف الدّین بو علی قلندر کے بارے میں قزوینی استر آبادی نے اپنی کتاب بحیرہ میں یہ اہم بات لکھی ہے کہ:

> شیخ عمّار بہ خدمت قطب الاقطاب شاہ مدار عرضہ داشت کرد کہ جوینده کار موحد کی شود فرمان آمد کہ ای عزیز: عجب سوال کردی، درمیان صد ہزار رہرو یکی موحد باشد، چنانچہ گویند چہار کس در راہ خدا قصد کردند، شیخ شرف الدّین پانی پتی و خواجہ احمد غزالی و فرید الدّین عطّار و رئیس الحکماء بو علی، آقا شیخ شرف الدّین بہ قوّت علم خود تا دروازۂ توحید رسید و کشتہ شد و مرشد نداشت کہ درون دروازہ توحیدش برد .... (۱۵)۔

شیخ بو علی قلندر سے متعدد کتابیں منسوب ہیں۔ ان میں ایک مثنوی گل و بلبل (۱۶) بھی ہے جو ۷۱۹ھ / ۱۳۱۹ء کے بعد نظم کی گئی تھی (۱۷)۔ عرفان و اخلاق کے بنیادی اسرار و رموز اس میں بیان کیے گئے ہیں۔

بو علی قلندر نے یہ مثنوی بہ ظاہر مولانا روم کی مثنوی کی پیروی میں نظم کی ہے۔ "گل و بلبل" اور مولانا کی مثنوی بحر رمل مُسدّس محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) میں کہی گئی ہیں اور ان دونوں ہی مثنویوں میں بعض ابیات بحر رمل مسدّس مقصور (فاعلاتن فاعلاتن فاعلان) میں بھی ملتے ہیں۔ دونوں مثنویوں کا آغاز ایسے ابیات سے ہوتا ہے جن میں روح کو خطاب کیا

گیا ہے۔ مثنوی معنوی میں روح کی ترجمانی "نے" کر رہی ہے جب کہ "گل و بلبل" میں "بلبل باغ کہن" روح کی نمائندہ ہے۔ "گل و بلبل" میں درج ذیل ابیات مثنوی معنوی سے ماخوذ ہیں:

مولوی فرمود نشنیدی مگر — سنگ گری بود ، می کردی اثر
ای کمان و تیرہا برساختہ — صید نزدیک و تو دور انداختہ
ہرکہ دور اندازد ، او شد دور تر — وز چنین گنج است او مہجور تر (۱۸)

بو علی قلندر نے اپنی مثنوی گل و بلبل میں مثنوی معنوی کے علاوہ عطّار کی منطق الطیّر سے بھی استفادہ کیا ہے۔ مثنوی گل و بلبل غالباً وہ سب سے قدیم مثنوی ہے جس میں ایک ہندوستانی صوفی نے عطّار کی منطق الطیر کی پیروی کی ہے۔ بو علی قلندر نے مثنوی معنوی کی طرح ، منطق الطیّر سے بھی چند ابیات اپنی اس مثنوی میں شامل کیے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بیت منطق الطیّر سے ماخوذ ہے:

تو مباش اصلا ، کمال اینست و بس — تو درو گم شو ، وصال اینست و بس (۱۹)

اسی طرح "منطق الطیّر" اور "گل و بلبل" کا تقابلی مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ عطّار کی وفات کے تقریباً ستّر سال بعد بو علی قلندر نے اپنی مثنوی گل و بلبل کو نہ صرف منطق الطیر کی ظاہری شکل و صورت میں نظم کیا ہے ، بلکہ عطّار کی اس مثنوی کے بعض مطالب کو بھی عطّار ہی کے اسلوب بیان کے مطابق بیان کیا ہے۔ منطق الطیّر کے درج ذیل ابیات ملاحظہ کیجیے:

مرحبا ! ای ہدہد ہادی شدہ — در حقیقت پیکِ ہر وادی شدہ (۲۰)
مرحبا ! ای طوطیِ طوبیٰ نشین — پوشش حلّہ است و طوقت آتشین (۲۱)
مرحبا ! ای عندلیب باغ عشق — نالہ ای کن خوش ز درد و داغ عشق (۲۲)

گل و بلبل کے درج ذیل ابیات میں بو علی قلندر نے یہی پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے:

مرحبا ! ای بلبلِ باغِ کہن — از گلِ رعنا بگو با ما سخن
مرحبا ! ای ہدہد فرخندہ فال — مرحبا ، ای طوطیِ شکّر مقال
مرحبا ! ای قاصدِ طیّارِ ما — می دہی ہردم خبر از یارِ ما (۲۳)

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء (متوفّی ۷۲۵ھ / ۱۳۲۵ء) بو علی قلندر کے معاصر ہیں۔

چشتی دبستان تصوّف کو ایک خاص نظم و ضبط کے ساتھ برِّصغیر میں متعارف کرانے میں آپ کی خدماتِ جلیلہ روزِ روشن کی طرح واضح ہیں (۲۴)۔ آپ کے ملفوظات "فوائد الفواد" (۲۵) کو برِّصغیر کے مشائخ کے ملفوظات کی تاریخ میں اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ کے یہ ملفوظات سعدیِ ہند حضرت امیر حسن سجزی دہلوی نے مرتّب کیے ہیں۔ فوائد الفواد حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء کے اعلیٰ ادبی ذوق کا ثبوت ہیں۔ آپ نے عطّار کے علاوہ دوسرے ایرانی صوفی یا صوفی مشرب شعراء و ادباء کے آثار کا مطالعہ کیا تھا اور اپنی گفتگو کے دوران آپ ان ایرانی شعراء اور مشائخ کے کلام سے استفادہ فرماتے تھے۔ ابو سعید ابی الخیر، سیف الدّین باخرزی، خاقانی شروانی، حکیم سنائی، سعدی شیرازی وغیرہ وہ ایرانی شعراء و صوفیہ ہیں جن کے اقوال حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء نے اپنی مجالس میں کثرت سے نقل کیے ہیں۔

حضرت خواجہ نظام الدّین نے اپنی ایک مجلس میں شیخ جلال الدّین تبریزی (۲۶) کا ذکر کیا ہے۔ یہ شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے جن کی وفات کے بعد وہ شیخ شہاب الدّین سہروردی (متوفی ۶۳۲ھ / ۱۲۳۱ء) کی خدمت میں پہنچے (۲۷)۔ اس کے بعد ہندوستان منتقل ہوگئے اور اس برصغیر میں سہروردی سلسلے کے بانی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے وابستگی اختیار کرلی۔ شیخ جلال الدّین تبریزی بنگال گئے اور وہاں فوت ہوگئے (۲۸)۔ شیخ جلال الدّین تبریزی نے برِّصغیر میں اپنے معاصر مشائخ سے روابطِ حسنہ برقرار رکھے۔ برِّصغیر کے مشائخ سے گفتگو کے دوران یہ اپنے عینی مشاہدات اور شخصی تجربات بیان کیا کرتے تھے۔ شیخ جلال الدّین تبریزی ایران میں زیادہ معروف نہیں۔ آپ نے عطّار کو نیشاپور میں دیکھا تھا۔ اپنے ذاتی اور عینی مشاہدے کی بنیاد پر شیخ تبریزی نے تصوّف و عرفان کے میدان میں عطّار کے بلند مقام پر فائز ہونے کی تصدیق کی ہے۔ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے یہ پورا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"شیخ جلال الدّین تبریزی طیب اللہ ثراہ خواجہ فرید الدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ را در نیشاپور دیدہ بود۔ گر وقتی باشیخ بہاء الدّین زکریا رحمۃ اللہ علیہ حکایت کرد کہ من خواجہ فرید الدّین عطّار رادیدہ بودم۔ بامن گفت کہ مرا مرد خدا نشان دہ، نتوانستم کہ کسی رانشان دہم۔ شیخ بہاء الدّین چون این بشنید گفت: درین محل چرا از شیخ شہاب الدّین نشان ندادی شیخ جلال الدّین گفت کہ من مشغولی کہ در خواجہ فرید الدّین عطّار دیدم، مشغولی دیگران بہ جنب آن معزولی است" (۲۹)۔

حضرت خواجہ نظام الدّین اولیا نے اپنی ایک دوسری مجلس میں عطّار کے بارے میں ایک تاریخی اہمیت کا واقعہ نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ آپ کو ایک بوڑھے شخص نے سنایا تھا۔ ان بزرگ نے ممکن ہے عطّار کو دیکھا ہو اور ایران پر چنگیزی حملے کے بعد تباہی و بربادی سے بچنے کے لیے ہندوستان کا رخ کیا ہو۔ ظاہر ہے حضرتِ محبوبِ الٰہی کی نظر میں یہ ایک معتبر شخص تھا اور اس وجہ سے آپ نے اس کے یہ الفاظ اپنی مجلس میں دہرائے کہ:

"من خواجہ فرید الدّین عطّار را دیدہ بودم۔ در اوائل حال عظیم پریشان قدم بود" (۳۰)

معلوم ہے کہ خواجہ فرید الدّین عطّار کو اوائل زندگی میں تصوّف و سلوک سے کوئی واسطہ نہیں تھا وہ تو محض ایک عطّار تھے اور اپنے شغل میں مصروف "عظیم پریشان قدم" سے یہی مراد ہے۔ عطّار نے بعد میں تصوف کی طرف رجوع کیا، دنیا اور دنیاداری سے تائب ہوگئے، ریاضت و مجاہدات نے انھیں دنیاے عرفان میں ایک عالی مقام پر فائز کر دیا۔ اسی وجہ سے مذکورہ بزرگ کا درجِ بالا قول نقل کرنے کے بعد خواجہ نظام الدّین اولیا فرماتے ہیں کہ:

"چون عنایتِ حق در آید چنین چیز ہا شود" (۳۱)

خواجہ نظام الدّین اولیا نے منگولوں کے ہاتھوں عطّار کے قتل ہونے کے بارے میں ایک نہایت اہم اطلاع فراہم کی ہے۔ اس ضمن میں آپ نے فرمایا کہ:

او (عطّار) شہید شد و آن چنان بود کہ کفّار (یعنی منگولہا) در نیشاپور رسیدند و او باہفدہ یار بہم مستقبل قبلہ نشستہ بود، منتظر آن کہ کافران بیایند و ایشان را شہید کنند، ہماں زمان کافران در رسیدند و تیغ در نہادند و کشتن آغاز کردند، دران وقت خواجہ فرید الدّین عطّار رحمۃ اللہ علیہ چون دید کہ یاران اورا کشتن گرفتند، دران حال ی گفت: این چہ تیغ قہّاری است و این چہ تیغ جبّاری است، چون اورا کشتن گرفتند، آن زمان ی گفت این چہ کرم است و این چہ مکرمت است و این چہ احسان است (۳۲)

بیشتر تذکرہ نگاروں نے عطّار کے قتل کے بارے میں اسی طرح کی حکایات بیان کی ہیں۔ دولت شاہ سمرقندی کے بقول چنگیزی فتنے کے دوران عطّار کو منگولوں نے گرفتار کرلیا اور قتلِ عام کے وقت یہ بھی شہید کر دیے گئے۔ عطّار کی یہ کوشش رہی کہ انھیں جلد قتل کر دیا جائے (۳۳) دوسرے ماٰخذ میں بھی یہی داستان بعض جزئی تصرفات کے ساتھ بیان کی گئی ہے

۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عطّار کے قتل کے بارے میں یہ روایات نویں صدی ہجری میں عام ہوگئی تھیں ۔ حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے نسبتہً مختلف ہے اور اس پر عرفانی رنگ زیادہ غالب ہے ۔

استاد سعید نفیسی نے منگولوں کے ہاتھوں عطّار کے قتل کو بے بنیاد قرار دیا ہے (۳۴)۔ اس کے برخلاف ہمارے دور کے معروف ایرانی محقّق استاد عبدالحسین زرّین کوب کی نگاہ میں عطّار کے قتل کے سلسلے میں فوائد الفواد میں مندرج اطلاع صحیح اور معتبر ہے ۔ زرّین کوب صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :

درین مجموعہ (فوائد الفواد) کہ شاعرِ دہلی طی پانزدہ سال مصاحبت با شیخ از اقوال وی جمع آوردہ است ، بہ سبب آن کہ مبنی بر مشہودات و مسموعات خواجہ نظام الدّین اولیاء و غالباً متضمن مطالب جالب و قابل اعتماد است ، یک جا بہ مناسبت اشارت بہ حیات عطّار در زمان واقعۂ تتار دارد ، وجای دیگر ضمن اشارت بہ شیخ جلال الدّین تبریزی کہ شیخ عطّار را ملاقات کردہ بود ، واقعۂ شہادت اورا بر دست تتار تصریح می کند واین نکتہ برای اثباتِ شہادتِ شیخ بر دستِ تتار کافی است (۳۵)۔

دس ربیع الاول ۷۰۹ھ (۱۳۰۹ء) بروز ہفتہ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے اپنی خانقاہ میں ایک مجلس منعقد کی ۔ اس مجلس میں آپ نے دعا ، اس کی اہمیت ، مناسبت اور استجابت کے بارے میں فرمایا کہ : دعا قبل از نزول بلا می باید کرد (۳۶)۔ فوائد الفواد میں حسن سجزی دہلوی نے لکھا ہے کہ خواجہ صاحب نے اس سلسلے میں عربی میں بھی ایک جملہ ارشاد فرمایا جس کا مفہوم حسن سجزی کے بقول یہ تھا کہ :

بلا چون نازل می شود ، دعا از فرد بالا می رود و ہر دو در ہوا یک جا متعارض می شوند ، اگر دعا را قوتی باشد ، بلا را باز گرداند و اگر نہ بلا فرود می آید (۳۷)

بلا و دعا کے بارے میں اس منطقی وضاحت کے بعد حضرت خواجہ صاحب نے نیشا پور پر منگولوں کے حملے ، غارتگری اور اس تاریخی شہر میں عام بربادی و تباہی کے بارے میں ایک حکایت بیان فرمائی اور دعا و بلا کے سلسلے میں اپنے قول کی تصدیق و تائید میں عطّار کی تعلیمات اور عقائد سے استفادہ کیا اور فرمایا : چون بلای مغل بہ نیشا پور رسید ، بادشاہی کہ آنجا بود ، کس بر شیخ فرید الدّین عطّار فرستاد ۔ قدّس اللہ سرّہ العزیز کہ دعا بکن ، او جواب گفت کہ

وقت دعا گذشت، وقت رضا است. یعنی بلای خدا نازل شد، تن به رضا باید داد (۳۸)۔ خواجہ نظام الدّین اولیاء نے عطّار کے اس عقیدے سے مکمل طور پر اتفاق نہیں کیا، بلکہ اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا ہے کہ: بعد از نزولِ بلا ہم دعا باید کرد، اگرچہ بلا دفع نشود، اما صعوبتِ بلا کم شود (۳۹)۔ خواجہ صاحب کے یہ جملے احادیث نبوی کے گہرے مطالعے اور ان کے افہام کا ثبوت ہیں (۴۰)۔

محمّد ملقب بہ امیر خورد کرمانی (۴۱) (متوفی ۷۷۰ھ / ۹۹-۱۳۶۸ء) فرزند سیّد نور الدّین مبارک (متوفی ۱۵ ماہ صفر ۷۳۹ھ / ۱۳۳۸ء) کی سیر الاولیاء کو اس وجہ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں دورِ اوائل کے ہندوستانی چشتی مشائخ کے معتبر حالات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے کہ اگر امیر خورد نے اپنی سیر الاولیاء میں ان صاحبانِ طریقت و حقیقت کے احوال بیان نہ کیے ہوتے تو متعدد چشتی مشائخ کے بارے میں ہماری اطلاعات یا تو بالکل مفقود ہوتیں یا ناقص۔ سیر الاولیاء کے مشتملات خود مصنّف کے اپنے عینی مشاہدات اور ان بیانات پر مبنی ہیں جو اس نے اپنے خاندان کے ایسے مختلف حضرات سے سنے تھے جو اس دور کے بیشتر چشتی مشائخ سے نزدیکی روابط رکھتے تھے۔ امیر خورد کرمانی کو جیسا کہ سیر الاولیاء کے مطالعے سے پتا چلتا ہے، فارسی زبان اور اس کے ادب خاص طور پر عرفانی شاعری سے ایک خاص علاقہ تھا۔ انھیں فارسی شعراء کے بے شمار اشعار یاد تھے جنھیں جا بجا ضرورت کے مطابق اور حسب حال سیر الاولیاء میں نقل کیا گیا ہے۔

امیر خورد کرمانی خواجہ نظام الدّین اولیاء کے عرفانی اخلاق کی وضاحت کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ انھوں نے کبھی رازہای دوست کسی پر افشا نہیں کیے اور یہ مصرع آپ کی نوکِ زبان پر رہتا تھا:

مردان ہزار دریا خوردند و تشنہ رفتند

خواجہ صاحب نے تادمِ واپسیں عالمِ صحو میں زندگی بسر کی۔ امیر خورد کرمانی خواجہ صاحب کا یہ وصف بیان کرنے کے بعد عطّار کی درج ذیل رباعی نقل کرتے ہیں جس میں اسی عرفانی امتیاز کو بیان کیا گیا ہے:

عاشقی چیست ترکِ جان گفتن　　　سرّ کونین بی زبان گفتن
راز ہای کہ در دلِ پُر خون ست　　　جملہ از چشمِ خون فشان گفتن (۴۲)

بقول امیر خورد کرمانی حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء نے ایک روز اپنی مجلس میں توبہ

اور اس کی اقسام پر اظہار خیال فرمایا کہ :

توبہ دو نوع است ، توبۂ عوام النّاس و توبۂ خواص ، توبۂ عوام توبہ از گناہ است و توبۂ خواص آنست کہ از ماسوی اللہ توبہ کند و ہمین توبہ سالک راہ حقیقت است ۔ سالک باید در توبہ استقامت داشتہ باشد زیرا کہ استقامت شرط اوّل در سلوک است و این استقامت تنہا با اتباع شریعتِ محمدی بدست می آید ۔

خواجہ صاحب کے اس عقیدے کی ترجمانی کے بعد امیر خورد کرمانی اس کی تصدیق و تائید میں عطّار کے اس بیت سے مدد حاصل کرتے ہیں :

بادید در متابعت مصطفٰی گزین   تا نورِ شرع او شودت بر تو مقتدا (۴۳)

امیر خورد کرمانی حضرت خواجہ نظام الدّین اولیاء کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ انسان کو جہاں عشق میں وسیع توصلے کا حامل ہونا چاہیے تاکہ وہ اسرارِ دوست کے قابل ہوسکے ۔ اس کے بعد وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں ، جس کا مفہوم ہے کہ جو شخص عاشق ہوگیا ، پرہیز گار رہا اور جس نے اپنے عشق کو برملا نہیں کیا اور فوت ہوگیا وہ مقامِ شہادت پر فائز ہوجاتا ہے ۔ امیر خورد کرمانی کے بقول کاملوں اور واصلانِ حق کا بے شک یہی مرتبہ ہوتا ہے ۔ خواجہ صاحب اور خود اپنے اس عقیدے کی تائید کے لیے بھی امیر خورد کرمانی عطّار کے ان دو ابیات کا سہارا لیتے ہیں کہ :

گرمیِ وصلش چو دریا در کشد   مست لا یعقل مشو مخمور باش

گنج وحدت گیر چون عطّار پیش   بس بہ کنجی در شو و مستور باش (۴۴)

حضرت خواجہ صاحب اور امیر خورد کرمانی نے عشق اور اسے پنہاں رکھنے کے لیے جن عقائد کا اظہار کیا ہے ، اس کی بہترین توضیح و تشریح عطّار کے ان ابیات میں مضمر ہے ۔ عطّار کے اشعار کی اس نوعیت کی وضاحت و تشریح ہندستانی مشایخ کے آثار میں جا بجا نظر آتی ہے ۔

خواجہ رکن الدّین بن عماد الدّین دبیر کاشانی شیخ نظام الدّین اولیاء کے خلیفہ خواجہ برہان الدّین غریب کے مرید تھے ۔ آپ نے شمائل الاتقیاء (۴۵) تالیف کی ہے جس میں مختلف عرفانی مسائل اور امور بیان کیے گئے ہیں ۔ عطّار کا تذکرۃ الاولیاء شمائل الاتقیاء کا ایک مأخذ ہے (۴۶) ۔ اس میں رابعہ بصری اور خواجہ حسن بصری کے بارے میں حکایات تذکرۃ الاولیاء ہی سے

ماخوذ ہیں۔ خواجہ رکن الدین نے پیر و مرشد کی پیروی و تقلید پر اصرار کے سلسلے میں عطار کے بارے میں ایک حکایت بیان کی ہے۔ خواجہ رکن الدین کا عقیدہ ہے کہ کمال دید آنست کہ اگر از شیخ قولی یا فعلی در وجود آید کہ آن بہ ظاہر خلاف شریعت و طریقت نماید، مرید باید کہ بد عقیدہ نشود و اعتراض نکند، برکژ بینی و نافہمی خود خجل کند (۳۰) پیر و مرشد کی پیروی کے نظریے کی مزید توضیح و تصدیق کے لیے خواجہ رکن الدین، عطار کی عرفانی زندگی کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں، بہرحال قابلِ غور ہے کہ یہ حکایت ایک دوسرے صوفی سے متعلق ہے اور اسی طرح اس میں عطار کے مرشد کے نام میں بھی اشتباہ ہوا ہے۔ حکایت درج ذیل ہے:

> در آن کہ خواجہ شاوندی را حادثہ چرائیدن خوکان پیش آمد۔ ہزار مرید صاحب سجادہ بدعقیدہ شدند مگر خواجہ فرید الدین عطار کہ ایشان را گفت: چرا موافقت نمی کنید علمائی آن عہد خواجہ فرید الدین را تکفیر کردند کہ در کفر موافقت می نمائی۔ خواجہ گفت: از روی شرع ہمین آید کہ شما می فرمائید۔ فاما در صدقِ ارادت نجات مرید بہ نجات پیر و ہلاکت مرید بہ ہلاکت پیر باید، رباعی

آنجا کہ نصیب خوب کیشان بخشند	قسمی بہ من رند پریشان بخشند
گر نیک ایم مرا از ایشان دانند	ور بد باشم مرا بدیشان بخشند

> دہمہ مریدان خواجہ احمد نظربہ ظاہر شیخ کردند و خلاف امر دیدند، خواجہ فرید عطار بدیدۂ باطن نفاذِ حکم دید و سری و معاملہ ای کہ حق را با شیخ بود، آن معاینہ کرد و موافقت نمود ص ۳۰

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ فخر برصغیر پاک و ہند کو حاصل ہے کہ یہاں فارسی شعراء کا سب سے پہلا تذکرہ لباب الالباب ۶۱۸ھ / ۱۲۲۱ء میں تالیف ہوا، اس میں غالباً سب سے پہلے عطار کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ برصغیر میں ایسے تذکرے بھی بڑی تعداد میں ترتیب دیے گئے ہیں جو مشائخ کے احوال و آثار اور تعلیمات پر مشتمل ہیں۔ ثمرات القدس من الشجرات الانس برصغیر کے مشائخ کا شاید سب سے پہلا عمومی تذکرہ ہے۔ اسے لعل بیگ (متوفی ۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء) نے جو اکبر بادشاہ کے بیٹے شاہزادہ مراد کا بخشی تھا، تالیف کیا تھا۔ مؤلف کے دوست اور منتخب التواریخ کے مصنف عبدالقادر بدایونی کے شاگرد خواص خاں نے اس تذکرے کو آخری شکل دی۔ اس میں چار ابواب میں برصغیر کے ۵۸۹ مشائخ کے حالات جمع کیے گئے ہیں (۳۹)۔

شیخ عبدالحق محدّث دہلوی (متوفی ۱۰۳۰ھ / ۱۶۳۸ء) نے اخبار الاخیار فی اسرار الابرار مرتب کیا جسے برّصغیر کے مشائخ کا ایک نہایت معتبر تذکرہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان دو تذکروں کے بعد اخبار الاصفیاء، گلزار ابرار، سفینۃ الاولیاء، سکینۃ الاولیاء، مراۃ الاسرار، کرامات الاولیاء، سیر الاقطاب وغیرہ اہم تذکرے فارسی میں مرتب کیے گئے۔ ان میں سے بعض تذکروں میں عطار کے تذکرۃ الاولیاء کو نمونہ بنایا گیا ہے اور چند تذکرہ نویسوں نے عطار کے اسلوب نگارش کی پیروی کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔

ذکر جمیع اولیائے دہلی (۵۰) میں دہلی میں مدفون ۲۰۹ عرفاء کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔ حبیب اللہ (متوفی ۱۱۹۰ھ / ۱۷۷۰ء) ابن شیخ جہاں نے اپنا یہ تذکرہ ۱۱۵۰ھ / ۱۷۳۰ء میں مکمل کیا (۵۱)۔ مصنف نے اپنے اس تذکرے کی تالیف میں تذکرۃ الاولیائے عطار کو سر مشق قرار دیا ہے۔ حبیب اللہ نے اس تذکرے کے مقدمے میں اس کی تالیف کی جو وجہ اور سبب بیان کیا ہے، وہ لازمی طور پر عطار کے تذکرۃ الاولیاء سے ماخوذ ہے۔ عطار نے اپنے تذکرے کی وجہ تالیف میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی ہے: عند ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ۔ اور ابو علی دقاق (متوفی ۴۶۰ھ / ۱۰۶۸ء) کا یہ قول بھی پیش کیا ہے: روایت حالات مردان دین دو فائدہ دارد، یکی آن کہ اگر سامع مرید و طالب است، قوی ہمت می گردد و دلش بدان قرار می گیرد۔ اس کے علاوہ عطار اس ضمن میں قرآن حکیم سے یہ آیت بھی نقل کرتے ہیں: وکلا نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوائدک۔

عطار کی پیروی میں حبیب اللہ نے اپنے تذکرے "ذکر جمیع اولیائے دہلی" کی وجہ تالیف کے طور پر پیغمبر اسلام کی روح درج بالا حدیث، ابو علی دقاق کا قول اور قرآن کریم کی یہی آیت اپنے مقدمے میں نقل کیے ہیں۔ اس طرح حبیب اللہ نے یہ کامیاب کوشش بھی کی ہے کہ تذکرۃ الاولیاء میں خواجہ عطار کی مانند عرفاء کے ناموں کے بجائے استعمال کرے۔ عطار نے ہر عارف کے ترجمے کو دو یا تین مسجع و مقفیٰ سطروں سے شروع کیا ہے اور اس طرح اپنے دور کی عام روش کی پیروی میں اپنے ہنر کا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً عطار نے فضیل عیاض کا ترجمہ اس انداز سے شروع کیا ہے: از دو کون کردہ اعراض، پیر وقت فضیل عیاض

حبیب اللہ نے اسی طرز نگارش کی پیروی کی ہے۔ وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے احوال اس مسجع اور مقفیٰ عبارت سے شروع کرتے ہیں:

مقتدای عارفان کامل، پیشوای واصلان اکمل، زبدۂ اولیائی حق گزین، خواجہ قطب الدین۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ تذکرۃ الاولیا میں عطار نے اور ذکر جمیع اولیائی دہلی میں حبیب اللہ نے مسجّع و مقفّیٰ عبارتیں محض ہُنر نمائی اور آرائش نثر کی خاطر نہیں لکھی ہیں، بلکہ ان میں ایک صوفی کی خصوصیات و امتیازات کو ایجاز کے ساتھ بیان کرنے کی دلچسپ کوشش کی ہے۔

شاہ محمد کاظم قلندر علوی نے اپنے مریدوں اور وابستگان کی راہنمائی کے لیے مقالات الصوفیہ (۵۱) تالیف کی ہے۔ مؤلف نے اپنی اس کتاب میں عطار کے تذکرۃ الاولیا، جامی کی نفحات الانس اور رشحات سے استفادہ کیا ہے۔ شاہ محمد کاظم قلندر علوی نے اس کتاب میں بزرگ اور معروف مشائخ کے اقوال و تعلیمات تذکرۃ الاولیائی عطار سے اخذ کیے ہیں۔ شاہ محمد کاظم قلندر علوی کے بیٹے تراب علی کاکوروی نے اپنے والد کی رحلت کے بعد یہ کتاب مکمل کی۔ وہ اپنے مقدمے میں اس کتاب کی کیفیت و ماخذ کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

> این مختصریست مشتمل بر اقوال بزرگان دین و کلام اولیای پیشین، مستنبط از کتاب تذکرۃ الاولیاء و نفحات و رشحات وغیرہ کہ اکثر از آن در ابتدای حال حضرت قبلہ گاہی و کعبہ کماہی موصوف از تذکرۃ الاولیاء برای تعلیم مریدان و تلقین طالبان برچیدہ بودند ...... (۵۲)۔

شیخ عبدالعزیز، چشتی سلسلے کے وہ عظیم المرتبت صوفی ہیں جو "تواضع و انکسار و شکست نفس و حلم و بردباری و صبر و رضا و تسلیم" میں مشائخ سلف کی یادگار تھے (۵۳)۔ آپ نے تقریباً ۷۰ (ستتر سال) طالبان حق کی راہنمائی کی اور چھے جمادی الثانی ۹۷۵ھ / ۱۵۶۷ء کو واصل بحق ہوگئے۔ آپ فصوص الحکم کا درس دیتے تھے۔ درس کے دوران بعض عرفانی مقامات کی وضاحت و تشریح کے لیے آپ عطار کی تحریروں سے شواہد پیش کیا کرتے تھے۔ ایک بار آپ نے اپنی مجلس میں ذکر کے سلسلے میں ارشاد فرمایا۔ ثمرۂ ذکر محبت و انس با حق سبحانہ است و رسیدن بہ حق عزّوجل بغیر ذکر محال، زیرا کہ عشق واسطۂ وصول آمدہ ناچار ذکر برای عشق باید (۵۴)۔

اپنے اس عقیدے کے اظہار کے بعد شیخ عبدالعزیز نے تصدیق و تائید کے لیے عطار کے درج ذیل ابیات پڑھے:

عشق را با کفر و با ایمان چہ کار — عاشقان را لحظہ ای با جان چہ کار

عشق مغزِ کائنات آمد مدام — لیک بنود عشق بی دردِ تمام

قدسیان را عشق ہست و درد نیست — درد را جز آدمی در خورد نیست

هر کرا در عشق محکم شد قدم — بگذشت از کفر و از اسلام هم
ذرّه ای دردِ خدا در دل ترا — به از هر دو جهان حاصل ترا
کفر کافر را و دین دیندار را — ذرّهٔ دردت دل عطار را (۵۵)

حضرت مجدّد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) جہاں تصوف میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ خواجہ باقی باللہ نقشبندی کے خلیفہ ہیں جنھوں نے شہنشاہ اکبر کے دور حکومت میں رشد و ہدایت کی شمع کو روشن رکھا۔ آپ کے صاحبزادگان اور نشین بھی صوفی اور عالم دین تھے اور اپنے والد کے مسلک کو عام کرنے میں مصروف رہے۔ ان کی کوششوں سے ایک بڑی تعداد اس نقشبندی مجددی سلسلے سے وابستہ ہوئی جس کے بانی حضرت مجدّد الف ثانی سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت مجدّد کے ایک بیٹے شیخ محمّد سعید نے اپنے والد اور خود اپنے وابستگان کے تصوّف و سلوک کی بابت مریدوں کے سوالات و خطوط کے جوابات لکھے ہیں۔ آپ کے یہ جوابات مکتوبات سعیدیہ کے نام سے شائع ہوچکے ہیں۔ آپ نے اپنے مریدوں کے سوالات کے جوابات دینے میں عرفانی مسائل و امور کی وضاحت و تشریح کے لیے خواجہ فرید الدّین عطّار کے آثار سے شواہد پیش کیے ہیں اور خود اپنی بات کو سمجھانے کے لیے اور بعض لطیف اور دقیق عرفانی موضوعات کی صراحت کے لیے عطّار کے اقوال و عقاید سے مدد لی ہے۔

شیخ محمّد سعید کے ایک مرید نے ایک سوال کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے اسے لکھا تھا کہ:

> ازین بیان کسی توہم نکند کہ کثرت با وحدت متّحد گشت یا وحدت در کثرت حلول نمود کہ آن بہ اتفاق کفر است زیرا کہ حلول و اتحاد بر تقدیری متصوّر بود کہ وجودات متکثرہ باشد و در وحدت وجود این اوہام مرفوع است (۵۶)

کثرت وحدت کے بارے میں اپنے اس نظریے کے اظہار کے بعد شیخ محمّد سعید اس کی تصدیق میں شیخ فرید الدّین عطّار قدّس سرّہ کا درج ذیل بیت نقل کرتے ہیں:

اینجا حلول کفر بود اتحاد ہم — کاین وحدتی است لیک بتکرار آمدہ

برِّصغیر کے مایۂ ناز محدث اور عالم دین شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ - ۱۷۶۲-۳ء) نے اپنے والد شاہ عبدالرحیم (م ۱۱۳۱ھ - ۱۷۱۸ء) کے ملفوظات انفاس العارفین (۵۷) کے نام سے جمع کیے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم اپنی مجالس میں اپنی گفتگو کے دوران عطّار نیشا پوری کے اقوال و

تعلیمات کا حوالہ دیتے تھے ۔ ایک بار آپ نے اپنی ایک مجلس میں عطار کا یہ بیت پڑھا :

عشق را با کافری خویشی بود   کافری را مغز درویشی بود

شاہ صاحب مجلس میں اس بیت کے صرف ایک لفظ کی تشریح فرماتے ہیں جس کی وجہ سے اس میں اشکال پیدا ہوگیا ہے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ اس میں کفر کے معنی حسب و نسب اور دیگر اضافی چیزوں کو پوشیدہ رکھنا ہے ۔ اس صراحت کے بعد اس بیت میں کوئی مشکل نہیں رہ پاتی ۔ آپ عطار کے اس بیت

باایں ہمہ نزدیکی جانان چہ بسی دوری   در عینِ وصالِ تو گشت ایں ہمہ مہجوری

کی تشریح بھی اس طرح فرماتے ہیں کہ :

"رسیدن بہ سعادت (یعنی وصال بہ حق) ہماں طور مشکل است کہ حصول ہویت ذاتیہ با سیر مستطیل وگرنہ حق سبحانہ نزدیک تراز شہ رگ انسانہاست"

شاہ فخرالدّین (م ۱۲۶۲ھ - ۱۸۳۶ء) انیسویں صدی کے وہ معروف اور بلند مقام عارف ہیں جنھیں چشتی سلسلۂ تصوف کا مجدّد کہا جاتا ہے ۔ آپ کو مثنوی معنوی اور دیوانِ حافظ سے ایک خاص تعلق خاطر تھا ۔ اسی وجہ سے آپ اپنی مجالس میں ان دونوں فارسی کتابوں سے ابیات و اشعار نقل ، اور ان کی شرح و وضاحت فرمایا کرتے تھے ۔ آپ مولانا روم کا عرس بھی کیا کرتے تھے اور اس عرس کے موقع پر کسی نے نواز کو دعوت دیتے کہ وہ نے بجائے (۵۸)۔ آپ نے ایک بار اپنی مجلس سماع میں اپنے ایک مرید مرزا ظریف بیگ کو حکم دیا کہ وہ عطار کی مثنوی منطق الطّیر سے چند ابیات مثنوی مولوی کی طرز پر خوش الحانی سے پڑھے تاکہ حاضرینِ مجلس محظوظ ہوسکیں اور فائدہ حاصل کرسکیں ۔ حاضرینِ مجلس پر منطق الطّیر کی ابیات نے وجد کا عالم طاری کر دیا (۵۹)۔ افسوس یہ ہے کہ منطق الطّیر کی جو ابیات اس مجلسِ سماع میں پڑھی گئیں وہ کسی ماخذ میں نقل نہیں کی گئی ہیں ۔

آخر میں عرض کر دینا ضروری ہے کہ برصغیر کے تقریباً تمام عظیم عرفاء و مشائخ نے شیخ فریدالدّین عطّار کے مناقب و مقامات و تعلیمات پر کسی نہ کسی انداز سے گفتگو کی ہے ۔ جس کا مکمل جائزہ لینا ایک مقالے کی حدود سے تجاوز ہوگا ۔ اس لیے فی الحال اس اجمالی تبصرے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔

حواشی

(۱) عطّار کے سال رحلت میں اختلاف ہے۔ استاد سعید نفیسی نے عطّار کی تاریخ وفات دہم جمادی الآخر، ۶۲۰ ہجری متعین کی ہے جو جامی نے نفحات الانس میں لکھی ہے۔ ر۔ک جستجو در احوال و آثار فرید الدّین عطّار نیشاپوری، ص ۹۰۔ اس کے بر خلاف استاد عبدالحسین زرّین کوب کا خیال ہے کہ عطّار کی وفات کو ۶۱۸ ھ میں متعین کرنا زیادہ صحیح ہے۔ ر۔ک، جستجو در تصوف ایران، ص ۲۶۹

(۲) احمد خیوقی کے بیٹے شیخ نجم الدّین عمر معروف بہ کبریٰ، کبروی سلسلۂ تصوف کے بانی ہیں۔ آپ نے چند صاحبان معرفت عرفا کی تربیت کی۔ مفصل حالات کے لیے ر۔ک: نفحات الانس، ۴۱۹

(۳) مجد الدّین ابو سعید شرف بن مؤید بن محمّد بن ابوالفتح بغدادی چھٹی صدی کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل کے معروف صوفی ہیں۔

(۴) تفصیل کے لیے ر۔ک: نفحات الانس ۹۹، اور رسالہ در تحقیق احوال مولانا جلال الدّین رومی ۱۸۰

(۵) مولانا روم سے منسوب یہ شعر معروف ہے۔

عطّار روح بود و سنائی دو چشم او   ما از پی سنائی و عطّار آمدیم

(۶) نفحات الانس ۵۹۹

(۷) ایضاً ص ۶۰۰۔ فیضی نے اپنے بھائی ابوالفضل سے عطّار کے "مصیبت نامہ" کے مطالعے کی سفارش کی تھی اور لکھا تھا کہ: خیلی از اذواق و مواجید در آنجا درج است، انشای فیضی، ص ۳۱۷

(۸) تذکرۃ الاولیاء، مقدمۂ مصنّف

(۹) بحوالہ مقالہ "ارزش ترویج فارسی در شبہ قارہ" از ڈاکٹر انعام الحق کوثر، مجموعۂ سخن رانیہای نخستین سیمینار پیوستگیہای فرہنگی ایران و شبہ قارہ، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد ۱۹۹۳، ص ۲۸۶ - ۲۸۷۔

(۱۰) تفصیل کے لیے ر۔ک C.E. Bosworth : The Later Ghaznavids ص ۶۳ - ۸۱

(۱۱) فتوح السلاطین ۱۱۴

(۱۲) لباب الالباب ۳۸۰

(۱۳) مثنوی گل و بلبل، مقدمہ ۲۰

(۱۴) بوعلی قلندر کے مفصل حالات زندگی کے لیے ر.ک : اخبار الاخیار ۱۲۵، مقدمہ مثنوی گل و بلبل۔

(۱۵) بحیرہ ۳۱۶ - ۳۱۷

(۱۶) تصحیح و تحشیہ و مقدمہ از ڈاکٹر ساجد اللہ تفہیمی

(۱۷) مقدمہ گل و بلبل ۳۰

(۱۸) مثنوی معنوی ۱۱۵۷

(۱۹) منطق الطیر ۱۰

(۲۰) ایضاً ۴۳

(۲۱) ایضاً ۴۴

(۲۲) ایضاً ۴۵

(۲۳) گل و بلبل ۷۳

(۲۴) حضرت محبوب الٰہی کی حیات مبارک، تعلیمات اور آثار سے متعلق کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں چند اہم درج ذیل ہیں :
تاریخ مشائخ چشت از خلیق احمد نظامی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء از پروفیسر محمد حبیب، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء— خانقاہ مبارک کی ایک جھلک از پروفیسر نثار احمد فاروقی۔

(۲۵) اس کا فارسی متن اور اردو ترجمہ دہلی سے ۱۹۹۰ء میں شائع ہوا ہے۔

(۲۶) فوائد الفواد ۱۱۳، خیر المجالس ۱۵۱

(۲۷) فوائد الفواد ۱۹۴

(۲۸) اخبار الاخیار ۵۰

(۲۹) فوائد الفواد ۳۲۷

(۳۰) ایضاً ۳۲۸

(۳۱) ایضاً ۳۲۸

(۳۲) ایضاً ۲۲۸۰ امیر خورد کرمانی نے بھی یہ حکایت سیر الاولیاء ص ۸۹، پر بیان کی ہے۔

(۳۳) تذکرۃ الشعراء ۱۸۰، ۱۹۲

(۳۴) جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری ص سط

(۳۵) جستجو در تصوف ایران ۳۶۹۰

(۳۶) فوائد الفواد ۸۰۹

(۳۷) فوائد الفواد ۸۹

(۳۸) ایضاً ۸۹۰ امیر خورد کرمانی نے بھی سیر الاولیاء ص ۶۵۲ پر یہ حکایت نقل کی ہے۔

(۳۹) فوائد الفواد ۸۹

(۴۰) تفصیل کے لیے ر ک - فوائد الفواد کا علمی مقام " ص ۲۳۷ - ۲۵۶

(۴۱) امیر خورد کے احوال زندگی کے لیے خود ان کی سیر الاولیاء ایک معتبر ماخذ ہے۔

(۴۲) سیر الاولیاء ۱۹۳

(۴۳) ایضاً ۵۱۶

(۴۴) ایضاً ۲۶

(۴۵) ایضاً ۵۱۶

(۴۶) شمائل الاتقیا ص ۸۱ وغیرہ

(۴۷) ایضاً ۵۵

(۴۸) ایضاً ۵۵

(۴۹) فہرست نسخ خطی فارسی سالار جنگ میوزیم۔ م ۳۰ ص ۲۶

(۵۰) راقم کی تصحیح و تعلیقات کے ساتھ مولانا آزاد عربک اینڈ پرشین انسٹی ٹیوٹ راجستھان، سے ۱۹۸۸ء میں شایع ہوا ہے۔

(۵۱) اس تذکرے کے بارے میں مفصل اطلاعات کے لیے ر ک : مقدمہ مرتب ۔ ذکر جمیع اولیای دہلی

(۵۲) مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ (سال طباعت ندارد)

(۵۳) مقالات الصوفیہ ۲

(۵۴) ایضاً ۱۳۹

(۵۵) ایضاً ۱۳۸ - ۱۳۹

(۵۶) ایضاً ۱۳۹

(۵۷) مکتوبات سعیدیہ ۸۰

(۵۸) مطبوعہ مجتبائی پریس، ۱۳۳۵ھ

(۵۹) ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی ۱۸۸

(۶۰) ایضاً ۱۸۸

فہرست مراجع

اخبار الاخیار فی اسرار الابرار : شیخ عبدالحق محدث د، کتب خانہ رحیمیہ، دیو بند (سال طباعت ندارد)
انشای فیضی : تصحیح ڈاکٹر اے۔ ڈی ارشد، لاہور، اکتوبر ۷۰
انفاس العارفین : شاہ ولی اللہ دہلوی، مطبع مجتبائی، ۱۳۳۵ھ
تذکرۃ الاولیاء : شیخ فرید الدین عطار نیشا پوری، تصحیح دکتر استعلامی، انتشارات زوار، تہران ۱۳۴۶ش
جستجو در احوال و آثار شیخ فرید الدین عطار نیشا پوری : از سعید نفیسی، کتابفروشی اقبال، تہران ۱۳۲۰ش
جستجو در تصوف ایران : ڈاکٹر عبدالحسین زرین کوب، امیر کبیر، تہران ۱۳۶۷ش
ذکر جمیع اولیای دہلی : حبیب اللہ تصحیح و تعلیقات پروفیسر شریف حسین قاسمی، ۱۹۸۸ء
رسالہ در تحقیق احوال مولانا جلال الدین محمد : استاد بدیع الزمان فروز انفر، تہران، ۱۳۱۵ش
سیر الاولیا : امیر خورد کرمانی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء
شمائل الاتقیا : خواجہ رکن الدین بن عماد الدین۔ اشرف پریس حیدر آباد، ۱۳۴۷ھ
فتوح السلاطین : عصامی، مدراس (ہند)
فوائد الفواد : امیر حسن علاء سجزی دہلوی۔ متن و اردو ترجمہ از حسن ثانی نظامی، اردو اکادمی، دلی ۱۹۹۰ء
فوائد الفواد کا علمی مقام : مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی، دارہ رحمت عالم، دہلی ۱۹۹۴ء
فہرست نسخ خطی فارسی، سالار جنگ میوزیم (انگریزی) : محمد اشرف، حیدرآباد، دکن ۱۹۸۰ء
کلمات الصادقین : محمد صادق دہلوی، تصحیح ڈاکٹر محمد سلیم اختر، مرکز تحقیقات فارسی ایران، پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۸ء

لباب الالباب ؛ محمدؐ عوفی ، تصحیح استاد سعید نفیسی ، تہران ۱۳۳۵ش
مثنوی گل و بلبل ؛ ابو علی قلندر ، تصحیح ڈاکٹر ساجد اللہ تفہیمی ، مقبول اکادمی ، لاہور ، ۱۹۸۹ء
مثنوی مولانا روم ؛ جلال الدین محمدؐ ، تہران ۱۳۵۰ش
مقامات الصوفیہ ؛ شاہ محمدؐ کاظم قلندر علوی ، نولکشور ، لکھنؤ (سال طباعت ندارد) ۔
منطق الطّیر ؛ شیخ فرید الدّین عطّار ، تہران ۱۳۱۹ش
مکتوبات سعیدیہ ؛ تصحیح حکیم عبدالمجید احمد سیفی ، مکتبہ حکیم سیفی ، لاہور (سال طباعت ندارد)
ملفوظات و حالات شاہ فخر دہلوی (ترجمہ اردو فخر الطّالبین و مناقب فخریہ) بکوشش میر نذر علی درد کاکوروی ، سلمان اکادمی ، کراچی (سال طباعت ندارد)
نفحات الانس ؛ مولانا عبدالرحمن جامی ، تصحیح و مقدّمہ و پیوست مہدی توحیدی پور ، کتاب فروشی محمودی ، ایران۔
The Latter Ghaznavids: C.E Bos worth, Columbia University Press, New York, 1977

زاہد منیر عامر:

سیّد محمد میر سوز: سالِ ولادت کی تحقیق

شعراء کے قدیم تذکرے یوں تو تاریخِ ادب کا نہایت اہم مأخذ ہیں لیکن ان میں قدیم روشِ تصنیف کے مطابق احوال و کوائف کے اندراج میں سنین و تواریخ کا اہتمام بالعموم نہیں کیا گیا۔ تاہم یہ امر غنیمت ہے کہ انھی تذکروں کے بیانات کی مدد سے ہم بعض تاریخیں اور سنین دریافت کرسکتے ہیں۔

اٹھارہویں صدی عیسوی / بارھویں صدی ہجری کے نہایت اہم شاعر سیّد محمد میر سوز کا ترجمہ کم و بیش ہر اہم تذکرے میں موجود ہے لیکن مذکورۂ بالا روشِ عام کے مطابق ان کے احوال و کوائف سے متعلق سنین و تواریخ کسی تذکرے میں نہیں ہیں۔ یہی حال ان کے سنہ ولادت کا ہے۔

چوں کہ اس زمانے میں قطعۂ تاریخ وفات کہنے کا رواج عام تھا اس لیے سوز کی وفات پر بھی شعراء نے قطعات تاریخ کہے۔ ان قطعاتِ تاریخِ وفات کی مدد سے سوز کے سنہ ولادت تک پہنچنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ درست سنہ دفات کے ساتھ اگر عمر کا بھی صحیح اندازہ ہو تو صحیح سال ولادت معلوم بھی کیا جاسکتا ہے۔

سوز کا سال دفات ۱۲۱۳ھ / ۹۹-۱۷۹۸ء ہے جیسا کہ ان کی وفات پر ان کے معاصرین قلندر بخش جرأت اور شاہ کمال کے کہے ہوئے قطعاتِ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔

جرأت: کہی جرأت نے رو کے یہ تاریخ
داغ اب سوز کا لگا دل کو

۱۲۱۳ھ

شاہ کمال: طبعِ من چون الم کشید کمال
گفت تاریخ "سوز سوخت دلم"

۱۲۱۳ھ

البتہ سوز کے ایک اور معاصر شاعر امام بخش ناسخ کے مصرعۂ تاریخی سے اس سنہ (۱۲۱۳ھ) میں شبہہ پیدا ہوا ہے؟ ناسخ کا قطعہ تاریخ یوں نقل ہوا ہے:

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے ہائے صاحب کمال واویلا

سالِ تاریخ ہے یہی ناسخ شاعرِ بے مثال واویلا

"شاعرِ بے مثال واویلا" سے ۱۲۰۸ برآمد ہوتا ہے۔ اس پر تعجب کیا گیا ہے۔ اظہار تعجب کرنے والوں میں فائق رام پوری (۱) اور ظہیر احمد صدیقی (۲) شامل ہیں۔ لیکن ناسخ کی لفظیات اور خاص طور سے قطعات تاریخ میں ان کی بوالعجبیاں مدّنظر ہوں تو یہ تعجب جاتا رہتا ہے۔ حقیقت حال یہ ہے ناسخ نے قطعات تاریخ وفات میں واویلا، مصیبتا وا حسرتا وغیرہ الفاظ ہائے ہوز کے اضافے کے ساتھ بھی استعمال کیے ہیں مثلاً مرزا قتیل کی تاریخ وفات (۱۲۳۵ھ) یوں نکالی ہے:

لختِ دلِ والدین اے واویلاہ ۱۲۲۵ھ (۳)

مرزا مغل سبقت کا مصرع تاریخی یوں کہا ہے:

شد میرزا سے ماز جہاں وا مصیبتاہ = ۱۲۳۲ (۴)

ان دونوں تاریخوں میں سے واویلاہ اور مصیبتاہ سے ہائے ہوز خارج کر دی جائے تو سالِ وفات غلط ٹھہرتا ہے۔ یہی حال میر سوز کی وفات پر کہے ہوئے ناسخ کے مصرع تاریخی کا ہے یعنی ناسخ کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ وفات دراصل یوں ہے:

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے ہائے صاحب کمال واویلاہ

سالِ تاریخ ہے یہی ناسخ شاعرِ بے مثال واویلاہ

۱۲۱۳ھ

"شاعرِ بے مثال واویلا" کے اعداد ۱۲۰۸ھ ہیں۔ ان میں "ہ" کے ۵ عدد جمع کرنے سے جواب ۱۲۱۳ھ آتا ہے جو سوز کا معلومہ سنہ وفات ہے۔ یوں ناسخ کے قطعے سے کسی الگ سنہ وفات کی اطلاع نہیں ملتی بلکہ ناسخ کا قطعۂ تاریخ بھی جرأت اور شاہ کمال کے بیان کردہ سنہ کی تصدیق کرتا ہے۔

یہ امر واضح ہوجانے کے بعد کہ سوز کے سال وفات ۱۲۱۳ھ میں کوئی اختلاف نہیں بظاہر سوز کی عمر کی مدد سے ان کا سال ولادت آسانی معلوم ہو جانا چاہیے لیکن دشواری یہ ہے کہ سوز کی عمر کے بارے میں بہت مختلف بیانات پائے جاتے ہیں مثلاً

- محمد حسین آزاد نے سوز کی عمر ستّر برس قرار دی ہے (۵)

● مصحفی کا بیان ہے : "عمرش از ہشتاد متجاوز خواہد بود" (۶)

● بینی نرائن جہاں (۷) سعادت خاں ناصر (۸) عبدالغفور خاں نساخ (۹) اور نور الحسن خاں (۱۰) ان کی عمر اسّی ۸۰ برس قرار دیتے ہیں۔

ظاہر ہے بیک وقت ان تمام بیانات کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ ان میں حقیقت کہاں پوشیدہ ہے۔ یہ جاننے کے لیے "مجمع الانتخاب" کا ایک اقتباس ہماری مدد کرسکتا ہے۔ سوز کے دوست شاہ کمال نے اپنے تذکرے کے ترجمۂ سوز میں لکھا ہے :

> "نوز دہ سال ملاقات از فقیر در لکھنؤ ماندہ ۔ عمرش از ہشتاد متجاوز خواہد بود" از مرزا رفیع السّودا مرحوم و مغفور یک سال در عمر زیاد بودند ۔ بفقیر اکثر می فرمودند عرصۂ شش سال می شود کہ از عالم فانی بہ عالم جاودانی ودیعتِ حیات سپردہ " (۱۱)

اس اقتباس سے سوز کے بارے میں بعض بہت اہم اطلاعات فراہم ہو رہی ہیں:

۱۔ سوز اُنیس برس تک لکھنؤ میں رہے۔

۲۔ سوز کی عمر اسّی برس سے زیادہ ہوئی۔

۳۔ سوز مرزا محمد رفیع سودا سے عمر میں ایک سال بڑے تھے۔

۴۔ مجمع الانتخاب میں ترجمۂ سوز کے ادخال کے وقت سوز کی وفات پر چھے برس بیت چکے تھے۔

سب سے پہلے سب سے آخری اطلاع : مجمع الانتخاب اپنے مؤلف کی صراحت اور مصرعۂ تاریخ "جنگِ اشعار و مجمعِ ابیات" کے مطابق ۱۲۱۸ھ / ۴-۱۸۰۳ء میں لکھا گیا (۱۲) سوز کا انتقال ۱۲۱۳ھ / ۹۹-۱۷۹۸ء میں ہوا گویا مجمع الانتخاب میں سوز کا ترجمہ لگ بھگ ۱۲۱۹ھ / ۵-۱۸۰۴ء میں داخل کیا گیا۔ یوں بھی سیدھے طریقے سے ۱۲۱۳ + ۶ = ۱۲۱۹ ہی جواب آتا ہے۔

جہاں تک تیسرے نکتے کا تعلق ہے تو بظاہر اس کی مدد سے سوز کا سال ولادت بہت آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے، لیکن در حقیقت ایسا کرنا دشوار ہے، اس لیے کہ سودا کی تاریخ ولادت کے سلسلے میں بھی بہت زیادہ اختلاف رائے پایا جاتا ہے :

۱۔ شیخ چاند نے سودا کا سال ولادت ۱۲۰۶ھ سے قبل سمجھا ہے (۱۳)

۲۔ میر حسن کے بیان سے سودا کا سال ولادت ۱۱۱۵ھ اور ۱۱۱۸ھ کے درمیان معلوم ہوتا ہے (۱۴)۔ قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر شمس الدین صدیقی (۱۶) بھی اسی زمانے کو درست

تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ قاضی عبدالودود نے ایک اور جگہ ۱۱۱۸ھ کے حق میں رائے دی ہے (۱۷) اور ایسا ہی خیال ڈاکٹر خلیق انجم (۱۸) اور ڈاکٹر جمیل جالبی (۱۹) کا بھی ہے

۴۔ حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ۱۱۱۸ھ اور ۱۱۲۰ھ کے درمیانی عرصے میں سودا کی ولادت قرار دی ہے (۲۰)

فائق رام پوری بھی طویل تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں (۲۱)

۵۔ محمدؐ حسین آزاد نے ۱۱۲۵ھ کو سودا کا سالِ ولادت قرار دیا ہے (۲۲)

۶۔ قاضی عبدالودود نے ایک اور مضمون میں سودا کا سالِ ولادت ۱۱۲۸ھ کو قرار دیا ہے (۲۳) جب کہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ان سب سے پیچھے گئے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ سودا کی ولادت ۱۱۰۰ھ / ۹۵-۱۱۹۴ء سے بھی پہلے ہوئی (۲۴)

اس طرح سودا کی ولادت کے سال کا اِمکانی دائرہ قبل ۱۱۰۰ھ سے ۱۱۲۸ھ تک پھیلا ہوا ہے' ان میں سے اگر قبل از ۱۱۰۰ھ اور ۱۱۰۲ھ والے بیانات کو نظر انداز کر دیں کہ ان کی بنیادیں کمزور ہیں تو باقی بیانات میں ہمارے خیال میں ۱۱۱۸ھ اور ۱۱۲۵ھ کے سنین زیادہ اہم ہیں

سودا کا سالِ وفات ۱۱۱۸ھ ہونے کی صورت میں سوز کا سالِ ولادت شاہ کمال کے بیان کے مطابق ۱۱۱۰ھ اور ۱۱۲۵ھ سودا کا سالِ ولادت ہو تو سوز کا سال ولادت ۱۱۲۴ھ قرار پاتا ہے۔

سوز کے بیٹے سیّد میر مہدی کا انتقال ۱۲۰۴ھ میں ہوا (جرأت کا کہا ہوا قطعۂ تاریخ وفات اس کی سند ہے جس کا آخری مصرع: "سیّد مہدی کا ہے ہے داغ ہے" یہ سنہ بتاتا ہے) اگر ۱۱۱۰ھ کو سوز کا سنہ ولادت تسلیم کیا جائے تو میر مہدی کی وفات کے وقت سوز کی عمر ۸۸ برس بنتی ہے سوز کا انتقال ۱۲۱۳ھ میں ہوا میر مہدی کے بعد کے نو برس شامل کیے جائیں تو سوز کی کل عمر ستانوے (۹۷) برس تک پہنچ جاتی ہے جس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آزاد کے بیان کردہ سنہ ۱۱۲۵ھ کو سودا کا سال ولادت تسلیم کرلیا جائے، اس اس طرح سوز کی ولادت ۱۱۲۴ھ میں ٹھہرتی ہے، [ڈاکٹر سردار احمد خاں نے آزاد کے بیان کی روشنی میں یہی سنہ متعین کیا ہے (۲۵) لیکن اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ

"یہ قبول کرنا پڑے گا کہ میر سوز نے چھیاسی سال کے قریب عمر پائی (۲۶)"

اس بیان سے ڈاکٹر سردار احمد خاں کا نتیجۂ تحقیق ایک اشتباہ کا شکار ہوگیا ہے اس لیے کہ ۱۱۲۳ھ سنہ ولادت اور ۱۲۱۳ھ سنہ وفات ہونے کی صورت میں ۱۲۱۳-۱۱۲۳ = ۸۹ حاصل ہوتا ہے اس میں ۱۲۱۳ کا سال جمع کرنے سے کل عمر نوّے ۹۰ سال بنتی ہے۔ نہ معلوم ڈاکٹر صاحب نے چھیاسی سال کیسے قرار دیا ہے ؟؟

کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے محققین و مؤرخین کے بیان کردہ بعض دوسرے سنین پر بھی ایک نگاہ ڈال لینی چاہیے۔

نیاز فتح پوری نے میر سوز کی ولادت ۱۱۳۰ھ اور ۱۱۳۵ھ کے کسی درمیانی سال میں قیاس کی ہے (۲۷) ۔ ڈاکٹر سردار احمد خاں کا خیال ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں (۲۸) جب کہ ہماری رائے میں نیاز کا خیال آب حیات سے ماخوذ ہے۔ چوں کہ آب حیات میں سوز کی عمر ستّر (۷۰) سال اور وفات ۱۲۱۳ھ مذکور ہے۔ نیاز نے اسی سے حساب لگایا ہے اور ان کے پیش نظر لطف کا گلشن ہند بھی ہے جس کی عبارت سے متبادر ہوتا ہے کہ سوز ۱۲۱۲ھ میں راہی ملک عدم ہوئے ، جو درست نہیں۔ تاہم نیاز نے محتاط انداز اختیار کرتے ہوئے ۱۱۳۰ھ - ۱۱۳۵ھ کے درمیانی عرصے کو سوز کا زمانۂ ولادت قرار دے دیا ہے لیکن جیسا کہ گذشتہ سطور میں واضح کیا جا چکا ہے کہ آب حیات کی یہ اطلاع کہ سوز نے ستّر ۷۰ برس عمر پائی خود نا درست ہے اس لیے نیاز کا استدلال خود بخود بکھر جاتا ہے۔

فائق رام پوری نے یہ قیاس کرتے ہوئے کہ مصحفی نے سوز کا ترجمہ ۱۲۰۹ھ میں تذکرہ ہندی میں داخل کیا ہوگا اور اس وقت سوز کی عمر ۷۰ برس ہوگی سوز کا سال ولادت ۱۱۳۹ھ کو قرار دیا ہے (۲۹)

اگر سوز کا سال ولادت ۱۱۳۹ھ ہو تو ۱۲۱۳ھ میں ان کی عمر تقریباً ۷۴ برس بنتی ہے جب کہ سعادت خاں ناصر ، نور الحسن خاں ، عبدالغفور نساخ اور بینی نرائن جہاں واضح طور پر سوز کی عمر اسّی ۸۰ برس اور شاہ کمال اسّی ۸۰ برس سے زائد بتا چکے ہیں (۳۰) اس لیے فائق صاحب کا نکالا ہوا نتیجہ درست نہیں ہے۔

سوز کی عمر بیان کرنے والے تذکرہ نگاروں کے بیانات کی تحلیل کی جائے تو صورت حال کچھ یوں بنتی ہے کہ مصحفی کا تذکرۂ ہندی ۱۲۰۹ھ میں مکمل ہوا انھوں نے سوز کے حین حیات ان کا ترجمہ قلم بند کیا اور ان کی درازیِ عمر کی دعا کی (۳۱)۔

اس لیے مصحفی کی بیان کردہ عمر ان کے تذکرے کی تاریخ تصنیف تک ہی درست قرار دی جاسکتی ہے۔ چوں کہ سوز ۱۲۰۹ھ کے بعد بھی زندہ رہے اس لیے ان کی حتمی عمر کے تعین کے لیے بعد کے تذکرہ نگاروں سے رجوع کرنا ہوگا اور بعد کے تذکرہ نگاروں میں بینی نرائن نے ۱۲۲۰ھ میں (۳۲) ناصر نے ۶۲-۱۲۶۱ھ میں (۳۳) نسّاخ نے ۱۲۷۶ھ میں (۳۴) اور نور الحسن خاں نے ۱۲۹۰ھ میں (۳۵) سوز کی عمر اسّی سال لکھی۔ ہم انھی کی بات کو مانتے اگر ہمارے پیش نظر شاہ کمال کی براہِ راست روایت نہ ہوتی۔ جو سوز اور ان کے زمانۂ وفات کے قریب تر ہیں اور جن کی، اُنتیس برس تک سوز سے دوستانہ ملاقات رہی تھی۔ اس لیے ان کا یہ کہنا کہ سوز کو انتقال کیے چھے برس ہوچکے ہیں اور انھوں نے اسّی ۸۰ برس سے زائد عمر پائی بہت اہم ہوجاتا ہے۔ یہی نہیں، ہمارے پیش نظر اس امر کی داخلی شہادت بھی ہے کہ سوز ارذل العمر تک پہنچے۔ سوز نے خود کہا:

اب تو خلوت میں بلالے اس کو تُو ڈرتا ہے کیوں
ایک تو وہ ہے افیمی اور بوڑھا پھوس ہے

اور ذیل کے شعر میں تو پوری وضاحت کے ساتھ عمر کی اسّی ۸۰ منزلوں سے گزر جانے کا ذکر آگیا ہے

سوز تو ہشتاد سالہ عمر اپنی کھو چکا
اس بڑھاپے پر بھی تو مفتونِ مہوش ہے ہنوز

ان شہادتوں کے بعد غالباً اس امر میں شبہے کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ سوز نے اسی برس سے زائد عمر پائی۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ اسّی ۸۰ برس سے زائد سے کتنے برس مراد ہوسکتے ہیں؟

اس کا ایک مطلب تو واضح ہے کہ نوّے ۹۰ برس سے کم۔ اس لیے کہ اگر سوز نوّے برس کی عمر تک پہنچتے تو شاہ کمال نوّے کا ذکر کرتے

اسّی اور نوّے کے درمیان پچاسی برس ہوسکتے ہیں (قاضی عبدالودود بھی اسّی سے زائد کو پچاسی پر محمول کرتے ہیں (۳۶)۔

اب پچاسی ۸۵ برس کی عمر کے اعتبار سے ہم سوز کے سنہ وفات اور مجمع الانتخاب میں ان کے ترجمے کے اندراج، دونوں اعتبارات سے ان کے سالِ ولادت کو دریافت کرسکتے ہیں:
سالِ وفات کے اعتبار سے ۱۲۱۳ھ میں سے ۸۵ منہا کیے جائیں تو ۱۱۲۸ھ کا سنہ حاصل

ہوتا ہے۔

شاہ کمال نے سوز کے انتقال کے چھے برس بعد ان کا ترجمہ داخل تذکرہ کیا یعنی ۸۵ + ۶ = ۹۱

ہم یہ معلوم کر چکے ہیں کہ شاہ کمال نے ۱۲۱۹ھ میں سوز کا ترجمہ لکھا، اس طرح سوز کی ولادت سے ترجمے کے اِدخال تک کا زمانہ، جو اکیانوے ۹۱ برس ہے، ۱۲۱۹ھ میں سے منہا کیا جائے تو بھی جواب ۱۱۲۸ھ آتا ہے

یہ سال ولادت متعیّن ہوجانے پر میر مہدی کی وفات (۱۲۰۳ھ) کے وقت سوز کی عمر ۱۲۰۳-۱۱۲۸ = ۷۵ برس قرار پاتی ہے اور میر مہدی کے بعد سوز کی زندگی کے نو برس اس میں شامل کیے جائیں تو سوز کی عمر ۸۵ برس ہی نکلتی ہے اور اس طرح یہ سلسلۂ استدلال مضبوط ہوجاتا ہے اور ہم ایک آدھ برس کے امکانی تفاوت کے ساتھ ۱۱۲۸ھ / ۱۷۱۶ء کو سوز کا سالِ ولادت قرار دے سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حوالہ جات

۱۔ فائق رام پوری۔ کلب علی خاں "میر سوز" در اورینٹل کالج میگزین، ایڈیٹر سید عبداللہ۔ لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی ج ۳۸ عدد ۴ عدد مسلسل ۱۵۰۔ اگست ۱۹۶۲ء

۲۔ ضمیر احمد صدیقی "فکری زاویے" لکھنؤ: نسیم بک ڈپو جنوری ۱۹۷۲ء ص ۱۱۳

۳۔ ۴ ناسخ۔ امام بخش "کلیاتِ شعرِ ناسخ" تدوین اورنگ زیب عالمگیر، مقالہ برائے پی ایچ ڈی۔ مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور ۱۹۹۰ء

۵۔ آزاد، محمد حسین "آبِ حیات" لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۷ء ص ۱۹۳

۶۔ مصحفی، غلام ہمدانی "تذکرۂ ہندی" مرتبہ مولوی عبدالحق اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ء ص ۱۱۱

۷۔ جہان، بینی نرائن "دیوان جہان" مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ لیبل لیتھو پریس ۱۹۵۹ء ص ۱۳۷

۸۔ ناصر، سعادت خاں "خوش معرکۂ زیبا" مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۷۰ء ج اول ص ۲۰۸

۹۔ نساخ، عبدالغفور خاں "تذکرۂ قطعۂ منتخب" مرتبہ انصار اللہ نظر، کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۷۳ء ص ۳۸

۱۰۔ نور الحسن خاں "طور کلیم" آگرہ: مفید عام پریس ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء ص ۵۴

۱۱۔ شاہ کمال "مجمع الانتخاب" (قلمی) ورق ۳۰۵ الف مشمولہ اردوئے معلیٰ میر سوز نمبر، دہلی: شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی ج ۴ ش ۶، ۷ ص ۵۲۷

۱۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۷۲ء ص ۲۲۸

۱۳۔ چاند، شیخ "سودا" کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۶۳ء ص ۳۷

۱۴۔ میر حسن "تذکرۂ شعرائے اردو" بہ تصحیح و تنقید محمد حبیب الرحمٰن

خاں شروانی ۔ دہلی : انجمن ترقی اردو ۱۹۴۰ء ص ۸۳

۱۵۔ "معاصر" پٹنہ نومبر ۱۹۵۹ء ش ۱۵ ص ۵۸

۱۶۔ "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند"

لاہور : دانش گاہِ پنجاب ۱۹۷۱ء ساتویں جلد اردو ادب (دوم) ص ۹۴

۱۷۔ "معاصر" پٹنہ جنوری ۱۹۵۲ء ش ۲ ص ۱۱۶

۱۸۔ "مرزا محمد رفیع سودا" علی گڑھ : انجمن ترقی اردو ۱۹۶۶ء ص ۴۲

۱۹۔ "تاریخ ادب اردو" لاہور : مجلس ترقی ادب ۱۹۸۷ء ج ۲ ص ۹۵۳

۲۰۔ اورینٹل کالج میگزین ۔ لاہور : نومبر ۱۹۴۱ء ص ۳۳

۲۱۔ "صحیفہ" لاہور جنوری ۱۹۶۸ء ش ۴۲ ص ۱۳

۲۲۔ آزاد ۔ محمد حسین آب حیات ص ۱۳۸

۲۳۔ ماہانہ "سب رس" حیدر آباد دکن نومبر ۱۹۶۰ء ص ۸

۲۴۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری لکھنؤ : نسیم بک ڈپو ۱۹۹۱ء ص ۱۰

۲۵۔ مقالہ "میر سوز" ۔ تحقیق جام شورو : شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی ۱۹۹۳ء ش ۷ ص ۲۰۳

۲۶۔ ایضاً ص ۲۳۶

۲۷۔ "انتقادیات" حصۂ اول و دوم (یکجا) کراچی : حلقۂ نیاز و نگار ۱۹۹۶ء ص ۲۲۵

۲۸۔ سردار احمد خاں ۔ ڈاکٹر مقالہ "میر سوز" محولۂ بالا ص ۲۰۳

۲۹۔ مقالہ "سوز" در اورینٹل کالج میگزین ۔ ایڈیٹر سید عبداللہ ۔ لاہور : اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی ج ۳۸ ش ۱۳۹ مئی ۱۹۶۲ء ص ۱۹

۳۰۔ دیکھیے حواشی نمبر ۷ تا ۱۰

۳۱۔ مصحفی ۔ غلام ہمدانی ۔ تذکرۂ ہندی ص ۱۱۱

۳۲۔ تا ۳۵ مذکور سنین متعلقہ تذکروں کی تصنیف یا تکمیل کے ہیں

۳۶۔ عبدالودود ۔ قاضی "سوز اور آب حیات" در "نیا دور" لکھنؤ اگست ۱۹۶۲ء ص ۳۳

حوالہ جات

۱۔ فائق رام پوری۔ کلب علی خاں — "میر سوز" در اورینٹل کالج میگزین، ایڈیٹر سید عبداللہ، لاہور: اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی ج ۳۸ عدد ۳ عدد مسلسل ۱۵۰۔ اگست ۱۹۶۲ء

۲۔ ظہیر احمد صدیقی — "فکری زاویے" لکھنؤ: نسیم بک ڈپو جنوری ۱۹۶۷ء ص ۱۱۳

۳۔ ۴ ناسخ، امام بخش — "کلیاتِ شعرِ ناسخ" تدوین اورنگ زیب عالمگیر، مقالہ برائے پی ایچ ڈی، مخزونہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور ۱۹۹۰ء

۵۔ آزاد، محمد حسین — "آبِ حیات" لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ۱۹۵۰ء ص ۱۹۳

۶۔ مصحفی، غلام ہمدانی — "تذکرۂ ہندی" مرتبہ مولوی عبدالحق اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ۱۹۳۳ء ص ۱۱۱

۷۔ جہان، بینی نرائن — "دیوان جہان" مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ لیبل لیتھو پریس ۱۹۵۹ء ص ۱۳۷

۸۔ ناصر، سعادت خاں — "خوش معرکۂ زیبا" مرتبہ مشفق خواجہ، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۷۰ء ج اول ص ۲۰۸

۹۔ نساخ، عبدالغفور خاں — "تذکرہ قطعۂ منتخب" مرتبہ انصار اللہ نظر، کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۷۳ء ص ۳۸

۱۰۔ نور الحسن خاں — "طور کلیم" آگرہ: مفید عام پریس ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء ص ۵۳

۱۱۔ شاہ کمال — "مجمع الانتخاب" (قلمی) ورق ۳۰۵ الف مشمولہ اردوئے معلیٰ میر سوز نمبر، دہلی: شعبۂ اردو دہلی یونی ورسٹی ج ۳ ش ۶، ۷ ص ۵۲۷

۱۲۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر — "اردو شعراء کے تذکرے اور تذکرہ نگاری" لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۷۲ء ص ۲۲۸

۱۳۔ چاند، شیخ — "سودا" کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۶۳ء ص ۳۷

۱۴۔ میر حسن — "تذکرۂ شعرائے اردو" بہ تصحیح و تنقید محمد حبیب الرحمٰن

خاں شروانی ۔ دہلی : انجمن ترقّی اردو ۱۹۳۰ء ص ۸۳

۱۵۔ "معاصر" پٹنہ نومبر ۱۹۵۹ء ش ۱۵ ص ۵۸

۱۶۔ "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند"

لاہور : دانش گاہِ پنجاب ۱۹۷۱ء ساتویں جلد اردو ادب (دوم) ص ۹۳

۱۷۔ "معاصر" پٹنہ جنوری ۱۹۵۲ء ش ۲ ص ۱۱۶

۱۸۔ "مرزا محمّد رفیع سودا" علی گڑھ : انجمن ترقّی اردو ۱۹۶۶ء ص ۹۲

۱۹۔ "تاریخ ادب اردو" لاہور : مجلس ترقّی ادب ۱۹۸۷ء ج ۲ ص ۶۵۳

۲۰۔ اورینٹل کالج میگزین ۔ لاہور : نومبر ۱۹۳۱ء ص ۴۳

۲۱۔ "صحیفہ" لاہور جنوری ۱۹۶۸ء ش ۴۲ ص ۱۳

۲۲۔ آزاد ۔ محمّد حسین آب حیات ص ۱۳۸

۲۳۔ ماہانہ "سب رس" حیدرآباد دکن نومبر ۱۹۶۰ء ص ۸

۲۴۔ لکھنؤ کا دبستانِ شاعری لکھنؤ : نسیم بک ڈپو ۱۹۹۱ء ص ۱۰

۲۵۔ مقالہ "میر سوز" ۔ تحقیق جام شورو : شعبۂ اردو سندھ یونی ورسٹی ۱۹۹۳ء ش ۷ ص ۲۰۳

۲۶۔ ایضاً ص ۲۳۶

۲۷۔ "انتقادیات" حصّۂ اول و دوم (یکجا) کراچی : حلقۂ نیاز و نگار ۱۹۹۶ء ص ۲۲۵

۲۸۔ سردار احمد خاں، ڈاکٹر مقالہ "میر سوز" محولۂ بالا ص ۲۰۳

۲۹۔ مقالہ "سوز" در اورینٹل کالج میگزین ۔ ایڈیٹر سیّد عبداللہ ۔ لاہور : اورینٹل کالج پنجاب یونی ورسٹی ج ۳۸ ش ۱۳۹ مئی ۱۹۶۲ء ص ۱۹

۳۰۔ دیکھیے حواشی نمبر ۷ تا ۱۰

۳۱۔ مصحفی ۔ غلام ہمدانی ۔ تذکرۂ ہندی ص ۱۱۱

۳۲۔ تا ۳۵ مذکور سنین متعلقہ تذکروں کی تصنیف یا تکمیل کے ہیں

۳۶۔ عبدالودود ۔ قاضی "سوز اور آب حیات" در "نیا دور" لکھنؤ اگست ۱۹۶۲ء ص ۳۳

ڈاکٹر سردار احمد خاں :

میر سوز کے معاصرین اور ان کا تقابلی مطالعہ

بزرگ معاصرین :

۱۔ شاہ مبارک آبرو .... ۱۱۱۰ ہجری مطابق ۱۶۹۸ ع تا
۱۱۶۳ ہجری مطابق ۱۷۵۰ ع

۲۔ مصطفےٰ خاں یکرنگ ....

۳۔ محمد شاکر ناجی .... وفات ۱۱۶۸ ہجری مطابق ۱۷۵۳ء

۴۔ نواب امیر خاں انجام .... وفات ۱۱۹۵ ہجری مطابق ۱۷۳۰ ع

۵۔ سراج الدین علی خاں آرزو ... ۱۱۱۰ ہجری مطابق ۱۶۹۸ ع تا
۱۱۶۹ ہجری مطابق ۵۶ ۱۷۵۵ ع

۶۔ ظہور الدین حاتم .... ۱۱۱۰ ہجری مطابق ۱۶۹۸ ع تا
۱۱۹۸ ہجری مطابق ۱۷۸۳ ع

۷۔ محمد علی حشمت .... متوفی ۱۱۶۲ ہجری مطابق ۱۷۴۸ ع

۸۔ میر سعادت علی خاں سعادت ....

۹۔ حضرت مظہر جان جاناں .... ۱۱ / رمضان ۱۱۲۵ ہجری مطابق ۲۰ / جنوری ۱۷۰۲ ع تا ۱۰ / محرم ۱۱۹۵ ہجری
مطابق ۶ / جنوری ۱۷۸۱ ع

ہم عمر معاصرین:

۱۰۔ مرزا محمد رفیع سودا .... ۱۱۲۵ ہجری مطابق ۱۷۱۳ ع تا
۱۱۹۵ ہجری، مطابق ۱۷۸۱ ع

۱۱۔ میر عبدالحیٔ تاباں .... ۱۱۳۱ ہجری مطابق ۱۷۱۸ ع تا
۱۱۹۹ ہجری مطابق ۱۷۵۰ ع

۱۲۔ خواجہ میر درد ۱۱۳۲ ہجری مطابق ۱۷۱۹ ع تا
۱۱۹۹ ہجری مطابق ۱۷۸۴ ع

۱۳۔ میر تقی میر ۱۱۳۶ ہجری مطابق ۱۷۲۳ ع تا
۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۱۰ ع

۱۴۔ شیخ قیام الدین قائم ۱۱۳۹ ہجری مطابق ۱۷۲۶ ع تا
۱۲۱۰ ہجری مطابق ۱۷۹۵ ع

۱۵۔ انعام اللہ خاں یقین ۱۱۳۰ ہجری مطابق ۱۷۲۰ ع تا
۱۱۶۹ ہجری مطابق ۱۷۵۶ ع

۱۶۔ احسن اللہ بیان ۱۱۴۱ ہجری مطابق ۱۷۲۸ ع تا
۱۲۱۳ ہجری مطابق ۱۷۹۸ ع

۱۷۔ میر غلام حسن حسن ۱۱۴۱ ہجری مطابق ۱۷۲۸ ع تا
۱۲۰۱ ہجری مطابق ۱۷۸۶ ع

۱۸۔ اشرف علی خاں فغاں ۱۱۴۲ ہجری مطابق ۱۷۲۹ ع تا
۱۱۸۶ ہجری مطابق ۱۷۷۲ ع

۱۹۔ جعفر علی حسرت وفات ۱۲۰۶ ہجری مطابق ۹۲-۱۷۹۱ ع

کم عمر معاصرین:

۲۰۔ قلندر بخش جرأت ۱۱۴۹ ہجری مطابق ۱۷۳۶ ع تا
۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۱۰ ع

۲۱۔ شیخ غلام ہمدانی مصحفی — ۱۱۹۳ ہجری مطابق ۱۷۵۰ع تا ۱۲۳۰ ہجری مطابق ۱۸۳۲ع

۲۲۔ میر انشاء اللہ خاں انشا — ۱۱۶۰ ہجری مطابق ۱۷۵۳ع تا ۱۲۳۲ ہجری مطابق ۱۸۱۷ع

۲۳۔ سعادت یار خاں رنگیں — ۱۱۶۹ ہجری مطابق ۱۷۵۵ع تا ۱۲۵۱ ہجری مطابق ۱۸۳۵ع

(اعتذار: سردست مذکورہ بالا خاکے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مقالہ نگار نے میر سوز اور معاصرین کے تقابلی مطالعے کو شخصی حالات کے حوالوں اور ہمطرح غزلوں کی مدد سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ اور اب ذیل میں میر سوز کے تلامذہ سے متعلق تفصیلات پیش کی جاتی ہیں۔ مدیر)

میر سوز کے تلامذہ

۱۔ آصف۔ نواب آصف الدولہ
۲۔ آشفتہ۔ حکیم رضا علی خاں
۳۔ امیر۔ نواب محمد یار خاں
۴۔ افسوس۔ میر شیر علی
۵۔ انور۔ محمد انوار الدین
۶۔ ترقی۔ محمد تقی خاں
۷۔ جان۔ جان عالم خاں
۸۔ حیف۔ موتی لال
۹۔ داغ۔ میر مہدی
۱۰۔ رند۔ نواب مہربان خاں
۱۱۔ سوزاں۔ شمس الدین
۱۲۔ طپاں۔ سید قدرت علی
۱۳۔ عیش۔ مرزا حسین رضائی
۱۴۔ عیاش۔ میر محمد یعقوب
۱۵۔ فریاد۔ لالہ صاحب رائے
۱۶۔ شوخ۔ گنا بیگم
۱۷۔ مدہوش۔ میر نبی خاں
۱۸۔ نوازش۔ نوازش حسین خاں
۱۹۔ ہوش۔ میر شمس الدین

مقلدین

۱۔ حیات۔ حیات اللہ
۲۔ زکا۔ مرزا محمد بخش
۳۔ سائل۔ جلیل شاہ
۴۔ میر کلو
۵۔ مشتاق۔ عبداللہ

۱۔ آصف ، نواب آصف الدولہ:

نواب وزیر آصف الدولہ بہادر ، یحییٰ خاں والی اودھ کے تخت نشیں ہونے سے پہلے سوز اودھ پہنچے اور سودا کی وفات کے بعد نواب وزیر آصف الدولہ کے کلام پر اصلاح دینے کی خدمت سنبھالی (۱)۔ نواب موصوف میر سوز کا بہت احترام کرتے تھے۔ یہ معلوم نہیں کہ انھوں نے استاد کا وظیفہ کیا مقرر کیا تھا لیکن نواب جب میر تقی میر کو تین سو روپیہ ماہوار وظیفہ دیتے تھے تو استاد ہونے کے لحاظ سے ان کے ساتھ خصوصی مراعات ہوں گی۔ میر سوز اس منصب پر سولہ سترہ سال فائز رہے۔ آصف الدولہ نے ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ہجری مطابق ۱۷۹۷ء میں اکیاون سال کی عمر میں وفات پائی۔

آصف کے کلام میں سوز کی جملہ خصوصیات ملتی ہیں۔ سادگی، صفائی اور اثر آفرینی جو سوز کے ہاں ہے وہی آصف کے ہاں بھی موجود ہے (۲)۔ نیاز فتح پوری جو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ سوز سے آصف مشورہ سخن کرتے تھے ، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے کلام میں سوز کی خصوصیات ضرور پائی جاتی ہیں (۳)۔

نمونۂ کلام:

۱۔ جو شمشیر (۴) ان کی علم دیکھتے ہیں ۔۔۔ وہیں سر کو اپنے قلم دیکھتے ہیں
۲۔ جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں ۔۔۔ خدا کی خدائی میں ہم دیکھتے ہیں
۳۔ شتابی سے آ ورنہ میرے مسیحا ۔۔۔ کوئی دم میں راہ عدم دیکھتے ہیں
۴۔ لے تم ہو میرے رقیبوں سے جا کر ۔۔۔ ہمیں ہیں کہ سو سو ستم دیکھتے ہیں
۵۔ خدا دشمنوں کو نہ وہ دکھ دکھائے ۔۔۔ جو کچھ دوست اپنے سے ہم دیکھتے ہیں
۶۔ بہت جھوٹے وعدے کیے تونے ہم سے ۔۔۔ بھلا ہم تو تیری قسم دیکھتے ہیں
۷۔ تو آوے نہ آوے میاں ہم تو ہر شب ۔۔۔ پڑے راستہ صبح دم دیکھتے ہیں
۸۔ بتوں کی گلی میں شب و روز آصف ۔۔۔ تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

جس گھڑی تیرے آستاں سے گئے ۔۔۔ ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
تیرے کوچے میں نقشِ پا کی طرح ۔۔۔ ایسے بیٹھے کہ پھر نہ واں سے گئے

شعلے کی طرح رفتہ رفتہ ہم — سنیو اک دن کہ جسم و جاں سے گئے
عشق ہاتھوں سے تیرے کیا کہیے — نام سے گذرے اور نشاں سے گئے
ایک دن ہم نے یار سے جو کہا — اب تو ہم طاقت و تواں سے گئے
ہنس کے بولے کہ سنتا ہے آصف — یوں ہی کہہ کہہ کے لاکھوں یاں سے گئے

یہ اشک چشموں میں ہم دم رہے رہے نہ رہے — حباب وار کوئی دم رہے رہے نہ رہے
تو اپنے شیوۂ جور و جفا سے مت گذرے — تری بلا سے مرا دم رہے رہے نہ رہے
قمر کو ہوتا ہے ہر ماہ میں کمال و زوال — ترے یہ حُسن کا عالم رہے رہے نہ رہے
عرق ہے رخ پہ ترے خوش نما صنم لیکن — ہمیشہ گل پہ یہ شبنم رہے رہے نہ رہے
یہ تیرے وصل و جدائی کا کیا لکھے آصف — یہ اتفاق ہے باہم رہے رہے نہ رہے

مرے دل کو زلفوں میں زنجیر کیجو — یہ دیوانہ اپنا ہے تدبیر کیجو
مرے دل نے زلفوں میں مسکن کیا ہے — یہ مہماں ہے اسے شانہ توقیر کیجو

دل ہمارا خانۂ اللہ کر مشہور تھا — سو بتوں کے عشق میں اب وہ بھی بتخانہ ہوا

اے پری نام خدا تیری سجاوٹ خاصی — قہر چھب تس پہ یہ انگیا کی کساوٹ خاصی
سر کے تعویذ ستم اور فتح پیچ غضب — بال مہکے ہوئے چوٹی کی گندھاوٹ خاصی
پہنچیاں واچھڑے اور کان کی بالی بیداد — نورتن ایسی ہی گہنے کی جڑاوٹ خاصی
گوکھرو دیکھ کے لہرائے یہ دل کہتا ہے — گوکھرو اور بنت کی ہے بناوٹ خاصی
سب سے پوشاک جدی سب سے نرالا تک سک — دانت تصویر ہے مسی کی اراوٹ خاصی
کفش پاؤں میں بھبھوکا ہے مغرق نادر — اس پہ کافر یہ بجانے کی چاوٹ(؟) خاصی
بند پاجامے میں چمکے ہے ثریا کی جھلک — ہے پری زاد کھڑی اور بناوٹ خاصی
قطعہ چولی کا ستم گھیر بھی دامن کا غضب — آستیں چست بہت اور چناوٹ خاصی

گر جگت بولے تو بولے کی ... ہو زبان اور جو رک جاوے تو رکنے کی رکاوٹ خاصی
کیوں نہ ایسے سے پھنسے دل بھلا انصاف کرو گفتگو سحر کر خوب لگاوٹ خاصی

کیا کیا اظہار میں تم سے کروں اس کا آصف
دست و پا خوب ہیں مہندی کی رچاوٹ خاصی

نواب بیگم کے جواب میں یہ غزل خوب ہے:۔ (۵)

خوشی دل میں ہم اپنے کم دیکھتے ہیں اگر دیکھتے ہیں تو غم دیکھتے ہیں
نہ قطرہ کوئی خوں کا باقی ہے دل میں نہ آنکھوں میں ہم اپنی نم دیکھتے ہیں
تو آوے نہ آوے یہاں ہم تو ہر شب پڑے راہ تا صبح دم دیکھتے ہیں
نگاہ کرم جس جگہ پر کرے تو ہم اس جا پہ باغ ارم دیکھتے ہیں
کرم سے ترے شاد خرم ہیں یہ سب مگر ایک ہم ہیں کہ غم دیکھتے ہیں
زیادہ ہو یعقوب سے غم ہمارا جو ہم تجھ کو یوسف سے کم دیکھتے ہیں
تبسم بلب ہیں تمامی یہ ہمدم ہم اپنی ہی آنکھوں میں نم دیکھتے ہیں
بہت جھوٹے وعدے کئے تو نے ہم سے بھلا اب کے تیری قسم دیکھتے ہیں
کہاں تاب ہے غیر کو دیکھنے کی اگر دیکھتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں
کہا ہے جو تم نے یہ اپنی غزل میں تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں
وہی دیکھتا ہے جو دیکھے ہے سب کچھ نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

تجھ سا دلدار ہو اور ناز خرام ایسا ہو کیوں کہ دل کفر سے منکر ہو جو رام ایسا ہو
میں ترے صدقے ہوں اور گالیاں تو دے ظالم بندگی ایسی ہو اور اس کا انعام ایسا ہو
زلف مشکیں میں پری رو کے یہ دل کیوں نہ پھنسے ایسا صیاد ہو اور ہاتھ میں دام ایسا ہو
ملتجی مت ہو سوا ذات علی کے آصف پھر تجھے چاہیے کیا جس کا امام ایسا ہو

۲۔ آشفتہ، حکیم رضا قلی خاں:

نام حکیم رضا قلی خاں اور والد کا نام حکیم محمد شفیع خاں تھا۔ وطن اکبر آباد تھا۔ ان کے بڑے بھائی کا نام مرزا بجو تھا ذرہ تخلص کرتے تھے۔ زیارت کے لیے کربلا گئے اور وہیں پیوند خاک ہوئے۔ دوسرے بڑے بھائی کا نام مرزا رضی تھا۔ وہ لکھنؤ میں طبابت کرتے تھے۔ فن طبابت میں اس خاندان کو بہت شہرت حاصل تھی۔ سلاطین امرا اور وزرا ہمیشہ قدر دانی کرتے رہے، خود آشفتہ کا شمار حاذق طبیبوں میں ہوتا تھا۔ علی لطف ان کو اپنے قدیمی دوستوں میں شمار کرتے ہیں اور ان کو آزاد وضع، خود اختلاط، وارستہ مزاج اور مایہ ارتباط محبت و یکرنگی قرار دیتے ہیں (۹)۔ آشفتہ دو ڈھائی برس فیض آباد میں مرزا یوسف کور کے پوتے مرزا محمد تقی خاں کی رفاقت میں رہے۔ بعد میں مستقلاً لکھنؤ میں رہنے لگے۔ ۱۲۰۸ہجری مطابق ۱۷۹۳ء میں لکھنؤ سے مرشد آباد آئے۔ نوب مبارک الدولہ ناظم صوبہ بنگال مرض الموت میں گرفتار تھے۔ آشفتہ نے ان کا علاج کیا لیکن شفا نہ ہوئی مبارک الدولہ کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے نواب صدر الدولہ ناصر الملک سید میر علی خان دلیر جنگ کے پاس ایک سال تک رہے۔ مرشد آباد میں آشفتہ نے نہایت فراغت سے زندگی بسر کی علی لطف لکھتے ہیں کہ بنگال میں انھوں نے ایک لاکھ روپیہ پیدا کیے آشفتہ بہت کشادہ دست تھے (۷)۔ ذی الحجہ ۱۲۱۳ہجری مطابق ۱۷۹۹ء میں آشفتہ مرشد آباد سے کلکتہ چلے گئے۔ علی لطف کہتے ہیں کہ بالفعل کہ ۱۲۱۵ہجری مطابق ۱۸۰۰ء ہے بہ عزت تمام کلکتہ میں بسر اوقات کرتے ہیں۔ شاہ کمال کہتے ہیں کہ فقیر سے بہت ملاقات تھی اور آشفتہ کے مکان پر مشاعرے منعقد ہوتے تھے۔ (۸)

علی لطف (۹)، مصحفی (۱۰) اور احمد علی یکتا (۱۱) کا قول ہے کہ سوز کے شاگردوں میں کوئی دوسرا یہ مقام حاصل نہ کرسکا۔ وہ شعر گوئی اور شعر خوانی میں میر سوز کی کامل اتباع کرتے تھے۔ اور اس بات پر فخر بھی کرتے تھے۔ شعر درد آمیز، صاف اور شستہ کہتے تھے۔ اشعار پڑھنے کا انداز بالکل میر سوز کی طرح تھا۔ وہ اپنے استاد کی طرح حرکات و سکنات کے ذریعے اشعار کی وضاحت کرتے تھے۔ انھیں فن موسیقی سے بہت لگاؤ تھا۔ مصحفی کہتے ہیں کہ ۱۱۹۸ہجری مطابق ۸۴-۱۷۸۳ء میں جب وہ لکھنؤ پہنچے تو آشفتہ نے طرحی مشاعروں کا بندوبست کیا۔ وہ اپنے مکان پر مشاعرے منعقد کرتے تھے۔ آزاد مزاجی کے باعث انھوں نے اپنے اشعار کو محفوظ نہیں رکھا۔ اسی وجہ سے دیوان مرتب نہ ہوسکا۔ شروع میں حکیم تخلص کرتے تھے بعد میں آشفتہ اختیار کیا۔ (۱۲)

مرزا سعادت یار خاں رنگین اپنی مجلس پنجاہ و سوم میں آشفتہ سے اپنی ایک ملاقات کا

ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مرشد آباد میں حکیم رضا قلی متخلص بہ حکیم کے مکان پر میرا جانا ہوا۔ محمد خاں صاحب بھی میرے ہمراہ تھے۔ حکیم صاحب میر سوز کے شاگرد ہیں۔ میر موصوف کے اشعار کا تذکرہ ہونے لگا۔ ان کی تعریف میں اس قدر مبالغہ کیا کہ فرمایا کہ ان کی بول چال کے برابر کسی میں یہ خوبی کلام ہرگز ہرگز نہیں پائی جاتی۔ حاضرین میں سے ایک شخص بولا کہ یہ صاحب سوز کے کلام پر کچھ اعتراض رکھتے ہیں۔ میں نے کہا ہاں۔ اس پر حکیم صاحب بہت بھنائے۔ اور اپنے استاد کا ایک قطعہ پڑھ کر کہا کہ اچھا اس میں کوئی نقص نکالیے میں نے کہا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ کسی بزرگ کی شان میں مجھ سے گستاخی واقع ہو لیکن جب بہت اصرار کیا تو میر سوز کا وہ قطعہ مجھے پڑھ کر سنایا"۔

میں کہا دل میں درد ہے میرے ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے
پھر جو کچھ جی میں آ گیا تو کہا ہمیں پینے اگر دوا نہ کرے

میں نے کہا کہ اول مصرع میں "کہا" غیر فصیح ہے اور دوسرے مصرع میں یہ نہیں کھلتا کہ کون ہنسا اور کس نے کہا۔ ہنس کے کہنے لگا خدا نہ کرے۔ "اگرچہ اس میں اشارہ معشوق کی طرف ہے لیکن زیادہ واضح نہیں ہوسکا اور "پھر جو کچھ جی میں آگیا تو کہا" اس میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس کے جی میں آیا اور چوتھے مصرع میں "پینے" کا لفظ عورتوں کی زبان کے لیے مخصوص ہے، مرد اس کو شعر میں نہیں لایا کرتے غرض دوسرے روز پھر گیا اور میں نے اپنے کچھ قطعے سنائے جو سب کو پسند آئے"۔ (۱۳)

روٹھ کر میں جو اٹھ چلا رنگیں ہو کے وہ بے قرار دوڑے آئے
لگ کے چھاتی سے پھر لگے کہنے ہمیں ہے ہے کرے جو آگے جائے

میں نے پوچھا کہ جانتے ہو مجھے بولے "رنگیں کو ہم تو بھول گئے"
اس کے منہ سے یہ بات سنتے ہی بس مرے ہاتھ پاؤں بھول گئے

رنگین کے اعتراض سے بحث سوز کے کلام کے تنقیدی مطالعے کے ذیل میں آئے گی۔ اس لیے یہاں پر ہم اس مسئلے کو نظر انداز کرتے ہیں۔ اور آشفتہ کا نمونۂ کلام درج کیا جاتا ہے۔

جی تھا آنکھوں میں ، یار تھا دل میں　　یاں تلک انتظار تھا دل میں
آبلہ ہوکے دم میں پھوٹ بہا　　یہ کہاں کا بخار تھا دل میں
مر گئے پھر بھی ہم کو خاک نہ دی　　آج تک یہ غبار تھا دل میں
کھنچتے ہی تک آئے کمان ابرو　　تیر مژگاں دو سار تھا دل میں
دم آخر جو ہچکی آئی تھی　　وہ فراموش خار تھا دل میں
دست و لب نزع میں جو ہلتے تھے　　شوق بوس و کنار تھا دل میں

دم شماری تلک بھی آشفتہ
قدموں کا شمار تھا دل میں

فقط نہ اپنی ہی تم آن دیکھتے جاؤ　　ادھر ادھر بھی مری جان دیکھتے جاؤ
نہ پیچ و تاب کو بالوں کے طول دو اتنا　　ہمارا دل ہے پریشان دیکھتے جاؤ
بجائے اشک نکلتے ہیں پارہ ہائے جگر　　تمھارے جی میں تھا ارمان دیکھتے جاؤ
دکھانے آئے تھے دامن کے چاک کی خوبی　　ہمارا چاک گریبان دیکھتے جاؤ
کیا خرید زلیخا نے مصر میں یوسف　　جناب عشق کی تم شان دیکھتے جاؤ
اگرچہ ہووے گی تصدیع لیکن آشفتہ　　کوئی گھڑی کا ہے مہمان دیکھتے جاؤ

چلا ہے کعبہ کو آشفتہ پارسا بن کر　　خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے
وصل اس کا خدا نصیب کرے　　دیکھیں تب ہم سے کیا رقیب کرے
ہجر ہے قتل وصل سے احیا　　حب میں جو آوے سو طبیب کرے
گل کا دیکھا چٹک کے جب ہنسنا　　شور کیوں کر نہ عندلیب کرے
مر گیا اک صنم پہ آشفتہ　　موت ایسی خدا نصیب کرے

یہ خرابی تو پڑی مجھ پہ ترے جانے سے　　چغد بھی ڈرنے لگے اب مرے ویرانے سے
کس طرح قید کروں یہ تو ٹھہرتا ہی نہیں　　کون بر آوے بھلا اس دل دیوانے سے

میں سمجھتا ہوں کہ تم جاکے نہیں آنے کے فائدہ کیا ہے بھلا جھوٹ قسم کھانے سے
شعلہ خو آگے تو اتنا نہ جلاتا تھا مجھے آج تو آگ ہوا غیروں کے بھڑکانے سے

دیکھتے ہی اسے کل میرے یہ اوسان گئے اپنے بیگانے وہاں جتنے تھے سب جان گئے
اپنے کے ہوتے بھلا غیر کو صدقے تو نہ کر ہم بھی جی رکھتے ہیں پیارے ترے قربان گئے

مجھ کو کہنا ہے صنم تجھ کو بھی اب بھاگ لگے آنکھ سے آنکھ ملاتا ہے تجھے آگ لگے
بوسے کے واسطے چھیڑا تو لگا کہنے مجھے بس کہیں دور بھی ہو منہ کو ترے آگ لگے

وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے پھر اس چمک سے نہ گردوں پہ آفتاب پھرے
گئے تھے کل مجھے بہلا کے "میں یہ آتا ہوں" میں ایسے آنے کے صدقے بہت شتاب پھرے

لڑتے تو رات اس سے میں غصہ میں لڑلیا پر جب وہ اٹھ چلا تو کلیجہ پکڑ لیا

یہ جوشِ غم ہے کہ سینے میں خوں ابلتا ہے نہ رکھیو ہاتھ کلیجے پہ میرے جلتا ہے
نہ پوچھو دل کی حقیقت تمہارے عشق میں آہ اسے وہ غم جو لگا ہے اسی میں گھلتا ہے
یہ ہم کو اس کی جدائی نے اور ایذا دی کہ رات کوئی یہ سینے میں دل کو ملتا ہے
کسی کے کان کا دُر تونے دیکھا آشفتہ جو اشک آنکھوں سے موتی سا تیرے ڈھلتا ہے

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینے سے الٰہی موت دے گذرا میں ایسے جینے سے
نہ جاوے کیوں کہ بصارت وہ چاند سا مکھڑا نظر پڑا نہیں مجھ کو کئی مہینے سے
ہو جس دماغ میں کچھ بوئے عشق وہ سمجھے ملی جلی ہوئی بو عطر کی پسینے سے

چہرہ کچھ ان دنوں غم پنہاں سے زرد ہے ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

سانس آ کر جگر میں اڑتی ہے شکل جب تیری یاد پڑتی ہے

یاں نہ ہم مارے جائیں کیوں کہ بھلا　　کیا بری طرح آنکھ لڑتی ہے

پیچ میں لا کے ہم غریبوں کو　　زلف کس کس طرح اکڑتی ہے

تجھ کو جانے دوں کیوں کہ خانہ خراب　　دل کی بستی مری اجڑتی ہے

بکھلے مردے اکھیڑو مت آہ　　نعش آشفتہ آج گڑتی ہے

۳۔ امیر، نواب محمد یار خاں:

کریم الدین لکھتے ہیں۔ (۱۴)

"اس نے میر سوز اور مرزا محمد رفیع سودا سے جو کہ ان ایام میں درمیان فرخ آباد کے مہربان خاں کے ہمراہ رہتے تھے اصلاح لینی شروع کی۔ ہر چند اس نے ان دونوں شاعروں سے درخواست کی کہ تم میرے پاس چلے آؤ انھوں نے نہ مانا"۔

قائم کے ٹانڈے پہنچنے سے پہلے امیر، سوز اور سودا ہی سے اصلاح لیتے ہوں گے۔ قائم کی آمد کے بعد ممکن ہے یہ سلسلہ منقطع ہوگیا ہو۔ ہوسکتا ہے کہ سوز جب ٹانڈے پہنچے ہوں تو مختصر عرصے کے لیے اصلاح کا سلسلہ بھی جاری ہوگیا ہوگا۔ لیکن اس کی مدت چند ماہ سے زیادہ نہیں ہوسکتی۔

نمونۂ کلام:

تیرے گھر جانے سے یاں اپنا تو گھر جاتا ہے　　اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

واہ ری سرخی ترے چہرے کی بنگام حجاب　　جتنا بگڑے ہے تو اتنا ہی سنور جاتا ہے

تھرتھراتا ہے اب تلک خورشید　　سامنے تیرے آگیا ہوگا (۱۵)

اس شکار انداز سے لگ کر کوئی چھوٹے ہے آنکھ　　کیوں نہ ہو سوے قضا منہ وقت رم نخچیر کا

بس میں آیا جو تمھارے اسے چاہو سو کرو　　کیا ستم آدمی ستا نہیں لاچاری سے

۴۔ افسوس، میر شیر علی:

اردو کے مشہور نثرنگار اور فورٹ ولیم کالج کے نورتن میر شیر علی افسوس ۱۱۵۳ہجری مطابق ۱۷۳۰ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ کا نام میر مظفر خاں تھا۔ نارنول کے رہنے والے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ میر مظفر خاں نواب قاسم خاں عالی جاہ کے داروغہ توپخانہ تھے (۱۶)۔ جب نواب میر قاسم عالی جاہ کو انگریزوں کے مقابلے میں شکست ہوئی تو میر مظفر خاں لکھنؤ چلے آئے۔ اس وقت میر شیر علی کی عمر گیارہ سال تھی۔ میر شیر علی تقریباً گیارہ سال نواب حسین علی خان سالار جنگ اور ان کے لڑکے مرزا نوازش علی خاں کے پاس رہے۔ نواب حسین علی خاں، نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کے داماد تھے اس وجہ سے میر مظفر جنگ سے ان کے خصوصی مراسم تھے (۱۷)۔ میر شیر علی افسوس کو مختلف تذکرہ نگاروں نے مختلف استادوں کا شاگرد لکھا ہے (۱۸)۔ سید علی حسن خان (۱۹) نے ان کو میر حیدر علی حیراں اور میر سوز کا شاگرد بتایا ہے۔ مصحفی کہتے ہیں "پہلے میر سوز سے تلمذ تھا پھر حیراں سے استفادۂ سخن کیا (۱۹)۔ لطف نے ان کو میر حسن کا شاگرد لکھا ہے (۲۱)۔ میر حسن کی اپنی روایت یہ ہے کہ کچھ عرصہ میر سوز سے فائدہ اٹھایا پھر آگے مزید اضافہ کرتے ہیں:

"با فقیر از سبب ہم نشینی صحبت شعراء اکثر می شود۔ ہر سخنے کہ می گویم از رہ منصفی درست می داند"۔ (۲۲)

بعض کا قول ہے کہ میر سوز اور میر تقی میر سے اصلاح لی تھی۔ (۲۳)

احمد علی یکتا رقم طراز ہیں:

"معلومات میں اور بندش سخن میں کسی طرح بھی ہم عصروں سے کم نہ تھا۔ صاحب دیوان ہوا۔ اکثر اقسام شعر کو اچھا کہا۔ پہلے میر سوز کی شاگردی کی آخر میں میر حیدر علی حیراں سے رجوع کیا۔ مشق کلام پختگی تک پہنچائی۔ فقیر سے بہت دوستی اور اتحاد تھا۔ حکیم آغا محمد باقر صاحب کی خدمت میں مدتوں ہم دونوں شریک درس رہے آخر مرزا فخر الدین احمد خاں مرحوم کی سفارش سے کمپنی میں بصیغۂ شاعری اور اردو دانی نوکر ہو کر مدتوں کلکتہ رہے اور وہیں ۱۲۲۴ ہجری مطابق ۱۸۰۹ء میں انتقال کیا (۲۴)۔ یہ اس کی تاریخ وفات ہے:۔

از جہاں رفت میر شیر علی کرد ہر پیر و ہر جواں افسوس
بود افسوس چون تخلص او ہمہ کردند شاعراں افسوس
گفتم از روئے درد این تاریخ رفت افسوس زین جہاں افسوس
(۱۲۲۴ھ)

فورٹ ولیم کالج کے تراجم میں ان کی باغ اردو (ترجمہ گلستان) اور آرائش محفل مشہور ہے۔ (۲۴)

نمونۂ کلام:

قفس سے چھٹنے کی امید ہی نہیں افسوس　　حصول کیا ہے جو مژدہ بہار کا پہنچے

کوئی دل سے مرے پوچھے جیسا ہے وہ اے ناصح　　گو تجھ کو نہ خوش آیا پر مجھ کو تو بھاتا ہے

کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد　　بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں

کوچۂ یار میں رہتے تو نہیں اب لیکن　　بھولے بھٹکے کبھی اس راہ سے ہو جاتے ہیں

دیکھتے ہی اسے حاضر ہوئے مرجانے کو　　وہی غم خوار جو یاں آئے تھے سمجھانے کو

ہجر ہے وہی، وہی دن ہے پہاڑ سا　　وصل صنم تو رات کو اک خواب ہو گیا

کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف　　مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجے　　رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجے

اشک گرم اپنے سے یہ دیدہ تر جلتے ہیں　　دیکھ لو مردم آبی کے بھی گھر جلتے ہیں

سچ ہیں یہ خود نمائیاں حق ہیں یہ لن ترانیاں
شعلہ طور بجھ گیا دیکھ کے اس کے نور کو
تونے فسوس کیا کیا دشمن جاں کو دل دیا
یہ تری عقل جل بجھی آگ لگے شعور کو

صبح نت کرتا ہے یہ دل اشکباری بیشتر　　ہو سحر کو خانہ ماتم میں زاری بیشتر
دل کے تیں بھی آشنائی کا نہیں کچھ اعتبار　　بے وفاؤں سے رہی ہے تجھ کو یاری بیشتر

یہ ملک دل تو جل کے سراسر بھسم ہوا ۔ سوز جگر مگر نہ ذرا اب بھی کم ہوا
تسکین جی کو کب ہوئی اک دم وصال سے ۔ بلکہ دو چند آگے سے اس دل کے غم ہوا
اے شیخ جا تو کعبہ کو معذور رکھ مجھے ۔ بیت الصنم ہی مجھ کو تو بیت الحرم ہوا
اے دل لگا تو مانگنے اب موت دم بہ دم ۔ افسوس تجھ کو ہجر کا ایسا الم ہوا

کرنے نہ دیا اک تری آنکھوں کا نظارا ۔ اس تیر نظر نے تو مجھے مفت میں مارا
سب بھول چلے رشک سے بلبل کے اڑے ہوش ۔ جامہ جو ذرا باغ میں اس گل نے اتارا
وہ شب بھی گئی مفت میں اس مہ نے سحر کی ۔ جوڑے کو بنایا کبھی زلفوں کو سنوارا
اس تیرے بنا گوش کے موتی کی چمک کے ۔ قربان فلک نے بھی کیا صبح کا تارا
گھبرا کے دوانوں کی طرح دوڑ پڑا میں ۔ اے مہ جو کسی اور کو بھی تونے پکارا
خوباں کو لگا ناز سے دینے جو تو خلعت ۔ گل نے بھی ترے سامنے دامن کو پسارا
میں نے جو ترے واسطے اپنوں کو بھی چھوڑا ۔ اغیار سے لیکن نہ کیا تو نے کنارا
اس شخص کے باعث سے ہوئے سیکڑوں دشمن ۔ صد حیف کہ وہ بھی نہ ہوا دوست ہمارا
اب صاحب عالم کی ثنا میں تو غزل کہہ ۔ افسوس نہ کر شکوۂ دلدار خدارا

اے ماہ نہاں شب کو تو کس گھر میں نہاں تھا ۔ جو تیرہ مری نظروں میں سارا یہ جہاں تھا
وہ ناز سے تھا جلوہ کناں میں نگراں تھا ۔ واللہ وہ کیا وقت تھا اور کیا وہ سماں تھا
اب کون سی صورت ہے مری زیست کی ہم دم ۔ یوں روٹھ چلا جو کہ مرا مونس جاں تھا
تھا دل کو قلق تیرے نہ آنے سے نہایت ۔ یہ دیر لگی کس لیے اب تک تو کہاں تھا
اب ٹھوکریں کھاتا ہے تری اور نہیں ہلتا ۔ وہ دل جو نظر کردۂ اہل نظراں تھا
سو داغ اگر ہیں تو عجب کیا ہے کہ یہ دل ۔ اک عمر تلک شیفتۂ لالہ رخاں تھا
جس دل کے تئیں دیکھتے ہو دشت سا ویراں ۔ اے دوستو آباد کبھو یہ بھی مکاں تھا

ہم دم تجھے معلوم نہیں ہو تو یہ سن لے اس واسطے اس کوچے میں کل شور و فغاں تھا
افسوس کے تئیں قتل کرے تھا وہ ستم گر اک طائفۂ غمزدگاں گریہ کناں تھا

ہے حماقت اب جو کیجے جور کا تیرے گلہ ہاں میاں اپنے ہی پیش آیا ہے یہ اپنا کیا
بے مروت بے وفا بے رحم کا عاشق ہوا کیوں نہ مارا جاؤں میں کاہے کو میں ایسا کیا
دیدۂ پرخوں نے تیرے آہ رو رو خون دل ایک دم میں لال سارا دامن صحرا کیا
اے بت پیماں شکن اب تک نہ آیا تو ادھر صبح سے تا شام تیری راہ میں دیکھا کیا
ایک دن مجھ سے نہ پوچھا کس لیے روتا ہے تو غیر کے آنسو سدا دامن سے تو پونچھا کیا
سنگ دل خونی ستم گر کی نگاہ گرم پہ دل حوالے کر دیا افسوس تو نے کیا کیا

جنت سے کہیں بہتر ہے یار ترا کوچہ چھوڑیں نہ کبھی ہم تو زنہار ترا کوچہ
آیا نہ نظر شاید تو اس لیے میں جاکر دیکھ آتا ہوں اک دن میں سو بار ترا کوچہ
اس طرح ہمیں پیارے کیا دور اٹھا پھینکا یوں چھوٹ گیا ہے ہے اکبار ترا کوچہ
اس میں جو کوئی آیا وہ جا نہ سکا ہرگز کیا پاؤں پکڑتا ہے دلدار ترا کوچہ
طاقت گئی پاؤں کی دشوار ہوا چلنا (ق) افسوس نے گھر جانا جب یار ترا کوچہ
تب اس نے مقرر ہی رہنے کو کیا اپنے جوں نقش قدم آخر ناچار ترا کوچہ

اگرچہ باغ و چمن کی بہار ہے غنچہ پہ تو نہ ہووے تو نظروں میں خار ہے غنچہ
لگی ہے تیغ نگہ کس کی یہ بتا بلبل کہ ٹکڑے ہے جگر گل فگار ہے غنچہ
جلے ہے اس لیے دل بلبلوں کا اے گلرو کہ تیرے مکھڑے پہ جیسے نثار ہے غنچہ
ترے لبوں سے جو تشبیہ دیجئے تو غلط یوں اپنی آن میں رنگیں ہزار ہے غنچہ
ہنسا ہے تو مگر اس کے دہن پہ اے گلرو کہ منفعل بسر شاخسار ہے غنچہ
ضرور کیا ہے جو گلشن میں جائیں چھوڑ تجھے ترا ہی منہ ہمیں اے گلعذار ہے غنچہ

تو اس کا بوسہ جو لیتا ہے دم بہ دم افسوس کسی دہن کا مگر یادگار ہے غنچہ

شب وصل روز فراق کی مجھے سدھ نہ ایک ذری رہی
مے عشق کا یہ نشہ چڑھا کہ مدام بے خبری رہی
کوئی کھیت ہوئے جہان میں دیئے پانی بن نہ ہرا ہو ٹک
مگر اپنی کشت مراد کی وہی آگ ہے جو ہری رہی
ہے اگر تجھے طلب ثمر تو کبھی ادھر کا نہ دھیان کر
وہ شجر ہوں میں ہی جہان میں جسے نت ہی بے ثمری رہی
نہ فقط تری سر راہ پر یہ لگے ہیں آدمیوں کے ٹھٹ
تجھے دیکھا چلتے جو ناز سے تو کھڑی ہی کبکِ دری رہی
بھویں اپنی ناز سے تک چڑھا جوں ہی آن کر وہ کھڑا ہوا
نہ تو حور کر سکی سامنا نہ مقابل اس کے پری رہی
تن زار سے مرے جب تلک دم واپسیں نہ نکل گیا
تری تیغ اے بت جنگجو مرے حلق پر ہی دھری رہی
نہ چھٹا کہیں سے بھی اک ذری اسے دھوتے دھوتے تھکے سبھی
تری تیغ خون فسوس سے جو بھری تھی سو ہی بھری رہی

آمر الامر بے وفائی ہے تیری دو دن کی آشنائی ہے
کون آتا ہے جی کے لینے کو پیشوا جان لب تک آئی ہے
روز محشر تلک جو صبح نہ ہو سو وہ یارو شب جدائی ہے
عشوہ و ناز غمزہ سب ہیں جمع مجھ پہ اک فوج کی چڑھائی ہے
جب بلاتا ہوں ہنس کے کہتا ہے میں نے مہندی ابھی لگائی ہے
دیکھ کر اس کی مسی میں نے کہا (ق) وا چھڑے کیا دھڑی جمائی ہے
مسکرا کر کہا تب اس نے یوں تیری افسوس موت آئی ہے

شب و روز بزم نشاط میں وہ صنم تو مست شراب ہے
مرے دل کی اس کو خبر نہیں کہ یہ سوزِ غم سے کباب ہے

غم و درد سے ہوں میں نیم جاں مجھے زیست سخت عذاب ہے
مرے قتل میں تو نہ دیر کر بخدا یہ کار ثواب ہے

سخن عاشقوں کا بھی سن ذرا ادھر اور ادھر تو کہیں نہ جا
دل غم زدہ کو پھر آ بسا ترے بن یہ ملک خراب ہے

مجھے کیا غرض ہے کہ جاؤں میں کسی میکدے میں برائے مے
تری چشمِ مست کی اک نظر مرے واسطے مئے ناب ہے

یہ ہے سوچ جو کبھی آئے وہ تو کہاں بٹھاؤں کہ ان دنوں
مرا دل جو ہے سو وہ خون ہے مری چشم ہے سو وہ آب ہے

ترے بال مشک ختن سے ہیں لب لعل تیرے ہیں غنچہ ساں
ترا جسم گل ہے بسانِ گل، عرق اس کا مثلِ گلاب ہے

جسے دیکھتے ہی جنون ہو، جسے ترک عشق فزون ہو
سو کتاب خانۂ دہر میں ترے حسن کی وہ کتاب ہے

کبھی ساعتوں کا شمار ہے کبھی ہے شمارِ ستارگان
شبِ انتظارِ بتاں خدا مرے حق میں روز حساب ہے

میں خموش پاسِ ادب سے ہوں، وہ ہے چپ غرورِ جمال سے
نہ تو رمز ہے نہ کنایہ ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

ترے ہجر میں بتِ دلستاں بخدا کہ اس دل و چشم کو
نہ تو صبر ہے نہ سکون ہے نہ قرار ہے نہ خواب ہے

یہ شبیں فراق میں کیوں کٹیں کہ فسوس پھیر کرے گا تو
جو مزا ہے آج سو کل نہیں کہ اخیر عہدِ شباب ہے

۵۔ انور، محمد انوار الدین:

اصل نام محمد انوار الدین تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ اچھے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد بادشاہ دہلی (غالباً احمد شاہ) کے منصب داروں میں تھے۔ دہلی سے ترک سکونت کر کے مئو محمد آباد میں قیام پذیر ہوئے۔ انور ایک لائق نوجوان تھے۔ وہ حافظ قرآن تھے اور بہت خوش

اخلاق اور خلیق و متواضع تھے۔ پہلے قانع تخلص کرتے تھے پھر انور پسند کیا۔ میر سوز کے شاگرد تھے۔ طبیعت موزوں اور مناسب پائی تھی۔ (۲۵)

انور کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے استاد کی کامیاب حد تک پیروی کی ہے۔ زبان کا اسلوب، طرز ادا، سادگی و صفائی میں وہ میر سوز کے رنگ کو خوب نبھاتے ہیں انھوں نے بہت سی غزلیں استاد کی زمین میں کہیں اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ وہ اپنے نامور استاد کے قدم بہ قدم چلے ہیں۔

نمونۂ کلام:

انور:

مرا دست وفا، دامان قاتل ایک دن ہوگا	ستم کا اس کے بدلہ ہاں مرے دل ایک دن ہوگا
مجھے کہنے لگا وہ، دیکھ رکھ شمشیر میری کو	ارے ڈرتا رہا کر ورنہ بسمل ایک دن ہوگا

سوز:

سرشک شمع آخر شمع محفل ایک دن ہوگا	یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہو دل ایک دن ہوگا
بھلا جو دل کو لے بھاگا تو رو کر چپ رہا تھا میں	یہ خاطر میں نہ تھا جی کا بھی سائل ایک دن ہوگا

انور:

پوچھنا کیا ہے کہ جاؤں یا نہ جاؤں یار پاس	مت ستا تو مجھ کو دل، میری بلا سے جا نہ جا
گو ہمیں بوسہ نہ دے پر سامنے آنکھیں تو کر	جان یہ کیا طور ہے اتنا بھی تو شرما نہ جا
حال دل انور کا سن بے رحم ٹک انصاف کر	راست کہتا ہوں تو میری بات پر ہنستا نہ جا

سوز:

مجھ کو تنہا چھوڑ کر اے شوخ بے پروا نہ جا	جان تیرے ساتھ جائے گی ذرا سستا نہ جا
جب تلک بیٹھا ہے تو جب تک ہے میرے جی میں جی	اے بلا گرداں ہوں میں تیرے کہیں رہ جا نہ جا
کیوں دے دل آخر کو پچھتایا نہ کر کے عاشقی	تجھ کو میں کہتا نہ تھا آ ہر کہیں بے جا نہ جا
ایک دم تو دیکھ لوں دیدار اپنے دوست کا	اے اجل جلدی نہ کر اے مر تک سستا نہ جا
دیکھ تو کیا کیا ستم میں نے سہے تیرے لیے	ٹک تو بیٹھا رہ ابھی تو اے کرم فرما نہ جا

شوخ ہی آوے گا خود داری بھی لازم ہے تجھے — سوز یہ کیا طور ہے اتنا بھی تو گھبرا نہ جا

انور:

جگر سے اشک، دل سے نالہ سینے سے فغاں نکلا — کدھر کا قصد کر ان گھر بسوں کا کارواں نکلا

میاں سچ ہے تمہارا وعدۂ فردا قیامت ہے — گذر جاتی ہے جب شب اتنے کہنے میں کہ ہاں نکلا

سنی ہے خط نکلنے کی خبر اچھا مبارک ہو — بھلا ٹک اس طرف پھیرو تو منہ دیکھوں کہاں نکلا

دیا تھا دل اسے بھولا سمجھ کر واہ ری قسمت — وہ ایسا فتنۂ جاں شوخ چشم و بد زباں نکلا

سفر کی سن کے انور کی خبر بولا شتابی سے — چلو اچھا ہوا میری گلی سے ناتواں نکلا

سوز:

جگر سے آہ، دل سے نالہ، سینے سے فغاں نکلا — سرائے تن سے کیا حسرت زدوں کا کارواں نکلا

سحر گہ تیغ کاندھے پر جو وہ دامن کشاں نکلا — عجب ہر زخم سے اس وقت شور الاماں نکلا

وہی دل جو مرے پہلو میں تھا اب عرش اعظم ہے — خدا کے واسطے دیکھو کہاں سے جا کہاں نکلا

غریب و ناتواں میں نے سمجھ کر دل کو پالا تھا — سو یہ بندہ بھی میرے حق میں رستم داستاں نکلا

تمہاری رات کا احوال روشن ہوئے گا سب پر — خدا کے واسطے جوں شمع مت میری زباں نکلا

ہمیشہ عاشق صادق جو اپنا مجھ کو کہتے تھا — سو بہکانے سے نامردوں کے وہ بھی بدگماں نکلا

انور کے مزید کچھ اشعار بطور نمونہ لکھے جاتے ہیں:-

دل میں ہے محفل خوباں میں مکاں کیجئے گا — پھر سر نو سے دل پیر جواں کیجئے گا

ہاتھ چھوڑوں گا نہیں آج تمہارا صاحب — ہاں جی مٹنے کا نہیں دل کے نشاں کیجئے گا

نہیں ہم جانتے گل کس طرح کا ہے سمن کیسا — نہ دیکھیں یار کا منہ جس جگہ باغ و چمن کیسا

شہید تیغ ناز دلبراں ہم ہوگئے انور — کہاں کا غسل کاہے کا لحد گور و کفن کیسا

اب تو کرتا ہے مرے دل کو تو حیران بھلا — میں بھی سمجھوں گا بھلا تو مری جان بھلا

کچھ تجھے رحم نہ آیا مری تنہائی پر — یوں مجھے چھوڑ گیا او دل نادان بھلا

اور تو تجھ سے کسی چیز کی امید نہیں　　پر مرے پیارے اب اتنا تو کہا مان بھلا
آن کر مجھ سے کبھی پوچھ کہ کیا ہے تجھ کو　　جی سے نکلے تری باتوں ہی کا ارمان بھلا

یہ کیا قد و قامت ہے حضرت سلامت　　کہ جی پر قیامت ہے حضرت سلامت
نہیں دیکھا تم نے اے شیخ صاحب　　جو ہم پر ملامت ہے حضرت سلامت
کوئی دن نظر آگیا تو کہیں گے　　کہ صاحب سلامت ہے حضرت سلامت

اگر ہے یہی جور حضرت سلامت　　تو جینے کا کیا طور حضرت سلامت
رقیبوں سے خوش ہم سے بیزار ہیچ ہے　　بھلے کا نہیں دور حضرت سلامت

چلے جاؤ مت جھوٹی باتیں بناؤ　　اگر ہم سے ملتے تو ڈر تھا کسی کا

کوئی گالی ہی او مرے بانکے　　میں تمھاری زبان کے قرباں
جامہ زیبی میں کیا قیامت ہے　　اس سجیلے کی شان کے قرباں

کیا مجھ کو اچنبھا ہے مجھ سار کے مددی بن　　کیوں کر تمھیں بھاتی ہیں غیروں سے ملاقاتیں
انور نے کہا یک شب آؤ تو ہمارے گھر　　ہنس ہنس کے لگا کہنے آنے دو بڑی راتیں
میاں سونے نہ دوں گا کیوں یہ ناحق مکر کرتے ہو　　کہ میں نے آتے ہی جھکی ہوئی تیری پلک دیکھی

۴۔ ترقی، محمد تقی خاں:

اسد الدولہ رستم الملک مرزا محمد تقی خاں بہادر ترقی کے والد کا نام سید محمد امین خاں نیشاپوری تھا۔ فیض آباد میں اپنے گھر پر مشاعرے کراتے تھے۔ مصحفی ان کا ذکر بہت احترام سے کرتے ہوئے کہتے ہیں - ایک جوان ہے باغ و بہار، کشیدہ قامت، موزوں لباس سے آراستہ، کئی ۳۰ آغاز شعر گوئی سے اب تک خلوص دل سے اہل کمال اور شاعروں کی رقم سے امداد کرتے ہیں اور ہر کس و ناکس کو محروم نہیں رکھتے (۲۹) ۔ ہر شخص کی تواضع کرتے تھے۔ کلام درد آلود اور رنگین ہے۔ نواب وزیر الملک کے رشتہ داروں میں سے تھے اور شرف تلمذ میر سوز سے

رکھتے تھے (۲۷)۔ صاحب دیوان تھے۔ مصحفی ۔ قاسم ۔ اور تنہا نے ترقی کے استاد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ نساخ (۲۸) اور سید علی حسن خاں (۲۹) نے ان کو میر سوز کا شاگرد لکھا ہے۔

نمونۂ کلام:

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز وہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس ہم نہ ہوں گے

آواز عشق ہی میں شکوہ بتوں کا اے دل
ٹک صبر کر ابھی تو کیا کیا ستم نہ ہوں گے

بلبل کے درد دل کا ممکن نہیں مداوا
گلچیں کے ہاتھ دونوں جب تک قلم نہ ہوں گے

یاران رفتگاں پر کیا روئیں ہم ترقی
کیا ہم روانہ سوئے ملک عدم نہ ہوں گے

کیا شعاع حسن اس خورشید رو کے تن پہ ہے
پرتو ایسا نور کا جو سارے پیراہن پہ ہے

قتل کی لذت کا گر منہ سے ادائے شکر ہو
حشر تک احسان قاتل کا مری گردن پہ ہے

جھاڑ کر چلتا ہے اٹھ کر بیٹھتی ہے پھر وہیں
خاک کس حسرت بھرے کی یہ ترے دامن پہ ہے

یاد آتے ہیں نکیلے وہ مژہ ٹانکے کے وقت
اس لیے میری نگہ جراح کے سوزن پہ ہے

جرم کچھ ٹھہرائے قاتل پھر مجھے تو قتل کر
بے گناہی میری ثابت دوست اور دشمن پہ ہے

ساکنان کعبہ نے کی بت پرستی اختیار
وہ صنم نام خدا کیا ان دنوں جوبن پہ ہے

جھانکنے میں چشم بیمار اس کی جب دکھلائی دی
میں نے جانا پھول نرگس کا دھرا روزن پہ ہے

دیکھیے اب کس مسلماں کو کرے گا قتل تو
آج غصہ بے طرح کافر تری چتون پہ ہے

تو نے اک دن بھی نہ دیکھا چڑھ کے اپنے بام پر
روز اس کوچے میں ہنگامہ مرے شیون پہ ہے

ہے ترقی میرے اس سینے میں وہ آتش نہاں
طعنہ زن جس کا شرر ہر شعلۂ گلخن پہ ہے

کاتب تقدیر گر نالہ سنے تاثیر کا
محو ہوکر لوح پر رکھ دے قلم تحریر کا

خوب ڈھونڈا چیر سینہ اس نے مجھ دلگیر کا
چاک جب دل کو کیا تب نکلا پیکاں تیر کا

صبح تک رہتا ہے اس مہ کا شب مہ میں خیال
چاند بھی گویا ورق ہے یار کی تصویر کا

تونے عاشق کی بھی کچھ اپنے خبر پائی ہے — جان دیتا ہے وہ اور خلق تماشائی ہے

در و دیوار سے آتا ہے نظر جلوۂ دوست — آئینہ خانہ مرا گوشۂ تنہائی ہے

اس عشق کے داغوں سے بہت پھولے پھلے ہم — اک شمع بنفشہ کی تھی جس وقت جلے ہم

کون سا گل اس باغ میں آیا رنگ اور روپ جو لوٹ گیا
کس نے آنکھ لڑائی تھی جو دیدۂ نرگس پھوٹ گیا

اے ترقی بات جی کی جی میں رکھ — منھ سے نکلی اور پرائی ہو چکی

اس نے تو دکھ یہ دکھایا ہے کہ جی جانے ہے — پر مزا میں نے یہ پایا ہے کہ جی جانے ہے

۷۔ جان، جان عالم خاں:

آپ کا پورا نام جان عالم خاں تھا۔ والد کا نام نواب منور خاں تھا۔ نواب منور خاں کے بھائی نواب روشن الدولہ ظفر خاں ولد مظفر الدولہ شہزادہ رفیع الشان کی سرکار میں ملازم تھے۔ (۳۰) اصل نام تو خواجہ مظفر تھا لیکن شہزادہ رفیع الشان نے ظفر خاں خطاب دیا۔ اور ایک ہزار پانچ سو سواروں پر افسر مقرر کیا۔ شہزادہ رفیع الشان اورنگ زیب عالم گیر سے جنگ کرتا ہوا مارا گیا۔ تو ظفر خاں بھی بے سہارا ہو گئے۔ آقا کی موت نے کچھ ایسا دل برداشتہ کیا کہ ترک دنیا کر لیا۔ دلی کے خراب حالات کے باعث یہ خاندان فرخ آباد چلا گیا۔ جان عالم خاں کی پرورش فرخ آباد ہی میں ہوئی۔ تعلیمی استعداد معقول تھی۔ علوم عربیہ سے واقف تھے۔ نثر اچھی لکھتے تھے اور اچھے خوشنویس بھی تھے۔ خط نستعلیق اور خط شکستہ میں مہارت رکھتے تھے۔ حسن اور بخشی کی جو داستان جرأت نے قلم بند کی ہے اس میں تین طوائف کے یہاں خواجہ حسن کا جانا اور اس کو پیام راحت طوائف کا دینا جان عالم خاں کی فرمائش ہی سے نظم کیا ہے۔ آپ کا شمار اچھے نثر نگاروں میں ہوتا تھا (۳۱) میر سوز سے اصلاح لیتے تھے۔ رقص و سرود سے بے پناہ لگاؤ تھا۔ ایک شعر آپ کا زبان زد عام ہے۔ (۳۲)

نمونۂ کلام:

چھوڑ عارض دل نے گھیرا زلف مشکیں فام کو — صبح کا بھولا غنیمت ہے جو پہنچے شام کو

لگا خوبان نو خط سے یہ ملنے   گھسیٹا پھر مجھے کانٹوں میں دل نے

بیٹھا ہوں یار آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے   جوں نابداں میں شیشہ رنگیں دھرے ہوئے

اس سنگ دل کے دل میں ذرا بھی نہ راہ کی   دور از اثر سدا رہی ، ہت تیری آہ کی

۸۔ حیف ، موتی لال:

حیف کا نام موتی لال تھا۔ والد کا نام بت سین یا بدھ سین تھا۔ ذات کے کائستھ تھے۔ دبی پرشاد بشاش نے باپ کا نام شبھ یا شب سنگھ بتایا ہے (۳۳) نساخ نے حیف کو میر سوز کا شاگرد لکھا ہے (۳۴)۔

نمونہ کلام:

گلشن دہر میں کیوں کر وہ بھلا شاد رہے   رات دن جس کے لیے گھات میں صیاد رہے

نہ ساحل سوجھتا ہے نے کنارا ہے نظر آتا   محبت نے ہمیں کس گھاٹ دیکھو لا اتارا ہے

بنا گوش بلوریں پر یہ در لگتا پیارا ہے   کہ جیسے متصل مہتاب کے ہوتا ستارا ہے

جو ہو اک بات اس میں قتل کی تو میں کہوں اس کو   ادا ہے ناز ہے ، غمزہ ہے آنکھوں کا اشارا ہے

۹۔ داغ ، میر مہدی:

میر سوز کے صاحبزادے تھے۔ پہلے آہ تخلص کرتے تھے بعد میں داغ اختیار کیا۔ (۳۵) کریم الدین (۳۶) لکھتے ہیں:

" یہ عجب اک جوان تھا۔ نیکو رو ، زیبا شمائل ، باوجود دلربائی کے سب دل پر مائل ، تشبیہ گل کی اس کے ساتھ دو معنی سے درست ہے یعنی خود بھی سینہ چاک اور سینہ واسطے چاک کرنے کے بھی دیتا تھا۔ اور مشابہت لالہ کی بھی اس کے ساتھ دونوں صورتوں سے موافق یعنی دل بھی اس کا داغ اور لوگوں کے دلوں پر بھی داغ رکھتا تھا۔ حاصل کلام بیس برس کی عمر میں ایک گل رو پر داغ کھایا یعنی عاشق ہوا۔ ایک مدت عیش و عشرت میں اس نو بہار حسن سے مشغول رہا۔ آخر کو دام ہجراں میں پھنسایا۔ بے طاقتی نے اس کا کام تمام کیا قریب تھا کہ مرجائے یاروں نے بہت سعی کی اس کی جان بچانے کی ، جہاں تک ہو سکی کی ، اور اس کے

معشوق کو تکلیف رفتار کی دی لیکن اس نے واسطے اپنے دیوانے کی تسلی کے یہ لکھ بھیجا کہ کل آؤں گا۔ اس عاشق بیچارہ نے جو کہ حالت جاں کنی میں تھا، یہ جانا کہ کل سے مراد روز قیامت ہے اسی وقت مر گیا۔"

کریم الدین کی عبارت آرائی سے قطع نظر مصحفی (۳۰) اصل واقعے کو مختصراً بیان کرتے ہیں کہ داغ نہایت خوب صورت اور خوش خو نوجوان تھے کسی زن بازاری پر عاشق ہوگئے۔ وصال محبوب زیادہ دنوں حاصل نہ ہوا کچھ دنوں کے بعد جدائی ہوگئی اور وہ کسی دوسری جگہ چلا گیا۔ وارفتگی اور آشفتگی نے بستر مرگ پر پہنچا دیا۔ مرنے سے پہلے محبوب کا خط ملا جس کے جواب میں یہ شعر لکھا اور محبوب مجازی سے رشتہ توڑ کر محبوب حقیقی سے جا ملے۔

از جان رمقے بود کہ مکتوب تو آمد
دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی

جرأت نے تاریخ وفات کہی:

جا بسا جو گلشن جنت میں وہ   بدتر از دشت اب جہاں کا باغ ہے
جرأت اس کی ہے یہ تاریخ وفات   سید مہدی کا ہے ہے داغ ہے

۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ع

کلب علی خاں فائق نے اس روایت کو صحیح تسلیم نہیں کیا ہے کہ داغ کی موت بیس سال کی عمر میں ہوئی (۳۸)۔ جہاں تک داغ کی عمر کے تعین کا سوال ہے ہمارے پاس دوسرا کوئی ثبوت ایسا نہیں ہے جس سے ہم کریم الدین کی روایت کو غلط ثابت کردیں۔ داخلی شہادتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے محتاط اندازے کے بموجب سوز کی شادی کا تعین تیس سال کی عمر کا کیا ہے اس طرح ان کی ازدواجی زندگی کا آغاز ۱۱۵۵ ہجری مطابق ۱۷۴۲ع سے ہوتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ داغ کی پیدائش شادی کے بہت عرصے بعد بڑی مرادوں اور منتوں کے بعد ہوئی۔ سوز نے داغ کا جو مرثیہ لکھا ہے اس کے پہلے شعر میں اسی طرف اشارہ ہے۔

آ جا مری منتوں کے پالے
اے پیارے جھنڈولے بالوں والے

لہذا وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ داغ کی پیدائش فرخ آباد میں ۱۱۸۳ ہجری مطابق ۱۷۶۹ع کے لگ بھگ ہوئی۔ عظیم آباد پٹنہ میں سوز نے اشعار میں اپنی جس دل گرفتگی اور بیزاری کا اظہار کیا ہے اس کیفیت میں ایک جگہ کہتے ہیں:

سید الشہدا کو سونپ آیا ہوں دلبندوں کو میں
وہ ملا دیں گے مجھے اک ایک کا کر کے حساب

اس شعر سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس وقت سوز کے بچے بہت کم عمر تھے۔ بہرحال داغ کی موت پر سوز نے جو مرثیہ کہا ہے اس سے ہمارے سامنے ان کا جو سراپا آتا ہے وہ بالکل نو عمری کا ہے۔

داغ کے جو اشعار محفوظ رہ گئے ہیں ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا نو مشق ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ ان کا انداز بیان اپنے والد ماجد کی مانند ہے۔ سادگی، بے ساختگی کے ساتھ درد عشق کی کسک کلام میں بڑی تاثیر پیدا کر دیتی ہے۔

نمونۂ کلام:

اسی کے پاس تھا دل کیا ہوا اے ہم نشیں دیکھو	ادھر دیکھو، ادھر دیکھو، یہاں دیکھو، کہیں دیکھو
اسی کے پاس ہے رہ رہ کے یہ جو مسکراتا ہے	اسی کی جیب دیکھو، ہاتھ دیکھو، آستیں دیکھو
پکڑنا چور کا مشکل نہیں گر کچھ کچھ ہووے	ہوائی رنگ دیکھو، ماہتابی سی جبیں دیکھو
آہ نکلے نہ دل کی آہ کہیں	ہو نہ جاوے جہاں سیاہ کہیں
دل کے ہاتھوں کہاں چھپوں جاکر	مجھ کو ملتا نہیں پناہ کہیں (۲۹)

رباعی:

یہ چاہ نہیں بھلی، بری ہوتی ہے	جی لیتی ہے دوستی بری ہوتی ہے
لگتا ہی نہیں ہے جی کہیں اس بن آہ	سچ کہتے ہیں، یہ لگی بری ہوتی ہے

۱۰۔ رند، نواب مہربان خاں:

مہربان خاں رند کا ذکر معاصر تذکرہ نگاروں نے بہت اہتمام اور احترام سے کیا ہے۔ قائم لکھتے ہیں کہ وہ ذہن سلیم اور طبع مستقیم رکھتے ہیں۔ موزونی طبع کے اقتضا سے اہل سخن اور ارباب فن سے محبت کرتے ہیں۔ اہل کمال کی تربیت ہی کا اثر ہے کہ ان کے کلام میں اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ اچھے شاعروں کو ان کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔ (۳۰) میر حسن کہتے ہیں کہ رند میر سوز اور مرزا رفیع سودا کے شاگرد تھے۔ اشعار کہنے میں خاص مہارت تھی (۳۱) قائم مزید

اضافہ کرتے ہیں کہ نواب احمد خاں کی زندگی میں شان و شوکت سے زندگی بسر کرتے تھے تقریباً تمام تذکرہ نگار ان کی تعریف کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کی علمی قابلیت زیادہ نہ تھی مگر علم مجلسی سے کما حقہ واقف تھے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ وہ جاہل تھے اور ان کا تلفظ بھی درست نہ تھا۔ (۳۲) اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ رند کسی غیر معروف ہندستانی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور لہجہ دیہاتیوں جیسا تھا۔ لیکن ان کی علم پروری کی تعریف کرتے ہوئے مصحفی کہتے ہیں کہ جب فرخ آباد میں ان کا دور اقتدار تھا تو انھوں نے علم و فن کی قدر دانی پر ہزار ہا روپیہ صرف کیا۔ ان کو علم موسیقی، شعر گوئی اور مرثیہ گوئی کا بہت شوق تھا۔ کبت، دوہرہ اور ہندی شاعری کے ماہر تھے فن سپہ گری، بانک پٹے، شمشیر زنی اور تیر اندازی میں کمال حاصل تھا ان علوم و فنون میں میر سوز سے بھی استفادہ کیا تھا۔ ان کو علم قیافہ شناسی سے بھی لگاؤ تھا۔ (۳۳)

رند کی علم دوستی اور معارف پروری کے باعث ہی میر سوز فرخ آباد میں مقیم رہے۔ سودا بھی اِسی کشش کے باعث وہاں جا پہنچے ۱۱۷۶ ہجری مطابق ۱۷۶۲ ع میں رند کی شادی ہوئی سودا نے قطعہ تاریخ کہا:

صبا اس دوست کو جا تہنیت دے   جو عاشق ہے محبت پروری کا
کہی اے مہرباں صاحب یہ تاریخ   ہوا ہے وصل ماہ و مشتری کا

۱۱۷۶ ہجری

غالباً اسی موقع پر میر سوز نے بھی یہ غزل کہی:

جسے ہو تخت کا دعویٰ اسے افسر مبارک ہو   ہمارے سر کو محبوبوں کی خاک در مبارک ہو
دعا ہم تو گرفتاروں کی حق سے ہے یہی اپنی   ہمارے باندھنے صیاد بال و پر مبارک ہو
نہ جانیں آپ کا ملنا مناسب ہم تو غیروں سے   تمھاری خو، کہا غیرت نے، لو بہتر مبارک ہو
جہاں میں اس سے کیا بہتر کہ حق حقدار کو پہنچے   ہمارے دل کو لے جانا تجھے بہتر مبارک ہو
فلک شب کتخدائی کی تری، اے سوز یوں بولا   تجھے یہ رات اے رشک مہ انور مبارک ہو

ایک جگہ میر سوز اپنے قدردان شاگرد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں کہ خود اپنی تعریف کا پہلو بھی نکل آتا ہے۔

کون ہے اب مہرباں سا رند ہو جس کا خطاب   کون ایسا ہے کہ جس کا سوز سا استاد ہو

رند اگرچہ صاحب علم نہ تھے لیکن شعری ذوق اچھا تھا ایک جگہ سوز بھی اعتراف کرتے ہیں :۔

دیوان مہربان جو دیکھا تو کہوں کیا　　جو بیت ہے اس کی سو وہ سانچے میں ڈھلی ہے

نواب احمد خاں بنگش کی وفات کے بعد حالات رند کے موافق نہ رہے۔ چناں چہ انھوں نے فرخ آباد کو چھوڑ دیا قاسم لکھتے ہیں کہ رند نے نواب احمد خاں بنگش کے مرنے کے بعد ان کے مختار عام نواب ذوالفقار الدولہ کے چہلے شرف الدولہ افراسیاب خاں کی لڑکی سے شادی کرلی تھی لہٰذا وہ اپنے خسر افراسیاب خاں کے پاس دہلی چلے گئے اور وہاں بہ خوبی گذران کرتے تھے۔ (۳۵)

افراسیاب خاں کی لڑکی سے غالباً مہربان خاں رند کی دوسری شادی ہوئی ۔ دہلی میں رند ۱۱۹۴ ہجری مطابق ۱۷۸۰ ع تک رہے اور پھر لکھنؤ چلے آئے۔ لکھنؤ میں وہ محلہ رستم نگر میں رہتے تھے مصحفی وہیں مرزا قتیل کے ہمراہ ان سے ملے تھے (۳۶) لکھنؤ ہی میں وفات پائی اور حاجی نصرت کے تکیے میں دفن ہوئے۔ (۳۷) تذکروں میں رند کے نام سے جو کلام درج ہے وہ تقریباً سب کا سب سوز کا ہے۔ تذکرہ نگاروں نے بھی اس بات کی تصریح کی ہے کہ رند کے دیوان میں جو کلام ہے اس میں بیشتر سودا اور سوز کا ہے با ایں ہمہ رند کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حاتم کی تضمین رند کے مصرع پر ہے۔ غالباً یہ غزل اس زمانے کی ہے جب رند دہلی میں رہتے تھے۔

تضمین مصرع مہربان رند در ۱۱۹۴ ہجری مطابق ۱۷۸۰ ع (۳۸)

اس منہ سے کلام کچھ نہ نکلا　　جز تیرا ہی نام کچھ نہ نکلا

قاصد کی زباں سے اس کے آگے　　پیغام و سلام کچھ نہ نکلا

دل جانے تھا عشق میں ہے پختہ　　تھا بسکہ یہ خام کچھ نہ نکلا

بازار سے آئے ہاتھ خالی　　کھیسے میں سے دام کچھ نہ نکلا

چاہیں تھے کہ دیں کسی کو کچھ ہم　　گھر ڈھونڈھا تمام کچھ نہ نکلا

یک عمر ہوئے خراب پھرتے　　مجھ سے مرا کام کچھ نہ نکلا

حاتم کو خوش آیا مصرع رند　　یارب یہ غلام کچھ نہ نکلا

۱۱۔ سوزان، شمس الدین:

اصل نام شمس الدین تھا دہلی کے باشندے تھے ترک وطن کر کے فرخ آباد آگئے تھے۔ فوج میں ملازم تھے۔ مزاج میں شوخی زیادہ تھی جو کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ میر سوز سے شرف تلمذ تھا۔ (۴۹)

نمونۂ کلام:

اس کے کوچے میں نہیں ہم کو کسی کا خطرہ
پر خفا وہ نہ ہو آتا ہے اسی کا خطرہ

ہردم مجھے دھمکاتے ہو تلوار پکڑ کے
ہاں جاؤ کہیں گھر سے تو آئے نہیں لڑ کے

دوچار رقیبوں پہ نہ دھمکائیو ہم کو
ٹل جائیں گے دو ہاتھ جو مارے کہیں کڑ کے

۱۲۔ طپاں، سید قدرت علی:

سید قدرت علی دہلوی نام تھا۔ آپ میر سوز کے دوسرے صاحب زادے تھے۔ شرف تلمذ اپنے والد ماجد سے رکھتے تھے اور سوز کی روایت سے تخلص طپاں اختیار کیا تھا (۵۰) طپاں کے صاحبزادے کا نام سید علی حسن تھا۔ وہ شرر تخلص کرتے تھے۔ نساخ لکھتے ہیں کہ شرر ۱۲۸۰ ہجری مطابق ۱۸۶۳ء میں کلکتہ آئے تھے راقم کے ملاقاتی ہیں انھوں نے اپنے کچھ اشعار نساخ کو دیے تھے (۵۱) شرر کا طرز بھی میر سوز کی طرح ہے۔ نساخ اگر شرر کا ذکر تفصیل سے کرتے تو میر سوز کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہو سکتی تھیں۔ طپاں کے اشعار دستیاب نہ ہوسکے۔ صرف نساخ نے شرر کے دو شعر لکھے ہیں۔

نکل ہرگز نہ چشم تر سے لخت دل نہ بن لڑکا
ادھر شدت ہے مینو کا خوف ہے رستے میں ہے کڑکا

جو اہل سوز ہیں نیرنگی عالم سے کیا ان کو
بہار نخل شمع بزم کو کیا ڈر ہے پت جھڑ کا

۱۳۔ عیش، مرزا حسین رضائی:

پورا نام مرزا حسین رضا تھا۔ قوم سادات سے تھے اور میر سوز کے شاگرد تھے (۵۲)۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ وہ جوان خندہ رو خوش خلق اور متواضع تھے (۵۳) شاہ کمال نے ان کا نام مرزا حسین لکھا ہے اور کہا ہے کہ "میں نے ان کو لکھنو میں دیکھا تھا۔" (۵۴)

یہاں پر ایک بات ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قدرت علی قدرت کے ایک شاگرد مرزا عسکری کا تخلص بھی میاں (۵۵) تھا۔ بعض تذکرہ نگاروں نے حسین رضا عیش کا ایک شعر مرزا عسکری عیش سے منسوب کر دیا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ مرزا عسکری عیش سوز کے شاگرد تھے (۵۶)۔ مرزا حسین رضا عیش کا نمونہ کلام یہ ہے۔

وہ اگر ہووے پیش بام کہیں   میں بھی کرلوں اسے سلام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ دے ساقی   ایک باری تو بھر کے جام کہیں
یہ غزل عیش ہے تصدق سوز   مجھ سے ہوتی ہے انصرام کہیں

۱۴۔ عیاش، میر محمد یعقوب:

اصل نام میر محمد یعقوب تھا۔ ان کے والد کا نام میر محمد انور تھا۔ عیاش کی پرورش اور نشوونما لکھنؤ میں ہوئی ان کے بزرگ شاہجہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ اور شاہی ملازمت سے سرفراز تھے۔ عیاش مہذب اور با اخلاق جوان تھے۔ ابتدائے جوانی ہی سے طبیعت کی موزونی کے باعث شعر کہتے تھے، اور اساتذہ فن کی صحبتوں سے مستفید ہوتے تھے۔ شروع میں انھوں نے میر سوز سے کسب فن کیا بعدہٗ میر تقی میر سے رجوع کیا، پھر میر قمر الدین منت سے اصلاح لی آخر میں زانوے تلمذ مصحفی کے سامنے تہہ کیا مصحفی ان کی بابت لکھتے ہیں کہ ان کی عمر چالیس سال سے اوپر ہے اور ان کے کلام میں اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں ہے (۵۷)۔ عیاش نے ۱۲۳۷ ہجری مطابق ۱۸۲۲ء میں وفات پائی۔

دیوان ناسخ میں ایک قطعہ تاریخ وفات میر محمد یعقوب عیاش کا موجود ہے (۵۸)

افسوس افسوس میر یعقوب افسوس   از مردن خود مرا رسانده آلام
تاریخ وفات او نوشتم یارب   عیاش بفردوس کند عیش دوام

دیوان ناسخ میں کتابت کی غلطی سے عباس لکھا ہوا ہے اس وجہ سے صحیح سنہ وفات نہیں نکلتا ہے، جب کہ عیاش سے صحیح سنہ نکل آتا ہے۔ ویسے بھی چوتھے مصرع میں لفظ عیش کا تقاضا بھی یہ ہے کہ عباس کی بجائے عیاش ہو۔

نمونۂ کلام:

اللہ ری تیرہ بختی کہ مرنے کے بعد یار — سوسن کے پھول قبر پہ میری چڑھا گیا
قدرت خدا کی دیکھو مرے دل کے زخم کو — چھڑکے تھا جو نمک وہی مرہم لگا گیا
تھا شہرہ بدگمانی کا عیاش جس کی کل — دو چار گالیاں وہ مجھے بھی سنا گیا

دل بھرا آئے ہے جوں جوں اسے خالی کیجے — فکر اس درد کی کیا اے مرے والی کیجے
ایک پرواز بھی گلشن میں نہ کرنے پائے — کیا ترے ہاتھ سے اے بے پرو بالی کیجے
ہوں سیہ بخت ازل میں تو عزیزاں میرے — بعد مرنے کے تک اک قبر بھی کالی کیجے
گولی بھر کر وہ طمنچہ میں کہے ہے اس کو — دل میں آتا ہے کہ عیاش پہ خالی کیجے

سایہ کرے گرمی میں کسی خاک نشیں پر — وہ نخل کہاں ہے ترے کوچے کی زمیں پر
گھوڑے پہ چڑھا وہ تو ہر اک کو نظر آیا — بت خانۂ چیں کا سا سماں خانۂ زیں پر
سجدہ کروں ہر بت کو میں اے کاتب قدرت — لکھا تھا یہی تو نے مگر میری جبیں پر
وہ سوختہ دل ہوں کہ مری آہ کی بجلی — گرتی ہے سدا کنگرۂ عرش بریں پر
پڑھتا ہوں دل اپنے کا جہاں مرثیہ عیاش — روتی ہے سبھی خلق مری موت حزیں پر

نہ کہیے درد دل ہرگز کسی سے — اگر کہیے تو کہیے اپنے جی سے
کٹے گی کیوں کہ ساری رات اس بن — کرے ہے دل تو بے تابی ابھی سے
جدائی میں جیوں کب تک میں عیاش — بھلی ہے موت ایسی زندگی سے

خنجر بے داد کو سنگ فساں پر تیز کر — وقت قتل اتنا ترحم مجھ پہ اے خوں ریز کر

۱۵۔ فریاد، لالہ صاحب رائے:

فریاد کا نام لالہ صاحب رائے تھا۔ باپ کا نام سندھی مل، ذات کے کائستھ تھے لکھنؤ

کے رہنے والے تھے سوز سے اصلاح لیتے تھے۔ پہلے قربان تخلص کرتے تھے پھر فریاد اختیار کیا۔ ۱۱۹۶ ہجری مطابق ۸۲-۱۷۸۱ ع میں لکھنؤ سے اپنے اشعار خلیل کو بنارس بھیجے تھے (۵۹)۔ طبقات الشعرائے ہند میں فیلن وکریم الدین نے تشریح کی ہے کہ ۱۱۹۶ ہجری مطابق ۱۷۸۱ ع میں لکھنؤ میں رہتے تھے۔ انھوں نے ان کے باپ کا نام سندھ لال لکھا ہے (۶۰)۔ سخن الشعراء میں باپ کا نام لال سند رائے لکھا گیا ہے (۶۱) تذکرہ شعرائے ہنود میں سندر رائے بیان کیا گیا ہے۔ نمونہ کلام یہ ہے (۶۲)

قتل کا اپنے لکھا ہے میں نے مضموں بیشتر ‏ واسطے میرے ، مرا دیوان محضر ہوگیا

تلخیٔ ہجراں مرے کام آئی آخر روز بد ‏ زہر بھی میں نے پیا تو شیر مادر ہوگیا

چین پایا وہ پس مردن دل بے تاب نے ‏ گوشۂ مرقد ہمیں آغوش مادر ہوگیا

غم جب سے ہوا ہے یار دل کا ‏ کوئی نہیں غم گسار دل کا

دل کو امید رہائی سے اٹھایا ہم نے ‏ عشق کے دام میں جب پاؤں پھنسایا ہم نے (۶۳)

جان کر حال ہمارا نہ سنا اس نے کبھی ‏ سو طرح رمز و اشاروں سے سنایا ہم نے

۱۶۔ شوخ، گنا بیگم:

علی قلی خاں ۱۱۳۴ ہجری مطابق ۲۲-۱۷۲۱ ع میں داغستان سے دہلی پہنچا۔ محمد شاہی دربار سے ہفت ہزاری کا منصب اور حیدر علی خاں، خان زماں خان بہادر ظفر جنگ کا خطاب ملا۔ خود فارسی کا بہت اچھا شاعر تھا اور والہ تخلص کرتا تھا۔ گنا بیگم اسی کی لڑکی تھیں ان کی شادی عماد الملک کے ساتھ ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے نصیر الدولہ بن عماد الملک پیدا ہوا۔

تمام تذکرہ نگاروں نے گنا بیگم کا ذکر نہایت اچھے الفاظ سے کیا ہے۔ صاحب مجموعۂ نغز گنا بیگم کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں (۶۴) :-

> ۔ بعض کہتے ہیں کہ مرحومہ منتظر تخلص کرتی تھیں۔ بہرحال یہ بات تحقیق کو نہیں پہنچتی ہے ان کا ذکر میم کے تحت نہیں کیا گیا۔ وہ مرد بہشتی علی قلی خاں شش انگشتی کی صاحبزادی اور نواب غفران مآب وزیر الممالک عماد الملک غازی الدین خان بہادر کی محل خاص تھیں۔ بہت

حسین شوخ مزاج، شکیلہ ظرافت امتزاج، تیز ذہن، زکی الطبع، خوش فکر، لطیف الوضع، حاضر جواب بدیہہ گو، حسن الخطاب، کشادہ رو، بہت صاحب جمال اور امور زنہائی میں بہت دانا اور صاحب کمال تھیں۔ طبع شعر آشنا، مزاج نکتہ پیرا، فکر درست، تلاش رنگین و چست رکھتی تھیں۔ کبھی میر سوز سے اصلاح لیتی تھیں اور کبھی محمد رفیع سودا سے۔"

شیفتہ (۶۵) لکھتے ہیں کہ میر قمر الدین منت سے اصلاح لیتی تھیں۔ غالباً قمر الدین منت سے اصلاح سخن کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا ہوگا جب میر سوز اور سودا دہلی سے چلے آئے ہوں گے۔ ۱۱۷۶ ہجری مطابق ۶۳۔۱۷۶۲ء سے ۱۱۸۴ ہجری مطابق ۷۱۔۱۷۷۰ء تک عماد الملک فرخ آباد میں پناہ گزین رہا۔ اس دوران میں بھی سودا اور سوز یہ خدمت سر انجام دیتے رہے ہوں گے۔

عماد الملک فرخ آباد سے نکل کر نواح آگرہ میں پہنچا اور پنجاب کا قصد کیا محمل میں سوار جاتی تھیں۔ پانی مانگا اس وقت آبدار خانے میں بہ حسب پانی نہ تھا۔ آب تازہ چاہ سے کھینچ کر اسے دیا۔ آب اس چاہ کا شور تھا۔ منہ سے جام لگاتے ہی وہ شیریں دہن، قلق بے مزگی سے جاں بحق ہوئی (۶۶)۔ راستے میں گنا بیگم نے داعی اجل کو لبیک کہا اور آگرے سے تریسٹھ میل کے فاصلے پر بہ سمت جنوب موضع نور پور میں دفن ہوئیں۔ یہ مقام گوالیار سے پندرہ میل جانب شمال ہے۔ قبر پر ایک مختصر سا کتبہ لگا ہوا ہے۔ جس پر یہ مضمون کندہ ہے۔

"ہو بیگم یکم محرم، ۱۱۸۰ ہجری مطابق ۲۵ / مارچ ۱۷۷۳ء"

ولی اللہ تاریخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ گنا بیگم نواب عماد الملک کے ہمراہ فرخ آباد میں رہی تھیں۔ (۶۷)

بہارستان ناز میں گنا بیگم کا تخلص شوخ لکھا گیا ہے۔ (۶۸) گنا بیگم کو نوسیری کے نام سے بھی شہرت تھی اس کا جسم لطیف وزن میں نوسیر تھا (۶۹) تذکروں میں ان کے حسن و جمال، خوبی ادا، علم و فضل، عقل و دانش، حاضر جوابی اور تیز طبعی کے بہت سے واقعات درج ہیں جو لطف سے خالی نہیں ان کے مطالعے سے موصوفہ کی شخصیت بہت دلآویز نظر آتی ہے۔

- ایک دن گنا بیگم اپنے پائیں باغ میں بیٹھی ہوئی گلاب کے پھول کی بہار دیکھ رہی تھیں۔ اتنے میں نواب غازی الدین عماد الملک آگئے بیگم کو اس طرح محو پایا کچھ دیر دیکھا اور اس کے بعد کہا چلو بارہ دری میں چلو بیگم نے کہا چلیے میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔ نواب صاحب یہ

سن کر چلے گئے اور بارہ دری میں مسہری پر آرام فرمانے لگے بہار کی ہوا کی موجیں آنکھوں کو مست و مخمور کیے دیتی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ بیگم جب اندر پہنچیں تو نواب صاحب سو چکے تھے۔ بیگم نواب کو محو راحت دیکھ کر باہر آنے لگیں مگر پاؤں کی آہٹ سے نواب کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو بیگم واپس جا رہی تھیں نواب نے فوراً ایک مصرع موزوں پڑھا :

آکر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے

حاضر جواب بیگم نے فوراً گرہ لگائی :

خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے

ایک مرتبہ رات کو بزم عیش منعقد تھی نواب نے شمع کو دیکھ کر یہ شعر پڑھا (۰) :-

سر سے پاؤں تک سفیدی آگئی تس پر یہ حال
شمع سی ہم نے نہیں دیکھی کوئی بوڑھی چھنال

بیگم نے نواب کا اعتراض رد کرتے ہوئے کہا :-

پردہ فانوس میں رکھتی ہے عصمت کو سنبھال
کاٹ لو اس کی زباں جو شمع کو بولے چھنال

گنا بیگم کے صاحبزادے نصیر الدولہ بیمار تھے۔ عماد الملک نے خیریت دریافت کرائی قضارا اسی دن نصیر الدولہ کا انتقال ہوگیا۔ بیگم نے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا (۱۱) :-

از حال من مپرس کہ دل چاک کردہ ام
لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ ام

گنا بیگم کا کلام اپنی ظاہری اور معنوی خوبیوں کے اعتبار سے بڑا دل کش ہے۔ وہ شعرائے معاصرین کے ساتھ ہم طرح غزلیں کہتی تھیں کہ فارسی کا بڑا پاکیزہ ذوق تھا (۱۲)۔

نمونۂ کلام فارسی :

تا کشیدی از نزاکت سرمۂ دنبالہ را   شد عصائے آبنوسی چشم بیمار ترا
جگر پر سوز، دل پر خوں، گریباں چاک و جاں برلب   قضا را شرم می آید ز سامانے کہ می دارم

نمونہ کلام اردو :

نامہ لکھا بھیجوں کو برا نام بھی نہیں   اوروں کو تو دعا مجھے دشنام بھی نہیں
اشک اڑا ہوا پھر ضبط سے کم رکھتا ہے   دیکھا اٹھ مری بالیں سے کہ دم رکھتا ہے

کہتے ہیں اے ڈوب موا آج کنوئیں میں ظالم جو ترا شیفتہ چاہ زقن تھا

نیم بسمل نہ چھوڑ جانا تھا زخم اک اور بھی لگانا تھا

ارے قاصد تو میرا اور کچھ مذکور مت کیجو یہی کہیو کہ اپنے دل سے مجھ کو دور مت کیجو

ہماری خاک پہ جب یار نے گذار کیا دم مسیح نے سر سے گلکار کیا

سن لیجیو خط سونپ کے پیغام کو قاصد لے اٹھیو نہ چلتے ہی مرے نام کو قاصد

یا الہی یہ کس سے کام پڑا دل تڑپتا ہے صبح و شام پڑا

حسن کا جی ہے ادا تجھ میں میاں سو تو نہیں گل تصویر میں گو رنگ ہوا بو تو نہیں

چل ہوا کھا نہ صبا اس دل دلگیر کو چھوڑ تو مزہ پاوے گی تو غنچہ تصویر کو چھیڑ

شمع کو چہرہ دلدار سے کیا نسبت ہے کیوں کہ ہے یہ رخ خنداں، وہ ہے روئی صورت

ابر چھایا ہے مینھ برستا ہے جلد آجا کہ جی ترستا ہے

شب کو میاں طلب میں تری ہم بھٹک بھٹک جوں حلقہ در پہ رہ گئے ہم سر پٹک پٹک
میری بھی مشت خاک کا ٹک پاس ہے ضرور اے جامہ زیب چلیو نہ دامن جھٹک جھٹک

آیا نہ کبھو خواب میں بھی وصل میسر کیا جانیے کس ساعت بد آنکھ لگی تھی

آکر ہماری نعش پہ کیا یاد کر چلے خواب عدم سے فتنے کو بیدار کر چلے
جاتے تو ہو بھرے ہوئے گرد و غبار میں تعمیر کس کے دل کی یہ مسمار کر چلے
خو تی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال ہم اپنی خاک پہ تجھے مختار کر چلے

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کسو کی　　اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی

اس زلف دراز اپنی کو ظالم نہ گرہ دے　　کیا فائدہ جو عمر ہو کوتاہ کسو کی

سنے نامہ نہ پیغام زبانی نہ نشانی　　حالت سے کوئی کیوں کہ ہو آگاہ کسو کی

اس کا پیغام مجھے کیوں کہ زبانی آوے　　نام سنتے ہی مرا جس کو گرانی آوے

جھوٹ کہتا ہے تو قاصد یہ زبانی پیغام　　مجھ کو باوے نہیں جب تک نہ نشانی آوے

دین و دنیا سے سروکار ہے کس کو کافر　　رات دن فکر یہی ہے کہیں جانی آوے

مجھ سے کرتی ہے تری زلف بھی کیا کیجے　　دل مرا لے کے یہ کہتی ہے نہ جی کیا کیجے

دیکھنے تیرے بغیر اب تو نہیں رہتی چشم　　اس کی تدبیر کہو اب تو اجی کیا کیجے

جی تک بھی اگر چاہو تو وسواس نہیں ہے　　کچھ اور جو ڈھونڈھو تو مرے پاس نہیں ہے

کی جس سے محبت وہ ہوا دشمن جانی　　کچھ جی کا لگانا ہی مجھے راس نہیں ہے (۰۳)

اب خواب ہی میں وصل ترا ہووے سو ہووے　　ظاہر میں تو ملنے کی ہمیں آس نہیں ہے

یار پردے میں ہے اور عیش سے مایوسی ہے　　نقش پا تک بھی مرے در پئے جاسوسی ہے

مدعی اس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے　　پھر تمنا کو یہاں مژدہ مایوسی ہے

حنا خوں ہو کے ان پاؤں کی جب کچھ بات چلتی ہے　　رگڑتی ہے سر اپنا سنگ پر اور ہاتھ ملتی ہے

ترے منہ کی تجلی دیکھ کر کے رات میرے سے　　زمیں پر لوٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

شمع کی طرح کون رو جانے　　جس کے جی کو لگی ہو سو جانے

عندلیبوں کو وہ گلزار مبارک ہووے　　ہم کو یہ سایۂ دیوار مبارک ہووے

رات دن جس لیے روتی ہو سو اللہ کرے　　انکھڑیو! تم کو یہ دیدار مبارک ہووے

۱۷۔ مدہوش ، میر نبی خاں :

تذکرہ میر حسن میں مدہوش کا ذکر اس طرح ملتا ہے :۔

"میر نبی خاں نام تھا اور حضرت خواجہ محمد باسط قدس سرہ کے نواسے تھے۔ خوشنوا جوان اور نیک خو انسان ہیں۔ میر سوز کے شاگرد ہیں اگرچہ ابھی ابتدائے مشق سخن ہے لیکن اگر موقع ملا تو اچھا کلام کہہ سکیں گے۔ فقیر سے بہت دوستی ہے خدا سلامت رکھے (۰۴)۔ قاسم اور شیفتہ نے ان کا نام نہیں لکھا ہے (۰۵)۔ مدہوش صاحب ذوق تھے اور غزل سے خاص مناسبت تھی "۔ (۰۶)

نمونۂ کلام :

مرا جس ناز سے تونے لیا دل خدا جانے ہے اس کو یا مرا دل

۱۸۔ نوازش ، نوازش حسین خاں :

نام نوازش حسین خاں تھا اور مرزا خانی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے باپ کا نام نواب حسین علی خاں تھا۔ نواب حسین علی خاں کی شادی نواب قاسم علی خاں عالی جاہ کی دختر سے ہوئی تھی۔ یہ وہی قاسم علی خاں عالی جاہ ہیں جو نواب بنگال تھے اور جنھوں نے شاہ عالم اور شجاع الدولہ کی امداد حاصل کر کے بکسر کے میدان میں انگریزوں کا مقابلہ کیا تھا۔ نجف خاں جو نواب قاسم علی خاں کا سپہ سالار تھا انگریزوں سے مل گیا جس کے باعث متحدہ فوجوں کو شکست ہوئی۔ نواب موصوف کچھ عرصہ فرخ آباد میں رہے اور پھر روہیل کھنڈ چلے گئے۔

نوازش حسین خاں کے باپ نواب حسین علی خاں نواب ناصر خاں کے بیٹے تھے۔ نواب ناصر خاں ۱۱۵۲ ہجری مطابق ۱۷۳۹ء میں کابل کے صوبہ دار تھے۔ جب نادر شاہ ہندوستان پر حملے کی غرض سے بڑھا تو نواب ناصر خاں نے اس کا راستہ روکا اور محمد شاہ کو مدد کے واسطے لکھا۔ محمد شاہ نے کوئی توجہ نہ کی تاب مقاومت نہ لا کر ناصر خاں ہندوستان چلے آئے اور فرخ آباد میں آکر قیام کیا۔ نواب احمد خاں والی بنگش ان کا بہت احترام کرتے تھے خود ناصر خاں کے مکان پر جاتے تھے۔ جب ناصر خاں کا انتقال ہوا تو احمد خاں کے حکم سے ان کا لڑکا مظفر جنگ مع ارکان دولت جنازے میں شریک ہوا ناصر خاں جب تک زندہ رہے تین ہزار روپیہ ان کو مستقل ادا کیا جاتا رہا۔

ناصر خاں کے دوسرے صاحبزادے نواب محمد قاسم خاں یعنی نوازش حسین خاں کے چچا

شجاع الدولہ کی سرکار میں عدالتی کاموں پر مامور تھے۔ ایک دفعہ نواب شجاع الدولہ نے قاسم خاں سے کہا کہ اپنے والد کو بھی لکھنو بلوا لو میں ان کو اپنا نائب بنا لوں گا۔ قاسم خاں نے اپنے والد نواب ناصر خاں سے کہا کہ اگر آپ لکھنو چلیں تو شجاع الدولہ بہت اعزاز دینے کے لیے تیار ہیں۔ ناصر خاں نے کہا احمد خاں کے تین ہزار تین لاکھ کے برابر ہیں کیوں کہ جب میں احمد کی ملاقات کو جاتا ہوں تو احمد خاں تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اگر شجاع الدولہ کے ہاں دروازے پر انتظار کرنا پڑا تو موت سے بدتر ہوگا۔ (۷۷)

مصحفی (۷۸) لکھتے ہیں کہ نوازش اکبر آباد میں پیدا ہوئے لکھنو میں پرورش پائی ۔ جوان مہذب اخلاق اور خود بین اور خوش اختلاط ہے اٹھارہ سال کی عمر میں موزونیت شعر کا شوق ہوا۔ شعر کہنے اور پڑھنے میں میر سوز کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو میر سوز کا شاگرد کہتے ہیں۔ پہلا دیوان سوز کے طرز پر کہا ہے اور اب دوسرے دیوان کو بھی مرتب کرلیا ہے۔

شاہ کمال (۷۹) کا قول ہے کہ اپنے استاد کے انداز پر شعر کہتے ہیں اور ان کی یادگار سمجھے جاتے ہیں ان کو فقیر سے بہت الفت و اتحاد ہے۔ شیفتہ کہتے ہیں کہ نوازش صاحب دیوان شاعر ہیں لیکن ساتھ ہی صراحت کرتے ہیں کہ ان کا دیوان میری نظر سے نہیں گذرا۔ وہ اپنا کلام بالکل اپنے استاد کی طرح پڑھتے تھے اور اعضا۔ کی حرکات و سکنات سے اشعار کی وضاحت بالکل سوز کی طرح کرتے تھے (۸۰)۔ نوازش کے دو شاگرد اردو ادب کے درخشندہ ستارے بنے ایک تو فسانہ عجائب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور اور دوسرے دلگیر جو مشہور مرثیہ گو گذرے ہیں (۸۱)۔ مرزا رجب علی بیگ سرور نے نوازش کو یادگار میر سوز کہا ہے۔ فسانہ عجائب میں انھوں نے نوازش کے اشعار جا بجا نقل کیے ہیں۔ اسی کے ساتھ میر سوز کے بھی کافی اشعار لکھے ہیں۔ نوازش کے بارے میں وہ فسانہ عجائب میں لکھتے ہیں :۔

۔ جس دم نظر فیض اثر سے جناب قبلہ و کعبہ مخدوم و مکرم آغا صاحب قبلہ آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی صاحب کے یہ گذرا بعد اصلاح شاگرد نوازی فرما کر قطعہ تاریخ سے زینت بخشی۔ قطعہ تاریخ :۔

برائے خاطر یاران و احباب سرور این قصہ را چوں کرد ایجاد
بچشم سال تاریخش نوازش فلک این گلستان بے خزاں داد

نوازش کی مزید تعریف سرور کے الفاظ میں درج ہے :۔

" بندہ کترین تلامذہ اور خوشہ چین سخن جناب قبلہ استاد شاگرد نواز معزز و

ممتاز مجمع فضل و کمال نیک سیرت فرخندہ خصال فرد آگاہ دانش آموز و یادگار جناب میر سوز عرفی عصر سعدی زمان رشک انوری و خاقانی نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی تخلص نوازش کا ہے۔ حقیقت حال یہ مقام ہے ریختہ اور روزمرہ اردو کا ان پر اختتام ہے۔ شعر ان کے واسطے اور وہ شعر کی خاطر موضوع ہیں کہنے کے علاوہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے اگر طفل مکتب کا شعر زبان معجز بیان سے ارشاد کریں فیض دہان تاثیر بیاں سے پسند طبع سحبان و وائل ہوئی زماتا تو کیا سابقین جو موجد کلام کو سن کر کوس لمن الملکی بجاتے تھے ان کے دیوانوں میں دس پانچ شعر تناسب لفظی یا صنائع بدائع کے ہوں گے وہ ان پر نازاں تھے۔ اور متاخرین فقریہ سند گرداتے لہذا جس شخص کو فہم کامل یا اس فن میں مرتبہ کمال حاصل ہو اور طبع بھی عالی ہو آپ کا دیوان بہ چشم انصاف و نظر غور سے دیکھے کوئی غزل نہ ہوگی جو ان کیفیتوں سے خالی ہو۔ ہر مصرع گواہ ہزار صفت، ہر شعر شاہد لاکھ صنعت مطلع سے مقطع تک ہر غزل مرقع کی صورت اکثر اشعار آپ کے تبرکاً و تیمناً بطریق یادگار بندے نے لکھے ہیں جہاں لفظ استاد ہے وہ آپ کا شعر ہے"۔ (۸۲)

نوازش تذکرۂ سراپا سخن کی تصنیف تک حیات رہے (۸۳) اس کے بعد وفات پائی آپ کا نمونۂ کلام یہ ہے :-

ایک عالم کو آزما دیکھا — جس کو دیکھا تو بے وفا دیکھا

حال بد کا شریک دنیا میں — نہ برادر نہ آشنا دیکھا

مری چشم خوں بار کے کر حوالے — رنگا چاہے گر ارغوانی دوپٹہ

اس تند خو سے میں نے بوسے بہ صد سماجت — جب سو پچاس مانگے تب تین چار ٹھہرے

خدا ملے تو ملے آشنا نہیں ملتا — کوئی کسی کا نہیں دوست سب کہانی ہے

زبس کہ رہتا ہے آنے کا اس کے دھیان لگا — صدائے در پہ ہے در پردہ اپنا کان لگا

کس کی آمد کا تصور یہ بندھا ہے مجھ کو — جو مرا دھیان سدا جانب در رہتا ہے

یہ سانس ہے پیکان ہے نشتر ہے کہ دل ہے کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ کیا دیکھیو بر میں

یہ بل کرتا ہے تو نوک مژہ کی آب داری پر تجھے بھی طنطنہ کتنا ہے اتنی سی کناری پر
مجھے رونا نہ اپنے حال پر کس طرح سے آوے نوازش برق بھی ہنستی ہے میری بے قراری پر

عشق میں ایک خلل ساتھ لگا رہتا ہے اشک چل نکلے نوازش جو کبھی دل ٹھہرا

وہ گئے دن جو بسر شب ہو ہم آغوش میں اب تو کٹتی ہے مری چار پہر آنکھوں میں

حرام نیند کی اقرار وصل جاناں نے الٰہی کوئی کسی کا امیدوار نہ ہو

ایام وصل میں ہم لپٹے ہیں جیسے اس سے یوں وصلی کے بھی کاغذ چسپاں بہم نہ ہوں گے

آغاز عشق ہی میں شکوہ بتوں کا اے دل ٹک صبر کر ابھی تو کیا کیا ستم نہ ہوں گے

نہ باتوں باتوں میں بات نکلی اسی کے شاید بس اپنے ڈر سے
عزیزو جب تک جیا نوازش کسی سے کرتے سخن نہ دیکھا

۱۹۔ ہوش، میر شمس الدین:

میر شمس الدین نام تھا۔ مصحفی کہتے ہیں کہ جوان شیریں زبان ہے۔ میر سوز کی شاگردی پر ناز کرتا ہے۔ (۸۳) لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور اچھے اخلاق کے تھے۔ (۸۴)

نمونہ کلام:

یار ہنستا ہے چشم تر کو دیکھ گریہ ٹک اپنے تو اثر کو دیکھ
دست و پا گم کریں ہیں مو کراں ، نازنیں تیری اس کمر کو دیکھ
تیرے خط کا جواب آیا ہے ہوش کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ

مقلدین

۱۔ حیات، حیات اللہ:

اصل نام حیات اللہ تھا۔ شوق ان کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔ قصبہ بدایوں کے باشندے ہیں۔ جوان، قابل، خوش خو، یار باش، عربی اور فارسی میں خاصی استعداد رکھتے ہیں۔ کبھی کبھی ہندی میں ایک دو شعر میر سوز کی طرز میں موزوں کر لیتے ہیں:

راقم الحروف سے پرانے مراسم ہیں۔ حق تعالیٰ خوش و خرم رکھے (۸۵) اردو میں انھوں نے کچھ شعر ہی کہے ہیں زیر نظر قطعہ میر سوز کے خاص رنگ میں کہا گیا ہے:

کچھ تو ادھر بھی پھینکنا پیارے کوئی عشوہ ہی آستاں کی خیر

یا کوئی بوسہ فی سبیل اللہ بھیجنا دوست اپنی جاں کی خیر

۲۔ ذکا، مرزا محمد بخش:۔

مرزا محمد بخش ذکا کا ذکر کرتے ہوئے مصحفی کہتے ہیں۔ جوان خوش تقریر اور مہذب الاخلاق ہیں۔ اپنی طبیعت کی موزونی کے باعث کلام میر سوز کے طرز پر کہتے ہیں۔ اور مرزا خانی نوازش شاگرد میر سوز سے اصلاح لیتے ہیں۔ اپنے استاد کی غیر موجودگی میں کچھ عرصہ شیخ امام بخش ناسخ سے بھی اصلاح لی۔ ان کی عمر تقریباً چالیس سال ہے۔ ان کی بیاض سے سوز کی طرز پر مندرجہ ذیل اشعار انتخاب کیے جاتے ہیں (۸۶)۔

جو ہوا شیفتہ اس کا سو بہت خوب ہوا دل بھی میرا اسی گیسو میں گرفتار ہوا

تندرستی میں تو مجھ سے تجھے پرہیز رہا اب توانائی کہاں جب کہ میں بیمار ہوا

زندگانی سے ذکا اپنی میں آیا ہوں بہ تنگ آہ کیوں مجھ کو خیال دہن یار ہوا

۳۔ سائل، جلیل شاہ:

آپ کا نام جلیل شاہ تھا والد کا نام شاہ پیارے تھا۔ مکن پوار کے رہنے والے تھے۔ جوان صالح، خوش اخلاق اور صاحب درد تھے۔ شاہ بدیع الدین شاہ مدار قدس سرہٗ کے مزار کے خادموں میں سے تھے۔ ان کو فکر رسا، طبع مناسب، ذہن صائب تھا۔ طرز سخن خواجہ میر درد اور میر سوز کے انداز پر تھا۔ (۸۷)

نمونۂ کلام:

یہ رنگ آپ تو ہر رنگ میں فنا ہوجاے
اگرچہ غیر بھی ہووے تو آشنا ہوجاے

نہ پاوے آپ کو اپنے ہی ڈھونڈھنے سے آپ
حباب وار یہاں جس کی آنکھ وا ہوجاے

خدا کے واسطے یاں در گذر نہ کر ظالم
مرے برے میں اگر تیرا کچھ بھلا ہوجاے

گذر گنہ سے مرے اے ترا بھلا ہووے
جو میں برا ہوں تو ٹک آپ ہی بھلا ہوجاے

یہ ذکر خیر میں کرتا ہوں جس کا اے سائل
اگر وہ آپ ہی آجائے کیا مزا ہوجاے

گرم خوئی سے تری ہم نہ ملے بیٹھ گئے
شمع کی طرح سے جس جا پہ جلے بیٹھ گئے

کس کی الفت نے یہ اتنا ہمیں پابند کیا
یاں سے سوبار اٹھے اٹھ کے چلے بیٹھ گئے

کوئی دم اور نہ آتے تو نہ پاتے ہم کو
ہم تو گھبرا کے چلے تھے پہ بھلے بیٹھ گئے

جس گھڑی بام پہ دیکھا تجھے مثل خورشید
سایہ ساں ہم وہیں دیوار تلے بیٹھ گئے

دھک سے ہو خوف سے تیرا نہ لیا دم نے سانس
مثل نے بے مدد نالہ گلے بیٹھ گئے

میاں خوش رہو کیوں رہو ہو خفا سے
جو کچھ تم سے ہوگا سو ہوگا خدا سے

نہ پوچھا کبھی تونے احوال سائل
مرے یا جیے کوئی تیری بلا سے

۴۴۔ میر کلّو:

میر حسن لکھتے ہیں کہ میر کلّو میر درد کے اعزہ میں تھے۔ باصلاحیت جوان علم و عمل سے آراستہ اور صلاحیت سے پیراستہ۔ اہل دل۔ منصف۔ متواضع۔ مودب۔ بزرگ۔ بزرگ زادہ ان کی فکر غایت بلند ہے۔ دیوان ریختہ مرتب کیا ہے۔ اور بیشتر رباعیات بہ طرز میر سوز عمداً کہی ہیں۔ میاں الم کے ساتھ فیض آباد آتے تھے اور وہیں میں ان سے ملا تھا۔ (۸۸) نمونہ کلام دستیاب نہیں ہوا۔

۵۔ مشتاق، عبداللہ خاں:

اصل نام عبداللہ خاں تھا بزرگوں کا وطن کاشان تھا۔ افغانوں کے قبیلے یوسف زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ عبداللہ خاں کے دادا کا نام سیف اللہ خاں تھا، اور سیفی تخلص کرتے تھے۔ والد کا نام ابوالحسن خاں تھا وہ بھی شاعر تھے اور تخلص حسن تھا۔

سیف اللہ خاں، بہادر شاہ اول کے استاد تھے۔ عبداللہ خاں کے والد ابوالحسن خاں دولت مند شخص تھے۔ فکر معاش سے بے نیاز اپنے دولت کدے پر وقت گذارتے تھے مصحفی نے جب تذکرۂ ہندی مرتب کیا اس وقت عبداللہ خاں زندہ تھے۔ چناں چہ وہ لکھتے ہیں:۔

"خان مذکور کو حضور معلّی حضرت ظلِّ سبحانی شاہ عالم نے مشتاق علی خاں خطاب بخشا ہے اور پانچ صدی منصب اور ذات و جاگیر سے ممتاز فرمایا ہے آج کل شہزادے مرزا فرخندہ بخت کی اتالیقی کے منصب پر مامور ہیں (۸۹) مرزا فرخندہ بخت شاہ عالم کے بیٹے اور مرزا جوان کے چھوٹے بھائی تھے۔ قمر تخلص تھا شوق لکھتے ہیں کہ اجل نے انکو زیادہ مہلت نہ دی۔ (۹۰)

مشتاق علم جفر، علم رمل اور منجی سے بہت لگاؤ رکھتے تھے۔ خط نستعلیق و ثلث و شفیعا میں یگانۂ روزگار تھے، خوش مزاج خوش خلق اور عاشق پیشہ جوان تھے جب تک وہ الہ آباد میں رہے تو شاہ محمد علیم سے کلام پر اصلاح لیتے رہے۔ دلی آنے کے بعد میر تقی میر سے استفادہ کرنے لگے۔" (۹۱)

قاسم کہتے ہیں کہ "انھیں سونا بنانے کا خبط ہوگیا تھا۔ اور جڑی بوٹیوں کی تلاش میں جنگلوں اور پہاڑوں میں مارے مارے پھرتے تھے"۔ مشتاق کے کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ "ان کا کلام درد مندی سے لبریز ہے۔ ان کے اشعار عاشقانہ اور پر تاثیر ہوتے ہیں۔" انھوں نے مشتاق کو سوز کا مقلد اور پیروکار کہا ہے۔ (۹۲) اور حیرت اور میر تقی میر سے مشورۂ سخن کرنے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ قاسم نے اپنا تذکرہ ۱۲۲۱ ہجری مطابق ۱۸۰۶ء میں مکمل کیا وہ لکھتے ہیں کہ مشتاق نے تھوڑا عرصہ پہلے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشتاق کی وفات متذکرہ سال سے کچھ پہلے ہوئی۔ مرنے سے پہلے یہ شعر کہا:

بھی دوستوں سے ہے رخصت ہماری
دم واپسیں ہے ہے رخصت ہماری

نمونۂ کلام:

آہ لاحق عشق کی یہ کیسی بیماری ہوئی
بار ہا نبضیں چھٹیں اکثر غشی طاری ہوئی

دل سنبھل اب دزدیٔ بوسہ کو شب دیگر پہ رکھ
یار چونکا پاسبانوں میں خبر داری ہوئی

کیوں نہ تو بھٹکی پھرے اے خواہش دل میرے بعد
کر چکے ہم عاشقی جو زندگی پیاری ہوئی

تو نہ آیا دیر تک چھاتی پہ دم اٹکا رہا
جان عاشق کی رہا تن سے یہ دشواری ہوئی

بیقراری ، بے کلی ، در پے طپش رہنے لگی
آہ دل دیتے ہی عاید یہ گنہگاری ہوئی

کھینچ تیغ او دشمن جاں امتحان کرنا ہے کیا
کر چکے ہم عاشقی جب زندگی بھاری ہوئی

کیا کہوں کیا ظلم غفلت سے ہوا مشتاق رات
جا چکا پہلو سے جب دل تک خبرداری ہوئی

خرد کو رووں یا اس کی نگاہِ ناز پرور کو
کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو

پس مردن یہ سنتے ہی کہ تھے دست طلب باہر
کفن میں آہ کس خواہش نے گھیرا تھا سکندر کو

مکدر ناقۂ لیلیٰ چلا آتا ہے صحرا سے
صبا کس نے ستایا آج قیس خاک بر سر کو

مسی آلودہ دندان تبسم میں تماشا کر
نہ دیکھا ہو چمکتے گر شب یلدا میں اختر کو

کی ایک نگاہ یاس جو مژگان یار پر
سو برچھیاں چلیں دل امیدوار پر

جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھلی رہی
اے چشم آفریں ہے ترے انتظار پر

مشتاق تیرا کشتۂ تیغ فراق ہے
تقریب فاتحہ سے چل اس کے مزار پر

شہید عشق تمہارے کی نعش اٹھتی ہے
بنے تو تم بھی چلو تک نماز کرنے کو

رنگ کیوں سبز ہے مشتاق ترے چہرے کا
کس نے دیکھا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

ہر قدم پر اس کے کوچے میں ہے غش آیا مجھے
ناتوانی ہائے یاں تک تونے پہنچایا مجھے

مٹنے ہے دم بدم یوں وصل کی تدبیر کا نقشہ
دکھائی دے ہے کچھ بے ڈھب ہمیں تقدیر کا نقشہ

ڈاکٹر سردار احمد خاں ؛

میر سوز کا کلام : تجزیاتی مطالعہ

بارہویں صدی ہجری میں دہلی کے فارسی گو شعراء نے اردو شاعری کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس کی طرف توجہ کی اور اردو غزل کو فارسی غزل کے انداز پر رواج دیا۔ ویسے یہ کام کچھ مشکل بھی نہ تھا۔ شاہ گلشن نے ولی کو بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ وہ مضامین جو فارسی زبان میں موجود ہیں اگر اردو میں منتقل کر دیے جائیں تو کون محاسبہ کرے گا یہی وجہ ہے کہ اردو غزل معنوی اور صوری لحاظ سے ان خصوصیات کی حامل رہی جو فارسی غزل کی تھیں۔ دہلی میں ابتدائی دور کی اردو شاعری کا جن اصحاب نے ایک خاص اسلوب مقرر کیا ان میں شاہ مبارک آبرو، یکرنگ، ناجی، انجام، آرزو اور حضرت مظہر جان جاناں سر فہرست ہیں۔ اس زمانے میں اردو غزل نے ترقی کی جانب قدم بڑھایا۔ ان بزرگوں کے دامن فیض میں پلے ہوئے نوجوان شعراء نے روایت کی پوری پابندی کے ساتھ اردو شاعری کو پروان چڑھایا۔ اس دور میں اردو غزل نئے رنگ اور ڈھنگ کے ساتھ منظر عام پر آئی۔

میر سوز، سودا، درد اور میر اردو غزل کے رنگ محل کے چار ستون ہیں ان چاروں شاعروں کا اپنا الگ رنگ ہے اور ان کے مقلدین کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ سودا اپنے زور بیان شکوہ الفاظ اور سنگلاخ زمینوں کو نباہنے میں منفرد ہیں۔ میر درد صوفیانہ شاعری کے بانی اور گلزار تصوف کے باغبان میر تقی میر داخلی کیفیات کے مصور ہیں اور میر سوز زبان کی سادگی اور مافی الضمیر کو سیدھے سادے انداز میں بیان کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان کے زمانے میں اردو شاعری کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ گھر گھر شعر و سخن کی محفلیں برپا ہونے لگیں۔

میر سوز کا عہد اردو غزل کا سنہری دور ہے اردو غزل اسی دور میں بتی، سنوری اور نکھار کے نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ اردو کو جتنے عظیم المرتبت شاعر اس دور میں بہ یک وقت ملے وہ کسی اور دور میں نصیب نہیں ہوئے۔ اس دور کا ہر شاعر صرف استاد وقت ہی نہیں بلکہ اس کی ذات بجائے خود ایک دبستان تھی۔ ان اساتذہ نے غزل کا مزاج ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں نئے نئے تجربے کیے اور فکر و فن کے نئے نئے پھول کھلائے۔ ان اساتذہ کے تلامذہ نے اس روش کو مضبوطی سے اختیار کیا۔ اور اسلوب و آہنگ کے خاص معیار قائم کیے اور ان میں

ایسی پختگی پیدا ہوئی کہ کسی فنی شہ پارے کو دیکھ کر ہی اس کے خالق کو پہچان لینا کچھ زیادہ دشوار نہ رہا ۔ تاہم اتنا ضرور تھا کہ طرز ادا، افکار و خیالات اور علامتوں میں مماثلت و مشابہت کے باعث یکسانیت سی محسوس ہوتی تھی ۔ یہ یکسانیت اکتاہٹ پیدا کر دیتی اور مضامین میں تنوع کی کمی کا احساس ہوتا۔ ہر شاعر ایک ہی مقام پر کھڑا نظر آتا ہے ۔ محدود فکر مضامین کی تکرار اور خیالات کا تصادم بسا اوقات ذہنی کسل مندی کا سبب بن جاتا ۔ غزل گو شعرا۔ کے ہاں یہ عام بات تھی ۔ اساتذہ نے جو اسلوب مقرر کر دیا تھا اس کی پیروی لازمی تھی اس سے سرمو انحراف مذہب شاعری میں کفر کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ ایسے ادبی ماحول میں میر سوز پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی طرز الگ نکالی اور ایک نئے انداز کو پیش کیا ۔

۱۔ انفرادیت :

میر سوز کا لب و لہجہ دوسرے شاعروں سے مختلف ہے ان کے مضامین میں بھی جدت و ندرت ہے ۔ میر تقی میر (۹۳) کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ میر سوز " طرز علیحدہ رکھتے ہیں اسی قسم کی رائے کا اظہار دوسرے نقادان فن نے بھی کیا ہے قدرت اللہ شوق (۹۴) " موجد طرز علیحدہ " ۔ میر حسن (۹۵) "ان کی طرز ان کی اپنی ملک ہے۔ مصحفی (۹۶) "اپنی طرز کا استاد" گارسیں دتاسی (۹۷) "وہ ایک نئے مدرسہ شعر کے سربراہ سمجھے جاتے ہیں" ۔ "قاسم " (۹۸) ریختہ گوئی میں طرز خاص رکھتے ہیں۔ مبتلا میرٹھی (۹۹) "انھوں نے جو طرز اختیار کیا وہ آج تک کسی کو میسر نہیں ہوا"۔ یکتا (۱۰۰) " ان کی طرز تمام شعراء سے جدا ہے"۔ کریم الدین (۱۰۱) "ریختہ گوئی پر یہ طرز خاص کے کاربند تھا"۔ نصر اللہ خان خویشگی (۱۰۲) " سارا عالم ان کو استاد مانتا ہے " ۔ سعادت خان ناصر (۱۰۳) " طرز کا اپنی استاد " کہتے ہیں ۔

اگرچہ یہ تمام آرا، مختصر ہیں لیکن سوز کے فن کا پوری طرح احاطہ کرتی ہیں ۔ سرسری جائزہ لینے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ ان کی شاعری میں کچھ ایسے عناصر ضرور ہیں جن کے باعث ان کا طرز سخن دیگر شعرا۔ سے علیحدہ ہے ۔ سوز کی یہ انفرادیت کسی ایک خوبی کی بنا، پر نہیں بلکہ ان کا کلام ظاہری اور معنوی لحاظ سے مختلف وجوہ کے باعث منفرد کہا جاسکتا ہے ذیل میں ہم تفصیل سے ان کا مطالعہ کریں گے ۔

۲۔ تصوف :

گردیزی (۱۰۴) میر سوز کے کلام کو "پسندیدہ اور سنجیدہ " قرار دیتے ہیں ۔ اس ضمن میں ہم میر سوز کے دور کے سیاسی ، مذہبی ، سماجی اور ادبی حالات کا جائزہ پیش کرچکے ہیں ان

حالات کے پس منظر میں ان کے کلام کا مطالعہ کرنا بھی مفید ثابت ہوگا۔ ہم جانتے ہیں کہ میر سوز نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ ایسا ماحول تھا جس میں دین و دنیا سے بیک وقت لذت اندوز ہونے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ سوز جس بزم سخن کے رکن تھے اس کی زیب و زینت تصوف کے دم سے قائم تھی۔ تصوف کی یہ کارفرمائی کوئی صدی دو صدی سے نہ تھی بلکہ یہ تو صدیوں سے ایک تحریک کی صورت میں اسلامی معاشرہ میں جڑیں پکڑ چکی تھی۔ ظہور اسلام کے بعد مسلمانوں نے ادبیات و فنون لطیفہ کی جو عمارت تعمیر کی اس کی اساس اسلام کے بنیادی عقاید پر رکھی۔ قرآن پاک اگر ایک طرف مکمل ضابطہ حیات ہونے کے اعتبار سے تمام الہامی صحیفوں میں سب سے افضل و برتر ہے۔ تو دوسری طرف ادبی لحاظ سے اس کا مرتبہ بے انتہا اہم ہے۔ مسلمانوں نے جس زبان میں بھی علمی و ادبی کاوشیں کیں انھوں نے قرآنی ادب کا سہارا لیا۔ اردو ادب کی خوش قسمتی ہے کہ صدیوں پرانی اسلامی اقدار جو عربی اور فارسی ادب میں موجود تھیں اس کی پشت پناہ ثابت ہوئیں۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس کے عقاید کی تصدیق اگرچہ دل کرتا ہے لیکن ان کی تشریح احاطہ تحریر و تقریر میں لانا مشکل ہے۔ لیکن ان عقاید اور اصولوں کا عملی مظاہرہ ان کی شرح بھی کر دیتا ہے اور دلوں پر لافانی نقش بھی چھوڑ جاتا ہے۔ صوفیائے کرام کے اسی مسلک کو ہم تصوف کے نام سے پکارتے ہیں۔ دہلی جو بائیس خواجہ کی چوکھٹ تھی اس کے باشندے تصوف کے رنگ میں سرتاپا رنگے ہوئے تھے۔ خود سوز کے زمانے میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کا خانوادہ، حضرت مظہر جان جاناں اور ان کا پورا دبستان، حضرت شاہ فخرالدین اور ان کا سارا حلقہ ارشاد بلا تخصیص مذہب و ملت انسان دوستی اور مذہب پرستی کی تعلیم دے رہے تھے۔ اس وقت کے تمام دانشور طبقے ان بزرگوں سے کسب فیض کرتے تھے علی الخصوص شعراء کا ان سے خاص تعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف اپنی تمام باریکیوں، ساری رعنائیوں اور دلاویزیوں کے ساتھ اردو شاعری میں رچا بسا ہوا ہے۔ جس شاعر کے کلام کو دیکھیے وہاں تصوف کی چھاپ لگی ہوئی ملے گی۔ اس انداز فکر نے غور و تدبر کی عادت کو تقویت دی، ذات اور صفات کے ادراک اور شعور نے من کی دنیا کو آباد کیا چوں کہ تصوف اور اس کے موضوعات ماورائی ہیں۔ اور فہم و ادراک کی سرحد سے پرے ہیں تاہم غور و فکر تفحص و تعمق کے باعث طبیعت حساس ہوجاتی ہے۔ زود حسی جب بیرونی اثرات قبول کرتی ہے تو ساز دل کے تار جھنجنا اٹھتے ہیں روح کی پکار الفاظ کا جامہ پہن لیتی ہے۔ صداقت و خلوص کی آمیزش کے

ساتھ حرف زیر لب بھی بڑا پر تاثیر ہے۔ ان ملکوتی اور لاہوتی مسائل میں جو تصوف کا موضوع خاص نہیں نور ہے اور روشنی ہے۔ اس روشنی کی حرارت سے دل میں گرمی سوز اور تپش پیدا ہوتی ہے۔ ایک ذات بزرگ و برتر کا تصور ابھرتا ہے۔ توحید، تخلیق، عرفان ذات، عدم و وجود اور فنا کے پیچیدہ مسائل خود بخود حل ہونے لگتے ہیں لیکن ان افکار و خیالات کو دوسروں تک کیسے پہنچایا جائے، وہ حرارت جو اپنے دل کو گداز کر رہی ہے دوسروں تک کیوں کر منتقل ہو اور وہ مسائل جن کی ادائیگی اور تشریح کی طاقت زبان نہیں رکھتی ان کو کس طرح بیان کیا جائے۔ اس وجدانی کیفیت کے اظہار کے لیے جب روح پر احساسات کا شدید دباؤ پڑتا ہے تو دل کی بات زبان پر آجاتی ہے اور لفظوں کا جامہ پہن کر شعر کے قالب میں ڈھلتی ہے اور اس غیر مرئی حقیقت کو پوری توانائی و صحبت کے ساتھ ذہن نشین کرا دیتی ہے۔ شاعری میں اسی کو داخلیت کے نام سے پکارتے ہیں۔

میر سوز ایسے خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے صدیوں علم و عرفان کی شمع کو روشن رکھا۔ ان کو مذہب دوستی، فقیری و درویشی میراث میں ملی تھی یہ صوفیانہ دردمندی، دنیاوی حوادث کے باعث اور نتھر کر سوز کے کلام میں جلوہ گر ہے۔ ان کے کلام میں جو داخلی کیفیات ملتی ہیں وہ عرفانی اور وجدانی ہیں۔ اور سوز ایک خاص لے اور آہنگ کے ساتھ ان مسائل کو بیان کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ مسائل پسندیدہ بھی ہیں اور سنجیدہ بھی اور اسی وجہ سے بقول گردیزی سوز کا کلام پسندیدہ بھی ہے اور سنجیدہ بھی۔ سوز کا صوفیانہ کلام اپنے موضوعات کے اعتبار سے قرآنی آیات کے ساتھ عین مطابقت رکھتا ہے۔ ذیل میں ہم مختصر طور پر اس کا ذکر کرتے ہیں۔

توحید:

"اللہ لا الہ الا ھوا لحی القیوم"

(اللہ تعالیٰ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

وہ زندہ ہے اور تمام عالم کا سنبھالنے والا ہے)

(القرآن، سورۂ بقرہ: ۲۵۵)

توحید ایک ایسا بنیادی اور اساسی عقیدہ ہے جس پر ساری کائنات گردش کر رہی ہے یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف ازل سے ابد تک کیا جاتا رہے گا۔ گمراہی، جہالت اور توہمات میں مبتلا قوموں میں بھی کہیں نہ کہیں ایک ذات بزرگ و برتر کا تصور موجود ہے۔

ازل کے دن جو سبق بنی نوع انسان کو پڑھایا گیا تھا وہ اگرچہ فراموش تو ہوا لیکن قلوب سے یکسر محو نہیں ہوا اس عہد کی تجدید کے لیے انبیائے کرام تشریف لاتے رہے لیکن اسلام نے مسئلہ توحید پوری شرح و بست کے ساتھ بھی بنی نوع انسان پر واضح کر دیا۔ ایک خدا کا عقیدہ ، اس کی حاکمیت ، قبضہ و اختیار کو تسلیم کرلینے کے بعد خود انسان کو بلند ترین مقام حاصل ہوگیا۔ اور وہ مقصد حیات اور تخلیق کائنات کے سربستہ رازوں سے آگاہ ہوگیا۔ ہمارے صوفیائے کرام نے اسی مسئلے کو بہت جذب و کیف اور ذوق شوق سے اٹھایا اور دلوں میں راسخ کر دینے کی پوری سعی فرمائی۔ لہذا ہماری اردو غزل میں جب اس مسئلے کو پیش کیا جاتا ہے تو ہمارا شاعر اسی رمز و کنایہ سے کام لیتا ہے جو صوفیہ کرام کی خاص ایجاد اور اختراع ہے اس مرحلے پر ہمارا غزل گو شاعر خواہ وہ کیسا ہی ہو ایک پکا صوفی نظر آتا ہے یہ اور واقعہ ہے کہ شعر کی تاثیر اس وقت اور بڑھ جاتی ہے جب شاعر خود اس درد کی کسک سینے میں محسوس کرتا ہو۔ ہمارے تمام شاعروں نے تصوف کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ کچھ نے محض رسمی اور رواجی طور پر اور کچھ نے اپنی قدیمی کیفیات سے مغلوب ہو کر۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس رنگ کو نبھانا آسان کام نہیں۔ علی الخصوص مسئلہ توحید کو صوفیانہ انداز میں رقم کرنا بڑی صلاحیت ، مہارت اور اہمیت کا کام ہے۔ ذات الٰہی کا تصور ناممکن ، اس کی تشریح اور وضاحت حد امکان سے باہر ہے۔ اس حقیقت مستور کو وہی پاسکتا ہے جس کے دل میں آنکھیں روشن ہوں۔

سوز خیر شاعر تو تھے ہی لیکن ان کے معاصرین نے ان کی شاعرانہ صفات سے زیادہ ان کی اعلیٰ سیرت کی توصیف کی ہے۔ میر حسن (۱۰۵) ان کو "فقیہ بے مثال اور درویش باکمال" کہتے ہیں شورش (۱۰۶) "درویش انسان" کے نام سے پکارتے ہیں۔ مصحفی (۱۰۷) "شاعری اور درویشی" کا ایک ساتھ ذکر کرتے ہیں"۔ قاسم (۱۰۸) "مردے عالی طبیعت درویش نہاد نیک طبیعت والا نژاد" کے معزز الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ شاہ کمال (۱۰۹) "بزرگی و درویشی میں بزرگوں سے ممتاز" قرار دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے سوز پہلے صوفی اور پھر شاعر تھے۔ چناں چہ ان کے اشعار میں جو تاثیر ہے وہ دوسرے شعراء کے ہاں موجود نہیں۔ ان کے کلام میں تصوف کے مسائل بہت سلیقے سے بیان کیے گئے ہیں مسئلہ توحید پر قرآن پاک کی روشنی میں سوز کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

تیرے سوا کون اب ہے جہاں میں الحکم للہ و الملک للہ

خدا دیتا اگر مجھ کو زبان توحید کہنے کی تو لا کہہ کر الوہیت کو الا اللہ میں کہتا

دل ایک اس میں غیر کا کیا دخل میر سوز ‏ مشرک ہو یاد رکھے جو کوئی سوائے دوست

یک ہستی موہوم ہے کل صورت اشیا ‏ ہے دیدۂ تحقیق میں جز نام خدا ہیچ

جب ہیچ ہی ہم بوجھ چکے سارے جہاں کو ‏ غم ہیچ ستم ہیچ طرب ہیچ عطا ہیچ

روز ازل سے سوز تمہارا غلام ہے ‏ مشرب میں اس کے غیر کا ملنا حرام ہے

رسالت:

" انا ارسلنک شاهدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی الله باذنه و سراجا منیرا -"

(بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں اور سب کو اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ ایک روشن چراغ ہیں)

(القرآن ۔ سورۂ احزاب : ۴۵، ۴۶)

" هوالذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره . علی الدین کله ـ وکفی بالله شهیدا ـ محمد رسول الله - "

(وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت دی اور سچا دین (یعنی اسلام) دے کر دنیا میں بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے محمد اللہ کے رسول ہیں)

(القرآن ۔ سورۂ الفتح : ۲۸)

یہ تمام عالم جو حد شمار سے باہر ہیں اور جن کی حقیقت کو سمجھنا عقل انسانی کے بس کی بات نہیں ۔ یہ عجائبات عالم جو انسان کو مبہوت و مسحور کر دیتے ہیں ان کو تخلیق کرنے میں خدا کو کوئی دقت یا دشواری پیش نہیں آئی اس نے صرف کن کہا اور تمام بن کر تیار ہوگئے ۔ تخلیق کائنات قدرت الٰہی کا ایک ادنیٰ کرشمہ اور اس کی عظمت و شان کا عظیم الشان نشان ہے ۔ دنیا کی تخلیق پر سوز کا ایک شعر دیکھیے ۔

خلقت تمام گردش افلاک سے بنی ‏ مانی ہزار رنگ کی اس چاک سے بنی

مگر یہ کائنات یوں ہی نہیں بنائی گئی ہے اس کی تخلیق کا ایک مقصد ہے اور وہ

مقصد یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائیں اور منصب رسالت پر فائز ہوں۔ حدیث قدسی ہے " لولاک لما خلقت الارض والسماء " (اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو زمین و آسمان کو پیدا نہ کرتے) اس طرح راز تخلیق کائنات کی پردہ کشائی منصب رسالت ہی سے ہوتی ہے۔ اس منصب کے سامنے فرشتے سرنگوں اور حور و غلمان جبہ سائی کرتے ہیں۔ اب سوز کا ہدیہ عقیدت ملاحظہ ہو

قد رعنا جو اپنا خم کیا بہر نماز اس نے ۔۔۔ ہوا اس وقت ساجد کعبہ محراب محمد کا

زمین و آسماں ہوں کیوں نہ روشن نور سے اس کے ۔۔۔ کہ ہے اک پرتو خورشید مہتاب محمد کا

کہا پیر خرد نے موجب خم پشت گردوں کا ۔۔۔ کہ مجھ کو یہ کس رہنا ہے اسباب محمد کا

ادا کس کی زباں سے ہوسکے شکر اس کی نعمت کا ۔۔۔ دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمد کا

اہل بیت:

" انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا "

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے (اے نبی) کہ گھر والوں سے اور تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو ہر طرح پاک و صاف رکھے۔

(القرآن، سورۂ احزاب: ۳۳)

حدیث شریف ہے:

" انا مدینۃ العلم و علی بابھا "

" میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ "

سوز اس طرح کہتے ہیں:

" محمد علم کا گھر ہے علی ہے اس کا دروازہ ۔۔۔ غلام اس کا ہے جو وہ کلب ہے باب محمد کا

صحابۂ کرام

" والسبقون الاولون من المھاجرین والانصار والذین اتبعوھم باحسان رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ "۔

" جو مہاجر اور انصار ایمان لانے میں سب سے سابق اور مقدم ہیں اور وہ جو اخلاص کے ساتھ ان کی پیروی کریں اللہ ان سب سے

راضی ہوا وہ سب اللہ سے راضی ہوئے "

(القرآن، سورۂ توبہ : ۱۰۰)

رسول پاک نے ان کی توقیر میں مزید اضافہ فرمایا :

" اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم "

" میرے تمام صحابہ ستاروں کی طرح ہیں ان میں سے تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت حاصل کر لو گے "

اس بارے میں سوز کی منقبت ملاحظہ ہو :

جو چاہے پاک ہو پیرو ہو اصحاب محمد کا
ولا دریائے رحمت قطرہ ہے آب محمد کا

عظمت آدم :

" و اذ قال ربک للملئکتہ انی جاعل فی الارض خلیفہ " ۔

" اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک (نائب انسان حیوان ناطق ہے لیکن مقام اس کو اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ اطاعت شعار بندہ بن جائے ۔ مکمل انسان مسلمان ہی ہے اور وہی خلیفۃ اللہ فی الارض بھی ہے نیابت الٰہی کا کام آسان نہ تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نائب کی تعلیم خود فرمائی ہے) "

(القرآن، سورۃ البقرہ : ۳۰)

" وعلم آدم الاسماء کلہا "

" اور علم دے دیا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو سب چیزوں کے ناموں کا "

(القرآن، سورۃ البقرہ : ۳۱)

سوز اسی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہوئی ہے خاک سے خلقت تری اے مہروش جب سے
زمین کے روز و شب تب سے تصدق آسماں کے ہیں

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو جو فخر نسل بنی آدم میں آسمانوں کی سیر کرائی۔

معراج:

"سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلا"

"وہ پاک ذات ہے جس نے اپنے بندے کو راتوں رات سیر کرائی۔"

(القرآن ، سورۂ بنی اسرائیل : ۱)

سوز کتنے فخر و ناز سے کہتے ہیں:

طور پہ جاکے تجلّی ہی کو دیکھا موسیٰ — میرے صاحب سے مگر طالع بیدار کہاں

مرشد:

"یا ایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصٰدقین"

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور عمل میں سچوں کے ساتھ رہو

(القرآن ، سورۂ توبہ : ۱۱۹)

اللہ تعالیٰ کی غلامی کا جوا اپنی گردنوں میں ڈال کر اس کے رسول برحق کی کفش برداری کرنے کا یہ صدقہ ہے کہ آپ کی امت کے اہل اللہ کا مرتبہ بنی اسرائیل کے پیغمبروں جیسا ہے۔ حدیث مبارکہ ہے:

"العلماء کانبیاء بنی اسرائیل"

یہ علما صلحا اور فقرا اتباع نبوی کر کے اس مرتبہ پر جا پہنچے کہ ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر کائنات گردش کرتی ہے۔ شریعت محمدی کے وہ وارث اور امت محمدی کے نگہبان ہیں وہ ایک نگاہ غلط انداز سے دلوں کی دنیا بدل دیتے ہیں۔ وسیلۂ مرشد قطع منازل کے لیے توسنِ صبا رفتار ہے

ہے معتبر انھوں کی جہاں میں موسیٰ — جو خاک کو نگاہ سے اپنی طلا کریں

اگر کچھ سوز نے پایا تو مے خانے کے سجدے سے — حرم کے در پہ ورنہ بارہا سر مار مار آیا

محبت الٰہی:

"والذین اٰمنوا اشد حبا للّٰہ"

اور جو مومن ہیں ان کو صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے۔ (القرآن ، سورۃ البقرہ: ۱۶۵)

مومن کا مقصد توحید اللہ کی محبت ہے ایسی محبت جو مرمٹنے اور نثار ہو جانے کا تقاضہ کرے۔

کوچۂ عشق میں جو اہل نظر جاتے ہیں
کاٹ کے سر کو کف دست پہ دھر جاتے ہیں

نہیں وہ سوز جو مرنے کے بعد از بھی تجھے بھولے
بڑا تڑپے گا تیری یاد میں اس کا کفن میں دل

تعلق مع اللہ:

"الذین امنوا و تطمئن قلوبھم بذکر اللہ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب"

"مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ کے ذکر سے ان کے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے"

(القرآن سورۂ رعد : ۲۸)

خدا کی محبت دل میں جتنی زیادہ ہوگی بندے کا تعلق اللہ سے اتنا ہی زیادہ ہوگا۔ یہ تعلق اگر حاصل ہے تو پھر کسی دوسری چیز کی طلب باقی نہیں رہتی:

خاک سے جس نے بنایا حضرت انسان سا
فیض اگر چاہے تو کر اس باغباں کا اختلاط

سوز فردوس کا ہووے نہ طلب گار وہاں
تیرے گھر کا سا اسے سایۂ دیوار کہاں

دوزخ کا خوف اس کو نہ جنت کی آرزو
جو کوئی جان و دل سے ہوا مبتلائے دوست

تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب:

"قد افلح من زکھا وقد خاب من دسھا"

"یقیناً کام یاب ہوا وہ جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو فجور میں دبا دیا"

(القرآن، سورۃ الشمس : ۹، ۱۰)

خدا کی محبت اطاعت پر آمادہ کرتی ہے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تزکیہ نفس اور صفائی قلب لازمی ہے۔ عشق کی آگ میں جتنا تپے گا اتنا ہی کندن ہوگا۔ دل کا آئینہ جتنا صاف ہوگا اتنا ہی عکس رخ محبوب واضح ہوگا:

نہ پاویں جب تلک لاکھوں گدازیں آتش غم میں
مس دل عاشقوں کا تو زر کامل نہیں ہوتا

آئینہ سا بنے تب اس میں جھانکے روئے یار
سوز منزل دور ہے آگے ہی سے حیراں نہ ہو

تسلیم و رضا:

" صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین " ۔

" میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی
کے لیے ہے جو مالک ہے سارے جہان کا "

(القرآن سورۃ الانعام : ۱۶۳)

دنیاوی حرص و ہوا سے دور رہ کر بقا، اطاعت و بندگی کو اپنا شعار بنانا ہے وہ محبوب کی خوشنودی اور عطائے یار کا طالب ہونا ہے

ہم کو نہ کچھ مال نہ زر چاہیے — لطف کی اک تیری نظر چاہیے
یار جس سے خوش رہے مجھ کو وہ آئیں چاہیے — اس سوا طالب نہ دنیا کا ہوں نے دیں چاہیے
جو غم دل میں بسے آکر اسے اب دور کیا کیجے — عطائے یار ہو اس چیز کا مذکور کیا کیجے

وحدت الوجود:

" ھوالاول والاخر والظاھر والباطن "

" وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے اور وہی ظاہر ہے اور وہی مخفی ہے "

(القرآن ۔ سورۂ حدید : ۳)

اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کا تابع کر کے بندہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کرتا ہے اب خدا کی مرضی ہی اس کی اپنی مرضی ہوتی ہے ۔ تسلیم و رضا کا یہی منطقی استدلال ہے جب ذات باری ہی وجود برحق ہے تو دوسرے تمام وجود بے معنی ہیں ۔ اللہ ہی کی تسبیح و تہلیل حمد اور ثنا تمام عالم کرتے ہیں ۔ یہ موجودات محض اس کے نور کا پرتو ہیں ۔ خدا اگر آفتاب عالم تاب ہے تو موجودات اس کی شعاعیں ۔ خدا اگر سمندر ہے تو اشیائے کائنات حباب ۔ شعاعیں سمٹیں گی تو آفتاب میں مرکوز ہوں گی حباب پھوٹیں گے تو سمندر میں مدغم ہوجائیں گے منتشر ذرے پھر صحرا میں سما جائیں گے

سر خوشِ جوشِ بہارِ نرگسِ مستانہ ہوں — آپ ہی مینا بھی ہوں اور آپ ہی مے خانہ ہوں
جو کیفیت ہے نرگس کی چمن میں — وہ چشمِ ساقیِ گل فام میں دیکھ
فنا کر آپ کو تو جزو سے اے دل تو کل ہووے — گنوائے جب حیات اپنے تئیں تب عین دریا ہو
نام و نشاں نے مجھ کو رسوا کیا الٰہی — اب چاہتا ہوں حق سے بے نام و بے نشاں ہوں

فنا فی الذات کی خواہش سوز کے ہاں ایک حسین و جمیل تصور بن جاتی ہے :

خاک ہونا ہو تو خاک کوچہ دلدار ہو — ہو فنا پیش از فنا لیکن فنائے یار ہو

غبار جسم سے ہے اس طرف محبوب کا ڈیرا — اڑا دے آہ سے اس کو کہ یہ پتلا ہی حائل ہے

صنم کا دید چاہے تو فنا ہو عاشق صادق — غبار جسم اڑ جادے تو کچھ حائل نہیں رہتا

مدام ہے دل کی آرزو یہ کہ تجھ گلی میں نثار ہو جی
کروڑوں ذرہ کے ذرہ ہو کر قدم پہ تیرے نثار ہو جی

جبر:

" وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ رب العالمین "

" اور تم بدون خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے "

(القرآن سورۃ التکویر : ۲۹)

بندہ اس کائنات کا ایک جزو ہے وہ قبضہ و اختیار سے محروم ہے ۔ نہ جینا بس میں ہے اور نہ مرنا اپنے ہاتھ میں ہے :

خوشی سے نہ جینا لے ہے نہ موت — الہی ہمیں کچھ بھی مقدور ہے

سوز کا نقطہ نظر یہ ہے کہ بندہ تن کے قفس میں اسیر ہے ۔ یہ قید نوشتہ تقدیر ہے لہذا جو پہلے ہی مقید ہو اس کو دنیاوی علائق کا پابند ہونا چاہیے :

ہے گرفتاری تن گرچہ بہ حکم تقدیر — اے گرفتار بلا اور گرفتار نہ ہو

استغنا:

" وما الحیوۃ الدنیا الا لعب و لھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون "

" اور دنیا کی زندگی تو کچھ بھی نہیں بجز لہو و لعب کے اور پچھلا گھر متقیوں کے لیے بہتر ہے کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ہو "

(القرآن ، سورۃ الانعام آیت :)

انسان کارخانہ قدرت کا ایک ادنی بندہ ہے کچھ فرائض اس کو تفویض کیے گئے ہیں اس کی تخلیق کا صرف یہی مقصد ہے کہ وہ ان فرائض کو پورا کرتا رہے ۔ ورنہ اس مہمان سرائے میں وہ خالی ہاتھ آتا ہے اور عمر چند روزہ بسر کر کے خالی ہاتھ واپس چلا جاتا ہے ۔ خوش

نصیب ہیں وہ لوگ جن کا دامن یہاں کے خار زاروں سے نہیں الجھتا۔ بقول سوز:

کیا لے لیا تھا ہم نے الجھنا جو کوئی خار
جوں گل ہم اس کے باغ میں دامن فشاں رہے

سوز زندگی کو قربانی قرار دیتے ہیں اور جس کے پاس لباس ہی نہ ہو وہ دامن کیسے چھپا سکتا ہے۔ لذات دنیاوی سے جتنی علیحدگی میسر ہوگی انسان اتنا ہی مطمئن ہوگا۔

ہم تو مستغنی الاحوال ہیں عریانی سے — جامہ رکھتا ہو جو کوئی تو پسارے دامن
تارک الدنیا ہو گر چاہے کہ خوش گذرے تری — جب پڑا دھندے میں اس کی شادمانی پھر کہاں
شکر ہے اس کا زبان کی ہم نے لذت چھوڑ دی — جو ملا سو کھا لیا۔ تھا خواہ شیریں خواہ تلخ

اس مقام پر پہنچ کر انسان اپنے دل کا بادشاہ ہوتا ہے۔ سود و زیاں کا احساس فنا ہو جاتا ہے ترک تمنا کے باعث فقر و فنا کا وہ اعلیٰ منصب ملتا ہے جہاں قلندری بھی ہے اور سکندری بھی۔

دنیا کو کیا ترک ہوئے بادشہ وقت — کس کو ہے غرض جو کہے نواب سلامت

اسی راہ پر دو گام اور بڑھے تو فنا کی منزل آجاتی ہے:

صد شکر کہ مرنے کا خلش اٹھ گیا دل سے — جب سے ہوئے پیدا ہیں اسی دن سے مرے ہیں

بے ثباتی:

"کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام"
"جتنے روئے زمین پر موجود ہیں سب فنا ہوجاویں گے اور آپ کے پروردگار کی ذات جو کہ عظمت اور احسان والی ہے باقی رہ جائے گی" (القرآن ۔ سورۂ رحمن: ۲۶ ۔ ۲۷)

یہ ہردم منقلب زمانہ پکار پکار کر کہتا ہے کہ دنیا ایک سراب ہے۔ یہاں لوگ قافلہ در قافلہ چلے جارہے ہیں:

مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی آنکھوں سے یہ روز — یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں
تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یاں — سوجھتا اتنا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں
جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دکھ پہ دکھ دیکھے گا یار — مند گئیں جب انکھڑیاں تب سوز سب آنند ہیں

جاتے ہیں لوگ قافلے کے پیش و پس چلے
دنیا عجب سرا ہے جہاں آئے بس چلے

اے غنچے آنکھ کھول کے ٹک تو چمن کو دیکھ
جمعیت دلی پہ تری پھول ہنس رہے

بغیر از مرنے جینے کچھ نہ دیکھا بزم دنیا میں
کٹی اپنی تو مثل شمع صبح و شام دنیا میں

کدھر جاتے رہے یہ یار یارب
کوئی بیٹھا نہیں اب انجمن میں

وسواس شیطانی:

" قل اعوذ برب الناس ملک الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس "

" انسان کا سب سے بڑا دشمن شیطان ہر وقت اس کے ساتھ لگا ہوا ہے ۔ جو ظاہر میں دوست نظر آتا ہے لیکن باطن میں دشمن ہے لیکن اہل نظر اس کو فوراً پہچان لیتے ہیں " (مفہوم)

(القرآن ۔ سورۃ الناس : ۱ تا ۶)

لباس دوستی میں پھر تو آیا ہے ستانے کو
ارے چل بھاگ سمجھا ہوں تری باتیں بنانے کو

توبہ:

" ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین "

" اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ کریں گے اور ہم پر رحم نہ کریں گے تو واقعی ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا " (القرآن ۔ الاعراف : ۲۳)

اللہ کے نیک بندے ہر وقت توبہ اور استغفار میں مصروف رہتے ہیں اور گناہوں کی گرد کو اپنے آنسوؤں کے پانی سے دھوتے ہیں ۔

میں تو غبار دل کا یک بار دھو کے آیا
کوچے میں خوب رو کے کل خوب رو کے آیا

اعمال حسنہ:

" فمن کان یرجوا لقاء ربه فلیعمل عملا صالحا "

" جو شخص اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے پس چاہیے کہ عمل صالح کرے " (القرآن ۔ سورۂ کہف : ۱۱۰)

آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے بندہ اعمال حسنہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے کیوں کہ اچھے کام ہی دوسری دنیا کے سفر کا زاد راہ ہیں اس مختصر زندگی میں جتنے بہتر کام ہو سکیں کر لینا چاہیے کون جانے پھر مہلت ملے یا نہ ملے۔

کار نیک اے یار توشہ ہے فراہم کر اسے   صحبت ان کی ایک دن اے یار مشکل ہوئے گی

ہے تنگ زمانے میں بہت عمر کا عرصہ   اس میں عمل نیک کیا چاہے تو کر لے

امید بخشش:

"لا تقنطو من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا"

"اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیں گے"۔ (القرآن، سورۃ الزمر: ۵۳)

اپنی بد اعمالی کے باوجود انسان رب کریم سے یہی امید کرتا ہے کہ اس کی رحمت لغزشوں کو معاف کر دے گی اور اس کے کرم کا سایہ گناہ گاروں کے سروں پر ہوگا۔

شرائط اپنے میں اسلام کی ہرگز نہیں پانا   جو اس پر بھی گنہ بخشے تو اس کا نام ہے دانا

داشد ہے جیسی غنچہ دل گیر میں چھپی   ہے مغفرت ہماری بھی تقصیر میں چھپی

بلا تردد بلا تعمل بلا تصنع بلا تعلی

امید بخشش ہے جب سے ہم کو کیے ہیں ہم نے گناہ لاکھوں

جرم کو عفو کی تدبیر بہت اچھی ہے   بے گنہ رہنے سے تقصیر بہت اچھی ہے

تصوف کی یہ ہمہ گیری اور ہمہ رنگی سوز کے کلام کو پاکیزہ بناتی ہے۔ اس میں ملکوتی تقدس پیدا ہوجاتا ہے، وہ شاعری اصلاح اور تہذیب کی شاعری بن جاتی ہے۔ انسان میں اس کے مطالعے سے عرفانی اور وجدانی شعور پیدا ہوتا ہے ان کے کلام کو پڑھ کر دل نور اور سرور کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ علی لطف (۱۱۰) نے بہت خوب کہا ہے کہ "سوز کا کلام سر سے پانوں تک سوز و ساز ہے اور پانوں سے سر تک ناز و نیاز ہے (۱۱۱)۔ کہتے ہیں" کہ وہ محرم درد عاشقان غم و اندوہ تھے"۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تصوف انسانی کردار اور مزاج کو بنانے اور سنوارنے میں بڑا مددگار اور معاون ثابت ہوا ہے اس کا عمل اس وقت اور کارگر ہوتا ہے جب شاعر

صوفیانہ مسلک پر خود بھی عمل پیرا ہو۔ میر سوز اس راہ کے رہرو تھے اور ان کے اشعار میں صوفیانہ کیفیات کی صحیح اور واضح تصویریں ملتی ہیں۔ اسی مسلک کو اختیار کر کے انھوں نے وہ مقام حاصل کیا کہ تمام معاصرین ان کے حق میں کلمۂ خیر کہنے پر مجبور ہیں۔ صوفیاء کا قول ہے کہ تصوف دراصل اخلاق کریمانہ کا نام ہے۔ ٹوٹے دلوں کو جوڑنا، بچھڑوں کو ملانا، بھٹکوں کی رہ نمائی کرنا، ایثار، قربانی، عجز و انکسار اس مسلک کے رہ نما اصول ہیں۔ دوسروں کے غموں کی آگ میں جلنا، غیروں کے دکھوں کو محسوس کرنا، صوفیاء کا طریقہ خاص رہا ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ رموز کائنات کو جان لینے کے بعد انسان خود اپنے عبرت ناک انجام سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ خدا کیا ہے اور بندہ کون ہے۔ تخلیق سے پہلے اس کی کیا حقیقت تھی اور وجود میں آنے کے بعد اس کا کیا مرتبہ ہے۔ بندے اور خدا کا تعلق، پھر طلب الٰہی اور اس کے دشوار ترین مرحلے، موت و حیات کی منزلیں، ذہن انسانی کو ورطہ حیرت اور گرداب غم میں ڈال دیتی ہیں۔ بقول حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ "جو شخص یہ جانتا ہے کہ موت آکر رہے گی، جو جانتا ہے کہ قیامت واقع ہو کر رہے گی، جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اسے بہر حال ایک نہ ایک دن خدا کے حضور میں پیش ہونا ہے وہ خوش کیسے رہ سکتا ہے اس کے حزن کی کیفیت تو برابر بڑھتی چلی جائے گی۔"

حقیقت یہ ہے کہ دل کی آنکھ جب کھلتی ہے تو کائنات کا بھرم کھل جاتا ہے طبیعت میں تجسس تلاش اور حقیقت کو پا لینے کی امنگ پیدا ہوتی ہے اسی کو تلاش کے نام سے پکارا جاتا ہے اس معرفت کو حاصل کرنے کی لگن دل کو بے چین اور بے قرار رکھتی ہے۔ یہی وہ نشاط انگیز حزن ہے جس کو علی لطف نے سوز و ساز کہا ہے۔ غزل کی اصطلاح میں اس کو عشق حقیقی کہتے ہیں۔ میر سوز کا کلام اس کیفیت سے لبریز ہے۔

کیسا جمال آفریں ہوگا وہ لمحہ جب ازل میں تمام ارواح با ادب محبوب حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گی۔ اور جب صدائے الست کی ندائے دل نواز بلند ہوئی تو رگ و پے میں ایک کیف و مستی جاری و ساری ہو گئی۔ ہوش آیا تو خود کو اس عالم رنگ و بو میں پایا لیکن جو نگاہیں اس جمال دل فروز کی مشتاق ہوں اور جو کان اس نغمۂ جاودانی کو سننے کے لیے بے تاب ہوں ان کو اس عالم آب و گل میں کیوں کر تسلی ہو سکتی ہے۔

الست کی صدا سے اب تلک دل محو ہے یارب
بلا جانے ہماری نغمۂ داود کیسا ہے

اس عالم سرخوشی میں الست بربکم کے جواب میں قالو بلیٰ کا جو عہد ہوا تھا وہ عہد اس عالم امکان میں بھی یاد ہے۔ وہ قیامت تک بھی بھول نہیں سکتا۔

زباں سے ہوسکے کب دلربا تیری ثنا کہنا ۔۔۔ مگر صورت کو تیری دیکھنا اور واہ واہ کہنا

قیامت تک نہ بھولے گی ہمیں اس آن کی لذت ۔۔۔ ہمارا ہنس کے بلیٰ دینا تمھارا مرحبا کہنا

یہ زنداں خانۂ جہاں اس مرکز نور سے جدائی کا سبب بنا ہوا ہے۔ اس علیحدگی اور جدائی کے باوجود تصورات میں وہی منظر ہوشربا ہے اور اسی کو دیکھنے کے لیے جان و دل بے قرار ہیں

کسی بھی چیز کو میں نے نہ ڈھونڈھا دنیا میں ۔۔۔ مگر وہی ہے تری جستجو مرے دل پر

پیتا ہوں یاد دوست میں ہر صبح و شام جام ۔۔۔ بے یاد دوست مجھ کو ہے پینا حرام جام

مجھے جوں شمع تیرے عشق میں یہ کچھ ہوا حاصل ۔۔۔ جسے تا صبح دم روتے ہی روتے شام سے گذرے

شمع کی مانند اے اہل نظر ۔۔۔ سوز میں جلتا ہوں ہر شب کیا کہوں

ہر وقت بسط و قبض کی کیفیت طاری رہتی ہے اضطراب اور اضطرار میں کبھی گلہ ہے کبھی شکوہ، کبھی ناز ہے اور کبھی نیاز۔

اس شوخ بے وفا و فراموش کار سے ۔۔۔ مدت ہوئی کہ نامہ و پیغام کچھ نہیں

نہ تبسم نہ ترحم نہ نگاہ ۔۔۔ کسی طرح یہ دل نادیدہ بھلا شاد رہے

سر اوپر شام آئی پاؤں چلنے سے تھکے یارب ۔۔۔ کدھر جاؤں نہیں ہے کچھ سراغ کارواں پیدا

یہ حالت سخت اذیت ناک ہے۔ ایک کرب مسلسل ہے جس میں شب و روز جلنا گھلنا اور کڑھنا پڑتا ہے۔

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہووے گا ۔۔۔ آہ آسودہ جہاں میں کون سا دل ہووے گا

اس عالم بے غمی سے لا کر ۔۔۔ ہاں زیست بھلا مزا چکھایا

فنا کدے میں بھلا سوز آ کے کیا دیکھا ۔۔۔ یہ زندگانی ہی کھوئی کہ کچھ نفع دیکھا

وہاں سے جاگتے جیتے یہاں تلک آئے ۔۔۔ یہاں سے جاتے ہوئے جو سنا ہوا دیکھی

اکیلے آئے اکیلے چلے خدا حافظ — بغیر درد کوئی بھی نہ آشنا دیکھا

کچھ ہووے تو ہو عدم میں راحت — ہستی میں تو ہم عذاب دیکھا

جو مشاہدات ہوتے ہیں اور جس قسم کی واردات سے سابقہ پڑتا ہے ان میں لاہوتی تفکر اور تقدس ہے ایک استغراقی کیفیت قلبی آسودگی طمانیت اور سکون پوشیدہ ہے۔ جذب و کیف راز و نیاز اور سرور و انبساط کی فراوانی ہے۔

رات آنکھیں تھیں منڈی پر بخت تک بیدار تھا
تا سحر دل محو دیدار خیال یار تھا
گرچہ تھا وہ شمع رو فانوس میں تن کے دلے
پر وہاں شرم و حیا ہی مانع دیدار تھا
جھانکتا کیوں کر حصار تن سے میں محبوب کو
درد دل تو چشم بند رخنۂ دیوار تھا
یار مجھ میں تھا فدا میں یار میں فانی ہوا
غیر کیا سمجھے اسے جو تھا عجب اسرار تھا
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو
واں تجھے کیا تھی کمی یاں تجھ کو کیا درکار تھا

یہ تجلیات جو گاہے گاہے دل پر انعکاس کرتی ہیں طالب کی روح کو بے قرار کر دیتی ہیں، دل کی لگی میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ حزن و ملال میں اور زیادتی ہوتی ہے۔ روح سیہ خانہ تن میں پھڑ پھڑاتی ہے۔ نگاہیں اس جلوۂ جاں فزا کو دیکھنے کی مشتاق رہتی ہیں جو قلب و جگر کو گرما دیتا ہے:

کون سا دن ہو کہ میں وہ رخ زیبا دیکھوں
ناز کا اس کے بھلا میں بھی تماشا دیکھوں

یہ اشتیاق جب بڑھتا ہے دل سے آہ جاں سوز بلند ہوتی ہے۔ نالہ و بکا اور آہ و شیون کا ایک شور برپا ہو جاتا ہے۔

دل مغموم عاشق کس طرح ہو شاد دنیا میں
نہ جانا جس نے غیر از نالہ و فریاد دنیا میں

ایک دم اس باغ میں آرام نہ پایا ہم نے
عمر جوں مرغ ہوا بال فشاں رکھتی ہے

صنم کے غم، غریبوں بے کسوں کے مونس و ہم دم
الٰہی تا قیامت تو رہے آباد دنیا میں

بالآخر وہ لمحۂ طرب انگیز بھی آجاتا ہے جس کا بے چینی سے انتظار تھا۔ چہار جانب عزیز و اقارب مونس و غم خوار و دمساز و چارہ ساز جمع ہیں۔ مشتاق نگاہیں بند ہیں لب خاموش پر نام محبوب کی مہر ثبت ہے۔ سکرات کا عالم طاری ہے روح دیار محبوب میں قدم رکھا ہی چاہتی ہے۔ سر بالیں بیٹھے افراد حال پوچھتے ہیں ذرا جواب ملاحظہ ہو:

رہنے دو اے محباں یک دم خموش مجھ کو
کرتا ہوں تم سے باتیں آنے دو ہوش مجھ کو

ایک سانس رکتا ہے۔ ایک آتا ہے فرشتۂ اجل کا ہاتھ کبھی آگے بڑھتا ہے کبھی پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ شوق اس کشمکش کا متحمل نہیں۔ انتظار کی یہ آخری گھڑیاں بہت ناگوار گذرتی ہیں۔ بیان کی لطافت، ادا کی ندرت اور رمز و کنایہ میں اس کیفیت کو کتنی پر تاثیر انداز میں بیان کیا گیا ہے:

ساغر کو کر کے لبریز منہ میرے پاس لاکر ڈھکاتے ہے پیاسے وہ بادہ نوش مجھ کو

خشک ہونٹوں سے ساغر وصل لگتا ہے روح قفس تن میں انگڑائی لیتی ہے طائر روح پرواز کے لیے تیار ہے لطافت، کثافت سے معرکہ آرا ہے روح اور جسم کی معرکہ آرائی میں تن پارہ پارہ ہو جاتا ہے اور اس کی حالت حضرت علی کے الفاظ میں اس باریک ریشمی کپڑے کی سی ہوتی ہے جس کو خار دار جھاڑی میں پھیلا کر ایک طرف سے کھینچا جائے۔ یہ شکستہ و دریدہ جسم اب خاک میں ملا چاہتا ہے۔

یارو مت رو رو کے چھڑکو اب مرے منہ پر گلاب
لگ رہی ہے آگ دل میں ہو رہا ہے جی کباب

جنازہ تیار ہوتا ہے عزیز و اقارب جمع ہیں بے جان جسم کی حس باقی ہے۔ آخری سفر کی تیاریاں مکمل ہو رہی ہیں۔ تن مردہ زبان حال سے کہتا ہے:

اب کی نگہ نے اس کی بے خود کیا ہے دل کو
لے جاؤ اب رفیقو گھر تک بدوش مجھ کو

جنازہ اٹھتا ہے سوگوار قدم بہ قدم چلتے ہیں زبان پر کلمۂ شہادت جاری ہے مرنے والے کے لیے اس کلمہ سے بڑھ کر کوئی کلمہ نہیں یہ وہ نغمۂ جاں فزا ہے جو ہر سو سے بلند ہو رہا ہے اس کی تکرار سے سکون و راحت حاصل ہوتی ہے

جنازے والو نہ چپکے قدم بڑھائے چلو
اسی کا کوچہ ہے تک کرتے ہائے ہائے چلو

قبر منہ کھولے ہوئے ہے وہ جسم جو حریر و اطلس کا خوگر تھا اب خاک میں ملنے والا ہے وہ عزیز جو مرنے والے کے لیے جان دینے کو تیار رہتے تھے اب خود اپنے ہاتھوں سے اسے مٹی میں دبا رہے ہیں۔ آخری منزل سر ہوجاتی ہے سب اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں شہر خموشاں کا نو وارد ہوش میں آتا ہے حساب کتاب کی گھڑی آگئی ہے۔ منکر نکیر روشنی کے دو نقطوں کی طرح آگے بڑھتے ہیں یہ لمحہ بہت سخت ہے خوف اور ہیبت طاری ہے اوسان خطا ہیں لیکن اس کٹھن موقع پر قوت ایمانی سہارا لیتی ہے مومن کے لیے یہ ترقیٔ درجات کا وقت ہے۔

الٰہی خیر کیجو سوز کی ۔ یہ روشنی کیا ہے
وہ شمع طور سا کچھ دیکھیو تو دور جلتا ہے

سوز کے کلام میں حیات اور بعد حیات کے پیچیدہ مسائل بہت پر تاثیر طریقے سے بیان کیے گئے ہیں ۔ ان کے ہاں فلسفہ نہیں حکمت نہیں ہاں رفعت اور جدت ہے ۔ عرفانی حقائق وجدانی انداز میں جس طرح ان کے کلام میں ملتے ہیں دوسرے شعراء کے ہاں نظر نہیں آتے ۔ ان کے کلام میں قلبی کیفیات بڑی توانائی کے ساتھ موجود ہیں ۔ وہ ان کے اظہار کے لیے کسی تصنع اور بناوٹ سے کام نہیں لیتے بلکہ جیسا محسوس کرتے ہیں اسی طرح بیان کردیتے ہیں ۔ ان کے ہاں جذبے کی شدید کارفرمائی ہے اس میں بڑی تاثیر ہے ۔ یہ انداز فکر رسمی اور روایتی نہیں بلکہ تجربے کی پیداوار ہے ان کے کلام میں ان کی اپنی بے قرار روح محسوس ہوتی ہے۔

صاحب دل کے لیے غم حیات ہی کیا کم ہے کہ غم روزگار کا شکار بھی ہوجائے ۔ لیکن جب تک سانس کا رشتہ قائم ہے اس وقت تک غم روزگار سے مفر بھی نہیں ہے اس دنیا میں قدم قدم پر رنج و مصائب کے ہجوم ہیں کون شخص ہے جو یہ کہہ سکے کہ غم دوراں سے محفوظ ہے۔ صوفی ہونے کے اعتبار سے سوز قلبی اور ذہنی طور پر محزون و مغموم ہیں ہی لیکن معاشرے کے فرد ہونے کے لحاظ سے وہ حوادث زمانہ کا شکار بھی ہوئے۔ انھوں نے ایک شریف اور بلند نام خاندان میں آنکھ کھولی ۔ معاشرے میں ان کو با عزت مقام ملا لیکن وہ دور اپنی حشر

ساما نیوں کے باعث سخت اذیت ناک تھا۔ آئے دن کے انقلابات اور ہنگامے، قتل و غارت گری، ہنگامہ و فساد، امن پسند انسان کے لیے سوہان روح ہوتا ہے۔ ایسے متغیر ماحول میں توقعات برعکس ثابت ہوتی ہیں دوستی کے پیمانے بدل جاتے ہیں اقدار ملیا میٹ ہوجاتی ہیں۔ وضع دار انسان بھرے ماحول میں خود کو اجنبی اور یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے وہ سکون دل کی خاطر مارا مارا پھرتا ہے کچھ ایسی ہی حالت سوز کی بھی تھی جس شہر میں وہ پروان چڑھے جہاں ان کے بے شمار دوست اور عزیز و اقارب تھے وہی شہر ان کے لیے اجنبی ہوچکا تھا نئے حالات ان کو جذب کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے ناچار وطن کو الوداع کہا اور فرخ آباد جا بسے۔ لیکن سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں۔ فرخ آباد کو چھوڑنا پڑا۔ ٹانڈا منتقل ہونا نہ ہونا برابر ثابت ہوا، فیض آباد میں کوئی توقع نظر نہ آئی۔ عظیم آباد اور مرشد آباد کی خاک چھانی اور پھر واپس فیض آباد چلے گئے۔ اس تمام عرصے میں انھوں نے بہت انقلابات دیکھے بلند کو پست اور پست کو بلندی پر پایا۔ غریب الوطنی، مفلسی اور تنگیٔ معاش کی سخت آزمائشوں سے گذرے، احباب کی سرد مہری، خانگی پریشانیوں اور ناقدری کے احساس نے ان پر بہت برا اثر ڈالا۔ آخری عمر میں جوان بیٹے کی موت نے دل پر کاری زخم لگایا۔

یہ سب ذاتی مسائل اور شخصی مصائب تھے لیکن اس دگرگوں حالت میں وہ [illegible] تھے اپنی پریشانیوں کے باعث ان کے احساسات بہت لطیف اور گداز ہوگئے تھے لہٰذا [illegible] کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر وہ گرفتار غم ہوئے ان کے مزاج میں ایک اضطراری اور [illegible] کیفیت پیدا ہوگئی۔ صوفیانہ دردمندی کے ساتھ جب دنیاوی غم ہجوم کرتے ہیں تو تص[illegible] اور تخیلات کی دنیا میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے۔ دل اپنی حالت پر کم اور دوسروں کے غم زیادہ کڑھتا ہے۔ آنکھ اپنی حالت پر آنسو نہیں بہاتی دوسروں کے غم کی آگ بجھانے کے لیے برستی ہے۔ یہ اور اسی قسم کے احساسات ہیں جن کے باعث سوز کے کلام میں غم و الم اور سوز و گداز کا شدید تاثر پایا جاتا ہے۔ گردش روزگار، بے مقدوری، و بے سروسامانی اور نت نئے حوادث ان کے مزاج میں افسردگی پیدا کر دیتے ہیں اور جب یہ احساسات کلام موزوں بن کر زبان سے ادا ہوتے ہیں تو ان کی لے اور آہنگ پر سننے والوں کے دل دھڑکنے لگتے ہیں۔ ان کے کلام میں صوفیانہ تفکر اور تعمق درویشانہ عجز و انکسار اور سربہ زانو اور سربہ گریباں ہونے کی کیفیت کی شمولیت سے کلام میں ایسا سچا حزن پیدا ہوجاتا ہے جو براہ راست دلوں پر اثر کرتا ہے۔ ان کے اشعار میں آہ و بکا نالہ و فریاد اور شور و واویلا نہیں اندر ہی اندر گھٹنے کا سا انداز

ہے ان کے خرمن صبر و ہوش سے شعلہ نہیں اٹھتا وہ من ہی من میں سلگتے ہیں

شعلہ اٹھا نہ تن سے ہمارے کبھی اے سوز
بھُس کی طرح جل گئے کچھ من ہی من میں ہم

سوز کے کلام میں بستات کے ساتھ ایسے اشعار ہیں جو سوز کو درپیش مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ پہلی چیز جو اس دور میں شرفا کو کھٹکتی تھی وہ نا اہلوں اور نالائقوں کا مروج تھا۔ ایک مسلسل غزل میں سوز کے خیالات ملاحظہ ہوں۔

جن کو نہیں ہے کچھ سروسامان روزگار
بے شک وہی ہیں سرور سلطان روزگار

کس کی سموم آہ نے ابتر کیے چمن
آمادۂ خزاں ہے گلستان روزگار

روشن ہوا ہے کس کا چراغ امید آج
ہے بے فروغ شمع شبستان روزگار

رکھتے نہیں ہیں پاؤں زمیں پر غرور سے
برجا ہے ان کو کہیے سلیمان روزگار

اتنا بخار دل میں ہمارے ہے بھر رہا
گر دسترس ہو تا بہ گریبان روزگار

ایسا گلا دبوچیں کہ دو ہیں نکل پڑیں
جوں مہر و ماہ دیدۂ حیران روزگار

اے سوز اب زبان کو اپنی خموش کر
سنتے کہیں نہ ہوویں عریفان روزگار

غالباً ایسے ہی خود پرستوں کو مخاطب کر کے سوز نے کہا ہے:

چشم عبرت کھول کر ٹک دیکھ تو اے مست خواب
دہر نے کن کن ملوکوں کا کیا خانہ خراب

مسند فرعونیت پر بیٹھتے تھے جو یہ ناز
اہل استحقاق کا منہ سے نہ دیتے تھے جواب

خاک میں یکساں ہوئے ایسے کہ کچھ ظاہر نہیں
کون سا ان میں ہے رستم کون سا افراسیاب

اور

نام و نشان تھا جن کا بڑا آن شان میں
نام و نشان ان کا نہیں اب جہان میں

آئینہ سا غبار تھا مکھڑے کا جن کے رنگ
وہ تہہ بہ تہہ دبے ہیں اس خاکدان میں

ایک دوسری غزل میں بھی ایسے ہی خیالات ملتے ہیں :

بستیاں بستی ہیں اور اجڑے نگر آباد ہیں ۔۔۔ وے کہاں جن کے جدا ہونے سے ہم ناشاد ہیں

فرق اتنا ہے کہ تم صاحب کہائے ہم غلام ۔۔۔ آدم و حوا سے ہیں سب ایک کی اولاد ہیں

نام کو محبوب صورت مہر دمہ سے بھی دو چند ۔۔۔ گر عمل دیکھو تو پھانسی گیر یا جلاد ہیں

اے عزیزو اٹھ گئے دنیا سے یوسف طلعتاں ۔۔۔ اور جو باقی ہیں سو فرعون ہیں شداد ہیں

کان رکھ کر سنیو اس ڈھب کی سخن کرتا ہے سوز ۔۔۔ حالت غم میں بھی جس کو شوخیاں یہ یاد ہیں

منقلب زمانہ اور غیر یقینی حالات کے بارے میں کہتے ہیں :

رات کو امید کچھ ہے دن کو ہوجاتا ہے کچھ ۔۔۔ کیا کروں شکوہ الٹی گردش افلاک کا

کرے ہے گردش دوراں طرح ہنڈ ولے کی ۔۔۔ ہر ایک شخص کو یاں گاہ پست و گاہ بلند

ایک زوال پذیر معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں ان میں سب سے اہم خرابی نفاق آمیز اتحاد کی ہوتی ہے سوز اس قسم کے لوگوں سے شاکی نظر آتے ہیں جو اب خود کو سوز پر نکتہ چینی کا اہل سمجھنے لگے تھے ۔ ہجوم ناکساں میں اہل ہنر کو جس اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ناقابل بیان ہے ۔ سوز ایسی ہی اذیت میں مبتلا نظر آتے ہیں :

خموش حسن کی مجلس میں خصم جاں ہیں تمام ۔۔۔ مثال شمع جلانے کو یک زباں ہیں تمام

جنھوں کو بات نہ کہہ آئی ساری عمر کبھی ۔۔۔ ہمارے عیب کے چننے کو نکتہ داں ہیں تمام

میں کس کا نام لوں کیا پوچھتے ہو جب گرجاؤ ۔۔۔ نہیں ہے غیر کوئی میرے مہرباں ہیں تمام

سوز کے ہاں شکایت دوستاں کی فہرست کافی طویل ہے ۔

اس عصر میں ہوئے ہم یہ بھی خدا کی قدرت ۔۔۔ جس عصر میں سراسر اپنے ہوئے بگانے

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی ۔۔۔ بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے

یار اغیار ہوگئے واللہ ۔۔۔ کیا زمانے کا انقلاب ہوا

ہوئی ہے دوستوں کی جب سے دوستی معلوم ۔۔۔ نہیں ہے خوف مجھے دشمنان جانی سے

بوئے وفا و رنگ محبت نہیں ہے یاں یارب تو اس چمن سے مرا آشیاں اٹھا

یہ میری آنکھ کی تقصیر ہے کیا دوش دوں ان کو جسے غم خوار سمجھا میں اسے اہل وفا دیکھا

میں بلبل کی طرح نالاں نہ رہتا باغ دنیا میں جو کچھ بھی داد اس دل کی کوئی فریاد رس دیتا

جہاں کے بیچ غم و دکھ کہوں سو میں کس سے سوائے غم کے مرا اور غم گسار نہیں

جن کو اپنا نور چشم و راحت جان تھا کہا وہ تو مثل مار ہو بیٹھے ترے بد ذات حیف

سوز خود کو اس ماحول میں بالکل اجنبی محسوس کرتے ہیں اس وقت ان کو ان دوستوں کی یاد آتی ہے جو ساتھ چھوڑ چکے ہیں :۔

سینے میں دل کہاں ہے غم رفتگاں سے سوز آخر یہ رہ گیا ہے نشاں کارواں کا

جن کو نت دیکھتے تھے اب والہ دیکھنا بھی خیال و خواب ہوا

کدھر جاتے رہے یہ یار یارب کوئی بیٹھا نہیں اب انجمن میں

سلام شوق پہنچانا ہمارا کسی کا گر گذارا ہو عدن میں

صحبت یک دیگرے یارو غنیمت جان لو آج جو موجود ہے سو کل خیال و خواب ہے

طاقت کہاں کہ کیجے پرواز اب قفس سے باہر نہیں نکلتی آواز اب قفس سے

دے داد کون یارب اس نالۂ حزیں کو آزاد ہوگئے سب دم ساز اب قفس سے

کیا تماشا ہے عدم میں اس جہاں سے جو گیا پھر نہ آیا اس طرف کیا جانیے کیا ہوگیا

یہ تمام عوامل سوز کے کلام میں غم دوراں کی شدت کو بہت بڑھا دیتے ہیں ۔ شدید قسم کی مایوسی اور قنوطیت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس دنیا سے بے زار نظر آنے لگتے ہیں :

نہ اپنوں نے کہیں پوچھا نہ بے گانوں نے آ دیکھا
الٰہی اس جہاں میں آن کر جز رنج کیا دیکھا
اٹھالے یا الٰہی اس جہاں سے مجھ کو اب جلدی
اب اس کے آگے دیکھوں اور کیا میرے خدا دیکھا

جو آیا اس جہاں میں ، جب گیا شاکی گیا یارب
کوئی مداح دنیا کا کسی نے بھی سنا دیکھا
کسی کو اس نے رتبے پر چڑھایا بھی تو دو دن میں
بسانِ اوجِ فوّارہ وہیں الٹا گرا دیکھا
جو اپنے دل میں سمجھے آپ کو سب سے بڑا دانا
اسے اس گردشِ چرخِ ستم گر سے پسا دیکھا

اور

عمر آخر ہوئی ولے افسوس زندگی کا نہ کچھ مزا دیکھا

۳۔ معاملاتِ حُسن و عشق:

عشق حقیقی کا جو گہرا اور واضح تصور سوز کے کلام میں نظر آتا ہے وہ بہت کم شاعروں کے ہاں ملے گا۔ لیکن عشق مجازی کے نقوش ان کے ہاں بہت دھندلے اور غیر واضح ہیں دنیاوی عشق و محبت سوز و گداز، جانسوزی، جاں سپاری و جاں نثاری کی کیفیات ان کے کلام میں خال خال ہیں ان میں واقعیت اور اصلیت نظر نہیں آتی ایسے مضامین محض رسمی اور رواجی طور پر ملتے ہیں ہر چند وہ عشق کے دعوی دار ہیں جان سے گذرنا وہ اپنا شیوہ قرار دیتے ہیں لیکن ناظر کو یہ ایک نظر میں معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے ہاں وفا کیشی کے جذبے کا فقدان ہے۔ محبوب کا تصور بھی ان کے ہاں دوسرے شاعروں سے مختلف ہے وہ حسین پیکروں کی نقاشی نہیں کرتے اور نہ حسن و عشق کے مسائل زیر بحث لاتے ہیں۔ واردات قلبی اور داخلی کیفیات جو ایک عاشق کے دل میں کروٹیں لیتی ہیں سوز کے ہاں کمیاب ہیں۔ میر تقی میر کے ہاں عشق کی جو کسک ہے سوز اس سے نا واقف ہیں۔ معاملات حسن و عشق کے نازک رشتے وہاں نظر نہیں آتے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اردو فارسی کے شاعروں کی تقلید میں وہ ان موضوعات کو نبھانے کی کوشش کرتے ہیں ان کا محبوب کبھی مذکر ہے اور کبھی مونث بعض جگہ وہ محض طفل کم سن ہے۔ یہ بھی کہنا مشکل ہے کہ پردہ دار ہے یا بے پردہ، شاید خانگی ہے یا شاہد بازاری تاہم یہ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کا محبوب سرکش ہے، قاتل ہے، ستم پیشہ، شوخ، اور وفا نا آشنا ہے اسے جمدھر اٹھانے، تلوار کھینچنے، تیغ لگانے اور دشنام طرازی سے کوئی عار نہیں ہے وہ چٹکیاں لیتا ہے، منہ چڑاتا ہے، ہونٹ چباتا ہے، اور چلا بیٹھنا نہیں جاتا جب وہ دامن سوار تھا تب اس پر لاکھوں مرے اب دیکھیے کہ سوار ہونے کے

بعد کیا ہو

سوار جب تئیں دامن کا تھا مرے لاکھوں　　خدا ہی خیر کرے اب تو نے سوار ہوا

غالباً یہی " نے سوار " جب عمر کی کچھ اور منزلیں طے کر لیتا ہے تو آفت کا پرکالہ بن کر سوز کے لیے بلائے جاں ہو جاتا ہے :

ہر گھڑی چٹکیاں نہ لو صاحب　　اب تو یہ پیار خوش نہیں آتا

منہ چڑاتا ہے آپ ہی آپ کھڑا　　آپ پھر کھلکھلا کے ہنستا ہے

زلفوں کا منہ پر ڈھانپنا ہونٹوں کا ہر دم چابنا　　ہر کوئی رکھتا ہے جگر اتنی بلا یکجا نہ کر

یہی محبوب بعض جگہ ایک حسین اور طرح دار نوجوان کے روپ میں نظر آتا ہے وہ اپنی طرح داری اور دل نوازی کے باعث حسیناؤں کا محبوب ہے :

منہ سے لگا ہے کاجل مسی گلے سے تیرے　　وہ کون چلبلی تھی جس پاس ہو کے آیا

ہونٹوں پر تو لگا ہے کاجل　　کس کی آنکھوں نے تیرا بوسہ لیا

۴۔ شوخی و ظرافت :

عشقیہ مضامین سوز کے ہاں دوسرے شاعروں سے بالکل مختلف طریقے سے پیش کیے گئے ہیں ۔ ان میں ایک خاص قسم کی بے باکی اور سپاہیانہ بانکپن نظر آتا ہے ۔ یہ خوش دلی جو ان کے فن میں موجود ہے ان کی اپنی طبیعت کا اصل جوہر ہے ۔ اور جس کی طرف بیشتر نقادوں نے اشارہ کیا ہے ۔ میر (۱۱۲) ان کو خوش طبع کہتے ہیں۔ شورش (۱۱۳) کا بھی یہی قول ہے ۔ سرور (۱۱۴) کہتے ہیں کہ ان کے اشعار ظرافت طبع معلوم ہوتے ہیں ۔ گارسین دتاسی (۱۱۵) لکھتے ہیں کہ طرز ایسا مسرت بخش ہے کہ وہ ایک نئے مدرسۂ شعر کے سربراہ سمجھے جاتے ہیں ۔ کریم الدین (۱۱۶) نے انھیں ظریف الطبع کہا ہے ۔ طبیعت کی یہ ظرافت ان کے عشقیہ کلام میں بہت دل کشی کے ساتھ ملتی ہے وہ اپنے ہٹ دھرم ۔ ضدی ۔ بد زبان ۔ سرکش اور گستاخ محبوب کی باتیں مزے لے لے کر سناتے ہیں

لگا کہنے کہ خط پڑھ کر کئی اک گالیاں دی ہیں

جو میں پوچھا یہ قاصد سے کہ کچھ انعام سے آیا

بوسے کی طلب سے تو رہے گا یہی اے دل
جب گالیاں دو چار وہ تنخواہ کرے گا

ہوتا نہیں ہے مجھ سے تو اے بدگمان صاف
دیتا ہے گالیاں تو مجھے آن آن صاف
کہتا ہوں میں کہ میری تو تقصیر کچھ بتا
کہتا ہے ہوتی ہے مری تجھ پر زبان صاف

اور تو جتنی ادائیں اس کی ہیں میں کیا کہوں
پر قیامت تک نہ اس کی بھولے گی "دت" اور "ہک"
سوز کا دل خوش ہوا جاتا ہے وعدے سے میاں
پر غضب یہ ہے کہ وقت ہی پر مکر جاتے ہو تم

سوز کا محبوب تو خیر "دت" اور "ہک" کرتا ہے اور محبوبوں کو یہ سزاوار بھی ہے لیکن سوز بھی کچھ کم نہیں ہیں۔ ان کے محبوب میں اگر شوخی کوٹ کوٹ کر بھری ہے تو سوز میں بھی کچھ کم اکھڑپن نہیں۔ دونوں کے مابین جو کچھ گذرتی ہے اور جس طرح دونوں ایک دوسرے کے ساتھ پیش آتے ہیں وہ خالی از دل چسپی نہیں یہ آپس کی باتیں سوز غیروں تک کو سنا دیتے ہیں اور اس وقت ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا محبوب ان کو گالیاں دینے اور مارنے سے نہیں چوکتا تو سوز بھی اس کو صلواتیں سنانے سے نہیں ہچکچاتے۔ اگر محبوب بد زبان ہے تو سوز بھی خوش کلام نہیں اگر محبوب بے وفا ہے تو سوز بھی وفادار نہیں، اگر محبوب شوخ و شنگ اور اچکا ہے تو سوز بھی کچھ کم چھیڑ چھاڑ کے عادی نہیں ۔ ان کی چھیڑ میں بہت شوخی اور تیر و نشتر ہوتے ہیں ۔ یہ انھیں کے محبوب کا حوصلہ ہے جو برداشت بھی کرتا ہے اور ترکی بہ ترکی جواب بھی دیتا ہے۔ بھلا بتائیے یہ جان بوجھ کر چھیڑنا نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

بوسہ لیتے ہوئے کل اس سے جو پوچھا میں نے — سچ کہو تم کو بھی کچھ اس میں مزا آتا ہے
غصہ ہو کر یہ لگا کہنے کہ میں حیراں ہوں — تجھ کو کچھ اور بھی ان باتوں سوا آتا ہے
بوسہ جو لیا تو مسکرا کر — کہنے لگا چھی یہ کیا مزا ہے

جب کہتا ہوں پاکباز ہوں میں　　مجھ پاس جو تو [illegible]
کہتا ہے کہ کیوں نہ جانتا ہوں　　ایسا ہی تو نیک پارسا ہے

ایک دن ایک شخص نے اس سے کہا　　تو نے تو یہ ذکر سنا ہووے گا
یعنی کہ عاشق ہے ترا جی سے سوز　　ہو متبسّم یہ کہا "ہووے گا"

اس سے کہا کسی نے کہ لے سوز بھی موا　　کہنے لگا کہ پنڈ بھی چھوٹا بھلا ہوا

پر اتنی بات کہہ کے یہ بولا ہزار حیف　　"طوطا ہمارا اڑ گیا کیا بولتا ہوا"

اک روز کہا یہ میں نے اس سے　　اک بوسہ تو دے مجھے دہاں کا
تلوار اٹھا کے کہنے لاگا　　ایسا تو یار ہے کہاں کا

کھڑا سر پہ ہو کے لگا کہنے کیوں بے　　مزا تجھ کو اب عاشقی کا چکھا دوں

یہ اطوار تو سوز کے محبوب کے ہیں۔ اب ذرا سوز کے بات کرنے کا طریقہ بھی ملاحظہ ہو اردو شاعری ایسی ادا بندی، ایسی معاملہ بندی، راز و نیاز اور معاملات عاشقانہ کی دوسری مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کون سا عاشق ایسا ہوگا جو محبوب سے اس طرح کلام کرے:

سوز کا دل گر نہیں ہے کام کا تو پھیر دو　　اس سے اچھا چاہیے تو مول لو بازار سے

دل تو پہلے ہی اچک کر لے گیا　　کون سے دل سے تجھے میں دوں دعا
چوری اور سرہنگی لا دل پھیر دے　　سر ہلاتا ہے؟ نہیں تو نے لیا؟
ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے　　مت بغل میں چھپیں اسے وہ لیں گیا
... تجھ سے کیا برے اطوار ہیں　　یہ اچک پن سنگدل کس نے دیا

دیکھو اچک پنا تم آتا ہے پھر شتابی　　دل چٹ کیا کبھی کا مانگے ہے پھر دوبارا

تو کہتا ہے کیا ہاتھ مت پر پھرا کر　　بہت خوب مطلب ترا میں نے پایا
بغل میں عبث ڈھونڈھتا ہے پرے ہو　　جو دل تھا سو تونے کہیں جا چھپایا
پڑا سوز کا لاشہ سڑتا ہے در پر　　ارے تونے کوئی گڑھا بھی کھدایا

سوز نے دامن جو ہیں پکڑا تو بس وہ ہیں جھنک　　کہنے لاگا ان دنوں کچھ زور چل نکلا ہے ہشت

کہا جب سوز نے ٹک زلف کو تو کھول دے بولا　　میں سمجھا ہوں کہ تیرا دل ہوا ہے مار کھانے کو

میر سوز کی یہی حرکتیں ہیں جن کی وجہ سے ان کو بعض اوقات ایسے حالات اور خطرات سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے:

کل جو میں گذرا اس کی گلی میں، غرفے میں سے للکارا
ہے کوئی حاضر ڈیوڑھی پر مت اس کو جیتا جانے دو

اور

پوچھا کسی نے سوز کو مارا تو کس لیے　　بولا مجھے وہ گھورے ہے ہر آن، آن آن

عاشق اور محبوب کے درمیان یہ طنز و اشارہ، رمز و کنایہ سوز کے بعد اگر کسی دوسرے شاعر کے ہاں ملتا ہے تو وہ غالب ہیں۔ سوز کے کلام میں جو شوخی بے پردہ ہے غالب کے ہاں اس میں بڑی حد تک پردہ داری ہے۔ جس قسم کی چھیڑ چھاڑ سوز کے کلام میں ہے اسی نوعیت کی شوخی غالب کے ہاں بھی موجود ہے بلکہ بعض جگہ ایک ہی قسم کے مضامین ملتے ہیں:

سوز:

میں ہونٹوں کو یوں اپنے غنچہ بنا کر　　ادا فہم کو دور سے منہ دکھایا

غالب:

غنچۂ ناشگفتہ کو دور سے مت دکھا کہ یوں　　بوسہ کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں

سوز:

خدا وہ دن کرے ہو دے جو کوئی تند خو تجھ سا　　ترا دل راغب اس پر وہ ترا مرغوب ہم دیکھیں

غالب:

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک اور شخص پر
آخر ستم کی کچھ تو مکافات چاہیے

دل لگا کر لگ گیا ان کو بھی تنہا بیٹھنا
بارے اپنی بے کسی کی پائی ہم نے داد یاں

سوز:

یا کسی کا بن کے خدمت گار یا مزدور ہو
جب گیا میں دیکھنے اس کو اسی عنواں گیا

غالب:

سیکھے ہیں مہ رخوں کے لیے ہم مصوری
تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

سوز:

مکھڑے کو دیکھتے وہیں آئینہ کو پٹک دیا
دیکھ سکا نہ آپ کو دیکھیے اس غرور کو

غالب:

الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
جو تم سے شہر میں ہوں ایک دو تو کیوں کر ہو

سوز:

بہت ہنستے تو ہو تم میرے رونے پر میاں صاحب
کبھی آئینہ دیکھو گے تو سمجھو گے میاں صاحب

غالب:

آئینہ دیکھ اپنا سا منہ لے کے رہ گئے
صاحب کو دل نہ دینے پہ کتنا غرور تھا

سوز:

میں جس کے پاس بیٹھا لگا کہنے حال دل
اپنے ہی دل کے غم کی وہ لے داستاں اٹھا

غالب:

ہوئی جن سے توقع خستگی کی داد پانے کی
وہ ہم سے بھی زیادہ خستۂ تیغ ستم نکلے

(درد):

گیا جس پاس میں عالم میں اپنا درد دل کہنے
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

سوز:

عزیزو سوز کا جینا غنیمت جان لو ورنہ
نہیں ہونے کے پھر دنیا میں ایسے نوحہ زن پیدا

غالب:

یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے　　لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

میر سوز کی عشقیہ شاعری کا یہ انداز ان کا اپنا ہے۔ نہ انھوں نے کسی کی پیروی کی اور نہ کوئی دوسرا شاعر ان کی تقلید کر سکا یہ طعن و طنز۔ یہ چھیڑ چھاڑ یہ نوک جھونک ان کے کلام میں بڑی زندہ دلی پیدا کر دیتی ہے۔ حقیقت میں یہ طالب و مطلوب کے راز و نیاز نہیں بلکہ ایک طرح کا چونچلا ہے۔ میر سوز کا یہ چونچلا ان کی شاعری کے مستقل عنوان کی حیثیت رکھتا ہے اس کے وہی بانی و خاتم ہیں یہ چونچلا ان کو کتنا مرغوب تھا اس سے قطع نظر ناظرین کے لیے بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہوگا محبوب اور ان کے درمیان جو باتیں ہوتی ہیں ان میں ظاہر داری کتنی ہے اور قلبی تعلق کو کتنا دخل ہے اس کو کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر ناز ضرور کرتے ہیں۔ اس تلخ کلامی میں نفرت نہیں بلکہ تعلق خاطر ملتا ہے۔ اس چونچلے میں بڑا پیار۔ بڑی ناز برداری۔ اور خاطر داری ہے شوخی ظرافت۔ خوش دلی اور طنز و مزاح کے ساتھ طالب و مطلوب کی بول چال بہت دل کش اور پر لطف ہے۔ نقل قول کی تازگی کا جو حسن یہاں نظر آتا ہے وہ بہت کم یاب ہے:

کسی نے اس کو جتا کے پوچھا کہ دیکھیو سوز کیا یہی ہے
مجھے جو دیکھا تو ہنس کے بولا "پھرے ہیں ایسے تباہ لاکھوں"

میں کہا شب آج یاں رہیے تو یوں بولا وہ شوخ　　"رات کے رہنے سے میرے مدعا مطلب غرض"

کہا میں سوز کو لالچ ہے تیرا ہنس کے وہ بولا　　کہو لالچ سے کیا ہوتا ہے بہتیرا کرے لالچ۔

جاتا ہے سوز جس دن کہتا ہے ہم دموں سے　　" آنے نہ دیجو اس کو لگتا ہے بد نظر سا"

سوز کا جب احوال کسی نے اس سے کہا میاں جلتا ہے　　آگ بگولا ہو کر بولا۔ جلتا ہے جل جانے دو "

میں کہا اس شوخ سے ہم سے کبھی ہو شادماں　　ہنس کے یوں بولا "دل عاشق تو غمگیں چاہیے"

کسی نے اس سے پوچھا سوز بھی اب شعر کہتا ہے　　تو کیا کہتا ہے "ہاں وہ اب بہت باتیں بناتا ہے

موا جب سوز تب بولا کہ ہاں دل سوز تھا میرا　　نہ لیجو نام اس کا آہ میرا جان نکلتا ہے

وقت آخر سوز کے پہلو سے کہہ کر اٹھ گیا　　"کس جگر سے پاس بیٹھے کوئی اس بد حال کے"

مجھ سے کہتا ہے کہ "تیری خو مجھے بھاتی نہیں　　چھوڑ بیٹھا جا کہیں کیوں تجھ کو موت آتی نہیں"

پہلے کہتے تھے کہ "ہاں ہے سوز اچھا آشنا" اب لگے کہنے کہ "کیسا سوز کس کا آشنا"

شہرۂ حسن سے از بس کہ وہ محبوب ہوا اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہوا

کہیں گالی کہیں گھونسا کہیں جھڑکیں کہیں جو دھر نہ کیجو بند تو زنہار ایسی خیر جاری کو

یہ غضب ہے کہ چپ رہو تو کہے نقش دیوار خوش نہیں آتا

اور جو کچھ کہو تو کہتا ہے مجھ کو تکرار خوش نہیں آتا

راہ میں کل اسے جو گھیر لیا یعنی آنکھیں ذرا ملا دیکھے

مجھ سے شرما کے بولتا ہے کیا "اور جو کوئی آشنا دیکھے"

رات اندھیرے اجالے گلیوں میں جو تجھے کوئی مل گیا ہو گا

دیکھیو تجھ کو میرے سر کی قسم اس گھڑی تیرے دل میں کیا ہو گا

سوز کو تو نے کیوں دیا بوسہ ہم کو بھی دے ترا بھلا ہو گا

تو جو پوچھے ہے کہ "تیرا دل بتا کس نے لیا" پر حیا آتی ہے مجھ کو مت لگا کس نے لیا

چوری اور سرہنگی ہم آنکھیں نہیں پہچانتے مت خفا کر مجھ کو جا پھر تجھ کو کیا کس نے لیا

مال میرا ہے ابھی یہ چھین لوں تو کیا کریں چڑ نکالی ہے یہ میری واہ وا کس نے لیا

باز آ اس گفتگو سے لے لیا تو لے لیا بس مرا منہ مت کھلا کس نے لیا کس نے لیا

تو ہے یا میں ہوں، دیا دل تھا ... میں ترا تو ہی بتلانا، کہ ہم میں سے چرا کس نے لیا

جا جا مرے پاس سے تو جا جا تو یہ جو تجھے کہوں میں آجا

جا بیٹھ انھیں کے پاس در ہو جو یہ کہیں لب سے لب ملا جا

مر جائے بجے گا تیری سلطے اب کوچہ بہ کوچہ دل کا باجا

جا اٹھ دور ہو کہیں دفع ہو اوروں کو نہ خاک میں ملا جا

پہلے جو قرار لکھ گیا تھا اس کو آنسو سے لے مٹا جا

غربا سے کام کیا تجھے، چل تجھ کو کہتا ہے اب تو راجا

شکر حق چھپ چھپ کے تم بھی اب کہیں جانے لگے

گالیاں دیتے تھے ہم کو آپ بھی کھانے لگے

مجھ کو کہتے تھے کہ در ہو بے وفا چل بھاگ جا

بے وفا اپنے تئیں سن سن بھڑک جانے لگے

بات ہم کرتے تو کہتے تھے کہ بس ... نہ کر

اپنی باتوں پر بھلا کیوں جھڑکیاں کھانے لگے

یا ہمارے کہنے پر ہر دم اٹھاتے تھے جریب

یا تو اپنی بات پر اب ٹھوکریں کھانے لگے

میرے غش کو دیکھ کر کہتے تھے سارے مکر ہیں

کیوں کسی کے سامنے اب آپ غش کھانے لگے

یا تو لے لے دوڑتے تھے میرے اوپر تیغ و تیر

یا کسی کے تیر مژگان آپ تم کھانے لگے

جس طرح دیوار و در سے ہم نے ٹکرایا تھا سر

آپ بھی دیوار و در سے سر کو ٹکرانے لگے

یا وہ لیتے تھے کسی کے دل کا ہدیہ ناز سے

یا تو دل اب ہاتھ پر رکھ رکھ کے لے جانے لگے

یا تو میری عرض پر کہتے تھے مت پھسلائیے

یا تو سو سو مکر سے اب آپ پھسلانے لگے

اپنے ہاتھوں سوز نے جیسا کیا پایا میاں

سوز سے جیسا کیا تھا تم بھی اب پانے لگے

نپٹ کچھ ان دنوں مغموم ہو، غم خوار کس کے ہو

کسے اب گھورتے ہو دیدہ خوں بار کس کے ہو

یہ ٹھنڈی سانس ہر دم کس سے سیکھی کیا ہوا تم کو

بھلا ہم سے تو بولو طالب دیدار کس کے ہو

وہ شوخی وہ شرارت وہ ہر اک کا منہ چڑا دینا

کدھر جاتا رہا اب سچ کہو بیمار کس کے ہو

نہ وہ جامے کی ٹھیک ہے گی نہ وہ دستار کی بندش
نہ وہ انگھیل کا چلنا یہ اتنے خوار کس کے ہو

کہے تم پوچھتے ہو کون سا بت تم سے بہتر ہے
ہوئے ہو کس کے کافر در گلو زنار کس کے ہو

ہمارا حال سنتے نیند آتی تھی تمھیں کیوں جی
یہ راتوں کا تمہارا طالع بیدار کس کے ہو

جو ہم ٹک سانس بھرتے تو کلیجے پر دھوکے تھے
تم اب سر پیٹتے ہو آہ ماتم دار کس کے ہو

خدا کو ہاں پیارے آ کسی کا آشنا مت ہو
نہ ہوگا وہ تمھارا جس طرح تم یار کس کے ہو

نہ جانی تو نے اپنی قدر تو خود جان عالم تھا
یہ مثل سوز اپنی جان سے بیزار کس کے ہو

غالب کے ہاں عشق کا جو تصور ہے وہی تصور ہمیں سوز کے ہاں ملتا ہے۔ اردو شاعروں کے ہاں عشق کی عظمت کے دو نشان قیس اور فرہاد ہیں لیکن غالب نے صرف قیس ہی کے اصول عشق کو تسلیم کیا ہے۔ وہ فرہاد کو سچا عاشق ماننے کے لیے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صحرائے عشق میں "بجز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار"۔ انھیں فرہاد کی نیک نامی ایک تو اس وجہ سے منظور نہیں کہ عشق و مزدوریِ عشرت گہِ خسرو کیا خوب، دوسرے ان کا کہنا یہ ہے کہ عشق وہ مقام ہے جہاں زندگی کا تصور باطل ہو جاتا ہے قیس نے لیلیٰ سے محبت کی، زندگی بھر اس کی جدائی کے غم کو جھیلا اور لیلیٰ کی موت کے اندوہ ناک حادثے کو برداشت کیا اور مردانہ وار تمام عمر اس کے غم کو کلیجے سے لگائے رکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ "عشق نبرد پیشہ" ہے اور وہ ہمیشہ "طلب گار مرد" ہوتا ہے۔ کم ہمت اس سے پنجہ آزمائی نہیں کر سکتے کیوں کہ جو اس میدان کے مرد نہیں ہوتے وہ "دھمکی ہی میں مر جاتے ہیں"۔ شیریں کی موت کی خبر دراصل فرہاد کو عشق کی دھمکی تھی اس میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ عشق کا مقابلہ کرتا۔ مزید یہ وہ عشق کے اس تصور سے ناواقف تھا کہ دعوی عشق کے معنی دعوی فنا کے ہیں جس نے عشق کیا گویا اس نے موت کی منزل کو سر کر لیا۔ لہذا وہ یہ نہیں کرتا جو فرہاد نے کیا یعنی

تیشے بغیر مر نہ سکا کوہ کن اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

سوز بھی فرہاد کی جوئے خوں کے مقابلے میں قیس کے دیدۂ خوں بار کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

گو کہ سر پھوڑ کے جو خوں کی جلادت فرہاد
لیک مجنوں سے ترے دیدۂ خونبار کہاں

یہ بہت حیرت ناک بات ہے کہ سوز کا نظریہ غالب نے نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی تشہیر بھی کی غالب بھی ظریف الطبع تھے انھوں نے بھی دنیاوی مصائب کا ہنس کھیل کر مقابلہ کیا۔ اس لحاظ سے غالب اور سوز کے مزاج میں بڑی مطابقت ہے اور خوش طبعی کا جو انداز سوز نے ایجاد کیا غالب نے سب سے زیادہ کام یاب طریقے سے اپنایا۔ فن شاعری میں مزاح اور خوش دلی کے موجد سوز ہیں اور غالب اس کے کام یاب مقلد اور مجدد۔

۵۔ انشاد۔

سوز کے ہاں مکالماتی انداز بھی پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے۔ غالب کے کلام میں بھی اس کے اچھے نمونے ملتے ہیں

اردو شاعروں میں صرف میر سوز ہیں جنھوں نے انشاد کو اختیار کیا اور اشعار کو جسمانی اعضا کی حرکت کے ساتھ پڑھا۔ ان کے کلام میں مکالماتی انداز تو پایا ہی جاتا ہے لیکن انھوں نے ایکٹنگ سے بھی کام لیا اور ہاتھ آنکھ وغیرہ کے اشاروں سے اپنے کلام کی وضاحت کی۔ شوق (۱۱۷) لکھتے ہیں کہ وہ شعر کو نادر انداز سے اس طرح پڑھتے ہیں کہ ہاتھ آنکھ بلکہ تمام اعضا حرکت میں آجاتے ہیں۔ میر حسن (۱۱۸) کا قول ہے کہ ان کے اشعار ان کی زبان سے سننے میں زیادہ لطف محسوس ہوتا ہے۔ علی ابراہیم (۱۱۹) نقل کرتے ہیں کہ شعر کو بطور خاص اور مرغوب پڑھتے تھے۔ ذکا (۱۲۰) نے لکھا ہے کہ شعر ایسے طریقے سے پڑھتے ہیں کہ الفاظ کا صحیح طریقے سے تلفظ ادا ہو جاتا ہے۔

علی لطف (۱۲۱) بیان کرتے ہیں کہ شعر پڑھنے میں صاحب طرز خاص تھے۔ سرور (۱۲۲) کہتے ہیں کہ شعر کو ایسی نزاکت اور فصاحت سے پڑھتے ہیں کہ دوسرا اس طرح نہیں پڑھ سکتا۔ شاہ کمال (۱۲۳) نے بھی شعر پڑھنے کی خوبی کا ذکر کیا ہے۔ قاسم (۱۲۴) کی روایت بھی یہی ہے

کہ ان کی طرح شعر پڑھنا کسی کو نہیں آتا. تمام اہم اور معتبر تذکرہ نگاروں نے سوز کے اس کمال کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے.

حقیقت یہ ہے کہ جذبے کی شدت جس قدر زیادہ ہوتی ہے بیان میں اسی قدر جوش اور ولولہ ہوتا ہے ، جذبہ اظہار مدعا کے لیے صرف زبان کا سہارا ہی نہیں لیتا بلکہ جسمانی اعضا بھی ادائے مطلب میں مدد کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں . ایسے موقعوں پر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ خاص قسم کے صوتی تاثرات کے حامل ہوتے ہیں . ان الفاظ کو اگر رشتہ تحریر میں پرو دیا جائے تو ان کی بندش ، ساخت اور ادائیگی کا انداز عام تحریر سے مختلف ہو جاتا ہے. اس قسم کی تحریر ناظر سے اُسی ادائیگی کی متقاضی ہوتی ہے جس جذبے اور صوتی اثرات کی وہ خود حامل ہے . میر سوز کے اشعار میں یہی کیفیت چھپی ہوئی ہے. فن انشاد کا مطلب یہ ہے کہ شعر کو اس طرح پڑھا جائے کہ پوری تصویر سامنے آجائے. یہ فن بڑی ریاضت چاہتا ہے. اس میں بڑی فہم ، چابک دستی اور سوجھ بوجھ کی ضرورت ہے. یہ فن گویا تفصیل نگاری کا فن ہے. اس میں ایکٹنگ کی ضرورت ہے. مضمون کو صحیح طریقے سے ادا کرنا ہوتا ہے . تمام تذکرہ نگاروں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سوز فن انشاد کے ماہر تھے اور شعر پڑھتے وقت مجسم شعر بن جاتے تھے . میر سوز کے اس کمال نے اتنی پختگی حاصل کر لی تھی کہ ان کے اشعار ، ہر پڑھنے والے سے بھی یہ تقاضا کرتے ہیں کہ ان کو انھی تاثرات کے ساتھ ادا کیا جائے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں گویا میر سوز کے اشعار میں ایک ڈرامائی اور صوتی کیفیت پائی جاتی ہے. اس خوبی نے ان کے کلام کو چار چاند لگا دیے ہیں بقول آزاد (۱۲۵) تم بھی خیال کر کے دیکھ لو ان کے اشعار اپنے پڑھنے کے لیے ضرور حرکات و انداز کے طالب ہیں . کلام میں ڈرامائی عنصر پیدا کرنا میر سوز کی اپنی ایجاد ہے ان کے ہاں باقاعدہ لہجے کا اتار چڑھاؤ ، سوال و جواب ، اقرار و انکار کا انداز پایا جاتا ہے. ان کے اشعار اگر صوتی اثرات کو ملحوظ رکھ کر پڑھتے جائیں تو براہ راست گفتگو کا مزا ملتا ہے اور اگر اس بات کا خیال نہ رکھا جائے تو شعر کو صحیح طور سے سمجھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے. میر سوز کے علاوہ یہ مکالماتی انداز اور تمثیلی کیفیت کسی دوسرے شاعر کے ہاں موجود نہیں ہے کلام سوز سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۱۔ مندرجہ ذیل شعر کی آپ اپنے لہجے کے اتار چڑھاؤ سے خود تشریح کر سکتے ہیں

دل اس لب شیریں سے جو ناکام رہے گا
تو خاک؟ ہے خاک بھی آرام رہے گا

۲۔ پہلا مصرع طنزیہ اور دوسرا سوالیہ انداز میں پڑھیے:

کہتا نہ تھا میں اے دل اس کام سے تو باز آ
دیکھا مزا نہ تو نے اے یار عاشقی کا

۳۔ پہلا مصرع یاس و مایوسی دوسرے مصرع کو پشیمانی اور اندیشے کے ملے جلے تاثرات لے ساتھ ادا کیجیے:

اگر میں جانتا، ہے عشق میں دھڑکا جدائی کا
تو جیتے جی نہ لیتا نام ہرگز آشنائی کا

۴۔ ذرا اس شعر میں تجاہل عارفانہ کی آمیزش اور طنز و طعن کی شدت کا اندازہ لگائیے:

جب تک کہ میرے تن میں اے جان دم رہے گا
تیرا اسی طرح سے مجھ پر کرم رہے گا

۵۔ ان اشعار کو سوالیہ انداز میں پڑھیے:

پہلے کہتے تھے کہ ہاں ہے سوز اچھا آشنا
اب لگے کہنے کہ کیسا سوز کس کا آشنا

حق خدمت میں مرے وعدہ کرو ہو قتل کا
تم سے یہ ہی کچھ تو ہو گا اس سوا کیا ہووے گا

۶۔ ناصح نصیحت سے اسی وقت باز آتا ہے جب اس کی اچھی طرح خبر لی جائے کچھ غصہ، کچھ حقارت اور کچھ ڈھٹائی کے انداز میں یہ شعر سنا دیجیے:

ناصحا بک بک نہ کر جا بھی کہیں ہو دال فع
لے، گیا تھا اس کے گھر، ڈر ہے ترا؟ ہاں ہاں گیا

۷۔ یہ تو تھی لہجے سے ادائیگی اب ذرا تفصیل نگاری کے دوسرے انداز ملاحظہ ہوں. محبوب شوخ ہے، دل کا چور ہے، اور اس پر سینہ زور بھی. سوز جب اس سے دل کی واپسی کا تقاضا کرتے ہیں تو محبوب کی حرکات کا مشاہدہ کیجیے:

چوری اور سرہنگی لا دل پھیر دے — ہم بلاتا ہے؟ نہیں تو نے لیا
ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے — مت بغل میں چھپیں اے لو پس گیا

۸۔ یہ شعر صوتی نشیب و فراز کے ساتھ جسمانی حرکات سے ادا کریں تو جیتے بولتے ہوئے ہیں۔

دور سے تیغ دکھا کر کیوں تو ترساتا ہے مجھے ——— میں ترے قربان، سر حاضر ہے، لے جو جی لگا

منہ بنا میری طرف، آئینے کا بوسہ لیا ——— واہ واہ اچھی طرح سے روز دکھلاتے ہو تم

۶۔ ادا بندی:

یہی وہ صفات ہیں جن کے باعث میر حسن (۱۲۰) ان کو اپنے زمانے کے تمام ادا بند شاعروں میں ممتاز قرار دیتے ہیں۔ بعینہٖ لکھنوی (۱۲۶) ادا بندی میں کامل مہارت، مصحفی ابراہیم (۱۲۸) ادا بندی و انداز میں شیخ رسا اور یکتا (۱۲۹) ادا بند بے آلے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میر سوز عشق مجازی کی تند گاہوں سے واقف نہیں ہیں نہ ان کو اس سے کوئی سابقہ پڑا۔ اپنے مزاج کے اعتبار سے وہ زندہ دل انسان تھے انھوں نے عشقیہ مضامین کو ایک نیا رنگ دیا انھوں نے ایک انوکھا محبوب تخلیق کیا۔ اردو شاعری میں اس قسم کا محبوب ایک نیا تجربہ ہے۔ سوز اپنی خوش مزاجی کے ذریعے اپنے اس انوکھے محبوب سے الجھتے رہتے ہیں۔ شوخی ظرافت اور مزاح کی چاشنی ان کے مضامین کو اور پرکشش بنا دیتی ہے۔ اردو شاعری میں طنز اور مزاح شوخی اور ظرافت کو رواج دینے والے میر سوز پہلے شاعر ہیں۔ ہزل سے گریز کرکے غزل کی فطری متانت اور سنجیدگی کو برقرار رکھتے ہوئے سوز نے ظریفانہ اسلوب کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا ہے۔ سوز سے پہلے اور ان کے معاصروں کے ہاں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی متاخرین بھی اس طرز سخن کو نبھانے پر قادر نہ ہو سکے۔ عشقیہ مضامین میں شوخی اور ظرافت کا امتزاج صرف غالب کے ہاں ہی ملتا ہے۔ سوز جس طرح محبوب کا مذاق اڑا کر اور دق کرکے تسکین محسوس کرتے ہیں ویسی ہی لذت غالب کو بھی محسوس ہوتی ہے۔ فرق صرف طرز ادا اور زبان کا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ میر سوز کے تقریباً چالیس سال کے بعد غالب نے غزل میں اس زندہ دلی کا مظاہرہ کیا جس کی ابتدا میر سوز نے کی۔ چالیس پچاس سال میں زبان میں مزید وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ غالب نے ترقی یافتہ زبان میں زیادہ پختگی کا معیار قائم کیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ میر سوز کی جس سن (۱۷۹۸ء) میں وفات ہوئی اسی سال غالب پیدا ہوئے۔ میر سوز کی خالی جگہ کو قدرت نے غالب کی پیدائش سے پر کیا اور غالب نے میر سوز کے اس خاص رنگ کو نئی شان سے اجاگر کیا۔

۷۔ خارجیت:

دہلوی شاعری کی نمایاں خصوصیت اس کی داخلیت ہے۔ واردات قلبی کا اظہار جس

جذبے اور خلوص کے ساتھ دہلوی شعراء نے کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ دبستان لکھنؤ کی بنیاد دہلوی شعراء کے ہاتھوں ہی پڑی چناں چہ دبستان لکھنؤ کے ابتدائی دور میں یہاں بھی داخلیت نظر آتی ہے آگے چل کر جیسے جیسے سماجی اور معاشرتی تبدیلیاں ہوئیں اسی طرح ادبی اقدار میں بھی تغیر رونما ہوا اور دبستان لکھنؤ کی نمایاں خصوصیت خارجیت قرار پا گئی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سودا اور میر کی حیات تک لکھنؤ میں خارجیت کو رواج نہیں ہوا لیکن یہ ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ دہلوی شعراء میں مومن پہلے شاعر ہیں جن کے ہاں داخلی کیفیات کے ساتھ خارجی اثرات بھی ملتے ہیں جس طرح وہ محبوب کی محبت کے غم میں گھلنے کی بجائے اس کی ذات سے دل چسپی لیتے ہیں اسی طرح اس کے خد و خال میں کشش محسوس کرنے کی خاطر ان اشیاء پر نظر رکھتے ہیں جن سے افزائش حسن ہوتی ہے۔ مہندی، گوشوارہ، چولی، [illegible]، مسی، سرخی، پان وغیرہ ان کے کلام میں جا بجا محبوب کے حسن کو دوبالا کرتے نظر آتے ہیں

شفق اس طرح آسماں پر نہ پھیلے
جو دیکھے کہیں رنگ تیری حنا کا

بوسہ رخسار کا وعدہ کیا کس سے وفا
کان کا موتی تلک تیرا اٹھاتی ہے ہوا

منہ سے لگا ہے کاجل مسی لگے سے تجھی
وہ کون چلبلی تھی جس پاس سو کے آئے

کس نے چولی یہ تیری مسکائی
ہائے یہ زور بازو کس نے دیے

ہونٹوں پہ تو لگا ہے کاجل
کس کی آنکھوں نے تیرا بوسہ لیا

مسی پہ سرخی پان دیکھ میری عقل بھولی ہے
کہ ہے خورشید تاباں جس پہ اٹھی شام پھولی ہے

مسی پہ سرخی پان جب جھمک دکھاتی ہے
حیا سے برق بھی منہ ابر میں چھپاتی ہے

کبھی کالی گھٹا میں جیسے بجلی کوند جاتی ہے
چمک جاتی ہے مسی میں ترے دانتوں کی براقی

برہمن کیا شیخ جو دیکھے تو سجدے میں نکلے
قہر ہیں ہے خوب اٹھی چھاتیاں مٹکانیاں

کلائی ہاتھ کی مڑتی ہے انگڑائی میں جو اس کی
کسی نے اس طرح کی شاخ گل میں لچک دیکھی

۸۔ نسوانیت:

مغل حکومت کے دوران ایک ایسا معاشرہ پروان چڑھا جو اندرون ملک اور بیرون ملک کی صد ہا سال کی روایات پر مشتمل تھا۔ تہذیبی۔ تمدنی۔ مذہبی۔ سیاسی۔ معاشرتی۔ سماجی اور اقتصادی عناصر پر مشتمل ایک مرکب نظام زندگی وجود میں آیا جس میں برصغیر کے ہر علاقے۔ ہر طبقے۔ ہر گروہ اور ہر قوم کا اثر و نفوذ تھا اس کو بجا طور پر مغل تہذیب کہا جاتا ہے۔ اردو ادب کی نشوونما اس معاشرے میں ہوئی' اس لیے اس ادب میں ان تمام عناصر کا موجود ہونا قدرتی امر ہے۔ اردو زبان کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ قلعہء معلیٰ کی زبان کہلاتی تھی۔ اس شرف کے باعث اس کو اردوے معلیٰ کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ قلعہء معلیٰ کی روایات اور رسوم کے اثرات براہ راست اردو زبان پر بھی پڑے' بالخصوص محل سراؤں کے اندر خواتین کے معاشرے کی جھلکیاں اردو زبان میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ یہ فخر اور امتیاز شاید صرف اردو کو حاصل ہے کہ اس میں مردوں کی زبان الگ ہے اور عورتوں کی جدا۔ روزمرہ، محاورہ۔ اصطلاحات، اشارے اور کنائے عورتوں کے اپنے وضع کیے ہوئے ہیں اور ان کو وہی مرد سمجھ سکتا ہے جس نے ان کا بغور مطالعہ کیا ہو اور ان کے بارے میں پوری آگاہی رکھتا ہو عورتوں کی زبان بڑی دل کش۔ اور پُر معنی ہے اس میں بڑی نزاکت۔ لوچ اور مٹھاس ہے۔ میر سوز نے پہلی بار اس طرف توجہ کی کہ خواتین کی زبان کو استعمال کیا جائے۔ ممکن ہے اس کا محرک ان کی بذلہ سنجی اور ظرافت ہو لیکن ان کے اس اقدام نے اردو ادب کو ایک نئی روشنی سے روشناس کیا۔ اسی لیے یکتا (۱۳۰) نے بہت خوب کہا ہے کہ اگر ادا بندی' صفائی میں کوئی ان کی پیروی کرتا ہے' اس کا کلام عورتوں، مخنثوں اور بازاری لوگوں سے مل جاتا ہے ان کا یہ طریقہ انھی پر ختم ہو گیا۔ گارسین دتاسی (۱۳۱) ڈاکٹر جان گلکرائسٹ کے قول کے مطابق لکھتے ہیں کہ سوز اور فغاں دونوں نے ایک ایسی بولی میں کام یابی کے ساتھ اشعار لکھے ہیں جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے اور جس کا استعمال ہندوؤں کی رائے میں مردوں کے لیے مناسب نہیں۔ معلوم نہیں گلکرائسٹ نے یہ کیسے کہ دیا کہ فغاں نے بھی عورتوں کی بولی کو اپنے کلام میں برتا ہے۔ کیوں کہ فغاں کے ہاں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی البتہ سوز کے ہاں اس چیز کا تجربہ ملتا ہے۔ اور جو چیز دبستان لکھنؤ کی اپنی ایجاد کہلاتی ہے وہ حقیقت میں میر سوز کی گُل افشانی ہے جو آگے چل کر دبستان لکھنؤ کی اہم صفت یعنی خارجی شاعری کا اہم حصّہ بن گئی۔ دراصل لکھنؤ کے عیش کوشانہ ماحول میں شاعروں نے روح کی بجائے جسم کو اہمیت دی

ارضی حسن کی طلب نے جمالیاتی حسن کی تسکین کے لیے متعلقات حسن کا ذکر بھی ذوق و شوق سے کیا۔ اس جذبے کے باعث عورتوں کی زبان میں بھی دل چسپی لی گئی اور شاعروں نے عورتوں کے محاورے، تکیہ کلام، کنایے اور استعارے اپنے کلام میں ماحول کے عام رجحان کو دیکھتے ہوئے باندھے۔ لیکن اس ایجاد کا سہرا دبستانِ دہلی کے اہم رکن میر سوز ہی کے سر ہے انھوں نے پہلی بار غزل میں عورتوں کی زبان کو رواج دیا۔ میر سوز کی زندہ دلی اور بذلہ سنجی نے ایک اچکا محبوب تخلیق کیا اور پھر اس کی زبان سے بہت پُر لطف طریقوں سے عورتوں کی زبان کو پیش کیا۔ اور کہیں پر خود بھی وہی زبان نہایت صفائی سے بول گئے ہیں۔ آیئے ذرا عورتوں کی زبان کا درست اور بر محل استعمال سوز کے اشعار سے سنیں:

طفل کیسے کس طرح سے اشک کو　　یہ تو گھر کھویا بڑا طوفان ہے

سن کے جینے کی خبر چونک کے بولا ظالم　　کس قدر سخت ہے آخر وہ موا میر سوز

لگا کہنے نہ مت کر ہو ہو چپ سوز　　یہ سب ہیں گالیاں کھانے کی باتیں

نہ الفت ہے نہ شفقت ہے یہی ہر دم کا تکرار　　برا اس پہ یہ حکومت ہے بات کہتے ہیں کو دوا

گھور کر کہتا ہے کیا اے لو غضب　　یہ بڑھاپے بیٹھا نکلا منہ چلا

چل ترے ہاتھوں کو میں صدقے کروں　　اپنی قینچی سے ترا کاٹوں گا

پر آوے گا تحمل کر ذرا تو سانس لے　　گیا بلا مارے تجھے اب سوز اتنا اضطراب

ہمیں کہتے کیوں جان کچھ دبا لو　　جو ہم پاس دیکھو تو اس کو چھپا لو

سوز اس جینے سے مجھ کو موت آوے تو بھلا　　ہر گھڑی کا خوش نہیں آتا ہے ناتواں تجھے

جو روتا ہوں تو آنسو پونچھ کر کہتا ہے مت رو تو　　ترا دل پاس میرے ہے تو کیوں جی کو دکھاتا ہے

ہم نہ کہتے تجھے عاشقی مت کر　　اب پڑے لوٹتے ہو دریا ہائے

مجھ کو بتلا دو او ادا بازو　　یہ بہت خوش تھا کہاں کا ہے

دختر رز کو جو کچھ میں نے کہا مان گئی　　جب میں چھیڑا تو کہا اوئی مری جان گئی

میں کہا دل میں درد ہے میرے　　سن کے کہنے لگا خدا نہ کرے

پھر جو کچھ دل میں آ گیا تو کہا　　مجھ کو چپکے اگر وہاں نہ کرے

آن میں کچھ ہے آن میں کچھ ہے اسے میں اس کی ہر آن کے صدقے

میر سوز کی اس جدت طرازی کو بہت مقبولیت ہوئی۔ لکھنؤ کے نو عمر شاعروں نے اس رنگ کو اپنایا۔ ذکا (۱۳۲) کہتے ہیں کہ "بڑے شاعر آپ سے شرف تلمذ رکھتے ہیں اور آپ کی اصلاح سے نام آور ہیں" قاسم (۱۳۳) کا قول ہے کہ "بہت لوگوں نے آپ کی پیروی کرنا چاہی لیکن آپ جیسا انداز پیدا نہ کرسکے"۔ یکتا (۱۳۴) نے لکھا ہے کہ "انھوں نے ایسی نفیس طرز ایجاد کی ہے کہ اس کی اتباع بہت دشوار ہے۔ اگر کوئی پختگی اور متانت میں ان کی پیروی کرتا ہے تو میر و مرزا کی طرز پر مشتبہ ہوجاتی ہے اور اگر ادا بندی اور صفائی کو اپناتا ہے تو اس کا طرز سخن عورتوں، مخنثوں اور بازاری لوگوں جیسا ہوجاتا ہے۔ غرض ان کا طرز جس کے وہ بانی اور خاتم ہیں انھیں پر ختم ہوگیا۔ ان کے کلام میں ایسا اعتدال اور پختگی ہے کہ اس تک کوئی نہ پہنچ سکا۔"

یہ خیال بالکل درست ہے کہ جن دو شاعروں نے سوز کی تقلید کرنی چاہی وہ کامیاب نہ ہوسکے۔ غیر محتاط اور غیر معتدل انداز فکر کے باعث وہ بہت دور جا پڑے۔ انشاء اللہ خاں انشاء اور سعادت یار خاں رنگین نے ان کے رنگ کو اپنانے کی کوشش کی لیکن ان کی کوشش بار ور نہ ہوسکی۔ جرأت اگرچہ کسی حد تک بچالے گئے ہیں لیکن پھر بھی ان کے ہاں جسمانی لمس کی ہیجان انگیزی شدید طور پر موجود ہے۔ رنگین اور انشا کی ناکامی نے ریختی کی صنف کو جنم دیا بقول رام بابو سکسینہ (۱۳۵) کہ "جو طرز ریختی کے نام سے بعد کو سعادت یار خاں رنگین نے ایجاد کیا اس کی ابتداء سوز ہی کے زمانے میں ہوگئی تھی۔" سوز کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے غزل اور ہزل کے درمیان نمایاں اور واضح فرق قائم کیا۔ تفنن طبع اور فحش گوئی کا معیار مقرر کر کے متانت اور ابتذال کی بجا طور پر نشاندہی کی۔ ان کے اس قسم کے اشعار پڑھ کر طبیعت میں شگفتگی محسوس ہوتی ہے جب کہ ریختی کے مضامین جنسی احساسات کو برانگیختہ کرتے ہیں جہاں تہذیب، شائستگی، سنجیدگی اور متانت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ سوز نے صرف الفاظ کے استعمال پر اکتفا کیا جب کہ ان کے مقلدین نے مبتذل مضامین کو اپنا موضوع بنایا۔ جس کے باعث یہ صنف رکاکت اور ابتذال کا بدنما نشان بن گئی۔ لیکن میر سوز کے اس مخصوص رنگ پر نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ (۱۳۶) نے سخت رائے کا اظہار کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کا کلام جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے۔ میر سوز کے کلام پر تنقید کا یہ انداز تنقیص کی صورت میں پہلی بار منظر عام پر آیا۔ ادبی حلقوں کو شیفتہ کی اس رائے نے چونکا دیا اور قطب الدین باطن نے اس کے جواب میں ایک طول طویل بحث چھیڑی۔ اگرچہ اس میں

عبارت آرائی زیادہ ہے اور کچھ ذاتی اختلاف کی بو بھی آتی ہے تاہم قطب الدین کی یہ رائے اس لحاظ سے اہمیت رکھتی ہے کہ انھوں نے سیاق و سباق کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اور شیفتہ کی تنقید کو رد کرتے ہوئے تفصیل سے اپنے خیالات پیش کیے ہیں اس وقت تنقید کا یہ معیار نہ تھا جو موجودہ زمانے میں ہے۔ تاہم قطب الدین نے سوز کے کلام کی ان خصوصیات کو بطور خاص پیش کیا ہے جن کے باعث اردو غزل گو شعراء میں ان کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ شیفتہ نے کلام سوز کا ایک رخ دیکھ کر ہی اس کو رد کر دیا انھوں نے دوسرے رخ کا جائزہ نہیں لیا۔ حالاں کہ وہ صفات نظر انداز کیے جانے کے لائق نہیں دوسرے یہ کہ جس اسلوب کو وہ جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا سمجھتے ہیں اُس کے محرکات کا جائزہ نہیں لیا ہے اور یہ بھی فراموش کر دیا ہے کہ یہ لغزش صرف سوز ہی سے نہیں ہوئی ہے اس میں دوسرے اساتذہ بھی ملوث ہیں۔ قطب الدین (۱۳۰) کی رائے ہم یہاں پر من و عن نقل کرتے ہیں:

"سوز تخلص، محمد میر نام، طور الشعراء، ملک مالوف لکھنؤ، تیر اندازی کا کوشہ خاطر میں، کسب کامل تحریر اقسام خطوط میں نازک ان کے انامل۔ اے منصفان زماں اور سیر کنندگان گلشن بے خار و گلستان بے خزاں منصف ہو کر انصاف کرنا اور دیکھنا ماسی کو سب کی منظوری میں شکایت ہے" و کلامش از جادۂ مستقیم برکران اتی بجائے انصاف اور غور ہے میر سوز صاحب کے ساتھ ان کا یہ طور ہے۔ جو بظاہر حال ان کا مانند باطن پاک ضمیر ان صاف اور باطن آلائش حسد و بغض سے پاک، ان سے بخلاف ان کی شراب سخن وہ شراب ہے کہ مذہب شعر میں روا جس سے سامع مست و مدہوش۔ کلام مانند صراط المستقیم، مستحکم ہم کو اس بات کا حد سے زیادہ غم کہ صاحب گلشن بے خار نے ان سے بھی گستاخی کی جو ایسی بے ہودہ عبارت لکھی اگرچہ جوش طبع یہ کہتا ہے کہ کچھ صنعت میاں شیفتہ صاحب کی لکھوں اور بہ تقریب شائستہ اس عبارت کو زیب دوں مگر بہ خوف خدا باز رہا، اس مشورے میں دل بہت گداز رہا صد حیف کہ یار ان ہم جلیس نزدیکی مونس و انیس وہ لوگ مرزا اسد صاحب وغیرہ، مخصوص مومن خاں جن کو باوجود متانت، مرتبہ شناسی و رتبہ دانی کہاں اور یہ بھی ایک طرح کی چالاکی ہے۔ ان کے دلوں میں ایسی بے باکی ہے۔ اپنے نزدیک دور بیں، ہوشیاری کی، پیش رو عیاری کے میدان خالی پایا۔ کوئی بھرا ہوا مقابلے کو ہاتھ نہ آیا۔ یہ مجھے زمانہ بھرا ہے۔ ایک ایک آفت دھرا ہے سو دیکھتے انھوں نے اپنے ہاتھ کھینچا بڑے بول کا سر نیچا دوڑ چلے تو آخر کو پڑے۔ کیا ہوا جو میاں آشفتہ کو بے وقوف بنایا۔ خود کہنا چاہتے تھے پر ان سے بُرا کہلوایا۔ اس

چالاکیاں ہم کو بھی یاد ہیں۔ ایسوں کے ہم بھی استاد ہیں۔ عاقل کو نکتہ کتاب ہے غافل نادان لاجواب ہے۔ آمدم بر مطلب، کلام طور الشعرا میں وہ گداختگی ہے کہ سنگ دلوں کو موم کرتا ہے، وحشیان صحرائی کو رام کرتا ہے، موسیٰ مضمون وادیٔ کاغذ میں ایمن ہو بجھتا ہے۔ قلم سے ساحران باطل فن کو بناتا ہے۔ غلام سخن، دم جان سوز سے باسوز ہے اور بے ساز ہے۔ نے بادصف بے مغزی سوز دل پیدا کرتی ہے۔ ایسی آواز ہے سنا ہے کہ پہلے میر تخلص تھا۔ سبب تبدیلی خاص معلوم نہ ہوا۔ ان کے سوز دل نے خس و خاشاک دشمن صحرا سا کاغذ میں جلایا، کلام سوز عدو کو آتا حسرت میں جلایا۔ غیر جو پاساز ان سے جلتے ہیں ان کی یوں دھوئیں اڑاتا ہے۔

محمد یحییٰ تنہا (۱۳۸) شیفتہ سے اختلاف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شیفتہ تو آپ کی شاعری کو "از جادۂ مستقیم برکران" سمجھتے ہیں لیکن ہمارا یہ خیال نہیں ہے یہی کہتے ہیں کہ جہاں تک رکاکت کا تعلق ہے اس سے تو کسی اردو شاعر کا کلام پاک نظر نہیں آتا۔ اور اگر شاذ و نادر کسی کا کلام اس سے خالی بھی ہو۔ تو وہ جم غفیر کے مقابلے میں کیا پیش کیا جاسکتا ہے بعض بعض شعرا نے تو اردو شاعری کی خوب ہی مٹی خراب کی ہے لیکن ان کی نسبت شیفتہ نے ایسی سخت رائے کا اظہار نہیں کیا ہے اس لیے ہم کو صاحب گلشن بے خار کی رائے سے اختلاف ہے۔ سچ پوچھیے تو شاعری کی جادۂ مستقیم سے ہمارے اکثر شعرا علیحدہ ہیں۔ صرف چند بزرگ ایسے ہیں جو بہ لحاظ شاعری قابل تعریف ہیں اگرچہ ان کا کلام بھی رطب و یابس سے پر ہے۔"

اصل بات یہ ہے کہ میر سوز نے اردو غزل میں ایک تو زبان بہت سادہ اختیار کی ہے دوسرے مضامین بھی اوسط درجے کے باندھے ہیں اگر مضامین میں کوئی گہرائی اور گیرائی بھی ہے تو سادہ اسلوب کے باعث اس میں عمومیت محسوس ہوتی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سوز کو مسائل عشق و عاشقی کا کوئی تجربہ نہ تھا انھوں نے ان مضامین کو باندھنے میں کوئی کاوش و کاہش نہیں کی لہٰذا ان میں ایک قسم کا سوقیانہ تاثر پایا جاتا ہے۔ یہ بات الفاظ کے استعمال میں بھی ہے اور مضامین کے معاملے میں بھی ہے۔ محبوب کا تصور ان کے ہاں بہت پراگندہ ہے اگر وہ بازاری محبوب ہے تو، اور اگر طفل بد خو ہے تو، دونوں صورتوں میں اس کی حرکات و سکنات ناشائستہ ہیں اور بڑی حد تک غیر مہذب معلوم ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اس وجہ سے ان کے کلام میں رکاکت نظر آتی ہو لیکن اس کی کچھ وجوہات ہیں پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ دور عام طور پر ذہنی اور اخلاقی پستی کا دور تھا۔ صنف لطیف حرم سراؤں کی چہار دیواری میں

محبوس تھی اس کے برعکس شاہدانِ بازاری سرِعام دعوت نظارہ دے رہے تھے اور ان کا معاشرے میں گہرا اثر و نفوذ تھا۔ لے دے کر نگاہ اگر پڑتی تھی تو بازاری عورتوں پر جہاں سوائے بے باکی، شوخی اور چنچل پن کے اور کچھ نہ تھا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ محمد شاہی دور میں مخنثوں اور ہیجڑوں کی پوری قوم تیار ہوئی۔ ان عورت نما مردوں نے معاشرتی زندگی میں سخت اختلال برپا کیا۔ یہ منہ پھٹ اور بے باک بازاری لوگ بناؤ سنگار کر کے دعوتِ نظارہ دیتے تھے۔ ظاہر ہے کہ معاشرہ ان کی موجودگی کے احساس سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ ایک کلیّہ ہے کہ اخلاقی انحطاط کا قومی خصائص پر بڑا اثر پڑتا ہے ان مخنثوں کی دیکھا دیکھی کم عمر لڑکے ذوق آرائش و شوق زیبائش میں بدمست رہتے تھے۔ گویا سفلہ جذبات اور احساسات کو برانگیختہ ہونے کے تمام مواقع موجود تھے۔ جب معاشرے میں زہریلے جراثیم موجود ہوں تو مہلک اثرات لازمی طور پر ظہور میں آتے ہیں چنانچہ قطع نظر اس کے کہ شاعر اس راہ کا رہ نورد ہے بھی یا نہیں اس کے فن میں اس کا عکس ضرور نظر آئے گا اور بطور روایت اس کا نبھانا وقت کی اہم ضرورت سمجھا جائے گا۔ سوز کے ہاں ہم کو اس قسم کے جو اشعار ملتے ہیں وہ ان ہی رجحانات کے باعث ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سوز سپاہی پیشہ تھے ان کے مزاج میں آخیر عمر تک اس پیشے کی زندہ دلی، شوخی اور بانکپن قائم رہا اور اس کا اثر ان کی شاعری میں بھی موجود ہے۔ انھوں نے عشقیہ مضامین کو مزاحیہ انداز میں پیش کیا ہے اور محبوب کا جو تصور ان کے ہاں ملتا ہے وہ تفنن رسمی ہے اور دلبستگی کے لیے ہے۔

شیفتہ کا انداز فکر دوسرے بالغ نظر علمائے ادب سے مختلف تھا۔ وہ عربی، فارسی کے ماہر تھے، ان کے ہاں جاگیر دارانہ وقار اور بردباری تھی، وہ طبقہ خواص سے تعلق رکھتے تھے وہ ایسی زبان کے خوگر تھے جس میں عالمانہ شان موجود ہو اور ان کو وہ مضامین مرغوب تھے جن میں عمق ہو لہٰذا ان کا مزاج سوز کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ اسی وجہ سے انھوں نے نظیر اکبر آبادی کے لیے بھی اچھی رائے کا اظہار نہیں کیا۔ سوز نے اردو غزل کو عام بول چال کے ڈھنگ پر ترتیب دیا۔ انھوں نے سادگی اور صفائی کو اپنا شعار بنایا اس وقت تک کسی شاعر نے ایسا اسلوب پیش نہیں کیا تھا اس لیے مسلمہ آداب کے برعکس سوز کے اس انداز کو اس ماحول میں اجنبی نظروں سے دیکھا گیا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے ہاں اصلیت پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آزاد (۱۳۹) نے بجا طور پر کہا ہے کہ "ان کی طبع موزوں کے آئینے کو جس طرح

صرف کیا۔ انھیں ہر طرح کی صحبتوں میں شریک ہونے کا موقع ملا لشکر کی ملازمت کی وجہ سے انھیں عام طبقوں کے لوگوں سے بھی واسطے پڑا۔ اور شاعری کے فن سے شوق کے باعث اہل ہنر و اہل علم کی صحبتیں بھی میسر آئیں۔ امراء و روسا۔ کی محفلوں میں بطور مصاحب کے بھی شریک رہے۔ اس طرح گویا انھیں ہر مکتبۂ فکر کے امراء سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا۔ اور ان کے خیالات، انداز فکر، زبان، گفتگو، عام بول چال، اصطلاحی الفاظ، روز مرہ، محاورے کنایوں اور استعاروں سے پوری واقفیت اور زبان پر کامل عبور اور دسترس حاصل تھا۔ وہ خود سادہ مزاج، نیک طبیعت تھے۔ نام و نمائش اور تصنع و بناوٹ ان میں نام کو بھی نہ تھی مزاج کی یہی صفت ان کے کلام میں پوری طرح جلوہ گر ہے پہلی اہم صفت ان کی سادگی کی ہے جس کا تذکرہ نقادوں نے خاص طور پر کیا ہے۔ سرور (۱۳۲) کا قول ہے کہ شعر نزاکت و فصاحت سے کہتے ہیں، سعادت یار خاں ناصر (۱۳۳) کی رائے ہے کہ "طرز اس کے سخن کی سہل ممتنع"۔

سوز کے ہاں کیا باعتبار معنی اور کیا باعتبار الفاظ سادگی اور صفائی شاعری کی بنیاد ہے۔ اگرچہ حضرت مظہر جان جاناں نے اردو غزل کی نوک پلک درست کرنے اور اس میں حسن و نغمگی پیدا کرنے کے لیے نوجوان شاعروں کو ترغیب دی تھی کہ ثقیل اور نامانوس ہندی الفاظ کی بجائے فارسی لغات استعمال کریں یا دوسرے الفاظ میں فارسی غزل سے ہم کنار کرنے کی کوشش کی جائے لیکن سوز نے باوصف تمام ایسا نہیں کیا بلکہ فن میں اس زبان سے کام لیا جو انھوں نے ماں کی گود میں سیکھی تھی۔ نظیر اکبر آبادی اور سوز اس دور کی اہم شخصیتیں ہیں جنھوں نے حتی المقدور فارسی آمیز اردو غزل کو عام فہم اور سادہ رکھنے کی کوشش کی۔

عناں جس طرف دلربا موڑتا ہے صفوں کی صفیں آن میں توڑتا ہے

ادھر دل ہے یارو ادھر عشق اس کا نہ یہ چھوڑتا ہے نہ وہ چھوڑتا ہے

سلامت رہ اے خار وادی الفت کہ دل کے پھپھولے تو ہی پھوڑتا ہے

عشق تو میرا کلیجہ کھا گیا بس میں سے اللہ ہی گھبرا گیا

جنبش ابرو سے کچھ بتلا گیا قتل کا مذکور ہے میاں چل گیا

گو نہیں کہتا کہ میں نے دل لیا چور نظروں میں تو اس کی پا گیا

ہجر میں مرتا ہوں میں پیغام سے تو شاد کر　　تو تو کہتا تھا نہ بھولوں گا کبھی وہ یاد کر

کیا بغل میں دشمن جاں میں نے پالا تھا تجھے　　میری تیری اب نہیں بنتی دلا فریاد کر

نوجواں ہے اپنے حق میں لے تو اوروں کی دعا　　خانماں عاشق بیدل نہ تو برباد کر

اے مرے صیاد اب تو بال و پر بھی گھس گئے　　کب تلک قیدی رہوں پنجرے میں بس آزاد کر

ظلم و بے رحمی ۔ تغافل ۔ اختلاط ناکساں　　سب سے اے سوز اب کچھ تو نیا ایجاد کر

۱۰۔　محاورہ بندی:

تمام نقادوں نے سوز کے کلام کی سادگی ۔ صفائی اور بے ساختگی کی تعریف کی ہے ۔ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے تحریر اور گفتگو کے فرق کو ختم کیا اور ایسی زبان کا نمونہ پیش کیا جو عام بول چال کے عین مطابق ہے ان کے اشعار میں فطری سادگی پائی جاتی ہے۔ روز مرہ بول چال کا انداز ان کے کلام میں ہر جگہ ملتا ہے ۔ ان کے ہاں محاورہ اور روز مرہ بڑی چابک دستی سے باندھا گیا ہے ۔ اس خوبی سے حسن کلام میں تو خیر اضافہ ہوتا ہی ہے لیکن زبان اور بیان کے اسالیب کو سمجھنے ، اور محاورہ و روز مرہ کا صحیح استعمال ان کے اشعار سے سیکھا جاسکتا ہے سوز کی اس کوشش کا یہ نتیجہ ہے کہ غزل میں جو غیر فطری تصنع پیدا ہو رہا تھا اس کا خاتمہ ہو گیا دل کی بات کو انھوں نے جس سادگی سے بیان کیا ان کے دور کے کسی شاعر کو یہ قدرت حاصل نہ ہو سکی ۔ سادگی اور صفائی کے باعث ان کے کلام میں اثر آفرینی بھی دوسرے شاعروں کی نسبت سے زیادہ ہے ۔ ان کی زبان عام فہم ہونے کی وجہ سے ہر مکتبۂ فکر کے لیے باعث کشش ہے ۔ سوز نے جس بے تکلفی کو غزل میں رائج کیا وہ اس سے پہلے کسی شاعر کے ہاں موجود نہ تھی ۔ انھوں نے جو سوچا وہ کہا ، جیسا دیکھا ویسا بیان کیا اور ان ہی الفاظ میں ادا کیا جن کے وہ عادی تھے۔ انھوں نے ادائے مطلب کے لیے قلم کاری نہیں کی ۔ نہ انھوں نے مضامین میں الجھاؤ پیدا ہونے دیا ۔ وہ جس طرح بات کرتے تھے اسی طرح انھوں نے شعر کہے۔ ہم واضح طور پر ان کے اشعار میں ان کا اپنا مخصوص لہجہ پاتے ہیں۔ ان کی زبان دہلی کی لسانی زبان ہے ان کے اشعار میں محاورہ اور روز مرہ کی کثرت ہے لیکن وہ ناگوار اس وجہ سے معلوم نہیں ہوتی کہ وہ روز مرہ کی عام بول چال کے بموجب ہے ۔ سوز کا کلام اس اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ آئیے سوز سے روز مرہ اور محاورہ کا استعمال سیکھیں ۔

۱۔ اپنا سا منہ لے کر جانا (ناامید ہو کر جانا)

کبھی تو بات کوئی بولو اس دل سوز سے اپنے یوں ہی جاوے گا اپنا سا منہ لے کر ترے کو سے

۲۔ آٹھ آٹھ آنسو رونا (بہت زیادہ غم زدہ ہو کر رونا)

بھلا سنتے تو ہو تم میری اس بے ہودہ گوئی پر قسم ہے آٹھ آٹھ آنسو سبھوں کو میں رلاؤں گا۔

۳۔ اجارا ہونا (اختیار ہونا)

لیتے ہے ملک دل کو یہ دلربا آسانی اس میں نہیں کسی کا اے دلربا اجارا۔

۴۔ آگ لگنا (گرمی محسوس ہونا اذیت محسوس ہونا)

یہ دامت رو دو لے چھڑکو اب مرے منہ پہ گلاب لگ رہی ہے آگ دل میں ہو رہا ہے جی کباب

۵۔ آگے آنا (دوسرے کے ساتھ برائی کرنے کا خمیازہ بھگتنا)

تو کیوں سوز آتش اس سے ہوا تھا یہ تیرا کیا تیرے آگے ہی آیا

۶۔ الو کھلانا (عقل و ہوش زائل کر کے اپنا تابع کر لینا)

بلا دیوں کو بولا اب سمجھے تو اندھا تھا کھلایا تھا تجھے کیا تیری جورو نے کم کم تو

۷۔ آنکھوں میں گھر کرنا (محبوب بن جانا)

جس منہ کو مت کھلاؤ میاں دو گذر گذر میں چاہتا ہوں تم کو تہ آنکھوں میں گھر کرو۔

۸۔ آنکھ لگنا (محبت ہو جانا)

میں چاہتا تھا آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا یہ آنکھ کیا لگی مرے دل کو بلا لگی

۹۔ آنکھ سے گرانا یا گرنا (بے وقعت ہو جانا)

گو خلق نے آنکھ سے گرایا لیکن تو تو نہ اتار دل سے

کہہ کہہ کے دکھ اپنا میں گرا آنکھ سے تیری اتنا نہ ہوا اس کے ذرا چشم بھر آوے

۱۰۔ آنکھیں دکھانا (خفگی کے ساتھ منحرف ہونا)

دیکھئے بول اٹھا کر لو صاحب آنکھیں دکھلاتے ہیں یہ اب ہم کو

خدا کے واسطے دیکھو مجھے آنکھیں دکھاتا ہے گلے کر دیوے اپنے ناصح مردود تو دیکھے

۱۱۔ آنکھوں سے حیا اڑنا (بے شرم ہو جانا)

ہمارے رو برو ہنستا ہے تو غیروں سے ہر اک جا   میاں کیا اڑ گئی ہے تیری "آنکھوں سے حیا اب تو"

۱۲۔ آنکھیں چُرانا (تغافل کرنا)

جو تو یوں ہی "آنکھیں چُراتا" رہے گا   تو حسرت بھرا جان جاتا رہے گا

۱۳۔ ایڑیاں رگڑنا (تڑپنا)

عجائب سیر ہے اب کوچہ قاتل میں سنتے ہو   کوئی تو "ایڑیاں رگڑے ہے" کوئی تھر تھراتا ہے

"ب"

۱۴۔ بازار سرد ہونا (اہمیت کم ہو جانا)

یہ آتش مرے دل میں تھی مشتعل   کہ "دوزخ کا بازار بھی سرد تھا"

۱۵۔ بات بننا (کام یابی حاصل ہونا)

پھر تو جو "بات بنی" اس کو خدا ہی جانے   ہاں مگر سوز ہی بتلائے تو کچھ بتلائے

۱۶۔ بُتا دینا (دھوکا دینا)

روز تم بھاگتے تھے بُتا دے   اب کہاں جاؤگے کہو صاحب

۱۷۔ بلائیں لینا (قربان ہونا)

لے سر سے تا بہ سینہ سینے سے لے قدم تک   ہاتھوں سے اپنے "لی ہیں تیری بلائیں" کیا کیا

۱۸۔ بلا لگنا (مصیبت میں گرفتار ہونا)

مرے [illegible] تھا آنکھ لگی دل کو سکھ ہوا   یہ آنکھ کیا لگی مرے دل کو "بلا لگی"

۱۹۔ بول بالا ہونا (عروج پانا)

سخندان سرو قامت اور بھی محبوب ہیں یاں تو   ولے میرے سہی بالا کا سب میں "بول بالا" ہے

۲۰۔ بھوکا ہونا (خواہش مند ہونا)

میں تو دیدار کا "بھوکا ہوں" فقط   اس لگی کو تو بجھا دے یارب

"پ"

۲۱۔ پانی چُوانا (آخری وقت پر امداد کرنا)

سسکتا ہے اکیلا کوئے قاتل میں دلِ بسمل   نہ تھا مجز دیدۂ گریاں کوئی "پانی چُوانے" کو

۲۲۔ پاؤں پڑنا (منت کرنا)

حضرت غم جان کے پیچھے نہ پڑتے جائیے "پاؤں پڑتا ہوں" قدم رنجہ نہ یاں فرمائیے

۲۳۔ پاؤں چومنا (استقبال کرنا)

مت مرے "پاؤں چوم" تو اے خاک کوے یار بس بس فقیر کو نہ گنہ گار کیجیے

۲۴۔ پنڈ چھوٹنا (نجات پانا)

اس سے کہا کسی نے کہ لے سوز بھی موا کہنے لگا کہ "پنڈ بھی چھوٹا" بھلا ہوا

۲۵۔ پھونکنا (آگاہ کر دینا)

کس نے یہ آکے سوز کو "پھونکی" دیکھو مردہ تڑپ کے پھیر جیا

۲۶۔ پھپھولے پھوڑنا (ناکامی پر جھنجھلانا)

سلامت رہ اے خار وادی الفت کہ دل کے "پھپھولے تو ہی پھوڑتا" ہے

۲۷۔ پھولے نہیں سمانا (بہت خوش ہونا)

خدا ہی جانے کہ دیکھی ہیں انکھڑیاں کس کی کہ نرگس آج تو "پھولی نہیں سماتی ہے"

۲۸۔ پہلو بیٹھنا (پاس بیٹھنا)

آ، نہ جا تھوڑی رہی ہے یہ بھی یوں کٹ جائے گی تو گیا تو کون "پہلو بیٹھنے" پھر آئے گا

۲۹۔ پیسنا (کچل دینا)

ہاتھ خالی کیا دکھاتا ہے مجھے مت بغل میں "پیس" اے وہ پس گیا

"ت"

۳۰۔ تلخ کہنا (سخت سست کہنا)

زہر بھی میٹھا ہے اس کے ہاتھ کا جو مجھ کو دے تو مجھے کہتا ہے کیوں اے ناصح بد خواہ تلخ

۳۱۔ تلخ ہونا (تنگ دل ہونا، ناراض ہونا)

گالیوں سے تیری ہم ہوتے نہیں اے ماہ تلخ تجھ کو کیوں لگتی ہے نا انصافی میری آہ تلخ

۳۲۔ تنخواہ کرنا (ادایت کرنا)

بوسہ کی طلب سے ہے گا یں [illegible] گالیاں دو چار وہ تنخواہ [illegible]ے گا

۳۳۔ تھل بیڑا نہ ہونا (ٹھکانا نہ ہونا)

ہے یہی خو تو او بچہ سن لے تیرا دنیا میں تھل نہ بیڑا ہے

" ٹ "

۳۴۔ ٹسوے بہانا (دکھاوے کا رونا)

رونا جو نہیں آتا تو تیل لگا کڑوا آنسو تو نہیں بہتے ٹسوے ہی بہا در ہو

" ج "

۳۵۔ جان کھانا (پیچھے پڑ جانا)

ناصحو! دل کس کنے ہے کس کو سمجھاتے ہو تم کیوں دوانے ہوگئے ہو جان کیوں کھاتے ہو تم

۳۶۔ جان کے پیچھے پڑنا (بلائے جان بن جانا)

حضرت غم "جان کے پیچھے نہ پڑتے" جائیے پاؤں پڑتا ہوں قدم رنجہ نہ یاں فرمائیے

۳۷۔ جان سے سیر ہونا

تو اپنی جان سے کیا سیر آیا ہے دل بدخو
کہ جا جا بیٹھتا ہے دم بدم اس شوخ کے پہلو

۳۸۔ جان کڑھانا یا جی کڑھانا (کسی پر ترس کھانا)

جان من ہر کسی کا جی نہ کڑھاو قول تونے سنا نہیں ہمہ اوست

۳۹۔ جان ناک میں آنا (پریشان ہوجانا)

دل تیرے اضطراب سے ہے جان ناک میں اے فتنہ ایک آن تو سینے میں خواب کر

۴۰۔ جگر کباب ہونا (جلنا، حسد کرنا)

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا بہتوں کا جگر کباب ہوگا

۴۱۔ جوتی جانے (پروا نہ ہونا)

ناصح کے حق بہ طرف ہے گو پند و وعظ یہ اس کی بھی جانے جوتی کہ اس کو لگی نہیں
اس سے کم بخت نے جوں جا کے کہا بول اٹھا میری پاپوش سے جلنے دے اگر جلتا ہے

۴۲۔ جھک مارنا (بے کار کام کرنا، حماقت کرنا)

تہمت ہے یہ سب سوز پر ملتا ہے کب اوروں سے وہ جھک مارا تیرے روبرو جس نے کہا میں کیا کہوں

رندو کہو جھک جھک کے مئے ناب سلامت کہ شیخ تو جھک مار کے محراب سلامت

۴۳۔ جھمکا دیکھنا (شان دیکھنا)

خاک میں مجھ کو ملانے کو جو پھرتا تھا مدام اب تو جھمکا آن کر دیکھے وہ میری خاک کا

۴۴۔ جی ہے تو جہان ہے (دم غنیمت ہونا)

مشہور ہے یہ بات کہ جی ہے تو ہے جہاں آپہی اٹھے جہاں سے تو گویا جہاں اٹھا

" چ "

۴۵۔ چٹکیوں میں اڑانا (سرسری طور پر رخصت کر دینا)

گل کا چٹکارا نہ پوچھو سوچنے کی بات ہے چٹکیوں میں عندلیبوں کو، اڑاتی ہے بہار

۴۶۔ چشم بھر آنا (آنکھوں میں آنسو آنا)

کہہ کہہ کے دکھ اپنے، میں گرا آنکھ سے تیری اتنا نہ ہوا سن کے ذرا چشم بھر آوے

۴۷۔ چوٹ کرنا (طنز کرنا)

آنکھوں نے تیری مجھ پر کیسا ستم کیا ہے کرتا ہے چوٹ آخر آہوے آشیانی

۴۸۔ چوری اور سرہنگی (چوری اور سینہ زوری)

چوری اور سرہنگی، لا دل پھیر دے سر ہلاتا ہے نہیں تونے لیا

۴۹۔ چولھے میں جانا (خارج از بحث ہونا)

بھلا اور سب باتیں چولھے میں جائیں تم اس سوز سے کیا وفا کر چلے

۵۰۔ چونچ بند کرنا (خاموش رہنا)

ذرا چونچ اپنی تو کر بند ناصح تجھے جانتا ہوں میں بد خواہ دل سے

۵۱۔ چونچلے کرنا (ناز و ادا دکھانا)

کوئی ایسی بھی گھڑی ہوگی خداوند کریم وہ کرے چونچلے اور میں اسے بیٹھا دیکھوں

۵۲۔ چھاتی پر سل ہونا (وجود ناگوار ہونا)

جلد اٹھا نہ ترے گھر سے رقیب ہوکے چھاتی پہ مری سل ہی گیا

۵۳۔ چھاتی پر مونگ دلنا (مرضی کے خلاف کام کر ہی لینا)

ایک عالم کے تو سینے پر پھپھولے پڑ گئے کون تھا جو مونگ چھاتی پر سبھوں کے دل گیا

غیر کو کیا کہوں مرے پیارے تو ہی چھاتی پہ مونگ دلتا ہے

۵۴۔ چھاتی بھر آنا (رقت آجانا)

نہیں یہ ابر باراں سوز کے احوال کو سن کر فلک کی بی محبت سے یہ اب چھاتی بھر آئی ہے

۵۵۔ چھاتی پکانا (حد سے زیادہ پریشان ہوجانا)

نشست شیخ نے مجلس میں چھاتی تو پکا ڈالی لے آدے یاں کوئی اب جاکے سوز لا اُبالی کو

"ح"

۵۶۔ حجاب نکلنا (مانوس ہوجانا)

کسی طرح ترے دل کا حجاب نکلے گا مرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا

"خ"

۵۷۔ خالہ جی کا گھر (کام کو آسان سمجھنا)

یہ عاشقی ہے خانۂ خالہ نہیں میاں سر دے تو پہلے راہ میں، محبت سر براہ ہے

۵۸۔ خاک چھاننا (در بہ در پھرنا)

نہ پایا خاکسار اب سوز سا کوئی جہاں کی چھانی ہم نے خاک ساری

۵۹۔ خاک میں ملنا (فنا ہوجانا)

ہم کو معلوم ہوا تم نہ ملو گے ہرگز ہاں مگر خاک میں جب تک نہ ملاؤ گے ہمیں

۶۰۔ خالی جانا (بے مراد جانا)

خالی نہ یاں سے اے ستم ایجاد جائیں گے ہم دل میں تیری چاہ کی لے یاد جائیں گے

۶۱۔ خدا کو ماننا (انصاف کرنا حق کہنا)

خدا کو مان ذرا صبر کر نہ ہو بے تاب تڑپ تڑپ کے مرے سر پہ کیا تو لاوے گا

۶۲۔ خدا لگتی کہنا (انصاف کی بات کہنا)

بندے کی بندگی کا کسی کو یقیں نہیں پیارے خدا کے واسطے بول اٹھ خدا لگی

۶۳۔ خندہ (کوتاہ قد)

غریب و ناتواں میں نے کچھ کر دل کو پالا تھا سو یہ خندہ بھی میرے حق میں رستم داستاں نکلا

"د"

۶۴۔ دال نے ہونا (دفع ہو جانا)

ناصح بک بک نہ کر جا بھی کہیں ہو دال فے لے گیا تھا اس کے گھر، ڈر ہے ترا؟ ہاں ہاں گیا

۶۵۔ دل جلانا (کوشش کرنا، غم اٹھانا)

نہ ہوا شمع رو کبھی اپنا ہم نے دل سو طرح جلا دیکھا

۶۶۔ دل کھول کے رونا (خوب رونا)

رقیبوں کے ڈر سے مبادا نہ کہہ دیں کبھی کھول کر دل میں رونے نہ پایا

۶۷۔ دل سے اتارنا (بے وقعت ہو جانا)

گو خلق نے آنکھ سے گرایا لیکن تو تو نہ اتار دل سے

۶۸۔ دم مارنا (چوں و چرا کرنا)

خنجر سے منہ نہ موڑا تیغے سے دم نہ مارا اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

"ر"

۶۹۔ رام ہونا (قابو میں آنا)

اسلام چھوڑ ہم نے کیا کفر اختیار تو بھی وہ بت نہ رام ہوا اے خدا عجب

۷۰۔ راہیں مارنا (راہ کھوٹی کرنا)

آنکھوں کو اب سنبھالو یہ مارتی ہیں راہیں جتنے مسافروں کو دیتی نہیں نگاہیں

۷۱۔ راہ تکنا (انتظار کرنا)

بصد الحاح سے خانے میں کل ناصح کو میں لاکر سحر سے تا بہ شام اے سوز تیری راہ تک دیکھی

۷۲۔ ریزہ چیں ہونا (پروردہ ہونا)

ادا کس کی زباں سے ہوسکے شکر اس کی نعمت کا   دو عالم ریزہ چیں حق نے کیا قاب محمدؐ کا

"ز"

۷۳۔ زبان سنبھالنا (خوش کلامی اختیار کرنا)

بھلا کون لچا ہے انصاف کیجیے   بھلا آدمی ہوں زباں تک سنبھالو

۷۴۔ زبان کٹنا (بات کرنے کی اجازت نہ ہونا)

کہوں میں بزم میں جا اس کے حال دل لیکن   کٹے ہے شمع کی واں تو زبان کیا کیجے

۷۵۔ زمین سخت اور آسمان دور ہونا (بے یار و مددگار اور بے بس ہونا)

میاں تجھ سے کچھ زور چلتا نہیں   زمیں سخت اور آسماں دور ہے

"س"

۷۶۔ سائی بدھائی کرنا (کسی سے کچھ کہنا کسی سے کچھ کہنا)

عجائب رسم ہے ان دلبران دہر کی یارب   کسی کے ساتھ جا سونا کہیں سائی بدھائی ہے

۷۷۔ ستم پھلنا (ظلم کو عروج ہونا)

خدا کے واسطے مت ہٹ کیا کر   ستم پھلتا نہیں ہے نوجواں کو

۷۸۔ سر پر خاک ڈالنا (آہ و بکا کرنا)

رووے گا عشق مجھ کو سر خاک ڈال اپنے   مرنے کا میرے تجھ کو کاہے کا غم رہے گا

روؤے گی عاشقی ہی سر خاک ڈال اپنے   محبوب کو ہمارے مرنے کا غم نہ ہوگا

۷۹۔ سر ہتھیلی پر ہونا (جان کی پروا نہ کرنا)

سوز کا سر تو ہے ہتھیلی پر   کس کی خاطر بکر تو کہتا ہے

۸۰۔ سر سے صدقے کرنا (اپنے پر سے تصدق کرنا)

سر سے صدقے کر کے اپنے پھینک دے   میں ترے صدقے گیا او بے وفا

۸۱۔ سوکھ کر تاگا ہونا (بے حد کمزور ہو جانا)

عجائب بے کسوں کو داد دی ہے تیرے عاشق نے   ترے ملنے کی خاطر سوکھ کر یہ ہوگیا تاگا

۸۲۔ سینے میں گھسنا (اپنا بننے کی کوشش کرنا)

دل دشمن تری الفت نہ مانوں میں نہ مانوں میں جو تو سینے میں گھس کر دوست کہلائے ہزار اپنا

۸۳۔ سیر ہونا (بھوک مٹ جانا)

شیر بھی تھوڑا لہو پی کر کے ہو جاتا ہے سیر سیر ہوتا ہی نہیں جب تک کلیجہ کھائے عشق

۸۴۔ سینہ سپر کرنا (مقابلہ کرنا)

تیغ آکے جو یار کھینچے اے سوز تو سینے کو ہم سپر کریں گے

" ش "

۸۵۔ شیر و شکر ہونا (گھل مل جانا)

دختر رز اب تو نذر ہوگئی سوز سے مل شیر و شکر ہوگئی

" ع "

۸۶۔ عُذر بدتر از گناہ (خطا کو تسلیم نہ کرنا خطا کرنے سے بھی بدتر ہے)

تس پر یہ عُذر ہے کہ مرا آشنا ہے وہ میاں جی تمھارا عُذر تو ہے بدتر از گناہ

" غ "

۸۷۔ غصّہ ناک پر ہونا (بات بات پر ناراض ہو جانا)

یہ نت کے کون نکتوڑے اٹھاوے ترا غصّہ تو ہر دم ناک پر ہے

۸۸۔ غم کھانا (تحمل کرنا)

کوئی اب غم نہ کھاؤ خلق میں بے غم رہو یارو کہ میں نے آپ اس سارے جہاں کے غم کو کھایا ہے

" ف "

۸۹۔ فتنے جگانا (ہنگامے برپا کرنا)

چلے جاؤ کیا گھورتے ہو عبث نئے سر سے فتنے جگا کر چلے

جگا مت اے فغاں دل کو کہ اٹھتے سر کو پھوڑے گا قیامت مجھ پہ لاوے گا جو یہ فتنہ کہیں جاگا

"ق"

۹۰۔ قربان ہونا (نثار ہونا)

کیا سوز کو قتل ہنستے ہی ہنستے　میں قرباں ہوا جان ایسی ہنسی کا

۹۱۔ قرادلی بدنا (خطِ غلامی لکھنا)

اے سوز میں بدوں تجھی ان کو قرادلی　شہری غزال یہ جو کسی سے ہلا کریں

۹۲۔ قہر درویش برجان درویش (اپنے اوپر برداشت کرنا)

قہر درویش بر جان درویش　شکوہ کیا ہے تیرے ستم کا

۹۳۔ قیامت لانا (مصیبت برپا کر دینا)

جگامت اے فغاں دل کو کہ اٹھتے سر کو پھوڑے گا　قیامت مجھ پہ لاوے گا جو یہ فتنہ کہیں جاگا

"ک"

۹۴۔ کان پہ جوں نہ پھرنا (کچھ بھی احساس نہ ہونا)

کان پر جوں بھی پھری تیرے نہ یار　روز تیرے در پہ سر ٹکرا دیا

۹۵۔ کافور ہوجانا (فرار ہوجانا)

مت نام وفا کا لے تو او بے وفا دُر ہو　اٹھ اٹھ مرے پہلو سے کافور ہو جا دُر ہو

۹۶۔ کالے کوس (بہت دور ہونا)

دیکھیو میں کھڑا ہوں کالے کوس　وہیں پہچان کر مجھے پھڑکا

بے گنہ بے جرم بے تقصیر لاکھوں ہیں موے　بھاگتے ہیں تجھ سے کالے کوس اب جلاد بھی

۹۷۔ کسی کا کہا نہ کرنا (بات نہ ماننا)

کہیں تو ہم بات تجھ سے لیکن کسی کا کب تو کہا کرے گا　جو سوز پر تو ستم کرے گا تو دیکھ ظالم برا کرے گا

۹۸۔ کلیجہ پکنا (بے زار ہوجانا)

انتظار وصل میں میں تھک گیا　ہجر کے ہاتھوں کلیجہ پک گیا

۹۹۔ کمر کسنا (تیاری کرنا)

سوز کا سر تو ہے ہتھیلی پر　کس کی خاطر کمر تو کستا ہے

۱۰۰۔ کس باندھنا (تیاری کرنا)

پوچھیو تو، باندھ کر کس پر چلا ہے تو کمر　　میں پڑا کھاتا پھروں گا تا قیامت پیچ و تاب

۱۰۱۔ کنارا کرنا (علیحدگی اختیار کرنا)

صبر و قرار و عقل و ہوش سب یہ کنارا کر گئے　　غرق ہوں بحر فکر میں کس کو اب آشنا کروں

۱۰۲۔ کو بہ کو پھرنا (در بہ در پھرنا)

بچارا سوز بھی مفلس پھرے ہے کو بہ کو یارو　　دل اپنا بیچ ہی ڈالے اگر دلدار ہو پیدا

۱۰۳۔ کوس بجنا (دور دور تک شہرہ ہونا)

کہو ان سے تمھاری دوستی کا کوس بجتا ہے　　رہے گا کس طرح سے سوز عالم میں یہاں مشفق

"و گ"

۱۰۴۔ گنبد کی صدا (جیسا کہنا ویسا ہی سننا)

صدا گنبد کی سمجھے شیخ صاحب　　ارے میاں سوز کا بانگ فغاں ہے

۱۰۵۔ گریبان میں منہ ڈالنا (اپنے اعمال کا جائزہ لینا)

گریباں میں ذرا منہ ڈال کر دیکھ　　کہ تو نے اس وفا پر مجھ سے کیا کی

۱۰۶۔ گرم ہو کے آنا (برہم ہوجانا)

کیوں طفل اشک میں نے آنکھوں میں تجھ کو پالا　　اس پر بھی میرے منہ پر تو گرم ہو کے آیا

۱۰۷۔ گلے پڑنا (کسی پر بوجھ بن جانا)

گلے تیرے نہیں پڑنے کے مت ڈر　　چلا جاوے گا سیدھا آسماں کو

۱۰۸۔ گھر گھالنا (درہم و برہم کر دینا)

آہ پر آہ نالے پر نالا　　عشق صاحب نے میرا گھر گھالا

۱۰۹۔ گھر بیٹھ جانا (خاتمہ ہوجانا)

گھر جنوں کا بیٹھ ہی یارو گیا تھا بعدِ قیس　　ہم اگر برپا نہ کرتے خانۂ زنجیر کو

۱۱۰۔ گھات لگانا (تاک میں ہونا)

سوز آگے سنبھل کے جانا　　بیٹھا ہے لگائے گھات بانکا

۱۱۱۔ گیا گذرا ہونا (ناکارہ ہونا)

سوز کے قتل پہ کرامت باندھ ایسا جاتا ہے کیا گیا گذرا
سمایا بے ستوں میں کوہ کن اور دشت میں مجنوں میں ایسا کیا گیا گذرا ہوں ہر دل میں سماؤں گا

۱۱۲۔ لاگ لگانا (گھات لگائے ہونا)

عزم شکار کرکے تو اے نازنیں نہ جا بیٹھے ہیں لاگ تجھ پہ لگائے کہیں نہ جا

۱۱۳۔ لگا لینا (مائل کرلینا)

لگا ہی لیا ایسے وحشی کو آخر میاں سوز تم نے بڑا فن کیا ہے

۱۱۴۔ لگا دینا (غیبت کرنا)

سوز کیا بک رہا ہے بس چپ رہ کوئی جو اس کو جا لگا دیوے

۱۱۵۔ لگی کو بجھا دینا (طلب پوری کر دینا)

میں تو دیدار کا بھوکا ہوں فقط اس لگی کو تو بجھا دے یارب

۱۱۶۔ لوکا لگنا (آگ لگنا)

الہیٰ محبت کو لگ جائے لوکا کہ اٹھتا ہے ہر دم جگر سے بھبھوکا
مرے دل کو وہیں لوکا سا اک آکر لپٹتا تھا کبھی تو بھولے پن میں سوز کی ہاں یاد میں کرتا (؟)

۱۱۷۔ لہو لگا کے شہیدوں میں داخل ہونا (نام کے لیے کسی کام میں شمولیت کرلینا)

داخل شہیدوں میں تو لہو لگا کے سب تھے شمشیر ناز سے پہ افگار تھا سو میں تھا

۱۱۸۔ لینے دینے میں ہونا (اچھے برے میں ہونا)

کسی کے لینے دینے میں نہیں کونے میں بیٹھے ہیں تمھارا غم ستاتا ہے اسے سمجھایئے صاحب

۱۱۹۔ لے کے ٹکرنا

کاہے کو گھورتا ہے ظالم کچھ لے کے ترا ٹکر گئے ہم ؟

۱۲۰۔ مان گھٹنا (اہمیت کم ہوجانا)

بزم میں رکھتے ہی قدم شام کی صبح ہوگئی شمع کا مان گھٹ گیا دیکھیو منہ کے نور کا

۱۲۱۔ مر رہنا (کہیں جا کر کھو جانا یا بیٹھ رہنا)

بس اے قاصد کبوتر کی طرح تو بھی نہ مر رہیو	جو تجھ سے کچھ حقیقت کہہ نہ آوے کچھ تو جا کہنا

۱۲۲۔ مزا منش (صاحب ذوق)

لیتے نہیں مزا منش جس چیز میں ہووے خلش	تو کیا کرے گا چھین کر میرے دل صد چاک کو

۱۲۳۔ مزا پڑنا (عادت ہوجانا)

خدا حافظ اے دل ترے پیارے جی کا	کہ تجھ کو مزا ہے پڑا عاشقی کا

۱۲۴۔ منہ تکنا (حسرت سے دوسروں کو دیکھنا)

بہ یاد یار ہر اک غنچے کا ہوں منہ تکتا	کہ اس میں ٹھیک ہے انداز خامشی اس کا

۱۲۵۔ منہ جُھٹالنا (بار بار کھانا پینا)

دو چار پیالیوں میں ہوتا نہیں نشہ کچھ	ہاں منہ کو جب جُھٹالیں جب سے سبو سبو ہو

۱۲۶۔ منہ چڑھنا (گستاخ اور بے باک ہوجانا)

الٰہیٰ دل کو مرے اپنے حفظ میں رکھیو	کہ منہ چڑھی ہے بہت زلف یار کی مقراض

۱۲۷۔ منہ چڑانا (مذاق اڑانا)

میں نے اس کو کہہ سنا یارو	بات کرتا ہوں منہ چڑاتا ہے

۱۲۸۔ منہ کالا ہونا (ذلت ہونا)

تم نے دل کو پھنسایا زلفوں میں	انکھڑیوں ہو تمھارا منہ کالا

۱۲۹۔ منہ کھلوانا (شکایات کرنے کے مواقع دینا)

بس منہ کو مت کھلاؤ میاں در گذر کرو	میں جانتا ہوں تم کو نہ آنکھوں میں گھر کرو

۱۳۰۔ منہ لگنا (گستاخ ہونا)

لگے ہے دیکھ تو کس کس کے منہ پر آ کے مجلس میں	نہ کر سنگ جفا سے محتسب دل چور شیشے کا

۱۳۱۔ منہ موڑنا (فرار ہونا، اجتناب برتنا)

خنجر سے منہ نہ موڑا تیغے سے دم نہ مارا	اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

۱۳۲۔ منہ میں پانی بھرنا (للچانا)

لے کے شبنم "منہ میں پانی بھر رہا ہے" شوق سے دیکھ تیرے رُو کو خمیازے پہ اکتاتا ہے گُل

۱۳۳۔ من مارنا (خواہش کو دبا لینا)

جہاں بیٹھا جہاں سوتا ہے اے دل تو سلامت رہ کہ تیرا ہر گھڑی "من مار" رہنا یاد آتا ہے

۱۳۴۔ موٹا شکار ہونا

یا ناوک مژہ سے یا تیغ ابرواں سے جیتا نہ چھوڑ دل کو "موٹا شکار" ہے گا

"ن"

۱۳۵۔ نادان دوست جان کا دشمن (نادان انسان کی دوستی بھی نقصان کا سبب بنتی ہے)

معلوم اپنے دل کے سلوکوں سے یوں ہوا ناداں جو ہووے دوست وہ دشمن ہے جان کا

۱۳۶۔ نظر سے جدا ہونا (دور ہو جانا)

نظروں سے ایک دم نہیں ہوتا مری جدا اے سوزؔ کیا کروں میں بیان وفائے اشک

۱۳۷۔ نظر لگنا

ڈرتا ہوں میں اے سیم بر تجھ کو نہ لگ جائے نظر چمکا نہ تو ہر بات میں اس ابروئے چالاک کو

۱۳۸۔ نظر میں خار ہونا (وجود گوارا نہ ہونا)

دیکھے جو کوئی چمن میں تجھ کو گُل اس کی نظر میں خار ہو گا

۱۳۹۔ نوبت بجانا (شان جتانا)

ہر اک اپنی اپنی بجاتا ہے نوبت بجا سوزؔ کا کوس شہرت بجا ہے

۱۴۰۔ ہاتھ اٹھانا (دست کش ہونا)

بس طبیبو ہاتھ تم اب سوزؔ سے اٹھاؤ اتنے دنوں میں کون سی اس کو دوا لگی

۱۴۱۔ ہاتھ پاؤں پھولنا (گھبرا جانا)

صورت کو دیکھتے ہی گئے ہاتھ پاؤں پھول گھبرا گیا نہ اے دل نا کردہ کار حیف

۱۴۲۔ ہتھیلی پر سرسوں جمانا (ناممکن کام سرانجام دینا)

کھینچ لائی ہے چمن میں کیوں کہ اس مغرور کو تو نے کیا سرسوں ہتھیلی پر جمائی ہے بسنت

۱۴۳۔ ہاتھ دھو کر پیچھے پڑنا (پریشان کرنا)

پڑا تھا ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے — اب آیا چین کیوں بد خو گیا دل

۱۴۴۔ ہاتھ کٹانا (بے اختیار ہو جانا)

کٹا کر ہاتھ، منہ آگے نہ مانگوں گا مزا لیجے — ... اس ڈھنگ سے گذرے گی ... ایک دن ہو گا

۱۴۵۔ لگتے ہاتھ کر لینا (ایک ساتھ کام کر لینا)

چھری دیتے ہو عالم کے گلے پر روز و شب پیارے — یہ لگتے ہاتھ کر لو سوز کی گردن جدا بیٹھو

۱۴۶۔ ہاتھ ملنا (افسوس کرنا)

آہ جی اس طرح نکلتا ہے — جس نے دیکھا سو ہاتھ ملتا ہے

۱۴۷۔ ہماری بات ہم پر (جو الزام لگائے اسی پر الزام لوٹا دینا)

ہمیں کہتا ہے دو ہو بے وفا خوب — ہماری بات کیوں پیارے ہمیں پر

۱۴۸۔ ہوش اڑنا (گھبرا جانا)

عشق تو کرتے مگر واقف نہ تھے اس چال سے — اڑ گئے ہوش و حواس آواز سے خلخال کے

۱۱۔ روز مرہ اور تکیہ کلام:

محاورے اور روز مرہ کے اعتبار سے سوز کا کلام بہت بلند پایہ ہے وہ بڑی صفائی سے ان کو برتتے ہیں ان میں بڑی بے تکلفی اور بے ساختگی ہوتی ہے۔ محاوروں کی تو ہم نے ایک فہرست دی ہے لیکن سوز کے کلام میں دراصل روز مرہ اس طرح ہے کہ مثال میں پورا کلام پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاید ہی کوئی غزل ایسی ہو جو روز مرہ سے خالی ہو چند شعر یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

نہ چھیڑو سوز کو یہ اک نئی تم نے نکالی ہے — کوئی بھی دو کہتا ہے جان من الفت کے ماروں کو

میں ترے قربان جاؤں یہ نئی تقریر ہے — ذبح بھی کرتا ہے اور کہتا ہے ہاں قرباں نہ ہو

مست تو پھرتا ہے راتوں کو کہیں بہتاں نہ ہو — اور تو تو جان لے پر سوز کا مہماں نہ ہو

اور لو طوفان بوسہ بھی لیا اچھا میاں — منہ لگا کس دن میں تیرے یا چلا ہمرہ غلط

اسی طرح بعض الفاظ تکیہ کلام بن گئے ہیں جیسے۔ بھائی، صاحب، میاں، جان، میاں سپاہی جی، میاں جان، جان من، میاں بانکے وغیرہ

کہاں میں اور کہاں اندیشہ بوس و کنار اس کا ۔۔۔ نہ بھائی : یہ خیال خام مجھ سے ہو نہیں سکتا
وہ میرے نام سے بے زار ہے ملنے کے کیا معنی ۔۔۔ نہ صاحب وصل کا پیغام مجھ سے ہو نہیں سکتا
یار اگر صاحب وفا ہوتا ۔۔۔ تو میاں جان کیا مزا ہوتا
ہمارا دل بھی صنم خانہ قدیمی تھا ۔۔۔ میاں سپاہی ہی تم نے جہاد بھی نہ کیا
پیارے آنکھیں تو اونچی لوں بیٹھو ۔۔۔ ابھی مت جائیو برستا ہے
نہ چھیڑو سوز کو یہ اک نئی تم نے نکالی ہے ۔۔۔ کوئی بھی چھیڑتا ہے جان من الفت کے ماروں کو
بغیر از دوست دشمن کا نہیں پیتی ہے خوں ہرگز ۔۔۔ میاں بانکے تمھاری تیغ ابرو کا بھی جس دیکھیے

۱۲۔ تشبیہات اور استعارے :

سوز کا کلام سادگی اور سلاست کا ایسا شاہ کار ہے کہ اس میں صنعت گری تلاش کے باوجود نظر نہیں آتی وہ اتنے عام فہم اور سادہ طریقے سے دل کی بات کہتے ہیں کہ اسے موثر بنانے کی مزید ضرورت باقی نہیں رہتی۔ سادگی بیان ہی کا یہ اثر ہے کہ سوز کے ہاں استعارات اور تشبیہات خال خال ملتی ہیں۔ مثلاً

توجہ اب اس طرف اے کشتی بحر مراد ۔۔۔ اس کی خاطر میں بھی سیر موجۂ دریا کروں
اے دل تو اس کے حسن مخطط کو آ تو دیکھ ۔۔۔ خورشید آ لگے تہ ہے اب بام دو یہ
نظر کر زلف کے حلقے میں اے دل ۔۔۔ گل خورشید پھولا شام میں دیکھ
برگ گل بہتے ہیں جیسے آبشار باغ میں ۔۔۔ لخت دل جھڑتے ہیں ویسے آنکھ کے ناسور سے

۱۳۔ وہ غزلیں جو نظم بن جاتی ہیں :

سوز کی غزلیں ایک خاص کیفیت کی حامل ہیں۔ ان میں شروع سے آخیر تک ذہنی ہم آہنگی اور فکری تسلسل قائم رہتا ہے ان کی غزلیں نظم سے مشابہت رکھتی ہیں ان میں ایک ہی قسم کا مضمون پایا جاتا ہے اور نفس مضمون کے لحاظ سے باقاعدہ عنوان مقرر کیا جاسکتا ہے سوز کا اپنے معاصرین میں یہ اہم کارنامہ ہے ان کی جولانی طبع غزل کی تنگ دامانی کی متحمل نہیں ہوتی جوش بیان اور زور لسان غزل کو نظم میں بدل دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خلوص اور جذبے کی شدت ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ دل کی بات وضاحت اور صراحت سے بیان کریں۔ دیوان سوز میں بہت سی ایسی غزلیں ہیں جن کو نظم کہا جاسکتا ہے یہاں پر بطور نمونہ دو

غزلیں پیش کی جاتی ہیں:

ملنے کی تیری دل میں ہیں گی ہوائیں کیا کیا ۔۔۔ مانگی ہیں تیرے حق میں ہم نے دعائیں کیا کیا

دکھ درد میں جلنا رہ رہ کے کھول پڑنا ۔۔۔ پھوڑا ہے دل نہیں ہے تجھ کو سنائیں کیا کیا

خوف رقیب، حسرت، عجز و نیاز منت ۔۔۔ جیوے پہ یہ اذیت آفت اٹھائیں کیا کیا

تن چاک، سینہ سوزاں، دل داغ، چشم گریاں ۔۔۔ تو دیکھتا نہیں ہے تجھ کو دکھائیں کیا کیا

لے سر سے تا بہ سینہ، سینے سے لے قدم تک ۔۔۔ ہاتھوں سے اپنے لی ہیں تیری بلائیں کیا کیا

آنا تو جوں چھلاوا، دل چھل کے بھاگ جانا ۔۔۔ ہم نے سہی ہیں پیارے تیری دغائیں کیا کیا

دل موم اب ہوا ہے فرمانا میرے صاحب ۔۔۔ بازیچہ تیری خاطر اس کا بنائیں کیا کیا

خنجر سے منہ نہ موڑا، تیغے سے دم نہ مارا ۔۔۔ اس سوز نے سہی ہیں تیری جفائیں کیا کیا

قضا را وہ قاتل ادھر آن نکلا ۔۔۔ کہ لینے کو اس کے مرا جان نکلا

کھڑا نعش پہ ہو کے بولا کہ ہے ہے ۔۔۔ یہ کُشتہ تو کچھ جان پہچان نکلا

چھری لے کے من بعد سینے کو چیرا ۔۔۔ تو دل کی جگہ خشک پیکان نکلا

مرا کُشتہ ایسا تو تھا جس کی خاطر ۔۔۔ یہ خورشید پھاڑے گریبان نکلا

کھڑے رہنے والو مگر سوز ہے یہ ۔۔۔ بھلا اس کے دل کا تو ارمان نکلا

ہوے گرچہ عاشق ہزاروں و لیکن ۔۔۔ مرے سوز سا کون بے جان نکلا

ایک دن اس شوخ سے میں لگ چلا ۔۔۔ رمز میں کرنے لگا اظہار پیار

جب تلک وہ چپ رہا میں بڑھ چلا ۔۔۔ دل میں آیا آ نہ کر اظہار پیار

کھول کر آغوش جوں کھسکا وہیں ۔۔۔ کہنے لاگا وا چڑے چل جھک نہ مار

۱۳۔ **تلمیحات:**

سوز کے کلام میں تلمیحات بھی جا بجا ملتی ہیں ان میں بعض تلمیحوں کو بہت سلیقے سے باندھا گیا ہے۔ ان میں سے بیشتر قرآنی تلمیحات ہیں برائے نام فارسی اور عربی داستانوں کی ہیں۔

۱۔ آدم و حوا:

فرق اتنا ہے کہ تم صاحب کہائے ہم غلام　　آدم و حوا ہیں سب ایک کی اولاد ہیں

۲۔ طوفان نوح: قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تنور سے پانی ابلنا شروع ہوا سوز نے اسی تلمیح سے فائدہ اٹھایا ہے

جوش کو دل کے کبھی لگ نہ سکے جوش تنور　　سوز کے رونے کو اے یار نہ طوفان لگا

دوسرے شعر میں طوفان نوح کی شدت کا ذکر ہے

آنسوؤ دریا کوئی تم سا نہیں ہے پر فروش　　یہ تلاطم کب ہوا تھا نوح کے طوفان میں

۳۔ آتش نمرود: نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو توحید پرستی سے روکنے کے لیے آگ میں زندہ جلا دینے کا حکم دیا تھا لیکن وہ آگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ٹھنڈی ہوگئی اور انگارے مثل پھول کے ہوگئے قرآن شریف میں اس واقعے کا ذکر ہے۔ سوز نے اس واقعے کو اس طرح باندھا ہے۔

غم نہیں دنیا میں ہرگز صاحب تسلیم کو　　آتش نمرود تھی گلزار ابراہیم کو

۴۔ لحن داؤدی: حضرت داؤد علیہ السلام کی پر سوز حمد سے لوہا بھی پگھل جاتا تھا۔ سوز نے روز ازل کا ذکر کر کے لحن داؤدی کی طرف اشارہ کیا ہے

الستُ کی صدا سے اب تنگ دل مجھ ہے یارو　　بلا جانے ہماری نغمہ داؤد کیسا ہے

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام: اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو پیغمبری اور بادشاہت دونوں سے نوازا تھا ہواؤں پر بھی آپ کا حکم چلتا ہے۔

سوز کا شعر ہے:

صبا تجھ کو سلیماں کی قسم ہے جھوٹ مت کہیو　　یہ کون آتا ہے جو گلشن نہیں پھولا سماتا ہے

۶۔ تخت سلیمان

گر ہم نے آ کے تخت سلیماں کیا حصول　　اک روز اس جہان سے برباد جائیں گے

۷۔ حسن یوسف: حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال مشہور ہے اسی سے متعلق ایک شعر ہے

ہر صورت انسان میں ہے صورت یوسف　　اے شیخ تجھے حسن نظر ہووے تو جانے

۸۔ برادران یوسف: حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو حسد کے باعث کنوئیں

میں ڈال دیا تھا۔ سوز کہتے ہیں

بھاگ ان بردہ فروشوں سے کہاں کے بھائی　　　بیچ کھاتے ہیں جو یوسف سا برادر ہووے

۹۔　حضرت یوسف کی فروختگی: مصر میں حضرت یوسف کو خرید لینے کے سب ہی طلب گار تھے

یوسف کی کب تھی گرمیِ بازار اس قدر　　　جو دھوم تیری کوچہ و بازار میں رہی

۱۰۔　گریہ یعقوب: حضرت یوسف کے غم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اشک باری کا ذکر اردو شاعری میں جا بجا ملتا ہے

مجھ کو ان آنکھوں نے محجوب اس پیمبر سے کیا　　　لے گئی ہیں آبرو یہ گریۂ یعقوب کی

غیر یعقوب اور کیا جانے　　　حال عاشق کی اشک باری کا

بھری ہے چشم دل میں بسکہ اس محبوب کی صورت　　　مرے ہر اشک کا قطرہ ہے گویا یوسف ثانی

۱۱۔　عشق زلیخا: حضرت زلیخا کا پورا واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ حضرت زلیخا کی حضرت یوسف سے محبت کا اردو شاعری میں بار ہا ذکر ملتا ہے

وہ بولا جسے تیری تصویر نظر آئی　　　یہ خواب زلیخا کی تصویر نظر آئی

کیا فائدہ یعقوب سے ہم ہوویں ندیدے　　　عاشق ہو زلیخا سا تو یوسف کو خریدے

۱۲۔　کوہ طور: حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں کوہ طور پر گئے تھے

جس طرح پردہ اٹھا کر شوخ نکلا ناز سے　　　اس طرح موسیٰ نہ لائے آگ کوہ طور سے

۱۳۔　جلوۂ طور: آگ کی تلاش میں حضرت موسیٰ کوہ طور پر پہنچے وہاں آگ کی بجائے پیغمبری مل گئی لیکن جمال الہیٰ نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا

طور پر آکے تجلی کو بھی دیکھا موسیٰ　　　میرے صاحب کی سی پر طالع بیدار کہاں

۱۴۔　برق طور: اس تجلی سے حضرت موسیٰ بے ہوش ہوگئے اور طور کی پہاڑی جل کر سُرمہ بن گئی

سرمہ ہوا کہ خلق کی آنکھوں سے دید حق کیا　　　دل ہو تو ہو پہاڑ سا عشق ہے کوہ طور کو

۱۵۔صبر ایوب: حضرت ایوب علیہ السلام سخت ترین آزمائشوں سے گذرے لیکن آپ نے ان سب کو صبر اور تحمل سے برداشت کیا

کب تلک اس دل کو ظالم صبر ہم دیتے رہیں　　　جیب میں اپنی شکیبائی نہیں ایوب کی

صبر اس سے زیادہ کرنا کام ہے ایوب کا   لو خبر میری کہ اب عاشق کی طاقت طاق ہے

۱۶۔ حضرت خضر: مشہور ہے کہ حضرت خضر کو ابدی عمر بخشی گئی ہے

جوں خضر ہوس عمر ابد کی نہیں مجھ کو   اس دم کی تمنا ہے جو تجھ پاس میں گذرے

حضرت خضر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بھولے بھٹکوں کی رہ نمائی کرتے ہیں اور آبادیوں سے دور رہتے ہیں۔ حضرت موسیٰ نے دریا کا سفر جن کی رہ نمائی میں کیا تھا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہی تھے۔ قرآن شریف میں اس واقعے کا خاص طور سے ذکر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت خضر آبادیوں سے دور رہتے ہیں ان کو کسی نے دیکھا بھی نہیں ہے سوز اس لیے عنقا اور ہما کی روایتوں کے ساتھ حضرت خضر کا ذکر کرتے ہیں

عنقا ہوں یا ہما ہوں وگر ہوں مسیح و خضر   آبادیٔ جہان سے عزلت گزیدہ ہوں

۱۷۔ حضرت زکریا کی شہادت: قوم کو سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ آپ کو قتل کرنے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے۔ آپ ان سے بچنے کے لیے بھاگے۔ سامنے ایک بہت موٹا درخت تھا وہ پھٹ گیا اور آپ عالم خوف میں اس کے شگاف میں چلے گئے۔ درخت پھر سے برابر ہوگیا لیکن آپ کی عبا کا ایک کونہ باہر رہ گیا۔ پیچھے پیچھے دشمن بھی جا پہنچے انھوں نے کرتے کا کونا دیکھ کر سمجھ لیا کہ آپ درخت میں چھپ گئے ہیں انھوں نے درخت کو چیرنے کا فیصلہ کیا اس وقت وحی آئی کہ اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ غیر اللہ کی پناہ تلاش کریں اور اس کے حکم کے بغیر دشمنوں سے ڈر کر فرار ہوں۔ منصب نبوت اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ جب درخت چیرا جا رہا ہو تو زبان سے اُف نہ ہو۔ سوز کہتے ہیں

جو کوئی عاشق مولا ہے اسے یہ نا چیز   زکریا کی سی طرح تا بہ کمر چیریں گے

۱۸۔ فرعون و شداد:

اے عزیزو اٹھ گئے دنیا سے یوسف طلعتان   اور جو باقی ہیں سو فرعون ہیں شداد ہیں

۱۹۔ مسیحا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ اور بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔

عیسیٰ کو یقیں ہے کہ نہ جاوے گی جب عشق　　وہ درد کا میرے کبھی درماں نہ کرے گا

نوک سوزن واے اب جاگہ نہیں ہے دل میں واے　　سوزن عیسیٰ سے چاک دل بسلاؤں کیا کروں

۲۰۔ شق القمر: رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے کفار نے کہا کہ آپ اگر سچے رسول ہیں تو چاند کو حکم دیجیے کہ بیچ سے دو ہو جائے۔ آپ نے انگشت شہادت سے اشارہ فرمایا چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ سوز اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہیں

ماہ رویوں کے مقابل تو نہ ہو لے خورشید　　ورنہ تجھ کو بھی وہ جوں شق قمر چیریں گے

۲۱۔ سکندر: کہتے ہیں کہ سکندر کے عہد میں آئینہ بنایا گیا تھا۔ چناں چہ جب آئینے کا ذکر ہوتا ہے تو سکندر بھی یاد آجاتا ہے

نہ پوچھو مجھ سے اے یارو دماغ ان سادہ رویوں کا　　سکندر کے تئیں سمجھیں ہیں یہ آئینہ دار اپنا

۲۲۔ رستم: رستم فردوسی کا ہیرو ہے اس کی قوت اور شجاعت ضرب المثل ہے۔

رستم نے گو پہاڑ اکھاڑا تو کیا ہوا　　اس کو سراہیے جو ترا ناز اٹھا سکے

۲۳۔ قیس و فرہاد: قیس عرب کے اور فرہاد ایران کے مشہور زمانہ عشاق ہیں

کتابوں میں نہ دیکھو قیس اور فرہاد کا قصہ　　انھوں کا حال میرے اس دل ناشاد سے پوچھو

ہووے قدرت میں اس کی قیس اور فرہاد سے لاکھوں　　ولیکن سوز سا بھی عاشقوں کے بیچ کم نکلا

۲۴۔ جوئے شیر: فرہاد نے جوئے شیر تیار کر لی تو خسرو کی فرستادہ عورت نے اس کو یہ جھوٹی خبر سنائی کہ شیریں مر گئی۔ فرہاد نے اس خبر کو سن کر خود کو ہلاک کر لیا۔

گو کہ سر پھوڑ کے جو خوں کی بہا دے فرہاد　　لیک مجنوں سی تری دیدہ خونبار کہاں

پھاڑ کر جوئے شیر شیریں نے　　کہا فرہاد سے پیے ہی بنے

۲۵۔ مانی و بہزاد: ایران کے دو بڑے مصوّر

کام دیکھا میں بہت مانی و بہزاد کا بات　　آنکھوں میں تیری ہی تصویر بہت اچھی ہے

۱۵۔ مقامی اثرات:

سوز نے طویل عمر پائی اور دلی سے مرشد آباد تک کا سفر کیا اگرچہ وہ ایک معزز تھے لیکن امراء کے تعلق نے ان کا عوام سے رشتہ ٹوٹنے نہ دیا۔ اپنی منسکر المزاجی

کے باعث وہ عوام سے بہت قریب رہے اور جہاں جہاں انھوں نے قیام کیا وہاں کے اثرات کو بھی قبول کیا۔ ان کے کلام میں جا بجا ایسے الفاظ ملتے ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ مقامی اثرات کو انھوں نے قبول کیا۔ ان کے کلام کا مطالعہ کرنے والا یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ شاعر ہندوستان کی فضاؤں میں سانس لے رہا ہے۔ مثلاً ہندوؤں کے ہاں خوشی کے موقع پر دودھ چاول سے مہمانوں کی ضیافت کی جاتی ہے، ساتھ ہی ان کے ہاں پرندوں میں کوے کو خوشی کی خبر لانے والا سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح ستی، گنگا، جمنا، گوپن، کنگال، چوک وغیرہ

غدا کے واسطے جلدی خوشی دے سوز کی کا گا　　کھلاویں گے تجھے ہم دودھ چاول پیٹ بھر بھر کر

سوز کیا با فراغ جلتا ہے　　دیکھ آیا ہے کیا ستی ہوتے

کوئی کہتا ہے یہ گنگا تو میری ہی کھدائی ہے　　کوئی کہتا ہے یہ قصر فلک میں نے کیا پیدا

دگرنہ ہم تو رکھتے ہیں جمن اور گنگ آنکھوں میں　　نہ دی فرصت کسی نے خون یک قطرہ کے بہنے کی

جس طرح پتھر بھراوے باغباں گوپن کے بیچ　　دل کو میرے زلف میں رکھ کر کیا قربان سر

اے مری چشم غریب اتنی گہر باری نہ کر　　بھیڑ ہوجائے گی سب کنگال دوڑیں گے ابھی

پوچھا پھرتا تھا میرا آشنا کس نے لیا　　سوز کو کل چوک میں دیکھا عجب احوال سے

۱۶ا۔ نئے مضامین:

سوز کے ہاں بعض مضامین بالکل نئے ہیں اور ان کو ادا کرنے میں انھوں نے بڑی ندرت فکر سے کام لیا ہے

گر سوز کا دل نک بھی کہیں خام رہے گا　　تو لکڑیاں کھاوے گی بہت اے شب ہجراں

دیا ہے تی نگاہ واپسیں پر　　الٹ گئیں سوز کی آنکھیں پس از مرگ

ہر اک قطرہ سر مژگاں پہ ہے جوں پارہ آتش — تماشہ دیکھ پیارے دار پر منصور جلتا ہے

اور کچھ پایا نہیں ہم نے دل وحشی کا کھوج — پر لہو سا لگ رہا تھا نوک ہر یک خار سے

کلائی ہاتھ کی مڑتی ہے انگڑائی میں جو اس کی — کسی نے اس طرح کی شاخ گل میں کب لچک دیکھی

اشک تو منہ پہ مرے گرم نہ ہو کر یوں آئے — گل کے گہوارے میں شبنم بھی تو بھولی ہوگی

دلا پروانہ تیرا مجھ سے بہتر کون ہووے گا — مجھے مت بھولیو جس وقت ذوق سوختن ہووے

مرگ مشتاق ہے ازل سے ساتھ — یہ ملاتی ہے جلد دوست سے دوست

صنم پوجنے والو اب مجھ کو پوجو — مجھے بت نے اپنا برہمن کیا ہے

۱۷۔ رعایتِ لفظی:

سوز کے اشعار میں رعایت لفظی کا بہت اہتمام ملتا ہے۔ بعض جگہ رعایت لفظی ایہام کی سرحد تک جا پہنچتی ہے۔ جیسے

ترسا سے ترس کھایا احوال سن کے میرا — بے ترس ڈر خدا سے اتنا نہ مجھ کو ترسا

عجب لپیٹ سے لپٹا ہے دل کو مار سیاہ — صنم کی زلف مرے دل کو کاش ڈس دیکھے

ہر گھڑی باغ میں مت ہو گل چیں — ایک دم غنچوں کو ہنس جانے دے

گر ہم نے آکے تخت سلیماں کیا حصول — اک روز اس جہان سے برباد جائیں گے

بات ہے یا کہ پھول جھڑتے ہیں — یار غنچہ دہان کے صدقے

شرمندگی سے چاند نہ نکلے گا پھر کہیں — تو چاندنی کو دیکھنے اے مہ جبیں نہ جا

بیچ سے ہونٹوں کے گالوں کے نہیں — عارضی بوسے پہ مت بہلائیے

۱۸۔ ہندی الفاظ میں فارسی اضافت:

اساتذہ کے ہاں ہندی الفاظ کے ساتھ فارسی اضافت ملتی ہے۔ سوز نے بھی فارسی اضافتیں ہندی الفاظ کے ساتھ لگائی ہیں:۔

دل پڑا روتا ہے روز و شب حصار تن کے بیچ — جس طرح جھڑیاں لگی ہیں موسم ساون کے بیچ

۱۹۔ فارسی محاورے:

شعرائے قدیم نے فارسی محاوروں کو اردو غزل میں اسی انداز سے باندھا ہے جیسا کہ

فارسی مستعمل تھے سوز نے بھی اس روش کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً برباد دادن، دشمن کردن، ثواب کردن، خواب کردن، گوش کردن، جواب کردن

برباد دے جو اپنے تئیں اس کو کون دے — دیتے نہیں کچھ اس لیے اہل کرم مجھے

ترا شکوہ جو منہ سے نکلے ہے میرے — مرے دل نے ہاں تجھ سے دشمن کیا ہے

مدفون اپنے کوچے میں کرنے دے سوز کو — قاتل خدا کے واسطے اتنا ثواب کر

دل تیرے اضطراب سے ہے جان ناک میں — اے فتنے ایک آن تو سینے میں خواب کر

بات تم سن کے رقیبوں کی پشیمان ہوئے — حرف میرا یہ گہر ہے جو اگر گوش کرو

سوال دل شکنی کا میں کیا کہوں اپنی — کہ تونے کون سے نقصان کا جواب کیا

۲۰۔ واحد جمع:

سوز کے ہاں واحد جمع کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا ہے۔ وہ بطور محاورہ عوام اکثر جمع کو واحد کے بطور استعمال کر جاتے ہیں مثلاً غرباء، ملوکوں، اغراض وغیرہ

بھائی کہنا ہر ایک غرباء کو — یہ تلطف کلام ہے جس کا

چشم عبرت کھول کر ٹک دیکھ تو اے مست خواب — دہر نے کن کن ملوکوں کا کیا خانہ خراب

کبھی تو فیض کو پہنچوں میں اے مرے فیاض — کہ تیرے فضل سوا کچھ نہیں مجھے اغراض

۲۱۔ تذکیر و تانیث:

سوز کے کلام میں تذکیر و تانیث کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا گیا ہے وہ مذکر کو مؤنث اور مؤنث کو مذکر بول جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس زمانے میں اس کی تخصیص نہ ہو مثلاً انتہا، بلبل، بانگ، جان، خاص، دید، دستار، راہ، سیر، شرم و حیا، فغان، محفل، مالا، مینا کو مذکر، جور و ستم کو مونث اور گلزار کو مذکر و مؤنث دونوں طرح سے باندھتے ہیں۔

کبھی آغاز میں مارے گئے عشاق دنیا میں — ازل سے اب تلک کس نے کسی کا انتہا دیکھا

اگر ہو وصل میں عاشق کو آرام — تو بلبل باغ میں نالاں نہ ہوتا

عرش تک پہنچائے گا ناقوس کا بانگ بلند — پر نہ جانا تھا کہ یہ کافر مسلماں ہوئے گا

جان کا کیا کروں بیاں احسان — یہ نہ ہوتا تو مرگیا ہوتا

رکھتے ہیں تیری زلف کے ہر تار کا خلش کس برہمن کے دل میں ہے زُنّار کا خلش

کیا دید کروں میں اس جہاں کا وابستہ ہوں چشم خوں فشاں کا

شیخ کو کوچہ مے خانہ میں ہم نے دیکھا تن سے جُبّہ تھا جدا سر سے تھا دستار جدا

جگر پہ زخم خنجر سے ہوا اور ہے دہن پیدا الہیٰ شکر تجھ سے اب ہوا راہِ سخن پیدا

کریں شعار ہم دل کے یار داغوں کا تو آج سیر کریں آکے اپنے باغوں کا

گرچہ تھا وہ شمع رو فانوس میں تن کے دلے پہ وہاں شرم و حیا بھی مانعِ دیدار تھا

جگر سے آہ دل سے نالہ سینے سے فغاں نکلا سرائے تن سے کیا حسرت زدوں کا کارواں نکلا

اے نکہت گل جائیو محفل میں کسو کے تک دل کو مرے ڈھونڈھیو تو دل میں کسو کے

میں تو روتا نہیں ہوں مت جھنجلا موتیوں کا گلے میں ہے مالا

مینائے دل جو ٹوٹا تو ٹوٹا بلا سے جان ہوتا ہے کیف میں یہ مرے یار ، کیا ہوا

امید میں رکھتا ہوں صنم تیرے کرم کی اس واسطے برداشت یہ سب جور و ستم کی

بلبل کہیں نہ جائیو زنہار دیکھنا اپنے ہی من میں پھولے گی گلزار دیکھنا

مت داغ اسے بوجھ کہیں سیر کر اس کی پھولا ہے مرے دل میں یہ گلزار محبت

۲۲۔ فارسی تراکیب:

کہا جاتا ہے کہ سوز کے کلام میں فارسی زبان کا اثر کم ہے وہ فارسی الفاظ اور تراکیب کم سے کم استعمال کرتے ہیں یہ بات کسی حد تک صحیح ہے لیکن اس رائے پر مزید اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ سوز کی غزلیات کے دو معیار ہیں؟ ایک معیار تو وہ ہے جہاں ان کی زبان عام بول چال سے مل جاتی ہے۔ یہ زبان ایک عام آدمی کی زبان ہے جس میں عربی اور فارسی کے کم سے کم الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ لیکن سوز کی غزلوں کا دوسرا معیار زبان کے لحاظ سے پہلے معیار سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کی غزلوں میں فارسی زبان کے الفاظ اور تراکیب بڑی صفائی سے استعمال کی گئی ہیں وہ غزلیں کسی طرح بھی سودا ، درد اور میر سے کم نہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ دوسری قسم کی غزلوں کا قوام ہی فارسی آمیز اردو سے اٹھایا گیا ہے ۔ اور ان غزلوں کو نادر ترکیبوں سے مُزیّن کیا گیا ہے ۔ مثال کے طور پر اوراقِ گُل ، بلا گرداں ، پاداری ،

پرکالۂ آتش ۔ تیز دستی ۔ جاں بلب ۔ چور نظری ۔ خود نمائی ۔ دامن سوار ۔ دل غم دیدہ ۔ ستم پناہ ۔ سروِ خوش خرام ۔ سپرداری ۔ شست و شو ۔ شہرۂ آفاق ۔ صبر آزمائی ۔ غبار خاطر جاناں ۔ قضائے حرص ۔ کُنج مُعزلت ۔ کلبۂ احزاں ۔ مروت دستگاہا ۔ مینائے دل ۔ نے سوار ۔ ناخن دست حنائی ۔ نشاط دل عاشق وغیرہ بہت حسین تراکیب ہیں ۔

اوراقِ گُل اڑتے ہوئے دیکھے تو یہ بولا ۔۔۔ دیکھو تو اڑا دوں گا یونہی تل میں کسی کے

جب تلک بیٹھا ہے تو جب تک ہے میرے جی میں جی ۔۔۔ اے بلا گرداں ہوں میں تیرے نہیں رہ جانہ جا

یار اگر دل کی طلب گاری کرے ۔۔۔ کون سا دل ہے کہ پاداری کرے

دل آپ ہے پرکالۂ آتش میں کہوں کیا ۔۔۔ اس امر میں ہرگز نہیں تقصیر کسو کی

وہ مجھ کو ذبح کرتا تھا چھُری سے ۔۔۔ میں اس کی تیز دستی تک رہا تھا

عالم کی تمنا میں ترا جاں بلب آیا ۔۔۔ رحمت ہے خدا کی تو لب بام نہ آیا

گو نہیں کہتا کہ میں نے دل لیا ۔۔۔ چور نظری میں تو اس کی پا گیا

یہ ہر دم نصیحت جو کرتے ہیں ناصح ۔۔۔ سمجھتا ہے کچھ خود نمائی کی خاطر

سوار جب تئیں دامن کا تھا موے لاکھوں ۔۔۔ خدا ہی خیر کرے اب تو نے سوار ہوا

ایک تو تھا دل غم دیدہ اسیر سر زلف ۔۔۔ پاؤں زنجیر میں اور ہاتھ گریباں میں پھنسا

ستم پناہ یہ کیا ظلم ہے ادھر تو دیکھ ۔۔۔ جو با وفا ہے اسی سے کیوں بدگماں رہیے

دیکھے جو ایک آن تری سرو خوش خرام ۔۔۔ قمری نہ دیکھے پھر کبھو شمشاد کی طرف

پھینکتا ہوں آسماں پہ تیر آہ ۔۔۔ گنبدِ خورشید اب سپر داری کرے

لگے ہیں کشتوں کے پُشتے ہر ایک کوچے میں ۔۔۔ ستم کی تیغ کو دے شست و شو نہ ہو بدنام

یار کا جلوہ مرے کیا شہرۂ آفاق ہے ۔۔۔ جس کو سنتا ہوں سو وہ دیدار کا مشتاق ہے

ہے خورد بے وفائی کی خاطر ۔۔۔ بنا سوز صبر آزمائی کی خاطر

کم نہیں ہوتا غبار خاطر جاناں ہنوز ۔۔۔ خاک سے میری جھٹکتا ہے کھڑا داماں ہنوز

کر منہ کو تنگ بہ سوئے قناعت یہ حرف مان ۔۔۔ رکھتی ہے لاکھ طرح کی آفت قضائے حرص

چھٹا کنج عزلت ملا رنج و محنت میاں جان سب آشنائی کی خاطر
اک دن کبھی آ کلبہ احزاں میں ہمارے غم دور ہو میرا تری برکت سے قدم کی
مجھے محفل سے اپنی تونے اٹھوایا ولے سن لے مروت دستگاہا دور تھا تیری مروت سے
مبادا تصور کو پہنچے الم ترے غم سے مینائے دل چور ہے
توہی کر خاطر شیریں کے لیے کوہ کنی ناخن دست حنائی ہے یہاں تیشۂ دل
اک دم میں کرے قطع نشاط دل عاشق تعریف کروں کیا میں ترے ابرو کے خم کی

۲۳۔ متروکات:

سوز کے کلام میں متروک الفاظ کے بارے میں تنہا لکھتے ہیں:

"سوز کے یہاں بھی متروکات کی فہرست لمبی چوڑی ہے لیکن یہ کہنا کہ آپ کے یہاں ہم عصر شعرا، میر و سودا وغیرہم سے زیادہ متروکات ہیں غلط ہے۔ اس دور میں پہلے جو شعرا. گذرے ہیں یقیناً ان کے یہاں متروکات کی تعداد سوز سے زیادہ پائی جائے گی۔ سوز کے یہاں اگر قدیم الفاظ پائے جاتے ہیں تو ان کے ہم عصر شعرا. کے یہاں بھی اس قدر قدیم الفاظ پائے جائیں گے اور اکثر الفاظ تو ایسے ہیں جو اور شعرا. نے بھی استعمال کیے ہیں اور اب متروک ہیں۔

اس پر مزید اضافہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ سوز کے کلام میں متروک الفاظ دوسرے شاعروں کے مقابلے میں کم ہیں اس کے ساتھ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قابلِ ترک الفاظ کا زبان سے خارج ہونے کا عمل بہت آہستہ ہوتا ہے۔ جو الفاظ سوز کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں وہ شروع اٹھارھویں صدی کے ہیں۔ سوز کی زندگی میں اصلاح زبان کا جو کام ہوا اور جن الفاظ کو متروک قرار دیا گیا وہ پرانے لوگوں کی زبانوں پر بدستور چڑھے رہے ہوں گے۔ لہذا یہ ماننا پڑے گا کہ سوز نے مروّجہ متروک الفاظ کم سے کم استعمال کیے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ سوز کی زبان اپنے معاصرین کے مقابلے میں زیادہ صاف ہے۔ ان کے ہاں جو متروک الفاظ ملتے ہیں ان کے ساتھ ہی ان کے متبادل جدید الفاظ بھی ملتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ انھوں نے زبان کی اصلاح کے ساتھ ساتھ قابلِ ترک الفاظ سے اجتناب برتا ہے اور جو متروک الفاظ ان کے ہاں ملتے ہیں وہ عادتاً یا محاورۃً زبان پر چڑھے ہونے کی وجہ سے آگئے ہیں۔ ویسے سوز کے کلام کے مطالعے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا

رنگ سخن دو قسم کا ہے، اکثریت ان غزلوں کی ہے جن کی زبان فارسی آمیز ہے۔ ان غزلوں میں زبان کی کوتاہیاں کم سے کم ہیں، دوسری قسم ان غزلوں پر مشتمل ہے جو عام بول چال کے موافق ہے۔ ان غزلوں میں زبان اور اسلوب کی کوتاہیاں ملتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزلیں بغیر کسی کاوش اور دل سوزی کے کہی گئی ہیں ان میں وہی عام فہم اور مستعمل زبان ملتی ہے جو اس دور میں رائج تھی۔ افعال میں وہ لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم بنا لیتے ہیں جیسے "چھنایا" بجائے "چھینا"، "کھلاؤ" بجائے "کھولو"، "نکلا" بجائے "نکلوا"۔ اسی طرح ضمائر میں بھی بجائے میں نے، ہم نے، تم نے، میں، ہم، تم بولتے ہیں۔ ان کے ہاں غلط العوام الفاظ بھی پائے جاتے ہیں جن کو بطور محاورہ اور روز مرّہ کے کہہ جاتے ہیں مثلاً "مزدور" کو "مزدور"، "نادان" کو "نادن"، "بے برگ" کو "بے برگو"، "بحث کرنے" کو "بحثے"، "ڈھول مارنے" کو "ڈھولانا" وغیرہ

جلدی اتارئے صنم سر نہیں بار دوش ہے	اور کے سر تو رکھ یہ بوجھ دور کر اس مزدور کو
شیشہ سے آپ توڑا یہ عجب انصاف ہے	دل مرا مانگے ہے دیکھو مفت کے تادن کے بیچ
بہت کڑوا ثمر ہوتا ہے غم سنتے ہو بے برگو	خدا کے واسطے یہ تخم صحن دل میں مت بونا
غزل کہنے میں اب یہ مرتبہ ہے سوز کا یارو	کہ صائب اس سے جا بحثے تو ہو کر لاجواب آئے
عجب تم شیخ جی بحثو ہو لا لا کر کتاب اپنی	وہ کہہ بیٹھے گا کچھ منہ سے نہ چھیڑو سوز جاہل کو

اس ذیل میں وہ بدنما ترکیبیں بھی آجاتی ہیں جو جا بجا کلام سوز میں ملتی ہیں مثلاً بعد از، بہ یاد، بغیر از وغیرہ

ہے جیتے جی تو مجھے کوئے یار میں رونا	رہے گا مرگ کے بعد از مزار میں رونا
بیاد یار ہر اک غنچے کا ہوں منہ تکتا	کہ اس میں ٹھیک ہے انداز خامشی اس کا
بغیر از عاشقی کچھ کام مجھ سے ہو نہیں سکتا	تڑپنے کے سوا آرام مجھ سے ہو نہیں سکتا

سوز نے چوں کہ وہ زبان بولی ہے جو عام بول چال کے مطابق ہے اس لیے اشعار میں اکثر و بیشتر فنی معائب پیدا ہوگئے ہیں تعقیدِ لفظی، عیب تنافر، حشو زواید، تکرارِ قبیح اور نقصِ روانی کی بہ کثرت مثالیں ملتی ہیں جن سے بسا اوقات سلاست اور روانی میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔ عام بول چال اور سادگی کبھی اتنی شدت اختیار کرلیتی ہے کہ کلام میں ابتذال اور

سوقیت کا رنگ ابھر آتا ہے۔ مثلاً

ایک بوسے پہ بیچتے ہیں دل جانی اس مول کو تو سستا ہے

سدھارو خیر صلا سے کہیں دم داب کر بھاگو وگرنہ کوئی دم میں سوز سونٹا لے کے آتا ہے

میں پنجے سے پنجہ ملاؤں دوانے تجھے ہاتھ ہے توڑنا ناتواں کا

زباں کاٹ لوں تیری اور بھون کھاؤں مزا چکھوں اے سوز تیری زباں کا

چل ترے ہاتھوں کو میں صدقے کروں اپنی قینچی سے ترا کانوں گلا

گوتھ کر زور کیا تو بھی نہ ٹوٹا پاپڑ اس بچے دند پہ کہتے ہیں سب چیریں گے

ہلدی کو ذرا لے کر مکھڑے کو رنگو جھونڈو گالوں کی تو سرخی کو ٹک اپنی مٹا ڈر ہو

رونا جو نہیں آتا تو تیل لگا کڑوا آنسو نہیں بہتے تو نسوے ہی بہا ڈر ہو

سنتا ہے بچا اب تو کہتا ہوں تجھے ہنس ہنس پھر سامنے نا آنا دم داب کے جا ڈر ہو

ہم نے کلام سوز سے ایسے متروک الفاظ کی فہرست مرتب کی ہے جو اب قطعی طور پر خارج از زبان ہو چکے ہیں ان الفاظ سے یہ اندازہ ہوسکتا ہے کہ تقریباً پونے دو سو برس میں اردو زبان نے کتنی ترقی کی ہے اور ان الفاظ کو ترک کر دینے سے زبان میں کتنا نکھار پیدا ہو گیا ہے۔

۱۔ آپھی آپ۔ آپ ہی آپ:

منہ چڑاتا ہے آپھی آپ کھڑا آپھی پھر کھلکھلا کے ہنستا ہے

۲۔ اُکھل۔ چنچل:

دیکھیو ٹک اس طرف اُکھل کے آنے کی طرح پاؤں سے ٹھکرا کے میرے دل کے لے جانے کی طرح

۳۔ ہے گی۔ ہے:

بس کر دل میں بس رہی ہے گی صدائے عندلیب بوئے گل سے آوتی ہے گی صدائے عندلیب

۴۔ بگانہ۔ بیگانہ:

جہاں میں آشنا کوئی نہ پایا جسے دیکھا اسے پایا بگانہ

۵۔ بھلے رے۔ بہت خوب:

بھلے رے عشق تیری شوکت و شان   بھائی میرے تو کھو گئے اوسان

۶۔ بہبہا۔ آمادہ:

کالی سے آشنا ہی نہ تھا مارے شرم کے   اب تو وہ قتل کرنے کو بھی بہبہا ہوا

۷۔ بُھل گئے۔ بھول گئے:

سوز اتنا تو کیوں ہوا ہے نڈر   کیا تجھے بُھل گئے صنم کے حساب

۸۔ پھاٹ۔ پھٹ:

کس کو اب زیر فلک طاقت رسوائی ہے   اے زمیں پھاٹ کہ میں تجھ میں سما جاؤں گا

۹۔ ٹک۔ ذرا:

کہا جب سوز نے ٹک زلف کو تو کھول دے بولا   میں سمجھا ہوں کہ تیرا دل ہوا ہے مار کھانے کو

۱۰۔ چاٹ۔ چٹک:

یہ للچانے کی چاٹ کون سی ہے تجھے سراپا میں   یہ میرا ایک دل ہے میں نہ بولوں ہے یہ کسے لئے

۱۱۔ چُک جانا۔ ختم ہو جانا

قصہ چُک جائے جلدی مار بھی ڈال   تنگ تیرا ہے یاں جی تو قید

۱۲۔ چھپکھورا۔ بوجھ:

خدا کے واسطے جوڑے میں اپنے باندھ کر اس کو   اٹھا سکتا نہیں یہ دل تری زلفوں کا چھپکھورا

۱۳۔ دُر ہو۔ دور ہو:

ہمیں کہتا ہے دُر ہو بے وفا خوب   ہماری بات کیوں پیارے ہمیں پر

۱۴۔ دوکھنا۔ ستانا:

نہ چھیڑو سوز کو، یہ اک نئی تم نے نکالی ہے   کوئی بھی دوکھتا ہے جان من الفت کے ماروں کو

۱۵۔ دِوانہ۔ دیوانہ:

اس شعر میں ایک دوسرا لفظ "کنے" بہ معنی پاس بھی استعمال ہوا ہے جو اب متروک ہے

ناصحو دل کس کنے ہے کس کو سمجھاتے ہو تم   کیوں دوانے ہوگئے ہو جان کیوں کھاتے ہو تم

۱۶۔ ڈہکانا۔ للچانا، ترسانا:

ڈہکانا اس طرح کا نہیں خوب جان من مجھ کو دکھا کے تیغ کیسے مارنے چلا

۱۷۔ دھک دھکانا۔ دھڑکنا:

گیا چوری چوری سے رات اس کے گھر کلیجہ مرا دھک دھکانے لگا

۱۸۔ ڈول۔ انداز:

اس شعر میں ایک اور متروک لفظ "سیتی" بھی ہے جو متروک ہے اب "سے" بولتے ہیں۔

قبول ہرگز (؟) نہیں کرتا ہے میرا قتل بھی ظالم میں کس کس ڈول سیتی منتِ جلاد کرتا ہوں

۱۹۔ ڈہڈہاہٹ۔ رنگینی:

عارض کو تیرے پہنچے کب اس کی ڈہڈہاہٹ پیارے ہزار ہو تو ہے گل کا رنگ پھیکا

۲۰۔ رووے گا۔ روئے گا:

رووے گا عشق مجھ کو سر خاک ڈال اپنے مرنے کا میرے تجھ کو کاہے کو غم رہے گا

۲۱۔ سوں۔ قسم:

اس شعر میں "آوے گا" استعمال ہوا ہے اب "آئے گا" کہتے ہیں

مجھے کچھ اعتبار آتا نہیں کس منہ سے میں کہتا تو رات آوے گا میرے پاس اپنے سر کی سوں جھوٹا

۲۲۔ کبھو۔ کبھی:

خلوت سرائے سوز کو پہنچے کبھو نہ دہر تو اور وہ جہاں ہو بت و برہمن کہا

۲۳۔ کہنے لاگا۔ کہنے لگا:

ایک لفظ "جو ہیں" بھی اس شعر میں ہے اب "جیسے ہی" کہتے ہیں

سوز نے دامن جو ہیں پکڑا تو بس وہ ہیں جھٹک کہنے لاگا ان دنوں کچھ زور چل نکلا ہے ہشت

۲۴۔ کیدھر۔ کدھر:

صحبت تجھے رقیب سے میں گھر میں اپنے داغ کیدھر پتنگ شمع کہاں انجمن کہا

۲۵۔ گڑونا۔ گاڑنا:

مژگاں کی تیری نوکیں آلودہ ہیں لہو میں ظالم نگاہ کس کے دل میں گڑو کے آیا

۲۶۔ لڑ بھڑ کر۔ گرتے پڑتے:

جگر سے دل میں، دل سے آنکھ میں، آنکھوں سے مژگاں پر
یہ طفل اشک لڑ بھڑ کر گرا آخر کو داماں پر

۲۷۔ لیوے۔ لے:

سب مرادوں سے گزر جاوے سو لیوے نام عشق
ایسے دل پر منکشف ہوتا ہے یاں اسرار شوخ

۲۸۔ من ماتنا۔ جی بھر کے:

چھنایا نام و ننگ و صبر و طاقت قول دے جھوٹا
اکیلا کر کے مجھ کو عشق نے من ماتا لوٹا

۲۹۔ لوا۔ مرا:

مرا جاتا ہوں پیارے قبل ابرو کے اشارے سے
یہ مجھ پر کھنچنا ہر دم دم شمشیر کیا باعث

۳۰۔ موند لینا۔ بند کر لینا:

سوز دریائے غم میں غوطہ مار
آنکھ لے موند اور کر لے پار

۳۱۔ نت۔ ہمیشہ:

جن کو ہم دیکھتے تھے نت واللہ
دیکھنا ان کا خیال و خواب ہوا

۳۲۔ نرباہ۔ نباہ:

کیجے نہ اب کسی سے صحبت فلک تلے
ڈوبی وفا جہان میں نرباہ جل گیا

۳۳۔ نکتورا۔ نخرا:

نہ الفت ہے نہ شفقت ہے یہی ہر دم کا نکتورا
پھر اس پر یہ حکومت ہے اسے کہتے ہیں یہ زورا

۳۴۔ واچھڑے۔ واہ واہ:

یک طرف ابر یک طرف خورشید
واچھڑے زور آب و تاب ہے آج

۳۵۔ ووہیں۔ وہیں:

فصل گل بھی چل بسی پر آشیاں ووہیں رہا
کون رہ سکتا ہے اے بلبل ترے مسکن کے بیچ

۳۶۔ ہیں گے۔ ہیں:

جو کلام اس کے ہیں ہے تاثیر میں آب حیات
ہیں گے امرت سے بھرے وہ لعل شکر بار شوخ

سوز نے قصیدہ، رباعی، مخمس، مستزاد، قطعہ، مرثیہ اور غزل ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا مختصر سا فارسی کلام بھی ہے لیکن وہ صرف غزل کے لیے تھے۔ قصیدہ ان کی افتاد طبع سے میل نہیں کھاتا اگرچہ وہ تمام زندگی امرا و روسا کے پہلو نشیں رہے اور بسا اوقات تنگی معاش میں بھی مبتلا ہوئے لیکن انھوں نے مدح سرائی کو اپنا شیوہ نہیں بنایا۔ سودا کی ہم نشینی بھی ان کو قصیدہ گوئی کی طرف مائل نہ کرسکی۔ انھوں نے صرف تین قصیدے لکھے جن میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور دوسرے حضرت امام حسین کی شان میں ہے اور تیسرا نواب آصف الدولہ کی مدح میں ہے حضرت علی کی شان میں جو قصیدہ ہے اس میں قصیدے کی سی شان ملتی ہے لیکن حضرت امام حسین کا قصیدہ بہت مختصر ہے اور توصیفی اشعار پر مشتمل ہے۔ اسی طرح نواب آصف الدولہ کی مدح میں جو قصیدہ ہے اس کو بھی ہرگز قصیدہ کہنا مناسب نہیں اس میں قصیدہ کے سی کوئی بات موجود نہیں ہاں وہ ایک قطعہ ضرور کہا جاسکتا ہے اور اس کے پڑھنے سے یہ فوراً معلوم ہوجاتا ہے کہ شاعر مداحی کا عادی نہیں بلکہ ممدوح کے بارے میں اس کی جو ذاتی رائے ہے اس کو بہت خلوص کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ قصیدہ نگاری جن صلاحیتوں کا تقاضا کرتی ہے سوز ان سے بالکل عاری تھے۔

دیگر اصناف مثلاً رباعی، مخمس، مستزاد اور قطعہ وغیرہ اپنی ہیئت اور موضوعات کے اعتبار سے غزل سے بہت قریب ہیں اس لیے سوز نے ان اصناف میں جولانیِ طبع کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ رباعیات تو خاصی تعداد میں ہیں لیکن مخمس اور مستزاد صرف تین تین ہی ہیں۔ قطعات کا معاملہ بہت دل چسپ ہے۔

سوز کی اکثر غزلوں کا مضمون شروع سے آخر تک ایک ہی ہے اس لیے غزل اور قطعے کا تعین دشوار ہوتا ہے

جہاں تک مرثیے کا تعلق ہے سوز نے باقاعدہ کوئی مرثیہ نہیں کہا۔ ان کے دیوان میں تین قطعات ایسے ہیں جو مرثیہ اس اعتبار سے کہے جاسکتے ہیں کہ اس میں شاعر نے مرنے والوں کے بارے میں اظہار غم کیا ہے۔ دیوان میں جو تین مرثیہ نما قطعات ہیں ان میں ایک حضرت امام حسین کی شہادت پر دوسرا اپنے بیٹے میر مہدی داغ کی وفات پر اور تیسرا نواب آصف الدولہ کے انتقال پر کہے گئے ہیں۔ ان میں مرثیہ نگاری کا کوئی عنصر نہیں ملتا۔ بلکہ احساس کے شدید دباؤ کے نتیجے میں وجود میں آئے ہیں۔

سوز کے فارسی کلام کے بارے میں صرف اتنا کہنا کافی ہوگا کہ وہ فارسی زبان پر بے قدر

ضرورت عبور رکھتے تھے ۔ اس زمانے میں فارسی زبان کا اثر کم ہوتا جا رہا تھا۔ شاعر اپنے ذوق کی تسکین کے لیے فارسی میں کچھ کہہ لیتے تھے ورنہ عام طور پر اس کا چلن نہیں رہا تھا۔

اس طرح دیوان سوز میں صرف اردو غزل رہ جاتی ہے جو ان کا سرمایۂ حیات کہی جاسکتی ہے ۔حقیقت یہ ہے کہ ان کا مزاج صرف غزل کے لیے موزوں تھا۔ انھوں نے صرف اسی صنف میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے اپنے محترم دوست خواجہ میر درد کی طرح صرف غزل کے میدان میں توسن طبع کو مہمیز دی اور اس میں بیش بہا اضافے اور تجربات کر کے اپنا جدا حلقۂ فکر قائم کرلیا۔ صوری اور معنوی لحاظ سے ان کی غزل کی ہیئت ترکیبی بھی جداگانہ نوعیت رکھتی ہے ۔ ان کی غزلوں میں عام طور پر ایک ہی مطلع ہوتا ہے بایدو شاید کہیں دو مطلعے مل جاتے ہیں۔ کہیں کہیں وہ مطلعے ہی میں تخلص استعمال کر جاتے ہیں مثلاً

اہل ایماں سوز کو کہتے ہیں کافر ہوگیا

آہ راز دل بھی یارب ان پہ ظاہر ہوگیا

سوز کی غزلیں مختصر ہوتی ہیں عام طور پر ہر غزل میں پانچ یا سات شعر ہوتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ نو یا گیارہ ہوجاتے ہیں لیکن ایسی غزلوں کی تعداد کم ہے ۔ ان کی غزلوں میں بھرتی کے شعر نہیں ہوتے۔ ہر غزل میں زیادہ تعداد منتخب اشعار کی ہوتی ہے ۔ بحروں کا انتخاب مضمون اور طرز ادا کے لحاظ سے کرتے ہیں ۔ عام طور پر بحریں چھوٹی اور ہلکی پھلکی منتخب کرتے ہیں۔ غزلوں میں اگرچہ قافیہ ، ردیف کی پابندی ملتی ہے لیکن بسا اوقات وہ قافیے ہی پر اکتفا کرتے ہیں ۔ دوسرے شعراء کی طرح وہ مقطع کا بطور خاص اہتمام نہیں کرتے ۔ موقع اور محل کے مطابق جس جگہ چاہتے ہیں اپنا تخلص باندھ دیتے ہیں۔

میر سوز کے فن پر ناقدان فن کے اپنے اپنے خیالات کا تو خیر اظہار کیا ہی گیا ہے لیکن ہر فن کار اپنے فن کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے کچھ خاص فنی نکات ملحوظ رکھتا ہے سوز نے بھی اپنے فن کی اہم اور نمایاں خصوصیات کا ذکر کیا ہے ۔ ناقدوں کی رائے کے ساتھ خود فن کار کی اپنی رائے کسی فنی شہ پارے کو سمجھنے میں بہت کارآمد ہو سکتی ہے ۔ سوز نے اپنے فن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ بہت با معنی ہے اور تقریباً وہی کچھ ہے جو ایک ناظر ان کے کلام کو دیکھ کر محسوس کرتا ہے ۔ اس وقت سوز کی عظمت میں اس وجہ سے اور اضافہ ہوجاتا ہے کہ انھوں نے اپنے فن کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اس میں بے حد دیانت داری اور انصاف سے کام لیا ہے اس میں شاعرانہ تعلّی اور خود پسندی و خود پرستی کا شائبہ بھی نہیں

ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ان کے کلام میں

۱۔ تفکر و تدبر ہے ایک بہت گہری سوچ اور مسائل کا نہایت عمیق مطالعہ پایا جاتا ہے

لے آتا سوز کو نایاب ہے دریائے معنی سے — کہ جب غواص ہو کر سوز کی فکر مستی ڈوبے

۲۔ تنوع پسند شعور جو ہمہ وقت تازہ مضامین کا متلاشی ہو ہر جگہ کار فرما ہے

مضمون ترا سا نہ کسی بیت میں اے سوز — یوں شعر تو موزوں کے منظوم بہت ہیں

۳۔ وجدان صحیح سے کام لیا گیا ہے اور اس سے وہی شخص مستفیض ہو سکتا ہے جس میں یہ صفت موجود ہو

نہ ہووے سوز دل جس کو تو کب مقدور ہے اس کا — کہ وہ اے سوز تیرے معنی اشعار کو تڑپے

۴۔ روحانی اور عرفانی حقیقتوں کی پردہ کشائی کی گئی ہے

دیکھا میں ترا جو سوز دیواں — جز عشق کلام کچھ نہ نکلا

۵۔ سوز عشق، سوز دروں اور غم پنہاں ہے

اپنی زبان کو بند کر اے سوز مت جلا — کیسا شرار عشق ہے تیری زبان میں

۶۔ سوز و گداز، درد و خلش پائی جاتی ہے جو دلوں پر گہرا اثر کرتی ہے

وہی اس سوز کے پہلو میں بیٹھے شعر سننے کو — جو دونوں ہاتھ سے اپنا کلیجہ تھام کر اٹھے

۷۔ انفرادی کیفیتیں ہی نہیں بلکہ اجتماعی معاملات بھی زیر بحث آتے ہیں۔ ان میں ان کی اپنی شخصیت ہی نہیں بلکہ پورا معاشرہ سمویا ہوا ہے۔ اس لیے اس میں بڑی وسعت ہمہ گیری اور آفاقیت ہے

گاؤ اپنا درد دل کہتا ہوں سو اوروں کے ساتھ — شاعری کے نام سے ہرگز نہیں دعویٰ مجھے

۸۔ سرور و انبساط، کیف و مستی، خود فراموشی اور بے خودی محسوس ہوتی ہے

نہ سنو گے سوز کی گفتگو جو پھر دگے ڈھونڈھتے کو بہ کو — یہ نشہ ہے اس کے بیان میں کہ نہیں نشہ ہے شراب میں

۹۔ والہانہ پن، سرمستی، سرخوشی و خوش اشتاقی کی کیفیات ہیں

میرے شعروں میں جو ہے کیفیت — اس کو کچھے کا کوئی متوالا

۱۰۔ برجستگی اور بے ساختگی ہے

نے سب شاعروں کے شعر سب سے خوش ہوا لیکن — سنوں ہوں سوز کے جب شعر تب یوں کود اٹھتا ہوں

۱۱۔ گرمیِ گفتار پائی جاتی ہے

جلے بھنے بھی پڑھتے ہیں شعر مجلس میں — سوائے سوز کے آتش زباں نہیں دیکھا

۱۲۔ سادگی و صفائی ہر جگہ قائم رہتی ہے لطافت و فصاحت ہر مقام پر جلوہ گر ہے

اے سوز ترے اشعار ہیں آبلہ فریب اور بس — ہم نے تو نہ کچھ دیکھا بجز قافیہ پیمائی

۱۳۔ تمثیل کا عنصر بہت غالب ہے۔

پڑھتا ہے شعر سوز کے یوں تو سبھی جہاں — اس کا سا لیک صاحبو لطف بیاں کہاں

۱۴۔ شیرینی۔ لوچ۔ رعنائی۔ خیال اور رنگینیِ بیان ہے

ہاں سوز میرے شعر بھی شیریں نہ ہوں سو کیوں — تو جانتا نہیں لب دل بر مکیدہ ہوں

۱۵۔ مزاح کی چاشنی۔ طنز کی کھنک۔ مستزاد ہے

اے سوز تیری باتوں پہ ہنستا ہے سب جہاں — ظالم خدا کو مان سنبھال اپنی جیب کو

۱۶۔ انفرادیت پائی جاتی ہے، جو دوسرے شاعروں کے ہاں نہیں ہے انھوں نے دوسروں سے ہٹ کر اپنی راہ نکالی ہے

کہتے تو ہیں سب ریختہ اس دور میں لیکن — اس فن میں کوئی سوز سے ممتاز نہیں ہے

۱۷۔ نیا رجحان اور نئے تجربے ملتے ہیں اگرچہ اس جدت پر اعتراضات کیے گئے ہیں لیکن تنقید کا انداز منطقی رہا

شاعروں میں سوز کو کہتے ہیں سارے بے خبر — کیا کہوں میاں خلق کی قسمت ہی معکوس ہے

۱۸۔ فصاحت اور سلاست میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو عربی کے مشہور شاعر سحبان کا ہے۔

جب تک جیے وہ نام فصاحت نہ لے کبھو — سحبان سنے جو سوز ترا اب کلام لب

۱۹۔ تمثیل کا وہی خاص انداز، وہی خیال بندی، اور مضمون آفرینی۔ زبان کی وہی فصاحت، وہی ترکیب کی بندش اس قسم کی محاورہ بندی ہے جس کے لیے فارسی شاعر صائب مشہور رہا ہے۔

غزل کہنے میں اب یہ مرتبہ ہے سوز کا یارو ۔۔۔ کہ صائب اس سے جا بیٹھے تو ہو کر لا جواب آئے

۲۰. (الف) نئی ترکیبوں کی صنعت گری ہے (ب) وجدانی باتوں کی ادائگی اس طرح کی گئی ہے کہ وہ مجسم بن کر سامنے آجاتی ہیں (ج) حالات اور کیفیات کی تشبیہ مادّیت اور محسوسات سے دی گئی ہیں جس سے ایک خاص استعجابی اثر پڑتا ہے (د) عشق و عاشقی کی سچی اور صحیح واردات ملتی ہیں (ہ) فلسفہ کم ہے (و) طرز ادا کی جدت ہے (ز) غزلوں میں کسی خاص حالت کو مسلسل اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ساری غزل ایک حالت میں تمام ہو جاتی ہے (ح) روز مرّہ اور محاورات کثرت سے ملتے ہیں۔

یہی خوبیاں فارسی کے بلند پایہ شاعر نظیری کے کلام میں ملتی ہیں اس طرح سوز ذہنی طور سے نظیری سے کتنے قریب ہیں۔

سوز کے اشعار کا کیا پوچھنا ہے شاعرو ۔۔۔ گفتگو میں اس کی پاتا ہوں نظیری کا دماغ

لہٰذا اگر یہ کہہ دیا جائے کہ میر سوز کا اردو شاعری میں وہی مرتبہ ہے جو فارسی میں نظیری کا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

حواشی

[نوٹ :۔ حواشی (۱) تا (۹۲) مقالہ بعنوان "میر سوز کے معاصرین اور ان کا تقابلی مطالعہ" سے متعلق ہیں، اور بقیہ حواشی (۹۳) تا (۱۳۲) مقالہ بعنوان "میر سوز کا کلام: تجزیاتی مطالعہ" سے]

(۱) گ ۔ ہ، صفحہ ۱۲۔

ت ۔ ہ، صفحہ ۵۔

سری رام، لالہ، "خمخانۂ جاوید" جلد اول، مطبوعہ مخزن پریس دہلی، ۱۳۲۵ ہجری۔

(۲) ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، "لکھنؤ کا دبستان شاعری" مطبوعہ اردو مرکز لاہور، ۱۹۸۵، صفحہ ۵۹

(۳) انتقادیات، صفحہ ۲۰۶۔

(۴) د ۔ ج، صفحہ ۹۔

ترق تیغ جب ہم الم دیکھتے ہیں

(۵) د ۔ ج، صفحہ ۱۱۔

(۶) ل ۔ ہ، صفحہ ۱۰۔

(۷) ل ۔ ہ، صفحہ ۱۰۔

(۸) م ۔ ا، صفحہ ۲۰۔

(۹) ک ۔ ہ، صفحہ ۱۱۔

(۱۰) ت ۔ ہ، صفحہ ۱۸۔

(۱۱) د ۔ ف، صفحہ ۵۰۔

(۱۲) نغز، صفحہ ۳۳۔

(۱۳) سعادت یار خاں رنگین، "مجالس رنگین" (ترجمہ) شیر علی خاں سرخوش، مطبوعہ لیاقت پریس لاہور، سنہ ندارد، صفحہ ۲۔

(۱۴) کریم، صفحہ ۱۹۰۔

(۱۵) یہ شعر سوز کے دیوان میں ردیف الف غزل نمبر   میں موجود ہے

(۱۶) ذکا، خوب چند، "عیار الشعراء" قلمی نسخہ مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی، صفحہ ۲۱

(۱۷) م ۔ ن، صفحہ ۵۶۔

(۱۸) سید علی حسن خان "بزم سخن" مطبوعہ مطبع نامی مفید عام پریس آگرہ، ۱۸۹۸ء، صفحہ ۱۵۔

(۱۹) ت۔ ہ، صفحات ۱۹-۱۸۔

(۲۰) گ۔ ہ، صفحہ

(۲۱) ش۔ ا، صفحہ ۲۰۔

(۲۲) ش۔ س، صفحہ ۳۵۔

(۲۳) خواجہ محمد عبدالروف "آب بقا" میں لکھتے ہیں کہ افسوس لکھنؤ میں ہمیشہ رہے اور ان کی شاعری کو شہرت نہیں ہوئی۔ مرنے کے بعد نشان قبر بھی نہیں ملتا (صفحہ ۱۸۱)

(۲۴) د۔ ف، صفحہ ۱۰۲۔

(۲۵) شوق، صفحہ ۳۱۴۔

(۲۶) مصحفی، غلام ہمدانی، "ریاض الفصحا" (مرتبہ) عبدالحق، مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی، ۱۹۳۹ء، صفحات ۵۶-۵۵۔

(۲۷) نغز، صفحہ ۱۳۸۔

کریم، صفحہ ۲۳۱۔

(۲۸) س۔ ش، صفحہ ۸۳۔

(۲۹) ب۔ س، صفحہ ۲۸۔

(۳۰) نغز، صفحہ ۱۵۳۔

(۳۱) گ۔ ہ، صفحہ ۱۰۱۔

(۳۲) ت۔ ہ، صفحہ ۱۰۱۔

(۳۳) منشی دبی پرشاد، "تذکرۂ شعرائے ہنود" مطبوعہ رضوی پریس دہلی، ۱۲۹۹ ہجری، صفحہ ۵۰۔

(۳۴) س۔ ش، صفحہ ۱۳۵۔

(۳۵) گ۔ ہ، صفحہ ۹۲۔

(۳۶) کریم، صفحہ ۱۶۹۔

(۳۷) ہ۔ گ، صفحہ ۹۸۔

(۳۸) فائق، کلب علی خاں، "اورینٹل کالج میگزین" پنجاب یونیورسٹی لاہور، بابت ماہ اگست ۱۹۶۳ء، صفحہ ۶۹۔

(۳۹) گ۔ س، صفحات ۶۶-۶۲۔

(۳۰) م۔ن۔ صفحہ ۳۰۰۔

(۳۱) ش۔ا۔ صفحہ ۱۰۶۔

(۳۲) ت۔ ہ۔ صفحہ ۱۰۶۔

(۳۳) گ۔ ہ۔ صفحہ ۱۳۹۔

(۳۴) شوق، صفحات ۸۸۔۳۸۲۔

(۳۵) نغز، صفحہ ۲۷۶۔

(۳۶) ت۔ ہ۔ صفحہ ۱۳۹۔

(۳۷) آ۔ ب۔ صفحہ ۱۸۲۔

(۳۸) شاہ حاتم و کلام حاتم، صفحہ ۳۲۴۔

(۳۹) نغز، ۳۲۷۔

کریم، صفحہ ۱۳۶۔

خ۔ م۔ صفحہ ۳۵۰۔

(۵۰) س۔ ش۔ صفحہ ۲۰۳ اور ش۔ س۔ صفحہ ۱۶۰۔

(۵۱) س۔ ش۔ صفحہ ۲۳۲۔

(۵۲) نغز، جلد دوم، صفحہ ۲۱۔

(۵۳) ت۔ ہ۔ صفحہ ۱۵۱

(۵۴) م۔ ا۔ صفحہ ۴۳۹۔

(۵۵) م۔ ن۔ صفحہ ۳۸۳۔

(۵۶) م۔ س۔ ش۔ صفحہ ۳۳۹۔

(۵۷) مصحفی، غلام ہمدانی، ”ریاض الفصحا“ (مرتبہ عبدالحق، مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی، ۱۹۳۹ء، صفحات ۱۳۔۲۱۲۔

(۵۸) دیوان ناسخ سن ندارد، شائع کردہ نول کشور، کان پور۔ جلد دوم، صفحہ ۲۱۰۔

(۵۹) گ۔ ہ۔ صفحہ ۱۹۱۔

(۶۰) کریم، صفحہ ۹۵۔

(۶۱) س۔ ش۔ صفحہ ۶۳۷۔

(۶۲) شعرائے ہنود صفحہ ۱۱۲۔

(۶۳) س ۔ ش ، صفحہ ۶۸۷۔

(۶۴) گ ۔ س ، صفحہ ۱۹۱۔

(۶۵) نغز ، صفحہ ۱۳۵۔

(۶۶) خار ، صفحہ ......

(۶۷) خوش معرکۂ زیبا صفحہ ۶۲۸۔

(۶۸) عمد بنگش ، صفحہ ۳۱۲۔

(۶۹) فصیح الدین رنج ، "بہارستان ناز" مطبوعہ مطبع عثمانی میرٹھ ، سن ندارد ، صفحہ ۵۳۔

(۷۰) عبدالجبار خاں ، محبوب الزمن ، "تذکرۂ شعرائے دکن" مطبوعہ مطبع رحمانی حیدر آباد دکن ، ۱۳۲۹ ہجری ، صفحات ۹۶۹۔۷۰۔

(۷۱) بہارستان ناز ، صفحات ۵۳۔۷۶۔

(۷۲) عبدالباری آسی ، تذکرۃ الخواتین ، مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ ، سنہ ندارد ، صفحہ ۹۷۔

(۷۳) تذکرۂ شعرائے دکن ، صفحات ۹۶۹۔۷۰۔

(۷۴) کریم الدین نے اس شعر کو بہو بیگم جانی زوجہ آصف الدولہ کا کہا ہے۔

(۷۵) ش ۔ ا ، صفحہ ۱۹۷۔

(۷۶) نغز ، جلد دوم ، صفحہ ۳۵۲۔

خار ، صفحہ ......

(۷۷) ک ۔ و ، صفحہ ۲۳۶۔

س ۔ ش ، صفحہ ۳۲۶

س ۔ س ، صفحہ ۹۹۔

(۷۸) عمد بنگش ، صفحہ ۹۶۔

(۷۹) ریاض الفصحا ، صفحہ ۳۳۹۔

(۸۰) م ۔ ا ، صفحہ ۹۰۷۔

(۸۱) خار ، صفحہ ۳۲۱۔

(۸۲) ا ۔ ج ، صفحہ ۱۸۸۔

مراۃ الشعرا ، صفحہ ۲۳۱۔

(۸۱) سرور ، رجب علی بیگ ، "فسانۂ عجائب" مطبوعہ رحمانی پریس ، لاہور ، ۱۹۶۷ ، صفحہ ۲۹۔

(۸۲) س۔ س۔ صفحہ ۹۹۔
(۸۳) ت۔ ہ۔ صفحہ ۲۴۳۔
(۸۴) نغز۔ جلد دوم۔ صفحہ ۵۲۔
(۸۵) شوق۔ صفحہ ۵۶۹۔
(۸۶) ریاض الفصحا۔ صفحات ۹۳۔۹۲
(۸۷) شوق۔ صفحہ ۳۵۹۔
(۸۸) ش۔ س۔ صفحہ ۱۲۵۔
(۸۹) ت۔ ہ۔ صفحہ ۲۱۹۔
(۹۰) شوق۔ صفحہ ۳۰۰۔
(۹۱) ت۔ ہ۔ صفحہ ۲۱۹۔
س۔ س۔ صفحہ ۱۰۵۔
(۹۲) نغز۔ جلد دوم۔ صفحہ ۱۸۷۔
(۹۳) ن ش۔ صفحہ ۱۵۱۔
(۹۴) شوق صفحہ ۲۳۱۔
(۹۵) ا صفحہ ۱۱۷۔
(۹۶) ت۔ ہ۔ صفحہ ۱۴۱۔
(۹۷) ت۔ ا۔ ہ۔ صفحہ ۲۰۶
(۹۸) نغز۔ صفحہ ۳۲۰۔
(۹۹) ط۔ س۔ صفحہ
(۱۰۰) د۔ ف۔ صفحہ ۵۰۔
(۱۰۱) کریم۔ صفحہ ۱۳۵۔
(۱۰۲) بہار۔ صفحہ ۱۸۲۔
(۱۰۳) خوش صفحہ ۱۳۳۔
(۱۰۴) د۔ گ۔ صفحہ ۱۳۸۔
(۱۰۵) ش۔ ا۔ صفحہ ۱۱۷۔
(۱۰۶) ت۔ ش۔ صفحہ ۳۲۵۔

(۱۰۷) ت ۔ ہ ۔ صفحہ ۱۲۱۔

(۱۰۸) لغز ۔ صفحہ ۳۳۔

(۱۰۹) م ۔ ا ۔ صفحہ ۳۹۵۔

(۱۱۰) گ ۔ ہ ۔ صفحہ ۱۵۱۔

(۱۱۱) د ۔ ف ۔ صفحہ ۵۰۔

(۱۱۲) ن ۔ ش ۔ صفحہ ۱۵۱۔

(۱۱۳) ت ۔ ش ۔ صفحہ ۳۲۵۔

(۱۱۴) ع ۔ م ۔ صفحہ ۳۳۳۔

(۱۱۵) ء ۔ ا ۔ ہ ۔ صفحہ ۳۷۶۔

(۱۱۶) کریم الدین ۔ صفحہ ۱۳۵۔

(۱۱۷) شوق ۔ صفحہ ۲۳۱۔

(۱۱۸) ش اردو صفحہ ۱۱۸۔

(۱۱۹) گ ۔ ا ۔ صفحہ ۳۳۹۔

(۱۲۰) ح ۔ ش ۔ صفحہ ۳۳۷۔

(۱۲۱) گ ۔ ہ ۔ صفحہ ۱۵۱۔

(۱۲۲) ع ۔ م ۔ صفحہ ۳۳۳۔

(۱۲۳) م ۔ ا ۔ صفحہ ۳۹۶۔

(۱۲۴) لغز ۔ صفحہ ۳۲۰۔

(۱۲۵) آ ۔ ب ۔ صفحہ ۱۸۷۔

(۱۲۶) ش ۔ ا ۔ صفحہ ۱۱۷۔

(۱۲۷) ط ۔ س ۔ صفحہ

(۱۲۸) گ ۔ ا ۔ صفحہ ۳۳۹۔

(۱۲۹) د ۔ ف ۔ صفحات ۵۱-۵۰۔

(۱۳۰) د ۔ ف ۔ صفحہ ۵۰۔

(۱۳۱) ت ۔ ا ۔ ہ صفحہ ۳۷۹۔

(۱۳۲) ح ۔ ش ۔ صفحہ ۳۳۷۔

(۱۲۳) نغز، صفحہ ۳۲۰۔

(۱۲۴) د۔ ف، صفحہ ۵۰۔

(۱۲۵) تاریخ ادب اردو، صفحہ ۱۵۷۔

(۱۲۶) خار، صفحہ ۱۳۱۔

(۱۲۷) خزان، صفحہ ۱۱۵۔

(۱۲۸) مراۃ الشعراء، صفحہ ۲۳۲۔

(۱۲۹) آ۔ ح، صفحہ ۱۸۲۔

(۱۳۰) تاریخ ادب اردو صفحہ ۱۵۸۔

(۱۳۱) مراۃ الشعرا، صفحہ ۲۳۱۔

(۱۳۲) ع۔ م، صفحہ ۳۳۳۔

(۱۳۳) خوش، صفحہ ۱۲۳۔

محولہ تذکرے

(مع نشان حوالہ)

۱۔ نکات الشعراء (ن ش)، میر، (تصنیف ۶۹-۱۱۶۴ھ)، طبع دہلی، ۱۹۳۵ء

۲۔ ریختہ گویاں (ر گ)، گردیزی، (۱۱۶۵ھ)، اورنگ آباد، ۱۹۲۲ء

۳۔ مخزن نکات (م ن)، قائم، (۱۱۶۸ھ)، اورنگ آباد، ۱۹۲۹ء

۴۔ چمنستان شعراء (چ ش)، شفیق، (۱۱۷۵ھ)، اورنگ آباد، ...

۵۔ طبقات الشعراء (شوق)، شوق، (۱۱۸۸ھ)، لاہور، ۱۹۶۸ء

۶۔ شعرائے اردو (ش ا)، میر حسن، (۹۲-۱۱۸۸ھ)، علی گڑھ، ۱۹۲۳ء

۷۔ تذکرہ شورش (ت ش)، شورش، (۱۱۹۳ھ) پٹنہ، ۱۹۵۹ء

۸۔ گلشن سخن (گ س)، مبتلا لکھنوی، (۱۱۹۳ھ)، لکھنو، ۱۹۶۵ء

۹۔ گلزار ابراہیم (گ ا)، خلیل، (۱۱۹۸ھ)، قلمی، انجمن کراچی۔

۱۰۔ تذکرہ ہندی (ت ہ)، مصحفی، (۱۲۰۹ھ)، دہلی، ۱۹۳۵ء

۱۱۔ عیار الشعراء (ع ش) ۰ ذکا ۰ (۱۲۱۳ھ) ۰ عکس ۱۰ انجمن کراچی۔

۱۲۔ تذکرہ عشقی (ت ع) ۰ عشقی ۰ (۱۲۱۵ھ) ۰ پٹنہ ۰ ۱۹۵۹ء

۱۳۔ گلشن ہند (گ ہ) ۰ علی لطف ۰ (۱۲۱۵ھ) ۰ حیدرآباد دکن ۰ ۱۹۰۶ء

۱۴۔ عمدہ منتخبہ (ع م) ۰ سرور ۰ (۱۲۱۶۔۱۹ھ) ۰ دہلی ۰ ۱۹۶۱ء

۱۵۔ مجمع الانتخاب (م ا) ۰ شاہ کمال ۰ (۱۲۲۱ھ) ۰ نقل ۱۰ انجمن کراچی۔

۱۶۔ مجموعہ نغز (م ن) ۰ قاسم ۰ (۱۲۲۱ھ) ۰ لاہور ۰ ۱۹۳۳ء

۱۷۔ طبقات سخن (ط س) ۰ مبتلا میرٹھی ۰ (۱۲۲۲ھ) ۰ قلمی ۰ شاہجہاں پور۔

۱۸۔ دیوان جہان (د ج) ۰ بینی نرائن ۰ (۱۲۲۲ھ) ۰ پٹنہ ۰ ۱۹۵۹ء

۱۹۔ تذکرۃ الشعراء (ش) ۰ طوفان ۰ (۱۲۲۸ھ) ۰ پٹنہ ۰ ۱۹۵۲ء

۲۰۔ دستور الفصاحت (د ف) ۰ یکتا ۰ (۱۲۲۹ھ) ۰ رام پور ۰ ۱۹۴۳ء

۲۱۔ گلشن بے خار (خار) ۰ شیفتہ ۰ (۱۲۵۰ھ) ۰ لکھنو ۰ ۱۹۱۰ء

۲۲۔ تاریخ ادب ہندستانی (ت ا ہ) ۰ دتاسی ۰ (۱۸۴۳۔۷۰ء) ۰ ترجمہ اردو۔

۲۳۔ بہار بے خزاں (خزاں) ۰ سحر ۰ (۱۲۶۱ھ) ۰ دہلی ۰ ۱۹۱۸ء

۲۴۔ گلستان بے خزاں (گ ل) ۰ باطن ۰ (۱۲۶۱ھ) ۰ لکھنو ۰ ۱۲۹۱ء

۲۵۔ خوش معرکہ زیبا (خوش) ۰ ناصر ۰ (۱۲۶۲ھ) ۰ نسخہ انجمن کراچی۔

۲۶۔ طبقات الشعرائے ہند (کریم) ۰ کریم الدین و فیلن ۰ (۱۲۶۳ھ) ۰ دہلی ۰ ۱۸۴۸ء

۲۷۔ سراپا سخن (س ص) ۰ محسن ۰ (۱۲۶۹ھ) ۰ کانپور ۰ ۱۸۶۰ء

۲۸۔ یادگار الشعراء (ی ش) ۰ اسپرنگر ۰ (۱۲۶۹ھ) ۰ الہ آباد ۰ ۱۹۴۳ء

۲۹۔ گلشن ہمیشہ بہار (بہار) ۰ خویشگی ۰ (۱۲۷۱ھ) ۰ کراچی ۰ ۱۹۶۶ء

۳۰۔ سخن شعراء (س ش) ۰ نساخ ۰ (۱۸۹۳ء) ۰ لکھنو ۰ ۱۸۷۴ء

۳۱۔ شمیم سخن (ش س) ۰ صفا ۰ (۱۲۸۹ھ) ۰ مراد آباد ۰ ۱۲۸۸ھ

۳۲۔ بزم سخن (ب س) ۰ علی حسن خان ۰ (۱۲۹۷ھ) ۰ آگرہ ۰ ۱۲۷۸ھ

۳۳۔ طور کلیم (ط ک) ۰ نورالحسن خں ۰ (۱۲۹۷ھ) ۰ آگرہ ۰ ۱۲۹۸ھ

۳۴۔ آب حیات (ا ح) ۰ آزاد ۰ (۱۲۹۷ھ) ۰ لاہور ۰۰۰

۳۵۔ جلوہ خضر (ج خ) ۰ صفیر ۰ (۱۳۰۰ھ) ۰ آرہ ۰ ۱۸۸۵ء

۳۶۔ آب بقا (آ ب) ۰ عشرت ۰ (۱۹۱۸ء) ۰ لکھنو ۰ ۱۹۱۸ء

ڈاکٹر نذیر احمد :

اکبری دور کا فارسی ادب

اکبر بادشاہ مغلیہ خاندان کا تیسرا فرماں روا تھا جس نے ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک حکومت کی ۔ اس کا طویل دور سیاسی اعتبار سے نہایت کامیاب دور تھا۔ اس کی اندرونی اور بیرونی پالیسی ہر طرح کی کامیابی سے ہمکنار تھی۔ اس کا دور علمی لحاظ سے بھی بڑا شاندار دور رہا ہے۔ اس کے زمانے میں علمی و ادبی لحاظ سے ہندوستان ترقّی کے بلند ترین درجے پر فائز ہوچکا تھا ۔ اس کے زیر سایہ فارسی ادب نے جیسا فروغ پایا اس کی مثال کسی اور جگہ نہیں ملتی ۔ اس کا عہد امن و امان کا عہد تھا ۔ اور مدّتوں کسی خاص قسم کا تعصّب اس کے یہاں نہ تھا ۔ ہر مذہب و ملت کے لوگ آرام اور چین سے زندگی گذارتے تھے۔ بر خلاف اس کے ، ایران کے صفوی دور میں مذہبی تنگ نظری بڑے زوروں پر تھی ۔ صفوی حکمراں کی پالیسی مذہب سے جُڑی ہوئی تھی ۔ وہ اپنے مذہب سے مخالف ہر تحریک کو کچلنے میں لگے ہوئے تھے ۔ ہندوستان میں مذہبی آزادی اور معاصر ایران میں اس سلسلے کی تنگ نظری کی وجہ سے فارسی ادب نے ایک نیا موڑ اختیار کیا ۔ ایران کے گھُٹے گھُٹے ماحول سے تنگ آکر ہزاروں شاعر ، ادیب ، عالم ، فاضل ، اپنا وطن چھوڑ چھوڑ کر ہندوستان آئے اور یہاں کی آزاد فضا میں زندگی بسر کرنے لگے ۔ اس صورت حال کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حال ہی میں ایک ضخیم کتاب " کاروانِ ہند " تہران سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے ۔ ان جلدوں کی ضخامت ۱۵۳۸ صفحات کی ہے ۔ مُصنّف مشہور مُحقق و ہند شناس احمد گلچین معانی ہیں۔ ان جلدوں میں ۱۵۶۳ ایسے شاعروں اور ادیبوں کا مُفصّل تذکرہ ہے جو صفوی دور میں ایران چھوڑ کر ہندوستان چلے آئے ۔ اس کے علاوہ تیس اور شاعر ہیں جن کو مؤلف نے مشکوک قرار دیا ہے ۔ یعنی یا تو ان کا ایرانی ہونا یا ہندوستان آنا مشکوک ہے ۔ ان شاعروں اور ادیبوں میں ایسے لوگ شامل نہیں جو سنٹرل ایشیا یعنی سمرقند و بخارا ، فرغانہ ، خوارزم اور دوسرے فارسی بولنے والے علاقوں کے تھے ۔ ان میں وہ شعراء بھی شامل نہیں جو مغلیہ دور سے پہلے فارسی زبان کے خطّوں سے ہندوستان آگئے تھے ۔ اس کے علاوہ مزید تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ " کاروان ہند " میں کافی ایرانی شعراء بھی شامل نہیں ہوسکے ہیں ۔ اس کتاب کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ایران کے مقابلے میں ہندوستان

کا فارسی ادب نہایت غنی ہے، اور اس اعتبار سے ہندوستان کو ایران پر تفوق حاصل ہے لیکن ہمیں اس کا احساس نہیں، ہم احساس کمتری کے شکار ہیں، اسی وجہ سے اپنے ہی سرمایہ کی صحیح قدر دانی سے غافل ہیں۔ دراصل فارسی کا یہ عظیم سرمایہ ہندوستانی سرمایہ ہے۔ حق یہ ہے کہ فارسی اسی ملک کی زبان ہے، اور اس کا عظیم علمی و تہذیبی سرمایہ خارجی نہیں داخلی ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ اس کے ساتھ وہی سلوک روا رکھا جائے جو ہندوستان کی دوسری زبانوں اور تہذیبوں سے روا رکھا جاتا ہے۔ اس صورت حال کے پیدا کرنے میں اکبر بادشاہ کی عادلانہ پالیسی کا بڑا دخل ہے، اس کا بخوبی احساس ہونا چاہیے، اور اسی احساس کے ساتھ فارسی زبان و ادب کا مطالعہ نمو مند ہو سکتا ہے۔

اسی دور میں ایران میں ایک نیم مذہبی و سیاسی تحریک نے زور پکڑا، اس کا نام نُقطوی تحریک تھا، رفتہ رفتہ یہ تحریک مذہبی تحریک ہو گئی۔ صفوی حکمرانوں کو اس کی طرف سے خطرہ محسوس ہونے لگا، چنانچہ اس کو ختم کرنے کے لیے صفویوں نے ہزاروں نُقطویوں کو موت کے گھاٹ اتارا، ادھر ہندوستان میں اکبر اعظم فرماں روا تھا، اس کے یہاں ایران سے آنے والوں کو ہندوستان میں آنے کی کھلی چھوٹ تھی، ایران میں نُقطویوں پر جو ظلم ہو رہا تھا اکبر کو اس کا پورا احساس تھا۔ ابوالفضل اس فرقے کے سربراہوں سے خط و کتابت کرتا اور اکبر کو وہاں کے حالات سے باخبر رکھتا، اکبر پر اس جماعت کا اتنا اثر ہوا کہ ان نے اس فرقے کے سربراہ سیّد احمد کاشی کے نام فرمان جاری کیا اور اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔ وہ تو نہیں آسکا لیکن اس فرقے کے سیکڑوں افراد آئے، جنھوں نے اپنی تعلیمات و تبلیغات سے یہاں کے لوگوں کو بُری طرح متاثر کیا، یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اکبری دور کی بعض اور تحریکوں کی طرح نقطوی تحریک بھی مخالف اسلام تحریک تھی، اکبری دور میں اس کی پذیرائی میں اس کی مخالف اسلام پالیسی کا دخل بھی تھا، قابل ذکر بات ہے کہ شروع میں اکبر اسلام کا قدردان تھا لیکن بعد میں شدّت پسندی اختیار کی، اس سے اسلامی روایات کو ضرب کاری لگی۔ صفوی دور میں نُقطویوں پر جو مظالم ہوئے ان کی داستان اس عہد کی مشہور تاریخ عالم آرائے عبّاسی میں تفصیل سے ملتی ہے، شاہ طہماسپ صفوی کے دور میں ایک نُقطوی شاعر ابو القاسم امری شاہی حکم کے بموجب اندھا کر دیا گیا، وہ عالم و فاضل اور محمود پسیخانی کے مریدوں میں تھا اسی کی وجہ سے اکبری عہد کے بیسویں سال ۹۸۳ھ میں اس کی آنکھ میں سلائی پھرائی گئی اور کچھ دنوں بعد اسے قتل کر دیا گیا، طہماسپ صفوی کے زمانے میں کاشان میں نُقطویوں کی گرفتاری کا واقعہ میرزا

جعفر قزوینی تاریخ الفی میں اس طرح بیان کرتا ہے:

ایران میں انجدان اور کاشان کے دیہات کے باشندے مراد نامی ایک شخص کی تائید میں کھڑے ہوگئے جو امامت کا دعویٰ کرتا تھا۔ انھی ایام میں ایک دوسری جماعت بھی انھی اطراف میں پیدا ہوئی یہ محمود پسیخانی کی طرف دار تھی جو نبوّت کا دعوی کرتا تھا۔ ایران کے فرماں روا نے ہمدان کے حاکم امیر خاں موصلو کو انجدان بھیجا اور راقم کے والد بدیع الزماں کو کاشان میں تعینات کیا .... اس طرح سارے ملزمین پکڑے گئے اور شاہی دربار بھیج دیے گئے۔ اسی زمانے میں نقطویوں کا ایک گروہ قزوین میں گرفتار ہوا۔ تقی کاشی کے قول کے مطابق حیاتی کاشی نے نقطویوں سے ارتباط پیدا کیا تو شاہ طہماسپ کے حکم سے گرفتار ہوا، دو سال بعد رہا ہوا، تو شیراز آیا۔ ۹۸۰ھ میں پھر کاشان گیا۔ آخر میں ہندوستان آگیا۔ تقی کاشی کا قول ہے کہ جب وہ خلاصۃ الاشعار لکھنے میں مشغول تھا تو ۹۹۳ھ میں حیاتی کاشی احمد نگر میں موجود تھا"۔

طہماسپ شاہ کے عہد کے ایک واقعے کی تفصیل اسکندر منشی نے عالم آرائے عباسی میں اس طرح دی ہے:

درویش خسرو قزوین کے نچلے طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے باپ دادا کا پیشہ ترک کر کے درویشی اور قلندری کا جامہ پہنا اور نقطویوں کی صحبت میں وسعت مشربی کے لیے مشہور ہوگیا۔ اور مسجد کے ایک گوشے میں مقیم ہوگیا۔ رفتہ رفتہ درویشوں کی ایک جماعت اس کے پاس جمع ہوگئی اور وہ انھیں نقطوی تعلیم کی تلقین کرتا رہا۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے واقعات کی تفتیش کرائی۔ مگر خسرو شرعی زد میں نہیں آیا البتہ مسجد سے اخراج کا حکم جاری ہوگیا۔ البتہ درویش خسرو کے باطل مذہب کی پیروی میں شک نہیں"۔

اکبر بادشاہ کا ایک فرمان جو نقطوی سرگروہ میر سیّد احمد کاشی کے نام ہے اس میں

درویش خسرو کے بارے میں یہ اطلاع ملتی ہے ؛

"ہماری باطنی و روحانی توجّہ کی خوش خبری جو دانائی کی اکسیر ہے
اسے منتخب عقیدت مند اور چیدہ عالی مشرب یعنی سدید الدّین
درویش خسرو کو پہنچائیں جن کا اخلاص ابوالفضل جیسے راست گو
اور مردم شناس کے وسیلے سے ہمارے مقدس ضمیر میں راسخ ہوا ،
اور انھیں ہماری عنایتوں کا امیدوار بنائیں "۔

ایران میں سلطان محمّد خدا بندہ (۹۸۵ھ - ۹۹۶ھ) کے عہد میں نقطویوں پر سختی جاری رہی ، لیکن شاہ عباس کے زمانے میں ان کے حالات اور بدتر ہوئے ، قزوین نقطوی تحریک کا بڑا مرکز ہوگیا ، درویش خسرو کی اس شہر میں خانقاہ تھی ، شاہ عبّاس شروع میں اس کی خانقاہ میں جاتا ، بالآخر اس کو معلوم ہوگیا کہ یہ خانقاہ نقطوی تحریک کا بڑا مرکز ہے ۔ آخر میں اپنی حکومت کے چھٹے سال ۱۰۰۲ھ میں وہ نقطویوں سے ایسا برگشتہ ہوا کہ ہزاروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ، اسی درمیان جلال یزدی کی پیشین گوئی کے بموجب نحوست کی گھڑی ٹل جانے کے لیے نقطوی سردار یوسفی ترکش دوز کو تخت پر بٹھا کر قتل کر دیا گیا ، درویش خسرو اور دوسرے متعدّد نقطوی قزوین کے اطراف میں قتل ہوئے ، اس سلسلے میں حکیم رکنائے کاشی نے یہ قطعہ کہا :

شہا توئی کہ در اسلام تیغ خونخوارت   ہزار ملحد چون یوسفی مسلمان کرد
فتاد در دلم از یوسفی و سلطنتش   دو بیت قطعہ مثالی کہ شرح نتوان کرد
جہانیاں ہمہ رفتند پیشِ او بہ سجود   دمی کہ حکمِ تو اش پادشاہِ ایران کرد
نکرد سجدۂ آدم بحکمِ حق شیطان   ولی بحکمِ تو آدم سجودِ شیطان کرد

شاہ عباس اصفہان آیا تو کاشان میں سب سے بڑے نقطوی سردار سیّد احمد کاشی کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ، اس کے خطوط میں ابوالفضل کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی نقطوی عقیدے سے ہمکنار ہے ، اسکندر منشی لکھتا ہے :

اس طائفے کے سرداروں میں میر سیّد احمد کاشی تھا ، اس کی وجہ
سے بہت سے بد بخت گمراہی کی راہ پر جا پڑے ، پاک اعتقاد پادشاہ
نے نصر آباد کاشان میں اس کو اپنی تلوار سے قتل کیا ، اس کی
کتابوں میں جو رسالے ملے ان سے ظاہر ہوا کہ نقطوی حکماء عالم کو

قدیم مانتے ہیں اور حشر اجساد و قیامت پر یقین نہیں رکھتے۔ ان کے
نزدیک اعمال کے اچھے یا برے ہونے کے نتیجے میں جو عافیت یا
ذلت ملتی ہے وہی بہشت و دوزخ ہے۔ درویش کمال اصفہانی اور
درویش ترابی جو ان کے مقتدا تھے وہ دونوں اپنے تین چار مریدوں
کے ساتھ خراسان کی راہ میں قتل ہوئے ... درویش خسرو کے
بعض ترک مرید اسی جرم میں قتل کیے گئے۔ اس طرح معلوم ہوا کہ
تمام ممالک محروسہ میں اس باطل فرقے کی ریشہ دوانیاں کتنی گہری
ہیں۔ ہندوستان سے آنے جانے والوں سے معلوم ہوا کہ شیخ
مبارک کا بیٹا جو ہندوستان کے فضلاء میں ہے اور دربار اکبری
میں بہت زیادہ تقرب حاصل کرچکا ہے اسی مذہب کا پیرو ہے۔
اس نے اکبر بادشاہ کو وسیع المشرب بنا کر جادۂ شریعت سے
مُنحرف کر دیا ہے۔ اس کا خشور جو میر مذکور کے کاغذات میں
دستیاب ہوا، ابوالفضل کے نقطوی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔
شریف آملی جو جامع فضائل تھا اسی فرقے کے اکابر سے تعلق رکھتا
تھا اپنے زمانے کی سخت گیریوں سے تنگ آکر ہندوستان چلا آیا۔
حضرت بادشاہ اکبر اس کی بڑی تعظیم کرتے اور اس کے ساتھ پیر
جیسا سلوک کرتے تھے"۔

رفتہ رفتہ نقطویوں کی پناہ گاہ ہندوستان قرار پایا۔ شروع کے واردین میں میر شریف آملی ہے۔ وہ پہلے دکن آکر رہا۔ اس نے وہاں اپنے عقیدے کی تبلیغ شروع کی تو لوگ اتنے بدظن ہوئے کہ اس کے قتل کے درپے ہوگئے۔ وہ وہاں سے بھاگ نکلا اور مالوہ میں پناہ لی۔ انھی ایام میں اکبر بادشاہ اسی علاقے میں خیمہ زن تھا۔ وہ میر کے پاس پہنچا اور باوجود معلوم ہونے کے کہ وہ محمود پسیخانی کے عقیدے کا پیرو ہے، بادشاہ کا مقرّب ہوگیا۔ اور امرائے ہزاری میں داخل ہوا۔ مآثر الامراء میں ہے کہ:

میر شریف آملی نے تصوّف میں کافی دستگاہ بہم پہنچائی تھی۔ پھر
اس میں الحاد و زندقہ کا الحاق کر کے عجیب و غریب خیالات و
عقائد کا معجون مرکب تیار کیا۔ پھر ہمہ اوست کا دعویٰ کرنے لگا

اور سب کو اللہ کہنے لگا۔ اکبر کے عہد میں صلح کل اور وسعت مشرب کا دور دورہ تھا ہی۔ بادشاہ کے نزدیک سلطنت سایۂ رب ہے۔ فیض کسی ایک جماعت یا فرد کا حصہ نہیں۔ ہر مذہب و مشرب کے فرد کو اس فیض سے بہرہ مند ہونے کا استحقاق ہے۔ ایسے دربار میں میر شریف آملی کی بڑی قدر دانی ہوئی۔ روز بروز اس کے مرتبے میں اضافہ ہوتا رہا۔ ۹۹۲ھ میں کابل کی صدارت و امینی کے عہدے پر فائز ہوا ۹۹۹ھ میں بنگال میں خدمت چہار گانہ خلیگی۔ امینی۔ صدارت۔ قضا سے سرفراز ہوا ۱۰۰۹ھ میں اجمیر اس کو جاگیر میں ملا۔ اور لکھنؤ کے قریب قصبہ موہان بھی اس کو بطور تیول ملا۔ پھر سہ ہزاری منصبدار مقرر ہوا۔ کچھ دنوں بعد وفات پائی اور موہان ہی میں دفن ہوا۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اکبر نقطویوں کا کتنا ہمدرد تھا اور کس طرح وہ نقطویوں کو ہندوستان آنے کی دعوت دیتا تھا۔ اس کے اتنے اچھے برتاؤ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس باطل عقیدے سے کتنا قریب تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب اس فرقے کے لوگ صفوی حکمرانوں کے حکم سے قتل ہوتے تھے تو اکبر کو بڑا رنج ہوتا تھا۔ وہ ایک طرف تو نقطویوں کے لیے ہندوستان میں داخلے کا دروازہ کھلا رکھتا۔ اور دوسری طرف صفوی فرماں رواؤں پر ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا دباؤ ڈالتا تھا۔ ایک فرمان میں لکھتا ہے:

> آپ کو ملک کے انتظام اور عام لوگوں کی بھلائی کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے۔ اور فتنہ پردازوں کے بہلاوے میں آکر پریشان خاطر نہ ہونا چاہیے۔ بردباری اور چشم پوشی کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ آدمیوں کو قتل کرنے اور خدا کی بنیاد ڈھانے میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے کیوں کہ بسا اوقات خود غرضوں کی حیلہ پردازی سے مخلص دوستوں کو زہر ہلاہل پلانا پڑتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ دوست نما بد خواہوں نے عقیدت کا لباس پہن کر حکومت کی بنیاد کھود ڈالی ہے۔ انسانوں کے ضمائر کے جاننے کی برابر کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ اور اس زندگانی بے بقا کی چند روزہ اقامت کو خدا کی

رضا و خوشنودی سے وابستہ رکھنا چاہیے۔ انسانوں کی تالیف قلب کرتے رہنا چاہیے۔ تمام انسانوں کو بلا اختلاف مذہب و نسل اپنی عام رحمت میں شریک رکھنا چاہیے۔ اور صلح کل کے سدا بہار گلشن کے حصول کی کوشش کرنا چاہیے۔ جب خدا ہر مذہب و ملت کے لوگوں پر فیض کا دروازہ کھلا رکھتا ہے تو بادشاہ تو خدا کے سائے ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ وہ اس روش کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ خدا نے تو ان کو دنیا کے انتظام اور خلق کی پاسبانی کے لیے پیدا کیا ہے تاکہ عام لوگ ان کے سائے میں عزت و عافیت کی زندگی بسر کرسکیں۔ لوگ دنیاوی امور میں جو فانی و ناپائیدار ہیں دیدہ و دانستہ غلطی کا ارتکاب نہیں کرتے تو دینی امور میں جو باقی رہنے والے ہیں تساہل کیوں برتیں گے۔ اگر وہ حق بجانب ہوں تو انصاف کا تقاضا ہے کہ ان کی پرورش کی جائے اور اگر ان سے غلطی سرزد ہوئی ہے تو ان پر شفقت کرنی چاہیے۔ شورش و سرزنش کی ضرورت نہیں۔

ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں کہ عالم آرائے عباسی اور مآثر الامراء کی روایت ہے کہ جب نقطوی سرگروہ سید احمد کاشی ۱۰۰۲ھ میں ہزاروں نقطویوں کے ساتھ قتل ہوا تو اس کے کاغذات میں ابوالفضل بن شیخ مبارک کے خط میں اکبر کا فرمان ملا تھا جس سے ابوالفضل کا نقطوی ہونا مسلم ہوگیا تھا۔ (اتفاق دیکھیے کہ وہی فرمان پروفیسر نظامی کی کتاب اکبر اینڈ ریلیجن میں بطور ضمیمہ شامل ہے۔ گو اس میں عالم آرائے عباسی اور مآثر الامراء کا حوالہ نہیں۔) اس اہم فرمان کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ اس سے اکبر کی مذہبی پالیسی آئینہ ہوجائے گی:

"حضرت جلال الدین اکبر بادشاہ کا فرمان امیر احمد کاشی کے نام"

(ترجمہ) نسبت معنوی اور قرب باطن دور بین اور حق شناس اہل نظر کی توجہ کا قبلہ رہا ہے۔ کتنا اچھا وہ خوش نصیب ہے جو روحانی تعلقات کو استوار کرکے اپنے رب کی پرستش میں لگا رہتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ نبوت کے باغ کے اس درخت اور پاکیزگی کے ریگ زار کے اس چشمے یعنی صفی الدین احمد کاشی پر یہ حقیقت

پوری طرح روشن ہے۔ وہ درگاہ خداوندی کے اس نیاز مند (یعنی اکبر بادشاہ) کی حق شناسی کے مراتب کی طرف پوری طرح متوجہ ہے۔ اسے جسمانی دوری کی وجہ سے آزردہ خاطر نہ ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ ہم روحانی طور پر ایک دوسرے سے نزدیک ہیں۔ چوں کہ مدت سے میرے حقیقت اساس دل میں اہل ایران کی محبت کا خیال جاگزیں ہے میری خواہش ہے کہ وہ جماعت (نقطوی) صوری و معنوی قرب حاصل کر کے ظاہری و باطنی کامیابی سے ہم کنار ہو۔ اگرچہ اس حقیقت آگاہ کی اپنے عقیدت مندوں کے درمیان موجودگی محض اتفاق حسنہ کا نتیجہ ہے لیکن اس کے عرفان کی وجہ سے عقیدت مندوں کا ہونہار طبقہ ہدایت پا چکا ہے ضروری ہے کہ واردات غیبی اور مشکلات راہ خداوندی کی صحیح صورت ہماری درگاہ میں جہاں اخروی مسائل حل ہوتے ہیں پیش کریں اور ارادت و عقیدت کی سلسلہ جنبانی کریں۔ اور ہماری باطنی و روحانی توجہ کی خوشخبری جو اکسیر دانائی ہے۔ عقیدت مندوں میں منتخب اور نیک فطرتوں اور عالی مشربوں میں برگزیدہ یعنی سعید الدین درویش خسرو کو پہنچائیں جس کا اخلاص ابوالفضل جیسے راست گو اور مردم شناس کے واسطے سے ہمارے مقدس ضمیر میں راسخ ہوا اور انھیں ہماری عنایات کا امیدوار بنائیں۔ اور ایسی سعادت جماعت جو مادہ پرست ہے اور جن کے دل تقلید کے مادے سے آلودہ ہیں، ان کی رہنمائی کریں اور ان کی آنکھوں کو تحقیق کی روشنی بخشیں۔ اس ہونہار نوجوان کی خوبیوں اور ہنرمندیوں کی جلوہ نمائی ہماری چشم جہاں بین میں موجود ہے۔ مزید یہ کہ رشید الدین اسحاق جن کا شمار بڑے فضلاء اور اہل استعداد میں ہے اور جو روحانیت و عرفان کے مشرب میں بڑے درجے پر فائز ہیں اگر وہ ہمارے دربار سے وابستہ ہوجائیں تو کیا مضائقہ ہے۔ آپ جیسی باخبر اور حق شناس ذات سے امید ہے

کہ امنا (نقطویں) کی جو جماعت اس ملک میں ہے اس کی بابت اطلاع دیتے رہیں۔ کسی خوش نصیب کی خوش نصیبی اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ اسے ہمارے حضور مقدس کی سعادت جو اہل نظر کی آنکھوں کا سرمہ ہے حاصل ہو۔ اگر موانع کی وجہ سے یہ سعادت حاصل نہ ہوسکے تو دوسری بار حضور مقدس میں ان کی حاضری ہوجائے۔ دوری مسافت کی وجہ سے محض مختصر سے تبرک کے ساتھ یہ صحیفہ مختص ہے۔ آذر ماہ سنہ ۹۳۔

اکبر نے ایک اور فرمان میں شاہ عباس کو بہت سی نصیحتیں کی ہیں اور مذہبی سختی کی جو فضا ایرانی معاشرے میں گھٹن پیدا کیے ہوئے تھی، اس کو ختم کرنے کی خواہش کی گئی ہے۔ چند جگہ سے کچھ عبارتوں کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

"آج جب کہ ایران میں تجربہ کار اور دور اندیش دانشمندوں کی کمی دکھائی دیتی ہے آپ جیسے پاک نژاد فرماں روا کو ملکی انتظام اور بہبودی عوام کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ دھوکے بازوں اور مکاروں کی طمع آمیز باتوں میں نہ آنا چاہیے۔ قدیم خادموں کی لغزشوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ آدمیوں کے قتل اور بنیاد ربانی کے انہدام سے پرہیز کرنا چاہیے۔ بہت سے دوست نما دشمن عقیدت کا لباس پہن کر اساسِ دولت کی تخریب میں کوشاں رہتے ہیں۔ فرماں روا کے لیے ضروری ہے کہ وہ آدمیوں کے ضمیر کو پہچانے۔ انسان اللہ تعالیٰ کے خزانے کے بیش قیمت جواہر ہیں۔ ان پر شفقت اور عنایت کی نظر رکھنا چاہیے۔ رحمت عامّہ میں ہر ملّت و مذہب کے لوگوں کو شامل رکھنا چاہیے اور شفقت و محبت کو کام میں لاکر "صلح کل" کے سدا بہار گلشن میں داخل ہونا چاہیے۔ جب خدائے تعالیٰ اپنے مختلف الخیال اور مختلف الاحوال بندوں کو شفقت کی نظر سے دیکھتا ہے تو سلاطین پر جو ظل اللہ ہیں لازم ہے کہ وہ انسانی ہمدردی کا طریقہ کسی حال میں اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ تحمّل و بردباری کو اپنا دائمی مصاحب بنانا

چاہیے کہ پائیدار دولت کی بنیاد اسی پر قائم ہے"۔

اکبر کے اس فرمان کے دو جواب آئے۔ ان میں سے ایک کا لہجہ کافی درشت تھا، دوسرے جواب میں داخلی و خارجی امور کے ذکر کے بعد دو باتوں کو پُر زور طریقے سے شامل کیا گیا تھا۔

۱۔ بخارا اور ماوراء النہر کے خطّوں میں دوازدہ امام کے نام کا خطبہ اور سکّہ جاری ہوگا اور اعدائے دین پر تبرّے کا رواج ہوگا۔

۲۔ "صلح کل" کے بجائے اشقیائے دیں سے جنگ ہوگی، اس لیے کہ ہر نبی کا یہی عمل رہا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایران کی سخت مذہبی پالیسی کا نتیجہ ہزاروں تعلیم یافتہ ایرانیوں کی ہجرت کی شکل میں رونما ہوا جن میں بڑی تعداد نقطویوں کی بھی شامل تھی۔ ان میں جو تاریخوں اور تذکروں میں مذکور ہیں، چند یہ ہیں:

میر شریف، حیاتی کاشی، میر تشبیہی کاشی، محمّد صوفی مازندرانی (مشکوک) باقر کاشانی، حکیم عباد اللہ کاشانی، عبدالغنی یزدی، میر مومن اداتی تقی پیرزادہ وغیرہ

نقطوی عقاید کے شعراء نے گاہے گاہے اپنے عقیدے کا اظہار اپنی نظموں میں کیا ہے۔ اس طرح اکبری دور کے فارسی ادب میں نقطوی عقاید والے اشعار بھی ملتے ہیں۔ تشبیہی کاشی کا یہ قطعہ ملاحظہ ہو:

چوں شمع تا بمہر تو ارزندہ گشتہ ایم   سرِدادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم
مارا کہ کشتہ اند بصد ضربت فراق   دیگر ز یمن فیض نظر زندہ گشتہ ایم
مارا چو آفتاب مساوی است مرگ و زیست   گر شام مردہ ایم سحر زندہ گشتہ ایم
تشبیہی از یہ تیغ سر ما بریدہ اند   سر دادہ ایم و باز ز سر زندہ گشتہ ایم

اکبری عہد میں آذر کیوانی فرقہ ظہور میں آتا ہے۔ اس فرقے نے ایک طرف تو ایک جعلی مذہب کی بنیاد ڈالی تو دوسری طرف ایک جعلی کتاب دساتیر تیار کی جس کے مطالب اور جس کی زبان دونوں جعلی اور بے بنیاد ہیں۔ آذر کیوان کے بارے میں محمّد معین لکھتے ہیں:

آذر کیوان یکی از روحانیوں بزرگ زرتشی (قرن ۱۱ھ) از مردم

شیراز یا حوالی آن (وفات پٹنہ ۱۰۲۰ھ) باگروہے از مریدان خود
ہندوستان شتافت ۰ آذر کیوان موسس فرقہ الیست مذہبی کہ
ترکیبی است از ادیان زرتشتی ۰ اسلام ۰ برہمنی ۰ مسیحی ۰ وی را
ذوالعلوم لقب دادہ اند منظومہ ای بنام جام کیخسرو در شرح
مشاہدات وی بدو منسوب است :

آذر کیواں کے پیرووں نے دساتیر نام کی ایک جعلی کتاب مرتب کی ۰ یہ حسب ذیل ۱۶
کتابوں کا مجموعہ تھا جو دساتیری پیغمبروں پر سنکھوں سال کی مدت کے درمیان وجود میں آئیں :

نامۂ شت مہا باد ۰
نامۂ شت جی افرام ۰
نامۂ شت شای کلیو ۰
نامۂ شت وخشور یاسان
نامۂ شت وخشور گلشاہ ۰
نامہ شت وخشور سیامک ۰
نامۂ وخشور ہوشنگ ۰
نامۂ شت وخشور تہمورس ۰
نامۂ شت وخشور جمشید ۰
نامۂ شت وخشور فریدون ۰
نامۂ شت وخشور منوچہر ۰
نامۂ شت وخشور کیخسرو ۰
نامۂ شت وخشور زرتشت ۰
نامۂ پند اسکندر ۰
نامۂ شت ساسان نخست ۰
نامۂ شت ساسان پنجم ۰

این کتابہا بزبان خاص و مجعول تالیف شدہ و ترجمہ فارسی نیز ہمراہ
آنہا آمدہ وایں ترجمہ را بہ ساسان پنجم نسبت دادہ اند ۰ عقاید فرقہ
آذر کیوانی دریں کتاب مندرجست ۰ بسیاری از لغات ساختہ

مؤلف و ہمکاران او در فرہنگہا و کتب بعد وحی در زبان متداول فارسی وارد شدہ۔

ہندوستان کے اکثر فرہنگ نویس دساتیر کے جال میں پھنسے اور بری طرح پھنسے۔ محمد حسین تبریزی صاحب برہان قاطع اور اس کے سب سے بڑے مخالف غالب دہلوی دونوں دساتیر کی صداقت کے قائل تھے۔ غالب کی زبان پر دساتیر کے نمایاں اثرات ہیں۔ اس سلسلے میں راقم نے کئی مقالے لکھے۔ اکبری عہد کی فارسی زبان و ادب پر بحث ہوگی تو اس سلسلے میں دساتیر کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ لیکن قابل ذکر بات یہ ہے جس طرح نقطوی تحریک سے متعلق مسائل سے فارسی و اردو کے فضلاء نابلد ہیں، اسی طرح وہ دساتیر کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ غالب کی تحریروں میں دساتیر اور دساتیری پیغمبروں جیسے مہ آباد، ساسان پنجم کا نام بار بار آیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دساتیر کے مطالب، الفاظ و اصطلاحات وغیرہ غالب کی تحریروں میں سموئے گئے ہیں۔ لیکن غالب شناسوں سے یہ حقیقت آج تک پوشیدہ رہی اور میری معلومات کی حد تک سوائے قاضی عبدالودود کے کسی غالب شناس کو اس موضوع کی ہوا تک نہیں لگی۔ ادبی دنیا کا یہ نہایت شرمناک جہل ہے۔

اب میں اکبری عہد کے فارسی ادب کے خصایص کا ذکر بڑے اختصار کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں۔

میں آئین اکبری کی تصریح کے بموجب ۵۹ شعراء دربار سے متعلق تھے۔ ان کے علاوہ دس ایسے شعراء کا نام درج ہے جنھوں نے دور سے اپنے اشعار دربار میں بھیجے تھے۔ اول الذکر طبقے کا پہلا شاعر فیضی ہے۔ چوں کہ ابوالفضل کا بڑا بھائی تھا اس وجہ سے وہ شاعروں پر مقدم رکھا گیا ہے، حالانکہ اس سے بڑے شاعر عرفی و نظیری وغیرہ بعد میں بیان ہوئے ہیں۔

اگرچہ اکبر بادشاہ کا میدان فارسی شاعری نہ تھا، پھر بھی اچھے خاصے شعراء اس کے دربار سے منسلک رہے ہیں اور اس طرح اس زمانے میں خاصا شعری کلام وجود میں آگیا ہے۔

اس دور میں اہم تاریخیں اور تذکرے لکھے گئے ہیں۔ مورخین میں ابوالفضل کے علاوہ عبدالقادر بداونی صاحب منتخب التواریخ، نظام الدین بخشی صاحب طبقات اکبری، نقیب خاں، ملا احمد تتوی، جعفر بیگ آصف، مولفان تاریخ الفی قابل ذکر ہیں۔ تذکرہ نویسوں میں کاہی قزوینی مولف تذکرہ نفائس المآثر، امین احمد رازی مولف تذکرہ ہفت اقلیم اور عبدالباقی نہاوندی مولف مآثر رحیمی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مورخوں میں بعض واقعات نویس بھی قابل ذکر ہیں جنھوں نے اس دور کی سیاسی تاریخ سے زیادہ علمی، ادبی اور تہذیبی امور کی طرف توجہ کی

ہے ، اس طرح مُصنّفین میں اسد بیگ قزوینی خصوصیت سے قابل ذکر ہے ، جس نے واقعات دیباپور لکھ کر اس دور کی ادبی و معاشرتی زندگی کا دلچسپ نقشہ کھینچا ہے۔

اکبری دور کی تاریخوں میں ابوالفضل کی آئین اکبری جو اکبر نامہ کی تیسری جلد ہے ، ایسے دلچسپ امور کا مُرقّع ہے جس کی مثال اس دور کے ادب میں نظر نہیں آتی ۔ بلکہ یورپ میں اس کی طرح کی کتاب وجود میں نہیں آئی ، اسی کی وجہ سے جدید دور میں گزیٹیر لکھنے کا رواج ہوا ، مشرق کے اس احسان سے مغرب کی گردن برابر جھکی رہے گی۔

سنسکرت ، عربی ترکی وغیرہ زبانوں میں جو اہم کتابیں تالیف ہوئی تھیں ان کو اکبر کی توجہ سے فارسی میں منتقل کیا گیا ۔ آئین اکبری میں جو نامکمل فہرست ہے وہ یہ ہے :

زیج جدید میرزائی ، کشن جوشی ، مہیش مہانند ، گنگا دھر ، مہا بھارت ، رامائن ، اتھربن لیلاوتی ، تاجک ، بابر نامہ ، تاریخ کشمیر (راج ترنگنی) ، معجم البلدان ، پنچ تنتر ، طوطی نامہ ، نل دمن ، ہرنی یامن وغیرہ ، اس فہرست میں دوسرے مآخذ سے کافی اضافہ ہوسکتا ہے ، ترجمے کا موضوع کئی تحقیقی مقالات کا مواد اپنے دامن میں سموے ہوئے ہے۔

اکبری عہد کے یہ تین تذکرے نہایت اہم ہیں اور متعدد تحقیقی مطالعات کے مواد کے حامل :

● نفایس المآثر مولفہ کامی قزوینی ، اس پر نہایت عمدہ تحقیقی کام ہمارے شعبے کی استاد ڈاکٹر ام ہانی نے کیا تھا ، جو ان کی ناگہانی موت کی وجہ سے طبع نہ ہوسکا۔

● مآثر رحیمی تالیف عبدالباقی نہاوندی ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کی طرف سے تین جلدوں میں طبع ہوچکی ہے ، تیسری جلد جو دو حصوں میں ہے ، ان اشعار کا مجموعہ ہے جو عبدالرحیم خان خانان کی مدح میں ہیں ، بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ کسی ممدوح کی تعریف میں اتنا وقیع کلام شایع نہیں ہوا ہے ، بخوبی ممکن ہے کہ اتنا کلام وجود میں بھی نہ آیا ہو ۔

● ہفت اقلیم امین احمد رازی کی تالیف ہے ، اس کا ایک مختصر حصہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شایع ہوا ، البتہ دو جلدوں میں یہ کتاب ایران سے شائع ہوئی ہے ، لیکن اس میں اتنی غلطیاں ہیں کہ ایرانی طباعت پر ایک دھبہ ہے۔

اکبری عہد کی ایک قابل ذکر خصوصیت ہے کہ فارسی ادب کی متعدد اہم کتابیں اس دور کے مشہور کاتبوں کے قلم کی یادگار باقی ہیں ، اگرچہ یہ ساری کتابیں اکبری عہد میں تصنیف نہیں ہوئیں ، لیکن فارسی ادب کے ذخیرے میں دلچسپ اضافے کا موجب بنیں ۔

اس عہد کا سب سے مشہور خطاط محمد حسین کشمیری ہے۔ اس کے قلم کی متعدد یادگاریں دنیا کے کتاب خانوں کی زینت ہیں۔ ان کتابوں کی کتابت اکبری عہد میں ہوئی تھی۔ ان مخطوطات میں ایک مخطوطہ دیوان حسن دہلوی کا ہے جو خدا بخش اورینٹل لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ یہ نسخہ محمد حسین کشمیری زریں قلم نے مرتضیٰ بخاری کے کتاب خانے کے لیے ۱۰۱۰ھ میں لکھا تھا۔ زریں قلم گلستان کا نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں ہے۔ اس کی کتابت فتحپور (سیکری) میں ۹۹۰ ہجری میں ہوئی۔ اس نسخے کی قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ اس پر محمد حسین اور منوہر کی تصویر ہے۔

اس دور کا دوسرا مشہور خطاط عبداللہ مشکیں قلم ہے۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیوان حسن دہلوی امریکہ کے بالٹی مور میوزیم میں ہے۔ اس کی کتابت محرم ۱۰۱۱ھ میں الہ آباد میں ہوئی۔ کتاب کے خاتمے پر مشکیں قلم کی تصویر ہے۔ اس کے ساتھ ایک نوکر کی بھی تصویر ہے۔ راقم نے بالٹی مور کے میوزیم میں اس نسخے کا مطالعہ کیا ہے اور اس پر ایک مضمون لکھا ہے۔

اس عہد کا تیسرا اہم خطاط عبدالرحیم عنبریں قلم ہے۔ اس کے قلم کا، خمسے کا ایک نسخہ برٹش میوزیم زیر شمارہ Or 12208 موجود ہے۔ اس میں عنبریں قلم کی تصویر کے ساتھ اکبری عہد کے مشہور مصور دولت کی بھی تصویر ہے۔

اکبری عہد کے خطاطوں کے اور نسخے تلاش سے مل سکتے ہیں لیکن یہ کام مزید تحقیق کا متقاضی ہے۔

اکبری دور کے فارسی ادب کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس دور میں کتابوں پر تصویر کشی کا رواج خاصا بڑھ گیا۔ لیکن جو مخطوطے اس طرح آرائش کے لیے منتخب کیے گئے ہیں ان سب کا تعلق معاصر کتابوں سے نہ تھا، گو معاصر کتابیں بھی تصویر کشی کے لیے منتخب ہوئی تھیں۔

اس عہد میں جو کتابیں تصویر کشی کے لیے منتخب ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں:
اکبر نامہ، اخلاق ناصری، انوار سہیلی، بابر نامہ، بوستان سعدی، دیوان حسن دہلوی، خمسۂ نظامی، لیلیٰ مجنوں نظامی، پادشاہ نامہ، رامائن، رزم نامہ، شاہنامہ فردوسی، تاریخ الفی، تاریخ خاندان تیموریہ، طوطی نامہ، ظفر نامہ، وغیرہ۔

Mughal Paintings، ص ۲۱۸ تا ۲۲۰ میں اس سلسلے کی اور مثالیں مل جائیں گی۔ راقم نے اس سلسلے کے چند مخطوطات کا مطالعہ کیا ہے۔ ایک دیوان حسن دہلوی جس کا نسخہ بالٹی مور ہے اور جس کی کتابت عبداللہ مشکیں قلم کی یادگار ہے۔ دوسرا نسخہ طوطی نامہ کا ہے جو

کلیولینڈ میوزیم میں ہے۔ اس آخری نسخے کا کاتب معلوم نہیں۔ البتہ نہایت پاکیزہ خط نسخ میں نسخے کی کتابت ہوئی ہے۔ نسخے کی تصویر کشی اکبری عہد کے مصوّروں کی کشید ہیں۔ راقم نے اس نسخے کو کلیولینڈ میں دوبارہ مطالعہ کیا ہے۔

عبداللہ مشکیں قلم (وفات ۱۰۳۰ھ) کے خط کا دیوان حسن بالٹی مور میوزیم میں ہے۔ راقم اس کے دیکھنے اور مطالعے کے لیے واشنگٹن سے فلاڈیلفیا جاتے ہوئے بالٹی مور میں ٹھہرا اور والٹرس آرٹ گیلری میں نسخے کا مطالعہ کیا۔ یہ مخطوط متعدد شرق شناسوں کے مطالعے میں رہا۔ کئی نے اس کی تصویروں پر مقالے لکھے ہیں۔ مخطوطے میں کل ۱۴ تصویریں ہیں جو مصوروں کے نام سے خالی ہیں۔ البتہ ان پر تین چار محققوں کے مقالے ہیں۔

پہلا مقالہ Ettinghausen کا ہے جس نے ۱۹۶۱ میں ۸ ویں پلیٹ (تصویر) پر اظہار خیال کیا۔ یہ تصویر منصور حلاج کے سولی پر چڑھانے کی ہے۔ دوسرا Jermah R.Losty کا ہے جو Art of the Book in India میں نکلا۔ تیسرا Milo Beach کا ہے جو Grand Mughal Indian Painting میں شامل ہے۔ چوتھا اشوک کمار داس کا ہے جو Splendour of Mughal Painting میں شائع ہوا۔ ان چاروں مقالوں میں تصویروں کے تعلق سے گفتگو ہوئی۔ لیکن کتابت کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں۔ حد ہے کہ مایلو بیچ نے عبداللہ مشکین قلم کو محمد صالح کا باپ بتایا ہے۔ اور محمد صالح کو شاہجہاں کے دور کی تاریخ عملِ صالح کا مُصنّف قرار دیا ہے۔ مشکیں قلم کے بیٹے کا نام میر صالح کشفی ہے۔ جو شاہجہانی عہد کے چھوٹے منصبدار تھے اور ایک مشہور کتاب مناقبِ مرتضوی کے مُصنّف۔ انھوں نے اپنے والد کے مقبرے (جواہر نگار نزد قندھاری باغ) کے کمرے کی دیواروں پر ان کی وفات کے کتبے لکھے تھے جو ہنوز باقی ہیں۔

واشنگٹن ڈی سی میں Frere Gallery of Art نام کا ایک اہم میوزیم ہے۔ اس میں مغل دور کی متعدد نفائس موجود ہیں۔ اس میں راماین کے ترجمے کا ایک مُصوّر نسخہ ہے جس کو عبدالرحیم خانِ خاناں نے تیار کرایا تھا۔ اس میں فی الحال ۱۳۵ مجالس تصاویر صفحات ۲۲۹ بتائے گئے ہیں۔ اس میں جو ترقیمہ ہے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے:

> یہ کتاب جس کو راماین کہتے ہیں ہندوستان کی معتبر کتابوں میں سے ہے۔ یہ کتاب رامچند کے احوال پر مشتمل ہے جن کا شمار ہندوستان کے عظیم فرماں رواؤں میں ہوتا ہے اور جن کی ظاہری و باطنی صفات اس درجے کی ہیں کہ وہ صفات الٰہی کے مظہر ہوگئے

تھے ، بالمیک نے جو ہندوستان کے بڑے درویشوں میں تھے اور جن کو پسر مہادیو کہتے ہیں ، ان کے تفصیلی حالات ، ان کے جسمانی صفات ، ان کے پسندیدہ اخلاق ، ان کی بڑی بڑی فتوحات ان کے اچھے اعمال جو ان کی بزرگی پر دلالت کرتے ہیں ، بیان کیے ہیں ، حضرت عرش آشیانی کے حکم سے نقیب خاں نے جو قزوین کے جلیل القدر سادات میں تھے اور جو شاہنشاہ کی مصاحبت و خدمت سے سرفراز ہو چکے تھے ، سنسکرت زبان سے جس میں ہندی علوم کی کتابیں تدوین ہوئی تھیں ، فارسی میں ترجمہ کیا ، بادشاہِ جم جاہ کے حکم سے اس کتاب میں جہاں جہاں تصویروں کی ضرورت تھی ، تصویریں بنا دی گئیں۔ اس کتاب کے اتمام کے بعد بندہ جو بادشاہ کی مرحمت کا پروردہ ہے یعنی عبدالرحیم ابن محمد بیرم عفی اللہ عنہما بادشاہ کی خدمت میں عرض پرداز ہوا کہ چوں کہ حضرت اعلیٰ کی توجہ اس کتاب کی طرف بہت زیادہ ہے ، میری خواہش ہے کہ اس کی نقل تیار کرائی جائے ، حضرت اعلیٰ نے از روی عنایت اجازت دے دی تو اس خیر خواہ جہانیاں کے کاتبوں اور مُصوِّروں نے اس کی کتابت اور تصویر کشی کر ڈالی اور اس طرح یہ کتاب لوگوں کی نظروں میں آئی ، ۱۰۰۰ھ میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔ اس کی کتابت اور تصویر کشی کا کام ۹۹۶ھ میں شروع ہوا ، کل تصویروں کی تعداد ۱۲۵ ہے ، اوراق ۹۳۹ ، کتاب کا اتمام مخلص مولانا شکیبی امامی رحمہ اللہ کے زیر اہتمام ہوا۔

مالیوچ نے The Imperial Imaque میں اس نسخے میں ۱۳۰ مجالس تصاویر اور ضخامت ۶۲۹ صفحات بتائی ہے ، اور ترقیمے کے انگریزی ترجمے میں تصاویر ۱۲۵ بتائی گئی ہیں۔

رامائن کا یہ نسخہ فریر آرٹ گیلری کے بہترین نسخوں میں ہے اور راقم نے اس کا مطالعہ بھی کیا ہے۔

رامائن کا جو نسخہ اکبر بادشاہ کے حکم سے تیار ہوا تھا وہ جے پور کے پوتھی خانے میں بتایا جاتا ہے لیکن اس کا حال مجھے معلوم نہیں۔

اکبری دور کے جو مُصوَّر مخطوطے دنیا کے عجائب گھروں میں موجود ہیں، وہ بے شمار ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کا دور علمی و تہذیبی اعتبار سے کتنا قابل توجہ تھا، بہرحال اتنی بات مسلم ہے کہ ان نسخوں کے مطالعے کے بغیر اس دور کی تہذیبی ترقی پر قلم اٹھانا غلط ہوگا۔

میری گفتگو کا ماحصل یہ ہے کہ فارسی زبان و ادب کے لحاظ سے اکبری دور جس اہمیت کا حامل ہے اس کا اندازہ ایک مختصر سی گفتگو سے نہیں ہوسکتا، یہ موضوع دقیق مطالعے کا متقاضی ہے۔

ڈاکٹر نجم الاسلام :

حکیم شریف خاں دہلوی کا ترجمۂ قرآن

(شاہ عالم ثانی کے دور کی اردو نثر)

حکیم شریف خاں ابن حکیم محمد اکمل خاں مشہور و معروف طبیب تھے۔ شریف خاں ملّا علی دادد برادر ملّا علی قاری کی اولاد سے تھے۔ اس لیے سلسلۂ نسب خواجہ عبید اللہ احرار سے ملتا تھا۔ حکیم صاحب کے اجداد میں ایک بزرگ بابر بادشاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے۔ اور حیدر آباد میں قیام کیا۔ حکیم شریف خاں کے دادا حکیم محمد واصل خاں (۱) آگرہ آکر سکونت پذیر ہوئے۔ پھر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں شاہی طبیب مقرر ہوئے۔ ان کے بیٹے محمد اکمل خاں محمد شاہ بادشاہ دہلی کے طبیب خاص ہوئے۔ اور حاذق الملک خطاب پایا۔ ان کے بیٹے شریف خاں تھے۔ شریف خاں ۱۱۳۷ھ م ۱۷۲۴ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے تحصیل علوم کی۔ بڑے مشہور و مستند عالم تھے (۲) فن طب میں "ثانی بو علی سینا" کہے جاتے تھے۔ علوم و فضل اور شہرت و ناموری میں حکیم شریف خاں اپنے اجداد سے سبقت لے گئے۔ شاہ عالم ثانی بادشاہ کے عہد میں شاہی طبیب تھے۔ اشرف الحکما۔ خطاب تھا۔ (داستانِ تاریخ اردو) سعادت یار خان رنگین نے حکیم شریف خاں کا ایک لطیفہ اخبار رنگین میں درج کیا ہے۔ جو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

> "خبر گزری کہ شاہجہاں آباد میں امیر الامرا۔ نواب ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خان بہادر بیمار ہو کر سیروں لہو تھوکنے لگے۔ یعنی سل کی بیماری نہایت کو پہنچی۔ ایک دن حکما۔ سب جمع تھے۔ اس میں حکیم شریف خاں نے آکر نبض کو ملاحظہ کر کے مزاج احوال پوچھا۔ نواب صاحب کو از بسکہ عالم یاس کا تھا۔ تو اشک آنکھوں سے اسی وقت جاری ہوئے۔ حکیم صاحب جو ان کو رومال سے پونچھنے لگے تو نواب صاحب نے یہ شعر اپنے حسب حال پڑھا :
>
> سرشک از زخم پاک کردن چہ حاصل
> علاجے بکن کز دلم خون نیاید
>
> حکیم صاحب نے عرض کی" خاطر جمع فرمایئے ان شاء اللہ تعالیٰ جلد فرصت ہوجاتی ہے بلکہ بالکل صحت ہوجاتی ہے "۔ نواب صاحب نے کہا کنایہ تمہارا مفہوم

ہوا۔ اور خیر مطلب معلوم ہوا۔" (اخبار رنگین مطبوعہ کراچی ص ۶۶ - ۶۷)۔

حکیم شریف خاں کے سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ مولوی عبدالحق نے (جیسا کہ انھیں حکیم محمد احمد خاں کی زبانی معلوم ہوا) حکیم شریف خاں کا سنہ وفات ۱۲۱۶ھ (م ۱۸۰۱ء) لکھا ہے۔ اور یہی سنہ ہندسوں میں حکیم شریف خاں کے کتبۂ مزار پر موجود ہے۔ کتبۂ مزار یہ ہے۔

"ہو الحکیم مزار مرقد اشرف الحکماء الحکیم محمد شریف خاں الدہلوی دخل الجنۃ بلا حساب ۱۲۱۶ھ"

بعض تذکرہ نویسوں نے "دخل الجنۃ بلا حساب" کو مادۂ تاریخ قرار دے کر سال وفات ۱۲۲۲ھ (م ۱۸۰۷ء) تحریر کیا ہے۔ حامد حسن قادری نے داستان تاریخ اردو میں یہی سنہ دیا ہے۔ مگر تذکرۂ علمائے ہند مولفہ رحمٰن علی میں سنہ وفات ۱۲۳۱ھ لکھا ہے اور کسی شاعر کا قطعہ تاریخ وفات بھی درج کیا ہے۔ جو یہ ہے:

دریغا ازیں دار فانی گزشت ۔ حکیم و طبیب و لطیف و ظریف

خرد گفت سال وفاتش بمن ۔ صد افسوس مرزا محمد شریف ۔

۱۲۳۱ھ

وقائع عبدالقادر خانی سے بھی یہی سنہ (۱۲۳۱ھ) درست ثابت ہوتا ہے مولوی عبدالقادر رامپوری پہلی بار ۱۲۳۰ھ م ۱۸۱۴ء میں دہلی پہنچے ہیں۔ انھوں نے اپنے وقائع (اردو ترجمہ موسوم بہ علم و عمل) میں حکیم شریف خاں کا ذکر اُن اہل کمال میں کیا ہے، جو ان کے زمانے میں موجود تھے۔

(دیکھیے علم و عمل جلد اول ص ۲۹۶-۲۹۷)

تصانیف:

حکیم شریف خاں صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ۱۱۹۳ھ (م ۱۷۷۹ء) میں انھوں نے مشکوٰۃ شریف کا فارسی ترجمہ "کاشف المشکوٰۃ" کے نام سے کیا ہے۔ حاشیۂ نفیسی، حاشیۂ شرح اسباب، آثار نبوت، علاج امراض، عجالۂ نافعہ، دستور الفصد، شرح بحث حمیات، قانون اور تالیف شریفی وغیرہ متعدد عربی فارسی کی تصانیف ان سے یادگار ہیں۔ "تالیف شریفی بخواص ادویۂ ہندی" میں انھوں نے دواؤں کی خاصیت سے بحث کی ہے۔ اور بعض ہندی، یونانی، فارسی اور عربی دواؤں کے ناموں کی مطابقت کی ہے۔

منثور اردو تصنیف:

حکیم شریف خاں نے شاہ عالم ثانی بادشاہ دہلی کی فرمایش پر قرآن پاک کا ترجمہ اردو نثر میں کیا تھا۔ اس قلمی نسخے کو مولوی عبدالحق اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے حکیم محمد احمد خاں دہلوی (متوفی ۱۹۳۰ء) کے پاس دیکھا تھا۔ جیسا کہ مولوی عبدالحق نے اپنے مضمون "پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" (رسالہ اردو ۱۹۳۰ء) اور مفتی صاحب نے "یوپی میں اردو" (رسالۂ کنول آگرہ ۱۹۳۶ء) میں لکھا ہے اور ۱۹۶۶ء میں بھی دہلی میں ان کے خاندان میں حکیم محمود احمد خاں خلف حکیم محمد احمد خاں کے پاس موجود تھا۔ معلوم ہوا کہ موصوف نہ ترجمہ خود شایع کرتے ہیں اور نہ شایع کرنے کی اجازت کسی اور کو دیتے ہیں۔ راقم نے اس سلسلے میں اس خاندان کے ایک فرد حکیم محمد نبی خاں جمال سویدا (لاہور) کو ۱۹۶۶ء میں خط لکھا تھا۔ موصوف نے جواباً یہی بات لکھ کر اظہار افسوس کیا۔ (۳)

راقم الحروف نے دہلی حکیم صاحب کو بھی ایک خط اس سلسلے میں لکھ کر نسخے کے بارے میں دریافت کیا تھا اور ایک طویل اقتباس جلد بھیجنے کی فرمایش کی تھی لیکن یا تو محرومیِ قسمت سے خط ہی نہیں پہنچا۔ یا حکیم صاحب نے جواب کی زحمت اٹھانے کو مناسب نہ جانا۔ مفتی انتظام اللہ نے ۱۹۳۶ء میں اس ترجمے کے جلد چھپنے کی خوشخبری "یوپی میں اردو" میں دی تھی۔ افسوس کہ ورثاء کی بے توجہی سے یہ نادر ترجمہ آج تک طباعت سے محروم ہے۔ اس ترجمے کا سال اتمام حامد حسن قادری نے بغیر کسی حوالے کے لکھ دیا ہے۔ وہ اس ترجمے کو شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے بیس سال پہلے کا بتاتے ہیں۔ (داستان تاریخ اردو طبع دوم) مگر اپنا مأخذ نہیں بتاتے۔ دراصل حامد حسن قادری نے یہ ترجمہ خود نہیں دیکھا تھا۔ مفتی انتظام اللہ شہابی کی "یوپی میں اردو" سے انھوں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ مفتی صاحب نے بھی ، حوالہ دیے بغیر ، اس ترجمے کو شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے تقریباً ۲۰ برس پہلے کا بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"بڑا کارنامہ آپ کا قرآن مجید کا اردو ترجمہ ہے۔ گو فارسی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ (۴) مگر اردو ترجمہ بہت صاف کیا ہے۔ اور شاہ عبدالقادر سے تقریباً بیس برس پہلے کا ہے۔ یہ ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ، مسیح الملک علامہ حکیم محمد احمد خاں کے پاس موجود ہے ، جس کے مطالعے سے مشرف ہوا ہوں"۔ (یوپی میں اردو - رسالۂ کنول آگرہ) تعجب ہے کہ مفتی صاحب اس قلمی نسخے کو خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا بتاتے ہیں (۵) جب کہ مولوی عبدالحق نے نسخے کے آخر کی عبارت میں کاتب کا نام "محمد بدر الدین مفوض اللہ بن فیض اللہ" ظاہر کیا ہے۔ اور

وہ بھی اس نسخے کو بچشم خود دیکھنے کے مدعی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"یہ ترجمہ (قلمی) ہے اس وقت حکیم محمد احمد خاں صاحب کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی وساطت سے ہمیں اس کی زیارت نصیب ہوئی۔ فاضل مترجم نے ترجمے کے آخر میں جو عبارت تحریر کی ہے اس (سے) ترجمے کی کیفیت معلوم ہوگی"۔

(قدیم اردو ص ۱۳۶)

پھر وہ عبارتِ مذکورہ نقل کرتے ہیں جو طویل شاہانہ القاب کے حذف کرنے کے بعد یہ ہے:

"للہ الحمد و المنۃ کہ این تفسیر سلاست تحریر حسب الامر ... محمد شاہ عالم غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و ... ذرۂ خاکسار بے مقدار حکیم محمد شریف خاں بن حاذق الملک حکیم محمد اکمل خاں مرحوم شروع در تسوید و تحریر آن نمودہ بود بمساعدت توفیق الٰہی و معاضدت اقبال شہنشاہی در نیکو ترین ازمنہ و بہترین اززیب و زینت اختتام پذیر رفت۔ الحمد للہ الذی بتوفیقہ تمت ہذا التفسیر یوم الجمعہ فی التاسع من ذی القعد بید الحقیر محمد بدر الدین عفوض اللہ بن فیض اللہ ..."   (قدیم اردو، ص ۱۳۶)

عبارتِ مذکورۂ بالا مولوی عبدالحق کے مضمون "پرانی اردو میں قرآن شریف کے ترجمے اور تفسیریں" میں موجود ہے۔ یہ مضمون پہلے پہل حیدرآباد دکن کے ایک رسالے "افسر" میں شایع ہوا تھا۔ (یہ رسالہ راقم نے ۱۹۵۹ء میں مولانا عبدالحلیم چشتی مقیم کراچی کے پاس دیکھا تھا) پھر رسالہ اردو میں ۱۹۳۰ء میں چھپا۔ اور ۱۹۶۱ء میں مولوی عبدالحق کی کتاب "قدیم اردو" میں شامل ہو کر پھر چھپ گیا ہے)۔ مولوی عبدالحق نے اس مضمون میں قیاس سے کام لے کر خود ترجمے کا کوئی سنہ متعین کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔ صرف یہ لکھا ہے:

"کیا افسوس کا دن ہے کہ اختتام کا دن اور تاریخ موجود ہے لیکن سنہ ندارد۔ حکیم صاحب کا انتقال جیسا کہ حکیم محمد احمد خاں صاحب کی زبانی معلوم ہوا۔ ۱۲۱۶ھ (۱۸۰۱ء) ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترجمہ اس سے قبل کا ہوگا۔"

حکیم شریف خاں کا سنہ وفات جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے ۱۲۱۶ھ نہیں ہے ۱۲۳۱ھ ہے۔ مولوی عبدالحق نے اپنے ایک اور مضمون "اردو زبان و ادب" میں جو ان کی وفات (۱۹۶۱ء) کے بعد ماہنامہ ہم قلم کراچی کے بابائے اردو نمبر میں چھپا ہے۔ اس ترجمۂ قرآن کا سنہ

تحریر متعین کرنے کی کوشش کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

" ترجمے کے آخر میں کاتب نے روز جمعہ ۹ ذیقعدہ لکھا ہے۔ حساب کرنے سے اس کا سن ۱۲۰۸ھ م ۹۳-۱۷۹۲ء برآمد ہوتا ہے"۔

لیکن تقویم خالدی (مطبوعہ انجمن ترقی اردو کراچی) کی رو سے یہ حساب غلط ہے۔ ۱۲۰۸ء میں ۹ ذیقعدہ کو جمعے کا دن نہیں پڑتا البتہ اس تاریخ کو جمعے کا دن ۱۲۱۴ھ ۱۲۰۶ھ ۱۱۹۸ھ وغیرہ سنین میں پڑتا ہے۔ اور کوئی قرینہ ایسا موجود نہیں کہ ان میں سے کسی ایک سنہ کو ترجیح دی جائے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترجمہ شاہ عالم ثانی کی وفات (۱۲۲۱ھ م ۱۸۰۶ء) سے قبل کا ہے۔ کیوں کہ اس کے آخر کی عبارت میں شاہ عالم ثانی کا ذکر دعائیہ کلمات کے ساتھ موجود ہے۔ جہاں تک موضح قرآن (۱۲۰۵ھ) سے اس کے مقدم یا مؤخر ہونے کا سوال ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے بھی کوئی قوی بنیاد موجود نہیں کیوں کہ شاہ عبدالقادر نے موضح قرآن کے دیباچے میں اپنے ترجمے یا تفسیری فوائد کی فضلیتِ تقدم کا بصراحت کوئی دعوی نہیں کیا ہے۔

مولوی عبدالحق، جنھیں اس ترجمۂ قرآن کا قلمی نسخہ خود دیکھنے کا موقع ملا ہے اس کی نوعیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

" حکیم صاحب اسے تفسیر کہتے ہیں۔ لیکن در حقیقت ترجمہ ہے، البتہ موقع سے کہیں کہیں ایک آدھ لفظ ترجمے کی صراحت کے لیے بڑھا دیا گیا ہے۔ (قدیم اردو، ص ۱۳۱)

حواشی

(۱) حکیم واصل خاں شاہ علم اللہ کے خلیفہ بھی تھے۔

(۲) مولوی عبدالقادر رام پوری نے اپنے وقائع میں حکیم شریف خاں کے اس دعوی کا رد کرتے ہوئے کہ قطب الافلاک کا سکون محال ہے لکھا ہے کہ اس (مہمل) خیال سے اس بزرگوار کے فن طب کے کمال میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ کیوں کہ بہت سے علماء جن کا ذہن امور عامہ اور طبیعیات کی مشق میں شک کا عادی ہوگیا ہو ریاضی کے یقینی تخیل کو بھی بلا ڈالتے ہیں۔ (ص ۲۹۷-۲۹۸)

(۳) حکیم محمد نبی جمال سویدا کے خط بنام راقم مؤرخہ ۳۰ / اگست ۱۹۶۶ء کا اقتباس درج ذیل ہے:

" حکیم شریف خاں صاحب کا کیا ہوا قرآن شریف کا اردو ترجمہ حکیم محمد احمد خاں صاحب مرحوم و مغفور کے صاحبزادے حکیم محمود احمد خاں کے پاس

محفوظ ہے۔ اس ترجمے کی اہمیت کے پیش نظر طباعت کی انتہائی کوشش کی مگر حکیم محمود احمد خاں اپنی مزاجی احتیاط کی بدولت رضا مند نہیں ہوئے۔ اس طرح مسلمانوں کو اچھی چیز سے تا حال محرومی ہے"۔

(۴) کتاب "یوپی میں اردو" رسالہ کنول آگرہ میں بالاقساط چھپی تھی۔ پاکستان میں صرف مفتی صاحب مُصنّف کتاب ہذا (مقیم کراچی) کے ذاتی کتاب خانے میں دستیاب تھی جس میں رسالہ کنول کے اجزاء کتابی صورت میں یکجا کر دیے گئے تھے۔ میری درخواست پر مفتی صاحب نے اسے دیکھنے کا موقع عنایت فرمایا تھا۔ یہ کم و بیش ۲۵ برس پہلے کی بات ہے، جب کہ وہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی سے وابستہ تھے۔ ان سے پہلی بار شرفِ نیاز اس سوسائٹی کے دفتر میں مُحبِّ محترم محمدّ ایوب قادری (م   ) کے توسط سے حاصل ہوا تھا۔ دوسری بار ان کے مکان پر حاضر ہوا۔ اس وقت کتاب "یوپی میں اردو" دیکھنے کا موقع ملا۔

(۵) یہی بات مرحوم محمدّ ایوب قادری نے تذکرۂ علمائے ہند کے ترجمے "علم و عمل" پر اپنے حواشی میں دہرا دی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "حکیم محمدّ احمد خاں دہلوی (ف ۱۹۳۰ء) کے پاس یہ پورا ترجمہ مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا (ص ۲۴۴)۔ حالانکہ مولوی عبدالحق نے وہ ترقیمہ نقل کیا ہے جس میں کاتب نے اپنا نام محمدّ بدر الدین درج کیا ہے۔

کتابیات

۱۔ "تذکرۂ علمائے ہند" مولفہ رحمان علی نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔

۲۔ "تذکرۂ علمائے ہند" مولفہ رحمان علی ترجمہ محمدّ ایوب قادری کراچی ۱۹۶۱ء۔

۳۔ "علم و عمل" (ترجمۂ وقائع عبدالقادر خانی) مرتبہ محمدّ ایوب قادری جلد اول ۱۹۶۰ء۔

۴۔ "تذکرۂ اہل دہلی" تصنیف سرسید احمد خاں مرتبہ اختر جوناگڑھی طبع دوم کراچی ۱۹۶۵ء۔

۵۔ "قدیم اردو" مولوی عبدالحق شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء۔

۶۔ "داستان تاریخ اردو" حامد حسن قادری طبع دوم آگرہ ۱۹۵۰ء۔

۷۔ "حیات اجمل" قاضی عبدالغفار شائع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۱ء۔

۸۔ "اخبار رنگین" سعادت یارخان رنگین شائع کردہ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

۹۔ "یوپی میں اردو" مفتی انتظام اللہ شہابی رسالہ کنول آگرہ ۱۹۳۶ء (۱)
۱۰۔ بابائے اردو نمبر ماہنامہ ہم قلم کراچی ۱۹۶۲ء
۱۱۔ تقویم ہجری و عیسوی مرتبہ خالدی شایع کردہ انجمن ترقی اردو کراچی۔

پس نوشت:

مضمون مذکورہ بالا کی مشینی کتابت کے بعد، راقم کو خیال آیا کہ حکیم شریف خاں کے منظوم اردو ترجمۂ قرآن کی طرح (جسے اس قدر طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی منظر عام پر آنے کا موقع نہیں ملا ہے)۔ اردو نثر کی ایسی ہی ایک اور منظوم "تفسیر ہندی" بھی ہے جو ۱۱۳۱ھ میں بھوپال میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جاتا ہے۔

نجم الاسلام :

قاضی محمد معظّم سنبھلی کی تفسیر ہندی قلمی

(تصنیف ۱۱۳۱ھ)

مذکورۂ بالا صاحب تصنیف اور تصنیف کے بارے میں معلومات ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپالی مرحوم کے مطبوعہ مقالۂ علمیہ سے اخذ کر کے ذیل میں پیش کی جاتی ہیں :

قاضی محمد معظم سنبھلی بن مفتی محمد اعظم سنبھلی فرخ سیر کے عہد میں رائے سین (بھوپال) کے قاضی تھے۔ جب امیر دوست محمد خاں نے ریاست بھوپال قائم کی (۱۷۲۲ء)، تو قاضی صاحب کے علم و فضل کی شہرت سن کر ان کو بھوپال بلایا اور عہدۂ قضاء پر مامور کیا۔ (تذکرۂ قضاۃ و مفتیان از مولوی ذوالفقار احمد نقوی ص ۱۰۲)۔ قاضی صاحب امیر دوست محمد خاں کے زبردست حلیف اور معتقدِ خاص تھے۔ قلعۂ فتح گڑھ کی بنیاد بھی انھی بزرگ کے ہاتھوں رکھی گئی تھی۔ جب امیر دوست محمد خاں کے ولی عہد یار محمد خاں کو بطور یرغمال حیدرآباد دکن لے جایا گیا، اس وقت ان کے ساتھ قاضی محمد معظم سنبھلی کو بھی بھیجا گیا تھا۔ قاضی صاحب تین سال حیدرآباد میں رہ کر نظام الملک کے معتقدین میں شامل ہوگئے تھے۔ ۱۷۲۹ء میں امیر دوست محمد خاں کے انتقال کے بعد یار محمد خاں کے ساتھ واپس آئے۔

نثری تصنیف :

قاضی صاحب کی یادگار "تفسیر ہندی" ہے جو ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۸ء میں لکھی گئی تھی۔ اس میں آیاتِ قرآنی کا مفہوم اردو نثر میں بیان کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی بھوپالی کو اس کا ایک قلمی نسخہ نور الحسن سارنگ پوری کے ذاتی کتاب خانے میں ملا۔ اس کا ذکر پہلی بار ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کے مطبوعہ مقالۂ علمیہ "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ۔" (شائع کردہ ادارہ ادب و تنقید، تلیا، بھوپال، ۱۹۶۵ء) میں شامل ہو کر علمی حلقوں کے سامنے آیا۔ در حقیقت وہی اس کے پہلے دیکھنے والے اور متعارف کرانے والے تھے، اور ہماری اب تک کی معلومات کے مطابق آخری بھی، کیوں کہ ان کے بعد اب تک کسی اور فاضل نے اس قلمی کتاب کو دیکھنے کا دعوی نہیں کیا ہے اور اس پر ایک ناظر کی حیثیت سے قلم نہیں اٹھایا ہے۔ جس نے ذکر کیا ہے صرف ڈاکٹر سلیم حامد رضوی کی فراہم کردہ معلومات پر اکتفا کیا ہے۔

حالاں کہ "تفسیر ہندی" اردو کے قدیم نثری سرمائے میں فضلی کی کربل کتھا (۱۱۳۵ھ، نظر ثانی ۱۱۶۰ھ) سے بھی اقدم ہے۔

"تفسیر ہندی" کے مخطوطے کی کیفیت:

ڈاکٹر رضوی مرحوم کے بیان کے مطابق قلمی نسخہ ناقص ہے، جسے قاضی محمد معظم سنبھلی کے پوتے قاضی احمد علی نے مجلّد کرا کے اپنے قلم سے عبارت ذیل اس پر لکھی تھی:

"تصنیف جدّ ماجد شریعت و فضیلت پناہ قاضی محمد معظم حفظ اللہ تعالیٰ"

اس عبارت کے بعد قاضی احمد علی کی مُہر لگی ہوئی ہے جو ۱۲۶۰ھ کی ہے۔ اصل نسخے میں تاریخ کتابت ۱۱۳۳ھ ہے اور ڈاکٹر رضوی اس کا تصنیف ۱۱۱۳ھ بتاتے ہیں۔

صاحبِ مخطوطہ:

اپنے مطبوعہ مقالۂ علمیہ "اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ" میں ڈاکٹر رضوی نے قاضی محمد معظم کا ذکر صفحات ۷۶، ۷۷، ۸۰ پر کیا ہے۔ ص ۷۶ پر اپنے ایک حاشیے میں انھوں نے صراحت کی ہے کہ "تفسیر ہندی" کا قلمی نسخہ نور الحسن مرحوم کے کتب خانے میں تھا۔ ص ۸۰ پر ایک اور قلمی کتاب "مثنوی فقۂ ہندی" از مفتی خیر اللہ صدیقی کے ذیل میں ڈاکٹر رضوی، نور الحسن مرحوم سے متعلق مزید کچھ صراحت کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ:

"(فقۂ ہندی کا) ایک مکمل نسخہ مولوی سیّد نور الحسن سارنگ پوری کے کتب خانے میں بھی ہے جس سے میں نے استفادہ کیا ہے"۔

معلوم ہوا کہ ان نور الحسن مرحوم کا پورا نام مولوی سیّد نور الحسن سارنگ پوری تھا۔ اسی کتاب کے ص ۲۵۰ پر اسی شخصیت کا ذکر "مولوی نور الحسن نقوی سارنگ پوری" کے عنوان سے دور سوم کے نثر نگاروں کے ذیل میں بطور خاص کیا ہے۔ ان کے حال میں ڈاکٹر رضوی لکھتے ہیں:

"مولوی صاحب پندرہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کے مصنّف و مؤلف ہیں۔ یہ تمام مذہبی ہیں:

۱۔ روح الحی علی شرح شمائل النبی صلعم۔ ۲۔ خیر الدقیق ترجمہ تحفۃ الصدیق (قلمی)۔ ۳۔ المبتدا والخبر۔ ۴۔ الفیض الجاریہ (مطبوعہ افضل المطابع)۔ ۵۔ استبصار نصیحت (مطبوعہ افضل المطابع)۔ ۶۔ تسخیر لاجواب (قلمی)۔ ۷۔ اسرار خسروی سیاست اسلام (قلمی)۔ ۸۔ قلائد العقیان (قلمی)۔ ۹۔ مولود

الانبیاء (قلمی)، ۱۰۔ حکایات غوث الاعظم (قلمی)، مناقب السادات (مطبوعہ علوی پریس بھوپال)۔ مولوی صاحب نے خود مجھے ان چند کتابوں کے نام اور بتائے تھے جو انھوں نے اپنے لڑکے حسن عسکری کے نام سے چھپوائی ہیں"۔

اس کے بعد ڈاکٹر رضوی نے ان دس مطبوعات کے نام مطبعوں کی صراحت کے ساتھ درج کیے ہیں جو مولوی نور الحسن نے اپنے صاحب زادے حسن عسکری کے نام سے چھپوائی تھیں۔ اس طرح متعین طور پر ان کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد بیس ہو جاتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ خود ڈاکٹر رضوی نے اوپر کے اقتباس میں ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں کی تعداد پندرہ بتائی ہے۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ وہ مولوی سیّد نور الحسن سے شخصاً واقف تھے۔ مولوی نور الحسن کے کتاب خانے تک ان کی رسائی تھی۔

ڈاکٹر رضوی نے اپنے مقالۂ علمیّہ کی تمہید میں اپنے مآخذ کی تفصیل بھی درج کی ہے۔ اس ذیل میں ایک بار پھر سیّد نور الحسن سے شخصی ربط کا ثبوت دیا ہے۔ وہ "الکۂ بھوپال" (مطبوعہ ۱۸۹۰ء) از سیّد مہدی حسن سسوانی، کے بارے میں ص ۲۲ پر اپنے تحریر کردہ حاشیے میں لکھتے ہیں:

> اس تاریخ کے بارے میں بھوپال کے ایک سن رسیدہ بزرگ سیّد نور الحسن جنھوں نے دورِ شاہجہانی (دور نواب شاہجہاں بیگم) اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، فرماتے ہیں کہ سیّد مہدی حسن سسوانی فرضی نام ہے۔ یہ دراصل یٰسین محمد خاں کی تصنیف ہے۔ یٰسین محمد خاں اور نواب شاہجہاں بیگم کے درمیان بھوپال کی گدّی کے سلسلے میں سخت اختلاف تھا۔ اس لیے انھوں نے اِس تاریخ میں اُن کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے"۔

ہمارا قیاس ہے کہ یہ سیّد نور الحسن بھی وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ نثر نگار مولوی نور الحسن نقوی سارنگ پوری کا جو حال ڈاکٹر رضوی نے صفحہ ۲۵۰ پر لکھا ہے اور جسے اوپر نقل کیا جاچکا ہے، اس کی ابتداء میں یہ صراحت بھی کی ہے "شعراء کے زمرے میں (ان کا) تعارف کرایا جاچکا ہے"۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں پیش کیا جائے۔ صفحہ ۲۲۰ پر ڈاکٹر رضوی ذیلی عنوان "سیّد نور الحسن نسیم نقوی" کے تحت لکھتے ہیں:

۔ بحیثیت شاعر آپ کو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بدلتے ہوئے رجحانات کو پسند نہیں کرتے تھے، اس لیے دور شاہجہانی ہی میں مشغلۂ شعر و سخن اور مشاعروں میں شرکت ترک کر چکے تھے۔ بھوپال میں نسیم تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنے قول کے مطابق ان کی پیدائش ۱۸۷۰ء میں ہوئی تھی اور بفضلہٖ تعالیٰ اب تک بقید حیات (حاشیہ: ۴ ستمبر ۵۸ء کو انتقال ہوگیا)۔ دو سال پہلے تک دماغی حالت بالکل صحیح تھی مگر اب ضعفِ پیری کی بدولت قوائے جسمانی و دماغی تقریباً جواب دے چکے ہیں۔ آپ عبدالعزیز اعجاز اور امیر مینائی کے شاگرد ہیں۔ نظم میں مثنوی شعلۂ عشق، مثنوی مراۃ الخیال، اور مثنوی تجلیٔ عشق آپ کی متصوفانہ تصانیف ہیں۔ ایک دیوان غیر مطبوعہ ہے، اس کے علاوہ ایک طویل مرثیہ بھی لکھا ہے۔ ان کے پاس امیر مینائی کے خطوط بھی ہیں جن میں ان کے کلام پر اصلاح دی ہے۔ ایک خط اور اصلاح کا کچھ حصّہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے ... "۔ (ص ۲۲۰)

ان سب تفصیلات کے بعد مولوی نور الحسن اور ان کے صاحب زادے کی تعیین اور ان کے کتاب خانے کی تلاش و جستجو میں ناکامی کا امکان بہت کم رہ جاتا ہے۔

مختصر یہ کہ نور الحسن یا نور الحسن نقوی سارنگ پوری کے اس ذخیرۂ کتب کو تلاش کیا جانا چاہیے جس میں ڈاکٹر رضوی کو "تفسیر ہندی" قلمی (تصنیف ۱۱۳۱ء) اور مثنوی "فقۂ ہندی" قلمی (تصنیف ۱۱۵۱ء) کے نسخے ملے تھے۔ اور اس میں کامیابی کے بعد بالخصوص قاضی محمد معظم سنبھلی کی تفسیر ہندی کے متن کو تحقیق و تدوین کے عمل سے گزار کر شایع کیا جانا چاہیے تاکہ اس کی اصلیت پورے طور پر پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے اور قدیم اردو نثر کی تاریخ میں اسے وہ مقام حاصل ہوسکے جس کی بر بنائے قدامت وہ مستحق ہے۔

تفسیر ہندی کا دستیاب اقتباس:

اس وقت تک، جب کہ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی مرحوم کے مقالۂ علمیہ کی اشاعت (جنوری ۱۹۶۵ء) کو تقریباً ۲۵ برس گزر چکے ہیں اس تفسیر کا صرف ایک ہی مختصر اقتباس دستیاب ہے جو ابتداً ڈاکٹر رضوی نے قلمی کتاب خود دیکھ کر نقل کیا تھا، اسے من و عن ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

۷۹ "

تفسیرِ سورۂ بقر

" اس سورہ میں پہلے صفت ایمان والوں کی۔ پیچھے صفت کافروں کی۔ اس کے پیچھے منافقوں کی فرمائی ہے: یہ حکم کیا ہے اپنے بندے کو کہ کہا مانو اللہ کا جو مالک ہے سب مخلوق کا اور بشارت دی ہے کہا ماننے والوں کو ثواب کی۔ اور وعدہ دیا ہے عذاب کا منکروں کو۔

پیچھے اس کے منوائی ہے اپنے پیغمبر کی پیغمبری۔ جو تم نہ مانو کہ یہ کلام خدا کا ہے ... تو تم بھی ایسا کلام بنا لاؤ۔ اور جو نہ ہو سکے ایسا کلام تم سے تو ڈرتے رہو عذاب سے۔

اس پیچھے قصہ خلیفہ کرنے حضرت آدم کا اور ورغلانے شیطان کا بیان کیا۔

اس پیچھے شرارتیں یہودیوں کی ... کافروں نے کہا کہ تم کہتے ہو یہ کلام اللہ کا ہے۔ اللہ تو بہت بڑا ہے۔ اس کو کیا لائق ہے کہ چھوٹی چیزوں کا نام لیوے ... حق تعالےٰ نے فرمایا ان چیزوں کا ناؤ لینا موافق مقام کے ہوتا ہے ... "

(ص ۷۷، ۷۸)

اسی اقتباس پر اس مختصر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے۔ اور توقع کی جاتی ہے کہ اربابِ تحقیق "تفسیر ہندی" کے اس قلمی نسخے کی بازیافت کی طرف ضروری طور پر توجہ مبذول کریں گے اور بتا سکیں گے کہ یہ قلمی نسخہ اب کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

گوشۂ مختار الدّین احمد

مشتمل بر

مقالات و مکتوبات

گزشتہ شمارے میں علامہ عبدالعزیز المیمنی کے ایک ممتاز شاگرد ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کی طویل اور شاندار علمی خدمات کے اعتراف میں ایک گوشۂ تہنیت پیش کیا گیا تھا۔ اس شمارے میں علامہ عبدالعزیز المیمنی کے ایک اور ممتاز شاگرد ڈاکٹر مختارالدین احمد کی نصف صدی سے بھی زائد عرصے کی علمی خدمات جلیلہ پر گوشۂ تہنیت بعنوان - گوشۂ مختارالدین احمد" پیش کیا جاتا ہے۔ یہ ڈاکٹر مختارالدین احمد کے تحریر کردہ چار مقالات اور اُن کے مرتب کردہ ۲۲۵ علمی مکتوبات پر مشتمل ہے۔

مقالاتِ گوشۂ مختار الدّین احمد

- میرزا زین الدّین عشق دہلوی اور کلیاتِ عشق
- امیر قابوس بن وشمگیر
- اردو کا ایک قدیم ترین رقعہ
- ایک غیر مطبوعہ تذکرۂ تلامذۂ شاد عظیم آبادی

ڈاکٹر مختار الدّین احمد :

میرزا زین الدّین عشق دہلوی

اور

کُلّیاتِ عشق

میرزا (۱) زین الدّین عشق، بارھویں صدی ہجری میں فارسی کے ایک پرگو اور قادر الکلام شاعر گذرے ہیں۔ وہ ایران میں پیدا ہوئے لیکن کم عمری میں دہلی آگئے۔ ان کا بچپن اور جوانی کا زمانہ ایک متموّل خاندان میں گزرا جو ادبی ذوق کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔ وہ دہلی میں بخوبی زندگی بسر کرتے رہے۔ پھر وہاں جب اختلال کا دور شروع ہوا اور شعرائے کرام اور دوسرے اہل کمال ترکِ وطن کر کے لکھنؤ، بنارس، فرخ آباد، عظیم آباد، مُرشد آباد جانے لگے تو میرزا زین الدّین عشق، بھی سفر پر حضر اور وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دیتے ہوئے عظیم آباد پہنچے اور اپنے پرانے کرم فرما شاہ رکن الدّین عشق، عظیم آبادی (متوفی ۱۲۰۳ھ) کے ساتھ مقیم ہوئے۔ دونوں کے تعلقات دورانِ قیام دہلی گہرے پیدا ہوگئے تھے جو آخر عمر تک استوار رہے (۲)۔ یہاں قیام کے دوران وہ مُرشد آباد بھی آتے جاتے رہے جہاں وہ بعد کو سکونت پذیر ہوگئے۔ ۱۱۹۹ھ تک ان کا بنگال میں زندہ رہنا محقق ہے۔

فارسی کے ساتھ میرزا زین الدّین اردو کے بھی شاعر تھے۔ بااین ہمہ بہت کم اردو تذکرہ نویسوں نے ان کی طرف توجہ مبذول کی۔ گلشنِ سخن مؤلفہ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی (م ۱۲۲۱ھ) جس کا سالِ تالیف ۱۱۹۳ھ ہے (۳)، گلزار ابراہیم مؤلفہ نواب علی ابراہیم خان خلیل عظیم آبادی (متوفی ۱۲۰۸ھ) جو ۱۱۹۸ھ میں مرتب ہوا اور تذکرۂ عشقی عظیم آبادی، جو ۱۲۳۰ھ کے لگ بھگ انجام کو پہنچا۔ حیرت ہے کہ دونوں تذکرے میرزا زین الدّین کے ذکر سے خالی ہیں۔ مردان علی خاں مبتلا ان کے معاصر ہیں۔ عشقی عظیم آبادی نے خاصی تعداد میں شعرائے عظیم آباد و مُرشد آباد کے حالات اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں۔ علی ابراہیم خاں میرزا زین الدّین، کے معاصر ہی نہیں، ان

سے گہرے روابط بھی رکھتے تھے۔ میرزا ان کے یہاں مشاعروں میں شریک بھی ہوتے رہے ہیں اور وہ جب علی ابراھیم خاں کا ذکر کرتے ہیں تو انھیں "خلاصۂ نوعِ انسانی" لکھتے ہیں۔ گلزار ابراھیم ہی نہیں فارسی شعراء کے دونوں تذکرے خلاصۃ الکلام اور صُحفِ ابراھیم بھی ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

۱۔ جس تذکرے میں اس شاعر کا ذکر پہلی مرتبہ دیکھنے میں آتا ہے وہ ابوالحسن امیر الدّین احمد المشتہر بہ امر اللہ الہٰ آبادی کا تذکرۂ مسرّت افزا ہے جو ۱۱۹۳ھ میں مکمل ہوا، گو اس میں ۱۱۹۵ھ تک اضافے ہوتے رہے۔ مؤلف رقم طراز ہیں:

"میر زین الدّین عشق تخلّص شاہجہاں آبادی مردے بود عاشق مزاج، درویش وضع مدّتے در دہلی بخوبی بسر بردہ، بعد ازیں از برہمیِ اطوارِ روزگار ازاں دیار آوارہ شدہ در دریا [دیارِ ؟] بنگالہ آمدہ مدّتے در عظیم آباد و مرشد آباد بسر بردہ، اکنوں ندانم، کجاست۔ شعر فارسی و ریختۂ ہندی بخوبی می گفت"۔

پھر مؤلف نے اس کے چار اردو شعر (خریدار نہ ہوتے / مددگار نہ ہوتے؛ تحریر کرسکیں، تعمیر کرسکیں) نقل کیے ہیں۔

۲۔ میر غلام حسین شورش عظیم آبادی (متوفی ۱۱۹۵ھ) اپنے تذکرے "رموز الشعرائیں (جو تذکرۂ شورش کے نام سے مشہور ہے اور جس سال کا تالیف ۱۱۹۱ھ ہے) عشق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"میر زین الدّین عشق شاہجہاں آبادی۔ باعثِ عدمِ موافقتِ روزگارِ ناہنجار اکہ باکسے اہلِ کمال نساختہ است و نخواہد ساخت (۴) ا از دہلی (۵) ا تا بعظیم آباد رسیدہ و بدولت خانہ (۶) حضرت شاہ گھسیٹا صاحب (مدّظلّہ العالی) (۷) فرود آمدہ۔ مردیست مجسّم عجز و انکسار و نوادرۂ روزگار (۸)۔ شاعرِ فارسی، صاحب دیوان گاہے فکرِ ریختہ ہم می نماید (۹)۔

نمونۂ کلام کے طور پر اردو کے دو شعر (خریدارؔ ہو / مددگارؔ ہو) درج کیے ہیں (۱۰)۔

۳۔ تذکرۂ عقدِ ثریّا (سالِ تالیف ۱۱۹۹ھ) مؤلفہ شیخ غلام ہمدانی مصحفی (متوفی ۱۲۴۰ھ)

"عشق، مرزا زین الدّین عشق۔ خودش در جام متولد شد و بہ ہفت سالگی بہ ہند رسیدہ تربیت پیشِ شاہ محمد پناہ قابل یافتہ۔ مردِ بزرگ

و جہاں دیدہ۔ شاعرِ پُر گوست"

نمونۂ کلام میں ۵ فارسی شعر درج کیے ہیں (۱۱)۔

۴۔ تذکرۂ ریاض الفصحا۔ (ص ۲۱۲) میں مصحفی نے صرف ان کا نام لکھا ہے اور ایک اُردو شعر درج کیا ہے:

منظور گر خرابیِ دل ہے تو ایک بار　　ایسا خراب کر کہ نہ تعمیر کر سکیں

۵۔ تذکرۂ نتائج الافکار مؤلفہ قدرت اللہ گوپا موی

"میرزا زین الدّین عشق از جام است در عمر ہفت سالگی واردِ ہند گشتہ از خدمت شاہ محمد پناہ قابل ترتیب یافتہ و سرمایۂ قابلیت فراہم آورد۔ صاحبِ اوصافِ حمیدہ واخلاقِ پسندیدہ بود و طریقِ نظم بلطافت می پیمود۔ اوائل مائیۃ ثالث عشر پا بدامنِ عدم کشید:

دی میگذشت یار و رقیب از عقب رسید　　گفتم کہ عمر می رود و مرگ در قفا است

(ص ۵۰۳ طبع خاص بمبئی ۱۳۳۶)

۶۔ تذکرۃ الاکابر (قلمی) میں زین الدّین عشق کا نظم کیا ہوا، ابیات کا ایک قطعہ جو حاجی احمد علی قیامت (متوفی ۱۱۹۲ھ) کی وفات پر لکھا گیا تھا، درج ہے۔ ابیاتِ اول و آخر یہ ہیں (۱۲):

چہ گویم از کمالِ حاجی احمد　　کہ اُو در اہلِ حق بودی سرآمد

مضاعف حبِّ پاکِ پنجتن داشت　　ببزمِ ساقیِ کوثر در آمد

احمد علی قیامت کی وفات جمعہ ۲۴ ربیع الاول ۱۱۹۲ھ کو عظیم آباد میں ہوئی تھی۔ وہ امام باڑہ متصل چوک پٹنہ سٹی میں دفن ہیں۔

شعرا کے جو تذکرے اس وقت پیش نظر ہیں، ان میں میرزا زین الدّین عشق کے متعلق جو معلومات ملتے ہیں وہ اوپر پیش ہوئے، بہت مختصر اور تشنہ ہیں اور ان سے مرزا کی زندگی اور ان کی ادبی خدمات کی کوئی واضح تصویر نہیں ابھرتی۔ ان کے معاصرین بلکہ متاخرین کی تالیفات میں کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گزری جس میں ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہو۔ ان کے دیوانِ فارسی کا ایک نسخہ جو منحصر بہ فرد ہے، انگلستان میں محفوظ ہے۔ دیوان کی اندرونی شہادتوں سے شاعر کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اور بعض مفید معلومات حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) میرزا زین الدّین، ہرات اور مشہد کے درمیان واقع، ایران کے مشہور شہر جام کے رہنے والے تھے۔ یہ اطلاع ہمیں مصحفی کے تذکرۂ عقدِ ثریا سے ملتی ہے۔ اگر ان کا نسبی تعلق وہاں کے مشہور بزرگ اور صوفی شاعر و مصنّف شیخ احمد جام (شیخ الاسلام ابو نصر احمد بن ابی الحسن نامقی) ژندہ پیل (۴۴۱ھ - ۵۳۶ھ) سے ہو تو تعجب نہیں۔ ان کا پہلا قصیدہ جو حمد میں ہے:

اے قادرِ قدرت نما دے صانعِ ارض و سما　　قفلِ دلِ من برکشا با گویمت حمد و ثنا

احمد جام ژندہ فیل کے تتبع میں لکھا گیا ہے۔ غزل کے تین شعروں میں شاعر نے انھیں یاد کیا ہے۔ تیسرا شعر خاص طور پر قابلِ توجہ ہے:

در خرابات رہنما اے عشق　　احمد ژندہ فیل جامی ماست

اے عشق تواں مست شب از جام محبت　　کز احمد جامست نمایاں نسبِ ما

مست می دارد مرا پیوستہ از صہبای عشق　　پیر کامل احمد جامی امام ژندہ پیل

ایک غزل کے مقطع میں میرزا نے شیخ احمد جام کو اپنا "جد" لکھا ہے:

احمد جامست جدّم مرا گوے اہلبیت　　من ازاں میخانہ جامِ بادہ مستاں یافتم

لیکن ایک دوسرے شعر میں وہ شیخ ولی اللہ ہمدانی کو اپنا جد بتاتے ہیں:

ہر داں عشق شد از فیضِ علی جدِّ ما　　کس ولی اللہ علی ہمدانی است

(ورق ۲۵۰ / الف)

(۲) میرزا کا بچپن اور اس کی جوانی دلی میں (جسے وہ ہمیشہ شاہجہاں آباد اور کبھی پایۂ تخت شاہجہاں آباد لکھتے ہیں) گزری۔ مصحفی اطلاع دیتے ہیں کہ میرزا سات سال کی عمر میں جام سے وارد ہند ہوئے۔ اس عمر میں ایران سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ آئے ہوں گے، لیکن اس کی صراحت کہیں نہیں ملتی۔ ان کے باپ کا نام نہ کسی تذکرے میں درج ہے نہ دیوان میں ان کا کہیں ذکر ملا۔ دیوان کے قطعاتِ تاریخ میں بھی کوئی ایسا قطعہ موجود نہیں جس میں ان کے خاندان کے کسی فرد پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

دیوان میں نو شعروں کی ایک غزل ملتی ہے (نگاہ پاک در یابد مرا / سرِ خاشاک در یابد مرا) اس کا عنوان ہے:

" غزلِ عاشقانہ بحسبِ تمنای خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر در کلکتہ نزول یافتہ ۱۱۹۰ھ" کیا اس عبارت سے نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ میر یعقوب علی ان کے بیٹے تھے جو شاعر

تھے۔ جوہر تخلص کرتے تھے اور ۱۱۹۰ھ میں کلکتے میں مقیم تھے۔ کسی دوسرے ذریعے سے اس امر کی تصدیق نہیں ہو سکی۔ ایک غزل (بلندش / کمندش) پر یہ عنوان درج ہے: "در مُرشد آباد عزیزی ممتحن الشعر بوساطت خواجہ محمود خاں [یا محمود جان؟] مستدعِ این غزل گردید، بعون الٰہی در ہماں جلسہ نزول یافت"۔ ممتحن الشعر کا نام معلوم نہ ہو سکا، نہ ان کی شخصیت متشخص ہو سکی۔ اگر یہ مرزا کے قریبی عزیز تھے تو اپنے بزرگ سے ایک غزل کہلوانے کے لیے خواجہ محمود کی وساطت کی کیا ضرورت تھی؟

دیوان میں مرزا اپنے باپ کا کہیں ذکر نہیں کرتے۔ ان کی کم عمری ہی میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہو تو تعجب نہیں۔ ہاں وہ اپنے چچا - قبلۂ کونین عموی محمد قباد احمد خاں مشہور بہ "فقیر احمد خاں" - کا بار بار ذکر کرتے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں اطلاع دیتے ہیں کہ وہ عہدِ محمد شاہ فردوس آرامگاہ میں تھے، جس کا زمانہ ۱۱۳۱ھ سے ۱۱۶۱ھ تک ہے (۱۳)۔

محمد قباد خاں فارسی کے شاعر تھے احمد تخلص کرتے تھے اور اپنے یہاں مشاعرے منعقد کرنے کا شوق رکھتے تھے۔ یہ مشاعرے طرحی بھی ہوتے تھے اور غیر طرحی بھی۔ دیوان میں ان کے یہاں کے متعدد مشاعروں کا ذکر ملتا ہے جن کے انعقاد کا زمانہ ۱۱۴۶ھ سے ۱۱۶۲ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ دیوان میں ان کے چچا کی زندگی کے کسی واقعے یہاں تک کہ ان کی وفات پر بھی کوئی قطعۂ تاریخ نہیں ملتا، یہ بات بھی باعثِ حیرت ہے۔ ان کی وفات کب ہوئی یہ معلوم نہیں۔ ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ۱۱۶۲ھ تک وہ ضرور زندہ تھے۔ ترتیبِ دیوان کے وقت وہ فوت ہو چکے تھے اس لیے کہ انھیں ہر جگہ مرحوم لکھا ہے لیکن یہ ہمارے مفید مطلب نہیں، اس لیے کہ ترتیبِ دیوان کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ دیوان میں اس خاندان کے اسلاف و اخلاف میں سے اور کسی کا ذکر نہیں ملا۔ میر یعقوب علی جوہر خلف الرشید کا ذکر اوپر گزرا۔

قباد خاں احمد کا ذکر کسی تذکرے میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہ ان کا کلام کہیں ملا۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ اگر انھیں کسی سے شرفِ تلمذ حاصل تھا تو کس سے تھا؟ دلی اس زمانے میں کم از کم حملۂ نادر سے پہلے بڑے بڑے اہم شعرا کی آماجگاہ تھی۔ ان کا دیوان غالباً کبھی مرتب نہیں ہوا ورنہ بہت اچھے شاعر نہ ہونے پر بھی اس عہد کے تذکروں میں ان کے ذکر کی گنجائش نکل آتی۔ کسی بیاض یا مجنگ میں بھی ان کے نام اور ان کے اشعار پر نظر نہیں پڑتی۔ میر زین الدین کی تعلیم و تربیت ان کے چچا کی نگرانی میں ہوئی۔ مصحفی کے قول کی بنا پر ان کی تعلیم و تربیت کے لیے شاہ محمد پناہ کشمیری متخلص بہ قابل کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ یہ فارسی

کے شاعر تھے اور مرزا عبدالقادر بیدل (متوفی ۱۱۳۳ھ) سے انھیں شرفِ تلمذ حاصل تھا۔ تصوّف سے ربط رکھتے تھے۔ لباسِ درویشی میں انھوں نے صلاح و تقویٰ کے ساتھ زندگی بسر کی۔ دہلی کے لوگ ان کے علم و فضل کی وجہ سے ان کی عزّت کرتے تھے۔ دیوانِ حافظ کے جواب میں انھوں نے ایک دیوان مُرتّب کیا تھا (۱۴)۔ عبدالوہاب افتخار ان کے بارے میں لکھتے ہیں :
" جوہرِ قابل و از تلامذۂ میرزا بیدل است۔ اقسام شعر دارد و بسیار دارد۔ اُو آئین/سخن می بندد (۱۵) " حاکم لاہوری دہلی میں ان سے ملے تھے۔ پچاس ساٹھ ہزار شعروں پر مشتمل ضخیم دیوان کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ دیوان بجوابِ دیوانِ حافظ اس پر مستزاد (مردم دیدہ ص ۱۸۱)۔

(۳) کچھ حقائق سامنے رکھ کر اور کچھ قیاسات سے کام لے کر کچھ نتائج برآمد کیے جاسکتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میر زین الدّین تقریباً ۱۱۲۰ھ (یہ سال ۱۱۳۰ھ بھی ہوسکتا ہے) میں جام (ایران) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں تقریباً ۱۱۲۷ھ میں ہندوستان آکر شاہجہاں آباد میں مقیم ہوئے۔ ۱۱۶۷ھ ، ۱۱۶۹ھ ، ۱۱۷۸ھ میں بھی ہم انھیں دہلی میں موجود پاتے ہیں (۱۶)۔

شاہ رکن الدین عشق غالباً ۱۱۷۹ھ میں دہلی سے عظیم آباد آئے۔ قیاس ہے کہ مرزا زین الدّین عشق اس کے بعد عظیم آباد پہنچے ہوں۔ بہرحال ۱۱۷۶ھ یا ۱۱۷۹ھ سے ۱۱۹۱ھ تک ہم انھیں ہندوستان کے مختلف شہروں اور قصبوں میں کبھی آزادانہ مشاعروں اور ادبی مجلسوں میں اور کبھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں موجود پاتے ہیں۔ تفصیلات آگے آرہی ہیں۔ ۱۱۹۱ھ میں وہ عظیم آباد میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۱۹۳ھ ، ۱۱۹۴ھ اور ۱۱۹۵ھ میں بھی وہ عظیم آباد میں ہوتے ہیں۔ ۱۱۹۲ھ اور ۱۱۹۳ھ میں ان کے مُرشد آباد میں قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ ۱۱۹۵ھ میں بھی وہ وہیں ہوتے ہیں۔ ۱۱۹۰ھ میں وہ کلکتے میں تھے۔ ۱۱۹۹ھ میں بھی وہ وہیں تھے۔ اپنے دیوان پر نظرِ ثانی اور حواشی پر تازہ اشعار کے اضافے کر رہے تھے۔

سالِ ولادت و سالِ ورودِ ہند کی طرح میرزا زین الدّین کا سالِ وفات بھی معلوم نہ ہوسکا۔ ۱۱۹۹ھ تک ان کے زندہ رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مصحفی کے تذکرۂ عقدِ ثریّا کا سالِ تصنیف ۱۱۹۹ھ ہے (۱۸)۔ اس وقت میرزا زندہ تھے۔

دیوان میں ان کے سلسلے میں جس آخری سال کا اندراج ملتا ہے وہ ۱۱۹۹ھ ہے۔ آخرِ دیوان میں اوزانِ رباعیات پر ان کے رسالے مجمع الابحار کا اختصار پایا جاتا ہے جو ان کی تصریح کے مطابق ۱۱۹۹ھ میں انھوں نے تیار کیا ہے۔ اس وقت ان کی عمر راقم کے اندازے کے مطابق ستّر اسّی کے قریب ہوگی۔ عجب نہیں آٹھ دس سال کے اندر ہی مُرشد آباد یا کلکتے میں

ان کی وفات ہوئی ہو اور وہی شہر ان کا مدفن بنا ہو۔

دیوان کے پیش نظر نسخے کے سرورق پر سر ولیم جونس (۱۷۴۶ء لندن ۱۷۹۴ء کلکتہ) کی انگریزی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا نے دیوان کا موجودہ نسخہ گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز (۱۷۳۲ء۔ ۱۸۱۸ء) (۱۸) کو پیش کیا تھا۔اس پر تاریخ ۲۱ مئی ۱۷۸۵ء درج ہے جو ۱۲ / رجب ۱۱۹۹ھ کے مطابق ہے۔ معلوم ہوا اس تاریخ تک مرزا زین الدّین عشق شاہجہاں آبادی زندہ تھے اور شہرِ کلکتہ میں مقیم تھے۔

(۴) مرزا کی تحریروں میں سفرِ ایران کا ذکر ملتا ہے لیکن اب تک ایسے خارجی شواہد نہیں ملے ہیں جن سے اس مسئلے کی توثیق و توضیح ہو۔ ایران ان کا مسقط الراس ہے۔ سات سال کی عمر تک وہاں رہنا تو مصحفی کے بیان سے ثابت ہے۔ ہندوستان میں قیام کے بعد اگر وہ ایران گئے تو اس کی کوئی صریح شہادت نہیں ملتی اور وہ زمانہ بھی متعیّن نہیں۔ کچھ قراین اس کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں۔

میرزا زین الدّین، اپنے مکتوب بنام شاعرِ معاصر عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (متوفی ۱۲۱۱ھ) میں لکھتے ہیں:

ز ملکِ ہند رفتم در ولایت نہ کردم با کسے رمز و کنایت

ولایت سے اس زمانے میں ایران اور افغانستان مراد لیا جاتا تھا۔ میرے بچپن میں ولایتی ان افغانوں کو کہتے تھے جو افغانستان سے زعفران، ہینگ، کمبل، لوئی اور اُونی چادریں لاکر فروخت کیا کرتے تھے۔ انگلستان کو بھی کہتے تھے۔ صاحب ولایت گئے ہوئے ہیں، یعنی انگلستان، فلاں کے صاحب زادے تعلیم کے لیے ولایت گئے ہوئے ہیں یعنی انگلستان یا یورپ۔اسی قطعے میں وہ لکھتے ہیں:

بہر شہرے کہ رفتم تا ولایت زمیناں کردہ با من رنگِ الفت

سفرِ ایران پر گفتگو کے وقت میرزا کا یہ شعر بھی پیش نظر رکھنا چاہیے اور جو دیوان میں موجود ہے:

ز ہندوستان تا ولایت دیار بسے رنج بردم بتحصیلِ گنج

اس قطعے میں جو شاعر نے حاجی محمد محسن کی مدح میں لکھا ہے یہ شعر بھی قابلِ غور ہے:

ز ایران تا بہ بنگالہ سراسر پئے واجہ گردیدم بہ ہر در

میرزا، دیوان کے آخر میں رباعیوں کی تمہیدی نثر میں لکھتے ہیں:

- از سن تمیز نه سالگی تا بشصت که ۱۱۹۹ھ مبارک ست کمر در یوزہ گری بر در ارباب سخن بستہ - بعجز و انکسار از کنار دریاے شور و فرنگستان و دیار بندر کلکتہ و ہندستان زمین و - ولایت دیار - منزل بمنزل و قریہ بقریہ و شہر بشہر با شعرای بر کل زمین استفادہ برداشتہ "

میرزا کہتے ہیں کہ سن شعور سے جب وہ نو سال کے تھے ساٹھ سال کی عمر تک ہندوستان میں نہیں ایران کے شہروں قصبات و مواضع میں بھی وہ گھومتے رہے اور شعراء سے استفادہ کرتے رہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس زمانے کی بات ہے ؟

یا تو دلی کے دوران قیام انھیں سفر ایران کا موقع ملا یعنی تقریباً ۱۱۹۰ھ سے پہلے وہ ایران گئے اور پھر واپس آگئے۔ یا ۱۱۹۰ھ کے بعد اور عظیم آباد پہنچنے سے پہلے یعنی ۱۱۹۱ھ تک جب وہ ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کر رہے تھے اور وہاں کے مشاعروں ادبی نشستوں میں شریک ہو رہے تھے انھیں سفر ایران کا موقع ملا۔ اس لیے کہ ۱۱۹۱ھ سے ۱۱۹۹ھ تک عظیم آباد اور مرشد آباد کے اطراف میں ان کے رہنے کے شواہد موجود ہیں۔ ایران کا سفر اگر انھوں نے کیا ہے تو اس سے پہلے کیا ہوگا۔

یہاں ان کے سفر ایران پر ایک شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ دیوان کے موجودہ نسخے میں کسی ایک غزل کے بارے میں وہ یہ اطلاع نہیں دیتے کہ یہ ایران کے فلاں شہر میں فلاں شاعر کی استدعا پر لکھی یا فلاں شاعر کے گھر پر یہ غزل پڑھی یا فلاں کے منعقد کیے ہوئے مشاعرے میں میں نے یہ غزل فلاں سنہ میں سنائی ۔ جس طرح کہ دیوان میں بیسیوں شہادتیں ملتی ہیں ہندوستان کے مشاعروں، ادبی نشستوں میں شرکت کی بقید سنین و مقامات۔ اس کی کیا وجہ ہے ؟

(۵) میرزا کا ذریعہ معاش معلوم نہ ہوسکا ۔ تجارت سے گزر اوقات تھی یا ملازم پیشہ تھے کچھ حال نہیں کھلتا۔ دربار شاہی سے متعلق ہوتے تو کسی تذکرے میں یا ان کے دیوان میں شاید کوئی حوالہ مل جاتا ۔ یہ قرین قیاس ہے کہ اپنے چچا کی وفات کے بعد وہ کچھ عرصے کے لیے فوج میں ملازم رہے ہوں۔ دیوان میں ایک جگہ مغل بادشاہ محمد شاہ (۱۱۳۱ھ ۔ ۱۱۹۱ھ) اور چند مقامات پر احمد شاہ دز درانی (۱۳۸۰ھ ۔ ۱۱۳۵ھ) کے لشکر میں جالندھر اور جلال آباد میں ان کے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔ ایک غزل کے دو شعر دیوان (ورق ۳۸۹ / ب) میں ملتے ہیں جس کا مطلع ہے:

دور حباب نہ فلک گشت رواں چو بط بہ بط ۔۔۔ بسکہ کشید چشم تر ۔ دجلہ بہ دجلہ شط بشط

اس کا عنوان دیوان میں یوں درج ہے : ایں دو بیت رقیق القافیہ درمن بلشکر محمد شاہ در

سفر بن گھر (بن گڑھ ؟) نزول یافتہ

۲۔ ایک غزل :

جان مست و جہاں مست و مکیں مست و مکاں مست　　　ما مست و سما مست و زمین مست و زمان مست (۱۹)

(ورق ۲۱۵ / ب)

کے عنوان " این غزل ممتنع الجواب در لشکر احمد شاہ درّانی گفتہ شد " سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میرزا زین الدین، احمد شاہ درّانی کے لشکر کے ساتھ تھے لیکن یہ نہیں کھلتا کہ کب اور کہاں !

۳۔ اسی طرح ردیف دال میں ایک غزل ملتی ہے :

بادہ نوشان خرابات مقامے دارند　　　گشتہ بے نام و نشان شہرت نامے دارند

اس کی پیشانی پر درج ہے :

" غزل در بحر رمل مثمن مخبون مسبغ فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان در مقام لودہنا (لودھیانہ ؟) بلشکر (؟) احمد شاہ نزول یافتہ (ورق ۲۴۰ / الف)

۴۔ اسی ردیف کی غزل کا مطلع ہے :

خاصیت تو در نظرم کیمیا بود　　　ہر کس دمے کہ با تو نشیند طلا بود

اس کا عنوان شعر ہے کہ یہ غزل احمد شاہ در درّانی کی فرمایش پر میرزا عشق نے سرہند (سرھند) میں لکھی تھی (ورق ۳۰۳ / الف)

۵۔ دیوان میں اس کے بعد کی غزل :

تو ہرچہ میکنی اے خوش مزاج می زیبد　　　باین نشستنِ تو تخت و تاج می زیبد

اس کے بارے میں ہمیں اطلاع ملتی ہے کہ مقام جالندھر میں لشکر شاہ درّانی میں اس کا نزول ہوا (ورق ۳۰۳ / الف)

۶۔ آن غنچہ لب حکایتِ دل گر کشا کند　　　باخندۂ طرب چوں کلیم آشنا کند

اس کا عنوان ہے: غزل عاشقانہ در لشکر شاہ درانی با علی وردی خاں شاملو (حرّیف تخلص) طرح نمودہ شد ۱۱۰۹ھ ۔ اس سے صراحت ہو گئی کہ میرزا ۱۱۰۹ھ میں احمد شاہ درّانی کے لشکر میں موجود تھے ۔ (ورق ۳۱۴ / الف)

۷۔ ایک غزل کا عنوان ہے : ایں غزل در بحر مسرح مثمن اخرب مکفوف محذوف

مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن ست مصرعِ ثانیِ مطلعِ آن از احمد شاہ دُرّ درّانی ست
(ورق ۳۳۸ / الف)

بحسب فرمائش آں بادشاہ در سرہند ایں غزل نزول یافتہ

صد پارہ بفریاد دل از سنگِ جفا شد — یک شیشہ شکستیم و جہاں پُر ز صدا شد

دوسرے مصرع پر جو احمد شاہ درّانی کا ہے ۴ کا نشان بنا ہوا ہے

۸۔ ردیف س میں "شعروں کی ایک غزل کا مطلع ہے:

شورِ جنونم بہ بہاراں مپرس — جیب دریدم ز گریباں مپرس

اس سے پہلے یہ عبارت درج ہے:

"غزل عاشقانہ رواں ... در لشکرِ احمد خاں دُرِّ درّانی بہ جلال آباد نزول یافتہ"

اس عبارت سے احمد خاں درّانی کے لشکر کے ساتھ جلال آباد میں ان کا قیام ثابت ہوتا ہے۔

۹۔ یہ غزل لشکرِ احمد شاہ موضع جلندر (جالندھر) میں لکھی گئی ہے (ورق ۳۳۹ / الف)

قربانِ تو خوش آمدی از راہِ تلطف — بنشین و کمر وا کن و بر دار تکلف

۱۰۔ غزل:

بے روئے تو از بوئی گل آشفتہ دماغم — بے ... تو آتش زدہ صبا بہ ایاغم

کا عنوان ہے: "ایں غزل در لشکرِ احمد شاہ درّانی بحسب التماسِ ابوالقاسم خاں در تتبعِ نظیری"۔

۱۱۔ بود ہر درد را درماں محی الدّین جیلانی — کند ہر مشکلے آساں محیِ الدّین جیلانی

کا عنوان ہے:

ایں غزل حسبِ فرمائشِ احمد شاہ دُر درّانی در موضع جلندھر ورود یافتہ (ورق ۵۸۹ / الف)

۱۲۔ دیوان میں ایک غزل کے بارے میں میرزا عشق اطلاع دیتے ہیں کہ سپہ سالار شاہ دُرّانی کی فرمائش پر لکھی گئی:

موجودہ شواہد سے اس بات کی صراحت نہیں ہوتی کہ دُرّانی کے لشکر کے ساتھ میرزا کا قیام عارضی تھا، یا وہ ایک سپاہی پیشہ کی حیثیت سے اس کی فوج میں باضابطہ ملازم تھے۔

(۲) میرزا کے تعلقات بہت وسیع تھے۔ ان کے حلقۂ احباب میں ہر طرح کے لوگ تھے۔

راجا مہاراجا، نواب، رؤسا، مشائخ، شعرا، سبھی۔ ہندوستان کے طول و عرض میں انھوں نے سیاحت کی تھی، ہر جگہ ان کے دوست اور قدرداں موجود تھے۔ دیوان میں استطراداً جن اصحاب کا ذکر آگیا ہے ان میں کچھ یہ ہیں۔ راقم نے ان مقامات کے نام بھی لکھ دیے ہیں جہاں ان کی ان اصحاب سے ملاقاتیں ہوئیں:

شاہوں میں احمد شاہ دُرّانی (سرہند)، مہاراجا دولت رائے (مُرشد آباد)، راجا سُندر سنگھ، راجا رام لوچن (کلکتہ)۔

امرا میں اشرف الوزرا ولی خاں (دلی)، سیّد بہرام جنگ عمدۃ الملک (مُرشد آباد)، نواب محمّد اسد اللہ خاں غالب (مُرشد آباد)، داؤد مرزا (مُرشد آباد)، نواب محبت خاں محبّت (بریلی)، نواب علی ابراہیم خاں خلیل (مُرشد آباد)، نواب غلام حسین غلام (عظیم آباد)، حاجی محمّد محسن (مُرشد آباد)۔

مشائخ میں: میرزا مظہر جانِ جاناں (دلی)، شاہ علی اصغر درویش موددی (دلی)، شاہ اسرار (مُرشد آباد)، شاہ رکن الدین عشق (دلی، عظیم آباد)، شاہ اعزّ الدین (مُرشد آباد)۔

شعرا میں شیخ علی حزیں (بنارس)، سراج الدّین علی خاں آرزو (دلی)، اشرف علی خاں فغاں (دلی)، مرزا فاخر مکیں (بنارس)، شاہ قدرت اللہ قدرت دہلوی (مُرشد آباد)، خواجہ امین الدّین امین عظیم آبادی (مُرشد آباد)، نور العین واقف (لکھنؤ؟)، قزلباش خاں امید (دلی)، خواجہ عبداللہ تائید عظیم آبادی (مُرشد آباد)، خواجہ محمّد احسن (مرشد آباد) سلیم عظیم آبادی (مُرشد آباد)، شاہ عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (عظیم آباد)، حکیم غلام علی (عظیم آباد)، صانع بلگرامی (فرّخ آباد)، سعید اللہ خاں عاشق عظیم آبادی (عظیم آباد)، میر محتشم علی خاں حشمت (دلی)، میر محمّد حیات حیرت (مُرشد آباد)، مرزا علی قلی ندیم (دلی)، مرزا علی رضا تجلّی (دلی)، خواجہ عاصم خاں (سرائے مغل)، یار علی (مُرشد آباد)، منشی سراج الدّین (عظیم آباد)، حافظ حلیم (دلی)، امانت علی امانت (مراد آباد)، احسان علی خاں (پیلی بھیت)۔

(۷) میرزا زین الدّین عشق کی دلچسپی تصوّف سے خاصی گہری رہی ہے۔ یہ ان کے کلام سے بھی مترشح ہوتا ہے۔ دلی، عظیم آباد، مُرشد آباد وغیرہ کے مشائخ مرزا جانِ جاناں مظہر، شاہ علی اصغر درویش موددی، شاہ اعزّ الدّین، شاہ اسرار اور شاہ رکن الدّین عشق دہلوی ثم عظیم آبادی سے ان کی عقیدت و نیاز مندی تو اسی وقت شروع ہو گئی تھی جب وہ دلی میں قیام پذیر تھے۔ ترکِ وطن کر کے جب میرزا زین الدّین عظیم آباد پہنچے تو وہ برسوں اُن کی خانقاہ

ہیں ان کے ساتھ مقیم رہے مرزا صاحب جب بھی ان کا ذکر کرتے ہیں تو بڑے احترام سے کرتے ہیں انھیں ایک جگہ "عارف عاشق باتزیین شاہ رکن الدین عشق" لکھا ہے دوسری جگہ "عاشق عارف با تمکین و شیخ الشیوخ باتزیین شاہ رکن الدین عشق سلمۂ" لکھتے ہیں

دیوان کی ردیف ت میں ۱۵ شعروں کی ایک غزل مسلسل ملتی ہے (۲۱۵ / ب - ۲۱۶ / الف) جس کا عنوان ہے "در ذکر روح افزاے عارف باتزیین شاہ رکن الدین گفتہ شد" اس کے کچھ شعر یہ ہیں:

چرخ ہمسر نتواں گشت بخاکِ کویت | طینتِ دورِ سیہ کاسۂ واژون ست
سالک از دیرِ تو دیوانۂ حق می گردد | نگۂ جذبِ ترا خاصیتِ افیون ست
مستیِ حق ز کلامِ تو رسیدہ ست بمن | ز چمین ... در معجون ست
فکرتِ تُست کمندے کہ بخلوت گہِ دل | دام پرچیدہ بدستِ او دُرِ مضمون ست
دلکُشا مصرعِ دیوانِ تو باشد قدِ یار | بسکہ طبعت ز لطافت بہ سخن موزون ست
رکنِ دیں آمدہ بُرہانِ طریقِ نبوی | کہ ازو رونقِ سجّادہ بدہر افزون ست
پاک برداشتۂ گردِ ملالِ شہِ دیں | از پئے شستنِ دلہا نگہتِ صابون ست
بندہ عشق شد آنکس کہ در آفاق چو من | پاے تا سر تن و جان و دلِ او ممنون ست

لیکن مرزا آزاد منش انسان تھے، جس طرح وہ کسی کے حلقۂ شاگردی میں داخل نہیں ہوئے اسی طرح وہ کسی صوفی بزرگ اور حد یہ ہے کہ عقیدت مندی کے باوجود وہ شاہ رکن الدین عشق کے بھی باضابطہ مرید و مسترشد نہیں بنے۔ کم از کم شعراء کے تذکروں اور خود ان کے دیوان سے ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی۔ وہ اپنے اس شعر پر عمل کے پابند نظر آتے ہیں:

کار با مدرسہ و خانقہے نیست مرا | بادہ نوشم ہوسِ صحبتِ رنداں دارم

(۸) میرزا زین الدین عشق کی صرف دو کتابوں کا اب تک علم ہوسکا ہے۔ ایک دیوان فارسی اور دوسرا رسالہ مجمع الابحار۔ دیوان کا ذکر ابھی آتا ہے لیکن پہلے مجمع الابحار کا ذکر ہوجائے۔

ا۔ مجمع الابحار:

مجمع الابحار (مجمع البحور ؟) میں رباعی کے اوزان اور اس کی بحروں سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ مُصنّف فنِ عروض پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا۔ اس کا مطالعہ وسیع تھا۔ اس کی

سادگیں دیوان میں جا بجا ملتی ہیں۔ اس نے لکھا ہے کہ علم عروض کے متعدد رسائل اسے حفظ تھے۔ اس کا رسالہ مجمع البحار تو کہیں محفوظ نہ رہ سکا اور اب تک اس کے کسی نسخے کے وجود کی اطلاع نہیں۔ لیکن حُسنِ اتفاق سے میرزا نے اس کا اختصار دیوان کے آخر میں رباعیات کے انتخاب سے پہلے بطور تمہید پیش کر دیا ہے۔ تمہید ان سطور پر ختم ہوتی ہے:

"خاکسار، بعون قادر اسم ہر بحر مفصّل مطابق قاعدۂ عروضیاں دریں دیوان مرقوم کردہ و در بست و چہار تقطیع قرار دادہ مولوی جامی رباعیات مشق کردہ و از تغیر و تبدیل ہمیں دہ کلمہ بیست و چہار تقطیع دیگر احداث و در ہر تقطیع رباعی مکمل بزبانِ فارسی و زبانِ ہندی اُوردوے معلاّے پایۂ تخت شاہ جہاں آباد مشق کردہ امید داد رسی مشتاق از سخن سنجانِ انصاف آئینِ دوراں دارد"

اس کے بعد مصنف نے اپنی ۲۹۰ رباعیاں اس اہتمام سے درج کی ہیں کہ پہلے بحر کا نام لکھا ہے، پھر اس کی تقطیع بتائی ہے پھر مثال میں اپنی ایک رباعی لکھی ہے۔ جامی نے مثال کے طور پر جو رباعیاں اپنے رسالے میں لکھی تھیں ان میں چار مصرعوں میں ایک مصرع اپنا رکھا تھا۔ زین الدین عشق نے چار مصرعوں کی مکمل رباعیاں اپنی کہی ہوئی درج کی ہیں۔ یہاں حمد و نعت میں اس کی دو رباعیاں بحر و تقطیع کے التزام کے ساتھ درج کی جاتی ہیں:

"رباعی فی الحمد در بحرِ اخرب مکفوف سالم محذوف مفعول مفاعلن مفاعیلن مفعول

آراستہ ہر طبق ز مولائی تُست　　در کارِ جہاں ز کار فرمائی تُست

برتر ز قیاس با توانائی تُست　　پیدائش ما دلیلِ پیدائی تُست

رباعی فی النعت بحرِ اخرب مقبوض سالم مجدوع : مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

اے فخرِ رُسُل ترا ز حق شد معراج　　ز چرخ نمود خاکپایت سرتاج

در ظلّ لوای تُست عالم آباد　　بر درگہِ عالیِ تو آدم محتاج

اسی طرح کوئی دو سو چار سو رباعیاں بحر و تقطیع کے اندراج کے ساتھ دیوان کے آخری حصے میں ملتی ہیں۔ مصنف نے فارسی کے ساتھ اُردو رباعیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ہمیں ان کی کوئی اُردو رباعی نہیں ملی نہ دیوان میں نہ کسی تذکرے میں۔ شاید اصل کتاب مجمع البحار میں ہو۔ ہاں دیوان کے پیشِ نظر نسخے میں دو رباعیاں ایسی ضرور دیکھنے میں آئیں جن میں ہر ایک کا

چوتھا مصرع اُردو میں ہے :

۲۔ دیوانِ فارسی :

دیوانِ فارسی کے صرف ایک نسخے کا اب تک علم ہوسکا ہے اور وہ انگلستان کی جون ریلینڈ لائبریری مانچسٹر میں محفوظ ہے۔ اس کا قدیم شمار نمبر فارسی : ۲۰۰ ہے۔ مخطوطے سے پہلے دو صفحوں میں سے ایک پر مالکِ نسخہ یا کسی کے دستخط تھے جس پر اس طرح روشنائی پھیری گئی ہے کہ اب الفاظ بالکل نہیں پڑھے جاتے۔ اس صفحے پر کتب خانے کی مطبوعہ فہرست سے (جو اس قدر نایاب ہے کہ ہندوستان پاکستان یورپ میں کہیں بھی حاصل نہ کرسکا) سات باریک سطروں کی ایک عبارت تراش کر چسپاں کر دی گئی ہے :

مرزا زین الدّین خاں صاحب 207

The Poemsof Mirza Zayn-uddin khan
well written in Taaliq , on thin and slightly
silk paper A very thick 4 to 1390 pp £5 15s 6d
Presented by him to the Gevernor General
(Warren Hastings) The circumstance is mentioned
in a note on the fly - leaf at the beginning of the book ,
in the hand - writing ofSir W. Jones

دوسرے صفحے پر سرولیم جونس کے قلم کی حسب ذیل تحریر ہے :

The
Poems
of
Mirza Zain uddin Khan
surnamed Ishk (Love)
presented by him
to the
Governor General Warren Hastings
21 May 1785

سرِ ورق پر غالباً سر ولیم جونس کے قلم سے "6.6" پونڈ کی رقم لکھی ہوئی ہے۔ مطبوعہ انگریزی فہرست میں تعداد صفحات ۱۳۹۰ کے بعد 6d - 15S - 5£ کی رقم درج ہے۔ چھے گنی اور (تقریباً) چھے پونڈ رقوم کے اندراج کی وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ دیوان کا یہ نسخہ کتب خانے کے لیے خریدا جاتا تو سمجھا جاتا کہ یہ قیمت اس نسخے کی ہے۔ لیکن ولیم جونس کی تحریر سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نسخہ شاعر نے گورنر جنرل کو بطور ارمغان پیش کیا ہے۔ ۲۱ مئی ۱۷۸۵ مطابق ہے ۱۱ رجب ۱۱۹۹ھ کے۔ اس وقت مرزا زین الدّین خاں عشق بنگال (مُرشد آباد کے مقابلے میں کلکتہ زیادہ قرینِ قیاس ہے) میں موجود تھے۔ یہ جِلد بندی کی اُجرت بھی نہیں ہو سکتی کہ یہ رقم زیادہ معلوم ہوتی ہے، پھر دونوں رقوم میں فرق کیوں ہے۔ جِلد بندی کی اُجرت کا کیٹلاگ میں اندراج بھی عجیب معلوم ہوتا ہے۔ فہرست نگار تو زمانۂ حال کی خریدی ہوئی کتاب کی قیمت کا بھی ذکر نہیں کرتے۔ دیوانِ عشق راقم کی نظر سے ۱۹۵۵ء میں گزرا ہے۔ اس کی جلد خوبصورت، مضبوط اور پائیدار ہے اور دو سو سال گزرنے پر بھی دیوان کا ایک ایک ورق محفوظ ہے۔ ایک طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ دیوانِ عشق کے مُصنّف کی دعا بھی یہی تھی:

خداوندا بہ بستِ جلدِ اوراقِ کتابِ گُل　　مکن شیرازۂ دیوانِ عشقِ پاکِ من ابتر

دیوان بہت ضخیم ہے اور جہازی تقطیع کے ۱۳۹۰ صفحات پر مشتمل ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں کہیں کہیں ۱۲ اور بعض صفحات پر ۱۴ بھی ہیں۔ نسخے کے کچھ صفحات سادہ ملتے ہیں تو مُتعدد صفحات پر حواشی میں اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ یہ بعد کے اضافات ہیں جو قریب بہ یقین ہے کہ مُصنّف کے کیے ہوئے ہیں۔ ہر صفحے پر ۱۳ شعروں کا اوسط مان لیا جائے تو دیوان میں اشعار کی تعداد ۱۸ ہزار سے زیادہ بنتی ہے۔ دیوان خاصا ضخیم ہے لیکن یہ عشق کے سارے کلام پر حاوی نہیں۔ اپنے معاصر میرزا عنایت اللہ بیگ ساکن عظیم آبادی (متوفی ۱۲۱۱ھ) کے نام ایک منظوم خط میں میرزا عشق لکھتے ہیں کہ میں نے ۸ لاکھ سے زیادہ شعر کہے ہیں لیکن ہجو لکھ کر کسی کا دل زخمی نہیں کیا:

بود از ہشت لک اشعارم افزوں　　بہ ہجوِ کس نکردم سینہ پُر خوں

عشق کا ۸ لاکھ شعر کہنے کا دعویٰ غالباً مبالغے پر مبنی نہیں۔ شاعری میں ساٹھ سال کی ریاضت کا ثبوت ان کے دیوان سے ملتا ہے۔

مولا علی کی منقبت میں جو قصیدہ انھوں نے ۱۱۸۹ میں لکھا ہے اس میں یہ شعر دیکھیے:

در مشق شصت سالہ شاہا بر انچہ گفتم مداحی تو کردم طغرای داستانی

وہ مجمع الابحار میں رباعیوں کی تمہید میں لکھتے ہیں : از سنِ تمیز نہ سالگی تا بشصت کہ ۱۱۹۹ھ مبارک ست ... " یہاں ساٹھ سال وہ سہواً لکھ گئے ہیں انھیں اس وقت فکر سخن کو ستّر سال پورے ہو چکے تھے۔ ستّر سال ایک طویل مدت ہے اور جب شاعر زود گو ہو اور دن رات شعر و شاعری میں مستغرق ہو، اس دور خوشحالی و فراغت میں عشق کا پان سات لاکھ شعر کہہ لینا کچھ مستبعد نہیں۔

دیوان کے پیش نظر نسخے پر نہ کوئی سر ورق ہے نہ ابتدا میں کوئی مقدمہ و تمہید۔ یہ خاتمہ و ترقیمہ سے بھی بے نیاز ہے جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ نسخے کی کتابت کس نے کی اور یہ کب کا لکھا ہوا ہے۔ کتابت میں املا کی فاحش غلطیاں ہیں، کچھ یہاں پیش کی جاتی ہیں :

سوسا (بجای موسیٰ) ، سبزدل (مبذول) ، یسرب و بطحا (یثرب و بطحیٰ) ، مزاق (مذاق)، حمزہ (همزہ) ، نصر (نثر: چوں گلکلت فقرہ نصری نگارد)، خذف (خزف : خذف اندوختی در خانہ بسیار) ، ماقلہ و دلہ (ماقل و دل)، صواب (ثواب : ملاقاتت صوابست و سعادت)، اولا (اولیٰ)، غنسہ (غنچہ) ، طرقی (ترقی) ، صومنات (سومنات)، سعب (صعب)، قائدہ (قاعدہ : برنج قائدہ عروضیان) ، سلہ (صلہ)، ضال دنیا (زال دنیا)، صفاک (سفاک)، طوران (توران) ، اصنای راہ (اثنای راہ) ، علاہدہ (علیحدہ)، زلالت (ضلالت)، ضحافات (زحافات)۔ شاعر عروض کے مسائل سے خاصا واقف ہے، وہ زحافات کو ضحافات نہیں لکھ سکتا۔

املا کے اتنے اور ایسے ایسے اغلاط دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنا دیوان کسی متصدی یا کم سواد نقل نویس سے لکھوایا ہے اور اسے تصحیح کا موقع میسر نہ آیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ مصنف کا ذاتی نسخہ ہے اور برسوں اس کے پاس رہا ہے۔ اس نے اپنے اشعار میں کہیں کہیں ترمیم کی ہے اور مختلف اوقات میں اس نے بیسیوں مقامات پر سادہ اوراق پر یا حواشی میں تازہ غزلیں درج کی ہیں۔ ان تحریروں کا خط کاتب دیوان کے خط سے کچھ مختلف معلوم ہوتا ہے۔ قلم کہیں متوسط ہے کہیں خفی۔ ہاں قصائد جن سے دیوان شروع ہوتا ہے، اور کچھ اور اوراق مُصنّف کے لکھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ دو چار مقامات پر مصرع اوّل کی جگہ بیاض ہے۔ دوسرا مصرع ہوگیا اسے نقل کر دیا۔ خیال ہوگا کہ پہلا مصرع کہہ کر شعر پورا کر دیا جائے گا۔ کسی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا۔ غزل دلداری شوم / دیواری شوم (دیوان ص ۳۵۲) میں مقطع کی جگہ بیاض ہے۔ ردیف دال میں ایک جگہ (ص ۳۵۰) عنوان درج ہیں :

غزل در بحرِ ہزج مُثمّن مقبوض مسبغ مفاعلن مفاعلن فاعلات این بحر در دیوانہا نایابست " اس کے بعد نسخے میں سات سطروں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے وہ غزل لکھنے کے لیے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے غزل کا وہ پرچہ گم ہوگیا اور درج دیوان نہ ہوسکا۔

اوپر ذکر ہوا کہ دیوان میں بعض مقامات پر الفاظ قلمزد کر کے ان کی جگہ دوسرے الفاظ لکھے گئے ہیں۔

۱۔ عرفی کے تتبع میں نعتیہ قصیدے کا ایک شعر ہے

آں ختمِ رُسُل دبدبہ افزود حشم را … بر عرشِ مُعلّیٰ زدہ در قربِ علَم را

"آں ختمِ رُسُل" کو شاعر نے نظرِ ثانی کے وقت "محبوبِ خدا" بنا دیا ہے

۲۔ قصیدۂ میمیہ در حمد و نعت و منقبت کا ایک شعر ہے:

طائران چرخِ پرواز ہوائے را دراں … سر بسر درماندہ و حیران و بے پر یافتم

"ہوائے را دراں" کو "ہوا را بر درش" کر دیا ہے۔

۳۔ حق را بہ کائنات مُقدّم شناختی … بگرفت زہرہ برفلک از مہر و ماہ دف

پہلا مصرع مسترد کر کے اس کی جگہ: "تا کوسِ جانشینیِ احمد نواختی" لکھ دیا ہے

۴۔ غزل کا ایک مطلع تھا:

ناتواں صیدم و ترسم چو کند یاد مرا … شاید آشفتہ ز کنجِ قفس آزاد مرا

پورا شعر قلمزد کر کے یہ شعر لکھ دیا ہے:

صید خود کردہ رہن ساختہ صیاد مرا … ناتواں دیدہ مبادا کُند آزاد مرا

۵۔ دو چارت گر شود اے عشق آں دلدار بے پروا … ز دستِ خویشتن بگذار دامانِ تغافل را

نشان زدہ الفاظ کو "ز دستِ آرزو بگذار" میں تبدیل کر دیا ہے

۶۔ ہر کہ بیند حسنِ بازاری بقولِ صائبا … عشق از بے باکیش ... ی شود

اب یہ شعر قلمزد ہو کر یوں ہوگیا ہے:

عشق منکر حُسنِ بازاری بقولِ صائبا … [illegible] خوار می آید از تیغے کہ عُریاں میشود

۷۔ تجالتنا زجسمِ لاغر و مُرّا ناتواں دارم … فزود از داغہائی سینۂ من اعتبار من

دوسرا مصرع اصلاح کے بعد یوں ہو گیا ہے :

"کہ پیکانش نشد آلودہ از مشتِ غبارِ من"

۸۔ تو فریبِ آئینہ را مخور اے بکار خود سر   بدلم ... کہ دادہ بہ تجلّی صفائی

دوسرے مصرع میں شاعر نے ترمیم کر کے اب یوں کر دیا ہے :- "کہ دلم زیادہ دادہ"

شاعر نے ردیف نون کی ایک غزل کوثر من / لشکر من (ص ۱۲: ۱۵ا کے کئی شعر نظری کر دیے ہیں

(۹)۔ دیوانِ عشق میں پچاسیوں ایسی غزلیں ملتی ہیں جن کے ... ے میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ غزل کس شاعر کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ یہاں کچھ شعراء کے نام لکھے جاتے ہیں۔ اس فہرست سے اندازہ ہو سکے گا کہ مرزا عشق کے پسندیدہ شعراء کون کون ہیں۔ قوسین میں میں نے سنین درج کر دیے ہیں جن سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ غزل کب لکھی گئی۔

غزل در تتبّع صائب علیہ الرّحمۃ (۱۱۵۶ ، ۱۱۶۵ ، ۱۱۷۶ ، ۱۱۸۳ ، ۱۱۸۶ ،) در محفلِ اسد اللہ خاں غالب (۱۱۹۱ ، ۱۱۹۳) ، در تتبّع جمہور شعراء ، استادانِ متوسّطین ، مشتاقانِ افصح ، در تتبّعِ سلیم (۱۱۷۶ ، ۱۱۸۹) ، شوکت بخاری ، (۱۱۶۶ ، ۱۱۸۹) اہلی شیرازی (۱۱۸۳ ، ۱۱۹۴) ، (۱۱۸۹ ، ۱۱۹۱) خواجہ آصفی (۱۱۹۱) شفائی (۱۱۶۹ ، ۱۱۸۳) (۱۱۸۳) ، (۱۱۹۱) ، کمال خجندی (۱۱۸۱) ، فرج اللہ عرب (۱۱۵۵) ، طاہر غنی (۱۱۸۶) ، فغانی (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۶) ، (۱۱۸۹) ، (۱۱۹۱) ، نظیری (۱۱۶۹) ، (۱۱۹۲) ، حافظ (۱۱۶۶) ، (۱۱۸۴) ، (۱۱۹۴) ، طالب کلیم (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۸) ، طالب آملی (۱۱۷۶) ، (۱۱۸۲) ، خواجہ آصفی (در عظیم آباد) (۱۱۹۱) ، قدسی (۱۱۸۹) ، خسرو (۱۱۹۵) ، قزلباش خاں امید (۱۱۵۵) ،

ان کے علاوہ حسب ذیل شعراء کے تتبّع میں عشق کی غزلیں ملتی ہیں :

غنی کاشمیری ، فیضی ، ناصر علی ، حیرت ، مرزا بیدل ، حکیم رکنا کاشی ، علی قلی خاں والہ ، سعدی ، علی رضای تجلّی ، رومی ، عرفی ، میر حشمت علی خاں شاہجہان آبادی ، حزیں ، نظام الملک آصف جاہ ، مرتضیٰ قلی بیگ فراق شاہجہاں آبادی ، ظہیر فاریابی ، ضمیری ، کلیم ، شہرت ، نواب زاہد علی خاں سخا ، نعیمی (ایں غزل بر غزل مشہور نعیمی بر سر مجلس بداہتہً نزول یافتہ :

جان و دلم ربود و ادا را بہانہ ساخت   خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت

تقلید و اتباع صحیح معنوں میں ایک دو شاعر کی کی جا سکتی ہے ، چالیس پچاس شعراء کی نہیں ۔ عشق کی مراد تتبّع سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان شعراء کی زمینوں میں انھی قوافی و

ردیف میں غزلیں کہی ہیں :

(۱۰) کلیاتِ عشق کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر جہانیاں جہاں گشت تھا، پورے ہندوستان کے طول و عرض میں گھومتا پھرتا تھا اور آج کل کی اصطلاح میں "مشاعرے پڑھتا" رہتا تھا۔ وہ غزلوں کے اندراج سے پہلے عام طور پر لکھتا ہے کہ اس نے یہ غزل کس شہر کے مشاعرے یا ادبی محفل میں پڑھی۔ ان کے نام درج کیے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے یہ غزل کب لکھی اور ان شہروں میں وہ کب گیا :

مُرشد آباد ۱۱۹۱ (در محفلِ اسد اللہ غالب)، مقصود آباد غالباً مرشد آباد کا کوئی علاقہ جہاں علی ابراہیم خان خلیل مُتمکّن تھے) ۱۱۹۳ ، ۱۱۹۲ ، ۱۱۹۳ ، ۱۱۹۰ ، موضع عطر چھنڈی (زاد بیبنہ؟) آنولہ (۱۱۸۱) پرگنہ حصار ۱۱۸۰ شاہ جہاں آباد ۱۱۳۱ ، ۱۱۳۶ ، ۱۱۳۵ ، ۱۱۵۸ ، ۱۱۵۶ ، ۱۱۶۹ ، ۱۱۶۱ ، سامانہ ۱۱۶۳ ، سھرند (سر ہند) ۱۱۵۸ ، ۱۱۶۱ ، ۱۱۶۸ ، انبالہ ، کیتھل ۱۱۸۸ ، ۱۱۸۹ ، پیلی بھیت ، سرائے مغول (؟) موضع سردلی ۱۱۸۵ ۔ عظیم آباد ۱۱۹۱ ، ۱۱۹۲ ، ۱۱۹۳ ، ۱۱۹۳ ، پٹنہ ۱۱۶۹ ، کرنال ۱۱۲۱ ، پانی پت ، میرٹھ ، بسولی ، لکھنؤ (۱۰) ۱۱۸۱ ، جلندھر (جالندھر) در لشکرِ احمد شاہ درّانی ۔ اٹاوہ ، بنگلہ (فیض آباد کا قدیم نام) ، کوہ تسام (ایک مقام پر قصبہ تسام ۱۱۸۱ ، راج محل ، کلکتہ (۱۱۹۰) بانس بریلی ۱۱۸۵ ، ۱۱۸۶ ، انوپ شہر ، خرجہ (اب خورجہ کہلاتا ہے، علی گڑھ غازی آباد کے درمیان ایک قدیم قصبہ) مراد آباد ، جلال آباد (در لشکرِ احمد شاہ دُرِّ درّانی) پورنیہ ، فتح آباد ، سرسہ ، بنّور ، فرخ آباد ، سیف آباد ، مسرودی (مسوری ؟) در شکار ، جون پور ، بنارس ، شاہ جہاں پور ، علی نگر ، نگینہ ، دھام پور ، دارا نگر ، اسلام آباد ، حافظ آباد ، دریا باد ، موضع کہرام ، نجیب آباد ، مقام لودھیا (لودھیانہ ؟) سرائے مغل (مغل سرائے ؟) بن گھر (بلشکرِ محمدّ شاہ در سفر بن گھر نزول یافتہ ، یہ "بن گھر" ممکن ہے وہ مقام ہو جو "بن گڑھ" کہلاتا ہے [illegible]

۱۱۔ دیوانِ عشق کی ایک انفرادیت یہ بھی نظر آئی کہ پچاسوں غزلوں کے بارے میں شاعر کی صراحت ملتی ہے کہ یہ غزل کس کی فرمایش پر یا کس موقع پر لکھی گئی ۔ اس کے لیے وہ حسب الاستدعا ، حسب الایما ، حسب فرمایش ، حسب خواہش ، بپاس خاطر ، باستدعای فلاں کے کلمات لکھتا ہے :

یہاں فرمایش کرنے والوں کے نام درج کیے جاتے ہیں ۔ استیعاب کی کوشش نہیں کی گئی ہے ۔ لیکن خیال ہے کہ تقریباً سارے نام آگئے ہیں۔ جن اصحاب کے حالات کتب تذکرہ و تاریخ میں مل جاتے ہیں ان کے نام پر ستارے کا نشان بنا دیا گیا ہے۔

☆ شیخ محمد علی حزیں مرحوم۔ ☆ احمد شاہ دُرِّ دُرّانی (در سرہند)۔ ☆ عارف عاشق باتزیین شاہ رکن الدّین اعشق اسلمہ (در عظیم آباد ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۵)۔ ☆ مرزا جان جاناں مظہر مرحوم (شاہجہاں آباد)۔ مرزا نجیب اللہ رغبت (در شاہجہاں آباد)۔ حقائق معارف آگاہ سیّد شاہ علی اصغر درویش مودودی مرحوم (شاہجہاں آباد)۔ ☆ نواب اعزّ خاں دیدہ مغل مرحوم(۲)۔ خواجہ عاصم خاں مرحوم۔ محمّد امین خاں (پرگنہ حصار)۔ شہامت خاں (در آنولہ ۱۱۸۵ھ)۔ ☆ نواب محبّت خاں (بریلی ۱۱۸۵ھ)۔ ☆ شاہ محمّد پناہ قابل (شاہجہاں آباد) ☆ قزلباش خاں امید مرحوم (شاہجہاں آباد ۱۱۵۵ھ)۔ ☆ سراج الدّین علی خاں آرزو۔ خلیفہ فیض اللہ بیگ آرام مرحوم۔ ☆ میر محتشم علی خاں حشمت۔ احسان علی خاں سلمہٗ (پیلی بھیت)۔ خلیفہ فرمان بیگ۔ ☆ مرزا فاخر مکین (لکھنؤ) ☆ میرزا مرتضیٰ قلی بیگ فراق (شاہجہاں آباد)۔ حکیم غلام علی (عظیم آباد ۱۱۹۲ھ)۔ ہمّت خاں (عظیم آباد)۔ میر محمّد حیات حیرت (مرشد آباد)۔ شیخ ابوالفتح نار نولی مرحوم (پیلی بھیت)۔ شاگرد رشید خلیفہ محمّد انور (لکھنؤ)۔ میر خواجہ محمود جان مرحوم۔ کاظم جنگ شیدا (بریلی) ☆ مرزا علی قلی ندیم ☆ مرزا اشرف علی خاں فغاں (شاہجہاں آباد)۔ احمد خاں پسر ملّا شفیع ؟ مرحوم کہ عزیز دلہا بود)۔ ☆ مرزا علی رضا تجلّی (شاہجہاں آباد)۔ ☆ خواجہ امین (مرشد آباد میں نواب علی ابراہیم خاں خلیل کی مجلس میں یہ غزل لکھی گئی ہے' اس لیے یقین ہے کہ یہ خواجہ امین الدّین امین عظیم آبادی متوفی ۱۱۹۹ھ ہوں گے) ☆ خادم حسین خاں (عظیم آباد)۔ ☆ سعید اللہ خاں عاشق عظیم آبادی (در عظیم آباد۔ نزول یافتہ)۔ عزیز دلہا لو سہات ؟ بابو مہتاب ارائے (مرشد آباد)۔ ☆ نور العین واقف (لکھنؤ ؟) شاہ اسرار سلمہٗ (مرشد آباد)۔ اشرف الوزرا۔ شاہ ولی خاں۔ خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر (کلکتہ ۱۱۹۸ھ)۔ خواجہ عاصم خاں مرحوم (در سرائے مغل) (ممکن ہے یہاں شمالی ہند کا مشہور ریلوے جنکشن مغل سرائے مراد ہو)۔ ☆ خواجہ عبداللہ تائید عظیم آبادی (مرشد آباد ۱۱۹۳ھ) قاسم بیگ۔ قاسم خاں:

بگفتم بے تأمّل ایں غزل در بزم قاسم خاں ‌‌ ‌ ‌ ‌ ‌ بفرمود از چراغ دل ... کنول روشنؔ

—— عزیزی ممتحن الشعر (پایۂ تخت دہلی)۔ راجا دولت رائے و بابو مہتاب رائے (مرشد آباد)۔ منشی سراج الدّین (عظیم آباد)۔ راجا رام لوچن (کلکتہ)۔ مرزا امانت علی امانت (مراد آباد)۔ در مجلس محققان خلیفہ ابراہیم و میر ولایت اللہ خاں (مرشد آباد) (ایک جگہ خلیفہ ابراہیم کو محقق بے بدل خلیفہ ابراہیم مرحوم لکھا ہے) نواب بہرام جنگ عمدۃ الملک (مراد آباد)۔ سردارِ سرداران سپہ سالار شاہ درّانی (جلندھر)۔ میر علی نقی رضوی کتاب خواں امام مرشد آباد (مرشد

آباد)۔ میر ولایت مرحوم ؟

ان ۵۵ اصحاب میں متعدد ایسے ہیں جن سے راقم واقف نہیں، مشہور تذکروں اور کتبِ تاریخ میں ان کا ذکر نہیں مل سکا۔ تلاش جاری ہے۔

○

کلّیاتِ عشق خود شاعر کا مُرتّب کردہ ہے۔ اس کا یہ انداز دلچسپ، مفید اور منفرد پایا کہ وہ اپنے قصاید و قطعات و غزلیات وغیرہ نقل کرنے سے پہلے یہ لکھتا ہے کہ یہ اشعار کس شاعر یا کن شعراء کے تتبّع میں لکھے گئے ہیں، کون سی بحر ہے اور اس کی تقطیع کیا ہے۔ کہیں کہیں یہ ذکر بھی ملتا ہے کہ یہ اشعار کب اور کس کی فرمایش سے کس مقام پر اور کس مشاعرے کے لیے لکھے گئے۔ بعض مقامات پر اندراجات مختصر ملتے ہیں اور جہاں نہیں ملتے وہاں پیش نظر نسخے میں ایک سطر سادی چھوڑ دی گئی ہے۔ خیال ہوگا کہ یہاں کچھ لکھا جائے گا لیکن اس کا موقع نہیں ملا۔ فارسی کے کسی شاعر نے اپنے دیوان یا کلّیات میں شاید ہی اتنے مفید معلومات جمع کیے ہوں جتنا کلّیاتِ عشق میں ملتے ہیں اس لحاظ سے اس کی اہمیّت ظاہر ہے۔

کلّیات میں جہاں بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم درج ہے وہاں: "رہبرِ عشق ست طبعِ سلیم" لکھ کر شعر مکمل کر دیا گیا ہے۔

کلّیات کی ابتداء قصائد سے ہوتی ہے۔ پہلا قصیدہ نقل کرنے سے پہلے نثر کی حسب ذیل عبارت ملتی ہے:

۱۔ قصیدہ در تتبّع مولانا احمد زندہ فیل جامی، معانقی و خواجہ شمس الدّین محمّد حافظ شیرازی غیب اللسان و شاہ رکن عالم در صنعتِ مُسجّع در بحرِ رجز مثمّن سالم۔ تقطیش:
مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

یہ قصیدہ ۱۸ اشعار پر مشتمل ہے، ۲۲ شعر حمد میں ہیں ۳۳ نعت میں اور بقیہ ۲۵ مناقب میں ہیں۔ ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے:

اے قادرِ قدرت نما، وے صانعِ ارض و سما   قفلِ دل من بر کشا، من گو نمت حمد و ثنا (۸۱ شعر)

۲۔ قصیدہ فی المناقب در تتبّعِ عرفی شیرازی، در بحرِ ہزج مثمّن اخرب مکفوف محذوف ست۔
تقطیش: مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

آہم چو برافراشت در آفاق علم را   گردید ستون خیمۂ افلاک دژم را (۸۸ شعر)

۶۔ قصیدہ در تتبع خاقانی و انوری مسمّیٰ بہ گلدستۂ معانی در بحرِ رمل مثمّن اخرب مقصور مکفوف
تقطیع: مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات

پیکانِ آبدارِ تو چوں دانۂ انار | ہر قطرہ خونِ دل برد از سینہ بے شمار (۱۹۳ شعر)

آخری چار شعر یہ ہیں: چوتھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ ۱۱۹۰ ہجری میں رقم ہوا ہے:

اے عشق این قصیدۂ نازک خرام من | چوں دستۂ گل ست فرستادۂ بہار
گلدستۂ معانیِ عشق ست نام او | باشد کہ رفتہ رفتہ رود اصفہاں دیار
دارم توقعے کہ بہ بینند اہلِ دل | از چشمِ عیب پوش ہنر بینِ پردہ دار
در یکہزار و یکصد و ہفتاد و بیست و ہفت | از کلکِ من رقم شدہ این نظمِ آبدار

۷۔ قصیدہ در ذکرِ اطوارِ زمانہ و مناقبِ عالی متعالی صاحبِ امر۔ در بحرِ ہزج مسدس محذوف
تقطیع: مفاعیلن مفاعیلن فعولن

طلسماتیست در ایں پیکرِ گل | کہ در ادراکِ او حق است حاصل (۸۸ شعر)

اس قصیدے سے شاعر کے عہد کی معاشرت پر روشنی پڑتی ہے۔ کچھ شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

زمامِ ملک ناداناں ربودند | ہر آنکس بود دانا گشت عاطل
رسومِ عام خاصاں برگزیدند | شد آثارِ قیامت جملہ نازل
فقیہ و اہلِ علم و سیّد و شیخ | بنانِ خشک شد محتاج و بیبل
نصاریٰ و یہود و مردِ ملحد | کنند تحقیرِ علم و فضلِ فاضل
چوں ہستم سیّد و شاعر، ازیں وجہ | مرا ایں قوم جاہل
بہ از اشراف خود را می شناسد | جولاہ و کفش دوز و مردِ ناقل ...
ز اہلِ علمِ ایں دوراں چہ پرسی | نخواندہ کس بجز مفعول و فاعل
فقیہ و مفتی و قاضیِ ایں دور | نداند فقہ و احکامِ مسائل
طریقِ دیں نہ پرسد کس ز عالم | دہد فتویٰ بکارِ شرع، جاہل

قیامت عنقریب آمد کہ در دیر   سر د بر کردہ می بینم اراذل
الا اے عشق اگر گردوں بہ پیکار   بروبت فوجِ غم کردہ مقابل
شکیبائی مدہ از دست زنہار   بامدادِ محمدؐ کن قوی دل
درین دوران بروحِ صاحبِ امر   رجوعے کن بجاں گردیدہ مائل
فسہل یا الٰہی کل صعب   بحرمت سیدِ الابرار سہل

۵۔ قصیدہ فی المناقب: در بحر رمل مثمن اخرب تقطیع: مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

یا مظہر العجائب شہبازِ لامکانی   در قافِ قرب قائم مافوقِ آسمانی (۲۲۵ شعر)

یہ قصیدہ مولیٰ علی کی منقبت میں ہے اور خوب ہے:

مشکل کشاست نامت یا حیدرِ غضنفر   داری نہ بس مروّت حامیِ بے کسانی

آخری شعروں سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۲۲۵ شعروں کا یہ قصیدہ ۱۱۸۹ھ میں لکھا گیا ہے جب شاعر کی مشقِ سخن کو ساٹھ سال پورے ہوچکے تھے۔ عشق کی شاعری کا آغاز تقریباً ۱۱۳۰ھ میں ہوا ہوگا۔

۶۔ قصیدہ در حمد و نعت و مناقب در بحرِ رمل مثمن مقصور (۲۲) تقطیع: فاعلاتن فاعلن فاعلاتن فاعلات

می سرایم حمدِ حیِّ قادرِ پروردگار   آنکہ دادہ در دل ہر واحد از قدرت گزار (۱۲۳ شعر)

۷۔ قصیدہ مسمّی بہ بحرِ عرفان، دربیان رویّہِ اصطلاح بت پرستان و اظہار شان صمدیت و شکوہِ اسلام حقیقی، در بحرِ رمل مثمن مقصور۔ تقطیع بر نہج قائدہ (قاعدہ) عروضیان: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

می گذشتم بر درِ بتخانۂ در رہ گزار   اتفاقاً شد برہمن زادۂ بامن دو چار (۱۴۴ شعر)

آخری دو شعروں سے قصیدے کے نام کی توثیق ہوتی ہے اور یہ اطلاع ملتی ہے کہ اس کا سالِ تصنیف ۱۱۸۵ھ ہے۔

ایں قصیدہ "بحرِ عرفان" نام دارد در سلوک   غوطہ اینجا ہر کہ زد ہرگز نیاید برکنار
دو ہزار و یکصد و ہشتاد و پنج ایں ارمغان   کلکِ من آورد از عرشِ معلیٰ یادگار

۸۔ قصیدہ فی المناقب (۲۳) در بحرِ رمل مثمن محذوف۔ تقطیع: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

داد از بیدادِ گردوں یا علیؑ مرتضیٰ　　　مشکلم بکشاے از سر پنجۂ مشکل کشا (۸۱ شعر)

۹۔ اس کے بعد کا ورق یا اوراق غائب ہیں جہاں سے قصیدۂ نہم کا آغاز ہوتا ہے۔ قصیدے کے آخری سات شعر محفوظ رہ گئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں:

ز روے باطن شدہ ست مشتق کشودہ چشمے اویسِ تو
کہ در دلِ او مشاہدہ شد ظہورِ حشمت بصورتِ جاں (۷ شعر)

یقیں کہ قرنے دمِ نہایت زند بدنیا مسیح از دے
ز بعدِ او ہم خلیفۂ او چہار باشد بدورِ امکاں

۱۰۔ ایں قصیدہ در تتبعِ جمہور شعرا، بحمد و نعت و مناقب بموجب اصطلاحِ علماے راسخین نزول یافتہ در بحرِ رمل مثمن محذوف تقطیش: فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن در ۱۱۰۰ھ

آگہی از کنہِ ذاتِ خویش اے مولاے من　　　ظاہر و باطن توئی گنجیدہ سرتا پاے من (۵۱ شعر)

۱۱۔ قصیدہ فی النعت در بحرِ رمل مثمن محذوف (تقطیش: (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

خواستم موزوں کنم آبے بہنگامِ سحر　　　سر کشید از جویبارِ خامہ امواجِ گہر (۴۰ شعر)

۱۲۔ قصیدۂ عاشقانہ قطعہ بند در بحرِ ہزج مسدس اخرب مقبوض (تقطیش: (مفعول مفاعلن فعولن

خواند از رقمِ چو یار مطلب　　　چندیں عرض و ہزار مطلب (۶۵ شعر)

۱۳۔ قصیدہ فی المناقب یسمیٰ (کذا) فتحِ بابِ حیدری در بحرِ رجز مثمن سالم، مستفعلن مستفعلن مستفعلن مستفعلن

قربانِ نامت یا علی یا حیدرِ مشکل کشا　　　دستِ کرم از آستیں برکش بحقِ مصطفےٰ (۱۳۲ شعر)

۱۴۔ قصیدہ فی المناقب در بحرِ رمل مثمن اشتر در ۱۱۹۵ھ نزول یافتہ (تقطیش: (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

یا علی شاہ ولایت رازدانِ مرسلیں　　　از براے امتی بعد از محمدؐ جانشیں (۱۱۹ شعر)

۱۵۔ قصیدہ یسمیٰ (کذا) بہ گلزارِ ولایت فی المناقب در بحرِ ہزج مثمن اخرب مکفوف مفعول مفاعیل مفاعیل مفاعیل

از روزِ ازل محرمِ اسرار علی بود　　　پیش از ہمہ با احمدِ مختار، علی بود (۱۱۵ شعر)

قصیدے کے چند آخری شعر:

این طرفہ قصیدہ ست کہ ابیاتِ کلامش — از اوّل و آخر ہمہ بشمار علی بود
گلزارِ ولایت بود اسمش کہ سراپا — مسطور بہر حجت و تکرار علی بود
کوسِ لمن الملک زند صیت کلام — ممدوحِ من از فکرتِ اشعار علی بود
دریای محیطے شدہ طبعم ز روانی — اے عشق مرا وسعتِ گفتار علی بود

۱۹۔ قصیدہ تین (قصیدتین؟) عجیب البیان و غریب اللسان بصورتِ ذوالفقار مبارک بتاییدِ رحمٰن و استمدادِ ارواحِ طیب شاہ مردان بروس ممتنع و برہان قاطع سخنوری در عرصۂ ظہور متجلی گردیدہ۔ چند بیت مثنوی در شرحِ تصریح آں اوّل نگاشتہ تا دقیقہ شناسان از کیفیتِ آں آگاہ شوند:

این رقیمہ نام دارد ذوالفقار — شد دُرد از عونِ حیدر کارزار

۴۳ شعروں کے بعد عنوان درج ہے: خطاب با ثواب (صواب ؟) بہ سایرِ اہلِ دید و ماہرِ علم و عرفان از آگاہیِ این کلام عجیب البیان

الا [اے] اہلِ دید و علم و ادراک — محبّ اہلِ بیتِ شاہِ لولاک

۱۸ شعروں کے بعد عنوان: در بیان مہرِ جعفری کہ تعلّق با بیات مہ کہ دریں قصیدہ تین ست ... پھر شرح مہرِ جعفری میں ایک صفحے کی نثری عبارت ہے جس میں فال نکالنے اور استخارہ کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اس سے قبل کے صفحے پر ۱۴۴ خانے بنے ہوئے ہیں لیکن یہ سادہ رہ گئے ہیں۔ غالباً ان پر ۱۴۴ اسمای الٰہی لکھے جانے تھے لیکن اس کا موقع شاعر کو نہ مل سکا۔ اس کے بعد مطلعِ اولیٰ در بحرِ سریع مسبّب مسدّس۔ تقطیش: مفتعلن مفتعلن فاعلات

حمد سرایم بخداے کریم — گویم[ایما] توحید الٰہ الکریم

۲۰۔ قصیدۂ شاعرانہ بروشِ ممتنع الجواب در صنعتِ لفّ و نشرِ مرتّب در بحرِ ہزج مثمّن سالم۔ تقطیش: مفاعلین مفاعلین مفاعلین مفاعلین

بود یارت محمدؐ با مسیح و خضر و اسکندر — یکے کافی یکے شافی یکے حامی یکے یاور (۲۰ شعر)
نمودت انبیاء و اولیاء و عاشق و عارف — یکے پیدا یکے پنہاں یکے باطن یکے اظہر
بفرق و سینہ و پشت و شکم خواہم رقیبت را — یکے گرز و یکے تیر و یکے تیغ و یکے خنجر
ترا اقبال و دولت جاہ و رفعت تا ابد باشد — یکے مونس یکے خادم یکے ہمدم یکے چاکر

بطبع و دانش و تدبیر و راے عشق می نازد　　یکے دانا یکے منصف یکے عالم یکے سرور (۲۴)

۱۸۔ قصیدہ فی النعت در بحرِ رمل مثمّن مخبون مُسبّغ : فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان

آنکہ کن گفت و جہاں را بہ سخن احیا کرد　　شیرِ معنی بنیستانِ سخن پیدا کرد (۴۱ شعر)

۱۹۔ قصیدہ فی الحمد و نعت و مناقب (کذا) در بحرِ رمل مثمّن اشتر : فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن

تا ظہورِ ہستیِ کون و مکاں دریافتم　　ہرچہ دیدم صنعتِ اللہ اکبر یافتم (۲۰ شعر)

۲۰۔ قصیدہ و قطعہ بند بروشِ مستانہ و عاشقانہ شگفتہ و دلکشا در بحرِ متدارک مثمّن سالم : فعولن فعولن فعولن فعولن

خدارا بمیخانہ مستاں خدارا　　بگوبند آن ساقیِ باصفا را (۶۰ شعر)

۲۱۔ قصیدہ مشعر بر رفعِ مناقشۂ سُنّی و شیعہ و استحقاقِ صراط المستقیم سلوکِ دینِ محمدی
در بحرِ رمل مخبون مقطوع ؛ تقطیش : فاعلاتن مفاعلن فعلن

ہر کہ با دین دل آشنا نکند　　راضی از خویشتن خدا نکند (۵۱ شعر)

کلّیات میں قصائد ۲۱ ہیں۔ سب حمد و نعت و منقبت میں ہیں۔ کسی امیر و رئیس کی مدح میں کوئی قصیدہ نہیں ملتا۔

ترجیع بند صرف ایک ہے، یہ سات بندوں پر مشتمل ہے۔ عنوان : ترجیع بند (کذا) در مرثیۂ جانگداز جناب مُقدّس سیّد الشہدا صلوٰ (کذا) علی نبینا و علی داقی و علیہ و اولادہ الطاہرین۔
در بحرِ ہزج مثمّن مقبوض مخبون : مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

مُحرّم آمد و برخواست شور واویلا　　قیامتے ست کہ ہر سال می شود پیدا (۹۹ شعر)

اب نوحوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ۱۔ مظلوم حسینا، معصوم حسینا (۱۰ شعر)۔ یہ بعد کو دوسرے قلم سے حاشیے پر درج کیا گیا ہے۔ ۲۔ نوحۂ حضرت امام محمّد قاسم (۱۵ شعر) ۳۔ نوحۂ پسرانِ حضرت مُسلم بن عقیل (۱۹ شعر) ۴۔ نوحۂ حضرتِ علی اکبر (۱۰ شعر)۔ ۵۔ نوحۂ حضرت علی اصغر (۱۰ شعر) ۶۔ غزل فی النعت والمناقب اثنا عشر (کذا) (۹ شعر) در شاہجہاں آباد نزول یافتہ ۷۔ روایت وقائع کہ در زمانِ موسیٰ علیہ السلام بتقریب سیّد الشہدا اظہار شدہ بود :

روایت ست کہ ہر طور قاضی الحاجات　　چنیں بگفت بموسیٰ علیہم الصلوات (۱۱۶ شعر)

اب صرف اشعار درج ہیں۔ عنوانات لکھنے کے لیے ہر جگہ ایک سطر سادہ چھوڑ دی گئی ہے :

۸۔ روشن جہان ز پرتو مہر کند علی　　ہر ذرہ آفتاب منور کند علی (۸ شعر)

۹۔ بکشا گرہ از کارِ من یا حضرتِ مشکل کشا　　باش از کرم غمخوارِ من یا حضرتِ مشکل کشا (۱۰ شعر)

۱۰۔ از مدح مرتضیٰ بخدا راہ یافتم　　در بیشۂ قلم اسد اللہ یافتم (۲۲ شعر)

۱۱۔ کوسِ مداحی بشان مرتضیٰ باید زدن　　پاک باید کرد دل دم باصفا باید زدن (۲۰ شعر)

۱۲۔ یا علی واقفِ اسرارِ نہانِ ہمہٗ　　جانِ من باد نثارِ تو کہ جانِ ہمہٗ (۲۰ شعر)

۱۳۔ یا ولیِ حضرتِ حق زندہ پیرِ من توئی　　یا علی شاہِ ولایت دستگیرِ من توئی (۲۲ شعر)

۱۴۔ علی مرتضیٰ اے خوش لقبی　　محرمِ ذاتِ بے نشاں ربّی (۲۶ شعر)

۱۵۔ گردونِ سفلہ پرور با نیزہ در کمین ست　　یا مظہر العجائب وقتِ مدد ہمین ست (۲۳ شعر)

۱۶۔ مانندِ ذاتِ عالیِ تو یا شہِ نجف　　گوہر بردن نیامدہ از کان نہ از صدف (۱۱ شعر)

دیوان میں نوحوں کے بعد قطعات درج ہیں: [ما ۱۰۲ ب]

قطعہ ۱۔ توئی نو گلِ باغِ ایں بوستاں　　منم بلبلِ مست رطب اللساں (۷ شعر)

سات شعروں کا یہ قطعہ کس کے بارے میں لکھا گیا ہے معلوم نہ ہوسکا۔ اپنے عہد کے کسی رئیس سے خطاب ہے شاعر جس کا ہم نشیں تھا۔ آخری چار شعر یہ ہیں:

تو سرداری و صاحبِ جوہری　　مداں ہم نشینِ من سرسری

مرا خسروان و رئیساں تمام　　لقب کردہ ز انصاف ، شیریں کلام

مرا داد حق دولتِ بے زوال　　بود خامہ ام طوطیِ خوش مقال

ترا علمِ مجلس بود گر ہوس　　بافصح بیانیِ سکلّم برس

قطعہ ۲۔ چار شعروں کا ایک قطعۂ تاریخ نوّاب مظفر جنگ کی خلعت پوشی کے موقع پر لکھا گیا ہے: خان خانخاناں مظفر جنگ عالی رتبت　　خلعتے پوشید از امدادِ اللہ مجید

قطعہ ۳۔ ذیل کا ہجویہ قطعہ خان عبداللہ کی تعمیر کردہ مسجد کے بارے میں ہے (۱۰۳ ب)

خانِ عبداللہ صاحب توفیق　　مردِ اعراقی و خوش آئین ست

خشت دزدے ز مقابر بگرفت　　مسجدے ساخت بر آں تحسین ست

بہر یاد آوریش در آفاق　　سالِ تاریخِ بنا رنگین ست

گفت ہاتف کہ ز روئے تحقیق   مسجدِ ملاؔ دزدی این ست

قطعہ ۴۔ یہ قطعہ کسی مُلّا صالح کے تصنیف کردہ ایک رسالے کے بارے میں ہے (۱۰۵۳ھ)

داشت مُلّا صالح از بس جہل کز روئے ریا   بعدِ رحلت کرد با آں سیّدِ مرحوم کد (۸شعر)

رفت از بنگالہ در کلکتہ و آنگہ آن عزیز   سعیِ بیجا کرد و ماندہ پائے خود بیروں ز حد

معلوم نہیں یہ سیّدِ مرحوم کون تھے۔ اس قطعے کے کچھ کلمات اور فقرے یہ ہیں:
"ضد بسیّد داشت" "داد ترتیبِ رسالہ" "بود بے املاء و انشاء" "نثرِ نا مربوط" آخری تین شعر یہ ہیں:

شیعہ گفتی خویش را لیکن لسانِ خارجی   مجتہدان آنچہ "بہ" گفتند آن فرمود "بد"

بابداں گرویدہ و از نیکاں خصومت مرکند   چوں خدا و مصطفےٰ و مرتضا لیش کردہ

سالِ تاریخِ رسالہ خواستم آمد ندا   ایں مزخرفہائے باطل از ابو صالح بود

قطعہ ۵۔ یہ محمّد علی مجتہد و فقیہ کی تاریخِ وفات کا قطعہ ہے۔ آخری تین شعر: (۱۲۳۶ھ)

مجتہد و فقیہ بود و خلیق   رسمِ دین شد ز فتویش احیا

عشق می خواست سالِ تاریخش   از درِ پاک ربّیَ الاعلیٰ

شد ندا از سرادقِ لاہوت   آن ولی بود افضل العلما

قطعہ ۶۔ ایکہ در حُسنِ خُلق یکتائی   ہرچہ گویم ازاں مبرّائی

اضطرابم برنگِ سیمابست   گشت مشکل بمن تن آسانی

از جدل چرخ بر نمی گردد   نالہ تن آسانی

طبعِ افسردہ بسکہ ایں سفلہ   بستہ لبہائے من ز گویائی

من پئے اشتیاقِ دیدارت   دارم از دستِ خود شکیبائی

ساقیا مشکلِ مرا بکُشا   ہادیِ راہِ دین و دنیائی

ہیں کہ بہ حالِ تنگدستیِ عشق   شعرِ استاد ہم بیانی

خانش کرد نقدِ عمرم صرف   مطلم ساخت خرجِ بالائی

سخت دل تنگ از خمار ... شیشہ گر بغل من بفرمائی
زندہ می سازی اے شفیق مرا بعنایات و لطفِ مولائی

قطعہ ۷۔ عظیم آباد کے ایک شاعر شاہ ساکن کی ہجو میں: (۱۰۶۲ھ)

عشق بنوشت شاہِ ساکن را گلہ آمیز نامہ بے کم و بیش
مقصد این بود کز فضولیہا نتواں کرد مخلصے دل ریش
در سخن گر مجادلہ داری غزلے طرح کن بخواہش خویش
در سوالِ مناظرہ بسخن کینہ بگرفت او بسینہ ریش
آں دم آں کُند طبع دُوں طینت عذرہا کرد و سر فگند بہ پیش
غائبانہ شنفتہ رشکوہ چند از کسان و اعزّ دیں درویش
گفتم او عقربیست می دانم کہ بہر سوے می زند سر نیش
بعدِ شش ماہ نامہ بجواب بنوشت او ز طینتِ بد خویش
جست پیکار از منِ مشتاق کرد رسواے خلق خود را بیش
کس رسانید بر سرِ مجلس نامۂ سفلہ وضعِ آن بد کیش
رشکوہ او شنفتہ در احباب گفت ایں شعر عشقِ دُور اندیش
بعدِ شُد ماہ در عظیم آباد خفتہ زائیدہ ساکنِ بد کیش

قطعہ ۸۔ عظیم آباد کے ایک درویش اور عشق کے مخلص دوست شاہ اعزّ الدّین کی وفات کا قطعۂ تاریخ (جن کا ذکر استطراداً اوپر کے قطعے میں گزرا اور جن کی خوش نویسی اور دوسرے اوصاف پر مشتمل ایک طویل قطعہ کلیات میں موجود ہے): (۱۰۶۵ھ)

بود انسان اعزّ دیں درویش کش ملک دیدہ دم نواز فاہجد
بود مرد محقّق و عالم بُرد ایماں ازیں جہاں باخود
از تاریخش داخلِ محفلِ محمدؐ شد

قطعہ ۹۔ سیدِ پاک ... مجتہدِ طریق احمد ... یگانۂ عصر۔ محمّد علی کی وفات پر لکھا گیا ہے۔ (۱۰۶۵ھ)

"داخلِ بزمِ مصطفےٰ گردید" مادۂ تاریخ ہے۔ ان کی وفات پر ایک قطعہ پہلے بھی گزرا

قطعہ ۱۰۔ تہی دست شد آنکہ در ایں جہاں — کند خانہ را ہیچ نزدِ کساں (۲۰ شعر) (د ۱۰۵ ب)

یہ قطعہ کسی نادار رئیس کی ہجو میں ہے۔ "شاعرِ خستہ حال" نے امیر کی مدح میں ایسا قصیدہ لکھا - کہ "نتواں جوابش کند کس رقم"۔ امیر نے "لطفِ کریمانۂ بے حساب" سے عنقریب کرم کرنے کا وعدہ کیا۔ بعد کو بھی وہ ایفائے وعدہ کا یقین دلاتا رہا۔ عطیے کے انتظار میں جب چھے ماہ سے زیادہ مدّت گزر گئی تو شاعر کے لیے ہجو لکھنے کے سوا چارہ نہ تھا کہ "چو شاعر برنجد بگوید ہجا"۔ یہاں کچھ شعر نقل کیے جاتے ہیں:

غنی گر ز شاعر کند زر نہاں — مُبدّل ز ہجوش نماید زباں
ز اہلِ زباں کن حذر اے شفیق — کہ در عربدہ می نماید فریق
تو نوّابی و نادار اے شفیق — نگشتم ازاں در ہجایت غریق
ہمی بود گر جانے من دیگرے — ہمی کرد پیدا ہجّت سرے
تو لافِ سخاوت بسے می زدی — ولے مُمسکی و غبی و ردی
یہ تنگیِ چشمت بود دار و گیر — امیرے بظاہر بباطن فقیر
بمطبخ ترا اے امیر ندیم — بود یازدہ ماہ روزہ مقیم
توئی مُمسک از بس در اہلِ غنا — چناں می دہی جاں بدستِ قضا

قطعہ ۱۱۔ غلامِ احمد آں خانِ سرافراز — ز شادی کرد گیتی را مُزیّن (د ۱۰۷ ب)
دلم از استماعِ شادیِ او — شگفتہ چوں گلِ سیرابِ گلشن
سحرگہ وقتِ سعد از ہاتفِ غیب — شدم مستدعیِ تاریخِ روشن
ندا آمد یہ یُمنِ تاجِ اقبال — قرانِ زہرہ با ماہتِ احسن

قطعہ ۱۲۔ مکتوبِ منظوم در صفتِ خوش نویسیِ عالی مزاق (کذا) باتزئین شاہ اعزّالدّین

ز بعدِ حمد و نعت و وصفِ ابرار — بشوقت گشتہ کلکِ من گہربار (۴۱ شعر) (د ۱۰۹)

اس قطعے میں شاہ رکن الدین (عشق عظیم آبادی) کا ذکر ہے جن سے شاعر چالیس سال سے جب وہ پایۂ تخت دہلی میں تھا، خلوص و محبت رکھتا ہے۔ جب شاعر پٹنہ آیا تو تعلقات

اور بڑھے۔ شاہ رکن الدین ہی نے شاہ اعزالدین کا ان سے ذکر کیا اور ان سے ملنے کا اشتیاق دلایا۔

نخستین شاہ رکن الدین ممتاز بزمت ساخت از الطاف .....

من از چل سال بودم مخلصِ آں بپائے تخت دہلی از دل و جاں

گزارم چوں بسوئے پٹنہ افتاد بہ فیمابین آمد دوستی باد

اعزّ الدین امام خوش نویساں دہد در قالبِ لفظِ کہن جاں

بنوعے حرفِ او باشد خوش اسلوب کہ گویا جلوہ گر دیدارِ محبوب

بعد کے اشعار میں شاعر، شاہ اعزالدین کی خوشنویسی کا حد درجہ معترف نظر آتا ہے اور اس کے قلم سے نکلے ہوئے ہر ہر حرف کی تعریف میں "رطب اللسان" نظر آتا ہے۔ وہ ان کے مکتوبہ حروفِ تہجی کے ہر ہر حرف کی تعریف و توصیف اس طرح کرتا ہے:

صفتِ الف: الف جوں قدِّ خوباں سرے برکردہ از بستر بصد ناز

صفتِ ب: چو معشوقے ببالیں سر نہادہ

صفتِ ت: دو نقطہ کردہ بر ت مزیّن چو قطبین مت بر افلاک روشن

صفتِ ث: بخطّ استوا عقد ثریّا نماید خوش نقطہ بر ث سراپا

صفتِ ج: خم جیم تو دادہ کامرانی مراقب گشتہ در کشفِ معانی

صفتِ ح: تہی دارد شکم جوں زاہدِ پاک

صفتِ خ: چو شاہے کو نہادہ تاج بر سر

صفتِ د: جوں مجنوں خم شدہ در فکرِ لیلیٰ

صفتِ س: جوں سلکِ گوہرِ دندانِ دلدار

صفت ع: اسد از ہیبتش در لرزہ آمد

صفت ق: بدورِ خویش پیچیدہ دو عالم

صفت ف: بود قامت چو معشوقِ سر افراز

صفت ل: بود لامِ تو سرتا پا خوش اسلوب برنگِ زلف بر رخسارِ محبوب

صفت ن: چگویم وصف نون و نقطۂ آں بود چوں مردمک در چشمِ خوباں

صفتِ ہائے ہوز: رقم از ہائے ہوز گشتہ خرسند کہ گشتہ جان درون حلقہ اش بند

اس طرح شاعر نے شاہ اعز الدّین کے نوشتہ سارے حروف تہجّی کی تعریف کی ہے پھر لکھا ہے کہ آپ کے نقطے کی صفت کیا ہے ؟ آپ بسم اللہ کس طرح لکھتے ہیں ؟ نثر کا فقرہ آپ کے قلم سے کس طرح نکلتا ہے۔ خط کے آخر میں شاعر لکھتا ہے :

غرض اوصافِ خوبی مجملہ داری   ز رنگینیِ معنی نو بہاری

بود وصفِ تو بیش از حدّ امکاں   عنانِ خامہ پیچیدم ز جولاں

شود نادیدہ از دیدار مسرور   رقم فرما تسلّی نامہ از دور

چنین بشنفتم از اربابِ حالات   کہ باشد نامہ ہم نصفِ ملاقات

مکتوب بنام شاہ اعزّ الدّین ان اشعار پر ختم ہوتا ہے :

سلیم الطبع در منصف مزاجاں   توئی در پٹنہ اے شاہِ سخن داں

نگین ہائے بلور از پارہ الماس   خدا می سازی اے بگزیدۂ ناس

سخن کوتہ دعائے خیر انجام   روا باشد رقم کردن بانجام

ندارد شرحِ شوقم ہیچ پایاں   سلامت باشی اے جانِ محبّاں

بکامت مہر و مہ گردندہ بادا   فلک فرماں برت چوں بندہ بادا

بہر دم دولت توفیر بادا   دعائے عشق پُر تاثیر بادا

قطعہ : در مکتوبِ منظوم بشاہ ساکن ستم ظریف در کل پٹنہ ارقام یافتہ :

الا اے ساکنِ ملکِ معانی   بود فطرت دلیلِ کامرانی (۱۳۲ شعر)

تو ساکن ہستی و من مردِ راہی   گوارا چند داری کم نگاہی

کلامِ طبع زادِ خود بظاہر   نہاں در خانہ داری چوں جواہر

خذف (خزف ؟) اندوختی درخانہ بسیار   گماں داری کہ من دارم گہربار

اس کے بعد مرزا زین الدّین عشق، شاہ ساکن عظیم آبادی سے کہتے ہیں کہ بھائی تم نہ عروض جانتے ہو، نہ بحر اور ارکان سے واقف ہو، نہ تمھیں "وتد" معلوم نہ "سبب" کا پتا۔ تم نہ صغریٰ کبریٰ کے فرق سے واقف، نہ تم زحاف سمجھتے ہو نہ محذوف و مکفوف اور نہ مقبوض و اخرب کا تمھیں پتا ہے۔ نہ تمھیں فصاحت و بلاغت سے واسطہ، نہ تم فارسی زبان کی نکتہ

سنجی سے واقف، تم شعر موزوں کر دینے کو کمالِ شاعری سمجھتے ہو۔ دو تین ماہ کے بعد بس ایک غزل کہہ لیتے ہو اور وہ بھی ایسی جو نقائص سے خالی نہیں، کُہنہ مشق شاعروں سے آویزش سے تم خلق میں رسوا ہو گئے۔ اگر تمھارے سر میں شعر و شاعری کا سودا سما جائے تو ایک طرح مُقرّر کر کے شعر کہو اور جس بحر میں شعر موزوں کرو اسی بحر میں تم اچھے شعر نکالو تو ایک بات۔ ایسا نہیں کر سکتے تو نکتہ سنجوں کے سامنے اپنا سر نہ اٹھاؤ۔ تمھارے اشعار کے نقائص نمایاں کر کے تم سے آویزش و تکرار نہیں چاہتا کہ تمھیں ملال ہوگا؛ مجھے تو میرزا فاخر مکیں نے کہا تھا کہ اگر تمھارا عظیم آباد جانا ہو تو جعفر خاں اور مرزا ساکن سے ملنا۔ ان سے مل کر تم خوش ہوگے۔ اس شفیق دوست کی خواہش پر میں نے تم سے ملاقات کی اور ملاقات میں بھی پہل کی اور اپنا کلام تمھیں سنایا۔ طریقِ دوستداری کا خیال رکھتے ہوئے جس محفل میں بھی تمھارے شعر سننے کا اِتّفاق ہوا میں نے کلماتِ تحسین ہی کہے۔ لیکن ایک دن شاہ اعزّ الدّین مجھ سے بہت تعجب اور اک گونہ حیرت سے کہنے لگے:

کہ اے واقفِ طریقِ آشنائی	دلت خالی ندیدم از صفائی
تو با ہر کس کہ داری ربطِ پنہاں	بہ غیبت یافتم افزوں ثنا خواں
بود عشق تو دار الضربِ شاہی	دلِ مُنصف دہد بر وے گواہی
تحسنایت بر ہر کس کشیدم	ازو آوازۂ تحسیں شنیدم
ولیکن شاہ ساکن را دریں باب	مُقصّر یافتم دریاب درباب
ز تحسینِ تو اُو پیچید چو مار	ولیکن زہر خندی دادہ اظہار
بگفتم گر فرورش از کمالست	بہ ہم طرحی چرا چوں غنچہ لالست
ندارد آنکہ مقدورِ تکلّم	بہ انمازش ندارم جز تبسّم

بہرحال مرزا زین الدّین عشق، اپنی نیک سرشت کے مطابق شاہ ساکن کے نام اپنا طویل مکتوب اس دوستانہ مشورے پر ختم کرتے ہیں:

مُحبّا، مہربانا، نکتہ دانا	شفیقا، راز دانا، خوش زبانا
ملالت مُوجبے گر دادہ از من	بفرما تا شود بر بندہ روشن
غنیمت می شمارم دوستاں را	اخصّ الخاص اربابِ زماں را

ازیں پس غیرِ شوقِ دید و وادید بہ از قائم نباشد ہیچ تمہید

غرض اے مہرباں آباد باشی بہر حالے کہ باشی شاد باشی

تونی در پٹنہ شہر آشوب و قلّاش درونِ قصبہ ساکن باش جوں شاش

قطعہ ۱۷. ایں ابیات در مشاعرۂ عظیم آباد بدیہتہً برای تنبیہ "ستم ظریفے" بر سرِ مجلس گفتہ زبانِ اعتراض از دخل نوا بربستہ

الا اے ہرزہ دخلِ کُند ادراک مرا نبود نہ کج بازاں بدل باک (۲۸ شعر)

عظیم آباد کے ایک مشاعرے میں مرزا زین الدّین عشق اپنے اشعار سُنا رہے تھے۔ اس میں ایک قافیہ مُرفّع آیا۔ ستم ظریف مرزا ساکن عظیم آبادی شاگرد مرزا فاخر مکین دہلوی (متوفی ۱۲۲۰ھ) بھی مشاعرے میں موجود تھے۔ انھوں نے اعتراض کیا کہ "مُرفّع" کے معنی رفع ہونے اور دفع ہونے کے ہیں جو یہاں فحوائے کلام کے مطابق نہیں۔ حاضرین میں ایک صاحب لُغت کی ایک کتاب اٹھا لائے اور انھوں نے دکھایا کہ مُرفّع کا تعلق رفعت سے ہے اور یہاں یہی مقصود ہے۔ مرزا ساکن کے لیے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ عشق آخر میں لکھتے ہیں:

اگر داری سرے دعوئ باشعار سخن سنجیدہ کن بامن بہ تکرار

تو چوں بوزنہ کردی نقلِ انساں ولے انسانیت از تُست پنہاں

دو سہ دیوان و صرف و نحو خواندی سرے در اعتراضم بر فشاندی

مزن لافِ سخن بانکتہ سنجاں کہ ایں اطوار دارد مردِ ناداں

شُتر خود را بلند از جُملہ داند چو زیرِ کوہ آید پست ماند

فضولی کردی و خفّت کشیدی ازیں اوضاع بہبودی ندیدی

بکن توبہ ز دخلِ کج دِگر بار وگرنہ سازمت زیں بیشتر خوار

قطعہ ۱۸. درمیانِ ورود کل زمین مُرشد و ذکرِ سبقت کردن گرم جوشی خلاصۂ نوعِ انسانی مجمع الکمال حاجی محمد مُحسن لاثانی و ذکرِ خوش نویسی آں خجستہ رقم:

آئین سیاحت با دلِ شاد گزارم عشق در بنگالہ افتاد

تلاشِ اہلِ دل کردم نخستیں کہ جست وجوے ایں قوم بود دیں

بسے مشتاقِ اہلِ راز بودم ز ہر کس گوش بر آواز بودم
کہ ناگہ خواجہ احسن، صاحبِ ہوش بہ من آمد و گشتم ہم آغوش

خواجہ احسن جو اسم با مسمیٰ تھے عشق سے بڑے تپاک سے ملے اور بولے آپ کا ذکر خیر سنتے ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا کہ میں اربابِ معانی سے الفت کرتا ہوں اور نکتہ دانوں ہی سے زیادہ تر سروکار رکھتا ہوں۔ آپ عظیم آباد میں مقیم تھے لیکن احباب آپ کا کلام وہاں سے بطور ارمغان یہاں بھیجتے رہے۔ آپ کے اشعار جو باعث سُرور ہیں پڑھ کر یہاں کے سارے سخنور اور اہلِ معانی آپ کے گرویدہ ہیں اور آپ کی نکتہ دانی و نکتہ سنجی کے معترف۔ یہ سب لوگ آپ کی ملاقات کے مُشتاق ہیں۔ میں آپ سے ملنے کا زیادہ شائق تھا، اس لیے میں نے پہل کی اور آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہوگیا۔

خواجہ احسن نے مزید کہا کہ اس شہر ڈھاکا میں خلیل ابراہیم جیسے سخندان موجود ہیں جو آپ سے تعلّق خاطر رکھتے ہیں، نواب غالب ہیں جنھیں آپ سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے۔ مظفر جنگ کے پوتے ہیں جو شعر و سخن سے دلچسپی رکھتے ہیں، خواجہ عبداللہ تائبد ہیں جو شعر و شاعری میں منفرد ہیں، قدرت اللہ درویش ہیں جو فارسی میں تو کم لکھتے ہیں لیکن ریختہ میں خوب شعر کہتے ہیں۔ ریختہ گویوں میں یہاں سلیم ہیں، جن کا اہلِ دل کے ساتھ اخلاق عام ہے۔ دلی ہیں جو ریختہ میں طاق ہیں۔ یہاں مُرشد آباد میں مہاراج دولت رائے اور راجا سنگھ ہیں، منشی شرافت خاں ہیں کہ "دارد با تو الفت از دل و جان"۔ اور یہاں سخن فہم، دانائے زمانہ، صناعی میں مردِ یگانہ، خطِ نسخ و نستعلیق میں استادِ زمانہ، حُسنِ خلق میں یکتا و ذی شان، علم و عمل میں یکتائے زمانہ حاجی محمد محسن ہیں جو آپ سے ملنے کے بیحد مشتاق ہیں اور آپ سے ملاقات کے لیے آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں۔ عشق نے کہا:

کہ اے مسند نشینِ فقرِ حیدر منم مداحِ آلِ پاکِ صفدر
ملاقات ثوابست و سعادت مرا اقدام باید بے تفاوت
من اول می رسم بہر ملاقات مکن تصدیع اے شاہِ خوش اوقات

خواجہ احسن، میرزا عشق کا پیغام لے کر حاجی محمد محسن کے پاس گئے، واپس آئے اور بولے: تشریف لے چلیے، وہ اور ان کے کچھ احباب جمع ہیں اور آپ سے ملاقات کے متمنّی ہیں۔ مرزا عشق، حاجی محسن کی بزم میں پہنچے۔ انھیں دیکھ کر، ان سے باتیں کر کے اور اُن کا

لطف و کرم دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور ان کے فضل و کرم کے قائل ہوگئے۔

سخن کوتہ کہ باشوقِ فراواں ۔۔۔ مشرّف گشتم و خرسند شد جان
نظر وا کردہ دیدم بر جمالش ۔۔۔ مُسلّم یافتم فضل و کمالش
سراپا محسنِ ہر آرزو مند ۔۔۔ ز ربّ کعبہ جانش بود خرسند
من وارستہ را از لطف بسیار ۔۔۔ بدام آورد آن شاہ نکو کار

میرزا عشق آگے لکھتے ہیں:

ضرورم شد کہ شرح این ملاقات ۔۔۔ مفصل ترجمان سازم در ابیات
رقم سازم چناں شرح و بیانش ۔۔۔ کہ خواہند اہلِ دل این داستانش
مضامینِ غریب آرم بتحریر ۔۔۔ کہ ندرت ہا کند پیدا بہ تقریر
قلم از نالۂ دل سازم ایجاد ۔۔۔ مرکّب از سویدا کردہ بنیاد
حریرِ پردۂ دل صفحہ سازم ۔۔۔ درو مضمونِ رنگین بر طرازم
مسیحا خامہ را سازم بجولاں ۔۔۔ دہم در قالبِ لفظ سخن جان
گر اندک آب و رنگش بر طرازم ۔۔۔ نگارستانِ چین شرمندہ سازم
برنگینی کنم گر قصہ آہنگ ۔۔۔ نہ بیند ہیچ کس بر نقش ارژنگ

اس کے بعد میرزا ۲۰ اشعار میں حاجی محسن کی خوش نویسی کی تعریف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں۔ ان کے کلک کو "کلک سحر پرداز" اور ان کے لکھے ہوئے ہر حرف کو معشوق رعنا" اور ان کے قلم کی رفتار کو "خرام آموز سیل آب حیوان" لکھتے ہیں۔ وہ الف سے یا تک ممدوح کے قلم سے نکلے ہوئے ہر حرف کا وصف ایک ایک شعر میں بیان کرتے ہیں۔ ان کے قلم کا لکھا ہوا:

الف: سروِ نونہالِ باغ جنت ہے۔
بے: چوشا ہے خفتہ بر تخت سرافراز
صفتِ ث: ہجوم نقطہ سے عقدِ ثریا خجل ہے
صفتِ ج: خوبان کا پیچ گیسو
صفتِ ح: شکم وپیچیدہ جوں اربابِ اسرا

صفتِ خ: نقطہ بر سر چو تاجِ حشمت آگاہ

صفتِ دال: چو حاجی در رکوعِ بیت اللہ

صفتِ لام: پیچ زلفِ معشوق

صفتِ نون: چو دل در سینۂ انسانِ کامل

صفتِ لام الف: چون سیفِ کرّار

صفتِ ہمزہ: زلفِ پُر خم جاناں

میرزا، حاجی محسن کو مخاطب کرتے ہوئے قطعہ ختم کرتے ہیں:

معاصر ما و تو بودیم باہم — ازیں رو گفتم ایں ابیات، فافہم

ز خبِ دل رقم کردہ ثنایت — زبانی می کشایم در دُعایت

بود تا مہر و مہ گرداں در آفاق — تو باشی بر خلائق صرفِ اشفاق

جواں مرد و جواں بختی تو اے شاہ — مدد گارت بود پیوستہ اللہ

۱۹۔ کلیات عشق کا یہ آخری قطعہ ہے جو اکیس شعروں پر مشتمل ہے یہ مختصر سا شہر آشوب ہے جو بہت دلچسپ پُر معلومات ہے اور ہر طرح قابلِ مطالعہ۔ اس سے اس عہد کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ سادہ ورق پر یہ قطعہ بعد کو نقل کیا گیا ہے۔ اس کا شانِ خط جس خط میں کلیات لکھا گیا ہے، اس سے مختلف ہے۔ اس پر کوئی عنوان درج نہیں۔ اس قطعے کا زمانۂ تحریر، ترتیبِ کلیات کے بعد کا ہے۔ یہ قطعہ ایک سادہ ورق پر لکھا ہوا ہے جو کاتبِ دیوان کے خط سے مختلف ہے۔ یہ غالباً مصنّف ہے

بلبلِ نغمہ سنجم و شویم — گوش دارند عرشیاں بصفیر

گوش ابنائے دہر گشت صمیم — از نوا گشتہ خاطرم دل گیر

بانگِ زاغاں زبسکہ رائج شد — لب بہ بستم چو غنچۂ تصویر

ہمہ پاجی پرست گردیدند — چہ امیر و چہ بادشہ چہ وزیر

مطبخِ سرد ایں فسردہ دلاں — کرد چیزے نخوردہ از جاں سیر

اہلِ معنی بملکِ ہندستان — گشت در چشمِ اعتبار حقیر

ہر کہ در پائے تخت شد وارد — قسمتِ او بپا زدہ زنجیر

آنچہ ہمراہ داشت صرف نمود   ہمہ در کارِ خویش بے تاخیر
مثلِ مسجد نماند در کویش   غیرِ ظرفِ گلی و فرشِ حصیر
در ہمہ سالی زجورِ فلک   نرسیدش طعامِ با مزہ سیر
بعد یک فاقہ و دو فاقہ باو   می دہد چرخ نانِ خشک و پنیر
پیشِ دونان ز غیرت اہلِ دل   نبرد حاجت قلیل و کثیر
منعمے اندریں خراب آباد   دلِ ویران نمی کند تعمیر
وای بر اہلِ فضل در ایں دور   کہ بشد خستہ دل صغیر و کبیر
الاماں الاماں ازیں دوران   کہ غنی بستہ چشمِ خود ز فقیر
بہرِمساق و مضحک و لوطی   شد میسر پلاؤ نانِ خمیر
قحبہ و لوطی و حیل پیشہ   سرفرازند نزدِ شاہ و امیر
شاعر و فاضل و فقیہ کتاب   می فروشد جمیعت جو و سیر
مردِ میدان سپاہی از فوق   می کند گردِ شمشیر
اغنیای زمانہ دجّال اند   سعدیِ باید از پئے تعزیر
عشق را اے خدا بحفظ و اماں   دار از بہرِ شبّر و شبیر

اب دیوانِ غزلیات شروع ہوتا ہے۔ عام طور پر ہر غزل سے پہلے ایک سطری عنوان درج ہے جس میں صراحت لی گئی ہے کہ یہ غزل کس کے تتبع میں لکھی گئی ہے۔ اس کی بحر اور تقطیع بھی درج کی گئی ہے۔ یہاں صرف ان غزلوں کے مطالع (مع تعداد اشعار) درج کیے جاتے ہیں جن کے بارے میں شاعر نے تصریح کی ہے کہ یہ غزل کس کی فرمایش پر کس زمانے اور کس مشاعرے کے لیے لکھی گئی ہے۔ ان اندراجات کی جو تاریخی اہمیت ہے وہ ظاہر ہے

۱۔ بحر مفتعلن مفاعلن مفتعلن مفاعلن۔ حسب الاستدعاے (؟) مرزا مظہر جانجاناں

باز بدل شکستہ ام آہ بلب رسیدہ را   چارہ بگو چساں کنم رنگ رخ پریدہ را (۲ شعر)

۲۔ در بحرِ ہزج مثمّن سالم حسب الارشاد عموی صاحب فقیر احمد خاں مرحوم مفاعلن ۴ بار

چناں در بزمِ ساقی میکشی باشد ہوس مارا　　که ماکس را ندانیم از سیه مستی نه کس مارا (۱۰ شعر)

۳۔ ایضاً در ہمین بحر[رمل مثمن اشتر۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن] غزلِ عاشقانه در تتبع صائب ۱۱۶۵ھ

باده از خود کے تواند برد ہشیار ترا　　خوابِ غافل کے تواند کرد بیدار ترا (۸ شعر)

روحِ فردوسی و صائب عشق می باید به وجد　　گر برم در اصفہان و طوس اشعار ترا

۴۔ ایضاً دریں بحر[ہزج اخرب مکفوف محذوف۔ مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن] غزل محققانه در ۱۱۶۰ھ شرفِ نزول یافته

مدتے شد بر درِ میخانه دارم التجا　　مرحبا ساقی ز دردے دل و جان کن صفا (۷ شعر)

۵۔ ایضاً درین بحر غزلِ عاشقانه در تتبع فرح الله عرب نزول یافته ۱۱۵۵ھ

از تعلق کرد　فزوں وارسته را　　وحشت از دام و قفس افزوده صیدِ بسته را (۷ شعر)

۶۔ غزل عاشقانه در بحرِ ہزج مثمن سالم۔ مفاعلن ۴ بار دریک مصرع ۱۱۵۰ھ

نگاهِ عالمفت باشد جزائے جانفشانیها　　دریغ از ما مکن اے بنده پرور مہربانیها (۷ شعر)

۷۔ غزلِ عاشقانه در بحرِ ہزج اخرب۔ مفعول مفاعیلن مفعول مفاعیلن ۱۱۳۰ھ

چشمانِ تو در قتلم دارند شتابیها　　بگرفته سرِ راہم بدست شرابیها

۸۔ غزل رواں عاشقانه در بحرِ رجز مثمن سالم مستفعلن ۴ بار ۱۱۶۱ھ

جانان بجانم ساعتے دور از تو باشد سالها　　می میرم از زین بیشتر جاز کنِ اہمالها (۸ شعر)

۹۔ ایں غزل در صفتِ عاشق شدنِ معشوق بحسب الاستدعاے (؟) عاشق عارف باتمکین و شیخ الشیوخ باتزیین شاه رکن الدین عشق سلمه نزول یافته ۱۱۹۵ھ

عاشقِ چوں خوں شده گردیده مفتون چرا　　موسٰی کردی زلیخے چہرهٔ گلگوں چرا (۱۰ شعر)

۱۰۔ در مقصود آباد طرحی مشاعرهٔ خانِ ذیشان علی ابراہیم خلیل ورود یافته ۱۱۹۳ھ

برچیده ز دندان دُرِ شوارِ تمنا　　بکشاده ز لبہا سرِ بازارِ تمنا (۱۱ شعر)

۱۱۔ ایں غزل در مشاعرهٔ عموی صاحب محمد قباد خاں احمد مرحوم در شاہجہاں (آباد) در عصر محمد شاه فردوس آرامگاه در بحرِ رمل ۱۱۳۶ھ

خوشانہ دل شدہ صد چاک از ہوس مارا　　نشد ہنوز بزلفِ تو دسترس مارا (۱۰شعر)

۱۲۔ غزل در بحرِ ہزج مسدّس اخرب سالم۔ مفعول مفاعیلن مفاعیلن۔ ایں بحر عجیب و غریب ست۔ مشاقان از سبب دشواریِ نشست ارکان نپرداختہ اند رتبۂ فصاحت دراں سرفراز ماندن دشوار نیست

آن چشمِ تو جامِ مرگ قربانہا　　مژگانِ تو دستہ دستہ پیکانہا

۱۳۔ ایں غزل در تتبّعِ غزل شہر آشوب مرزا صائب علیہ الرحمۃ بہ محفلِ نواب اسد اللہ خاں غالب نزول یافتہ ۱۱۹۳ھ

نزند گر بہ بزمِ من شراب روشنِ مینا　　رسانم ہمچوے خون جگر تا گردن مینا (۱۱شعر)

۱۴۔ غزل عاشقانہ ایجادی در مرشد آباد نزول یافتہ ۱۱۹۳ھ

آنکہ مثلِ مہر روشن کرد ادراکِ مرا　　داد صافی مثلِ گوہر طینتِ پاکِ مرا (۸شعر)

۱۵۔ غزل عاشقانہ بحسبِ تمنّائے خلف الرشید میر یعقوب علی جوہر، در کلکتہ نزول یافتہ ۱۱۹۰ھ

پاک جوہر از نگاہِ پاک در یابد مرا　　نیستم آنکس کہ در خاشاک در یابد مرا (۹)

۱۶۔ ایں غزل ... در مشاعرۂ خلاصۂ نوعِ انسانی علی ابراہیم خاں خلیل ورود یافتہ ۱۱۹۰ھ

ز ... حق بدعا ہائے جمع گاہ طلب　　تزرعے (تضرعے ؟) کن و مقصود از الہٰ طلب

(۱۴شعر)

۱۷۔ غزل شہر آشوب عاشقانہ انصاف طلب در تتبّعِ خواجہ آصفی در عظیم آباد بحسب فرمایش عارف عاشق با تزیین شاہ رکن الدین عشق سلمہٗ ... ورود یافتہ ۱۱۹۱ھ

نالہ از بسکہ کشیدیم بغت شب ہمہ شب　　لرزہ افتاد بجانِ فلک .... شب ہمہ شب (۹شعر)

۱۸۔ در تتبّع صائب در مشاعرہ قبلۂ کونین محمد قباد خاں احمد مرحوم ۱۱۳۶ھ

چو خط دمید بردیش عذار را دریاب　　ز سبزہ رونقِ فصلِ بہار را دریاب (۹شعر)

۱۹۔ ... در مشاعرۂ عموی محمد قباد خاں احمد در عصر سلطنت محمد شاہ در شاہجہاں آباد ۱۱۳۶ھ شرف نزول یافتہ

آنکہ سر حلقۂ خوبانِ پری رخسار ست　　ہمہ خوبست ولے عہد شکن بسیار (۲۰) ست (۱۴شعر)

۲۰۔ غزلِ پُرکار در صحبتِ نوّاب محبت خاں بہادر در بریلی ورود یافتہ ۱۱۸۵ھ

مهربانیهای جاناں گاہ ہست و گاہ نیست | نمایاں گاہ ہست گاہ نیست (۱۱شعر)

۲۱۔ غزلے در تتبع جمہور شعرائے مسلّم الثبوت در مشاعرہ عموی محمد قباد خاں احمد ۱۱۵۲ھ

در ہمہ خوباں بخوبی آں بتِ رعنا یکے ست | افزوں بسیار خورشید جہاں آرا یکے ست (۲۸شعر)

۲۲۔ در سرہند باستدعاے موزونانِ آں دیار گفتہ شد ۱۱۶۸ھ

ترک چشمش بخون فشانیہا ست | غمزہ سرگرم ہمعنانیہا ست (۱۳شعر)

۲۳۔ غزل در مشاعرہ عموی محمد قباد خان احمد طرح شدہ بود ۱۱۶۲ھ

جان از لب او غیر مکیدن نتوان یافت | لذت ز شکر جز بچشیدن نتوان یافت

۲۴۔ غزل در مشاعرۂ عظیم آباد طرح شدہ بود

دامنِ تر بزہر نایاب است | جاے پاکست و عالم آبست

۲۵۔ ایں غزل نیز طرحی مشاعرہ شعرائے عظیم آباد است ۱۱۹۳ھ

سوختن کار خار من ست | شعلۂ برق نوبہار من است (۱۱شعر)

۲۶۔ غزل در عظیم آباد حسب الاستدعاے خادم حسین خاں (خادم حسین خادم عظیم آبادی)

مست نازست ناز و بے پروا ست | فتنہ از شور حسن او برپاست (۱۲شعر)

۲۷۔ غزل طرحی مشاعرۂ عظیم آباد ۱۱۹۳ھ

بشگفت غنچہ چاک گریبانم آرزو ست | جوشید بادہ بزمِ حریفانم آرزو ست (۱۱شعر)

۲۸۔ در عظیم آباد طرح نمودہ شد ۱۱۹۳ھ

دیار و قلعہ و گنجینہ از شہاں باقیست | زمن ہمین سخنِ چند در جہاں باقیست (۹شعر)

۲۹۔ غزل عاشقانہ طرحی مشاعرۂ شاہجہاں آباد ۱۱۴۱ھ

چشمت بغمزہ شوکت شاہی گرفتہ است | نازت رہم چو مرد سپاہی گرفتہ است (۷شعر)

۳۰۔ غزل طرحی مشاعرۂ پاے تخت دہلی ۱۱۶۷ھ

در خراباتِ مغاں عمرم بمیخواری گزشت | شورِ مستی از سما در نالہ و زاری گزشت (۱۱شعر)

۳۱۔ غزل بحسب الاستدعاے ممتحن الشعر پاے تخت دہلی نزول یافتہ

رنگِ رخسار تو و نوگلِ تر ہر دو یکے ست | نفسِ سردِ من و بادِ سحر ہر دو یکے ست (۵شعر)

۳۲۔ ایں غزل حسب الاستدعاے سعید اللہ خاں عاشق در عظیم آباد نزول یافتہ

یار در جلوہ محوِ یکتائی ست — خود تماشا و خود تماشائی ست (۱۲ شعر)

۳۳۔ غزل بحسب الاستدعا شاہ عاشق مرحوم در عظیم آباد نزول یافتہ

ابرو کماں سبُحتہ کہ بچشم آشیانہ ساخت — برکردہ ناوکِ مژہ دل را نشانہ ساخت (۹ شعر)

۳۴۔ در مرشد آباد بمجلسِ راجا دولت راے این غزل بر غزلِ مشہور نعیمی بر سرِ مجلس بدیہۃً نزول یافتہ

جان و دلم ربود و ادا را بہانہ ساخت — خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت (۱۱ شعر)

یہ مطالعہ ردیف تا کی غزلوں پر ختم کیا جاتا ہے ورنہ ردیف یا تک تو سینکڑوں غزلیں کلیات میں ہوں گی۔

غزلیات کا سلسلہ کلیات کے پیش نظر نسخے کی جس غزل پر ختم ہوتا ہے اس کا مطلع ہے:

شخ ست و حسل نوشی باہم و غم دردے ؟ — ہر شہرے و ہر دہے ہر کارے و ہر مردے

آخری شعر یہ ہے: [illegible]

داغے کہ بکشتِ دل خرمن بکشید از سر — چوں دانہ سر اشکِ من اے عشق بہ بر دردے

اگلے صفحے کی غزل کاتب دیوان [illegible] ہو۔

بگفتا کیست عشق بے سر و پا گفتم اے ظالم — غریبے عاجزے مسکینِ محزون و دعا گوے

اس کے بعد کے صفحے سے مخمسات شروع ہوتے ہیں جو سارے کے سارے مناقبِ علی میں ہیں۔ [illegible]

۱۔ مخمس در تتبعِ غزلِ خواجہ حافظ در بحرِ مضارع مثمن اخرب مکفوف مقطوع فی المناقب مرتضوی مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن۔ حافظ کی مندرجۂ ذیل غزل پر تخمیس کی گئی ہے:

جوزا سحر نہاد حمائل برابرم — یعنی غلامِ شاہم و سوگند می خورم (۹ شعر)

یہ تعداد میں دس ہیں۔ آخری مخمس طغرا کے تتبع میں اس کے مشہور شعر:

گر فیضِ عام بذل سراسر کند علی — ہر ذرّہ آفتاب منوّر کند علی

—— کی تخمیس میں ہے۔

یہ عشق کا سب سے طویل مخمس ہے اور ۹، بند پر مشتمل ہے اور فنی اعتبار سے سب مخمسوں پر فوقیت رکھتا ہے: یہاں پہلا اور آخری بند نقل کیا جاتا ہے:

از حکمِ حق مدد بہ پیمبر کند علی — اجرائے دین ز تیغ دو پیکر کند علی
اجرامِ کائنات مسخر کند علی — روشن جہاں ز پرتوِ جوہر کند علی
ہر ذرہ آفتابِ منور کند علی

در راہِ الفتش زدہ جان از ازل قدم — وِردِ زبانست و نامِ معلاش دمبدم
در شوقِ آن جناب کشیدیم سر از عدم — سایم کہ بعرش کرائے عشق ...
منظور در غلامیِ قنبر کند علی

مخمسات کے بعد کلیات میں رباعیات ہیں جو ۸۸ صفحات پر محیط ہیں۔ رباعیات کی، جن میں کچھ قطعات بھی شامل ہیں، تعداد ۲۰۹ ہے۔ بعد کو ۱۳ رباعیات اور ۱۱ قطعات حاشیے پر اضافہ کیے گئے ہیں۔ ابتداء میں بطور تمہید دو صفحوں کی نثری تحریر ہے جس میں مرزا عشق لکھتے ہیں کہ میں نے علمِ عروض کے متعدد رسالے دیکھے لیکن مجھے - ماہیت تعدادِ اوزان کما حقہٗ رباعی - کسی میں نہیں ملی - ایران کے بعض فضلاء کی صحبت سے معلوم ہوا کہ رباعی کے اوزان کا استعمال شعرائے عرب کے یہاں نہیں ملتا۔ رباعی شعرائے عجم کی اختراع ہے۔ مولانا جامی نے بطریقِ یادگار ۲۴ اوزان دو شجروں اخرب اور اخرم میں کھے اور ہر تقطیع میں اپنا ایک مصرع لکھ کر پیش کیا ہے۔ خاکسار نے ہر بحر کا نام مطابق قاعدہٗ عروضیان اس دیوان میں رقم کیا ہے اور مولانا جامی کے بنائے ہوئے ۲۴ اوزان رباعی میں ہر تقطیع میں رباعی مکمل بزبان فارسی و زبان ہندی اُوردوی معلائی پائے تخت شاہ جہاں آباد - میں لکھی ہے۔ اس کے بعد شاعر نے اپنی رباعیاں درج کی ہیں، ساتھ ہی ساتھ اس کی بحر بتائی ہے اور اس کی تقطیع لکھی ہے۔ پہلی رباعی یہ ہے:

آراستہ بر طبق ز مولائیِ تُست — درکارِ جہاں ز کار فرمائیِ تُست
برتر ز قیاس با توانائیِ تُست — پیدائشِ ما دلیلِ پیدائیِ تُست

حمد و نعت میں متعدد رباعیات ہیں۔ یہاں دو درج کی جاتی ہیں:

ذاتے کہ عروج در سرائیِ اوست — نورِ بصرم ز نورِ بینائیِ اوست

برتر ز قیاس و علم و دانائیِ اوست ‏ موجود بہر وجود یکتائیِ اوست

اے فرِ رُسُل ترا ز حق شد معراج ‏ نُہ چرخ نمود خاکپایت سرتاج

در ظلِّ لوائے تُست عالم آباد ‏ بر درگہِ عالیِ تو آدم محتاج

حمد و نعت کے بعد چار رباعیاں، چاروں خلفائے راشدین کی منقبت میں ہیں:

صدیق بصدقِ خود رسا تحقیق ست ‏ ہم بزمِ نبی و صاحبِ تصدیق ست

آن بادہ کہ در خُمِ نبوت جوشید ‏ صافش بہ ایاغِ حضرتِ صدیق ست

از ہر کہ دلت درین زماں می لرزد ‏ او نامِ عمر بگیر کاں می لرزد

آن صاحبِ عدل و داد فاروق آمد ‏ کز دُرّۂ عدلِ او جہاں می لرزد

سر نشہ بہ دفترِ حیا عثمانست ‏ سر خیلِ فریق بے ریا عثمانست

قرآن کہ دلیلِ اصفیا شد در دہر ‏ جامع بنگر کہ عثمانست

بیرونِ وجود کل علی است علی ‏ ہادیِ ہمہ سُبُل علی است علی

شاہنشۂ کشورِ ولایت بخدا ‏ از بانگِ دف و دہل علی است علی

اور ایک قطعے میں ان چاروں خلفاء کی منقبت آگئی ہے:

صدقِ بصدّیق چراغِ رہِ دینم بادا ‏ عدلِ فاروق مددگار و معینم بادا

آن حیای کہ بعثمانست قرینم بادا ‏ اسد اللہ وصی است یقینم بادا

اگلی رباعی میں

انجامِ رسالت از صفی شد بہ نبی ‏ سرّیست ز روی اخبارِ خفی

درباب کہ گفتم از مثل بر تو جلی ‏ شد ختم خلافتِ محمدؐ بعلی

متعدد رباعیوں پر صاد کا نشان ہے جو بظاہر مُصنّف کے قلم سے ہے اور ان کی پسندیدہ رباعیوں کی نشان دہی کرتا ہے۔ ان میں سے ایک یہاں نقل کی جاتی ہے۔

از دورِ فلک نہ تاجِ زر می خواہم رخشندہ کلاہ و نے کمر می خواہم
اے ماہِ تمامِ من شبِ وصلِ ترا از اوّلِ شام تا سحر می خواہم

حاشیے میں رباعیوں کے سامنے کہیں کہیں فی النعت ، فی المناقب ، فی المناقب سیّد الشہدا، (؟) فی المناجات ، مناقبِ عیدِ غدیر ، مناقبِ رمضان المبارک ، درشانِ ربوبیت ، درشانِ ائمہ اثنا عشر لکھا ہوا ہے اور کہیں کہیں رباعیوں کے سامنے عاشقانہ ، مستانہ ، عارفانہ ، موحدانہ ، محققانہ ، عاشقانہ انداز ، عاشقانہ حریفانہ ، عاشقانہ صوفیانہ ، حریفانہ ، قلندرانہ ، سالکانہ لکھا ہوا ملتا ہے۔

عشق کی کچھ رباعیات یہاں درج کی جاتی ہیں :

ساداتِ کرام خستہ حالند و تباہ دارند اراذلان جاہ
دجّال وشاں محیط گشتند بدہر خواہم ز جنابِ صاحبِ امر پناہ

موزونیِ نالہ رسا می جویم کان مثلِ سناں خلیدہ در پہلویم
دعوای کمال نیست در دل واللہ من شعر برای دردِ دل می گویم

گہ بیخود و گہ مست و گہے ہشیارم گہ سُستم و گہ چُست و گہے طرّارم
پیوستہ بزلفِ یار باشد کارم دیوانہ ام و بکارِ خود ہشیارم

آمد صنمے بہ بُت پرستی ناگاہ صد گونہ حیا و ناز و تمکین آگاہ
چوں برہمناں بُتاں سجودش کردند کافر چو بدید گفت اللہ اللہ

دی مستِ قدح گشتہ نشستم در راہ با دلبرِ مے نوش شبے بہ از ماہ
زاہد چو گزر کرد بگفتم اے عشق لاحول و لاقوۃ الّا باللہ

ابروے کجش خنجرِ بیداد کشید زخمے دلِ من خوردہ بخوں ناب طپید
از غیب در آں لحظہ چنیں مژدہ رسید مَنْ مَاتَ مِنَ الْعِشْقِ فَقَدْ مَاتَ شَہِید

بگرفت از رُخ نقاب و گردیده بروں   بستان دہ ز دل علامت صبر و سکوں

او نازاں شد بناز و من محوِ نیاز   گل سُرخ بجا لدیمُ فرحُونْ

آخری رباعی یہ ہے

چوں گشتم من خستہ گرفتارِ دل   می گردم ہر لحظہ پئے کارِ دل

تا جانم بہ رسیدہ ز یارش خیر ؟   اورا ہم ز جا بُردہ غمِ یارِ دل

اس کے بعد نثر کی ایک سطر ہے "بعنایتِ بندہ نوازی چارہ ساز بے انبار دوازدہ تقطیع شجرہ اخرم" اور اسی سطر پر یہ موجودہ نسخہ تمام ہوجاتا ہے۔

بظاہر ورق دو ورق یا کچھ اوراق یہاں سے غائب ہوگئے ہیں۔

دیوان عشق جو دراصل کلیات عشق ہے، خاصا ضخیم ہے۔ یہ تقریباً سارے اصناف سخن پر مشتمل ہے۔ پیش نظر مضمون کا مقصد بارہویں صدی ہجری کے ایک نسبتہً غیر معروف فارسی شاعر کا جس کے ساتھ تذکرہ نویسوں نے خاصی بے اعتنائی برتی ہے، تعارف تھا اور اس کے مجموعۂ کلام کو جس کے مشمولات ہر طرح قابل قدر اور لائق مطالعہ ہیں، روشنی میں لانا تھا جو دو صدیوں سے انگلستان کے علمی و ادبی نہیں بلکہ ایک تجارتی شہر کے کتب خانے کی تاریکی میں پڑا تھا۔ اگر اس وقت کے گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز جنھیں کلکتے میں ۱۷۸۵ء میں خود شاعر نے یہ نسخہ پیش کیا تھا، اس قیمتی تحفے کو مانچسٹر کے بجائے لندن کے برٹش میوزیم، انڈیا آفس یا اوکسفورڈ کی باڈلیان لائبریری میں محفوظ کر دیتے تو یقین ہے کہ اس نسخے پر ہندوستان پاکستان کے کسی صاحب ذوق کی نظر پڑتی اور فارسی و اردو دنیا کو اس پر بہت پہلے اطلاع مل جاتی۔ مانچسٹر میں اگر اس پر کسی کی نظر پڑی بھی ہو جس کا اب تک کوئی ثبوت نہیں ملا تو اس دیوان کی ضخامت (جہازی تقطیع پر کوئی ۱۳۰۰ صفحات) اس سے دلچسپی لینے میں مانع ہوئی ہوگی۔

میں آج سے کوئی نصف صدی پہلے (۱۹۵۳ء - ۱۹۵۰ء) میں اوکسفورڈ یونی ورسٹی میں پروفیسر سر ہملٹن گب کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کے لیے چھٹی صدی ہجری کے اواخر اور ساتویں صدی کے اوائل کے ایک شامی مصنف و شاعر مسلم بن محمود الشیزری کی ایک کتاب جمہرۃ الاسلام ذات النثر والنظام کے ایسے مخطوطے پر کام کر رہا تھا جس کا عالم میں صرف ایک ہی نسخہ ہے جو لائیڈن یونیورسٹی لائبریری (ہولینڈ) میں محفوظ ہے۔ یہ آغاز اسلام سے چھٹی صدی ہجری تک کی لکھی ہوئی سو تحریرات نظم و نثر کا بڑا قیمتی مجموعہ ہے۔ ایسے متعدد نادر و نایاب نظم و نثر کے نمونے شامل ہیں جو قدیم و جدید مراجع و مصادر میں نہیں ملتے۔ مثال کے طور پر حضرت علی بن ابی طالب کے خطبات (جو نہج البلاغۃ یا کسی مصدر میں نہیں ملتے)، رسائل المعرّی (جو مارگولیتھ اور فاضل معاصر الاستاذ عبدالکریم خلیفہ کے مرتب کردہ لندن اور عمان والے اڈیشنوں میں موجود نہیں)، خطبۂ واصل بن عطا جو الاستاذ عبدالسلام ہارون کے شائع کردہ خطبے سے بالکل مختلف ہے۔ رسالۃ القلم والدواۃ از ابن قتیبۃ (اس کا ابن قتیبہ کی تصانیف میں پتا نہیں چلتا)۔ ان کے علاوہ القاضی الفاضل، ابن ابی الشخباء، علی بن وشاح، قابوس بن

دشگیر، نشوان الحمیری، شریف الرضی، عبدالعزیز بن یوسف، وزیر المہلبی اور الصابی کی نایاب تحریرات نثر جن کے اصل مصادر بظاہر حملۂ ہلاکو میں غارت ہوئے اور جو بچے وہ مفقود ہوگئے۔

منظومات میں دیک الجن، الملک المعز اسماعیل، الرقاشی، الواسانی، علی بن ہشام، ابن الکیزانی، ابزون العمانی، ابن الہباریہ اور ابن منیر الطرابلسی کی تخلیقات جن کے متون کسی ماخذ میں مجھے دستیاب نہیں ہوئے۔

جو لوگ پروفیسر گب سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ ایک مشکل پسند اور بڑے سخت قسم کے نگراں تھے۔ آسانی سے مطمئن نہیں ہوتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں صرف عربی کے مطبوعہ مصادر پر اکتفا نہ کروں، غیر مطبوعہ مراجع کا ضرور مطالعہ کروں اور صرف انگلستان ہی نہیں بلکہ یورپ کے ان ملکوں کے کتب خانے بھی دیکھوں جہاں عربی مخطوطات محفوظ ہیں۔ ان کا اچانک ہارورڈ جانا ہوگیا ورنہ وہ مجھے ڈبلن (آیرلینڈ) بھی ضرور بھیجتے جہاں چیسٹر بیٹی کا نایاب ذخیرہ مخطوطات ہے اور جس کا وہ کئی بار مجھ سے ذکر کرچکے تھے۔

جمہرۃ کے مشمولات کی علمی و تحقیقی تحلیل اور متون کی تصحیح کے لیے گذشتہ چھ صدیوں کی اہم عربی تصانیف کا مطالعہ ناگزیر ہوگیا۔ ان میں مطبوعات بھی تھیں اور مخطوطات بھی۔ ان کے مطالعے کے لیے ہولینڈ، جرمنی اور فرانس کے کتب خانوں میں جانا ہوا اور انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کے تو سارے مشہور کتب خانوں کے ساتھ ساتھ متعدد کالجوں کے قلمی ذخیروں کے دیکھنے کے بھی مواقع نصیب ہوئے۔ تذکرۂ صدرالدین آزردہ دہلوی کیمبرج کے کورپس کرسٹی کالج میں، دیوان نعیم دہلوی اور دیوان آبرو کنگس کالج میں، تذکرۂ حیدری اوکسفورڈ کے انڈین انسٹی ٹیوٹ میں اور فضلی کی کربل کتھا برلن سے بہت دور ٹیوبنگن لائبریری میں نہیں، اس کے ایک کمرے میں رکھی ہوئی مجھے ملی تھی۔ کچھ عرصے کے بعد برلن کا پورا ذخیرہ ماربرگ اور ٹیوبنگن سے واپس برلن بھیج دیا گیا۔ تذکرۂ طبقات سخن وہیں دیکھنے کا موقع ملا اور تذکرۂ ریاض الوفاق مؤلفہ ذوالفقار علی مست کا نسخہ منحصر بفرد کی نقل بھی میں نے وہیں بیٹھ کر تیار کی۔

مانچسٹر میں ۱۹۵۵ء میں پہنچا۔ وہاں میرا قیام صرف تین دنوں کے لیے تھا، پھر اور مقامات سے ہوتے ہوئے اڈنبرا پہنچنا تھا۔ ان تین دنوں میں یونیورسٹی کے عربی و فارسی و اسلامیات کے مشہور علما و محققین سے ملنا بھی میرے پروگرام میں شامل تھا اور جون ریلینڈ لائبریری کے نفائس و مخطوطات و نوادر دیکھنا بھی۔ اوکسفورڈ کے زیر تحریر مقالۂ علمیہ کے

سلسلے میں مواد کی تلاش و حصول کے بعد جو وقت ملا وہ وہاں کی اردو فارسی کی قلمی کتابوں کے مطالعے میں صرف کیا۔ جو تعداد میں ۴۸ تھیں۔ ان میں سے ۲۰ مخطوطات پر میں نے مختصر نوٹس لکھے تھے جو بعد کو قاضی عبدالودود صاحب کو بھیج دیے جنھوں نے اسے رسالۂ معاصر حصہ دہم (اگست ۱۹۵۰ء) میں کتاب خانۂ مانچسٹر کے بعض مخطوطات " کے عنوان سے شائع کر دیا۔ دیوانِ عشق کے بارے میں میں نے یہ سطریں اس وقت لکھی تھیں :

کلیات مرزا زین الدین خاں عشق دہلوی ۔ یہ بڑی تقطیع پر ۱۳۹۰ اوراق (صفحات ہونا چاہیے) کا بہت ضخیم کلیات ہے ۔ یہ نسخہ خود مصنف نے وارن ہیسٹنگ گورنر جنرل کو پیش کیا تھا جیسا کہ سر ولیم جونس کی تحریر سے جو اس نسخے پر ثبت ہے ، معلوم ہوتا ہے ۔ ایک بہت دلچسپ بات یہ ہے کہ تقریباً ہر غزل کی ابتدا میں یہ بتایا گیا ہے کہ کس موقع پر کب اور کس مشاعرے کے لیے یہ غزل لکھی گئی ہے۔

ایک غزل میں " صبح گاہ طلب " (ورق ۱۹۲ ۔ الف) اس کے متعلق لکھا ہے : " در مشاعرہ نواب علی ابراہیم خاں خلیل ۱۱۹۵ھ " ایک غزل جس کی ردیف " ہمہ شب " ہے اس کے متعلق یہ صراحت موجود ہے : " غزل ہمہ شب " در عظیم آباد بحسب فرمایش شاہ رکن الدّین سلمہ در ۱۱۹۱ھ (ورق ۱۹۲ ب) ۔ علی ابراہیم خاں ، تذکرۂ گلزار ابراہیم کے مولّف ہیں اور شاہ رکن الدّین سے ان کی مراد حضرت عشق عظیم آبادی ہیں۔ اسی طرح عظیم آباد ، دہلی اور دوسرے مقامات کے بہت سے مشاعروں کے متعلق اطلاعیں ملتی ہیں۔ اس کلیات پر کبھی کام کیا گیا تو بہت سے نئے معلومات حاصل ہو سکتے ہیں " ۔

وارن ہیسٹنگ منفرد نہیں ہیں جنھوں نے " دیوانِ عشق " کا نسخہ اس کتب خانے کی نذر کیا ، غالب کے ممدوح کرنل ہملٹن کے کتب خانے کی متعدد کتابیں جون ریلینڈ لائبریری میں موجود ہیں۔ یا تو اس نے خود اس کتب خانے کو پیش کیں یا اس کے اعزّہ نے بھجوائیں ۔

۱) دیوان حشمت : زمانۂ کتابت تقریباً ۱۷۵۰ء، اوراق ۴۳ ۔ ہملٹن کے کتاب خانے میں اس کا نمبر ۵۳۸ تھا۔ (فارسی : ۹۲۱)

۲) نکات غالب : مصنف مرزا غالب دہلوی صفحات ۱۹ سطور ۱۷ (فارسی ۹۱۳) اس نسخے پر اغلاط کی تصحیح کاتب نسخہ نہیں کسی اور کے قلم سے ہے۔ ممکن ہے خود مرزا کے قلم

کے تصحیحات ہوں۔ عجب نہیں کہ خود مرزا نے تصحیح کرکے یہ نسخہ ہملٹن کو بھیجا ہو۔

۴) قصیدہ در مدح ملکۂ انگلستان و ہندستان مصنفہ مرزا غالب (فارسی ۶۱۳)۔ سرورق میں یہ عبارت درج ہے: - قصیدہ برگزیدہ در مدح .. (ملکۂ معظمہ انگلستان خلد اللہ ملکہ (کذا) بالعدل والاحسان - قصیدے کے بعد - دستنبو - شروع ہوجاتی ہے۔ اس نسخے میں بھی ترمیمیں اور اصلاحیں ہیں اور غالباً بخطِ غالب۔

۴) دیوانِ ولی (ہندستانی ۲۰) سلیمان جاہ اور ہملٹن کے کتب خانوں میں یہ نسخہ رہ چکا ہے۔ مکتوبہ میر نیاز علی ۲۸ محرم ۱۲۲۳ھ

۵) کلیاتِ جرأت (ہندستانی ۲۵) مکتوبہ ۲۰ ذوالحجہ ۱۲۳۶ھ۔ ان کے علاوہ بھی ہملٹن کے کتب خانے کی کتابیں یہاں ہیں۔

مانچسٹر میں قلتِ وقت اور عربی مخطوطات کے مطالعے کی وجہ سے عشق کے اس فارسی دیوان کی طرف زیادہ توجہ کا موقع نہیں مل سکا۔ لیکن اپریل ۱۹۵۶ء میں یورپ سے واپسی کے بعد سے اب تک ایک عرصہ گزر جانے کے بعد بھی اس کے خیال سے غافل نہیں رہا اور مختلف زمانوں میں اس کی مائکرو فلم یا عکس کے حصول کی کوشش میں لگا رہا۔ کبھی مولانا آزاد لائبریری کے اربابِ حل و عقد کو متوجہ کرتا رہا۔ کبھی کتب خانۂ خدا بخش کے ڈائرکٹر کو لکھتا رہا۔ ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے اس حد تک تعاون کیا کہ فوراً لکھا کتاب کا عکس آپ اپنے طور پر منگوا کر یہاں بھیج دیں، اجرت ادا کر دی جائے گی۔ یہ کسی وجہ سے ممکن نہ ہوسکا۔ (اجرت عکس و اجرت ڈاک وغیرہ میں کوئی تیس ہزار کا خرچ بتایا گیا تھا)۔ ڈاکٹر معین الدین عقیل (کراچی یونیورسٹی) ٹوکیو یونیورسٹی میں اردو کے استاد زائر کی حیثیت سے آئے ہوئے ہیں اور تقریباً ہر سال مخطوطات و نادر مطبوعات کی تلاش اور مطالعے کے لیے یورپ، امریکا کا سفر کرتے رہتے ہیں۔ انھیں میں نے متوجہ کیا۔ وہ خود مانچسٹر پہنچے، نسخہ دیکھا اور مائکرو فلم بنوانے کی ہدایات کر لے۔ انھوں نے کچھ دنوں کے بعد اطلاع دی کہ فلم بن کر ڈاک سے آگئی ہے۔ انھوں نے چند صفحوں کے عکس بھی بنا کر بھیجے، فلم ناقص بنی تھی اور چند صفحے تکبیر کیے ہوئے جو مجھے ملے وہ واضح نہ تھے اور انھیں پڑھنا مشکل تھا۔

میں پروفیسر نذیر احمد صاحب کا بہت ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست پر غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کے کتب خانے کے لیے زرِ کثیر خرچ کر کے اس نادر نسخے کا بڑی تحقیق پر [illegible] اوراق منگوا کر مجھے اس کے مطالعے کی سہولت بہم پہنچائی۔ میں جناب سید مظفر

حسین برنی، اور ڈاکٹر معین الدین عقیل کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن کی توجہ سے دیوان کا عکس جلد فراہم ہوسکا۔

پیش نظر مضمون میں صرف شاعر اور اس کے شعری مجموعے کا تعارف کرایا گیا ہے، اور اس وقت یہی مقصود تھا۔ اس کی شاعری، اس عہد کی زبان اور دیوان کے دوسرے پہلوؤں پر متعدد مضامین لکھے جاسکتے ہیں۔ دیوان کے مندرجات کے گہرے مطالعے سے بعض مفید اور پر معلومات امور دریافت کیے جاسکتے ہیں۔ اس دیوان کی روشنی میں اس عہد کے مشاعروں اور اس وقت کی ادبی صحبتوں پر اور بنگال اور بہار میں عشق کے معاصر شعراء پر دو مضمون لکھنے کا خیال ہے۔ اگر علی گڑھ، دہلی اور دوسرے مقامات کی جامعات کے شعبہ فارسی کے طلبا میرزا رکن الدین عشق کے قصائد، غزلیات اور اس کے قطعات و رباعیات کی طرف توجہ کریں اور ان کے تنقیدی اڈیشن تیار کریں تو یہ یقیناً مفید علمی و ادبی خدمت ہوگی۔

حواشی

(۱) مؤلفین تذکرۂ مسرت افزا و تذکرۂ شورش و تذکرۂ ہندی نے نام میر زین الدین لکھا ہے، خیال ہے کہ تذکرۃ الاکابر میں بھی یہی لکھا ہوگا لیکن مصحفی نے عقدِ ثریا میں انھیں میرزا لکھا ہے۔ خود عشق کے ایک شعر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے:

از مہرِ تو خوار و زار شد عشق — زیں پیش وگرنہ میرزا بود

سر ولیم جونس نے بھی دیوانِ عشق کے سرورق پر انھیں میرزا زین الدین عشق لکھا ہے۔

(۲) وہ شاہ رکن الدین عشق کے عقیدت مندوں میں تھے۔ وہ ان کا نام ہمیشہ بڑے احترام سے لیتے ہیں۔ کہیں انھیں عارف عاشق باتزئین شاہ رکن الدین عشق سلمۂ تو کہیں عاشق عارف باتمکین و شیخ الشیوخ رکن الدین عشق سلمۂ لکھتے ہیں۔

(۳) مُشفق خواجہ صاحب کا خیال ہے کہ اس کا سالِ تالیف ۱۱۹۲ھ کے کئی سال بعد ہے۔ (رسالۂ اردو جولائی ۱۹۶۰ء)

(۴) یہ کلمات آکسفورڈ کے نسخے میں موجود نہیں

(۵) اضافہ از نسخۂ آکسفرڈ

(۶) آکسفرڈ: بخانہ

(۷) یہ دعائیہ کلمہ نسخۂ آکسفرڈ سے غیر حاضر

(۸) آکسفرڈ: نادرِ روزگار

(۹) آکسفرڈ: ہم می گویند

(۱۰) عشق کے ترجمے کا متن گورکھپور کے نسخے (مرتبہ محمود الٰہی زخمی) سے لیا گیا ہے جس میں اس کے دو شعر درج ہیں۔ نسخۂ آکسفرڈ (مرتبہ کلیم الدین احمد) میں چار شعر (خریدار نہ ہو / دوانہ نکل گیا / اور تحریر کر سکیں / تعمیر کر سکیں) نقل ہوئے ہیں

(۱۱) عقدِ ثریا مرتبہ عبدالحق (دہلی ۱۹۳۴) میں اشعار موجود نہیں۔ قاضی عبدالودود مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ عبدالحق صاحب کی ہدایت پر اس تذکرے سے اشعار نقل نہیں کرائے گئے تھے۔ فارسی نمونۂ کلام کے اندراج سے ضخامت بڑھ جاتی۔ تذکرے میں انجب کے ۸، پیام کے ۲۶ پروانہ کے ۲۰ اور بیدل کے ۴۴ شعر درج تھے وعلیٰ ہذا القیاس اس قطع و

بریدے تذکرہ تو ۹۳ صفحوں میں چھپ کر شائع ہوگیا لیکن قارئین بہت سے افادات سے محروم رہ گئے۔ انجب کے اشعار کے ساتھ "از انتخاب دیوان اوست" کا فقرہ بھی حذف ہوگیا جس سے معلوم ہوسکتا تھا کہ ان کا دیوان مُرتب تھا۔ پورے تذکرے میں صرف حاتم دہلوی کے ۸ شعر ملتے ہیں۔ قاضی صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے پھر بھی حاتم دہلوی کے ۱۵ شعر نقل کرادیے تھے کلام کی نُدرت و نایابی کی وجہ سے۔ (اس وقت ۱۹۳۳ء تک دیوان زادہ فارسی مفقود تھا۔ اس کا انکشاف راقم نے ۱۹۳۹ء میں کیا اور کلام کا انتخاب علی گڑھ میگزین (۱۹۰۹ء) میں شائع کیا) حاتم کے ۱۵ شعروں میں تذکرۂ مطبوعہ میں صرف ۸ شعر درج ہیں۔ بقیہ ۷ شعر پھر بھی حذف کر دیے گئے۔

(۱۲) خلاصۂ تذکرۃ الاکابر شائع کردہ جناب قاضی عبدالودود معاصر، حصہ ۱۸ (جولائی ۱۹۶۲ء)

(۱۳) عجائب گھر لاہور کے ذخیرۂ منہاس کے ایک مخطوطے (شمار ۵۳ / ۱۳۹) سے "سفینۂ خانِ عالی شان محمدؐ قباد خان" کی اطلاع ملتی ہے جس سے کسی نے اپنے ذوق کے کچھ معلومات (جمع ممالکِ محروسہ، دستور العمل صوبجات، "بیت السیاق" کے کچھ اقتباسات اور بعض مغل بادشاہوں کی تاریخِ ولادت وغیرہ) جمع کر دیے ہیں۔ اس کا امکان ہے کہ صاحبِ سفینہ "خانِ عالی شان محمدؐ قباد خاں" میرزا زین الدین عشق کے "محترم" ہوں: (فہرست جلد دوم ص ۱۶ مرتبہ رشید احمد لاہور ۱۹۸۰ء)۔

(۱۴) بھگوان داس: سفینۂ ہندی، ص ۷۰۔

(۱۵) تذکرۂ بے نظیر ص ۱۰۴

(۱۶) دیوان میں ایک غزل کا عنوان ہے: "غزلِ عاشقانہ در شاہجہان آباد ورود یافتہ ۱۱۶۸ء" ایک دوسری غزل خانہ داشت / دیوانہ داشت سے پہلے یہ فقرہ لکھا ہوا ملتا ہے: "غزلِ عاشقانہ در شاہجہاں آباد ورود یافتہ ۱۱۶۹ھ"۔ ایک اور غزل گرد بچشم من نشست / آہو بچشم من نشست کا عنوان ہے: "غزلِ پُرکار ایجادی در شاہجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۶۸ھ"۔ اب یا تو مرزا کم از کم ۱۱۶۸ھ تک دہلی میں مقیم رہے یا ۱۱۶۰ھ میں انھوں نے دہلی چھوڑ دی لیکن مشاعروں میں یا کسی اور وجہ سے وہ ۱۱۶۸ھ تک دہلی آتے رہے۔

(۱۷) یہ ملحوظِ خاطر رہے کہ مصحفی بعد کو بھی اس میں اضافے کرتے رہے چنانچہ اس میں ۱۲۱۲ھ اور ۱۲۱۳ھ کے سنین بھی پائے جاتے ہیں۔ جس وقت مصحفی زین الدین عشق کے حالات لکھ رہے تھے اس وقت صاحبِ ترجمہ زندہ تھے لیکن یہ نہیں معلوم کہ وہ ان کا

ترجمہ کب لکھ رہے تھے۔

(۱۸) Warren Hastings ۱۷۷۳ء میں ہندستان کا پہلا گورنر جنرل، مقرر ہوا۔ اس نے ۱۷۸۵ء میں استعفا دیا اور انگلستان چلا گیا۔

(۱۹) نوشعروں کی اس غزل کا مقطع ہے:

مستانہ بخور بادہ کہ اے عشق تو داری　　لب مست و سخن مست و زباں مست و بیاں مست

(۲۰) لکھنؤ سے خوش نظر نہیں آتے:

زیں شہرِ سفلہ پرور تنگ آمدیم و رفتیم　　از ما دعائے خیرے یاران لکھنؤ را

(۲۱) تذکرۂ مردم دیدہ، ۱۹۳ میں نام آغز خاں بہادر ترک جنگ لکھا ہے۔ گُلِ رعنا میں بھی یہی ہے۔ حاکم صاحبِ تذکرہ ۱۱۵۱ھ میں دہلی میں ان سے ملے تھے۔ انھیں صاحبِ دیوانِ ضخیم لکھا ہے۔ تذکرۂ گلشن مشتاق (مؤلفہ قاضی حافظ علی مشتاق صدیقی ملیح آبادی) میں بقول جناب مشفق خواجہ اعز خاں دیدہ نام لکھا ہے (ورق ۳۰ ب)

(۲۲) پہلے محذوف لکھا تھا بعد کو اسے قلمزد کر کے مقصور بنایا ہے۔

(۲۳) اس قصیدے کا نام گلزارِ مدحِ حیدری ہے اور یہ ۱۱۸۰ء میں لکھا گیا۔

(۲۴) اس قصیدہ رائیہ میں دو مصرعوں کی جگہ چھوٹی ہوئی ہے اور ایک شعر میں ابتدائی دو تین لفظوں کی جگہ بیاض ہے۔ کاتب دیوان سے ظاہراً الفاظ نہیں پڑھے گئے۔

(۲۵) قصیدۂ دالیہ کے بعد موجودہ قلمی نسخے میں ترجیع بند، نوحے اور قطعات ہیں پھر قصیدہ میمیہ کا اندراج ہے۔ اس کے بعد ۱۴ قطعات درج کرنے کے بعد دو قصیدے نقل کیے گئے ہیں۔ ان کے بعد پھر قطعات کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ راقم نے قصائد کا ذکر ایک جگہ کر دیا ہے۔

(۲۶) ہزار بارہ سو صفحات کے دیوان میں لفظ "مُرقّع" تلاش کرنا ایک مشکل امر تھا لیکن یہ لفظ ردیف دال کی ایک غزل میں مل گیا۔ مطلع ہے:

ہر کہ از دولتِ عشقِ تو "مُرقّع" باشد　　داغِ سودا بسرش تاجِ مُرصّع باشد

ایک اور جگہ قافیے میں لفظ "مُرقّع" آیا ہے:

گستردہ یکے مسند و سجادہ بمجلس　　از نذرِ مریداں شدہ در عرش "مُرقّع"

(۲۷) اس کے بعد کی کچھ قابلِ ذکر غزلیں یہ ہیں: غزلِ عاشقانہ طرحی ۱۱۶۸ھ حرام است / کدام است
در تتبعِ کمال خجندی ۱۱۸۲، فدای تست / جای تست
غزلِ ایجادی نزول یافتہ ۱۱۶۹ھ خیالش دیدنی ست / جمالش دیدنی ست
غزلِ طرحی ۱۱۸۰ھ نمای من ست / دریای من است
در تتبعِ شفائی ۱۱۸۳ھ بیداد ہمین است / فریاد ہمین است
در تتبعِ خواجہ غیب اللسان (کذا) ۱۱۸۹ھ سرشت / کشت
غزلِ طرحی ۱۱۸۹ھ سالوس بمانست / محبوس بمانست
غزل در تتبعِ خواجہ ۱۱۸۹ھ اوصافست / الطافست
ایضاً ۱۱۸۹ھ دل و جاں ایں ہمہ نیست / روح و رواں ایں ہمہ نیست
این غزلِ ایجادی در بریلی ورود یافتہ ۱۱۸۶ھ نے بسوخت / دے بسوخت

(۲۸) اس کے بعد کی کچھ غزلوں کے اندراجات پیش ہیں:
غزل در تتبعِ قزلباش خاں امید ۱۱۵۵ھ یار از دست رفت / نگار از دست رفت
غزلِ ایجادی در آنولہ نزول یافتہ ۱۱۸۱ھ شاد گر کنی چہ خوشست / آباد گر کنی چہ خوشست
غزلِ عاشقانہ در موضع حصار گفتہ شد ۱۱۷۶ھ نیاز دیگر است / بناز دیگر است
غزلِ عاشقانہ در شاہجہاں آباد ورود یافتہ ۱۱۶۸ھ
غزل در سامانہ نزول یافتہ ۱۱۷۲ھ ما ندانست / صفا ندانست
غزل در تتبعِ خواجہ در سرہند ۱۱۶۱ھ جانانِ منست / پریشانِ منست
در لکھنؤ گفتہ شد ۱۱۸۹ھ نرگس شہلا قیامتست / ادا ہا قیامتست
غزلِ مستعد پُرکار در تتبعِ صائب بمقام کیتھل ۱۱۸۸ھ لقاے من یکیست / آشناے من یکیست
غزلِ عاشقانہ در شاہجہاں آباد ورود یافتہ ۱۱۶۹ھ خانہ داشت / دیوانہ داشت
غزل در حانسی (ہانسی) حصار ورود یافتہ ۱۱۷۶ھ رواجے نیست / احتیاجے نیست
غزلِ عاشقانہ عارفانہ در قصبۂ تسام (سنام؟) نزول یافتہ ۱۱۸۱ھ قدم نا محرم ست / دم نا محرم ست
قطعہ بند در شاہجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۶۶ھ مینا نیست / برپا نیست
غزل در قصبۂ کیتھل ورود یافتہ ۱۱۸۵ھ فنائے من است / بقائے من است
غزل در کرنال ورود یافتہ ۱۱۷۱ھ خیرہ منست / تیرہ من ست

غزلِ طرحی مشاعرۂ عظیم آباد، بر غزلِ صائب
حاصل ست / مشکل ست

غزل در شاہجہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۶۰ھ شمار تست / کار تست

غزلِ تُرکِ کار ایجادی در شاہ جہاں آباد نزول یافتہ ۱۱۰۸ھ گرد بچشمِ من نشست / آہو بچشمِ من نشست

استدراک

۱۔ صفحہ ۲۸۵ سطر ۹ : تذکرہ نتائج الافکار مولفہ قدرت اللہ گوپاموی میں ہے کہ میرزا زین الدین نے تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں وفات پائی ۔ یہاں کوئی حوالہ درج نہیں ۔ میرا قیاس ہے کہ مولف کا مرجع قاضی محمد صادق اختر (م ۱۸۵۷ء) کا تذکرہ "آفتاب عالمتاب " (۱۲۳۸ھ ۔ ۱۲۶۹ھ) ہوگا۔ اس کا نسخہ منحصر بفرد شمس آباد (فرخ آباد) میں ایک ذاتی کتاب خانے میں محفوظ ہے جس سے اس وقت رجوع کرنا دشوار ہے۔

۲۔ صفحہ ۳۰۱ سطر ۸ ۔ ۱۸۰۸ : ۱۳۰۶ دیوان عشق (نسخہ مانچسٹر) میں مقام کا نام " عطر چھنڈی " اور " بن گھر " لکھا ہوا ہے۔ فاضل معاصر ڈاکٹر نجم الاسلام تحریر فرماتے ہیں کہ صحیح نام "اتر چھینڈی " ہے۔ یہ مقام آنولہ ضلع بدایوں سے ایک دو کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ آنولہ اس وقت ایک روہیلہ سردار کا صدر مقام تھا۔ اسی طرح " بن گُھر " دراصل " بن گڑھ " ہے۔ روہیلوں کی تاریخ میں اس جگہ کا نام آتا ہے۔

۳۔ صفحہ ۳۰۳ سطر ۱۰ : میرزا زین الدین نے جہاں جہاں بھی حافظ شیرازی کا نام آیا ہے انھیں " غیب اللسان " لکھا ہے۔ وہ " لسان الغیب " لکھنا چاہتے ہوں گے۔

۴۔ دیوان میں ۱۹ قطعات ہیں۔ ان میں جن اصحاب کا ذکر ہے ان میں خان عبداللہ (قطعہ ۳) ، ملا صالح (قطعہ ۴) ، محمد علی فقیہ مجتہد (قطعہ ۵) ، جعفر خان (قطعہ ۱۹) کی شخصیتوں کا بھی تعین نہیں کرسکا ہوں۔ قطعہ ۱۸ کے متعدد اصحاب کا ذکر ایک علیحدہ مضمون میں کیا جا رہا ہے۔

۵۔ صفحہ ۳۲۱ سطر ۲۲ : حاشیہ (۱۳) محمد عالم مختار حق صاحب (لاہور) کا ممنون ہوں جن کی توجہ سے " سفینہ ، خانِ عالی شان محمد قباد خان جیو " کے کچھ اقتباسات کی عکسی نقل حاصل ہوئی۔

۶۔ صفحہ ۳۲۵ سطر ۱۱ : میرزا عشق ، آخر دیوان میں رباعیوں کی تمہید میں لکھتے ہیں :
" خاکسار بعون قادر اسم ہر بحر مفصل مطابق قاعدہ عروضیاں دریں دیوان مرقوم کردہ و در بیست و چہار تقطیع قرار دادہ مولوی رباعیات مشق کردہ ... .

در ہر تقطیع رباعی مکمّل بزبان فارسی و زبان ہندی اورددی معلّئے نامی تخت شاہجہاں آباد مشق کردہ ۔ امید داد رسی مشتاقی از سخن سنجان انصاف آمین دوراں دارد " (447a)۔

اس جگہ دیوان میں تو ساری رباعیاں اور قطعات فارسی میں ہیں اردو میں ایک بھی نہیں۔ یہ ممکن ہے کہ اصل کتاب " مجمع الابحار " میں ہوں۔ دیوان میں تو صرف اس کا خلاصہ درج کیا ہے۔ ہاں ہمیں دو فارسی قطعات میں ایک ایک مصرع اردو کا ضرور ملتا ہے۔ یہ بعد کو حاشیے میں درج کیے گئے ہیں اور عجب نہیں کہ بخطِ مصنف ہوں:

۱۔ دوش ہندو زنے دو چارم شد — گفتمش مست کردی ام بے مے

گفت خندیدہ با زنانِ دگر — " یہ مُغلوا مُوا دوانا ہے "

۲۔ راہ ہندو زنے گرفتہ شدم — محو گشتم ز دیدنِ رخِ او

چین بر ابرو زد و بناز بگفت — " چل مری راہ سے کنارے ہو "

مجمع الابحار کا سال تالیف ۱۱۹۹ھ ہے۔

کلیاتِ عشق کے چند صفحات کا عکس

آخر میں کلیات عشق (قلمی) کے پانچ صفحات کا عکس بھی شامل کیا جاتا ہے۔ اس میں وہ دو صفحات بھی شامل ہیں جن کے حاشیے پر دو اردو آمیز قطعات آتے ہیں۔ بقول صاحب مقالہ، یہ امکاناً بخطِ شاعر ہیں۔

بحر اخرب مقبوض سالم منزوع — مفعول مفاعلن مفاعیلن فاع

عبدم بشمار طاعت من این — دل گفت ببر کفایت من این

گفت از دم عاشقی زنی خواهم گشت — گفتم که بکش سعادت من این

بحر اخرب مقبوض مکفوف مخنوع — مفعول مفاعلن مفاعیل فع

ذاتی که ز صنع خویش جاندار مرا — میخواست دلم هر آنچه آن داد

از بهر ستائش الوهیت خود — کام و لب و لهجه و زبان داد

بحر اخرب مقبوض سالم ممنوع — مفعول مفاعلن مفاعیلان

ذاتی که دلی و دلبری پیدا کرد — با هم عرضی و جوهری پیدا کرد

بر دانه نهال و لعل بر خاره داد — وز قطرهٔ آب گوهری پیدا کرد

بحر اخرب مقبوض سالم منحور — مفعول مفاعلن مفاعیلن

یارب اثری محبتی عرفانی — علمی عملی ولایتی ایمانی

از بهر محمد رسول خاتم — لطفی کرمی عنایتی احسانی

بحر اخرب مقبوض مکفوف مجزوع — مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

در پرده سخن بسیار زیبا ست مرا — دیدن رخ خوب او چه یارا ست مرا

ای آئینه دار گشت مشاطهٔ او — می دید بسوی خود نمی خواست مرا

بحر اخرب مقبوض سالم منحور — مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

این هستی با وج لامکان می بودم — از پردهٔ غیب آمدم موجودم

باشد دو نقاب بودن و نابودن — کنجیت خفی تجلیِ معبودم

بحر اخرب مقبوض مکفوف مجزوع — مفعول مفاعلن مفاعیل فعول

ای شاه همه مخبر کمالات از تو — عاشق همه طالب وصالات از تو

بهری که بزرگ بر نواخت جهان — جز لطف و کرم چه احتمالات از تو

بحر اخرب مقبوض سالم منحور — مفعول مفاعلن مفاعیلن فع

ای سلسلهٔ بن انبیا محبوبی — وی راهنمای اولیا مرغوبی

منظور حقی و حق بود منظورت — دریافته ام که طالب و مطلوبی

ڈاکٹر مختار الدین احمد :

امیر قابوس بن وشمگیر

امیر شمس المعالی ابوالحسن قابوس بن ابی طاہر وشمگیر بن زیار بن وردان شاہ جیلی، جرجان اور طبرستان کا نامور حاکم گزرا ہے جو بنو زیار کا چوتھا فرماں روا تھا۔ رے، اصبہان، جرجان اور آس پاس کے بلاد کی سلطنت قابوس بن وشمگیر کے چچا ابو الحجاج مرد آویج (۱) بن زیار نے ۳۱۹ھ میں قائم کی تھی۔ آل زیار کا آخری فرماں روا گیلان شاہ تھا جس نے ۴۷۰ھ میں وفات پائی۔ یہ حکومت کوئی ڈیڑھ سو سال قائم رہی۔ مرد آویج ایک جلیل القدر بادشاہ گزرا ہے۔ اس نے اسفار بن شیرویہ پر (جس کا وہ ایک اہم معاصر تھا) حملہ کر کے، اور اسے شکست دے کر تاج و تخت حاصل کیا تھا۔ اس کی جلالت شان کے بارے میں اتنا کہنا کافی ہوگا کہ عماد الدولہ ابوالحسن علی بن بویہ (متوفی ۳۳۸ھ) جس نے بعد کو بلاد فارس میں ایک زبردست سلطنت قائم کی، مرد آویج کے اتباع و امراء میں تھا۔ اس کی وفات ۳۲۳ھ کے بعد اس کا بھائی امیر ابو طاہر وشمگیر تخت نشین ہوا اور اس کی وفات (محرم ۳۵۷ھ) کے بعد اس کے بیٹے ظہیر الدین ابو منصور بستون کو حکومت وراثت میں ملی۔ ۳۶۶ھ میں ایک فوجی سازش کے تحت حکومت قابوس بن وشمگیر کو پیش کی گئی اور وہ جرجان و طبرستان کے فرماں روا کی حیثیت سے اپنے بھائی کا جانشین قرار پایا۔ خلیفۂ عباسی الطائع للہ نے اسے خلعتِ فاخرہ سے نوازا، طبرستان و جرجان پر حکومت کرنے کا پروانہ بھیجا۔ اور شمس المعالی کے لقب سے ملقب کیا۔ جب بویہی امیر فخر الدولہ (متوفی ۳۸۷ھ) کا اپنے بھائی عضدالدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) سے تنازعہ ہوا اور عضدالدولہ نے ۳۶۹ھ میں اسے ساری سلطنت سے محروم کر دیا تو فخر الدولہ نے قابوس بن وشمگیر کے ہاں پناہ لی۔ چوں کہ قابوس نے اسے، فاتح بھائی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اس لیے عضد الدولہ نے اس کے خلاف فوج کشی کی اور وہ ۳۷۱ھ میں شکست کھا کر نیشا پور چلا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے بعد عضدالدولہ کے بغداد میں فوت ہوجانے پر ۳۷۳ھ میں فخر الدولہ نے جرجان اور طبرستان کو بتدریج فتح کرلیا۔ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ قابوس کا ملک اس کے حوالے کر دے لیکن اس کے وزیر الصاحب بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) نے اسے مشورہ دیا کہ یہ ملک بھی وہ

دریای خزر

آل بویہ

صفاریان

سامانیان

دریای پارس

سلسلہ آل زیار

۳۱۶ - ۴۳۴ ھ ق

سلطنت آل زیار (از ۳۱۶ تا ۴۳۴ھ)

بشکریہ حسین عماری

اپنے ہی قبضے میں رہنے دے۔ بہرحال فخرالدولہ کی وفات اور سترہ سال کی جلاوطنی کے بعد شعبان ۳۸۸ھ میں قابوس نے جرجان واپس آکر حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی اور دوبارہ اپنی آبائی سلطنت حاصل کرلی۔ (دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۶ / ۲) جس پر اپنی وفات سے کچھ دن پہلے تک وہ قابض رہا۔

قابوس بن وشمگیر مجموعۂ محاسن تھا۔ وہ جری، شجاع، سخی اور دُور اندیش تھا۔ گہری سیاسی بصیرت رکھتا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ مغلوب الغضب، جابر و متکبر اور بے رحم بھی تھا، عفو و کرم کے صفات سے عاری، بقول دولت شاہ "اورا در ریختنِ خون حرصے تمام بودہ"۔ مرعشی کا بیان ہے: "شمس المعالی ہرچند عادل بود امّا بے حد سیاست میکرد، بد خوی بود چناں چہ از سطوت او ہیچ کس ایمن نبود"۔ (تاریخِ طبرستان ص ۱۴۱) خود کیکاؤس لکھتا ہے: "وے مردے سخت قتّال بودہ و گناہِ ہیچ کس را عفو نتوانستے کردن"۔ (قابوس نامہ ص ۸۵)۔ یاقوت الحموی کا بیان بھی دیکھا جائے۔ (معجم الادباء ۱۶ / ۲۳۱)۔ اتنے امراء، وخدم و حواشی کو اس نے ہلاک کیا کہ اس کی حکومت کے آخری دور میں اس کی فوج اور ارکان دولت اس سے برگشتہ ہوگئے اور اس کے امرائے خاص بھی اس سے مُتوحّش اور خوف زدہ رہنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک منزل ایسی آگئی جب اس کی حکومت کے اہم کارکن اس سے بغاوت پر آمادہ ہوگئے اور فوج کے سرداروں اور سپہ سالاروں نے اسے معاملات حکومت سے سبکدوش کر دینے کا فیصلہ کرلیا۔ قابوس کے خلاف سازش ہوتی رہی اور وہ اپنے دارالسلطنت جرجان سے دور بے یقینی اور بہت حد تک بے خبری کی حالت میں جناشک (۲) کے قلعے میں مقیم رہا۔ باغیوں نے قابوس کے بیٹے ابو منصور منوچہر کو جو طبرستان میں مقیم تھا پیغام بھیجا کہ سارے لوگ اسے قابوس کی جگہ بادشاہ بنانے، اس سے بیعت لینے اور اس کی اطاعت کے لیے تیار ہیں۔ بشرطیکہ قابوس تاج و تخت سے کنارہ کش ہوجائے۔ منوچہر صورت حال کی نزاکت دیکھ کر اس کے تدارک کے لیے فوراً جرجان پہنچا تو اُمورِ سلطنت کو پریشان و آشفتہ حال اور سربراہانِ فوج و ارکینِ سلطنت کو قابوس سے مُتنفّر اور سخت بیزار پایا۔ لوگوں کو منوچہر کی اطاعت پر اتّفاق تھا، اس شرط کے ساتھ کہ قابوس، حکومت سے کنارہ کش ہو کر زمامِ حکومت اپنے بیٹے منوچہر کے حوالے کر دے، ملک کے حالات اتنے بگڑ گئے تھے کہ اگر منوچہر جرجان کے باغیوں کی بات نہیں مانتا تو سلطنت اس کے خاندان سے نکل کر کہیں اور پہنچ جاتی۔ کیکاؤس لکھتا ہے: "از آنکہ لشکر گفتند: کہ اگر تو دریں کار با ما یکے نباشی، ما ایں ملک را بہ بیگانہ دہیم"۔

امیر قابوس کو جب اطلاع ملی کہ حالات بگڑ چکے ہیں اور لوگ عناد و فساد پر مجتمع ہیں تو مال و اسباب اور کچھ خاص خاص لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر بسطام کی طرف چلا گیا اور منتظر رہا کہ حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں۔ منوچہر پریشان و مضطرب باپ کے پاس حاضر ہوکر قدم بوس ہوا۔ باپ کی حالت دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ اس نے صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ وہ قابوس اور اس کے دشمنوں کے درمیان حائل ہونے پر بھی آمادہ تھا اور اس کے دفاع میں اپنی جان دینے کو بھی تیار تھا۔ یہ بعض مصادر میں ہے لیکن کچھ مصادر بغاوت میں منوچہر کی بھی شرکت کا ذکر کرتے ہیں۔ قابوس کے پوتے کیکاؤس کا بیان اس موقع پر نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ (وے بیامد و پدر خویش شمس المعالی را بگرفت - بہ ضرورت "، " بہ ضرورت " از جہت ملک این کار بکرد " (قابوس نامہ ص ۸۵) یہاں " بضرورت " کا لفظ خوب استعمال ہوا ہے۔ نیز، دیکھیے معجم الادبا، ۱۶ / ۲۲۱۔ قابوس بہت زیرک و دانا اور تجربہ کار حکمراں تھا۔ اسے اندازہ ہوگیا کہ ہوا کا رخ بدل چکا ہے اور اسے یہ بھی خیال ہوا کہ اس کے بعد آخر منوچہر ہی کو اس کا جانشین ہونا ہے۔ اس نے بلا توقف خاتم مملکت اپنے ہاتھ سے اتار کر بیٹے کو پہنا دی۔ طے یہ ہوا کہ منوچہر پایۂ تخت جرجان جاکر سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لے اور امراء اور لشکریوں کی تالیف قلب میں مشغول ہو اور قابوس کنارہ کش ہو کر عبادت الٰہی میں مصروف ہو۔ قابوس نے اپنے قیام کے لیے قلعۂ جناشک (۳) کا انتخاب موزوں سمجھا۔ وہ وہاں جاکر مقیم ہوگیا۔ لیکن کچھ امراء اور لشکری قابوس کو اپنے لیے اب بھی ایک مستقل خطرہ تصور کرتے رہے۔ اس کے گرم کپڑے اس سے چھین لیے گئے اور آخر سخت ٹھنڈک اور برف باری کی وجہ سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس کی وفات ۴۰۳ھ کو ہوئی۔ اسے جرجان میں اس گنبد میں دفن کیا گیا جسے بقول مؤرخ معاصر ابو سعید الآبی (متوفی ۴۲۱ھ) معجم الادبا، ۹ / ۱۵۰) اس نے خود اپنی زندگی میں مقبرے کے لیے ۳۹۷ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ گنبد قابوس اب بھی موجود ہے۔ اس پر اس کوفی ۱۰ سطور میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم / ھذا القصر العالی للامیر شمس المعالی / الامیر بن الامیر / قابوس بن وشمگیر / امر ببنائہ فی حیاتہ / سنۃ سبع وتسعین / وثلاثمائۃ قمریۃ / وسنۃ خمس وسبعین / وثلاثمائۃ شمسیۃ (۴)۔ ایک جرمن فاضل نے برلن سے ۱۹۱۸ء میں ایک کتاب شائع کی ہے جس میں مقبرہ قابوس کا مفصل حال لکھا ہے اور گنبد کا عکس بھی شائع کیا ہے۔ منورسکی نے اپنے مضمون " مازندران " (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۳ / ۲۹۱) میں اس کتاب سے مدد لی ہے۔ فہرست آثار و ابنیہ تاریخی

گنبد قابوس بن وشمگیر

(تاریخ ۱۰۰۶ء)

شکریہ آثار تاریخ ایران

ایران میں بھی جسے چند سال پہلے انجمنِ آثارِ ملی ایران نے شائع کیا ہے گنبد قابوس کے بارے میں اطلاعات ملتی ہیں۔ تفصیلات یادداشتہائے قزوینی ۳/۲۰۰ میں دیکھی جائیں۔

دولت شاہ نے لکھا ہے کہ جب قابوس کو گرفتار کر کے عبداللہ حجاز (قابوس نامہ میں نام "عبداللہ جمازہ بان") کے حوالے کیا گیا کہ اسے قلعے میں محبوس کردے، تو راستے میں قابوس نے اس سے واقعات کی صحیح صورت حال پوچھی کہ یہ سب کس طرح ہوا۔ اس نے جواب میں کہا: اے امیر تو مردم را بسیاری کشتی "۔ ازیں جہت ترا حبس کردیم " امیر قابوس نے کہا: خلاف این است کہ من مردم را کمتر می کشتم۔ ازین جہت بدین بلا گرفتار شدم۔ اگر مردم بسیار کشتمی اوّل ترا می کشتم تا امروز بدین خواری بدستِ تو گرفتار نمی شدم "۔ (تذکرۃ الشعرا، ص ۵۶)۔

اس روایت کی تصدیق قابوس کے پوتے کیکاؤس کے بیان سے بھی ہوتی ہے اگرچہ فقرات و الفاظ میں کچھ فرق ہے: " شمس المعالی گفت یا عبداللہ ہیچ دانی کہ بدین بزرگی شغلے برفت و من نتوانستم دانست؟ عبداللہ گفت: این کار را فلاں و فلاں کردند۔ ہیچ سپہ سالارؔ نام (۵) بردکہ این شغل بکردند و لشکررا بفریفتند ... لیکن تو این کار از خود بین کہ ترا این شغل از کشتن بسیار افتاد نہ از کشتن لشکر۔ شمس المعالی گفت: تو غلط کردہ، مرا این شغل از مردم ناکشتن افتاد۔ اگر این شغل بر عقل رفتے، ترا با این ہیچ کس می بایست کشتن، واگراین چنین کردمے، کار من بصلاح بودے و من بسلامت بودمے "۔ (قابوس نامہ ص ۸۶)۔

بہرحال قابوس کے کچھ امراء اور لشکریوں کی اس کے بارے میں جو بھی رائے ہو، لیکن تاریخ کے صفحات اس کے فضائل و محاسن کے گواہ ہیں۔ کچھ مُصنّفین و مؤرخین کی رائیں یہاں درج کی جاتی ہیں:

ابراہیم بن ہلال الصابی (مُتوفّی ۳۹۴ھ): انّ الامیر الجلیل شمس المعالی بلغ من العلم بأنواع الفلسفۃ مالم یبلغ الحکیمان افلاطن و ارسطاطالیس و نالَ خصوصاً من علم الہیئۃ والاحکام مالم ینلہ الفاضلان ارشمیدس و بطلیموس ... وامّا حدیث الفروسیۃ والبأس وذکر الزمانات والتراس فقد غیر فی وجوہ اصناف النّاس ... فللّٰہ ہذہ الفضائل، کیف حازہا الامیر الجلیل حتی صارت فی حیّز المعجز واہا لہذہ المناقب کیف جمعہا شمس المعالی حتّی عدّ فی حد المعمور "۔ (تاریخ طبرستان مؤلفہ ابن اسفندیار اکاتب ۱ / ۱۰۶)۔

العتبی (مُتوفّی ۴۲۰ھ) فللّٰہ شمس المعالی فی ہمتہ لہ بین الہجرۃ بحراباوفی بحار الکرم بحرابا و رسابا۔ فلم یسمع فی شیوخ الملوک باشرف منہ قیمۃً واوطف دیمۃً واکرم شیمۃً واصدق

بارقۃ مشیمۃ و اوفر عقلاً و تحصیلاً و اظہر جملۃ و تفصیلاً " (فتح الوہبی ۲ / ۱۵)۔

الثعالبی (متوفی ۴۲۹ھ) : خاتم الملوک ، وغرۃ الزمان ، و ینبوع العدل والاحسان ، ومن جمع اللہ سبحانہ لہ الی عزۃ العلم بسطۃ القلم ، والی فضل الحکمۃ نفاذ الحکم ، فاوصافہ لاتدرک بالعبارات ولا تدخل تحت العرف والعادات " ۔ (یتیمۃ الدہر ۴ / ۵۹)۔

جربادقانی (متوفی بعداز ۶۰۳ھ) : شمس المعالی درایام خویش از ملوک اطراف واکابر اقطار جہان بشرف نفس و مکارم اخلاق و وفور عقل و محاسن شیم و کمال فضل وجلالت قدر مستثنیٰ بود و بر منہاج حکمت و قضیت دین مستقیم ، واز التفات بانواع معارف و بلای منزہ و مبرا ۔ و شمس المعالی بسمت عدل و رافت وانصاف و معدلت آراستہ بود و براہتمام بحال رعیت و اعتناء بمصالح زیردست حریص " ۔ (ترجمۂ تاریخ یمینی از ابوالشرف ناصح بن ظفر جربادقانی ص ۲۰۵)۔

ابن اسفندیار (متوفی بعد از ۶۱۳ھ): ہرکہ خواہد جلالت قدر قابوس وشمگیر بشناسد تصانیف ثعالبی و کتاب یمینی عتبی مطالعہ باید فرمود تا غزارات فضل و سخاوت و بذل و کمال عقل او بداند ۔ " (تاریخ طبرستان ۱ / ۱۳۲)۔

محمد عوفی (متوفی بعد از ۶۲۸ھ)۔ امیر قابوس ... فضلای روزگار و مردان روزگار کہ از تیغ زبان و زبان تیغ او سر بخط آوردہ ، کرم و مروت ذکا ، و فطنت در ذات مبارک او جمع آمدہ :

لیس من اللہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحد

... امیر قابوس دریا دل ، ابردست ، کان احسان بود ۔ درکرم چنان گشادہ بنان بود کہ فضلای عالم متاع فضل بدر او می بردند و بار دانش در حضرت او می گشادند"۔ (لباب الالباب ص ۳۰ ، ۳۱)۔

ابن خلکان (متوفی ۶۸۱ھ) " کان من محاسن الدنیا و بہجتہا ، غیرانہ کان ، علی ماخصّ بہ من المناقب والرای البصیر بالعواقب مرّ السیاسۃ " ۔ (وفیات الاعیان ۴ / ۸۰)۔

مرعشی (متوفی ۸۹۲ھ): " امیر قابوس قریب ہجدہ سال بخوزستان بماند بر انقلاب حالات و تصاریف ایام وحوادث روزگار مصابرت می نمود۔ امّا در مروت و علو ہمت ہیچ نقصانی نداشت و طراوت حال و رونق احوال او کم نشد و ہیچ کس از امرای کبار خراسان نبود کہ مأمول احسان و مشمول امتنان او نگشتہ بودند " ۔ (تاریخ طبرستان و رویان و مازندران ص ۱۳۵)۔

دولت شاہ سمرقندی (متوفی بعد ۸۹۲ھ): شمس المعالی قابوس بن وشمگیر بادشاہی دانا و

عالم و فاضل بوده است، حکما، و علما، را موقر داشتے "۔ (تذکرۃ الشعراء ص ۵۵)۔

ابوالریحان البیرونی کا رسالہ "التعلل باجالۃ الوہم فی معانی منظوم اولی الفضل"۔ جو اس کی گم شدہ تصانیف میں ہے، یاقوت الحموی کو ملا تھا۔ اس نے اس سے پانچ سات سطریں نقل بھی کی ہیں۔ ان سطور میں البیرونی، قابوس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ مجھے شمس المعالی قابوس کی یہ بات بہت اچھی لگی کہ وہ اپنی تعریف سننی پسند نہیں کرتا تھا نہ وہ شعراء کو مدحیہ قصیدے اپنے سامنے پڑھنے کی اجازت دیا کرتا تھا کہ اس کی رائے میں شعراء کے مدحیہ اشعار "اکاذیب" ہوتے ہیں اور ان کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ ہاں نیروز اور مہرجان کے مواقع پر شعراء کو آنے کی اجازت تھی۔ ابو اللیث الطبری اس بات پر مامور تھا کہ ان شعراء کو ان کی حسب حیثیت انعامات دیے جائیں لیکن وہ ان کے مدحیہ قصائد سننے پر آمادہ کبھی نہیں ہوتا تھا۔ (معجم الادباء ۱۰/ ۲۲۹)۔

☆☆

یہ تو نثر ہوئی، اب نظم دیکھیے۔ قابوس بن وشمگیر کے معاصر شعراء نے اس کی مدح میں جو قصائد و مقطوعات لکھے وہ سب محفوظ نہیں رہے۔ اس سلسلے کے جو معلومات ہمارے سامنے اب تک آئے ہیں ان کے پیش نظر کچھ شعراء کے نتائج فکر کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ عتبی مصنف تاریخ یمینی:

الجدّ و مالم یعنہ الجدّ عوّارُ   و الحرّ ما لم تزنہ الصبرُ خوّارُ

و للکریم اذا الایّام زلنَ بہ   عن المنیٰ بثبات النفس اِعذارُ

کم فاضلٍ وجنونُ المجنون لہ   حیفاً علی حسک للاواء جرّارُ

وکم جریح قریب القلب ذی عبرٍ   وکم قتیلٍ و باللیف آثارُ

ابوالشرف ناصح بن ظفر جربادقانی نے ترجمۂ تاریخ یمینی (ص ۳۳۰) میں یہ چار شعر نقل کیے ہیں لیکن اصل کتاب تاریخ یمینی اور اس کی شرح فتح الوہبی ۱/ ۲۹۸ میں قصیدۂ مدحیہ کے بقیہ ۳۲ ابیات درج ہیں۔ ۳۸۸ھ کی جنگ میں جب قابوس کو فتح ہوئی تو وہ "دلِ فارغ و صدر منشرح" کے ساتھ جرجان پہنچا اور مسندِ ملک و مستقرِ عزت پر متمکن ہوا۔ اس موقع پر شاعر نے یہ طویل قصیدہ تہنیت کا پیش کیا۔ عتبی نے شاعر کا نام نہ لکھ کر صرف "یکے از کُتّابِ عصر" لکھا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ جب وہ "یکے از کُتّابِ عصر" ... یا "لبعض اہل العصر"

لکھتا ہے۔ تو اس سے مراد مصنفِ کتاب عتبی ہی ہوتا ہے۔ نجاتی نیشاپوری (متوفی بعد از ۱۰۲۱ھ) کی شرحِ تاریخِ عتبی جس کا نام "بساتین العلماء" ہے (دکتر ذبیح اللہ صفا نے تاریخِ ادبیات در ایران" (۱ / ۳۰۶) میں شرح کا نام بساتین الفضلاء و ریاحین العقلاء۔ لکھا ہے) اس میں لکھا ہے: "شنیدیم از استادان بزرگوار کہ در ہر مورد از کتاب یمینی کہ عتبی می گوید کہ۔ لبعض اہل العصر" واماثال آن ، مراد خود مصنف است" دیکھیے تعلیقاتِ دکتر جعفر شعار (ترجمۂ تاریخ یمینی ص ۵۰۸)۔ دوسرے شارح احمد علی منینی کا بھی یہی خیال ہے (فتح الوہبی ۱ / ۲۳۲ ، ۲۸۸)۔ راقم السطور کے خیال میں "یکے از کُتّابِ عصر" سے مراد بھی عتبی ہی ہے۔ اگرچہ اس مقام پر جعفر شعار نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن فتح الوہبی میں منینی نے لکھا ہے: قال الناموسی: یرید نفسہ (۱/ ۳۹۸)۔ الناموسی ، تاریخ یمینی کا ایک شارح ہے جس کی لکھی ہوئی شرح منینی کے پیشِ نظر تھی ، اب نہیں ملتی۔

۲۔ ابوبکر خوارزمی ، محمدّ بن العبّاس الطبری:

قامت تودّ عنی بذؤدمع السجم — والصمت بین ید منا و بین فم

البین اخرسها و البین انطقنا — و ہذہ حالۃٌ فی الناسِ کلّہم

قد طالما انہزمت عنّا الجیوشُ فلا — تحاربینا بجیشِ الوردِ و العنمَ

و قد خلعتُ لجام الاتّباع فلا — فلتقی سواء الفنا فی ذمۃ اللجمِ

لم یبق فی الارض لی شیئٌ اہابُ لہ — فہل اہابُ انکسارَ الجفنِ ذی السقمِ

استغفراللہ فی قولی غلطتُ بلی — اہاب شمس المعالی اُمّۃ الامَمَ

(جرباذقانی: ترجمۂ تاریخِ عتبی ص ۲۳۲) تاریخِ عتبی اور فتح الوہبی (۱/۳۰۵) میں قصیدے کے بقیہ ابیات نقل ہوئے ہیں۔ ابوبکر خوارزمی کا ایک اور قصیدہ قابوس کی مدح میں:

شموسٌ لہنّ الخدرُ والبیت مغربٌ — فطالعہا للہجر و البین غاربٗ

و لکنّما شمسُ المعالی خلافہا — مشارقۃٌ لیست لہنّ مغاربُ

وما لقبوکَ الشمس الا و قدر اُوا — بانکَ شمس و الملوک کواکبٗ

جرباذقانی نے اس قصیدے کے نو شعر منتخب کیے ہیں۔ تاریخِ یمینی میں مزید چار شعر ملتے ہیں۔

۲. قاضی ابوالحسن علی بن عبدالعزیز الجرجانی:

و لما تداعت للغروب شموسہم   و قمنا لتودیعِ الفریقِ المغرّبِ

تلقّینَ اطراف السجوف بمشرقٍ   لہنّ و اعطاف الخدور بمغرب

فما سرنَ الا بین دمعٍ مضیّعٍ   ولا قمنَ الا فوق قلبٍ معذّبِ

کانّ فوادی قرن قابوس رادہ   تلاعب بالغیلق الملتہّبِ

(الثعالبی: یتیمۃ الدہر ۳ / ۲۳۹)۔ پورا قصیدہ تاریخِ یمینی میں درج ہے۔ اس قصیدے کا کوئی شعر جرباد قانی کے انتخاب میں نہیں آیا۔ دکتر جعفر شعار مُرتّب ترجمۂ تاریخِ یمینی نے عتبی کی تاریخ سے لے کر ۱۱ شعر ذیلی حاشیے میں درج کر دیے ہیں۔ (ص ۲۳۵)۔

الجرباد قانی کے ایک اور قصیدے کے دو شعر ثعالبی نے انتخاب کیے ہیں جو شمس المعالی قابوس کی مدح میں ہے:

لیلۃ للعیون فیہا ولا   اسماع بالقلوب و الآمالی

نظمت للقدام فیہا الامانی   مثل نظم الامیر شمس المعالی

(یتیمۃ الدہر ۳ / ۲۵۰)۔

۳. ابو منصور الثعالبی:

الفتحُ منتظمٌ والدہر مبتسمٌ   وملک شمس المعالی کلّہ نِعَمُ

و العدلُ منبسطٌ و الجورُ منعظمٌ   و الحقُّ مرتفعٌ و الشّبُ ملتسمُ

القت مقالیدہا الدنیا الیٰ ملکٍ   ما زالَ وقفاً علیہ المجدُ والکرمُ

شمس المعالی وغیث المشرقین ومن   بہ یلیقُ العلیٰ والمجدُ و الحشمُ

یہ قصیدہ بھی جنگ میں فتح یابی کے بعد قابوس کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ یہ بہت خوب صورت قصیدہ ہے۔ اس کے بقیہ ۹ شعر تاریخِ یمینی (۱ / ۲۳۹) میں دیکھے جاسکتے ہیں:

۵. ابوالفضل احمد بن عبداللہ المیکالی:

لا تعصینَّ شمس العلیٰ قابوساً   فمن عصیٰ قابوسَ لاقی ابوسا

المیکالی کا صرف یہی ایک شعر عتبی (فتح الوہبی ۲ / ۸) اور جرباد قانی (ترجمۂ تاریخِ یمینی ۲ / ۲۲)

نے نقل کیا ہے۔ نیز دیکھیے عوفی کی لباب الالباب ص ۳۰۔

۶۔ قاضی القضاۃ ابوبشر الفضل بن محمد الجرجانی :

حسبی اللہُ فی الامیر نصیراً ثم حسبی الامور شمسُ المعالی

ما رأینا لہ مثالاً و ھذا لقبٌ مثلہ فقید المثالِ

فمعال مشتقۃٌ من معانٍ ومعان مشتقۃٌ من معالی

(محمد عوفی : لباب الالباب ص ۳۲)۔

۷۔ شیخ ابو عامر جرجانی :

جرجان ہی کے ایک شاعر ابو عامر تھے جو وہاں کے زبردست اور اہم علماء میں شمار کیے جاتے تھے۔ یہ کتاب الشعر کے مصنّف ہیں۔ جو اب مفقود ہے۔ یہ قابوس کے دربار کے خاص شعراء میں تھے۔ ان کے بیشتر قصائد قابوس کی مدح میں ہیں۔ بہاء الدین محمّد بن حسن بن اسفندیار کاتب نے تاریخِ طبرستان میں ان کے دو شعر نقل کیے ہیں جو انھوں نے قابوس کی مدح میں لکھے ہیں :

قد یکرہُ المرءُ ما فیہ سلامتُہُ و ربّما یعشقَ الانسانُ ما قتلا

و لم تزَلْ ہذہ الدّنیا محبّبۃ الی نفوسٍ سَقتْہا السمّ والعَسَلا

ابو عامر جرجانی کے حسب ذیل اشعار جو قابوس کی مدح میں ہیں ابن اسفندیار نے باخرزی کی دمیۃ القصر کے حوالے سے نقل کیے ہیں :

اشیمُ عفوک و الامالُ متبسطۃٌ و موقفی منک مثل الاخذ بالکَظَمِ

اذا رقدتُ فان الروعَ فی علمی و ان انخت فطعم الموت مل فمی

لا نامن اخا طالت سلامتہ و الدھر مغر بہ ان نام لم ینمِ

(ابن اسفندیار : تاریخِ طبرستان ص ۱۲۹)۔

۸۔ ابن بَجَلی :

اس شاعر کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ اس کا تعلق یا تو بَجَل قبیلے سے تھا یا اس کی نسبت " بجلہ " کی طرف ہے۔ جو یمن میں معد بن عدنان کا ایک قبیلہ ہے۔ اموی عہد کے مشہور شاعر جریر کا اسی قبیلے سے تعلق تھا۔ اسی لیے وہ جریر بَجَلی کہلاتا تھا۔ " ابن بَجَلی ، لبسیار خوش

سلیقه و موزوں طبع بود، و بدیہہ گو و مضمون جوئی ، سرانجام نزد شمس المعالی قابوس آمده و در حاشیہ او قرار گرفت تا آں کہ فوت شد" . (تعلیقات ترجمۂ یمینی از دکتر جعفر شعار ص ۵۰۸ ، نیز فتح الوہبی ۱ / ۱۱۵).

لله شمسان تذکیرٌ لخیر بما   و للمواہبۃ النقصانُ ملتزمُ

أزری بتلک سنا من غیر معرفۃ   فیہا و زیّن ہذا العلمُ و الکرمُ

یا ایہا الملکُ المیمونُ طائرہُ   و خیر من فی الوری یمشی بہ القدمُ

لوکنت من قبلُ و ترعانا و تکنفنا   لما تعدّی الینا الشیبُ و الہرمُ

قابوس کی مدح میں لکھے ہوئے اس قصیدے کے صرف یہی چار شعر فتح الوہبی ۱ / ۱۱۵ اور ترجمۂ تاریخ یمینی از جرباد قانی ص ۵۳ میں مل سکے۔

۹۔ ابراہیم بن ہلال الصابی :

الصابی نے قابوس بن وشمگیر کے ایک مکتوب (جو کمال البلاغۃ للیزدادی میں نہیں اور جس کی تین سطریں ابن اسفندیار نے درج کی ہیں) کے جواب میں جو طویل مراسلہ قابوس کو بھیجا تھا اس کی ابتدا میں صابی کے حسب ذیل سات شعر جو قابوس کی مدح میں ہیں، درج ہیں :

العدم نلتُ مدی الآمال و الہمم   اذ عدّنی متخذ الاملاک فی الخدم

شمس المعالی و فخر الدہر و الامم   و مبدع المجد و الافضال و النعم

و من ہوی کلّ فنّ فاستبدّ بہ   فصار فیہ امام الخلق و الامم

وفاق کلّ الوری علماً و معرفۃً   حتی غدالہُ فی العلم کالعلم

ولم ینل احدٌ فی الارض مذ خلقتْ   مانال بالمرہفین السیف والقلم

فصرتُ فی قمۃ الجوزاء معتلیاً   اخطو السماکین والعیّوق بالقدم

(ابن اسفندیار کاتب : تاریخ طبرستان ۱ / ۱۳۵)۔

۱۰۔ ابو سہیل صعلوکی :

امام ابو سہیل صعلوکی کا مختصر سا ذکر دولت شاہ کے تذکرے میں دیکھنے میں آیا۔ "ابو سہیل صعلوکی کہ دراں حین اقضی القضاۃ خراسان و سرآمد روزگار بوده ، در مدائح امیر قابوس قصاید و تصانیف دارد" (تذکرۃ الشعراء ص ۵۶) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صعلوکی کی قابوس کی مدح

میں صرف منظومات ہی نہیں ہیں بلکہ کچھ تصانیف بھی ہیں۔ کتابیں تو کتابیں راقم الحروف کو تلاش کے باوجود نہ اس کی نثر کا کوئی ٹکڑا ملا نہ اس کا منظوم کیا ہوا کوئی مقطوعہ۔ صعلوکی، حکیم ناصر خسرو کے دوستوں اور اس کے بہی خواہوں میں تھا، اس سے ایک ملاقات کا بھی حال دولت شاہ نے لکھا ہے (دیکھیے ص ۲۰) عربی مصادر وفیات الاعیان ۲ / ۲۰۳، کتاب الانساب للسمعانی میں ان کا نام ابو سہیل محمد بن سلیمان الصعلوکی درج ہے' اصفہان میں پیدا ہوئے اور نیشا پور میں انھوں نے زندگی گزاری۔ سالِ وفات ۲۹۶ھ اور سالِ وفات ۳۶۹ھ ہے۔ عتبی نے ان کی تعزیت میں دو شعر لکھ کر ان کے بیٹے ابو الطیب الصعلوکی کو بھیجے تھے وہ ابن خلکان نے نقل کیے ہیں۔ ۲ / ۲۲۲۔

طبقات الشافعیۃ للاسنوی ۲ / ۱۲۳، الوافی ۳ / ۱۲۴، یتیمۃ الدھر ۴ / ۳۱۹ طبقات الشافعیۃ لابن قاضی شہبۃ ص ۷۰، النجوم الزاہرۃ ۴ / ۱۳۶ میں الصعلوکی کے حالات درج ہیں۔

۱۱۔ البدیہی:

یاقوت نے ابوحیان التوحیدی کے حوالے سے بدیہی کا قول نقل کیا ہے: مدحتُ وشمگیر بمدائحَ فاحت ریّاہا شرقاً و غرباً، بعداً و قرباً فما اثابنی علیہا الا بشیئٍ یسیر" میں نے قابوس وشمگیر کی مدح میں اتنے اور ایسے قصاید لکھے جن کی خوشبو مشرق و مغرب' قریب و دور، ہر جگہ پہنچ گئی ہے، لیکن اس کا صلہ مجھے بہت معمولی ملا۔ (معجم الادباء ۱۹ / ۲۳۰)۔

اب قابوس کے بارے میں فارسی شعراء کے تاثرات پڑھیے:

۱۲۔ ابوالقاسم زیاد بن محمد القمری الجرجانی المازندرانی:

بتے، کہ سجدہ برد پیش روی او بتِ چین	خیالِ او بود اندر بہشت نورالعین
الف بقامت و میمش دہان و نونش زلف	بنفشہ جعد و برغ لالہ و زنخ نسرین
بزلفش اندر مشک و بمشکش اندر خم	بچینش اندر تاب و بتابش اندر چین
میانِ حلقۂ زلفش معلقست دلم	مثال آنکہ میانِ فلک ہوا و زمین
ز بادۂ لب او تلخیست عمدۂ من	روا بود، کہ بود تلخ مے بہ از شیرین
فرستد زمن او جو نشۂ از معاند جان	دلم کشد زمن او چو نشۂ از تف مے کین
مرا و صد چو مرا دل سپردن آیینست	زبہر آنکہ ورا دل ربودنست آئین
زنامِ تو نتوان آفرین گسست چنان	گسست نتوان ازو نام دشمنت نفرین

فارسی کا یہ شاعر معروف نہیں ہے۔ عوفی نے صرف اسی قدر لکھا ہے: "قمری، قمرِ آسمان فصاحت بودہ است۔ سخن او بغایت عالی و جلوہ گر مفاخر شمس المعالی، و در قصیدۂ در مدح اوی نویسد: پھر مندرجہ بالا آٹھ شعر درج کیے ہیں۔ حالات و اشعار کے لیے دیکھا جائے احوال و اشعار رودکی ص ۲/۱۲، ترجمان البلاغہ۔ کتاب نصیحت نامہ معروف بقابوس نامہ بامقدمہ و حواشی سعید نفیسی (تہران ۱۳۱۲ھ) ص ۲۶۳۔ ۲۶۲۔ و تعلیقات سعید نفیسی برلباب الالباب عوفی ص ۶۵۳۔

۱۳۔ ابوبکر محمّد بن علی الخسروی السرخسی الحکیم:

یہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں کے شاعر تھے۔ عوفی رقم طراز ہے: "خسرو ملک سخن بود، در عرصۂ علای امیر شمس المعالی کارہا داشتہ و درخدمت صاحب کافی الکفاۃ روز بازارہا دیدہ و آن یگانہ، چنانکہ در طبقاتِ شعرای عجم مشہور است و در درقاتِ فضلای عرب مذکور است"۔ عوفی نے اس قصیدے کے چار شعر درج کیے ہیں جو شاعر نے قابوس بن وشمگیر کی مدح میں لکھے ہیں۔

تاکے نالی زعشق؟ تاکے نالی؟	سود ندارد گریستن، چہ شگالی؟
حلقۂ زلفت بہ قصیدۂ عینی	حلقۂ جعدت بہ قصیدۂ دالی
چشمِ سیاہت با سپر غمی ماند	زر بمیانہ، بہ کرانش لالی
نیست بخوبی ترا نظیر و کسے نیز	نیست بجیزے نظر شمسِ معالی

(عوفی، لباب الالباب ص ۲۵۶۔ مجمع الفصحا ۱/۳/۱۱۳۲)۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے۔ یعنی قابوس بن وشمگیر کے بارے میں پچھلے صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ان میں سے بنو زیار کے ایک فرماں روا، اپنے بھائی ظہیر الدّین ابومنصور بستون کے جانشین، جرجان اور طبرستان کے والی، فوجی امور کے ماہر، آزمودہ جنرل، مدبّر اور ایک سیاست داں کی حیثیت سے پیش کیا گیا، اور اس کے معاصرین و متاخرین کے کچھ منظوم و منثور تاثرات پیش کیے گئے۔ لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے اس کی اہمیت یہ ہے کہ وہ زبردست عالم، نجوم و فلکیات اور متعدّد علوم و فنون کا ماہر، اہم انشا پرداز اور ایک نغز گو شاعر تھا۔ وہ اپنے وقت کے اہم عالموں، شاعروں کا سرپرست بھی تھا۔ ابوالریحان محمّد بن احمد البیرونی (متوفّی ۴۴۰ھ) سے اس کے گہرے تعلقات تھے۔ اس نے کتاب "الآثار الباقیہ" اسی قابوس کے لیے لکھی تھی۔ اس کی ان صفات کی طرف کم توجہ کی گئی ہے۔ مستشرق ہوار کا انسائیکلوپیڈیا

آف اسلام میں اس پر ایک مختصر سا مضمون درج ہے جس میں اس کے خاندان، اس کی فرماں روائی، جنگ و جدل اور پھر معزولی کے ذکر کے بعد صرف حسب ذیل ایک سطر ملتی ہے:
"وہ مختلف علوم خصوصاً نجوم سے واقف تھا، کئی مختصر رسائل اور فارسی و عربی نظمیں اس کی یادگار ہیں۔ وہ ایک ممتاز خوش نویس بھی تھا" (اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ ۱۹/۶)۔ قابوس پر کوئی کتاب یا علمی تحقیقی مقالہ تو کیا، یاد نہیں آتا کہ یورپ، شرقِ اوسط یا ایشیا میں کوئی اچھا مضمون بھی کبھی شایع ہوا ہو۔

قابوس چوتھی صدی ہجری کی پیداوار تھا، پانچویں صدی کا ابوالنصر محمّد بن عبدالجبار العُتبی (مُتوفّی ۴۲۷ھ) پہلا مُصنّف ہے جس نے اس کا ذکر "تاریخِ یمینی" میں کیا ہے اور قدرے تفصیل سے۔ پھر ابومنصور الثعالبی (متوفی ۴۲۹ھ) ہے جس نے "یتیمۃ الدھر فی شعر اہل العصر" میں اس کا ترجمہ ایک علیحدہ باب میں درج کیا اور اس کی نظم و نثر کے کچھ خوب صورت نمونے پیش کیے۔ ثعالبی نے قابوس کے حالاتِ زندگی نہیں لکھے کس واسطے کہ وہ اس پر ایک مستقل کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ (وآنَ لی أن اعمل کتاباً فی اخبارہ وسیرہ، و ذکر خصائصہ و مآثرہ، التی تفرّدَ بہا عن ملوک عصرہ" (یتیمہ ۲/۲۸۸)۔ اگر ثعالبی کا ارادہ فعل کی شکل اختیار کر سکا تو اس کے کسی نسخے کے وجود کی اب تک بھی اطلاع نہیں ہے۔ ساتویں صدی ہجری کی لکھی ہوئی کتاب "تاریخِ طبرستان" مؤلفہ بہاء الدین محمّد بن حسن بن اسفندیار کاتب جس کا سالِ تالیف ۶۱۳ھ ہے اور نویں صدی کے سیّد ظہیرالدین بن سیّد نصیرالدین مرعشی (مُتوفّی ۸۹۲ھ) کی تصنیف "تاریخِ طبرستان و رویان و مازندران" (سالِ تالیف ۸۸۱ھ) میں قابوس کی زندگی اور کارناموں پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ بعد کو محمّد عوفی اور دولت شاہ سمرقندی کے یہاں بہت اختصار سے قابوس کا ذکر ملتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں مُصنّفین کے سامنے العتبی اور الثعالبی کی مذکورۂ بالا تصانیف کے علاوہ معلومات کا کوئی اور قابلِ ذکر ذریعہ نہیں۔ اس طرح ان دونوں تصانیف میں قابوس کے متعلّق کوئی نئی اور اہم اطلاع نہیں ملتی۔

عوفی، قابوس کے ترجمے میں لکھتا ہے: "فضلای روزگار و مردانِ روزگار از تیغ زبانِ او سر بخط آوردہ، و رسایلِ تازی و قصایدِ عربی کہ او پرداختہ است دیباچۂ دفترِ فضائل است و مشاعرات با استاد ابوبکر خوارزمی مشہور" (لباب ص ۳۰)۔

یاقوت الحموی (مُتوفّی ۶۲۶ھ) تیسرا مورّخ ہے جس نے قابوس کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں اور اس کی نثر و نظم کے کچھ نمونے بھی پیش کیے ہیں۔ وہ اس کے بارے

میں لکھتا ہے: "کان فاضلاً ادیباً مترسلاً، شاعراً ظریفاً، ولہ رسائل بایدی الناس یتداولونہا" (معجم الادباء ۱۶/۲۲۰)۔

محمد عوفی نے قابوس کے عربی مراسلات اور عربی قصاید کو "دیباچۂ دفترِ فضائل" کہا ہے۔ اس نے ایک حکایت بھی نقل کی ہے کہ ایک بار اس کے امرائے دولت میں سے دو نے سرکشی و نافرمانی کا اظہار کیا۔ قابوس نے اپنے دبیر سے کہا کہ وہ ان کے نام ایک مراسلہ لکھے انھیں نصیحت کرے اور مشورہ دے کہ سرکشی سے باز رہیں اور اطاعت گزار بن جائیں۔ اس کا دبیر ایک لمبی چوڑی تحریر لکھ کر لایا جو قابوس کو پسند نہیں آئی۔ اس نے دوات و قلم منگوا کر اسی کاغذ کے حاشیے پر یہ شعر لکھ دیا اور حکم دیا کہ اسی کو بھیج دیا جائے:

لا تعصین شمس العلیٰ قابوساً فمن عصیٰ قابوس یلقی بوسا

اس شعر میں تجنیس کا بھی لطف ہے اور مقصد کی شرح و وضاحت بھی کس خوب صورتی اور ایجاز سے ہو گئی ہے۔

دولت شاہ، قابوس کے بارے میں لکھتا ہے: "پادشاہے دانا و عالم و عادل و فاضل بودہ است، حکما و علما را موقر داشتے و اشعار عربی و فارسی بسیار گفتہ" (تذکرۃ الشعراء، ص ۵۵)

ابن اسفندیار کہتا ہے کہ جو شخص قابوس کی جلالتِ قدر جاننا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ ثعالبی اور عتبی کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ "تا غزارت فضل و سخاوت و بذل و کمالِ عقل او براند، چہ نثر او فراید فواید و نظم او قلاید ولاید ایست"۔ (تاریخِ طبرستان ص ۱۴۲)۔

تاریخِ یمینی کا فارسی مترجم ناصح بن ظفر جربادقانی، اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے: "در فنون علم و ادب متبحر و در جمع میان ذرابت شمشیر و ذلاقت قلم منفرد، و رسایل او در اطراف و اکناف عالم مشہور و مذکور، و کمالِ براعت و بلاغت او در تزیین و تحسین مقالات خویش معروف" (ترجمۂ تاریخِ یمینی ص ۲۳۵)۔ تاریخِ یمینی اور اس کے اس فارسی ترجمے میں قابوس کے عربی رسالہ در ذکرِ صحابہ و تفضیلِ خلفا۔ (کہ لمعہ ایست از بوارق بنان و زہرہ ای از حدایقِ بیانِ او) کا مکمل متن نقل کر دیا ہے۔ اس رسالے کا متن ابن اسفندیار کی تاریخِ طبرستان میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

ابوالحسن عبدالرحمٰن بن علی الیزدادی نے قابوس کے مراسلات و مکتوبات اور دوسری تحریرات کو جمع کر کے مرتب کرنے کی پہلی بار کوشش کی۔ اس کا نام "کمال البلاغۃ" رکھا۔ اس کا دوسرا نام "قراین شمس المعالی" ہے لیکن یہ مجموعۂ تحریرات قابوس اپنے پہلے نام

سے زیادہ مشہور ہے۔ اس میں ابن العمید، الصاحب بن عبّاد کے نام قابوس کے مکاتبات ہیں اور بن عبّاد کے جوابی مراسلے۔ اس میں کچھ اور رسایل۔ فلسفہ و نجوم و "خوانیات و بشایر و فتوح و وقعات" کے سلسلے میں بھی ہیں اور بہت اہم ہیں۔ بقول محمّد عوفی، جس نے "کمال البلاغت" کا مطالعہ کیا ہے، وہ جانتا ہے کہ "حدِ فضل او تا کجا باشد"۔ (لباب ص ۳۱)۔

ہمیں الیزدادی کا مرہونِ منت ہونا چاہیے جس نے قابوس بن وشمگیر کی تحریرات کی قدر پہچانی، جو کچھ مل سکا انھیں محفوظ کیا اور شاید پہلی مرتبہ قابوس کی علمی و ادبی صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ وہ لکھتا ہے: "و انا اقول بلسان مطلق أن أحداً لم یسمع کلاماً باللغۃ العربیۃ مثل رسائل قابوس فی الفصاحۃ و الوجازۃ والروعۃ والعذوبۃ و اعتدال الاقسام، و استواء الاوزان و اتساق النظم و ابداع المعانی و غرابۃ الاسجاع مع سھولۃ الالفاظ و امتزاج الحروف المتجانسۃ ولیس وراء ذلک نھایۃ"۔ (تاریخ طبرستان ص ۱۳۲)۔

☆☆

قابوس بن وشمگیر جیسا کہ لکھا جا چکا عربی زبان کا بے مثال انشاء پرداز تھا اور عربی، فارسی دونوں زبانوں کا ایک قادر الکلام شاعر۔ افسوس ہے کہ اس کی بیشتر تحریرات نظم و نثر ضایع ہو گئیں۔ جو باقی بچ گئی ہیں وہ اس کے قلم سے نکلی ہوئی تحریروں کا شاید عشرِ عشیر بھی نہیں۔ راقم الحروف کو اس کی فارسی نثر کا کوئی نمونہ دستیاب نہ ہو سکا۔ فارسی شعر بھی بہت کم تعداد میں ملے۔ اس کے عربی اشعار بھی بہت کم دیکھنے میں آئے۔ جو کچھ ہمارے سامنے ہے وہ اس کی عربی نثری تحریرات ہیں۔ وہ بھی الیزدادی کی کوششوں کی بدولت۔ اگر وہ قابوس کی کچھ تحریرات کو مُدوّن کر کے کتابی شکل میں کمال البلاغۃ میں پیش نہ کرتا تو یہ تحریریں بھی ضایع ہو جاتیں۔ جو تحریریں اس کتاب میں درج ہونے سے رہ گئیں، گمان غالب ہے کہ ان کا بیشتر حصّہ ضایع ہو گیا۔ قدیم مصادر میں جو کچھ ملتا ہے ہماری کوشش ہے کہ انھیں تلاش کر کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے۔ یاقوت الحموی کے زمانے تک اس کی عربی تحریرات عام طور پر ملتی تھیں: "وله رسائل بایدی الناس نثرا و نظما، وکان بینه و بین الصاحب بن عبّاد مکاتبۃ" (معجم ۱۹/۲۲۲) اس نے اس کے ایک خط کا متن جو کسی دوست کو لکھا ہے اپنی کتاب میں درج بھی کیا ہے۔ یہ بہت خوب صورت خط ہے جو اس نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں نکبت و پریشانی کے حال میں خراسان سے لکھا تھا۔

اب قابوس کی عربی تحریرات کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلے کچھ فقرات جو

بقول ثعالبی ضرب المثل کا درجہ رکھتے ہیں:

- الکریم اذا وعد لم یخلف واذا نسق بفضیلۃ لم یقف۔
- العفو عن الجرم من مواجب الکریم، و قبول المعذرۃ من محاسن الشیم۔
- للدھر طعمان حلوٌ و مرٌّ، وللایام صرفان عسر و یسر۔ (یتیمۃ الدھر ۲۸۸/۳)۔
- الوسائل اقوام ذوی الحاجات، والشفاعۃ مفاتیح الطلبات۔
- من اقعدتہ نکایۃ الایام اقامتہ اغاثۃ الکرام۔
- غایۃ کل متحرکٍ سکونٌ ونہایۃ کل متکونٍ ان لایکون۔
- حشو ہذا الدھر احزانٌ وہمومٌ و صفوہٌ من غیر کدرٍ معدوم۔ (خاص الخاص ص ۳۰)۔

اب قابوس کے کچھ عربی رقعات اور مختصر تحریریں:

۱۔ "عاذفلان وقد علتہ بشاشۃُ النجاح ودبّت فیہ نشوۃُ الارتیاح۔ تلوحُ مَسَرّۃ الیسُر علی جبینہ و تفصحُ بانقضاء العُسْرِ اسرۃ یمینہ"۔ (یتیمۃ الدھر ۲۸۹/۳)۔

۲۔ "محالٌ لمن سَمَتْ بہ ہمتہ، الی قصد من تعلو عندہ قیمتہ۔ اَن یکون علی غیرہ عُرجتہٗ۔ و لعیت مَن سواہ زیارتہ و حجتہ"۔ (تاریخ الیمینی، فتح الوہبی ۲/ ۲۹، یتیمۃ الدھر ۲۸۹/۳) ترجمہ تاریخ یمینی ص ۲۴۸ میں یہ تحریر درج ہے لیکن روایت میں اختلاف کے ساتھ یہ عبارت درج کرنے سے پہلے مترجم جربادقانی نے لکھا ہے: "واین فصل بعضے از فاضل باستدعای او نوشتہ است"۔ ثعالبی نے خاص الخاص (ص ۲۸۵) میں بھی یہ رقعہ اختلاف روایت کے ساتھ درج کیا ہے اور اطلاع دی ہے کہ یہ رقعہ قابوس نے ابوعبداللہ البابلی البصری (متوفیٰ ۲۸۵) کے نام لکھا ہے۔

۳۔ "حشو ہذا الدھر۔ اَطال اللہ بقاء مولای۔ اَحزانٌ وہمومٌ، و صفوہٗ من غیر کدرٍ معدومٌ، فما اولاہٗ۔ اَیّدہ اللہ۔ بان یتأمل اَحوالہ، ویستشفّ ضروبہ و اَحکامہ، فان وجد اَحداً سَلِمَ من وجدٍ اوعریٰ من فقدٍ لقی خلاف المعہود، وحقّ لہ التأسّی علی المفقود، وان عَلِمَ انّ الخلق فیہ شرعٌ وانّ الباقی للماضی تبعٌ قدّم من السلوۃ والصبر، ما لابدّ من المصیر الیہ آخر الامر، لیحصل لہ الثواب والاجر، والسلام"۔ (معجم الادباء ۲۳۰/۱۶) یہ خط کسی کو تعزیت نامے کے طور پر لکھا گیا ہے۔

۴۔ "اَمّا اِعجاب ذلک الفاضل بالفصول التی عرضتنا علیہ، فلم یکن علی ما اُحسب الا لخلّتہ واحدۃ وہی انہ وَجَدَ فنّاً فی غیر اہلہ فاستغربہ، وفرعاً غیر اَصلہ فاستبعدہ۔ وقد یستعذب ... الرطبُ من شجر الزعاق، ویستطابُ العسیلُ من مخرج الشاق۔ ولکنک فیما اقدمت علیہ من بسط اللسان

بحضرة، و إرخاء، لعنان فيه، بمشهده. كنت كمن صالب بوقاحة الحجر، وحاين بقباحة القمر. ولا كلام فيما مضى ولا عتب فيما انقضى". (يتيمة الدهر ۲۸۹/۴) ، ابن اسفندیار: تاریخِ طبرستان ص ۱۴۳ باختلاف روایت)۔

قابوس کا یہ مکتوب عبدالسلام وکیلِ صاحب بن عبّاد کے نام ہے۔ مکتوب میں "ذلک الفاضل" کا اشارہ صاحب بن عبّاد کی طرف ہے۔

۵۔ قابوس کا حسبِ ذیل مکتوب الصابی کے نام ہے۔

"وکانّی بالاستاذ اذا قرأ کتابی ہذا یقول أیّ نسبٍ من الانساب بین قابوس والاسطرلاب، وأیّ سببٍ من الاسباب یحملہ علی تعاطی ہذا الکتاب و مکاتبۃ ابلغ الکتّاب و ہلّا اقتصر علی التراس والزانات ولم یتخطّ الاسطرلابات الآلات۔" (ابن اسفندیار: تاریخ طبرستان ص ۱۴۴)

قابوس کے حسبِ ذیل دو رسالے بعض مصادر میں ملتے ہیں:

۱۔ رسالۃ فی الترجیح بین صحابۃ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلّم۔

یہ رسالہ جو خلفای ثلاثہ رضوان اللہ الاجمعین کی تفضیل کے موضوع پر ہے، تاریخِ یمینی میں درج ہوا ہے اور یمینی سے اس کی شرح فتح الوہبی ۲/ ۱۸، اور جربادقانی کے ترجمہ تاریخِ یمینی (ص ۲۳۹) میں نقل ہوا ہے۔ ابن اسفندیار کاتب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے: "و فصلے است قابوس شمس المعالی را در تفضیل عمر و ابوبکر و عثمان و امیرالمومنین علی، داد بلاغت و فصاحت در آن رسالت داده چنانکه شیوهٔ ترسّل قابوس بود"۔ (تاریخ طبرستان ۹۸/۱)۔ مصنّف نے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ الموید باللہ عضدالدولہ سیّد ابوالحسین (متوفّی ۴۲۱ھ) نے قابوس کے اس رسالے کا جواب اس طور پر لکھا تھا اور ایسے قاطع حجج و دلائل پیش کیے تھے کہ "اگر گویند معجزاست بعید نبود"۔ الموید باللہ قابوس کے معاصر تھے اور اس عہد کے معروف شیعی عالم۔ ان کا رسالہ شاید محفوظ نہیں رہا۔

"جمہرۃ الاسلام ذات النثر والنظام" اہم اور نادر تحریرات نظم و نثر کا ایک مجموعہ ہے جسے مسلم بن محمد الشیزری (متوفّی بعد ۶۲۲ھ) نے مرتّب کیا ہے۔ اس میں پہلی صدی ہجری سے چھٹی صدی تک ہجری مصنّفین و شعرا، اور انشاپردازوں کی تحریرات نثر و نظم جمع کی گئی ہیں۔ اس کا نسخہ منحصر بفرد لائیڈن یونی ورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس پر راقم نے انگریزی میں ایک تفصیلی مضمون لکھا ہے جو آج کل زیرِ طبع ہے۔ اس مجموعے میں قابوس بن وشمگیر کی لکھی ہوئی متعدد تحریریں ہیں جو مطبوعہ و غیر مطبوعہ مصادر میں نہیں ملتیں۔ اس لیے بے حد اہم ہیں۔

یہاں اس کی دو تحریریں پیش کی جاتی ہیں۔ متن کے بعض الفاظ کی خاطر خواہ تصحیح نہیں ہو سکی ہے۔

فصول قابوس بن وشمگیر

۱۔ کتب الی الامیر فخر الدولہ:

ما أشبہَ وعدُ مولای الأمیر فی الخلاف الاّ کشجر الخلاف اخضرَ فی العین، ولا ثمرَ فی البین ولاخیرَ فی الوعد، ولا انجاز من بعد وعدہ الوعدُ کالرعد، مالہ خطرُ عندی اذالم یتلہُ مطرٌ، وقد کان فی جیرتنا بجیلان فتیٌ فارۂ الافراس حسنُ اللّباس، لایعدُ فی النّاس۔ فلا تظن انّ الامارۃ ثوبٌ سقلاطونیٌ، ولا تقدرُ انّ الانسانیۃ ثوبانِ من عدَن ولاقمبان من لبَن۔ لکنّ الامارۃَ من ورآء ہذا القصبِ ومن خلف ہذا وصف۔

اب اس مکتوب کے بارے میں بعض گزارشات پیش کی جاتی ہیں۔ یہ تحریر ثعالبی کی طرف بھی منسوب ہے۔ ابوالحسن بن علی بن رکن الدولہ، عضدالدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کا بھائی اور قابوس بن وشمگیر کا داماد تھا۔ سالِ وفات ۳۸۰ھ یا ۳۸۵ھ۔

الخلاف: درخت بید۔ البیرونی نے اس پر قدرے تفصیل سے لکھا ہے اور ابونصر العتبی، عمر السطوعی اور ابوالفضل السیکالی کے اشعار بھی درج کیے ہیں (کتاب الصیدنہ ص ۲۵۴، ۲۵۵)

سقلاطون: - نوعے پارچۂ ابریشمی زردوزی شدہ کہ آن را در بغداد می بافتند و شہرت بسیار داشت۔ در قرونِ وسطی ایں کلمہ در تمام اروپا معمول بودہ۔ (حاشیہ برہان قاطع ۱۱۰۸/۲) نیز دیکھیے لسان العرب ۴۳/۱۲، یاقوت الحموی کی معجم البلدان ۸۲۲/۱ اور دوزی کی المعجم ۶۶۳/۱۔

تونہ: مصر کے علاقے کا ایک جزیرہ جو تنیس اور دمیاط کے قریب واقع ہے۔ اسے عمیر بن وہب نے فتح کیا تھا۔ یہ شہر عمدہ اور قیمتی کپڑے کے لیے مشہور ہے۔ معجم البلدان ۹۰۱/۱ یہاں کے کپڑوں کے بارے میں محمد بن عمر السطرنج البغدادی نے بہت خوب صورت شعر لکھے ہیں۔ خطط مقریزی ۱۸۱/۱ بھی دیکھی جائے۔ R. B. Sargent کی کتاب Islamic Textiles اور فنون اسلامی کے رسالے Ars Islamica جلد ۸، ۹ میں بہت قیمتی معلومات ہیں۔

عدن بھی قدیم زمانے سے کپڑوں کے لیے شہرت رکھتا ہے۔ یمنی چادروں کی دور دور تک شہرت تھی۔

(a) سنائی (متوفی بعد ۵۲۵ھ) کے ایک خط بنام خواجہ احمد بن مسعود میں یہ فقرہ اس طرح آیا ہے: خضرۃٌ فی العین ولا ثمرۃٌ فی البین (مکاتیب سنائی ص ۲۵)۔ یہ ثعالبی کی روایت کے مطابق ہے۔

۲- إلى بعض الكتّاب وكان قد أهدى له دواةً جملَ داخلها قلماً و سكيّناً و مِقطاً أطالَ الله بقاكَ يا سيدَ اُخوانهِ وزعيمَ خُلّانهِ ، و أدامَ عزّكَ و عزّى بكَ و غبطتكَ و غبطتنى بك ، وتكفل من حظوظنا دينك ودنياكَ مايوفى على آمالكَ وآمالىَ تكَ التمادى - اعزّكَ اللهُ- لقاحُ المودّة و رباطُ المحبّة وسبيلُ المواصلة و دليلُ عالى الاسمِ بيّنَ الدّلالة وهو وصيّة الانبياء وسُنة الحكماء وتصادق الاصفياء والعهد المانوسُ بهِ والبرّالموصولُ عليه والوَصْلُ المسكونُ إليه - قالَ رسول الله صلى الله عليه وسلم ، تهادوا تحابّوا ، وقالَ اميرالمؤمنين عليه السّلام ، الهدية امام الحاجة - وقال ابن عباس ، الهديةُ تورثُ المودّةَ وتجدّدُ الاخوّةَ وتذهبُ الضغينة - وقالت عائشه رضى الله عنها ، اللّطفةُ عطفةٌ ،- وقالت الحكماء ، الهدايا ولايا القلوب ، كُلّ يعملُ علٰى شاكلته ، وتهدى على حُسن مقدرته ومقدار حالته - وأحسن ماتهودى به - أعزّكَ الله - ما دخلَ فى جُملة المهدى اليه وكانَ من أدواته وآلات صناعتهِ ولما كنتَ - أيّدكَ الله - قريعَ اوجهِ الرياسات حليفَ أشرف الصّناعات كنايةٌ يعلو فما يَدُك وذكرُك ، ويطولُ بها على مطا ولكَ و مساجلكَ وتقضى بها الى قضاءٍ من النّفاذ والبلاغ تمتدُّ فيه شأوكَ وتفوز فيه باعكَ ، تامّلتُ مايقربُ لى مجلسُكَ وتباشره يمينُك ويكون فيه مجرى حَلّك وعقدكَ و مصادر أمركَ ونهيك - و مقاسَم ايرادكَ و أصدارك - و منافعَ نفعك واضرارك - فأهديتُ دواةً جامعةً للصّفاتِ سالمةً من العاهات مخلّصَةً من الاين زنجيّةَ الانساب من بغية الكتّاب ، ذات حوضٍ عميقٍ وحاجبٍ ونيقٍ وسُكرجةٍ رَحراحةٍ وحُقّةٍ فى الرّاحة ر طبقٍ مدمحٍ و عارضٍ مُقوّمٍ مسكوّةٍ من خالص اللجين رائعاً انيقاً يَلمعُ فى سوادهالمعانَ البيض فى معركِ الاقران والشيب فى لمم الشبّان والبرق فى عارضٍ من رقراقٍ - وقالَ :

أمُّ النّدى والرّدى سوداء تحسبُها	من حسنه ادُميةٌ صيغت من السبَجِ
يحكى سناحلّها برقاً تبسّم فى	جُنح الظّلام وليلٍ دامس اللّجَجِ
او غرّة الأدهم المزهوّ فى خَضَرٍ	أو ملتقى كحل العينين بالدّعجِ
تمدُّ منها حِباً تحيا العفاةُ به	وللعداة سماماً أودمَ المُهجِ

فيها قلمٌ قويمُ الأنبوب صميمُ المَحجَم شديدُ الاستواء حسنُ الامتلاء ذو وسمٍ كجلد الارقم وحوفٍ كلون العندم بريتهُ فاطلتُ جِلفتهُ واتممتُ قَطّتَهُ و خففّت شقّته ،

من النّطق الخرس الّتى تجتلى بها	سر نجيّةٌ بيضاً و خطيّةٌ سُمرا

تنثرُ في بطن القراطيس دائماً — باُطرا وبا دُرّاً، وتودعها سحرا
شامية الأحساب تولى عمادُها — باُوديةٍ تحتلُّ أسبابها مصرا
اذا ما اعتلَت من سرَكفك عرشها — تفيدُ بها عمراً، وتفني بها عمراً

مقرون بسكين عسفه الحديدة وثيقة الشعيرة محكمة النصاب، جامعة الاسباب ذات حِليقٍ و شورةٍ و شوكة مطرورة وسيلانٍ ستابعٍ ومُتسنٍ لاصعٍ لعبد بها السنونَ والأعوام ويُبرى بها الأقلام، ويفرى بها الاوهام.

لو كنت سخي بها يوماً على حجرٍ — لقـدت ملمسي ذلك الحجرِ
لو كنتَ تبرى بها متن الحديد لما — أبقت على متنه يوماً ولم تذرِ
أمضيَ من النّار عند البرى في يبسٍ — الحلفا اوفي هشيم الزّرع والشّجرِ
طريقة القدّ تلعى عين صاحبها — مطبوعة الخلق من صمصامه ذكر

ومقطٍ من عاجٍ و آبنوسٍ موثق التركيب معتدل التدليس من نجر صناعٍ احكمَ خرطه وجوّدَ قلطه واُحسنَ جودَه و نحتَه.

كانّما صاغـه مـن جلد عقمقةٍ — أوجلد أبيض تبييضاً و تسويداً
اعارهُ منه ذهناً حيـن ألفـه — ولم يَدع فيه أحكاماً و تجويداً
كقطعةِ اللّيل في قسم البياض على — عـاجٍ جُبا متنـه صقلاً و تحديدا
وللنّهـار سوادُ حالكٌ حَنكٌ — يحكي آسود اذاً ادا قيس العناقيدا

فرأيك أعزّك الله ـ في قبولها مستوعاً بالسعادة والسّلامة في استعمالها موفقاً إن شاء الله.

قابوس بن وشمگیر کی یہ نادر تحریر، ہمارے سامنے جو مطبوعہ مصادر ہیں یا غیر مطبوعہ ان میں کہیں دست یاب نہیں ہوئی ۔ ہدیے میں دوات قلم اور اس کے لوازم دینا اس عہد کا دستور تھا جس میں یہ تحریر لکھی گئی ۔ اسی لیے اس موضوع پر نظم و نثر کے متعدد خوب صورت نمونے ملتے ہیں۔ ابوالقاسم الحسین بن علی المقری نے ابوسلیمان بن فہد کو نیروز (نوروز) کے دن پانچ قلم ہدیے میں بھیجے اور اس کے ساتھ جو خط بھیجا تھا اس کا متن ابن حمدون کے التذکرہ (جزو سابع ورق ۱۰۶ ب ـ ۱۰۷ الف نسخۂ اوکسفورڈ (Por ۳۲۸) میں موجود ہے۔ اسی طرح ابن الحرون نے ایک شخص کو کچھ قلموں کے ساتھ جو تحریر بھیجی تھی وہ القلقشندی کی صبح الاعشیٰ ۳۳۲/۲ اور ابن عبدربّہ کی العقد الفرید ۳ / ۲۰۱ (طبع لجنۃ قاہرہ) میں محفوظ ہے۔ قلم پر الصابی

کا رسالہ صبح الاعشیٰ ۲ / ۴۴۲ میں اور اس کا کچھ حصّہ اسی کتاب (۹ / ۱۳۱) اور النویری کی نہایۃ الارب ۷/ ۲۳ میں دیکھا جاسکتا ہے۔ قلم کے بدلے پر الصاحب بن عبّاد کی نثر الثعالبی کی یتیمۃ الدھر ۳/ ۹۳ میں ملتی ہے۔ العقد الفرید ۲۸۵/۶ میں ابوتمام کے وہ اشعار درج ہیں جو اس نے الحسن بن دھب کو قلم کا تحفہ دینے کے وقت اسے ارسال کیے تھے۔ قلم کی تعریف میں ابوتمام کے دس شعر خزانۃ الادب ۳۰۲/۱ (طبع دوم) اور امالی سیّد مرتضیٰ ۱۰۲/۲ میں دیکھے جائیں۔ اس سلسلے کے دوسرے شعراء کے اشعار بھی موقع کی مناسبت سے ابن عبدربہٖ نے پیش کیے ہیں۔ قابوس ہی کا ایک اور نادر اور غیر مطبوعہ رسالہ " فی صفۃ قلم اُہداہ الی بعض اُخوانہ " کے عنوان سے ملتا ہے، یہ بھی آج تک شائع نہیں ہوا۔ الشیزری نے اُسے محفوظ کر لیا ہے۔ یاقوت نے لکھا ہے کہ قابوس نے قلم اور خط عضدالدولہ کو بھیجا تھا (معجم الادباء ۲۲۵/۱۶)۔

اب تو " دوات" صرف روشنائی دان کو کہتے ہیں لیکن قدما، قلمدان کے معنی میں استعمال کرتے تھے جس میں قلم، چاقو، مقط عاج، آبنوس وغیرہ کا (ایک ٹکڑا جس پر قلم رکھ کر قط لگایا جاتا تھا)۔ وغیرہ ساری چیزیں ہوتی تھیں۔ قابوس کی تحریر کے عنوان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس زمانے میں " اصحاب الدواۃ" اعیانِ دولت و ارکانِ سلطنت کے لیے مستعمل تھا اور علما، وفقہا و طلاب کے لیے " اصحاب محابر"۔ ابن العماد کی شذرات الذھب ۳۱۸/۸ میں دو شعر درج ہیں جن میں دوات کے چودہ مشمولات : سیاہی، روشنائی دان .... وغیرہ کا ذکر ہے۔ دیکھیے یادداشتہائے قزوینی ۸۶/۳۔

حدیث " تہادو تحابّوا " ابن قتیبہ کی عیون الاخبار ۳۴/۳ میں موجود ہے۔ پوری حدیث یہ ہے : تہادو اتحابّوا فانّ الھدیۃ تُفتح الباب المصمت وتسلّ سخیمۃ القلب "۔ اختلاف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث متعدد کتب احادیث و آداب عربی و فارسی پرملتی ہے۔

(کلّ یعمل علی شاکلتہ) قرآن ۸۴:۱۵۔

اشعار عربی :

قابوس کے عربی اشعار کا بیشتر حصہ ظاہراً ضائع ہو گیا، تلاش سے جو چند اشعار ملے یہاں لکھے جاتے ہیں:

(۱)

قل للذی بصروف الدھر عیّرنا ۔۔۔ ھل عاندَ الدھرُ الّا مَن لہٗ خطرٗ

اَما تری البحرَ تعلو فوقہٗ جیفٌ ۔۔۔ وتستقرُّ باقصیٰ قعرہ الدُّررُ

فان تکن نشبت أیدی الزمان بنا   و مسّنا من عوادی بؤسہ الضررُ

ففی السماء نجومٌ غیرُ ذی عددٍ   ولیس یکسفُ الّا الشمس و القمرُ

(تاریخ الیمینی ۔ فتح الوہبی (۳۹۱/۱) ۔ یتیمۃ الدہر (۲۹۰/۳) ۔ وفیات الأعیان (۸۰/۳) ۔ معجم الادباء (۲۲۳/۱۶)۔

شیخ احمد معین بن علی المنینی (متوفی ۱۱۰۳ھ) نے تاریخ الیمینی کے ایک اور شارح مجدالدین کرمانی کا قول نقل کیا ہے جس میں ان شعروں کے حسن وجودت کی بہت تعریف کی ہے۔ المنینی نے اطلاع دی ہے کہ تاریخ الیمینی کے بعض نسخوں میں ان چار شعروں کے ساتھ ایک پانچواں شعر بھی ہے:

علیَّ دفع الأعادی من اماکنہا   و ما علیَّ اذا لم یسعد القدرُ

المنینی نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتاب "حلّ الشعر" میں یہ چاروں شعر ہارون الرشید کے عہد کے ایک شاعر ابوقابوس النصرانی کے ہیں۔ افسوس ہے کہ یہ قیمتی کتاب دست بُردِ زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکی۔ آخری دونوں شعر تاریخ جہانگشای جوینی ۱۲۸/۲ میں بھی ملتے ہیں۔ شاعر کا نام درج نہیں۔ قزوینی نے حاشیے میں لکھا ہے کہ یہ شعر قابوس کے ہیں۔

(۲)

عربی کے مندرجہ ذیل دو شعر بھی قابوس کی طرف منسوب ہیں۔

خطراتُ ذکرکَ تستثیرُ مودتی   فأحسُّ منہا فی الفؤاد دبیبا

لاعضوَ لی الّا و فیہ صبابۃٌ   فکأنّ أعضائی خلقن قلوبا

(یتیمۃ الدہر ۲۹۰/۳ وفیات الاعیان ۸۰/۳ ۔ معجم الادباء ۲۲۱/۱۶)۔

(۳)

سیّد ظہیرالدین مرعشی (متوفی ۸۹۲ھ) "فصل در ذکر احوال وشمگیر" میں لکھتے ہیں:
عزالدولہ و مؤید الدولہ نزد قابوس فرستادند کہ او [فخرالدولہ] را نزد ما بفرست کہ تا ما یکسالہ مال رشتے بتو بدہیم والّا جنگ را آمادہ باش کہ اینک می رسیم ۔ قابوس جواب درشت فرمود باز فرستاد و تمسک بہ شمشیر و زدبین کرد و گفت:

انی انا الاسد الہزبرُ لدی الوغا   اجمی القناۃ و مخالبی اسیافی

والدہر عبیدی والسماحۃ خادمی   الأرضُ داری و الوریٰ أضیافی

(تاریخ طبرستان و رویان و مازندران ص ۱۳۲) ۔ یہاں یہ واضح نہیں کہ یہ شعر قابوس کے ہیں یا اس نے کسی اور شاعر کے شعر موقع کی مناسبت سے پڑھے ہیں۔

(۴)

قابوس کی ایک نادر نثری تحریر جو اب تک پردہ خفا میں تھی پچھلے صفحات میں گزری ۔ اس میں نثر کے ساتھ ساتھ اشعار ہیں ۔ ظاہراً یہ قابوس ہی کے نتائج فکر سے ہیں۔ اگر یہ قیاس صحیح ہے تو قابوس کے دریافت شدہ اشعار کی تعداد میں ۱۶ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔

(۵)

قابوس نے عضدالدولہ کو سات قلم تحفے میں بھیجے تھے اور ان کے ساتھ جو خط بھیجا تھا اس میں تین شعر بھی لکھ کر بھیجے تھے۔

قد بعثنا إلیکَ سبعۃَ أقلا ... م لھا فی البھَا حظٌ عظیمُ

مُرہَفاتٌ کأنّھا ألسُنُ الحیاتِ ... قد جازَ حدَّھا التقویمُ

وتفاءلتُ أن ستحوی الأقالیم ... بھا کلُّ واحدٍ إقلیمُ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۵)۔

(۶)

باللہ لاتَنْقَضی یا دولۃَ السَّفل ... وقصّری فضلَ ما أرخیت من طول

أسرفتِ فاقتصدی جاوزتِ فانصرفی ... عن التھوّرِ ثم امشی علی مَھَل

مُحَدَّمونَ و لم تُخْدَم أوائلہم ... مُحَوَّکون و کانوا أرذلَ الخَوَلِ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۹)۔

(۷)

ذیل کا مقطوعہ قابوس کی پریشانی کے دور کا ہے جب وہ اپنے دارالحکومت سے دور خراسان میں مقیم تھا ۔ کبھی ایک شہر میں رہتا تھا کبھی دوسرے شہر میں ۔ آج نیشاپور میں ہے تو کل بخارا میں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس ابتلا میں بھی اس نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔

لئن زالَ أملاکی وفاتَ ذخائری ... و أصبحَ جمعی فی ضمان التفرّقِ

فقد بقیتْ لی ھمّۃٌ ماوراءَھا ... منالٌ لراجٍ أو بلوغٌ لمرتقی

ولی نفسٌ حُرٌّ تأنفُ الضیمَ مرکباً　　　　وتکرہُ وِردَ المنہلِ المترنقِ

فإن تلفتْ نفسی فللّٰہ دَرُّہا　　　　وإن بلغتْ ما ترتجیہ فأخلقِ

ومَن لم یردنی والمسالکُ جمّۃٌ　　　　فأیُّ طریقٍ شاءَ فلیتطرقِ

(معجم الادباء ۱۶/۲۲۸)۔

(۸)

صاحب بن عبّاد نے قابوس کی ہجو میں کہا تھا

قد قبسَ القابساتِ قابوسُ　　　　و نجمُہٗ فی السماءِ منحوسُ

وکیف یرجی الفلاحُ من رجلٍ　　　　یکون فی آخر اسمہ بُوسُ؟

یہ قطعہ تو بعض مصادر میں ملتا ہے لیکن اس کے جواب میں جو دو شعر قابوس نے لکھے تھے اسے غالباً الصاحب بن عبّاد کی جلالتِ شان کی وجہ سے مؤرخین نقل کرتے ہوئے کتراتے ہیں:

مَن رامَ أن یھجو ابا قاسمٍ　　　　فقد ہجا کلَّ بنی آدمِ

لأنّہٗ صُوِّرَ من مضغۃٍ　　　　تجمّعت من نطفِ العالَمِ

(معجم الادباء ۱۶/ ۲۳۱)

علمِ نجوم: قابوس کو علمِ نجوم سے بھی گہری دلچسپی تھی۔ اسے نجوم ہی سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ اس کی موت اس کے بیٹے کے ہاتھ ہو گی۔ لیکن وہ اس بات کا قیاس نہیں لگا سکا کہ اس کے دو بیٹوں میں سے کس کے ہاتھ اس کی موت واقع ہو گی۔ اس کا ایک بیٹا تھا دارا اور دوسرا منوچہر۔ دارا سرکش اور نافرمان تھا، اسے اس نے احتیاطاً اپنے سے دُور دُور رکھا اور منوچہر کو اپنے سے قریب رکھا کہ وہ مطیع اور فرماں بردار تھا۔ قضا و قدر کا فیصلہ دیکھیے کہ اس کی موت اسی منوچہر کے ہاتھ ہوئی جسے وہ محبوب رکھتا تھا۔

اشعارِ فارسی: ذیل میں قابوس کے فارسی شعر جو مل سکے ہیں درج کیے جاتے ہیں:

۱۔ عوفی رقم طراز ہے: "او را شعر پارسیست، بغایت لطیف و کمالِ قدر او ازین یک قطعہ کہ گفتہ است واضح ولائح می شود:

(۱)

کار جہان سراسر آزست یا نیاز　　　　من پیش دل نیارم آز و نیاز را

من بیست چیز را ز جہان برگزیدہ ام	تاہم بدان گذارم عمر دراز را
شعر و سرود و رود و مے خوشگوار را	شطرنج و نرد وصیدگہ و یوز و باز را
میدان وگوے و بارگہ و رزم و بزم را	اسپ و سلاح و جود و دعا و نماز را

عوفی اس قطعے کو نقل کرکے لکھتا ہے: "ازراہ انصاف اگر کسے درین قطعہ بنگرد بر کمال علو ادب و وفور فضل و حسن اعتقاد و یمن ہمت این امیر بزرگوار وقوفے باید" (لباب الالباب ص ۳۱)۔

(۲)

پھر اس نے قابوس کے دو شعر اور ایک رباعی نقل کی ہے:

شش چیز دران زلف تو دارد معدن	پیچ و گرہ و بند و خم و تاب و شکن
شش چیز دگر نگر وطنشاں دل من	عشق و غم و درد و کرم و تیمار و حزن

(۳)

گل شاہ نشاط آمدہ ے میر طرب	زان روے بدین دوی کنم عیش طلب
خواہی کہ درین بدانی اے ماہ سبب	گل رنگ رخت دارد و مے طعم دولب

(لباب ص ۳۱)

غالباً قابوس کے فارسی میں یہی چھے شعر محفوظ رہے ورنہ لباب الالباب کے مصحح اول مرزا محمد قزوینی اور سعید نفیسی جنھوں نے اسے دوبارہ مرتب کرکے اپنی تصحیحات و تعلیقات کے ساتھ شایع کیا ہے، قابوس کے مزید فارسی اشعار کی نشان دہی ضرور کرتے۔

خوش نویسی:

قابوس بہت خوش خط تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے "خطّہ فی نہایۃ الحسن"۔ الصاحب بن عباد جب اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر دیکھتا تو کہہ اٹھتا تھا "ہذا خط قابوس اَم جناح طاؤس" یہ قابوس کی تحریر ہے یا مور کے پر ہیں (وفیات الاعیان ۸۰/۴) عتبی بھی قابوس کی خوش خطی کی مدح میں رطب اللسان ہے: "واَمّا خطّ مخطّۃ قِطعۃ المحاسن۔ فمنہ ان شئت وشیاً محوکاً او تبراً مسبوکاً او دراً مفصلاً او سحراً محصلاً" (فتح الوہبی ۲۶/۲)۔ جرباذقانی کے الفاظ یہ ہیں: "وخط او خطۂ محاسن بود، چون دُرِ مفصّل و سحرِ محصّل و وشی محوک و تبر مسبوک، سحرۂ بابل سخرۂ انامل او بودند نقاشان چین بردست و قلم او آفرین می کردند۔ ہر نقطۂ کہ از نوکِ خامۂ او بر

دیباچۂ نامہ می چکید خالی بود بر روی فضل، و ہر گوہر کہ ذوالقرنین قلم او از ظلمات دوات بیرون می کشید دُرّے بود در واسطۂ قلادۂ روزگار " (ترجمۂ تاریخِ یمینی ص ۲۴۸) ۔ افسوس ہے کہ قابوس کی خوش خطی کا ایک ورق بھی اب محفوظ نہیں۔

قابوس پر گفتگو کے سلسلے میں بنو زیار کے ان دو افراد کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی تاریخ و ادب میں اہمیت ہے ۔ یہ اصفہبد جیل جیلان (۶) ابوالعباس مرزبان بن رستم بن شروین (متوفیٰ ۳۸۰ھ تقریباً) اور امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بن وشمگیر متوفیٰ ۴۹۲)۔

کیکاؤس ، اپنے خاندان کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بیٹے اسکندر کو لکھتا ہے: " اصل شریفست و از ہر دو جانب کریم الطرفین و پیوستہ اجداد تو ملوک جہان بودہ اند ، وجدّ اعلیٰ تو ملک شمس المعالی قابوس وشمگیر ... وجدۂ تو مادرِ من دختر ملک زادۂ مرزبان بن رستم شروین بودکہ مُصنّف مرزبان نامہ است " (قابوس نامہ ص ۲)۔

مرزبان بن رستم ، طبرستان کے باوند نامی خاندان شاہی کا ایک شہزادہ تھا ۔ ابنِ اسفند یار کاتب مرزبان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ وہ مرزبان نامہ کا مصنّف ہے ، اور یہ تصنیف ہر لحاظ سے کلیلہ و دمنہ سے بہتر ہے۔ رضا قلی خاں ہدایت ، فرہنگِ ناصری میں مرزبان نامہ کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اسے مرزبان بن رستم نے لکھا تھا اور اسے امیر قابوس شمس المعالی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ مجمع الفصحا، میں بھی اس مُصنّف نے ضمناً اس کتاب کا ذکر کیا ہے ۔ یہ کتاب فارسی نثر کی ایک کامیاب تصنیف ہے جس میں اخلاقی اور نصیحت آموز حکایتیں ہیں ۔ مرزبان نامہ کا عربی ، فارسی اور ترکی میں ترجمہ ہوا ہے۔ سعدالدین الوراوینی کا فارسی ترجمہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی نے مرتب کرکے گِب میموریل لندن کی طرف سے ۱۹۰۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ مرزبان کا طبری لہجے میں ایک دیوان " نیکی نامہ " بھی مرتب تھا۔ (دائرۂ معارفِ اسلامیہ ۲۰/۳۴۰)۔ مرزبان کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی ہوسکتا ہے کہ البیرونی (متوفیٰ ۴۴۰ھ) نے اپنی تالیف " مقالید علم الہیئۃ " اسی مرزبان کے نام معنون کیا ہے اور غالباً یہ البیرونی کی پہلی تصنیف ہے جو کسی فرماں روا کے لیے اس کے قلم سے نکلی ہے۔ اس نے مقدمۂ کتاب میں جس انداز میں مرزبان کا ذکر کیا ہے اس سے اس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس تعلق خاطر کا پتا چلتا ہے جو البیرونی کو مرزبان سے تھا ۔ مرزبان کی شخصیت تاریخی اور ادبی طور پر نسبتہً غیر معروف رہی ہے، اس کے اور اس کی کتاب کے بارے میں

ناکمل اور بعض متضاد بیانات ملتے ہیں۔ مستشرق شیر کریر اور فاضل معاصر ابو محفوظ الکریم معصومی نے مرزبان پر مضمون لکھ کر بہت سی گتھیاں سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن بعض مسائل، علمی ذرائع کی عدم دستیابی کی وجہ سے اب بھی حل طلب ہیں۔ معصومی نے اپنے طویل مقالے (برہان، دہلی مارچ، اپریل، مئی ۱۹۵۵ء) میں البیرونی کی "مقالید علم الہیئۃ" کے دیباچے کا مکمل متن ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک قلمی نسخے سے نقل کرکے اپنی تصحیح اور تحشیے کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔

امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر اسی خانوادۂ زیار کا ایک فرد تھا۔ یہ قابوس کا پوتا تھا اور زیاری سلطنت کا ساتواں فرماں روا جس نے ۴۴۱ھ سے ۴۶۲ھ تک کوہستان پر حکومت کی۔ یہ شاعر بھی تھا۔ اور مصنف بھی۔ ایسا مصنف کہ اس کی صرف ایک کتاب قابوس نامہ نے اسے شہرت دوام بخشی ہے۔ کتاب النصیحۃ جو قابوس نامہ کے نام سے مشہور ہے، اس نے اپنے بیٹے گیلان شاہ (متوفی ۴۷۰ھ) کی رہنمائی کے واسطے اور زندگی و معاشرت اخلاق و قواعد اور اصولِ مملکت کی تعلیم کے لیے ۶۳ سال کی عمر میں ۴۷۵ھ میں لکھنی شروع کی تھی اور قراین مؤید ہیں کہ اپنی وفات ۴۶۲ھ تک وہ اس کی تکمیل میں مصروف رہا۔ مفاہیم و مطالب سے قطع نظر اس کتاب کی زبان اس قدر خوب صورت ہے کہ اگر راقم الحروف سے فارسی نثر کی صرف دو کتابوں کے انتخاب کے لیے کہا جائے تو وہ بلا تکلف گلستانِ سعدی اور قابوس نامہ کا انتخاب کرے گا۔ اس کی پسندیدگی اور اہمیت کی بنا پر اس کتاب کے دس پندرہ ایڈیشن اب تک نکل چکے ہیں اور اس کے انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی اور ترکی و عربی کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔ کیا اچھا ہو اگر ترجمے کے فن کا کوئی ماہر جسے فارسی اور اردو زبانوں پر یکساں قدرت ہو اسے اردو میں منتقل کر دے۔

کیکاؤس شاعر بھی تھا۔ اس کے اشعار کے بارے میں محمد عوفی نے لکھا ہے: "او را شعر ہاست، در لطافت آبِ زلال و در طراوت بادِ شمال" (لباب ص ۳۲) اس کی یہ رباعی دیکھیے:

تا دور شدی، شد ستم ای روی چو ماہ　　اندیشہ فزون، و صبر کم، حالِ تباہ

تن چون نے و در چو نیل و رخسارہ چو کاہ　　انگشت بلب، گوش بدر دیدہ براہ

جمال الدین خلیل شروانی کی کتاب نزہۃ المجالس (ص ۱۸۰) تہران ۱۳۶۶ شمسی میں حسب ذیل رباعی کیکاؤس قابوس وشمگیر کے نام سے ملتی ہے:

بردست نہاد لالہ در صحرا مل | بر قبۂ سرو باد ہو زد بلبل
رعد آمد و در ہوا فرو کوفت دہل | کاے پسرے بہار را ، یعنی گل

کیکاؤس نے یہ بہت اچھا کیا کہ اپنے ۳۱ فارسی شعر قابوس نامہ میں درج کر کے محفوظ کر دیے۔ اس نے یہ بھی التزام کیا ہے کہ اپنے شعر نقل کرنے سے پہلے احتیاطاً لکھ دیتا ہے: "چنانکہ من گفتم" ۔ "چنانکہ گفتہ ام"۔ "چنانکہ من گفتہ ام"۔ "مرا درین دو بیت است"۔ "چنانکہ درین معنی گفتہ ام"۔ وغیرہ۔

یہاں قابوس نامہ سے کیکاؤس کے چند شعر نقل کرنا نامناسب نہ ہو گا۔

کیکاؤس اے در کف پیری شدہ عاجز | تدبیر شدن ساز کہ شصت و سہ در آمد
روزت بنماز دگر آمد بہمہ حال | شب زود در آید چو نماز دگر آمد

آوخ گلہ از پیری پیش کہ کنم من | کین درد مرا دارد و جز تو بہ دگر نیست
اے پیر بیا تا گلہ ہم با تو بگویم | زیرا کہ جواناں را زین حال خبر نیست

ہر آدمی کہ حیّ ناطق باشد | باید کہ چو عذرا و چو وامق باشد
ہر کو نہ چنین بود منافق باشد | آدم نبود ہر کہ نہ عاشق باشد

وكان مما اهدى له دواة حملها غلاما تركيا مقطا

اطال الله بقاك بامتداد اخوانه، ودعيم جلالته، وادام عزك وعلو قدرك، وغبطك وغبطني بك، ونكمل من حظوظ دينك ودنياك ما يو في على امالك وامالي: ان الهادى اعزك الله لقاح المودة ورباط المحبة وسبل المواصلة ودليل على الاسم من الالفة وهو سنة الانبيا وشيمة الحكما ومصادق الاصدقا والعهد المامون به والبر الموصول عليه والوصل المتلوف اليه قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تهادوا وتحابوا: وقال امير المومنين عليه السلام الهدية امام الحاجة: وقال ابن عباس الهدية تورث المودة وتجدد الاخوة، وتزيل الضغينة: قالت عائشة رضي الله عنها اللطفة عطفة: وقال الحكما الهدايا ولاة القلوب كل يعمل على شاكلته ويهدى على حسب مقدرته وبمقدار حالته، ولحسن ما تهدى به اعزك الله ما دخل في جملة الهدى اليه وكان من ادواته والات صناعته ولما كانت ادوات اعزك الله تربي اوجه الرياسات جلت اشرف الصناعات كانه نعلو فيها ذكرك وذكرك، وتقول بها على عطاء الى مساحلك وتعصي بها الى فصل من العناد والبلاع صنائعه ما دك وتبوذ فيه ما عكر فاتلف ما بعيدت في محلك ومباشرة بيمينك ويكون فيه مجرى جلالك وعقدك، ومصادر امرك ونهيك: ومغانم ارادتك واصدارك: ومنابع نعمك واضرارك فاهديت دواة جامعه للصفات سالمة من العاهات مخلصة من الابنوس، وخيرة الاشباب من نفس الخاب ذات حوض عميق وجانب وثيق وسكرجة زجاجية وحقة في الزاجية، وطبق مندمج وعارض مقوم مكسوة من خالص اللجين حذار انقا انقا طمع في سواد نفا المعان اشبه في معركة الاتراب والشيب في لمم الشبان والبرق يلوح من خلال السحاب وقال

ام الدى والذى سود اغمنها من حسنها زمية غيقت من الشمس:

يحكي سنا حليتها برقا تبسم في جنح الظلام وليل دامس اللجح:

او غرة الادهم المزهو في حجر او ملتقى نحو الشمس بالدعج:

تقدمها حيا لحيا العفاة به وللعداة سماما او دم المهج:

فيها قلم قويم الانبوب صميم المنجم شديد الاستوا حسن الامتلاء دوم حلد الاوقم وحوت تكون العدم بزينة فاطلت حلقته وانتهت قطنته وجعفت شقته

من الذهل الحرير الى عتلق بها مرشحة سضا وخطه شمرا:

تتبر في طلق العراطيس ذا بما باطرافها دررا وتودعها سحرا:

نمامية الاحباب تولى بها ذما باز دبيه تحمل اسبابها مضرا:

اذا ما العلمان بركمك غرسها نعيد بها عمرا وتغنى بها عمرا:

مقرون شكر عبده للهدية وسعه الشعيرة محكمة الخطاب جامعة الاسباب دايم حاله

(جمهرة الاسلام نسخہ لائیڈن (ہولینڈ) میں قابوس بن وشمگیر کی ایک نادر تحریر)

حواشی

(۱) مرد آویج ۔ فارسی میں مرد آویز = معلق الرجال۔ قزوینی مرحوم نے اس لفظ کے لیے مسعودی کی تصنیف مروج الذہب ۲ /۹۰، کا حوالہ دیا ہے۔ (یادداشتہای قزوینی ۶/۱۹۱)۔ تاریخ بیہقی ۲/۱۰۷ میں مرد آویج بن زیار کو " مرد آویز" لکھا ہے اس سے مسعودی کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے ۔ مزد آویج (بالزاے) غلط فاحش ۔ یادداشت ۱۰/۵)۔

(۲) یاقوت نے لکھا ہے کہ ایک قلعہ اس نے بنایا تھا جس کا نام اس نے "شمیر آباد" رکھا تھا ۔ وہ اس وقت وہیں مقیم تھا۔ (۱۶: ۲۳۲)

(۳) اس قلعے کا نام ۔ محل وقوع اور کتب تواریخ د سیر میں جہاں جہاں اس کا ذکر آیا ہے اور دوسرے فوائد علمیہ کے لیے دیکھیے یادداشتہاے قزوینی ۳/۳۹ ۔ اب اس کا نام " چوناش بنہ ہو گیا ہے ۔ آبادی ختم ہو گئی ہے لیکن قلعے کے آثار اب بھی باقی ہیں۔

(۴) مرادش از شمسیہ تاریخ یزدجردی باشد کہ درین صورت ۳۹۰ ہجری قمری ۳۷۵ یزدجردی است (یادداشت ۳/۲۰۳)۔

(۵) یاقوت نے ان باغی سپہ سالاروں کی تعداد چھے لکھی ہے ۔ یہ بھی اطلاع دی ہے کہ منوچہر نے ان میں سے پانچ کو قتل کرا دیا اور چھٹا فسادی جان بچا کر خراسان بھاگ گیا ۔ وہاں محمود بن سبکتگین نے اسے پکڑوا کر منوچہر کے پاس بھیج دیا اور لکھا کہ میں نے یہ اس لیے کیا ہے کہ پھر کسی کو کسی فرماں روا کو قتل کرنے کی جرأت نہ ہو، چنانچہ یہ بھی قتل ہو کر اپنے کیفر کردار کو پہنچا ۔ (معجم الادبا۔ ۱۶/۲۲۱)۔ منوچہر کوئی بیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ ۴۲۳ھ میں اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ۔ نوشروان تخت نشین ہوا اور جب ۴۳۵ھ میں اس کی وفات ہوئی تو اس کا بیٹا حسان بن انوشروان نے تاج و تخت سنبھالا۔

(۶) قزوینی لکھتے ہیں : جیل جیلان لقب با شرافتی در ما بین دیلم و جیل و ما زندرانیہا بودہ است ۔ از جملہ ملک دیلم در طارم در عہد ناصر خسرو خود را " جیل جیلان" می نامیدہ است ۔ سفر نامہ ص ۶) دیگر مازیار بن قارن معروف خود را جیل جیلان اصبہذ اصبہذان می نوشتہ است یعقوبی ۲/۶۸۲۔ (یادداشتہاے قزوینی ۸/۲۳۳)۔

کتابیات

تاریخِ طبرستان: ابن اسفندیار الکاتب بتصحیح عباس اقبال تہران ۱۳۲۰ شمسی۔
تاریخِ طبرستان و رویان و مازندران: سیّد ظہیرالدین مرعشی بتصحیح عباس شایان تہران ۱۳۳۳ شمسی۔
التذکرۃ: ابن حمدون (الجزء السابع): نسخۂ خطیّہ کتب خانۂ بوڈلیان، اوکسفورڈ۔
تذکرۃ الشعراء: دولت شاہ سمرقندی بتصحیح محمّد عباسی تہران ب ت۔
ترجمۂ تاریخِ یمینی: ناصح بن ظفر جربادقانی بتصحیح دکتر جعفر شعار۔ تہران
جمہرۃ الاسلام: مسلم بن محمود الشیزری نسخۂ خطیّہ یونی ورسٹی لائبریری لائیڈن۔
خاص الخاص: ابومنصور الثعالبی بتحقیق الدکتور محمد صادق النقوی دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۹۸۴ء۔
دائرہ معارف اسلامیہ: شائع کردہ پنجاب یونی ورسٹی لاہور۔
فتح الوہبی شرح تاریخ العتبی شیخ احمد المنینی المطبعۃ الوہبیۃ مصر ۱۲۸۶ھ
قابوس نامہ کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس بتصحیح دکتر امین عبدالمجید بدوی تہران ۱۹۶۳ء۔
لباب الالباب: محمد عوفی بکوشش سعید نفیسی تہران ۱۳۳۵ء۔
معجم الادباء یاقوت الحموی طبع رفاعی قاہرہ۔
مکاتیب سنائی: سنائی بتصحیح و مقدمہ دکتر نذیر احمد علی گڑھ ۱۹۶۲ء۔
نزہۃ المجالس جمال خلیل شروانی بکوشش محمّد امین ریاحی تہران ۱۳۶۶ شمسی
وفیات الاعیان: ابن خلکان بتحقیق احسان عباس بیروت۔
یادداشتہائے قزوینی: محمّد بن عبدالوہاب قزوینی بکوشش ایرج افشار تہران ۱۳۳۵۔
یتیمۃ الدہر: ابومنصور الثعالبی بتحقیق محی الدّین عبدالحمید قاہرہ۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد:

اردو کا ایک قدیم ترین رُقعہ

مرزا محمد ظہیر الدین علی بخت ، اظفری دہلوی ، شاہ عالم کے ہم جد اور ان کے معاصر تھے وہ ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ دہلی میں پیدا ہوئے ۔ وہیں نشوونما اور تعلیم و تربیت پائی ۔ تیس سال قلعے کے اندر قید سلاطین میں گذرے ۔ آخر ایک رات قلعے سے بھاگ نکلے اور مختلف ریاستوں میں قیام کرتے ہوئے اور لکھنؤ میں ٹھہرتے ہوئے ۱۲۱۲ھ میں مدراس پہنچے ۔ یہاں امیر الہند والا جاہ کی قدردانی نے ان کے پاؤں پکڑ لیے وہ یہیں اقامت گزیں ہو گئے اور اسی جگہ ۱۲۳۴ھ میں انھوں نے وفات پائی ۔

اظفری متعدد کتابوں کے مُصنّف تھے ۔ ترکی ، فارسی اور اردو میں شعر کہتے تھے اور ان کے دو دیوان مرتب تھے ۔ ان کی سب سے اہم تصنیف " واقعاتِ اظفری " ہے جس میں انھوں نے اپنی زندگی خصوصاً قلعہ دہلی چھوڑنے کی مہم ، مختلف مقامات کے قیام اور تجربوں کو بڑے دل چسپ انداز میں پیش کیا ہے ۔

" واقعاتِ اظفری " ۱۲۲۱ھ میں مرتب ہوئی ہے ۔ اس میں مُصنّف نے شہزادوں اور دوسرے امرا کے وہ فارسی رُقعے اور خطوط بھی نقل کر دیے ہیں جو قلعہ چھوڑنے کے بعد انھیں لکھے گئے تھے ۔ سلیمان شکوہ اور مرزا سکندر شکوہ کے متعدد رُقعے ہیں ۔ پھر ان عرضیوں کی نقلیں ہیں جو مُصنّف نے بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں ۱۲۱۶ھ میں بھیجی تھیں ۔ یہ سب فارسی میں ہیں ۔ اس کتاب کا قابل ذکر رقعہ وہ ہے جو اردو زبان میں شاہی خاندان کی ایک بیگم نے انھیں لکھا تھا ۔ یہ قبقرہ بیگم ہیں جو مرزا مغل اور مرزا طفل کی حقیقی بڑی بہن تھیں ۔

مرزا مغل کا نام محمد اکرام الدین اور مرزا طفل کا نام محمد المقتدر ہے ۔ یہ دونوں شہزادہ محمد علاء الدولہ بہادر عرف مرزا بابا کے صاحبزادے تھے علاء الدولہ ، شاہزادہ محمد اعزالدین کے فرزند تھے ۔ اور اعزالدین ، عالمگیر ثانی شاہ دہلی کے چھوٹے بھائی تھے ۔ اظفری ان سے اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

اگرچہ طفل ، مغل دونوں رشتے میں راقم کے چچا ہوتے ہیں لیکن دفورِ شفقت ، فرزند نوازی اور بزرگانہ عنایت سے بڑے صاحب مجھے " یار " کے خطاب سے یاد کرچکے ہیں ، طفوہ

میں بھی اس لفظ سے یاد فرماتے ہیں۔ اور چھوٹے صاحب نے مجھے اپنا بھائی کہا ہے۔ اس لیے اب تک اسی عنوان سے اپنے رقعوں میں عزت بخشتے ہیں ... غلام قادر مردود کے ہنگامے کے بعد راقم کو اپنے سرکاری کتبخانے وغیرہ کا تحویل دار بھی بنا دیا تھا۔ ہمیشہ نہایت عمدہ سلوک اور بہترین برتاؤ فرماتے رہتے تھے۔ بادشاہ سلامت اور ولی عہد بہادر کے حضور میں مجھ عاصی کی ہمیشہ وکالت کرتے تھے۔ میں جو عرضیاں شاہی وعدوں کے ایفا، اور اپنے مطالب کی تکمیل کے بارے میں لکھتا تھا۔ ان کو پہنچاتے اور ان کے جواب حاصل کر کے حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے دستخط سے مُزیّن کرا کر میرے پاس بھیجتے رہتے تھے۔ اب تک بعض عرضیاں میرے پاس موجود ہیں جن پر حضرت قدر قدرت اور ولی عہد بہادر کے دستخط ہیں۔

اظفری نے علاء الدولہ اور ان کے بیٹوں مرزا طفل اور مرزا مغل کے حالات اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ لیکن اس بات کا ذکر نہیں کیا ہے کہ مرزا عبدالمقتدر شعر بھی کہتے تھے اور طفل تخلص کرتے تھے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم اور نساخ نے انھیں صاحب دیوان لکھا ہے۔ شیفتہ دیوان کا متعلق ذکر نہیں کرتے۔ اعظم الدولہ سرور بتاتے ہیں کہ مرزا کے تین دیوان کے کسی نسخے کی راقم کو اطلاع نہیں۔ حکیم قاسم نے مجموعۂ نغز میں ان کے اکیس اردو شعر درج کیے ہیں۔

فقیرہ بیگم کے متعلق اس وقت زیادہ حالات نہ معلوم ہو سکے۔ ان کے پیش نظر رقعے پر تاریخ ۱۱ رجب درج ہے سال تحریر درج نہیں۔ لیکن چونکہ اظفری نے واقعات تاریخی ترتیب سے درج کیے ہیں اس لیے قریب بہ یقین ہے کہ اس رقعہ کا سال تحریر ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء ہے۔ یہ قدیم ترین اردو رقعہ ہے جو راقم اب تک دریافت کر سکا ہے۔

کتاب میں اس رقعہ کا عنوان یہ ہے:

"نقل رقعہ فقیرہ بیگم صاحبہ خواہر کلاں حقیقی میرزا مغل و میرزا طفل کہ از خط خاص اوشان در زبان اردو بنام راقم رسید"

اب ذیل میں وہ رقعہ پیش کیا جاتا ہے:

ازیں جانب بعد سلام و اشتیاق تمام کے معلوم فرما دیں کہ آپ ہمشیرہ صاحبہ سے ملاقات فرما کر جو اس سمت کو تشریف فرما ہوئے ہیں۔ اس دن سے اپنی خیریت کی خبر سے یاد و شاد نہیں فرمایا۔ کہ دل ہمارا تمھاری خیریت کا نگراں ہے امید ہے کہ دوستی قدیم کو یاد فرما کر اپنی خیریت کی خبر سے اطلاع بخشو۔ جو خاطر اپنی جمع ہو۔

از طرف برخورداران من کہ اسم معلوم است سلام نیاز قبول باد از ہمشیرہ صاحبہ نیز

زیادہ چہ

محررہ پانزدہم رجب المرجب سنہ الیہ

واقعات اظفری اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ لیکن اس کا اردو ترجمہ دانش گاہ مدراس سے شائع ہو گیا ہے۔ راقم کی نظر سے برٹش میوزیم کا نسخہ بھی گذرا [ملاحظہ ہو فہرست ۳ / ۱۰۵۱] لیکن اس وقت " واقعات " کا وہ نسخہ پیش نظر ہے جو کبھی ڈاکٹر اشپرنگر کے کتاب خانے میں رہ چکا ہے اور جس کا ذکر ان کی مرتب کردہ فہرست میں موجود ہے [فہرست اشپرنگر : ۲۰۸] یہ نسخہ پھر برلین کے شاہی کتاب خانے میں پہونچا [فہرست برلین : ۴۹۶] اور اب دانش گاہ ٹوبنگن (جرمنی) میں محفوظ ہے اس کا سال کتابت ۱۲۲۲ھ ہے اور اس کا نمبر وہاں OR. SPRENGER:233 ہے اس نسخے کے وجود کا " واقعات " کے اردو مترجمین کو علم نہیں۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد:

ایک غیر مطبوعہ تذکرۂ تلامذۂ شاد عظیم آبادی

انجمن ترقی اردو صوبۂ بہار کی طرف سے قاضی عبدالودود معتمد انجمن کے زیر اہتمام مخطوطات و نوادر کی دو نمائشیں ۱۹۴۲ء اور ۱۹۴۹ء میں منعقد ہوئی تھیں جن کے انتظام میں قاضی محمد سعید، پروفیسر سید حسن عسکری اور چند دوسرے اصحاب کے ساتھ راقم الحروف بھی شریک تھا۔ ان نمائشوں میں مخطوطات کے ساتھ نادر مطبوعات بھی ہم لوگوں نے دور دور سے لا کر جمع کیے تھے۔ افسوس ہے کہ ان نمائشوں کی فہرستیں شائع نہ ہو سکیں، مجھے یقین ہے کہ اب بہت سی کتابیں اور تحریریں ضائع ہو چکی ہوں گی۔ اس لیے عدم انطباع فہرست اور بھی زیادہ افسوس ناک ہے۔

ان دو نمائشوں سے پہلے ایک اہم نمائش پٹنہ کالج کی جُبلی کے موقع پر منعقد ہوئی تھی۔ پروفیسر سید حسن عسکری (استاذ شعبۂ تاریخ پٹنہ یونیورسٹی)، ان کے شعبے کے اساتذہ و طلباء اور یونیورسٹی اور شہر پٹنہ کے متعدد اصحاب کی توجہ سے بہت اہم تاریخی و علمی و ادبی نوادر و تحریرات و فرامین جمع ہو گئے تھے۔ عسکری صاحب نے اسی زمانے میں انگریزی میں فہرست نمائش "پٹنہ کالج میگزین" میں شائع کر دی تھی جو اب کبریت احمر کا درجہ رکھتی ہے۔ خوب یاد ہے کہ اس تذکرۂ عیار الشعرا مرتبہ خوب چند ذکا کی پہلی روایت کا ایک نسخہ بھی تھا جو پٹنہ سٹی کے ایک صاحب ذوق ہندو رئیس کے کتاب خانے سے آیا تھا۔ اب نہ اس نسخے کا پتا چلتا ہے نہ اس تذکرے کی اوّلین روایت کا کوئی اور نسخہ وہاں دستیاب ہے۔

چوتھی اور غالباً آخری نمائش قاضی عبدالودود صاحب کے زیر اہتمام، ادارۂ تحقیقات پٹنہ کی طرف سے نومبر ۱۹۵۹ء میں منعقد ہوئی۔ یہ ۲۷ نومبر ۱۹۵۹ء سے شروع ہو کر ۵ دسمبر تک رہی۔ اس میں ۹۹ اصحاب اور اداروں کے یہاں سے کتابیں، تحریرات، خطوط، فرامین، قدیم اخبارات و رسائل لا کر جمع کیے گئے تھے اور انجمن اسلامیہ ہال پٹنہ میں قرینے سے سجا دیے گئے تھے۔ نمائش کا افتتاح ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم نے فرمایا تھا جو اس وقت صوبۂ بہار کے گورنر تھے، اور اس کا افتتاحی جلسہ سری کرشن سنہا وزیر اعلیٰ بہار کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ مخطوطات کی فہرست قاضی عبدالودود، پروفیسر سید حسن عسکری اور قاضی محمد سعید نے مرتب کی تھی اور آخر الذکر نے ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی طرف سے ۱۹۵۹ء ہی میں شائع کر دی

تھی۔ دوسری جلد جس میں مطبوعات اور اخبارات و رسائل کا ذکر ہوتا ۱۹۶۲ء میں شائع کرنے کی خوش خبری سنائی گئی تھی، لیکن وہ شائع نہ ہو سکی۔ راقم نے اس کا مسوّدہ منتشر حالت میں قاضی محمد سعید کے پاس دیکھا تھا۔

مخطوطات میں ایک غیر مرتّب تذکرۂ تلامذۂ شاد عظیم آبادی کے حالات و اشعار پر مشتمل تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کے مرتّب کون تھے، ظاہر ہے تلامذۂ شاد ہی میں کوئی صاحب ہوں گے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارے تلامذۂ شاد کے حالات و اشعار جمع نہ ہو سکے اور تذکرہ غیر مکمّل رہ گیا۔

اس میں حسب ذیل شعراء کے تراجم و اشعار ملتے ہیں

۱۔ سیّد وزیر جان مشفق

۲۔ سیّد مصطفےٰ نوّاب محزوں

۳۔ سیّد مجتبےٰ نوّاب مجنوں

سیّد مرتضیٰ نواب مفتوں سیّد وزیر نواب خواہر زادہ نواب سیّد ولایت علی خاں کے بیٹے تھے اور شاد کے بھانجے تھے۔ بقول شاد انہیں شاعری کا خصوصاً مرثیہ گوئی کا بے حد شوق تھا استعداد بہت محدود تھی۔ سیّد معین الدین قیس رضوی کی کتاب "گلشن حیات" میں ان کا ذکر ہے۔ ان کی دوسری کتاب "سوانح شاد عظیم آبادی" (سسرام ۱۹۲۵ء، کتاب خانۂ خدا بخش ۱۹۹۵ء) میں قیس لکھتے ہیں

"مفتوں، سیّد مرتضیٰ نوّاب نام، سکونت عظیم آباد، خلف سیّد وزیر نوّاب مرحوم۔ زبان نہایت فصیح پائی تھی خیالات بھی نہایت پاکیزہ تھے۔ مرثیہ بھی خوب لکھتے تھے۔ نوجوانی میں انتقال کیا۔" (ص ۸۰)

۴۔ سیّد محمد خلیل، خلیل مرزا پوری "سوانح شاد" میں ہے

"باوجود نا مساعدت زمانہ ام اے تک تعلیم حاصل کی۔ عربی، فارسی میں بہت بااستعداد اور بڑے با مذاق اور ماہر نقاد سخن ہیں۔ خیالات عمدہ اور دل چسپ ہوتے ہیں"۔

۵۔ شیدا، مع اصلاح شاد۔ سیّد علی حیدر شیدا، شاد کے شاگرد تھے اور ان کے باپ میر فرحت حسین، شاد کے استاد تھے۔ شاد کے بیٹے سیّد نے شیدا کی بہن سے عقد کر لیا تھا۔ اس طرح شاد کے خاندان سے ان کی رشتہ داری تھی، لیکن شاد اس رشتے سے خوش نہ تھے۔ (مکتوبات شاد ص ۲۶۸)

راقم نے اپنے بچپن میں شیدا عظیم آبادی کو مختلف صحبتوں، شعری نشستوں اور مشاعروں میں دیکھا اور انھیں پڑھتے سنا۔ سب سے پہلے ۳۰ء میں اپنے محلہ، شاہ گنج میں محمد علیم الدّین بسمل کے یہاں انھیں پڑھتے سنا اور اسی نشست میں سیّد اکرام حسین اکرام عظیم آبادی کو دیکھا جو اس وقت پرویز شاہدی نہیں بنے تھے۔ جہاں تک یاد آتا ہے آخری بار شیدا کو ۱۹۴۰ء میں شاہ حامد حسین حامد عظیم آبادی سجّادہ نشیں درگاہ شاہ ارزاں کی منعقد کی ہوئی ایک ادبی مجلس میں دیکھا تھا۔ حضرت نوح ناروی آئے ہوئے تھے اور انھیں کے اعزاز میں یہ شعری اجتماع ہوا تھا۔ شیدا نابینا (۱) تھے لیکن حافظے کا کمال یہ تھا کہ لمبی لمبی غزلیں سناتے تھے اور حافظہ کہیں دھوکا نہیں دیتا تھا۔ مُسوّدہ بھی اسی دماغ میں، شاد کی اصلاح اور مُبیضہ بھی اسی دماغ میں محفوظ رہتا تھا۔ قیس عظیم آبادی نے ۱۹۲۵ء میں ان کی عمر تقریباً ۴۲ سال بتائی ہے اور لکھا ہے "موزوں طبع میں استعداد کافی، مذاق سلیم اور مشق اچھی ہے۔ کلام میں روانی اور لطف زبان ہے" (ص ۵۰)۔

۶۔ غزلہاے نصیر مع اصلاحات شاد۔ نام سیّد نصیر حسین تھا۔ قیس نے ان کی پختگی کا ذکر کیا ہے۔ یاد آتا ہے کہ میں نے بچپن میں انھیں شاد ہی کے ایک شاگرد سیّد محمّد نظیر حسن شائق پانی پتی ثم عظیم آبادی (۲) کے مکان واقع نون گولہ پٹنہ سٹی پر دیکھا تھا جہاں میرا خاصا آنا جانا تھا۔ کس واسطے کہ شائق عظیم آبادی کے بیٹے سیّد محمّد قاسم عظیم آبادی مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں میرے ہم سبق تھے اور ان سے میرے بہت گھریلو تعلقات تھے۔ نصیر عظیم آبادی کو قدیم شہر پٹنہ (سٹی) کے ایک آدھ مشاعرے میں بھی دیکھا تھا اور ان کا کلام سنا تھا۔

۷۔ غزل خلیل الرحمن وفا۔ سیّد شاہ خلیل الرحمن خلف اصغر سیّد شاہ نور الرحمن عرف سیّد شاہ لال صاحب انور مرحوم رئیس عظیم آباد۔ انھوں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ شاد نے انھیں اپنا دلدادہ شاگرد لکھا ہے (مکتوبات شاد ص ۱۹۳) "سوانح شاد عظیم آبادی" میں ان کی عمر چوبیس سال لکھی ہے۔ اس کتاب کا سال تصنیف ۱۹۲۵ء ہے۔ اس میں انھیں طبّاع، ذہین اور زود گو لکھا ہے (ص ۹۰)۔ پروفیسر شاہ عطاء الرحمن نے سال ولادت ۱۳۱۹ بتایا ہے اور (ستمبر ۶۵ء میں) لکھا ہے کہ آج کل کراچی میں مقیم ہیں۔ (رسالہ سہ ماہی معاصر پٹنہ شمارہ ۲۰ ص ۱۹۳)۔

۸۔ شعر از نہال۔ سیّد صادق حسین نہال عظیم آبادی مراد ہیں۔ سیّد نصیر حسین خیالؔ عظیم آبادی ان کے اخیانی بھائی تھے۔ شاد نے لکھا ہے کہ ان کے چچا زاد بھائی دو تھے۔ سیّد جعفر حسین اور سیّد نوروز حسین۔ شاد کی چھوٹی بہن سیّد نوروز حسین سے بیاہی گئی تھیں، ان کے

بیٹے نصیر حسین خیال تھے اور سیّد جعفر حسین کے دو بیٹے تھے سیّد عابد حسین اور سیّد صادق حسین ۔ (شاد کی کہانی ص ۲۱، معاصر ۲۰۔۱۶۱) یہ صادق حسین بعد کو نہال عظیم آبادی ہوئے ۔ قیس ان کے بارے میں لکھتے ہیں ۔

"حضرت شاد کے حقیقی بھانجے ۔ آپ کی استعداد کافی ہے ۔ علم دوست اور شوقین ہیں. کلام پُر جذبات ، پُر درد اور دل فریب ہوتا ہے ۔ نیچرل نظمیں بھی خوب کہتے ہیں ۔ نثر بھی بہت اچھی لکھتے ہیں "۔

مدرسۂ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے ایک مشاعرے میں انھیں مدعو کرنے والے سینیر طلباء کے ساتھ راقم بھی تھا۔ قدیم شہر پٹنہ سٹی میں ان کا قیام تھا۔ دبلے پتلے خوب صورت وجیہ آدمی تھے ۔ ہم طلباء سے خوش اخلاقی سے پیش آتے ۔ مصرعِ طرح انھوں نے پسند کیا۔ مصرع پڑھ کر کچھ گنگناتے رہے پھر بولے ۔ دیکھیے طبیعت حاضر ہوئی اور غزل ہو گئی تو شاید آجاؤں ۔ یہ بات انھوں نے ہمارے دل رکھنے کو کہہ دی تھی بعد کو معلوم ہوا کہ وہ اب مشاعروں میں شاذ و نادر ہی شرکت کرتے ہیں ۔ مدرسے کے مشاعرے کا مصرع طرح ابھی حال تک مجھے یاد تھا اس وقت بھول رہا ہوں ۔ کوئی ساٹھ سال پہلے کی بات ہے ۔ نہال عظیم آبادی کی کچھ نثریں اور غزلیں میں نے جمع کی ہیں ۔

۹۔ مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی

یہاں اس تذکرے سے مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی (جو اس وقت تک یگانہ چنگیزی کے نام سے مشہور نہیں ہوئے تھے) کے حالات و اشعار درج کیے جاتے ہیں ۔ یہ ابھی تک کہیں شائع نہیں ہوئے ہیں ۔ راقم کی نظر سے یہ تذکرہ نہیں گذرا ۔ اس کا متن قاضی عبدالودود صاحب کے خط سے لیا گیا ہے جو انھوں نے یگانہ کے ایک شاگرد اور پرستار لالا دوارکا داس شعلہ (متوفی ۱۹۸۳ء) کو نقل کر کے بھیجا تھا۔ یہ خط مئی ۱۹۵۹ء کا تحریر کردہ ہے اور راقم کے ذخیرۂ مکاتیب میں محفوظ ہے ۔

قاضی صاحب لکھتے ہیں :

"شاد عظیم آبادی کے بعض تلامذہ ان کے شاگردوں کے حالات جمع کرنا چاہتے تھے ۔ اس سلسلے میں جو کچھ جمع ہوا تھا اس کا کچھ حصہ نمایش کے لیے سیّد محمد مہدی صاحب سابق ممبر کونسل بہار کے یہاں سے آیا ہے "۔

اس میں یاس کے متعلق مرقوم ہے :

- اسم شریف مرزا واجد حسین تخلص یاس مشاہیر و شرفائے محلہ مغل پورہ عظیم آباد سے ہیں ۔ آپ محلہ گولہ گنج لکھنؤ میں کچھ عرصے سے مقیم ہیں ۔ مستند شرفائے عظیم آباد میں ہیں ۔ کلکتہ یونیورسٹی سے انٹرنس کی ڈگری حاصل کی ۔ ابتداہی سے اپنے ہم مکتبوں میں تیز رہے ۔ نہایت ذہین ، صاحب استعداد ، طباع ، صاحب مذاق سلیم اور صلاحیت خاص ہے (کذا)۔ شاعری کا شوق ہوا تو سیکڑوں دیوان جمع کر ڈالے اور ہمت باندھی تو سب کچھ دیکھ ڈالا۔ نہ دن کو دن سمجھے ، نہ رات کو رات۔ موزوں طبع تھے ہی چپکے چپکے کہنا بھی شروع کیا اور پھر جناب بیتاب سے شفیق و قابل استاد کو منتخب کیا۔ لائق استاد نے فن کی طرف طبیعت کی طرف خاص مناسبت دیکھ کر ایسی راہ دکھائی کہ آج اسی رشید شاگرد نے دنیائے سخن میں اپنا نام کرلیا۔

مجھے ان پر خلوصانہ رشک ہے کہ میں نے اور انھوں نے ایک ساتھ ابتداء کی تھی ، میں یہیں پڑا رہ گیا اور حضرت یاس کئی بار دہلی گئے اور مشاعروں میں شریک ہوتے اور لکھنؤ ایسا پسند آیا کہ وہیں شادی بھی کرلی اور رہ گئے ۔ عظیم آباد میں کبھی جو آ نکلتے ہیں تو طبیعت نہیں لگتی ۔ واقعی یہ شہر ایسا ہی ہے ۔ اگر وہ بھی ہماری طرح یہاں رہتے تو جگہ ہمیشہ کو دبا رکھتی ، نہ مشق سخن جاری رہتی نہ معلومات بہم ہوتے۔ تھوڑے عرصے میں جس قدر معلومات فن کی واقفیت حاصل کی کم لوگ آپ کی مثال ہوں گے ۔ حضرت یاس کی پُر زور تحریروں نے دنیا میں ہلچل ڈال دی ذہن خدا داد ، ذکی ، محقق زماں ، صادق القول ، مزاج میں ... اور [اخلاق] نہایت اعلیٰ ہے ۔ وضع کی پابندی ، زبان اور دوستی کا بہت پاس و لحاظ کرتے ہیں ۔ آپ کا نام محتاج تعارف نہیں ۔ اور سیرت و اخلاق ، ذہن و ذکا ، استعداد ، طباعی ، صلاحیت دماغی اظہر من الشمس ہے ، عیاں راچہ بیاں ۔

کلام میں خاص جدتیں ہیں ۔ تخیل کی پابندی ، چمک ، طریقۂ بیان ، زبان و سلاست ، محاورات و نازک خیالی ، چستی ، استعداد ، تشبیہات ، نشست و شوکت الفاظ ، پاکیزگی خیالات ، جذبات و تلاش ، معانی آفرینی وغیرہ مختلف خوبیاں موجود ہیں ۔ آپ شاعری کے مُرصع نقاد ، سخن نکتہ رس ہیں ۔ دنیائے

سخن آپ کو مانے ہوئے اور اچھی طرح واقف ہے۔

میں اپنے مخلص قدیم کی درازی عمر اور ذوق و شوقِ سلیم کی ترقی کی بدل دعا کرتا ہوں۔ آمین "۔

اس کے بعد چھ غزلیں یاس کی درج ہیں جو ظاہرا خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ غزل اوّل سے قبل یہ عبارات ہیں:

"کارنامۂ یاس۔ ذیل میں جو غزل درج کی جاتی ہے۔ وہ علی گڑھ مشاعرے کی ہے جو ۶ فروری ۱۹۱۷ء کو علی گڑھ کالج میں پڑھی گئی تھی، اور اہل فن کا اتفاق ہے کہ میں نے اس سے بہتر غزل اب تک نہیں کہی:

تیور بجھے ہیں صبح کے آثار دیکھ کر — آنکھیں کھلی ہیں فتنۂ بیدار دیکھ کر

رت (۲) پھر چلی ہے آپ کے بیمار ہجر کی — صبح بہار حشر کے آثار دیکھ کر

باقی غزلوں کے صرف ابتدائی مصرعے قاضی صاحب نے اپنے خط میں نقل کیے ہیں:

- اُڑتے ہیں ہوش گردشِ لیل و نہار دیکھ کر
- چراغ زیست بجھا دل سے اک دھواں نکلا
- کیا چل سکے گی بادِ مخالف مزار میں
- خدا پرست بھی بندے ہیں حسنِ فطرت کے
- لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامنِ دل سے

قاضی صاحب نے اپنے مکتوب مذکورۂ بالا میں لکھا ہے "یہ تحریر کس کی ہے معلوم نہیں، آپ چاہیں تو اس کی تحقیق کی جائے" یا تو شعلہ صاحب نے مزید دل چسپی نہیں لی یا قاضی صاحب کو تذکرے کے مُصنّف کا پتا نہ چل سکا، بہر حال جو خطوط مجھے بنام شعلہ دستیاب ہوئے ہیں ان میں اس مسئلے کا کوئی ذکر نہیں۔ یقین کے ساتھ تو پورا تذکرہ دیکھنے کے بعد ہی کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن راقم کا گمان ہے کہ یاس کے حالات یگانہ کے کسی دوست کے لکھے ہوئے نہیں خود یگانہ کے تحریر کردہ ہیں۔ اس غیر مکمّل تذکرے کے جامع بھی یگانہ ہی ہوں گے تو عجب نہیں۔ (۴) اس کے بعد یگانہ کی غزلیں بطور نمونۂ کلام درج ہیں اور قیاس کیا جاتا ہے کہ یگانہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں۔ قاضی صاحب نے ان غزلوں کے صرف پہلے مصرعے درج کیے ہیں، یہاں ان کے شعری مجموعوں سے مکمّل غزلیں درج کی جاتی ہیں۔

اڑتے ہیں ہوش گردش لیل و نہار دیکھ کر
آج وہی قفس ہے پھر سیر بہار دیکھ کر

چونکا ہوں خواب سے ابھی محفل یار دیکھ کر
سکتے میں ہوں دو رنگی لیل و نہار دیکھ کر

مستوں کی قبر کو فلک ابر کرم سے رکھ معاف
بھٹکے گی روح سایۂ ابر بہار دیکھ کر

اہل ہوس کجا ۔ کجا جلوۂ صبر آزما
تاب نہ لائے گر پڑے آخر کار دیکھ کر

آبلہ پا نکل گئے کانٹوں کو روندتے ہوئے
سوجا پھر آنکھ سے نہ کچھ کوچۂ یار دیکھ کر

○

چراغ زیست بجھا دل سے اک دھواں نکلا
لگا کے آگ مرے گھر سے میہماں نکلا

تڑپ کے آبلہ پا اُٹھ کھڑے ہوئے آخر
تلاش یار میں جب کوئی کارواں نکلا

لہو لگا کے شہیدوں میں ہوگئے شامل
ہوس تو نکلی مگر حوصلہ کہاں نکلا

دکھایا گورِ سکندر نے بڑھ کے آئینہ
جو سر اٹھا کے کوئی زیر آسماں نکلا

خوشی سے ہوگئے بد خواہ میرے شادیِ مرگ
کفن پہن کے جو میں گھر سے ناگہاں نکلا

کلام یاس سے دنیا میں پھر اک آگ لگی
یہ کون حضرتِ آتش کا ہم زباں نکلا

○

کیا چل سکے گی بادِ مخالف مزار میں
جلتا ہے دل جلوں کا چراغ اس دیار میں

الٹی ہوا زمانے کی چلتی ہے ان دنوں
فرق آگیا ہے گردشِ لیل و نہار میں

یوسف کو لے اڑے نہ کہیں بوئے پیرہن
اخفائے حسن و عشق نہیں اختیار میں

کس کل پہ ہے یہ خاک کا پُتلا بنا ہوا
کیا جانے کیا طلسم ہے مُشتِ غبار میں

منزل کی دھن میں آبلہ پا چل کھڑے ہوئے
شورِ جرس سے دل نہ رہا اختیار میں

کہتے ہو اپنے فعل کا مختار ہے بشر
اپنی تو موت تک نہ ہوئی اختیار میں

لیلیٰ کجا ۔ کجا یہ طلسماتِ عنصری
کیا ڈھونڈتا ہے پردۂ گردِ غبار میں

دنیا سے یاس جانے کو جی چاہتا نہیں
واللہ کیا کشش ہے اس اُجڑے دیار میں

○

خدا پرست بھی بندے ہیں حسن فطرت کے ۔۔۔]

ارے یہ کھیل ہیں یا شاہکار قدرت کے
نکل سکے نہ کوئی دو بھی ایک صورت کے

بلند و پست برابر ہیں اپنی آنکھوں میں
خیالِ خام ہے یا ولولے ہیں ہمّت کے

گلا نہ کاٹ سکے اپنا داے ناکامی
پہاڑ کاٹتے ہیں روز و شب مصیبت کے

دکھائی خواب پریشاں نے سیر رنگا رنگ
بھرم کھلے نہ طلسمات بے حقیقت کے

وطن تو کیا ہے ہوائے وطن سے ہیں بیزار
لپٹ رہے ہیں بگولوں سے دشت غربت کے

نگاہِ یاس ہے آئینۂ غمِ فردا
نظر کے سامنے سامان ہیں قیامت کے

○

لپٹتی ہے بہت یادِ وطن جب دامن دل سے
پلٹ کر اک سلامِ شوق کرلیتا ہوں منزل سے

نظر آئے جب آثار جدائی رنگِ محفل سے
نگاہِ یاس بے گانہ ہوئی یارانِ یکدل سے

ابھرنے کے نہیں بحرِ فنا میں ڈوبنے والے
دُرِ مقصود ہی گم ہیں تو پھر کیا کام ساحل سے

نہیں معلوم کیا لذّت اٹھائی ہے اسیری میں
دلِ وحشی بھڑک اٹھا ہے آوازِ سلاسل سے

تصور لالہ و گل کا خزاں میں بھی نہیں ہٹتا
نگاہِ شوق وابستہ ہے اب تک نقش باطل سے

کسی شے میں نہ ہوگی بادۂ عرفاں کی گنجائش
لڑائے ساغر جم کو بھی کوئی شیشۂ دل سے

کہاں تک پردۂ فانوس سے سر کی بلا ٹلتی
ازل سے لاگ تھی بادِ فنا کو شمعِ محفل سے

رہے گی چار دیوار عناصر درمیاں کب تک
اٹھے گا زلزلہ اک دن اسی بیٹھے ہوئے دل سے

یہیں سے سیر کرلو یاس اتنی دور کیوں جاؤ
عدم آباد کا ڈانڈا ملا ہے کوئے قاتل سے

○

" سوانح شاد عظیم آبادی " مؤلفہ قیس رضوی عظیم آبادی میں تلامذۂ شاد کے ذیل میں (ص ۷۰ - ۸۱) ان کے ۶۰ تلامذہ کا مختصر ذکر ہے۔ یاس کا ترجمہ سب سے آخر میں ہے۔
" یاس، مرزا واجد حسین نام، وطن عظیم آباد ہے لیکن عرصے سے لکھنؤ میں مقیم ہیں۔ کلام نہایت خوب اور پختہ ہوتا ہے۔ اب بجائے خود استاد ہیں"۔ (ص ۸۰)

اس کتاب میں شاد کی طرز اصلاح کے ذیل میں ان کے کچھ تلامذہ۔ سیّد فضل علی خاں فضل، سیّد عبدالمجید بیدل، سیّد شاہ محمد حسن بسمل، حکیم شیخ محمد تقی تقی، عبدالحمید حمید عظیم آبادی، غلام رسول حسرت، سیّد علی سجاد مصنف نئی نویلی و محفل خانہ، سیّد صالح حسین شوق نواب محمد حسن خاں شمیم، سیّد علی حیدر شیدا، بابو جگر ناتھ پرشاد عاشق، حافظ عبدالغنی غنی، سید کاظم حسین خاں فیض، سیّد معین الدّین احمد قیس، سیّد سعید الدین کیف، مظاہر علی خان مظہر نواب سیّد محمد رضا خاں موج، پروفیسر محمّد مسلم عظیم آبادی مسلم، سیّد محمد منظور احمد نظر، شاہ ولی الرحمن ولی، شاہ خلیل الرحمن وفا، سیّد واہب حسین واہب، علیم الدّین یاس اور مرزا واجد حسین یاس عظیم بادی حال مقیم لکھنؤ۔ ان کے حسب ذیل شعر مع اصلاح شاد درج ہیں۔

میں قفس میں بھی کسی روز نہ خاموش رہا ۔۔۔ مشکلوں میں بھی طبیعت کا وہی جوش رہا
" " " " ۔۔۔ کشمکش " " " " "

جلوۂ قاتل سے کچھ ایسا میں حیراں رہ گیا ۔۔۔ اک تڑپنے کا جو ارماں تھا وہ ارماں رہ گیا
" " " " " ۔۔۔ " " تھا ارماں وہ بھی " "

مرتے دم تک تو نہ شرمندہ ہوئے احباب سے ۔۔۔ لاش اٹھانے کا مگر آخر اک احسان رہ گیا
زندگی بھر تک تو شرمندہ تھے یاروں سے ہم ۔۔۔ " " " " "

یہ اصلاحیں قیس مرحوم نے "مشاطۂ سخن" سے لی ہیں۔

"فہرست نمایش ادارۂ تحقیقات اردو" مرتبہ قاضی محمّد سعید (پٹنہ ۱۹۵۹ء) میں اس مخطوطے کے کوائف جو قاضی عبدالودود مرحوم کے قلم سے ہیں، یہ ہیں:

مجموعہ نمبر ۳۰۱ مرتبہ؟ یاس میں تلامذۂ شاد عظیم آبادی کے تراجم و اشعار اور شاد کی بھی ایک تحریر ۱۔ غزل جدّی سیّد وزیر نواب وزیر۔ اصلاحی ۲۔ ترجمہ سیّد وزیر جان مشفق ۳۔ ترجمہ و کلام سیّد مصطفےٰ نواب محزوں ۴۔ ترجمہ سیّد مجتبےٰ نواب مجنوں ۵۔ ترجمۂ یاس۔ کئی غزلیں خود یاس کی لکھی ہوئی ہیں۔ ایک کے متعلق ان کا قول ہے کہ علی گڑھ کے مشاعرے میں بتاریخ ۱۰ فروری ۱۹۱۰ء پڑھی گئی۔

"اہل فن کا اتفاق ہے کہ میں نے اس سے بہتر غزل اب تک نہیں کہی۔

تیور بجھے ہیں صبح کے آثار دیکھ کر"۔ ۶۔ ترجمہ سیّد محمد خلیل خلیل مرزا پوری۔
۷۔ غزل شیدا مع اصلاح ۸۔ غزلہائے نصیر مع اصلاحات ۹۔ غزل خلیل
الرحمن وفا۔ ۱۰۔ نہال کا ایک شعر۔ ۱۱۔ شاد کی اک نا مکمل غزل کے ساتھ۔
۱۲۔ مختلف زمین کے تین شعر جو نہ معلوم کس کے ہیں۔ ۱۳۔ (۵) شاد کا
بیان اپنی پنشن کے متعلق۔ (مہدی) فہرست ص ۶۸"۔

اس کے قراین موجود ہیں کہ شعرائے عظیم آباد کے اس غیر مکمل تذکرے کے اوراق بہت دنوں تک شاد عظیم آبادی کے پاس رہے۔ اس کی تکمیل کا کسی کو خیال نہ آیا اور سیّد معین الدین قیس کے شاد و تلامذہ پر مشتمل تذکرۂ گلشن حیات کی ترتیب و اشاعت کے بعد مذکورۂ بالا مُسوّدہ نسیاً منسیا ہو کر رہ گیا۔ حیرت یہ ہے کہ قیس مرحوم کو جو شاد سے بے حد قریب تھے اس مسودے کی اطلاع کیوں کر نہ ہو سکی جب ان کے سارے کاغذات تک ان کی پہنچ تھی۔ شاد کی رحلت (۱۹۲۷ء) کے بعد تذکرے کا یہ مُسوّدہ نواب زادہ سیّد محمد مہدی (محلہ گذری، پٹنہ سٹی) کو ملا جہاں انعقاد نمائش (۱۹۵۹ء) تک ضرور موجود تھا اور ممکن ہے اب بھی ان کے ورثاء کے پاس محفوظ ہو۔

فاطمہ منزل، امیر نشاں روڈ، دودھ پور، علی گڑھ ۲۰ / ستمبر ۱۹۹۹ء

حواشی

(۱) راقم نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ نقوش (لاہور) میں علی حیدر شیدا کو "مادر زاد نابینا" لکھ دیا تھا۔ قاضی عبدالودود صاحب نے گرفت کی کہ وہ مادر زاد نابینا نہ تھے، بینا تھے۔ بعد کو چیچک یا کسی بیماری کی وجہ سے ان کی بصارت جاتی رہی تھی۔ قاضی صاحب کی گفتگو اور ان کے خطوط و مضامین میں اہم نکتے ملتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ تحریر میں کوئی لفظ فاضل نہیں ہونا چاہیے اور جو کچھ لکھا جائے (تحقیقی مضامین ہی میں نہیں تاثراتی تحریروں اور انشائیہ میں بھی) وہ تحقیق کے بغیر نہیں لکھنا چاہیے۔ یہاں یہ نکتہ ہے کہ مجھے، ان کے خیال کے مطابق، اس بات کی تحقیق کر لینی چاہیے تھی کہ شیدا مادر زاد نابینا تھے یا بعد کو نابینا ہو گئے تھے۔ میں نے انھیں بچپن میں برسوں سے نابینا ہی دیکھا اس لیے

مادر زاد نابینا لکھ دیا۔ اب یہ لفظ "مادر زاد" واقعی فاضل تھا جو مجھے لکھنا نہیں چاہیے تھے اس طرح کوئی اعتراض بھی پیدا نہیں ہوتا اور بات حقیقت کے خلاف بھی نہیں ہوتی۔

(۲) نظیر حسن تاریخی نام ۱۲۰۸ھ۔ شاد کے رشتہ داروں میں تھے مذہباً حنفی۔ عطا کاکوی

(۳) اس شعر پر یاس کا حاشیہ ہے "عام طور پر لوگ یہ نہیں جانتے کہ روہبت پھرنا۔ رت پھرنے کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ لکھنؤ کی بعض مستورات سے میں نے خود سنا ہے کہ "بہار کی رُت اب تک نہ پھری"۔ اب رُت پھرنے (یہاں ایک دو لفظ اصل میں ضائع ہوگئے ہیں) فصل بدل جانے کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح اہل لکھنؤ اکثر محاورے بھول گئے اور (یہاں کچھ لفظ ضائع ہوگئے ہیں)"۔

(۴) مرزا یگانہ کو تذکرہ نگاری سے خاص دلچسپی رہی ہے۔ بہار کے فارسی و اردو شعراء پر انھوں نے وقتاً فوقتاً مضامین لکھے ہیں۔ اس موضوع پر رسالہ "صلائے عام" (دہلی) کے لیے جو مضامین انھوں نے لکھے تھے وہ جناب مشفق خواجہ نے رسالہ "اردو" (کراچی) میں شائع کر دیے ہیں۔ رسالہ "نظارہ" (میرٹھ) کے فروری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں جو مضمون یگانہ نے "بعض شعرائے عظیم آباد" کے عنوان سے چھپوایا تھا یہ بقول خواجہ صاحب شعرائے بہار کے تذکرے کا ایک حصہ تھا۔ اس مضمون میں ۴۳ فارسی گو شعرائے بہار کے حالات و اشعار تھے جو تذکرۂ "روز روشن" اور تذکرۂ "معراج الخیال" وغیرہ سے ماخوذ ہیں۔ اسی عنوان "بعض شعرائے بہار" کے تحت یگانہ رسالۂ "خیال" (ہاپوڑ) میں تین قسطوں میں ایک طویل مضمون لکھا جو فروری، مارچ اور اپریل ۱۹۱۹ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اس شعرائے پھلواری کا ذکر ہے جن کے حالات و اشعار مولانا محی الدین تمناؔ عمادی پھلواروی (متوفی ۱۹۷۲ء، کراچی) نے انھیں فراہم کیے تھے۔ (مکتوب جناب مشفق خواجہ بنام راقم الحروف مورخہ ۱۸ اگست ۱۹۸۸ء، ۱۰ فروری ۹۹ء)۔ ان وجوہ کے پیش نظر یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ تذکرۂ تلامذۂ شاد عظیم آبادی کے اصل مرتب مرزا واجد حسین یاس عظیم آبادی (مرزا یگانہ چنگیزی) ہی ہیں۔

(۵) مندرجات میں ایک سے تیرہ تک نمبر قارئین کی آسانی کے لیے راقم الحروف کے ڈالے ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحریر میں نمبر شمار مذکورہ نہیں۔ وہ ان تکلفات کے قائل نہیں تھے۔ اسی طرح وہ شعراء کے تخلص پر کسی قسم کا نشان لگانا فعل عبث سمجھتے تھے۔ وہ شاد تلمیذ الفت حسین فریاد کو "شاد تلمیذ الفت حسین فریاد" لکھتے تھے۔

مکتوبات گوشۂ مختار الدین احمد، بعنوان

علمی مکتوبات

کم و بیش پچاس سال پہلے کے ۲۲۵ علمی مکتوبات،
غالبیات اور دوسرے موضوعات پر

ترتیب و حواشی

ڈاکٹر مختار الدّین احمد

فہرستِ مکتوبات

مکتوبات قاضی عبدالودود بنام مختار الدین احمد

۲۹ جنوری ۴۸ء

بھنور پوکھر، بانکی پور
مکرمی،

میں کل پٹنہ واپس آیا تو علی گڑھ میگزین کا اگست نمبر اور آپ کے تین خط ملے۔ شکریہ۔ میگزین (۱) کے بعض مضامین اچھے ہیں۔

۱۔ غالب کا یہ اعتراض کہ "خلف" نام نہیں ہوسکتا، غلط ہے۔ کتابوں میں اس نام کے بہت سے آدمیوں کا ذکر ہے۔

۲۔ فرہنگ نظام (۲) کا نام میں نے سنا ہے، مگر ابھی اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔

۳۔ آغا احمد علی (۳) کے بارے میں فی الحال میرا کچھ لکھنا مشکل ہے۔ جن کتابوں کے نام آپ نے تحریر کیے ہیں، ان کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں۔ نام اس وقت یاد نہیں آتا۔ حکیم حبیب الرحمٰن مرحوم نے ان سے متعلق ایک مضمون مدت ہوئی لکھا تھا۔ مگر باوجود وعدہ مجھے وہ رسالہ جس میں یہ چھپا تھا نہ بھیج سکے۔ آپ ڈاکٹر عندلیب شادانی سے اس کی نسبت دریافت کریں۔ آغا کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ وہ فارسی کے صرف و نحو اور اس کے ادب سے غالب کے مقابلے میں بہت زیادہ واقفیت رکھتے تھے، لیکن شاعر کی حیثیت سے انھیں کوئی مرتبہ حاصل نہیں۔ مؤید برہان کا سال طبع جو مہر نے لکھا ہے غالباً صحیح ہے۔ قطعی طور پر مؤید کو پھر دیکھنے کے بعد لکھوں گا (۴)

۴۔ جرمن اور فرانسیسی دونوں سیکھنے کے قابل زبانیں ہیں۔ (۵) فرانسیسی نسبتہً آسان ہے۔ چار پانچ مہینوں میں اتنی آجائے گی کہ آپ نثر کی معمولی کتابیں بلا تکلف پڑھنے

لگیں۔ Hugo Self-taught Series منگوا لیجیے، تلفّظ کے لیے کسی ایسے شخص سے مدد لیجیے جو اس زبان سے واقف ہو۔ علی گڑھ میں ایسے بہت لوگ ہوں گے۔

۵۔ مکتوباتِ شاد پر جو مضمون لکھا گیا تھا وہ شخصِ معلوم (۶) نے واپس نہیں کیا۔ کسی دوسرے مضمون کے لیے بھی فی الحال وقت نکالنا مشکل ہے۔ ایک بات اور بھی ہے: میں خود اڈیٹر کی درخواست کے بغیر رسالے کے لیے مضمون نہیں دے سکتا۔

۶۔ ابوالکلام آزاد کی قیادت کے بارے میں سعدی کی رائے سن لیجیے:

کس نیاید بزیر سایۂ بوم ور ہما از جہان شود معدوم

۷۔ غبارِ خاطر ابھی حال میں دیکھی۔ اور باتوں سے قطع نظر مُصنّف صحیح اردو بھی نہیں لکھ سکتا۔

۸۔ میں ابھی سندھ گیا تھا، سات آٹھ ہفتے رہ کر واپس آیا ہوں۔ ہم لوگوں نے وہیں قیام کا فیصلہ کیا ہے، کراچی یا حیدرآباد ان دونوں میں سے کوئی جگہ چُنی جائے گی۔ ہوائی راستہ اب تک خطرات سے خالی ہے۔

۹۔ غالب کے فارسی اشعار کا ایک مجموعہ علی گڑھ میں (۷) ہے۔ غالباً شیفتہ کلکشن میں۔ میں اس کے مندرجات کی تفاصیل چاہتا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ یہ معلوم ہوجانے کے بعد کہ اس میں کیا کیا ہے ممکن ہے میں مزید تفاصیل چاہوں۔ آپ اگر یہ نہ کرسکیں اور کوئی دوسرا شخص اس پر راضی ہو تو اسے معاوضہ بھی دے سکتا ہوں۔ امید ہے کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

(۲)

۲۱ جنوری ۴۹ء
بجنور یوکھر

شفیق مکرّم پ نو فارسی خطوط کا رجسٹری شدہ پیکٹ میں نے چند روز ہوئے بھیج دیا ہے، ملا ہوگا۔ یہ خطوط اور دوسری چیزیں جو میں بھیجوں گا وہ کتابی شکل میں چھپیں گی جیسا کہ میں آپ سے کہہ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس کتاب میں اگر رسالہ، عبدالکریم بتمامہ شامل کر دیا جائے تو بُرا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس کے بعد اردو کا حصّہ مختصر رہے گا۔ یہ میں ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتا۔ یہ اس لیے کہ ابتداء میں وہ صرف تیغ تیز چھپوانا چاہتے تھے، میں نے انھیں مشورہ دیا کہ اس کے ساتھ لطائفِ غیبی اور رسالہ، عبدالکریم بھی رہے۔ وہ غالباً اپنا کام مکمل کرچکے ہیں لیکن کتاب چھپوانے میں ظاہرا ابھی دیر

ہے۔ اس صورت میں اُن کی اجازت کے بغیر نہیں چھپوا سکتا (۸)۔ میں نے ان کی اجازت طلب کی ہے اور لکھا ہے کہ اس کے بعد بھی آپ اپنے مجموعے میں شامل کرسکتے ہیں۔ اس کی اگر اجازت مل گئی تو آپ چھاپیں گے؟ فوراً لکھیں۔ بڑی تقطیع (فولس کیپ سایز) کے صفحے میں میرے پاس ایک نقل مہیش پرشاد صاحب کی بھیجی ہوئی موجود ہے وہی آپ کو بھیج دوں گا۔ نظیر اکبر آبادی کے حالات و کمالات پر جو کتاب شبباز نے لکھی ہے (۹) (دوسرا کارڈ: ذیل میں درج ہے)

(۳)

۲۷ جنوری ۴۹ء

بھنور پوکھر، بانکی پور

شفیقِ مکرّم، تسلیم

آپ کا کارڈ مورخہ ۲۴ جنوری ملا۔ شبباز کی کتاب میں جہاں نظیر کے تلامذہ کا ذکر ہے حکیم غلام رضا خاں کا ایک خط بھی درج ہے۔ اس خط کی نقل اور اس عبارت کی جو اس کے متعلق ہے نقل مطلوب ہے۔ عبدالقادر کے روزنامچے میں قتیل کے متعلق بھی کوئی بات نہ نکلی؟ (۱۰)۔ میں نے اس کے بارے میں آپ سے کہا تھا۔ عبدالقادر اس زمانے میں کلکتے میں تھے جب غالب وہاں گئے تھے اور غالب نے بادِ مخالف کا ایک نسخہ انھیں بھیجا تھا۔ بہت تعجب ہوا کہ غالب کے متعلق ان کے روزنامچوں میں کچھ نہ نکلا۔

رسالہ عبدالکریم شاید نہ بھیج سکوں۔ سب لکھا لکھایا موجود ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے بارے میں، میں نے ڈاکٹر صدیقی صاحب کو لکھا تھا' انھوں نے اس کا جواب نہیں دیا "این ہم کہ جوابی نویسند جواب ست"۔ اب بار بار کیا لکھوں۔ اس رسالے کی نقل بھی ان سے نہیں (ملی) تھی، مہیش پرشاد صاحب نے بھیجی تھی۔ مگر ان سے ایسے تعلقات ہیں کہ میں ان کی مرضی کے خلاف نہیں کرسکتا۔ اور باتیں آئندہ ایک رجسٹرڈ خط میں لکھوں گا۔

(۴)

۹ فروری ۴۹ء

بھنور پوکھر، بانکی پور

شفیقِ مکرّم،

آپ کو ایک رجسٹرڈ خط لکھ چکا ہوں' ملا ہوگا۔ آپ کا کارڈ کل آیا' اس میں عبارت

متعلقہ حال دیبرا سنگھ منقول ہے۔ شکریہ۔ سرِود کی تقریروں کا مجموعہ نہ ملا تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ لیکن کلیاتِ فرخی کا مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں نہ ہونا آپ کے اساتذہ کے اپنے فرائض کی طرف سے مجرمانہ غفلت ہے۔ فرخی کے معاصرین میں بہت کم شعراء کے دواوین ملتے ہیں۔ کس قسم کے لوگ ہیں کہ انھیں آج تک اس اکے ادیوان کی اہمیت کا احساس نہیں ہوا۔

۱۔ تیج بہادر سرِود کی کتاب کا نام معلوم ہو تو لکھیں کسی اور جگہ سے منگوانے کی کوشش کروں گا۔

۲۔ سیر سیّاح اگر وہاں ہو تو بھیج دیجیے۔

۳۔ دیوانِ فغاں حبیب گنج میں ہوگا یا نہیں؟

۴۔ نصرت علی نصرت (مقیمِ کلکتہ) کا حال اگر روزِ روشن اور نگارستانِ سخن میں ہو تو نقل کر کے بھیج دیجیے۔ اشعار کی ضرورت نہیں؟

ڈاکٹر زبیر صدیقی (۱۱) کل ملنے آئے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی غالب نمبر کے لیے مضمون لکھ رہے ہیں، میں نے انھیں لکھا تھا کہ ضرور لکھیں، مختصر ہی کیوں نہ ہو (۱۲)۔

سرِود کی تقریر کہاں سے مل سکے گی؟ اگر کسی کتب فروش کے یہاں ہو تو اسے لکھیے کہ وہ دو کاپی میرے نام وی پی کر دے۔۔۔ اس کی شدید ضرورت ہے۔

(۵)

۴ / ۳ / ۶۹ء

تبصرۂ فرہنگِ غالب میں "یا تھی تو اب ناپید ہے" (۱۳) کے بعد اضافہ پنج آہنگ میں جو قواعدِ صرف دیے ہیں وہ محض مبتدیوں کے لیے ہیں، اور ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

عبدالصمد والے مضمون کا آخری پیراگراف یہ ہے (۱۴)

"عبدالصمد غالب کا زائیدۂ فکر ہے، اور بہت سی باتوں میں غالب کا مماثل ہے، تو کچھ باتیں اس میں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جو غالب میں نہیں ملتیں۔ غالب افراسیابی ہیں تو عبدالصمد دارائی، غالب ہندوستان کے رئیس زادے ہیں تو عبدالصمد ایران کا امیر زادہ، پیشہ در معلم دونوں میں سے کوئی نہیں۔ لیکن تلامذہ کی تربیت سے دونوں میں کسی کو انکار نہیں۔ ساسان ششم کا لقب دونوں کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ ("ساسانِ ششم بہ کاردانی مائیم"

دستنبو کی آخری رباعی کا مصرعِ آخر) ۔ عبدالصمد کی وہ خصوصیات جن سے غالب محروم ہیں وہ ہیں جن کا فقدان غالب بہ شدّت محسوس کرتے تھے : یہ علوم عربیّہ اور منطق و فلسفہ میں دخلِ کلّی (رکھتا) ہے ۔ غالب نے عبدالصمد کی مدح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملائے ، اپنی کتابوں کے پڑھنے والوں کو اس کے وجودِ خارجی کا یقین پیدا کرنے کے لیے حکایتیں وضع کیں ، اور اس کے حوالے سے بہت سے نکات لکھے ۔ لیکن ایک بات ان کے لیے ناممکن تھی ، اور وہ ایسی شخصیت کی تخلیق تھی جس کی ذہنی سطح ان سے بلند تر اور جس کی معلومات ان سے وسیع تر اور صحیح تر ہوں ۔ خود غالب کی ذہنی سطح کیا تھی اور ان کی معلومات کی کیا کیفیت تھی ، ایک دوسرے مقالے سے معلوم ہوگا"۔

سفرنگِ دساتیر مُصنّفہ نجف علی کی تقریظ نوشتۂ غالب کی نقل براہِ کرم بھیج دیں ۔ صاف ہو ۔ سالِ طبعِ کتاب اور عنوانِ تقریظ بھی ، مطبع کا نام بھی ۔ یہ کتاب وہاں ہے (۱۵) ، میں نے منگوائی تھی ۔ یہ بتائیے کہ آپ کا رسالہ کب تک نکلے گا ۔

(۶)

۱۳ / ۳ / ۳۹ء

شفیقِ مکرم

کل ایک رجسٹرڈ پیکٹ بھیج چکا ہوں جس میں نوادرِ غالب (۱۶) کے بعض اجزا ہیں ۔ دل داد خاں کا پتا آگرہ میں مقامی تحقیقات سے چلے تو چلے ، کتابوں سے تو اس کی بالکل امید نہیں (۱۷) ۔ میں نے ان تذکروں سے مُفصّل بحث نہیں کی جو قاطعِ بُرہان کی اشاعت کے (بعد) شائع ہوئے ۔ مجملاً لکھ دیا ہے کہ ان کا بیان قاطع پر مبنی ہے ۔ ہفت آسمان کی عبارت کی بھی ضرورت تھی ۔ آپ نے اچھا کیا کہ اسے بھیج دیا (۱۸) ۔ یہ کتاب غالباً کتب خانۂ "مشرقیہ" میں ہے ۔ ہاں سفرنگِ دساتیر اور دری کشا کے سالِ طبع سے مُطّلع کریں ، ممنون ہوں گا ۔ آپ نے جو کچھ پہلے لکھا ہے وہ بے کار ہے ۔ اس کا پتا نہیں کہ آپ نے دونوں میں سے کس کا سنہ دیا ہے ۔

رضی الدّین نیشاپوری کا بہت مختصر سا قلمی دیوان وہاں ہے ۔ ذرا دیکھیے کہ یہ شعر ہے یا نہیں :

۱۔ چو رسی بطورِ ہمّت ارنی بگو و بگزر — کہ نیرزد ایں تمنّا بجوابِ لن ترانی

اگر ہو تو اس کے ورق کا شمار بتائیے گا ۔

۲۔ ع "کفِ جوادِ ترا از برائے آں دارم" : یہ دارم ہے یا داریم ؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ جس نظم میں یہ شعر ہے وہ قطعہ ہے، قصیدہ ہے، کیا ہے؟ اور اس کا افتتاحی شعر کیا ہے؟

(۷)

۱۸ / مارچ ۴۹ء

سر عبدالقادر سے مضمون مل سکے تو لیجیے۔ میرے مضمون کا یہ عنوان اگر آپ کو بہتر معلوم ہو تو لکھیے "غالب بحیثیت محقق"۔ فارسی کی تخصیص ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ بحث صرف فارسی کی نہیں۔ میری طبیعت ابھی تک ٹھیک نہیں۔ آٹھ دن سے خراب ہے۔ کانفرنس کے کاموں میں بھی شریک نہیں ہوں۔ ہاں ذرا حیدر آباد کے متعلق کوئی کتاب ہو تو اس میں عالم علی خاں کا حال دیکھیے۔ یہ ۱۹۴۸ء میں زندہ تھے۔ عجب نہیں سالار جنگ کے خاندان سے ہوں (۱۹)۔ ان کے متعلق ایک مختصر نوٹ دینا ہے جگہ خالی رکھیے۔ اس کے لیے میں نے ہدایت کی ہے ... انتظام اللہ شہابی صاحب آزردہ پر مصنف میں لکھ چکے ہیں (۲۰)۔ مضامین کی تصحیح اچھی طرح ہو ورنہ لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں گے۔

(۸)

۲۰ / مارچ ۴۹ء

آپ کو پہلے خطوط فارسی بھیجے گئے، اس کے بعد ۱۱ مارچ کو کچھ چیزیں تقریظ اردو اور دیباچے وغیرہ۔ اس کی رسید اب تک نہیں آئی۔ (اس کی فہرست بھی مطلوب ہے)۔ تیسری قسط کل یعنی ۱۹ مارچ کو بھیجی ہے۔ اس میں آپ کو اختیار ہے کہ جہاں چاہیں رکھیں۔ کچھ چیزیں چھوٹ گئیں، آج بھیجتا ہوں۔ ترتیب کا آپ کو اختیار ہے جہاں چاہیں رکھیں۔ یہ دیکھ لیجیے گا کہ مکرر نہ ہوجائیں (۲۱)۔ اگر ابھی کتابت نہ ہوئی ہو تو عنوانات اس طرح لکھوائیں کہ ہر عنوان ایک سطر سے زیادہ نہ لے۔

(۹)

۲۵ / مارچ ۴۹ء

بھنور پوکھر، بانکی پور

شفیقِ مکرم، آپ کا خط مورخہ ۲۱ مارچ ملا۔ اس سے یہ پتا چلا کہ آپ نے آثارِ غالب (ظاہراً آپ نے اسی نام کو ترجیح دی) کہ مندرجات کس ترتیب سے رکھے ہیں، مگر آپ نے یہ نہیں لکھا کہ فارسی خطوط سے جوڑ مل گیا یا نہیں۔ یہ ضروری بات تھی جو آپ نے نہیں لکھی

... اچھا ہے آپ شیرانی مرحوم کے خط کا وہی حصہ دیجیے جس کا تعلق غالب سے ہے (۲۲)۔
عکس والا خط (۲۳) میں نے دیکھا ۱۲۱۸ھ کا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ مُہر ۱۲۳۱ھ کی ہے۔
آپ کی فہرست میں معروف کی غزل نہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بھیجی تھی۔ اگر آپ نے شامل نہیں کیا تو کیوں؟ (۲۴) اس کا جواب فوراً دیجیے۔ اگر یہ غزل آپ کو نہ ملی ہو تو اسے معیار سے لیجیے ۳۰ آخر میں رہ سکتی ہے۔ ہاں، میں آپ کو اس کی اجازت از خود دے دیتا ہوں کہ آپ عبدالصمد پر میرے مضمون کی جگہ عرشی صاحب کا مضمون چھاپیں، لیکن دِقت یہ ہے کہ اس کا مُحقِّق والے مضمون سے گہرا تعلق ہے۔ اگر یہ شایع نہ ہوا تو پھر اس کا ابتدائی حصہ لا حاصل سمجھا جائے گا۔ معاصر نکل رہا ہے، اگر عرشی صاحب راضی ہوں تو اس میں اشاعت کے لیے بھیج دیں، مگر جلد ورنہ آئندہ پرچے میں چھپ نہ سکے گا۔ میں نے اس پرچے کے لیے کچھ نہیں دیا۔ باقی کل۔

(۱۰)

۲۶ / مارچ ۴۹ء
بھنور پوکھر، بانکی پور

شفیقِ مکرّم، کل کے کارڈ کا جواب دیا جا چکا ہے۔ آج دو کارڈ ملے۔

۱۔ اکرام صاحب کی کتاب میں نے نہیں دیکھی، اس لیے مجھے علم نہ تھا کہ اس کے مندرجات کیا ہیں۔ سلام والا شعر اور مرثیے کے ۳ بند حذف کر دیں (۲۵)۔ آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ مرثیے کے ۳ بند مالک رام نے اردو میں چھپوا لیے تھے۔ اردو میں صفیر بلگرامی اور غالب کے نام سے میں نے ایک مضمون لکھا تھا اور اس میں یہ بند آگئے تھے۔ (۲۶) اصل میں جلوہ خضر میں جو غالب سے ملاقات کا حال لکھا ہے وہ سب کا سب نقل کر دیا گیا تھا۔ معروف کے دیوان میں جو اشعار ہیں وہ بھی میں نے اول اول چھاپے تھے (۲۷)۔

۔ ظاہراً آپ نے کتاب کا آغاز فارسی خطوط سے کیا ہے میں یہ چاہتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو اردو سے آغاز کیجیے۔

۳۔ یہ بھی بتائیے کہ پہلا صفحہ جو آپ نے نقل کیا ہے اس کے عنوانات کیا ہیں، کتاب کا نام بھی تو اس صفحے پر ہونا چاہیے، اس کا انتظام کس طرح ہوگا۔ "خطوطِ غالب" یہ عنوان دوسرے عنوانوں سے زیادہ جلی نہ ہونا چاہیے۔

۴۔ آثارِ غالب کے لیے اب کچھ باقی نہیں۔

۶۔ نجف علی خاں کی کتابوں پر جو غالب کی تقریظیں آثارِ غالب میں چھپی ہیں ان میں اغلاطِ طباعت ہوں تو عجب نہیں۔ آپ بہ راہِ مہربانی ایک اغلاط نامہ تیار کر کے جلد از جلد مجھے بھیج دیں۔ اس بارے میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں۔

۷۔ دیوان معروف جو میرے پاس تھا ایک صاحب لے گئے اور پھر واپس نہ ملا۔ آپ ذرا یہ دیکھ کر بتائیں کہ علی بخش خاں اور اُن کی بیٹی کی شادی کہاں ہوئی تھی۔

۸۔ دیوانِ معز فطرت کے نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ لیکن، ایسا نسخہ آج تک نہیں ملا جو کُل کلام پر حاوی ہو۔ اس میں سب سے مُقدّم یہ امر ہے کہ دیوان کے جتنے نسخے مل سکیں دیکھے جائیں۔ ان کی نثر کا ایک مجموعہ بھی ہے اور خطوط دوسری کتابوں میں بھی ملتے ہیں۔ ان چیزوں کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ تذکروں کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ کُل تذکروں کو دیکھنا چاہیے، خواہ وہ بہت بعد ہی کے کیوں نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد کے تذکروں کے کچھ مآخذ ایسے ہوسکتے ہیں جو اب ناپید ہوں یا سہل الحصول نہ ہوں، مزید یہ کہ ایسا کلام ان میں مل سکتا ہے جو دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہ ہو۔ عہدِ عالمگیری کی کتبِ تاریخ کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ میں اجمال سے کام لے رہا ہوں۔ اگر وہ یہ لکھیں کہ ان کے پاس کیا مواد موجود ہے تو میں تفاصیل سے کام لوں۔ اس کے بغیر بہ خوبی ممکن ہے کہ میں ایسی کتابوں کے نام لکھوں جو خود ان کے علم میں ہوں۔

۹۔ ایک کارڈ الگ سے جاتا ہے اس کا تعلّق مالک رام صاحب سے ہے۔

مکتوباتِ مختار الدّین احمد بنام قاضی عبدالودود

(۱)

علی گڑھ

۲/ مئی ۴۸ء

محترمی و معظمی سلام مسنون

آپ کی رجسٹری کل اتوار ہونے کی وجہ سے آج ملی، نامۂ گرامی کا شکریہ۔ وہ تنقید تو آپ میرے ہی لیے رکھ لیں تو بہتر ہے۔ سیّد صاحب (سید سلیمان ندوی، ہمہ دیر معارف) کو کوئی اور چیز دے دیجیے گا۔ یہاں کی طباعت بہت اچھی نہیں لیکن پروف سے پورا اندازہ نہیں ہوسکتا، اگر آپ

چند دن توقّف کریں تو میں اصل مطبوعہ فرمے بھیج دوں۔ ان سے صحیح اندازہ ہوسکے گا۔

غالب کے مکتوبات کے بارے میں آپ کا کوئی خط مجھے نہیں ملا۔ جواب کا مجھے اب تک انتظار ہے۔ میں علی گڑھ میگزین کا غالب نمبر نکالنا چاہتا ہوں۔ اس کی تیاری کے لیے تین مہینے سے زائد کی مدّت مجھے مل جائے گی۔ عام ادبی نمبر نکالنے کے بجائے شاعروں پر خصوصی نمبر نکالنا زیادہ مفید معلوم ہوتا ہے۔ اس میں یکجا بہت مفید معلومات مل جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے آپ کو میں نے لکھا تھا کہ اس سلسلے میں مشورہ دیں کہ کن کن عنوانات پر مضامین لکھوائے جائیں۔ میرے خیال میں یہ شمارہ تین حصوں پر منقسم ہونا چاہیے۔ حالاتِ زندگی، کلام پر تبصرہ اور نوادر و آثار۔ آپ مطّلع فرمائیں کہ آپ کن عنوانات پر مضامین لکھیں گے۔ اگر غالب کی کچھ نایاب تحریریں مل جائیں تو پھر ان کا عکس چھاپنے کو بھی تیار ہوں براہِ کرم اپنے مشوروں سے جلد مطلع کریں۔

والسّلام

آرزو

(۲)

غالب نمبر

مسلم ریلیف سوسائٹی

۵۶، لور چیت پور روڈ، کلکتہ

۸ / ۶ / ۳۸ء

مخدومی سلام مسنون

میں پٹنہ ۲ ماہ رواں کو آیا اور غالباً ۴ کی صبح کو آپ کے یہاں پہنچا۔ ملازم سے معلوم ہوا کہ آپ باہر تشریف لے گئے ہیں۔ اُسی دن شام کو مجھے کلکتہ آنا تھا اس لیے شام کو حاضر نہ ہوسکا۔ آپ کے خطوط مجھے مل گئے تھے اور میں امتحان ختم کر کے لائبریری پہنچا لیکن کچھ زیادہ کام کی باتیں معلوم نہ ہوسکیں۔ شعبۂ مخطوطات کے نگراں رخصت پر تھے، اس لیے شیفتہ گلشن سے استفادہ ممکن نہ ہوا۔ آپ نے جن مطبوعہ فارسی کتابوں کا ذکر کیا ہے تعجب ہے یہاں موجود نہیں۔ تذکرۂ غوثیہ بھی نہیں ملا، گو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے شلف پر ایک بار اسے دیکھا ہے۔ اب یا تو غائب ہے یا سیمنار میں منتقل ہوگیا ہے۔ چوں کہ امتحانات ختم

ہوئے مدّت ہوئی اس لیے یہ سمنار عرصے سے بند ہے۔

دیوانِ معروف دیکھا۔ وہ غزل ۱۱ شعروں کی ہے، مطلع یہ ہے:

جوابِ خط نہیں دیتا نہ دے جواب تو دے — کہ قاصد آکے جو کچھ دے خبر شتاب تو دے

محمود شیرانی کے مضمون کا عنوان ہے "فارسی شاعری اور اس کی قدامت" اور اس میں ... وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ اس کا یہ شمارہ پٹنہ لائبریری میں موجود نہیں۔ یہ مضمون دو قسطوں میں رسالہ سہیل علی گڑھ شمارہ ۱ و شمارہ ۲ (۱۹۲۶ء) میں چھپا ہے۔ پہلا شمارہ یہاں موجود ہے لیکن وہ احسن گلشن میں ہے، وہاں سے ایشو ہونا ممکن نہیں۔

میں ایک ہفتے میں آجاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے غالب نمبر کے لیے کچھ لکھنا شروع کر دیا ہوگا۔ آپ نے جن لوگوں کے نام لکھے تھے انھیں خط لکھ رہا ہوں لیکن حمید احمد خاں کا پتا معلوم نہیں۔ شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پتے بھی مطلوب ہیں۔

احسن گلشن میں بہت اچھی کتابیں دیکھنے میں آئیں:

فہرست مخطوطات نمبر ۱۶ خلاصۂ دیوانِ رند، ۸۹ تذکرۂ شعرا مصنّف نا معلوم

۹۰ دیوانِ درد (فارسی) ۱۳۰ دیوانِ درد (اردو) ۱۳۱ دیوانِ جرأت،

۱۳۵ تذکرۂ گلِ رعنا لچھمی نرائن شفیق ۱۰۵ دیوانِ سعد اللہ گلشن ۲۳۱ تذکرۃ الشعراء دولت شاہ سمرقندی

یہاں دستنبو مطبوعہ بھی موجود ہے لیکن اس وقت کسی کے نام ایشو ہے۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

والسّلام

مختار الدّین

(۳)

حبیب منزل

سیلاؤ، ضلع پٹنہ

۳۰ / ۸ / ۴۸ء

مخدومی سلام مسنون

آج کل خطوطِ غالب مرتبہ مہیش پرشاد زیر مطالعہ ہے۔ ص ۱۳۱ پر واجد علی کا نام ملتا

ہے۔ مُرتب کو اگر اس کا احساس ہے کہ صحیح نام امجد علی ہے تو پھر متن میں واجد علی کیوں رکھا۔ "غالباً" نہیں بلکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ امجد علی سے غالب کی مراد میر امجد علی قلق ہیں جو شفق کے خاص ہم نشینوں اور دوستوں میں معلوم ہوتے ہیں۔ بعض خطوط میں غالب نے ان کا ذکر کیا ہے دیکھیے خطوط نمبر ۳۰۵، ۸، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۷، ۲۰ وغیرہ۔

میں نے غالب کے پندرہ بیس اعزہ کے نام جمع کیے ہیں جو ان کے خاص رشتہ دار تھے جیسے ماں، باپ، بھائی، بہن وغیرہ فہرست میں آپ کو دکھاؤں گا۔ آپ بھی اس کا خیال رکھیں۔ اگر کچھ مزید رشتہ داروں کے نام معلوم ہو سکیں تو اچھا ہے۔ کچھ رشتہ داروں کے نام ملتے ہیں لیکن پتا نہیں چلتا کہ وہ غالب کے دور کے رشتہ دار ہیں یا قریب کے۔ "مرزا عاشق بیگ میرا بھانجا، اس کا بیٹا احمد مرزا" (خطوط غالب ص ۱۶۳)۔ غالب کا ایک بھانجا مرزا عبّاس بیگ ہے جس کی فرمائش پر انھوں نے دعاء الصباح کو نظم کیا تھا۔ یہ عاشور بیگ انھی کے بھائی تو نہیں؟

(خطوط ص ۱۵۰) "ہماری بھاوج صاحبہ یعنی زوجہ میر احمد علی خاں مغفور"

(خطوط ص ۱۶۳) آخری سطر میں مرزا یوسف اور ان کے بچوں کا ذکر ہے، کیا ان کی بی بی بچوں کے نام کہیں ملتے ہیں۔

(خطوط ص ۱۶۲) "فوقِ شعراء حال کے کلام میں نظر نہیں آتا۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

(خطوط ص ۲۴۹) خط ۱۳ کے نیچے تاریخ کیوں درج نہیں۔ متن خط میں دو شنبہ یکم شعبان موجود ہے۔

(خطوط ۳۲۱) دساتیر اور بُرہان کے علاوہ میرے پاس کوئی کتاب نہیں، دساتیر میرا ایمان و حرزِ جان ہے، خط بنام علائی۔ انھی کو لکھتے ہیں "دساتیر میرے پاس نہیں" (ص ۳۲۵) یہ بھی صریح حقیقت سے انحراف کی مثال ہو سکتی ہے۔ لیکن یہ ممکن ہے بعد میں ان کے پاس دساتیر نہ رہی ہو۔ دونوں خطوں کا زمانۂ تحریر متعیّن کرنا چاہیے۔

آثارِ غالب کا جو باب علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں قائم کرنے کا خیال ہے اس کے لیے میں نے سوچا ہے کہ مندرجۂ ذیل تحریرات اگر مل جائیں تو شامل کردوں۔ اپنی رائے سے مطلع فرمائیے اور اس امر سے بھی اطلاع دیکھیے کہ یہ چیزیں کہاں اور کس طرح دستیاب ہو سکیں گی۔

۱۔ مثنوی دمغ الباطل

۲۔ پانچ مختصر فارسی مثنویاں (جو دیوانِ غالب فارسی نسخۂ خدا بخش میں موجود ہیں)

۳۔ فارسی قطعہ جو تذکرۂ غوثیہ میں ہے۔ یہ قطعہ نہ کلیاتِ فارسی میں ہے نہ سبدِ چین میں۔

۴۔ مثنوی دعاء الصباح شائع کردہ عرشی صاحب "نگار"

۵۔ صفیر بلگرامی کے نام غالب کے پانچ خطوط (جلوۂ خضر) ۔ ایک خط "ندیم" گیا میں سید وصی احمد بلگرامی نے شایع کیا ہے۔

۶۔ ایک فارسی خط جو آج کل غالب نمبر میں شایع ہوا ہے۔

۷۔ گل رعنا حصہ اردو کے اشعار (حسرت موہانی نے شرح دیوانِ غالب میں کچھ درج کیے ہیں)۔

۸۔ امراؤ بیگم نے جو خلد آشیاں کو تیسرا عریضہ بھیجا تھا جسے عرشی صاحب نے شایع نہیں کیا ہے (مثل ۲۳۶ صیغہ احباب میں محفوظ ہے)

۹۔ سید وصی احمد بلگرامی کی بیاض کے اشعار

۱۰۔ مکتوب فارسی بنام ولی داد خاں — کتب خانۂ حبیب گنج

جواب میس کے پتے سے دیجیے۔

(۴)

علی گڑھ میگزین

۵۰۔ ایس ایس ویسٹ

سرسید ہال

۲۶ / ۹ / ۴۸ء

مخدومی سلام مسنون

ایک عریضہ حاضر خدمت کر چکا ہوں۔ کل تذکرۂ خوشیہ ایک شلف میں مل گیا۔ غالب سے متعلق دو مقامات پر ذکر ہے اور وہ شیخ محمد اکرام نے (اخیر)تیسرے ایڈیشن میں شایع کر دیا ہے کل ہی دو گھنٹے میں پوری کتاب پڑھ گیا۔ دو مقامات پر غالب کے شعر اور مصرعے نقل کیے ہیں۔ اس کتاب سے کوئی خاص روشنی غالب پر نہیں پڑتی۔ لیکن کتاب بہت دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ آپ فرمائیں تو بھیج دوں۔

شیرانی صاحب کا خط ضرور بھیج دیجیے۔ پتا نہیں مولوی عبدالحق کا کوئی خط آپ کے پاس محفوظ ہے یا نہیں۔ جواب سے جلد مطلع فرمائیں۔

والسلام

مختار الدین

(۵)

۵۰۔ ایس ایس ویسٹ

۲۶ / ۱۰ / ۳۸ء

مخدومی سلام مسنون

پہلے آپ کا رجسٹرڈ خط ملا اس کے بعد دوسرا سادہ خط ملا۔ "عودِ ہندی" اشاعتِ اول روانۂ خدمت ہے۔ آپ کے مضمون کے مطبوعہ فرمے بھیجنے میں دیر اس لیے ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ "عود" مل جائے تو ساتھ ہی روانہ کر دوں۔ اس کا ایک نسخہ یہاں اور تھا اور اس کا سر ورق رنگین (سبز یا سرخ) تھا۔ یہ نسخہ بھی طبعِ اوّل کا ہے اور کوئی فرق نہیں۔ لیکن مہر صاحب نے لکھا ہے کہ اشاعت ۳ رجب کی ہے اس اشاعت میں ۱۰ رجب ہے۔

اردوے معلّٰی کا بھی ایک قدیم مطبوعہ نسخہ یہاں موجود ہے جو " ۳ ماہ ذیقعدہ ۱۲۵۸ھ مطابق ۶ مارچ ۱۸۶۹ء روز مبارک جمعہ کو بساعت سعد چھپ کے تیار ہو گیا" یہ نسخہ سیّد فخر الدین کے زیر اہتمام شائع ہوا ہے۔ آخر میں غلط نامہ درج ہے ۴۶۲ صفحات پر یہ کتاب مکمل ہوئی ہے۔ یہ مجھے اردوے معلّٰی کی اشاعتِ اوّل معلوم ہوتی ہے۔ نسخہ باہر جا سکتا ہے یا نہیں اور کتب خانے سے میں ایشو کرا سکتا ہوں یا نہیں یہ قابلِ دریافت ہے۔ یہ کتاب لٹن لائبریری کی نہیں ایک پرائیوٹ ذخیرے کی ہے۔ بہر کیف اگر آپ لکھیں گے تو میں اسے ایشو کرانے کی کوشش کروں گا۔ آپ کے تفصیلی خط کا شدید انتظار ہے، محمود شیرانی مرحوم کے خط کا بھی' یہ چیزیں جلد بھیج دیجیے۔ میں (میگزین کی) کتابت ختم کرا کے ایک ہفتے کے لیے محرّم کی تعطیلات میں مکان آنا چاہتا ہوں، کب تک؟ یہ ابھی قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

آپ کا

آرزو

(۶)

حبیب منزل

سیلاؤ ضلع پٹنہ

۱۹ / ۱۱ / ۳۸ء

مخدومی سلام مسنون

آپ کی طویل تنقید کی آخری قسط اور آپ کا والا نامہ ملا۔ دلی شکریہ قبول فرمائیں کہ

آپ نے زحمت فرما کر علالت کی حالت میں اپنا خاصا وقت صرف کر کے طویل خط لکھا۔ آپ کا لکھنا ویسے بھی ناگوار نہیں ہوتا پھر میں نے تو خود آپ سے درخواست کی تھی مجھے واقعی ایسی تنقید کی ضرورت بھی تھی۔ آپ اگر رُو بصحت ہوں تو اس سلسلے میں اور کچھ لکھنا چاہتے ہوں تو لکھ بھیجیے۔ ابھی ساری باتیں آپ کے دماغ میں تازہ ہوں گی۔

میں نے پہلے بھی آپ کو اطلاع دی تھی کہ سیر ۔۔۔ کے دو مطبوعہ نسخے علی گڑھ میں محفوظ ہیں۔ دیوان رودکی کے متعلق بعد کو اطلاع دوں گا۔ آپ کے مضمون کی تصحیح اسی نمبر میں شایع کر رہا ہوں۔

میں ۹ ماہ رواں کو بوقتِ شب پٹنہ پہنچا۔ دوسرے دن یہاں اپنے گاؤں چلا آیا۔ اس عجلت میں بھی آپ سے ملنے کے لیے وقت نکال سکتا تھا لیکن وہ ملاقات بہت مختصر ہوتی۔ اس لیے اسے واپسی پر ملتوی کر دیا۔ میں ۱۹ یا ۲۰ کو آؤں گا اور غالب نمبر کے سلسلے میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے اسے اپنے ساتھ میں لے جانا چاہتا ہوں۔ ناسازیِ طبع کی بنا پر کام ادھورا رہ گیا ہے اسے براہ کرم مکمل کر لیجیے بشرطیکہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہو۔

سیّد وزیر الحسن صاحب نے جواب دیا ہو تو مطلع کیجیے گا۔ کلیاتِ نثرِ غالب آپ کو اب تک نہ ملا ہو تو مطلع فرمائیے۔ میں اس کتاب کی پہلی اشاعت جو ایک زمانے میں آپ کے پاس رہ چکی ہے حاضر خدمت کر دوں گا۔

والسّلام

مختار الدّین احمد

(۷)

۵۰، سرسیّد غربی

۱۹/۱/۶۹ء

مخدوم گرامی سلام مسنون

پرسوں آپ کے چار پوسٹ کارڈ اور آج رجسٹری ملی۔ ممنون ہوں کہ آپ نے زحمت فرما کر خطوط فوراً بھیج دیے لیکن یہ تو تعداد میں بہت کم معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے یاد تھا کہ آپ کے پاس تقریباً چالیس خطوط ہیں۔ براہِ کرم اس پر تفصیلی نوٹ لکھ کر بھیجیں۔ میں نے خاصے صفحات سیکشن کے لیے رکھے ہیں۔ کتابت تشفی بخش اور ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔

ڈاکٹر صدیقی ابھی حال میں یہاں آئے تھے، میں ان سے ملنے گیسٹ ہاؤس گیا لیکن وہ ذاکر صاحب کے پاس گئے ہوئے تھے۔ پھر وہ اُسی دن چلے گئے اور میرے لیے ایک رقعہ چھوڑ گئے کہ ایک ہفتے میں وہ مضمون بھیج دیں گے۔ خطوط کی تمہید کے بعد اگر عرشی صاحب والی کتاب پر تنقید بھیج دیں تو بہت بہتر ہو۔ اس کے بعد اور مضامین روانہ فرمائیں۔ یہ خط عجلت میں آپ کے حسب حکم صرف رسید کے طور پر لکھ رہا ہوں۔

والسلام

مختار الدین آرزو

(۸)

۵۰، سر سید غربی
مسلم یونیورسٹی
۲۳ / ۱ / ۴۹ء

مخدومی سلام مسنون

دو کارڈوں میں صرف ایک کارڈ ملا۔ آج بھی انتظار کیا کہ دوسرا گمشدہ کارڈ آجاتا تو ایک ساتھ دونوں کا جواب لکھوں۔ مجبوراً ایک کارڈ کا جواب ہی لکھ رہا ہوں میں رسالہ، عبدالکریم شائع کرنے کو تیار ہوں لیکن آپ سے جو گفتگو ہوئی اس کی ساری باتیں حافظے میں محفوظ نہیں، براہِ کرم انھیں لکھ بھیجیے کہ بعد کو کسی قسم کی غلط فہمی نہ ہو۔ اس بات کا خیال رکھیے گا کہ مجھے پہلے منظوری علی گڑھ میگزین کے نیجر صاحب پھر سنسر صاحب سے لینی ہوتی ہے اور یہ ضرور نہیں کہ یہ اصحاب بھی اس قسم کے علمی مسائل اُسی طرح سوچیں جس طرح ہم سوچتے ہیں۔ میں نے میگزین کے سائز کا فیصلہ کرلیا ہے یہ 8 / 23 x 18 ہوگا یعنی سویرا لاہور کے سائز 16 / 30 x 20 سے طول میں کچھ بڑا ہے۔

صدیقی صاحب اجازت دے دیں تو مجھے مطلع فرمائیے اور رسالے کی نقل بھیج دیجیے۔ مسودہ صاف ہو اور واضح۔ دوسرے مضامین موعودہ بھی جلد روانہ فرمائیے۔ عرشی صاحب نے اپنے دونوں مضامین بھیج دیے ہیں۔ مالک رام صاحب کا مضمون بھی آگیا ہے۔ شہباز کی کتاب یہاں موجود ہے۔ معلوم نہیں آپ کیا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کتاب آپ کو بھیج دوں۔ اس سے کچھ معلومات آپ کو بھیجنے ہیں۔

دقائع عبدالقادر خاں میں غالب کا ایک جگہ بھی ذکر نہیں۔ میں نے بڑی تقطیع کے کوئی ۳۰۰ صفحے پڑھ ڈالے لیکن غالب کا ذکر نہیں ملا۔ بہت افسوس ہوا۔ میں حبیب گنج سے کل واپس آیا۔ غالب کے فارسی خط پر جو وہاں محفوظ ہیں تاریخ ۱۸۰۲ء پڑھی جاتی ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے جب کہ غالب کی مُہر پر ۱۲۳۰ کے اعداد منقوش ہیں۔ یہ خط ۱۸۲۰ء یا اس کے بعد کا ہونا چاہیے۔ میں نے اس کے عکس کا انتظام کر لیا ہے۔

والسلام

مختار الدین

(۹)

۵۰، سرسید غربی
۲۹/۱/۳۹ء

مخدومی سلام مسنون

آپ کا دوسرا گمشدہ کارڈ آج ملا۔ "زندگانیِ بےنظیر" کی مطبوعہ عبارت یہ ہے:
"حکیم غلام رضا خاں دہلوی جن سے مجھ کو فنِ طب میں تلمذ حاصل ہے یہ گویا غالب کے متبنیٰ ہیں۔ اردوے معلّیٰ کے دونوں حصے انھی کے نام بہ نام ہیں۔ چوں کہ یہ بھی مرزا غالب کے حالات سے بہت واقف ہیں، میں نے ان کو بھی اس مسئلۂ تلمذ کے باب میں لکھا، اُن کے یہاں سے یہ مضمون لکھا ہوا آیا۔
"بابت مرزا غالب و نظیر کے جو دریافت فرمایا ہے اس کی مطلق اصلیت نہیں۔ صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا نہ اردو۔ یہ جو مرزا صاحب ہرمزد ثم عبدالصمد کو اپنا اُستاد لکھتے ہیں، اس شخص کا وجود ذہن میں تھا، خارج میں نہ تھا۔ چودہ برس کی عمر میں مرزا صاحب دہلی آئے، پھر یہیں رہے۔ اُس زمانے میں دہلی میں شاہ نصیر کا بہت شُہرہ تھا بلکہ مرزا صاحب کے خسر الٰہی بخش معروف بھی انھی کے شاگرد تھے۔ مرزا صاحب نے اپنا کلام نصیر تک کو تو دکھایا نہیں، مجھے جو اصل حقیقت اس معاملے میں معلوم تھی حوالۂ قلم ہوئی۔" (ص ۲۰۰، ص ۲۰۱)

ممنون ہوں کہ آپ نے علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" کے لیے مضامین لکھنے

شروع کر دیے۔ "غالب بہ حیثیت محقق" والا مضمون لکھنا بے حد ضروری ہے۔ اتفاق ہے کہ آپ کے لکھنے سے پہلے میں جیب گنج ہو آیا تھا۔ وقائع عبدالقادر خاں دیکھی۔ غالب کا کہیں ذکر نہیں۔ دو روز وہاں رہا کچھ اشارات تیار کیے۔ موقع ہوا تو اس کتاب پر ایک مضمون لکھوں گا۔ آپ براہِ کرم بتائیے کہ ان کے تعلقات غالب سے کیا تھے۔ مجھے تو غالب کی تصانیف و خطوط میں کہیں عبدالقادر خاں کا ذکر نہیں ملا۔ ہاں عُودِ ہندی ص ۱۰ میں مخالفین غالب مولوی نعمت علی، کرم حسین بلگرامی کے ساتھ عبدالقادر خاں کا ذکر موجود ہے۔ اگر غالب سے ان کے تعلقات کا پتا چلے تو ان پر میں مضمون لکھ سکتا ہوں اپنے میگزین کے اسی "غالب نمبر" کے لیے غالب کا ایک نقاد یا غالب کا ایک مخالف یا غالب کا ایک معاصر" یا کسی اور عنوان سے لیکن شرط یہ ہے کہ غالب سے تعلقات کا کچھ پتا چلے تاکہ عنوان کا حق ادا ہو۔

والسلام

مختار الدین احمد

(۱۰)

۵۰۔ سر سید غربی

۲۰ / ۲ / ۳۹ء

مخدومی سلام مسنون

مطلوبہ عبارت نقل کرتا ہوں: غالب نے برہان کی تنقید میں قاطع لکھی ہے لیکن اس میں یا کہیں اور انھوں نے مفصل طور پر نہیں لکھا کہ فرہنگ نگاری کے اصول کیا ہیں۔ ان اعتراضات سے جو انھوں نے بُرہان پر کیے ہیں، البتہ کچھ اصول مُستنبط ہوسکتے ہیں۔ فرہنگ کا دیباچہ اس باب میں بالکل خاموش ہے۔ قاطع میں ایران و ہند کی مختلف زبانوں کے نام آئے ہیں۔ یہ سراغ لگانا تھا کہ غالب کے ذہن میں مفہوم متعین ہیں یا نہیں، اور ہیں تو کیا ہیں۔ یہ بحث بھی لا حاصل سمجھی گئی ہے۔ غالب نے کوئی فرہنگ ایسی نہیں لکھی جس میں فرہنگ نگاری کے اصول کی مراعات ضروری سمجھی ہو۔ قادر نامہ نصاب کے طور پر بچوں کے لیے ہے۔ پ کی آہنگ دوم میں محض تھوڑے سے مُفردات و مُرکّبات جمع کر دیے گئے ہیں۔ کتابوں کے آخر میں مشکل لغات کی جو فرہنگیں ہیں ان کا تعلق صرف انھی کتابوں کی لُغات سے ہے۔ صرف و نحو میں بھی ان کی مستقل کتاب نہیں، یا تھی تو اب ناپید ہے۔ اس صورت میں

کسی لغت سے متعلق یا صرف و نحو کے کسی مسئلے کے بارے میں غالب کے یہاں جو کچھ ملتا ہے وہ بیشتر جامعیت سے محروم ہے اور اس کے لیے ان پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ دیباچے میں یہ بتانا تھا کہ زبان سے متعلق غالب کے یہاں جو مباحث ملتے ہیں، ان کی نوعیت کیا ہے۔ یہ بحث بھی دیباچے میں نہیں ملتی۔ غالب کی "لسانیاتی دقیقہ سنجی" کی مدح میں چند سطروں کا قصیدۂ منثور ان فروگزاشتوں کی تلافی نہیں کرسکتا"۔ ص ۲

۱۔ قادر نامہ یہاں لائبریری میں نہیں، بازار میں اب بھی مل جاتا ہے۔ میں نے حال کا چھپا ہوا ایک سستا سا نسخہ رام پور میں خریدا تھا جو پٹنے میں ہے۔ جلوۂ خضر کا نام احسن مارہروی صاحب کی فہرست کتب میں تو ہے لیکن ان کی بہت سی کتابوں کا پتا نہیں۔ متعلقین کے بقول کچھ کتابیں ان کے اعزہ نے واپس لے لی ہیں۔ یہ اب لٹن لائبریری میں نہیں۔

۲۔ صاحبِ عالم کا سالِ وفات قاموس میں بھی وہی ہے۔

۳۔ دیوانِ غالب کا کون سا نسخہ آپ چاہتے ہیں۔ یہاں کوئی قدیم نسخہ نہیں۔ میں نے اپنا مطبوعہ نسخہ جو آپ کو بھیجا ہے وہ غالب کی زندگی کا مطبوعہ ہے۔

آج کے موصولہ کارڈ کی سب ضروری باتوں کا جواب ہوگیا۔

سیرِ سیاح ابھی تک نہیں ملی۔

متفرقاتِ غالب بھیج چکا ہوں۔

دری کشا کی تقریظ بھی ساتھ ہی روانہ کرچکا ہوں۔

وصی بلگرامی صاحب کا پتا کیا ہے؟

آپ منوہر سہائے صاحب سے کچھ اس موضوع پر لکھوائیں تو بڑا اچھا رہے۔ فارسی ادبیات پر ان کا مطالعہ خاصا معلوم ہوتا ہے۔

میرا امتحان ۲ اپریل سے شروع ہو رہا ہے۔

آرزو

(۱۱)

علی گڑھ میگزین

۵ / ۳ / ۶۹ء

مخدومی سلام مسنون

کل ایک رجسٹری اور آج ایک کارڈ ملا۔ "تبصرۂ فرہنگِ غالب" کتابت کے لیے دہلی

میں ایک کاتب کے پاس ہے اس لیے وہ نصف سطر کی عبارت مضمون میں تو نہیں آسکے گی لیکن آخر مضمون میں حواشی میں یہ سطر آجائے گی۔

عبدالصمد والے مضمون کا تتمہ آج مل گیا، شکریہ۔ اگر آپ اجازت دیں تو اس مضمون کا عنوان کچھ اور رکھا جائے۔ میں چاہتا ہوں یہ عنوان ہو: "غالب کا ایک فرضی استاد عبدالصمد"۔ سفرنگِ دساتیر سے تقریظ نقل کر کے آپ کو بھیج چکا ہوں۔ عنوانِ تقریظ دہی ہے جو میں نے نقل کر کے بھیجا ہے۔ سالِ طبع بھی لکھ چکا ہوں۔

میگزین کا غالب نمبر" بہت جلد چھاپنے کا ارادہ ہے۔ کاپیاں اور پروف آپ کو بھیجنے میں خاصا وقت لگے گا لیکن اگر آپ ضروری سمجھتے ہوں تو ضرور بھیجوں گا۔ آپ اپنے مضامین جلد بھیجیں اس میں اب دیر نہ کریں۔ میرا خیال ہے محقق والا مضمون جامع ہو۔ صفحات کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب آپ کے مرسلہ مضامین کی کتابت ہو تو معلوم ہو کہ یہ مضامین کتنے صفحات لیتے ہیں۔ بہر کیف آپ اطمینان سے لکھیے اور ضخامت کی فکر نہ کیجیے۔ لیکن اسے بھیجنے سے پہلے "نوادر" کے اجزا بھیج دیں کہ مضامین کی کتابت ہوتی جائے اور یہ اجزا چھپتے جائیں۔ خطوط پر آپ کے نوٹس ہونے بہت ضروری ہیں۔ یہاں خط مجھے عرشی صاحب چھاپنے کے لیے بھیج چکے ہیں۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایک جگہ جہاں آپ کے تیار کردہ متن میں سوالیہ نشان ہے وہاں عرشی صاحب نے تو وہ مشتبہ لفظ "استعشار" پڑھا ہے۔

ایک بات اور یاد آئی۔ اور اصحاب نے عبدالصمد سے متعلق کچھ نہیں لکھا، معاصرین نے اس کا ذکر کیا۔ لیکن آغا احمد علی نے ہفت آسمان میں جہاں غالب کی مثنویوں کا ذکر کیا ہے وہاں صراحت سے لکھا ہے کہ عبدالصمد ہرمزد کے شاگرد ہیں۔

نگارستان اور روزِ روشن کا کتب خانے میں پتا نہیں چلا اس لیے ... کے متعلق کچھ نہیں لکھ سکتا۔

سیرِ سیاح کتب خانے سے غائب ہے۔ لغت والا مجموعہ فی الحال گم ہے۔ حالانکہ یہ کتابیں میں نے دیکھی ہیں اور یہاں موجود تھیں۔ یہ عکس وزیر الحسن عابدی نے "آج کل" میں شایع کر دیا ہے۔ اس میں ان تمام اصحاب کے نام درج ہیں جن کے عکس اس کتاب میں موجود ہیں۔ اس میں صفیر بلگرامی کا نام نہیں ملا۔ مضمون نگار نے کتاب کے متعلق پوری تفصیل درج کی ہے۔

جلوۂ خضر تو یہاں ٹپٹن لائبریری میں کبھی تھی ہی نہیں اگرچہ احسن مارہروی کے پاس موجود تھی۔ ان کا ذخیرۂ کتب یہاں آگیا ہے لیکن اس میں یہ کتاب موجود نہیں۔

(دوسرا کارڈ)۔ قدر بلگرامی کے نام جو غالب کا خط ہے جس کا عکس میں نے آپ کو بھیجا ہے اس میں اب توجہ کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس کا پورا متن کلیات اور خطوط کی مدد سے تیار کرلیا ہے۔

ولی داد خاں کے خط میں ایک لفظ کرم خوردہ ہے پڑھا نہیں جاتا۔ یہ بتائیے مکتوب السیما کے بارے میں کوئی اطلاع مل سکتی ہے؟ میں نے جو کچھ پتا چلایا ہے وہ ناکافی ہے۔

غالب کی حیات میں یا ان کی وفات کے فوراً بعد دو کتابوں میں عبدالصمد کا ذکر ملتا ہے (۱) مجموعۂ سخن جو کالن براؤننگ کی فرمائش پر ۱۸۰۳ء میں مرتّب :' اس میں ص ۱۱۲ پر درج ہے کہ غالب فارسی میں ایک آتش پرست کے شاگرد تھے۔ (۲) ہفت آسمان مؤلفہ آغا احمد علی میں یہ عبارت ملتی ہے۔ "تخلّص غالب عرف مرزا نوشہ اکبر آبادی المولد دہلوی المسکن شاگرد میرزا عبدالصمد اصفہانی کہ پیشتر ہرمز نام داشتہ۔ قوتِ طبع و قدرتِ سخن گزاری نظماً و نثراً او را مُسلّم است بلکہ بیشتر نثرِ اُو دلرباتر ... حالِ سخندانی اُو سیما کیفیت قاطع بُرہانِ اُو کہ پیشتر درفشِ کاویانی خطابش کردہ وہم چنین جوہر تیغ تیز اُو از مطالعۂ جوابہای آں خصوصاً مؤیدِ برہان، و شمشیر تیز تر بر تماشای سخن عالیست ... آنچہ از اعتراض و اصلاح بدیں شعر" خوک شد لاح در مؤید برہان ص ۲۴۲ مرقوم گشتہ، فلا نکررہ"۔

ان دونوں کے اقوال یقیناً آپ کے علم میں ہوں گے، لیکن میں نے یہاں یہ عبارت اس لیے نقل کر دی کہ غالب کی فارسی دانی کے متعلق آغا کی رائے معلوم۔

کل آپ کا کارڈ ملا۔ براہِ کرم کتاب والے اجزاء جلد بھیج دیجیے۔ میرا امتحان ۹ اپریل سے شروع ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں ساری چیزیں پریس چھپنے کے لیے بھیج دوں تو نسبتہً مجھے سکون حاصل ہو جائے۔

عرشی صاحب کا بھی ایک مضمون آیا تھا غالب کی تعلیم پر۔ اس میں عبدالصمد کا مسئلہ چھیڑ دیا ہے انھوں نے۔ لیکن آپ کے مضمون کے بعد اسے شایع کرنے میں اکثر باتیں مکرّر ہو جائیں گی۔

والسلام

آرزو

(۱۴)

علی گڑھ

۱۴ / ۱۰ / ۳۹ء

مخدومی سلام مسنون

پچھلا خط میں نے عجلت میں لکھا تھا اور قلم بھی کچھ ایسا تھا کہ آپ کو میرے خط کے پڑھنے میں زحمت ہوئی۔ عفو خواہ ہوں۔

۱۔ اس ایک سطر کا اضافہ تبصرے میں ہو جائے گا۔

۲۔ سفرنگ سے متعلق بھول ہو گئی تھی۔ میں نے اسے دری کشا سمجھ کر جواب دیا تھا۔ غلط فہمی یوں ہوئی کہ آپ نے اپنے خط میں لکھا۔ "سفرنگِ دساتیر کی تقریظ رہ گئی"۔ آپ کا مطلب کچھ اور تھا۔ میں نے کچھ اور سمجھا۔

۳۔ غالب کے ترجمے میں اب اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔ کام کی جو بات آغا احمد علی نے لکھی تھی وہ میں نے آپ کو بھیج دی ہے۔ یہ تحریر ۱۸۶۳ء کی ہے۔

۴۔ آفاق دہلوی کا پتا معلوم نہ ہوسکا۔

۵۔ "محقق" والے مضمون میں خط والی ترکیب مجھے پسند نہیں۔ لیکن آپ یہ مضمون لکھیں ضرور۔ صفحات کا کچھ اندازہ ہو جاتا تو مجھے آسانی ہوتی۔ بہرکیف آپ مضمون لکھنا شروع کر دیں۔ آپ کی تحریریں ویسے بھی مختصر ہوتی ہیں لیکن اختصار کے خیال میں ایسا نہ ہو کہ کوئی اہم بات لکھنے سے رہ جائے۔ آپ نے نوادر کا حصہ مرتب کر لیا ہو تو بھیج دیجیے۔ میں نے جو کچھ مرتب کیا ہے اس کی کتابت ہو گئی۔ اس میں میں نے بہت سی تحریراتِ نظم و نثر جمع کر دی ہیں۔ کچھ شایع شدہ چیزیں بھی آگئی ہیں لیکن افادیت کے مدِ نظر سے ہیں اور اس خیال سے کہ وہ سب محفوظ ہو جائیں، ایک جگہ جمع کر لیا ہے۔ لیکن اگر اس شمارے میں گنجایش نہ رہی تو بہت سی تحریریں نکال دینی پڑیں گی۔

دیوانِ غالب فارسی (نسخۂ خدا بخش) پر غالب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو تحریروں کا عکس بھی شایع کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پروفیسر سید حسن عسکری صاحب کو زحمت دی ہے کہ وہ بعض صفحوں کے عکس مجھے بھیج دیں۔ ابھی ان کا جواب نہیں آیا ہے۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

والسلام

مختار الدین احمد

علی گڑھ

۲۳ / ۳ / ۳۹ء

مخدومی سلام مسنون

آثارِ غالب کی جو ترتیب میں نے رکھی ہے وہ حسب ذیل ہے اگر کوئی بات اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہو تو مطلع فرمائیے ورنہ بعد کو دقت ہوگی۔

فارسی مکتوبات:

فارسی نثر:

(۱) تقریظِ قاطعِ برہان

تقریظِ سفرنگِ دساتیر

تقریظِ دری کشا

اردو نثر:

(۱) دیباچۂ لطائفِ غیبی

دیباچۂ تیغ تیز

ایک استفتاء

مکتوب اردو

دو فارسی شعروں کے مطالب

فارسی نظم:

نامۂ منظوم بنام جوہر

تین معمے

رباعی

فردیات

اردو نظم:

اشتہار پنج آہنگ

ہجو سعادت علی

فردیات

(۱۴)

علی گڑھ میگزین
مسلم یونیورسٹی
علی گڑھ

اڈیٹر
مختار الدین آرزو
بی۔ اے (علیگ)

۱۲/ ۳/ ۳۹ء

مخدوم گرامی سلام مسنون

آپ کی مرسلہ رجسٹری ملی اور آج ہی آپ کا کارڈ موصول ہوا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ پہلے رجسٹری کا جواب عرض کروں پھر دوسرے امور کا۔

آپ کے گرامی نامے کا پہلا پیراگراف جس انداز میں لکھا گیا ہے، اگر اس انداز میں نہ بھی لکھا جاتا تب بھی شاید مقصد فوت نہ ہوتا اور میں اس کی اہمیت اچھی طرح سمجھتا۔ آپ کو تعجب ہوا کہ ایسی معقول باتوں کو ماننے میں یہاں کے لوگوں کو کیا عذر ہوسکتا ہے (۳۸)۔ اب میں کیا بتاؤں کہ کبھی بعض لوگ معقول بات بھی ماننے کو تیار نہیں ہوتے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ سینکڑوں نا معقول باتیں کر جائیے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بہرکیف مطمئن رہیں اپنی سی کوشش کروں گا۔

۲۔ آثارِ غالب شیخ محمدؐ اکرام کی کتاب کے دوسرے اڈیشن کے اس حصے کا نام ہے جس میں انتخابِ اشعارِ اردو و فارسی ہے۔ آپ کے مجموعے کا نام کہیے تو "نوادرِ غالب" رکھ دوں (۳۹)۔

۳۔ آپ کے تینوں مضامین (۴۰) کے کچھ ری پرنٹ میں آپ کو ضرور دوں گا۔ یہ معاملہ بالکل میرے اختیار کا ہے۔ اس میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ ں پندرہ یا جتنے نسخے کہیے فاضل چھپوا لوں۔ لیکن آپ براہِ کرم اپنے مضامین جلد از جلد بھیجیں، رسالے کی کتابت شروع ہو گئی ہے۔ غالب کے مرسلہ خطوط فارسی ۱۸ صفحوں میں آئے ہیں۔

۴۔ شیخ محمد اکرام کی کتاب میں سراپا سخن، تذکرۂ خوب چند ذکا اور تذکرۂ سرور سے غالب کے اشعار درج کیے گئے ہیں۔ تذکرۂ سرور سے ۱۳ اور عیار الشعراء سے ۲ شعر لیے گئے ہیں۔

۵۔ میمن صاحب کو ہندوستان کے سیاسی انقلاب اور علی گڑھ کے مقامی حالات نے مایوس اور افسردہ بنا دیا ہے۔ آپ یہ کیجیے کہ ایک خط انھیں خود لکھیں، میں ان کے پاس اکثر آتا جاتا رہتا ہوں۔ وہ مجھ سے آپ کے خط کا ضرور تذکرہ کریں گے۔ میں اصرار کر کے

جواب لکھوانے کی کوشش کروں گا۔ ان کا حال یہ ہے کہ وہ اگر موڈ میں ہوتے تو وہ موضوع پر اس تفصیل سے بتانا شروع کر دیں گے کہ انھیں سنبھالنا اور یاد رکھنا مشکل ہوجائے گا۔ وہ لکھ کر بھیجنے کا تکلف نہیں کریں گے۔ میں کوشش کروں گا کہ جو کچھ وہ کہیں میں آپ کو لکھ کر بھیج دوں۔

۶۔ مجھے اس بات کا علم ہے کہ بمبئی میں تذکرۂ مخزنِ شعراء (۳۱) کا وہ قلمی نسخہ ہے جس پر غالب کے ہاتھ کی تحریر کردہ تقریظ ہے۔ اس کی اہمیت و ندرت کی بناء پر میں نے اس کا عکس میگزین کے غالب نمبر کے لیے حاصل کرنا چاہا۔ نجیب اشرف ندوی صاحب اور ایک اور صاحب (۳۲) کو خط لکھا ہے۔ اگر عکس حاصل ہوگیا تو اس کی اشاعت مفید ہوگی۔ یہ تقریظ مطبوعہ کتاب شائع کردہ انجمن ترقی اردو سے میں نے نقل کرلیا ہے۔ وہ اس وقت کاغذات میں کہیں گم ہے۔ بعد کو آپ کو بھیج دوں گا۔

۷۔ عبدالقادر خاں والا لطیفہ کون سا ہے؟ وہی بھینس اور انڈے والا؟ (۳۳)

۸۔ قدسی (۳۴) کی غزل پر جن حضرات نے مخمّس لکھے ہیں ان کا مجموعہ یہاں احسن گلگشن میں موجود ہے اور میں نے اس کی نقل بھی لے لی ہے۔ کتاب کا نام "حدیث قدسی" ہے۔ مُرتب محمّد عمر ساکن دہلی ہیں۔ یہ ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں شہزادوں اور سلاطین زادوں کے علاوہ متعدّد شعراء کے مخمّسات ملتے ہیں۔ میر مہدی مجروح، مرزا رحیم بیگ (مؤلف ساطعِ برہان) بدر الدّین (غالب کے مُہر کَن) کے لکھے ہوئے مخمّسات بھی ملتے ہیں۔ میں نے اس کتاب سے نوٹس لے لیے ہیں۔ لیکن اسی عرصے میں سیّد وزیر الحسن عابدی صاحب نے رسالۂ ۳جکل (۱۵ فروری ۱۹۳۰ء) کے شمارے میں غالب کی یہ تضمین شائع کر دی ہے۔ یہ مخمّس اب میں آپ کے زیر ترتیب مجموعے میں شامل کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے علاوہ انھوں نے غالب کی ترک مے نوشی پر ایک فارسی قطعہ "سُبدِ باغِ دو در" سے نقل کر کے چھاپا ہے۔ ان کے بیان کے مطابق یہ قطعہ ان کی آخری نگارش ہے۔ یہ قطعہ ۲۳ نومبر ۱۸۶۸ء کی شب کو لکھا گیا ہے۔

۹۔ کیا آپ کی مراد مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) سے ہے۔ ان کے حالات میرے ایک کرم فرما عبدالشاہد خاں شروانی نے ایک کتاب (۳۵) میں لکھے ہیں اور ان کے عربی قصیدے کا جو انھوں نے جزیرہ انڈمان میں تحریر فرمایا تھا، اردو ترجمہ کیا

ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس ترجمے پر مولانا ابوالکلام نے نظرثانی کی ہے۔

۱۰۔ رسالہ عبدالکریم شائع ہوجاتا تو اچھا تھا۔ پتا نہیں وہ (۴۶) کب شائع کریں اور شائع کریں بھی یا نہیں۔ لیکن آپ نے تو انھیں لکھ دیا۔ اب کیا ہو!

۱۱۔ میں دورانِ قیامِ حبیب گنج زیادہ تر توجہ صرف دو کتابوں پر مرکوز کرسکا۔ وقائع عبدالقادر خانی اور سیّد صاحبِ عالم مارہروی (معاصرِ غالب) کا روزنامچہ دیکھتا رہا۔ لیکن کتب خانے کی فہرستیں عربی و فارسی و اردو مخطوطات و مطبوعات کی کئی بار پڑھیں، مختلف کتابیں منگوا کر دیکھیں بھی۔ بعض اہم مخطوطات کے نمبر اور ضروری معلومات اپنی نوٹ بک میں درج بھی کرلیے۔ مجھے ۹۹ فیصدی یقین ہے کہ دیوانِ فغاں عظیم آبادی وہاں موجود نہیں۔ آپ کو کسی نے غلط اطلاع دے دی ہے۔ ہاں کلیاتِ طالب علی خاں عیشی موجود ہے، مصحفی کے دیوانِ چہارم کا ایک نسخہ بھی وہاں موجود ہے۔ تحفۂ سامی اور تذکرۂ مخزن الغرائب بھی وہاں دیکھنے میں آیا۔ اردو شعرا میں ولی، سودا، بیدار، خواجہ میر درد، جرأت، ہوس، میر حسن، الٰہی بخش معروف اور احسن اللہ بیان دہلوی کے دواوین بھی وہاں موجود ہیں۔

۱۲۔ صاحبِ عالم مارہروی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک بیاض میں عبدالنبی خاں وکیلِ شاہِ ایران در کلکتہ کے شعر بھی ملے ہیں؛ یہ کون ہیں؟ ایک دوسری بیاض میں غالب کے نام تین شعر دستیاب ہوئے ہیں، یہ مطبوعہ تو نہیں (۴۷)۔

دل دیوانۂ دارم کہ خاموش ست تقریرش	برنگِ زلفِ خوباں بر صدا افتادہ زنجیرش
گزر از کوچہ ہای تنگ کے صاحب دماغاں را	نمی آید بروں از خانۂ نقاش تصویرش
روزِ محشر غبارِ تربتِ ما	دامنِ بوتراب می خواہد

۱۳۔ صاحبِ عالم کا روزنامچہ فارسی میں ہے۔ بعض مقامات پر مومن و ذوق اور بعض دوسرے غیر معروف شاعروں کی غزلیں مل جاتی ہیں لیکن تحریر اس قدر بد خط اور شکستہ ہے کہ اگر غالب جیسے نفیس مزاج شخص کو ان کے خطوط پڑھنے میں زحمت ہوتی تھی تو یہ غلط نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ روزنامچے کی چار سطریں صحیح پڑھنی مشکل ہوجاتی ہیں۔ حبیب گنج میں جو روزنامچہ ہے وہ ۲۱ مارچ ۱۸۵۳ء، ۱۰ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ سے شروع ہو کر ۲ اکتوبر ۱۸۵۳ء، ۲۷ ذوالحجہ ۱۲۶۹ھ پر ختم ہوتا ہے۔

اس روزنامچے کی ایک جلد یہاں بلٹن لائبریری میں بھی ہے ۔ اسے میں نے ڈھونڈھ نکالا ہے ۔ پوری لائبریری کو یہ پتا نہیں کہ یہ کیا چیز ہے ۔ یہ ۱۸۵۲ء یا ۱۸۵۴ء کا روزنامچہ ہے ۔ میں نے سرسری طور پر کوشش کی کہ اس روزنامچے میں غالب کے سلسلے میں کچھ معلومات مل سکیں لیکن کامیابی نہیں ہوئی ۔ ہاں ایک دو غزلیں ملی ہیں لیکن یہ مُتداول ہیں دیوان سے مقابلہ کر کے دیکھوں گا کہ قراءتوں میں کہیں اختلاف تو نہیں ۔ سُنا ہے اس کی کچھ جلدیں مارہرہ میں محفوظ ہیں ۔ اس روزنامچے پر کام کرنا بے حد مفید ہوگا۔ اس کا اگر گہرا مطالعہ کیا جائے تو اس عہد کے ادبی و معاشرتی حالات پر روشنی پڑ سکتی ہے ۔

۱۴۔ " وقائع عبدالقادر خانی " کا مطالعہ میں نے خاصی توجہ سے کیا ہے ۔ افسوس کہ ساڑھے تین سو صفحات پڑھنے کے بعد بھی غالب سے متعلق کوئی اطلاع نہ مل سکی ۔ دو مقامات پر اسد اللہ خاں مرحوم کا ذکر ہے ۔ یہ اسد اللہ مرزا غالب نہیں ۔ ایک دوسرے بزرگ ہیں ۔ جن کا ذکر اس عہد کے تذکروں میں ملتا ہے ۔

۱۵۔ غالب اور مؤلف کی کلکتہ میں ملاقات مستبعد ہے ۔ گو بعض اصحاب اس کے قائل ہیں اور آپ نے بھی اپنے خطوط میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ یہ صحیح نہیں (۳۸) ۔ عبدالقادر خاں ، غالب کے کلکتہ جانے سے بہت پہلے بنگال گئے تھے ۔ غالب ۴ شعبان ۱۲۴۳ھ (۱۲ فروری ۱۸۲۸ء) کو کلکتہ پہنچے ہیں اور ۳ جمادی الاول ۱۲۴۵ھ کو واپس آئے ہیں جب کہ عبدالقادر ۱۲۲۵ھ کے لگ بھگ بنگال پہنچے اور ۱۲۳۰ھ کو واپس آئے ۔ اس لیے وہاں ان دونوں کی ملاقات کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اب یہ کہ عبدالقادر خاں دوبارہ کلکتہ گئے ہوں تو نہ وقائع میں اس کا ذکر ملتا ہے اور نہ کسی اور ذریعے سے اس کی تائید ہوتی ہے ۔

انھوں نے مالدہ اور ڈھاکا کا بھی سفر کیا تھا ۔ انھوں نے وہاں کے کوائف لکھے ہیں ۔ وہ واپسی میں ۱۲۲۹ھ میں کشتی سے عظیم آباد پہنچے تھے ۔ انھوں نے وہاں ایک دن قیام کیا وہاں کے ایک درویش شاہ حمزہ کا انھوں نے ذکر کیا ہے جنھیں وہ ڈھاکا میں بھی دیکھ چکے تھے ۔ لکھا ہے کہ وہ بھنگ کے عادی تھے جس کی خشکی نے ان کا دماغ تباہ کر رکھا تھا ۔ وہ " کلماتِ پریشان " بولتے رہتے تھے ، نادان لوگ ان کلمات کو رموز و معارف سمجھتے تھے ، انھوں نے ایک اور بزرگ تکیہ شاہ سے بھی ملاقات کی تھی اور کچھ حالات ان کے بھی وقائع میں درج کیے ہیں۔ وہاں سے وہ بنارس پہنچے جہاں انھوں نے بیس دن قیام کیا۔ وہاں سے نواب سعادت علی خاں

کے زمانے میں لکھنؤ وارد ہوئے وہاں کے میر عبد العلی، حکیم مرزا علی اور امیر خاں کا انھوں نے ذکر کیا ہے۔ لکھا ہے کہ اردو کے مشہور شاعر میر انشاء اللہ خاں انشا دہلوی ان سے ملنے ان کے مُستقر پر پہنچے۔ انشا کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ اگرچہ وہ شعر و شاعری میں شہرت رکھتے ہیں لیکن بندے کے خیال میں انھیں "فنِ ہم نشینی" میں پوری دسترس حاصل ہے۔ وقائع میں میر جعفر کے یہاں کے ایک مشاعرے کا ذکر ملتا ہے جہاں قتیل، مصحفی، نصیر دہلوی، اور ناں موجود تھے۔ وہ ایک دن مصحفی سے ملنے ان کے گھر گئے، دیکھا کہ وہ کچھ لوگوں کو درس دے رہے ہیں، تلامذہ کے اشعار پر اصلاح کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ایک عجیب و غریب اطلاع مصحفی کے وطن کے بارے میں انھوں نے دی ہے جس کا مجھے علم نہ تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ مصحفی کا وطن اکبر پور ہے۔ مصحفی نے خود عبدالقادر خاں سے بیان کیا کہ ان کا مولد بلم گڑھ متصل شاہجہاں آباد ہے۔ دہلی کے کچھ شعراء کا ذکر ملتا ہے، قتیل کے سلسلے میں کوئی خاص اطلاع نہیں ملی۔ نہ لکھنؤ کے شعراء کے بارے میں انھوں نے کچھ لکھا اور نہ وہاں کے مشاعرے کے حالات انھوں نے درج کیے ہیں۔ اس عہد کی معاشرت و سیاست پر لکھنا بھی انھوں نے ضروری نہیں سمجھا۔ ممکن ہے کچھ کوائف استطراداً کہیں آگئے ہوں۔

عبدالقادر خاں غمگین کے سلسلے میں کچھ اور معلومات حاصل ہوجائیں تو میں ان شاء اللہ ان کے بارے میں ایک مضمون لکھوں گا۔ مجھے ان کے بہت سے فارسی و اردو اشعار ملے ہیں جو میں نے نقل کرلیے ہیں، پٹنہ آؤں گا تو آپ کو دکھاؤں گا۔

۱۶۔ یہاں دیوان ذکی دہلوی (۴۹) کا ایک نسخہ ہے لیکن وہ ناقص الآخر ہے، اس لیے غالب کی تقریظ نہیں ملی۔ لٹن لائبریری میں اور کوئی نسخہ نہیں۔ بحر (۵۰) کا دیوان بھی موجود نہیں۔ علی گڑھ میں سر شاہ سلیمان کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابوں کا خاصا ذخیرہ موجود ہے لیکن ان میں کسی کتاب کا ڈھونڈنا آسان نہیں، اس لیے کہ ابھی باضابطہ ان کی فہرست سازی نہیں ہوئی ہے۔ پھر بھی تلاش سے کلیات ذکی (۵۱) کا ایک نسخہ ملا۔ یہ مہدی علی خاں ذکی کا کلیات ہے، نول کشور نے شائع کیا ہے، صفحات ۳۵۴۔ آخر میں مولوی زین العابدین خاں صاحب کی تقریظ ہے، اس میں غالب کی کوئی تقریظ نہیں۔

۱۷۔ آپ نے بحر (۵۲) کے شعر کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ مطلوبہ غزل "دیوان بحر" ص ۳۵۴ کے حاشیے پر درج ہے، یہ غزل کا چھٹا شعر ہے:

کسی کا ہم نے یہ عالم نہیں دیکھا نکھرنے میں　　نہاتا ہے وہ گل کوثر میں کپڑے حور دھوتی ہے

۱۸۔ علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" کے لیے تلامذۂ غالب پر اب تک کوئی مضمون نہیں آیا۔ میں سیاح یا علی مردان خاں رعنا پر لکھنا چاہتا ہوں۔ "سیرِ سیاح" (۵۲) مل گئی ہے لیکن اس میں کچھ زیادہ معلومات نہیں ملتے۔ رعنا کا ذکر کہاں کہاں ملے گا؟ دیوان کا میں نے بالاستیعاب مطالعہ کرلیا ہے۔ صفیر بلگرامی پر بھی لکھ سکتا ہوں لیکن اس میں ایسی باتیں بھی آجائیں گی جن سے معتقدینِ صفیر خوش نہیں ہوں گے اور جواب اور جواب الجواب کا سلسلہ نہ شروع ہوجائے۔ اس سے بچنا چاہتا ہوں۔

کچھ مضامین چاہتا ہوں کہ معاصرین پر بھی ہوں۔ میں چیف عبدالقادر خاں یا آغا احمد علی پر مضمون لکھ سکتا ہوں اگر آپ حالات کے لیے اہم مصادر کی نشاندہی کریں تو خوب ہو۔ ان کی تصانیف پر میرے پاس معلومات ہیں۔ اوّل الذکر زیادہ اہم ہیں ان پر اب تک کسی نے نہیں لکھا ہے۔

۱۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کچھ غالب پر لکھنے کو تیار ہوگئے ہیں۔ مجھ سے موضوع پوچھتے ہیں۔ ان کی ضعیف العمری کا خیال رکھتے ہوئے کوئی ایسا موضوع تجویز کیجیے کہ وہ اس پر بآسانی لکھ سکیں اور مضمون بھی مفید ہو۔

اسی طرح مولانا ابوالکلام بھی ممکن ہے کچھ لکھ دیں۔ عبدالشاہد خاں شروانی ان کے معتقدوں بلکہ پرستاروں میں ہیں۔ ان کے ذریعے کوشش کر رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ بُرہانِ قاطع کے ہنگاموں کے سلسلے میں کوئی مختصر سی تحریر لکھ دیں۔ اس موضوع سے ان کی دلچسپی ہے۔ وہ یہاں ۲۰ اپریل کو تقسیم اسناد کے جلسے میں شرکت کے لیے آ رہے ہیں۔ وہ صدر یار جنگ کے ساتھ "حبیب منزل" میں قیام کریں گے۔ شاہد صاحب ان سے ملاقات کرانے کا وعدہ کرتے ہیں۔

۔ آپ کو لکھ چکا ہوں کہ غالب کے نوادر کی تلاش جاری ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی سے کچھ چیزیں مل جائیں گی۔ آپ کے علم میں غالب کے کچھ غیر مطبوعہ خطوط یا ان کی غیر شائع شدہ تحریریں ہوں جن کے عکس شائع کیے جاسکیں تو ضرور اطلاع دیجیے۔ حبیب گنج کے کتب خانے میں ان کے قلم کا جو فارسی خط ہے اس کا عکس میں نے حاصل کرلیا ہے۔ اس کی کاپی ارسال خدمت ہے۔ ایک اشکال ہے جو کوئی حل نہیں کرتا۔ اس خط میں تاریخ تحریر ۱۸۰۲ء درج ہے۔ یہ کیوں کر ممکن ہے۔ میرزا پانچ سات کی عمر میں تو ایسا خط لکھنے سے رہے۔ پھر اس خط پر مُہر ۱۲۳۱ھ کی ثبت ہے۔ ظاہر ہے خط اس

کے بعد کا ہے۔ نواب صدر یار جنگ سے گفتگو ہوئی۔ انھوں نے فرمایا خط ممکن ہے ۱۸۳۰ء کا ہو۔ مُہر بنانے والے نے صفر کا نشان غلط جگہ لگا دیا ہو۔ ادب مانع تردید ہوا۔ میں نے یہ عرض نہیں کیا کہ ایسی غلط مُہر مرزا کبھی قبول نہیں کرتے، نہ بدر الدّین جیسے دلی کے مشہور مُہر کن ایسی فاش غلطی کرتے۔ یہ تو معلوم ہے کہ مرزا اپنی اور دوسروں کی مُہریں انھی سے کندہ کراتے تھے۔ پھر ایک قانونی دستاویز جس پر غلط تاریخ پڑی ہو کوئی کاروباری کس طرح قبول کرسکتا ہے۔ میں نے ایک ملاقات میں آپ سے کہا تھا کہ صدر یار جنگ کے پاس یہ دستاویز، جو اپنی والدہ کی طرف سے غالب نے لکھی ہے، عبدالوحید خاں صاحب سے ملی ہے جو خداداد خاں اور ولی داد خاں کے عزیزوں میں ہیں۔ یہ حضرات آگرے میں غالب کے پڑوسی تھے اور مہاجنی کا کاروبار کرتے تھے۔ ملحوظ رہے کہ یہ تحریر غالب کے خاندان سے نہیں اُس خاندان سے ملی ہے جو روپے قرض دینے کا کاروبار کرتے تھے۔ ان لوگوں نے ناقص دستاویز کس طرح قبول کی۔ غالب کا یہ خط اُس دور کا ہے جب ان کی والدہ عزت النسا بیگم زندہ تھیں اس وقت غالب کی عمر اُنتیس تیس کی ہونی چاہیے۔ یہ خط ۱۸۱۳ء یا ۱۸۲۴ء کا ہونا چاہیے۔ آپ براہِ کرم اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔ میرے خیال میں ۱۸۲۴ء زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ مالک رام صاحب ۱۸۳۰ء کے مؤید ہیں (۵۴)۔ مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے۔

۲۔ پرسوں ڈاکٹر صدیقی یہاں تشریف لائے ہیں۔ کل شام کو میں نے اپنے کمرے پر انھیں چائے پر مدعو کیا تھا۔ چند اور اصحاب کو بھی بلالیا تھا۔ تین چار گھنٹے صحبت رہی۔ اب ڈاکٹر صاحب بھی، مولوی عبدالحق ہوتے جا رہے ہیں۔ باتیں بھولنے لگے ہیں۔ غالب ان کا خاص موضوع ہے، لیکن اس کے متعلق جتنی معلومات ان کے حافظے میں مُستحضر ہونی چاہییں نہیں ہیں۔ خود انھوں نے جو کچھ لکھا ہے بسا اوقات وہ بھی اب انھیں یاد نہیں۔ میں نے غالب کا وہ اصل خط جو ایک نواب صاحب سے حاصل کیا ہے (۵۵) اور جو غالب نے مرزا یوسف علی خاں عزیز کو لکھا ہے۔ انھیں دکھایا یہ خطوطِ غالب مُرتبہ مہیش پرشاد میں موجود ہے۔ اسے وہ غور سے دیکھتے رہے۔ کہنے لگے یہ غیر مطبوعہ خط آپ نے خوب حاصل کیا۔ میں نے عرض کیا کہ یہ مطبوعہ ہے اسے مہیش پرشاد شائع کرچکے ہیں اور آپ نے اپنے نام سے اس خط پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔ وہ مسکرا کر چپ ہوگئے۔ اس طرح کی کچھ اور باتیں بھی وہ کرتے رہے۔ اور لطف کی

بات یہ کہ ایک گھنٹہ پہلے علی گڑھ میں اپنی طالب علمی اور ۱۹۰۰ء میں اپنے جرمنی کے قیام کے دوران کی بعض باتیں اس جزوی تفصیل اور وضاحت سے بیان کر رہے تھے جیسے وہ کل کی بات ہو۔ حافظے کی یہ بوالعجبی مجھے عجیب سی لگی۔

۲۳۔ فارسی خط موجودہ حبیب گنج کے سلسلے میں دلچسپ بات انھوں نے یہ کہی کہ میرے پاس اس کا عکس موجود ہے۔ [illegible] نے اس پر بہت غور کیا ہے او[illegible] قائم کی ہے کہ یہ غالب کی تحریر [illegible] بلکہ غالب کی تحریر کی مشق جس استاد [illegible] کرے میں کرائی تھی اس کی تحریر ہے۔ میں نے کہا یہ تحریر غالب کی دوسری قدیم تحریروں سے مشابہ ہے۔ فرمایا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شاگرد، استاد کی بہت کامیاب نقل کرلیتا ہے اور دونوں کے خط میں اتنی مشابہت ہو جاتی ہے کہ تمیز مشکل ہو جاتی ہے۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے قدرے تفصیل سے بغدادی خطاط ابن البوّاب اور ہندوستانی خوش نویس میر پنجہ کش کا ذکر کیا۔ اوّل الذکر کے بارے میں انھوں نے بتایا کہ اس نے خلیفۂ عباسی کی فرمائش پر اپنے عہد کے استادِ وقت کے لکھے ہوئے ایک مصحفِ پاک کے ضائع شدہ اوراق کی اس خوبی سے کتابت کی کہ اصل و نقل میں تمیز کرنا مشکل ہوگیا۔ میر پنجہ کش (سیّد امیر رضوی) کا کمال انھوں نے یہ بتایا کہ انھوں نے اپنے استاد آقائے عبدالرشید کی ایسی کامیاب اتباع کی کہ نقادانِ فن بھی یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے تھے کہ میر پنجہ کش کی وصلی کون سی ہے اور عبدالرشید کی لکھی ہوئی تحریر کون سی ہے۔

ڈاکٹر صاحب آج کل دیوان احسن اللہ بیان دہلوی کی تصحیح و ترتیب میں لگے ہوئے ہیں (۵۶)۔

۲۴۔ غالب کے دیوانِ فارسی کے دو قدیم نسخے جو خدا بخش لائبریری میں ہیں ان میں سے ایک کے حاشیے پر غالب کی مختصر اردو تحریریں ہیں۔ ان کے عکس غالب نمبر میں شائع کرنا چاہتا ہوں۔ پروفیسر سیّد حسن عسکری صاحب سے درخواست کی ہے کہ ان کے فوٹو بنوا دیں۔ ہادی فوٹو گرافر سے ان کے تعلقات ہیں۔ وہ اچھا عکس ان تحریروں کا تیار کرسکیں گے۔

۲۵۔ اس ہفتے "چمنِ بے نظیر" نامی ایک قدیم مجموعے پر نظر پڑی۔ اس میں غالب کی ایک غیر معروف غزل درج ہے۔ کیا یہ آپ کے خیال میں غالب کی ہے۔ ان کی غزل سے پہلے اور بعد کو میر کی اک اک غزل چھپی ہے۔ غالب کے نام کی غزل کا مطلع یہ ہے:

کب رہا ہے اب ہمیں حور و بشر کا امتیاز دیکھ کر جاتا رہا تجھ کو نظر کا امتیاز

۲۲۔ ایک مجموعے میں فارسی کے چند اشعار نظر آئے جو بخطِ مصنّف ہیں۔ مطلع فرمائیں کہ یہ اشعار کس کے ہیں :

بفضلِ خالقِ نور و ظلام دلیل و نہار جبینِ بختِ تو گردید مطلعِ انوار

بسالِ عیش و طرب گشت و بار آورد گلِ مراد شگفت ... برخوردار

بسابعِ رمضان رُو نمود و ماہ وے ہلالِ عید سزد بہر قدر او گوار

خرد بسالِ ولادت بگفت ایں فرزند بگوش ہوش دل ... شمار

۲۔ عبدالقادر بیدل کی محیطِ اعظم کے ایک قلمی نسخے کے آخر میں دو تین غزلیں ''لمحررہ'' کر کے لکھی ہوئی ملی ہیں۔ یہ بیدل کی تو نہیں :

شدی چوں مہرِ تاباں آسمانِ من زمینِ خود اگر گل صبح دم دو سجدہ بگزد جبینِ خود

مقطع میں تخلّص ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''بیرنگ'' لکھا ہوا ہے۔ ''یکرنگ'' تو ایک شاعر گزرے ہیں۔ کیا ''بیرنگ'' بھی کوئی شاعر گزرے ہیں۔ یہ لفظ ''نیرنگ'' بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ محیطِ اعظم کا پورا نسخہ انھی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

۔ میں نے شیخ غلام ہمدانی مصحفی کے تذکرۂ عقدِ ثریا کے ایک نسخے کا پتا چلایا ہے جو خیالی رام کا لکھا ہوا ہے۔ اس سے مولوی عبدالحق کے شائع کردہ اڈیشن کے کچھ اغلاط کی تصحیح ہوسکے گی۔ اگر اسے دوبارہ طبع کرانے کی نوبت آئی تو مولوی صاحب نے اپنے اڈیشن میں شعراء کے جو فارسی اشعار حذف کر دیے ہیں، شائع کرانے میں اس نسخے سے مدد مل سکتی ہے۔

۲۰۔ یہ بتائیے کہ مرزا علی رضا محزوں کون بزرگ ہیں۔ یہ مرزا عبدالقادر بیدل (متوفی ۱۱۳۳ھ) سے متاخر معلوم ہوتے ہیں۔ ایک بیاض میں ان کا کچھ کلام ملا ہے۔

خط کی طوالت کی معافی چاہتا ہوں۔ بہت سے قابلِ ذکر امور جمع ہوگئے تھے۔ فرصت ملی تو رات لکھنے بیٹھ گیا اور آج تمام کرلیا۔ ہر چند کچھ گفتنی اُمور ناگفتہ رہ گئے لیکن اس وقت اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں۔ میگزین سے متعلق اُمور کا جواب جلد دیجیے گا۔

والسّلام

مختار الدین

مکتوبات قاضی عبدالودود بنام ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (الہ آباد)

(۱)

بھنور پوکھر، پٹنہ ۳۰
۱۸/ اگست ۱۹۳۹ء

مخدومی، تسلیم۔

۱۔ "ہرہمہ" کی جو سند آپ نے دی ہے وہ بہارِ عجم میں موجود ہے، اور میری نظر میں تھی، میں چاہتا ہوں کہ اس کی کوئی اور سند ملے۔ (۵۰) ہر زمزمہ را ہنجار و ہرہمہ را رفتار، میں "ہرہمہ" صحیح بھی ہو، تو بے محل سا ہے۔ مقتضائے مقام ہے کہ "ہر" کے بعد "زمزمہ" کی قسم کا کوئی لفظ ہو۔ "سخن پیوندی" کے معنی وہی ہیں جو آپ فرماتے ہیں۔

۲۔ "درین روزگار کہ ہر زمزمہ را ہنجار و ہرہمہ را رفتار و ہر کجا سپاہی بود از سپہدار سخن پیوندی بگذار و بگوی کہ خود روز و روزگار برگشت۔" میری رائے میں ہر کجا سپاہی بود از سپہدار کے بعد بیزار یا اسی قبیل کا کوئی اور لفظ ہونا چاہیے، ورنہ بات نہیں بنتی۔ آپ اس پر غور فرمائیں اور اپنی رائے سے مطلع کریں۔

۳۔ "زمزم" جو شاہ نامہ میں آیا ہے (۵۸)، آپ کے نزدیک فارسی ہے یا عربی؟

۴۔ مہیش پرشاد صاحب کو اس کا علم ہے کہ پنج آہنگ کی دو اشاعتیں ہیں، حیرت ہے کہ انھوں نے اشاعتِ ثانی کو اشاعتِ اوّل بتایا۔ اشاعتِ اوّل کا ایک جگہ پتا ملا ہے، ابھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس سے استفادہ ممکن بھی ہے یا نہیں۔ کچھ دنوں کے بعد اس کا حال کھلے گا۔ پنج گلبن (۵۹) کا پتا ملے تو مجھے بھی مطلع فرمائیے گا۔

۵۔ آرزو صاحب علی گڑھ کی ایک اطلاع کے بہ موجب امتحان میں اوّل رہے (۶۰) وہ کل علی گڑھ جا رہے ہیں۔ غالب نمبر غالباً پہلی ستمبر کو شائع ہوجائے گا (۶۱)۔ آثارِ غالب (آثارِ غالب) (۶۲) کے کچھ اجزا بہت غلط اور خراب چھپے ہیں۔ اس کی صحت میں کہ غلط نامہ میری نگرانی میں نہیں چھپ سکتا، میں نے فضول دردِ سر مول نہ لیا، اور کتاب غلط نامے کے بغیر شائع ہوگئی۔ اگر طبعِ ثانی کی نوبت آئی تو اپنی نگرانی میں چھپواؤں گا۔

۶۔ آرزو صاحب کو کلکتے میں کہیں اردو ٹائپ نہیں ملا، اور بپٹسٹ مشن پریس سے

تحقیقات کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہ تھا (۶۳)۔ ایک دوست نے کراچی سے رسالۂ قندیل کا ایک شمارہ بھیجا ہے۔ اس کے کچھ اوراق ٹائپ میں ہیں۔ میں نے اسے کہیں رکھ دیا ہے، اس وقت تلاش کرنے سے نہ ملا۔ اگر کل تک مل گیا تو اس کا ایک ورق یا ایک ٹکڑا ملفوف کر دوں گا۔ غالباً لاہوری ٹائپ یہی ہے۔

۷۔ کیا "دین" فارسی الاصل ہے۔ اوستا میں تو ایک لفظ جو صورت و معنی میں اس سے بہت قریب ہے ملتا ہے۔

۸۔ قاضی عبدالغفار صاحب کا خط آیا ہے کہ یہ مشورہ دیجیے کہ انجمن ترقیِ اردو کس طرح چلائی جائے۔ اس کے متعلق انھوں نے ایک مفصّل مراسلہ بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ میں نے جواباً لکھا ہے کہ مراسلہ دیکھ لینے کے بعد اپنی رائے دوں گا۔

۹۔ (۶۴) آپ سے میں نے دریافت کیا تھا کہ اورینٹل کالج لاہور میں آپ کے کوئی دوست ہیں یا نہیں۔ اس کا جواب نہ ملا۔ ایک کتاب کی نقل چاہیے (۶۵)۔ اُجرت پیشگی ادا کر دی جائے گی۔

نیاز مند

عبدالودود

(۲)

۱۵/ اکتوبر ۴۹ء

بھنور پوکھر، پٹنہ۔۴

مکرمی، تسلیم

مآثرِ غالب ایک بہت ہی حقیر تحفہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا ہے (۶۶)۔ مجھے اچھی طرح اس کا احساس ہے کہ اس کی ترتیب و تصحیح کما حقہٗ نہ ہو سکی اور اس کا آخری حصّہ تو ایسا برا چھپا ہے کہ دیکھنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ آپ کا لطف و کرم ان باتوں کو نظر انداز نہ کرتا تو کیا کرتا۔

ٹرنر (۶۷) کے شاہنامے کی ج ا ملی۔ بہت بہت شکریہ۔ کام ختم ہو گیا ہے۔ کل واپس کر دوں گا۔ لنڈن (۶۸) کا شاہنامہ آپ کے پاس ہے تو بڑی نادر چیز ہے۔ ایران میں نیا نسخہ (۶۹) جو چھپا ہے آپ کی نظر سے گزرا ہے؟

الکزنڈر ہیڈلی۔ آزاد کا دیوان بہت دن ہوئے میں نے دیکھا تھا (۶۰)، لیکن نہ میرے پاس اس کا کوئی نسخہ ہے، اور نہ پٹنہ میں کہیں اور اس کا پتا مل سکا۔ جن اشخاص کا نام آپ کے خط میں ہے، ان سے میں واقف نہیں۔ یاد آتا ہے کہ ان کی ماں مسلمان تھی۔ اس لیے جن صاحب کو ماموں لکھا ہے وہ واقعی آزاد کے ماموں ہوں تو عجب نہیں۔ عبدالماجد دریا بادی صاحب نے ایک مقالہ آزاد پر لکھا تھا، عجب نہیں ان کے پاس دیوان ہو۔ بنارس میں بھی ہوگا۔ مہیش پرشاد سے دریافت فرمائیں۔

جمال الدین انجو کے متعلق صبحِ صادق (عہدِ شاہجہاں کی تصنیف) میں یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ دکن میں پیدا ہوئے تھے۔ ابھی تک میں نے عہدِ اکبری کی تصانیف میں ان کے حالات نہیں ڈھونڈے، یقین ہے کہ ان کی جاے ولادت کی تحقیق زیادہ دشوار نہ ہوگی۔ آثرِ غالب کے حواشی میں میں نے غالب کے مستعمل لفظ، چندم، کی نسبت لکھا (۶۱) ہے کہ غالب کی تحریر کے علاوہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھا۔ ابھی حال میں عبید زاکانی کی نثر میں اس کی سند ملی ہے۔

میں فرہنگِ انجمن آرائے ناصری کو بالاستیعاب دیکھ رہا ہوں، میری قطعی راے ہے کہ حالی نے ہدایت کے نقطۂ نظر کی صحیح ترجمانی نہیں کی۔ ان معاملات میں جو غالب اور بُرہان میں مابہ النزاع ہیں، وہ کم و بیش ۹۵ فی صدی بُرہان کا ہمنوا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس نے خود بُرہان پر اعتراض کیے ہیں۔ میرا ارادہ اس کے متعلق ایک مستقل مضمون لکھنے کا ہے۔ مہر صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو غالب نمبر میں چھپ رہا ہے (۶۲)، ہدایت کے اقوال کو اس طرح پیش کیا ہے کہ گویا وہ غالب کے اعتراض کی تصدیق کرتا ہے، حالانکہ اسے خبر بھی نہ تھی کہ غالب نے بُرہان کے بارے میں کیا کیا تحریر کیا ہے۔ خود ہدایت کا مایۂ تحقیق کچھ بلند نہیں، ایک جگہ اس نے کنایۃً ترکی جاننے کا دعوا کیا ہے، لیکن اس کی ترکی (یہاں ترکی اور مغلی زبان کے فرق سے بحث نہیں) جاننے کا یہ عالم کہ لفظ "تومان" کے متعلق بھی وہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ کس زبان کا لفظ ہے۔

بُرہانِ جامع کا مؤلف (۶۳) تو اور بھی بدتر ہے۔ کتاب بھر میں شاید ہی کوئی بات اپنی طرف سے لکھی ہو۔ ہاں، یہ تو لکھنا بھول ہی گیا کہ ہدایت نے فرہنگِ دساتیر کے کل یا تقریباً کل لغات اپنی فرہنگ میں شامل کرلیے ہیں، اور بعض دساتیری الفاظ مثلاً "فرجود" کو اپنی نظم میں بھی استعمال کیا ہے۔ "فرتاب" بہ معنی وحی و کشف دساتیری لغت کی حیثیت سے اس میں موجود ہے، مگر اس کے معنی معجزہ یا کرامت درج نہیں۔

لفظ "بے پیر" اب بھی ایران میں مستعمل ہے۔ وحید مدیر ارمغان (تہران) کی ایک نظم میں، میں نے دیکھا ہے۔ ہندوستانیوں میں مفتی عباس نے بھی (جن سے غالب نے قاطع برہان کی داد خاص طور پر چاہی تھی) اپنی مثنوی میں صہبائی کے رد میں اسے برتا ہے۔ اردو میں سودا، میر، مصحفی، جرأت، ظفر (۷۴)، معروف، ناسخ اور متعدد تلامذۂ ناسخ کے یہاں موجود ہے۔ بڑی حیرت کی بات ہے کہ غالب اردو اور فارسی دونوں میں اس کے استعمال کے روادار نہ تھے۔

مُسلم سلمہٗ (۷۵) کو میرا سلام کہہ دیجیے گا۔ ان کی صحت تو یقین ہے کہ ہر طرح قابل اطمینان ہوگی۔

نیاز مند

عبدالودود

عباسی صاحب کا (۷۶) خط گم ہوگیا تھا اور ان کا پتا یاد نہ تھا۔ آپ سے ان کا پتا پوچھنے والا ہی تھا کہ آپ کا خط آگیا اور اس سے ان کا پتا معلوم ہوا۔ میں نے انھیں خط لکھ دیا ہے اور تاخیر کی معذرت کی ہے۔

آزاد (۷۷) کا حال خمخانۂ جاوید جلد ۱ میں بھی ہے، اگر یہ کتاب آپ کے پاس نہ ہو اور ضرورت ہو تو نقل کرا کے بھیج دوں۔

ایک بات مجھے حال میں معلوم ہوئی وہ یہ کہ طلسمِ راز جس کی تقریظ پنج آہنگ (۷۸) میں ہے، جن میر مہدی کی نسبت ہے وہ میر مہدی مجروح ہیں (۷۹)، اور ظاہراً بیسویں صدی کے اوائل میں انھوں نے اس پر نظر ثانی کی تھی۔ یہ سب باتیں ایک قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوئی ہیں (۸۰)۔ مہیش پرشاد صاحب نے ایک بار مجھے لکھا تھا کہ مجروح کی ایک قلمی کتاب ہاتھ آئی، تفاصیل سے میں آئندہ مطلع کروں گا، لیکن ان کا وعدہ اب تک وفا نہیں ہوا۔ آپ کو انھوں نے یہ کتاب دکھائی ہے؟ (۸۱)۔

(۳)

بھنور پوکھر، پٹنہ ۔۳

۱۴/دسمبر ۱۹۴۷ء

مخدومی، تسلیم

آپ کا کارڈ دو روز قبل ملا۔ ایک نوٹ ملفوف ہے، اس سے پتا چل جائے گا کہ

خطوطِ غالب (۸۲) کس ورق تک میرے پاس ہے۔ اس نوٹ میں زیادہ تر خطوط کے زمانۂ تحریر سے بحث کی گئی ہے۔ مہیش پرشاد صاحب نے اگر قیاسی تعینِ زمانہ کی وجوہ بتائی ہوتیں تو ان پر غور کیا جاتا۔ انھوں نے اس کی زحمت بھی گوارا نہ کی۔ اب یا تو ان کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کیجیے یا غالب کے تمام فارسی اردو خطوں اور بعض صورتوں میں ان کی کتابوں کو بھی دیکھیے تب جا کر کہیں ان کے قول کی صحت یا عدم صحت کے متعلق راے قائم ہوسکے گی۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اگر انھیں اس سے اختلاف ہو اور وہ اس کی وجہ بتائیں تو اس پر غور کرنے کے لیے تیار ہوں۔ ممکن ہے کہ جن باتوں پر ان کی نظر ہو وہ اس وقت میرے ذہن میں نہ ہوں۔

میں آپ کو خطوطِ غالب ا کے البقیہ اجزاء بھیجنے کے لیے نہیں لکھتا۔ اس لیے کہ میں کل کلکتہ جا رہا ہوں اور وہاں سے ۱۶/ کو بشرطے کہ ڈاکٹر زبیر صدیقی نے میرے لیے ہوائی جہاز میں نشست مخصوص کرالی ہو۔ کراچی روانہ ہو جاؤں گا۔ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ وہاں کتنے دنوں قیام ہو گا۔ دو ہفتوں سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ نہیں۔ لیکن بخوبی ممکن ہے کہ جس کام کے لیے جا رہا ہوں وہ اتنے دنوں میں نہ ہوسکے۔ کلکتے میں ڈاکٹر زبیر صدیقی کے ذریعے خطوطِ غالب مل سکا۔ تو ساتھ لیتا جاؤں گا ورنہ واپسی کے بعد باقی اجزاء آپ سے منگواؤں گا (۸۳)۔ بلکہ کراچی ہی سے لکھ دوں گا کہ آپ پٹنہ بھیج دیں۔ اگر کراچی میں آپ کا کوئی کام ہو تو لکھیے گا۔ میں کراچی پہنچ کر آپ کو خط لکھوں گا۔

نیاز مند

عبدالودود

خط از راہِ احتیاط رجسٹرڈ بھیجتا ہوں۔ صاحب زادوں (۸۴) کی خیریت آپ نے ادھر مدت سے نہیں لکھی۔ آئندہ خط میں ضرور لکھیے گا۔

اب یہ خط ۱۵/ دسمبر کو روانہ ہو گا۔ وقت رجسٹرڈ کرانے کا نہیں رہا اور کل اتوار ہے۔

ہاں آپ نے لکھا تھا کہ میں ایک مفصل خط لکھوں گا۔ یہ آج تک نہیں ملا۔ اس کے بدلے محض چند سطروں کا ایک کارڈ ملا ہے۔ اگر آپ نے بھیجا ہے تو بعض اور خطوں کی طرح راہ میں ضائع ہوا یا اب تک راہ میں ہے۔

نوٹ

از قاضی عبدالودود

۱۲ / دسمبر ۱۹۴۷ء

۱۔ میرے پاس اردوے معلّیٰ (مبارک علی)، عودِ ہندی (الہ آباد)، خطوطِ غالب تا ص ۲۳۰ موجود ہیں۔ کلیاتِ نثرِ غالب (فارسی) آج کل میرے پاس نہیں۔ خطوطِ غالب کا تبصرہ معاصر کے تین شماروں میں چھپا ہے اور معیّن (علی گڑھ) (۸۵) کے شائع کردہ مضمون میں بھی بعض خطوط کے زمانۂ تحریر سے بحث کی گئی ہے۔ کوشش کی جائے گی کہ جو باتیں پہلے لکھی جا چکی ہیں دوبارہ نہ لکھی جائیں۔ لیکن اس وقت نہ معاصر سامنے ہے اور نہ معیّن۔ ممکن ہے بعض باتیں مکرر ہو جائیں۔

۲۔ ہر خط کے ساتھ یہ بتانا چاہیے کہ کہاں سے لیا گیا ہے۔ دوسری جلد پر اسے نہ چھوڑا جائے۔

۳۔ ہر خط کے ساتھ ان اردو فارسی خطوں کا ذکر کیا جائے جن سے اس کا تعلق ہے۔

۴۔ بعض اغلاط اردوے معلّیٰ طبع اول میں موجود تھے۔ یہ خطوطِ غالب میں بھی ہیں لیکن حواشی میں ان کی طرف ناظرین کی توجہ منعطف نہیں کرائی گئی۔ مثلاً خطوطِ غالب ص ۳۲ "اوسی ورق میں یہ مطلع نکلا:

اگرچہ گنجِ گہر میلم اوفتاد، چہ باک　　کفِ جوادِ ترا از برائے آن دارم"

ظاہر ہے کہ یہ مطلع نہیں۔

۵۔ بہت سے خطوں کا زمانہ قیاساً معیّن کیا گیا ہے۔ قیاس کی وجہ بتانی ضرور ہے۔

۶۔ جنتری کی مدد سے تاریخوں کے تطابق کا جو کام کیا گیا میں نے اسے جانچا نہیں۔

۷۔ وہ خطوط جن کے زمانۂ کتابت کی تعیین بالکل ممکن نہیں آخر میں درج کیے جائیں۔ مہیش پرشاد صاحب (=م) نے ایسے بہت سے خطوط درمیان میں ڈال دیے ہیں۔ ان کے ذہن میں اس کی وجوہ ہوں گی مگر بے بتائے ہوئے دوسروں کو ان کا علم کس طرح ہو۔

۸۔ تفتہ۔ خط ۱ میں جس قطعے کا ذکر ہے (۸۶) وہ دیوانِ تفتہ قلمی (کلکتہ) میں موجود ہے، اور بے شبہہ خطاب ملنے کے بعد لکھا گیا ہے۔ سنہ کی تعیین صحیح، لیکن مہینے کے بارے میں قطعیت کے ساتھ فیصلہ ٹھیک نہیں۔

خط ۲۲ میں "جنبش و جنبش تر" کی بحث میں اشارہ ہے جو خط ۶ (۲۲ مارچ ۱۸۵۲ء) میں ہے۔ خط ۲۲ کا سال کتابت ۲۱ اگست ۵۳ء اور ۱۳ جنوری ۵۳ء کے درمیان قرار دیا ہے۔ میری رائے میں یہ خط ۵۲ء کا ہے اور خط ۶ کے بعد لکھا گیا ہے۔

جوہر۔ خط کے زمانۂ تحریر (۸۸) کے باب میں میں نے جو کچھ لکھا تھا سیّد وزیر الحسن صاحب استاذ اینگلو عربک کالج، دہلی اس کی تائید کرتے تھے۔ ان کے پاس بقول خود جوہر کے نام کے غیر مطبوعہ خطوط ہیں، مگر میں نے انھیں نہیں دیکھا۔

حقیر۔ خط ۱ کا زمانۂ کتابت ۵۲ء بتایا گیا ہے، یہ شاید اس بنا پر ہے کہ اس میں تفتہ کا کول میں ہونا (؟) لکھا ہے۔ اور (؟) ۳ جنوری ۵۲ء کے ایک خط (نمبر ۳ بنام تفتہ) سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تفتہ کول میں (؟) اتھے ام نے اس پر غور نہ کیا کہ خط ۵ ہی سے جو ۱۹ فروری ۵۲ء کا لکھا ہوا ہے، یہ پتا چلتا ہے کہ اس بار وہاں قیام ... اور خط (بنام حقیر) میں یہ عبارت ہے: "تفتہ ... بہت دنوں سے علی گڑھ میں ہیں"۔ مزید کہ اس خط میں میر علی نقی خاں کی سفارش کی نشان دہی ہے اور خط ۲ میں بھی ان کا ذکر آتا ہے اور بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسی سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ یہ خط جو جنوری ۱۸۵۵ء کا لکھا ہوا ہے۔ میری رائے میں خط اس کے کچھ قبل کا ہے۔ خط ۲۳ (بنام تفتہ مورخہ ۲۳ فروری ۵۳ء) سے یہ پتا چلتا ہے کہ تاریخ مذکورہ کے لگ بھگ تفتہ نے غالب کو ایک خط علی گڑھ سے لکھا تھا۔ م اگر یہ ثابت کر دیں کہ اواخر ۵۳ء میں تفتہ کول میں نہ تھے، تو میں اپنے بتائے ہوئے زمانے پر اصرار نہ کروں گا۔

خط ۵ کا سنہ کتابت صحیح، مگر مجھے یہ ماننے میں تأمل ہے کہ ستمبر کا لکھا ہوا ہے۔ یہ خط اس زمانے کا ہے جب کلّیات فارسی کا چھاپا ختم ہو چکا تھا، مگر غالب رُپے نہ ہونے کی وجہ سے اس کی جلدیں منگوا نہ سکے تھے۔ اردوے معلّیٰ ص ۳۱۵ پر علائی کے نام ایک خط ہے جو ۲۰ ستمبر ۱۸۶۳ء کا لکھا ہوا ہے (۸۸)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک کلّیات، غالب تک پہنچ چکا تھا۔ خط ۵ کا زمانۂ تحریر ستمبر نہیں، ہوسکتا ہے اس کے قبل کا ہے۔

عزیز۔ خط ۱ کا سالِ تحریر ۱۸۵۶ء (۸۹) کس طرح مقرر کیا جائے میری سمجھ میں بالکل نہ آیا۔ خط ۲ کو خط ۳ سے قبل کیوں اور کس اصول کے مطابق جگہ دی گئی ہے میں نہ سمجھ سکا۔

میکش۔ خط ۱ سے یہ تو ظاہر ہے کہ فتح دہلی سے پہلے کا ہے، لیکن سن کی تخصیص کس طرح ہوئی؟

خط ۲ کے آخری الفاظ میں "تازہ شے بہتر، بادہ سے بہتر" سے غالب کی کیا مراد ہے؟

یہ کوئی مثل تو نہیں ؟ اس صورت میں " تازہ شے بہتر (۹۰) بارہ سے بہتر زیادہ قرین قیاس ہے ۔یعنی کہ تازہ شے اگر بہتر ہو تو وہ بارہ سو بہتر کے برابر ہے ۔اگر یہ ہے تو پھر اس کا زمانۂ تحریر کیا ہے ؟ یہ بھی ممکن ہے کہ مثل کا انتخاب ہی اسی لیے کیا ہو کہ اس میں ۱۲۷۲ موجود ہے جو زمانۂ تحریر ہے ۔ میں کچھ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا لیکن " تازہ شے بہتر " کو صحیح سمجھنے میں مجھے تأمل ہے ۔ یہ فیصلہ بھی ناممکن ہے کہ خط ۱ و ۲ میں پہلے کون لکھا گیا ہے ۔

قدر ۔ خط ۴ کے بارے میں م نے یہ فیصلہ کس طرح کیا کہ قبل از ۱۸۵۷ء کا لکھا ہوا ہے؟

غلام نجف ۔ خط ۱۵ و ۲۲ و ۲۳ کے سنۂ کتابت کی تعیین کس طرح ہوئی، سمجھ میں نہ آیا ۔

۹۔ اشاریہ ہر جلد کے ساتھ الگ الگ ہو تو بہتر ہے (۹۱)۔

مکتوبات قاضی عبدالودود بنام شیخ محمد اکرام آئی ۔ سی ۔ ایس ۔ (مقیم پونا)

(۱)

کدم کنواں ، پٹنہ

۲۵ / ۸ / ۴۳ء

جنابِ من ۔ تسلیم

سالِ گذشتہ مہیش پرشاد صاحب (بنارس یونیورسٹی) (۹۲) اور میں نے غالب کے ایک دیوان کو جس کا ذکر غالب نامہ میں ہے بہت تلاش کیا ، لیکن نہ ملا ۔ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ ۔۴ میں میخانۂ آرزو (۹۳) کے علاوہ غالب کا اور کوئی دیوان نہیں ۔ مے خانۂ آرزو کا نمبر آپ نے صحیح دیا ہے ۔ لیکن دوسرے دیوان کا جو نمبر آپ نے دیا ہے وہ کسی دوسری کتاب کا نمبر ہے جسے غالب سے کوئی تعلق نہیں ۔ میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا اگر آپ مجھے یہ بتائیں گے کہ دوسرے دیوان کا نمبر کہاں ملا اور آپ کو اس کا علم کیوں کر ہوا کہ کتب خانۂ مشرقیہ پٹنہ ۔۴ میں مے خانۂ آرزو (۹۳) کے علاوہ بھی فارسی دیوان کا ایک نسخہ ہے ۔

سابقہ معرفت کے بغیر زحمت دہی کی معافی چاہتا ہوں ۔

آپ نے ایک خط میں جو میرے ایک کرم فرما کے نام ہے، لکھا ہے کہ " بہت کچھ اضافے کے بعد حصۂ نثر علیحدہ شائع ہو رہا ہے " ۔ کیا غالب نامہ کے علاوہ کوئی کتاب شائع ہو رہی ہے ؟

فارسی کے ۳۳ غیر مطبوعہ خطوط ابھی حال میں ملے ہیں۔ میرے ایک دوست انھیں مُرتّب کر رہے ہیں (۹۵)۔ میں نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ میں چھپوا دوں گا۔

آپ کا خادم

قاضی عبدالودود

(بیرسٹرایٹ لا)

(۲)

کدم کنواں۔ پٹنہ

۱۰/۱/ ۳۳ء

مکرّم بندہ،

آپ کا خط ملا، نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے جواب دینے کی زحمت اٹھائی۔ دیوان غالب کے دوسرے نسخے کی تلاش کے وقت کتب خانے کے ملازمین سے میں نے دریافت کیا تھا کہ صلاح الدین مرحوم (۹۶) کی کتابوں میں تو نہیں۔ اس کا جواب نفی میں ملا۔ گمان یہ ہوا کہ کہیں کسی نے آپ کو غلط اطلاع تو نہیں دی، اُس وقت تک مجھے یہ علم نہ تھا کہ کتاب خود آپ کی نظر سے گزر چکی ہے؛

غالب کے غیر مطبوعہ فارسی خطوط ڈھاکہ میں ہیں اور مجھے ان کے دیکھنے کا اب تک اتفاق نہیں ہوا۔ مکتوب الیہ احمد بیگ خاں تپاں اور مرزا ابوالقاسم (۹۷) ہیں جن کا ذکر آپ کی کتاب میں ہے۔ یہ خطوط یا تو زمانۂ قیام کلکتہ میں لکھے گیے یا کلکتہ سے واپسی کے کچھ بعد۔ خطوط ڈھاکہ سے آجائیں تو کوئی صورت اس کی نکالی جائے گی کہ طباعت سے پیشتر آپ انھیں دیکھ سکیں۔ خطوط کب تک آئیں گے، اس کی نسبت فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اتنا علم ہے کہ ترتیب کا کام جاری ہے۔

آپ کے پاس کتبِ ذیل کے قلمی یا مطبوعہ نسخے ہوں تو مطلع فرمائیں؛ قاطع بُرہان، لطائفِ غیبی، غالب کی فارسی مثنوی بہادر شاہ کی مفروضہ تبدیلِ مذہب کے مُتعلّق (۹۸) درفشِ کاویانی کا ایک نسخہ کچھ دنوں کے لیے ملا تھا (۹۹)، میں نے اس کی نقل لے لی ہے اور اسے چھپوانا چاہتا ہوں۔

میں نے سنا ہے کہ کسی شخص نے انگریزی میں سرکاری دفتر کی مدد سے غالب کی

پنشن کے مقدمے کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے (۱۰۰)۔ کتاب کا ذکر کسی اخبار یا رسالے میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ اگر آپ کو کتاب کا نام اور اس کے مصنّف اور اس کے ملنے کا پتا معلوم ہو تو بہ راہِ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔ میں نے غالب پر جو کتابیں شائع کی ہیں ان پر تبصرے لکھنے شروع کیے ہیں، اور یہ کام اس وقت محض اس لیے کہ مذکورۂ بالا کتاب نظر سے نہیں گزری' بند ہوگیا ہے۔ اس وقت تک خطوطِ غالب، مکاتیبِ غالب، نادر خطوطِ غالب پر تبصرے رسالۂ معاصر پٹنہ ۔۲ میں شائع ہوچکے ہیں (۱۰۱)۔

نیاز مند

عبدالودود

اگر آپ کا نام انگریزی میں غلط لکھا گیا ہو تو معاف فرمایئے گا اور بتایئے گا کہ کس طرح لکھا جائے۔

حواشی

(۱) علی گڑھ میگزین بابت ۱۹۴۰ء، ۱۹۳۸ء، مرتبہ محمود فاروقی

(۲) مرتبہ آقاے محمد علی استاد نظام کالج حیدر آباد۔ یہ ضخیم لغت حیدر آباد سے شائع ہوا تھا اور ارباب علم اسے قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ اب بہت کمیاب ہے۔ آقاے محمد علی ایرانی تھے اور ان کے پاس کچھ نفائس مخطوطات تھے۔

(۳) میرزا غالب کی تصنیف قاطع برہان کے رد میں جو کتابیں ان کے معاصرین نے لکھی تھیں اُن میں قاضی صاحب کے بقول سب سے زیادہ قابلِ اعتنا، مؤید برہان مُصنفہٗ آغا احمد علی شیرازی جہانگیر نگری تھے۔ غالب نے اس کا جواب تیغ تیز کے نام سے لکھا اور آغا احمد علی کے جواب الجواب کا نام شمشیرِ تیز تر ہے۔ مؤید ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۸۶۶ء میں مطبع مظہر العجائب کلکتہ میں چھپی اور شمشیرِ تیز تر مطبع نبوی مولوی غلام نبی میں ۱۸۶۸ء میں انطباع پذیر ہوئی۔ غالب کی تیغ تیز۔ مطبع اکمل المطابع دہلی سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوئی۔

(۴) مؤید۔ مطبع مظہر العجائب کلکتہ میں ۱۲۸۲-۱۸۶۶ء میں شائع ہوئی۔

(۵) ام اے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ جانے کا ارادہ تھا لیکن یہ طے نہیں تھا کہ ڈاکٹریٹ جرمنی میں کروں گا یا فرانس میں یا انگلستان میں۔ جرمنی اور فرانس میں تعلیم کے سلسلے میں جرمن اور فرانسیسی سے واقفیت ضروری تھی۔

(۶) قاضی صاحب کا مضمون نیاز فتح پوری صاحب کو نگار میں اشاعت کے لیے بھیجا گیا تھا۔ یہ۔ افسوس ہے کہ قاضی صاحب کے کسی مجموعۂ مضامین میں شامل نہیں۔ ایک مختصر سا ریویو معاصر (دسمبر ۴۱ء) میں شائع ہوا ہے۔

(۷) یہ مضمون ۱۲ سال کے بعد مجلۂ علومِ اسلامیہ (دسمبر ۱۹۶۰ء) میں شائع ہوا۔

(۸) ڈاکٹر صدیقی نہ تیغ تیز چھپوا سکے نہ رسالۂ عبدالکریم اور نہ لطائفِ غیبی۔ آخر الذکر کی انھوں نے بڑی تقطیع پر ایک صاف ستھری نقل تیار کرائی تھی۔ وہ انھوں نے آخرِ عمر میں مجھے بخش دی تھی۔

(۹) "زندگانی بے نظیر" از عبدالغفور شہباز ص ۲۰۰ سے حکیم صاحب کے خط کی عبارت نقل کر کے بھیج دی گئی۔ حکیم صاحب، شہباز کو لکھتے ہیں۔ "صحیح امر تو یہ ہے کہ مرزا نے

نہ تو فارسی کلام کسی کو دکھایا اور نہ اُردو۔ یہ جو مرزا صاحب عبدالصمد کو اپنا استاد لکھتے ہیں، اس شخص کا وجود ذہن میں تھا خارج میں نہ تھا" (غالب نمبر ص ۵۰)۔

(۱۰) قتیل کا صرف ایک جگہ معمولی سا ذکر آیا ہے اور وہ بھی استطرادا۔ مرزا جعفر کے مشاعرے میں قتیل، مصحفی، میر نصیر دہلوی کے موجود ہونے کا ذکر ہے اور بس۔ غالب کا تو استطرادا بھی کہیں ذکر نہیں آیا۔ حالانکہ معاصرینِ غالب میں دورانِ قیامِ بنگال (مولوی نعمت علی عظیم آبادی، مولوی کرم حسین بلگرامی، مرزا جان تپش دہلوی، مرزا ابو القاسم دہلوی، مرزا احمد بیگ تپاں، رضی دہلوی، حکیم مومن، مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی، امام بخش صہبائی، میر تقی میر اور مرزا رفیع سودا کا خاصا ذکر وقائع میں ملتا ہے۔ غالب ان کے ناپسندیدہ اصحاب میں معلوم ہوتے ہیں جن کا انھوں نے اپنی کتاب میں ذکر تک نہیں کیا۔

(۱۱) پروفیسر محمد زبیر صدیقی، سابق آسو توش پروفیسر آف اسلامک کلچر کلکتہ یونیورسٹی، کیمبرج کے تعلیم یافتہ، اور پروفیسر ایڈورڈ براون کے شاگرد، قاضی صاحب کے خاص دوستوں میں تھے

(۱۲) انھوں نے "دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب" پر مضمون لکھا اور علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" میں شائع ہوا۔

(۱۳) اصل عبارت یہ ہے "صرف و نحو پر ان کی کوئی مستقل جامع کتاب نہیں، یا تھی تو وہ اب ناپید ہے" (علی گڑھ میگزین، غالب نمبر ص ۲۵۵)

(۱۴) قاضی صاحب کے مضمون "غالب کا ایک فرضی استاد" (غالب نمبر ص ۶۵) کی کتابت اختتام پر تھی کہ یہ تحریر آئی، مضمون میں اضافہ کرا دیا گیا۔

(۱۵) کتاب پٹنہ لائبریری میں موجود تھی ضروری عبارات و معلومات بھیج دیے گئے تھے۔ سفرنگِ دساتیر یعنی شرحِ دساتیر نجف علی خاں خستہ جھجری، صاحبِ تصانیفِ کثیرہ تھے۔ شوال ۱۲۹۸ھ میں وفات پائی۔

(۱۶) اوائل مارچ ۱۹۳۹ء تک اس مجموعۂ تحریرات کا نام طے نہیں ہوا تھا جو بعد کو مآثر غالب کے نام سے شائع ہوا۔

(۱۷) ولی داد خاں اور خداداد خاں آگرے میں مہاجنی کا کام کرتے تھے۔ یہ لوگ ندھولی ضلع ایٹہ کے باشندے تھے بعد کو اکبر آباد محلہ تہبل منڈی میں آکر سکونت پذیر

ہوگئے تھے۔ ان کے ایک عزیز عبدالوحید خاں (برادر نسبتی نواب صدر یار جنگ) مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں غالب مرحوم اور میرے نانا خداداد خاں صاحب مرحوم سے باہم بے حد میل جول اور یگانگت تھی۔ دونوں کے مکان آمنے سامنے تھے۔ صرف سڑک درمیان میں تھی۔ کالا محل جو آگرے میں پیپل منڈی میں واقع ہے، غالب مرحوم کا مسکن تھا اور اس کے مقابل میرے پر نانا مرحوم کی حویلیاں تھیں۔ میری تعلیم کا زمانہ غالب کے اسی مکان میں گزرا۔ اس مدرسے کا نام "مفیدِ عام" تھا۔ غالب کا مکان مدرسے نے کرایے پر لے رکھا تھا۔

(۱۸) ہفت آسمان آغا احمد علی جہانگیر نگری کی مشہور تصنیف ہے یہ کلکتے میں چھپ گئی ہے۔

(۱۹) مآثرِ غالب (پٹنہ ۱۹۹۵ء) حاشیہ ۲ تحریر کردہ ڈاکٹر حنیف نقوی میں عالم علی خاں کا حال دیکھا جائے۔

(۲۰) مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی پر شہباز صاحب کا مضمون رسالہ مُصنّف علی گڑھ مرتبہ سیّد الطاف علی بریلوی میں شائع ہوا تھا۔ قاضی صاحب آزردہ پر ایک نیا مضمون لکھوانا نہیں چاہتے تھے۔

(۲۱) قاضی صاحب مختلف اوقات میں مآثرِ غالب کے لیے مواد بھیجتے رہے، کبھی فارسی کبھی اردو کبھی نظم کبھی نثر۔ انھوں نے مجھے پورا اختیار دے رکھا تھا کہ ان تحریروں کو مُرتّب میں کروں اور جس تحریر کو جہاں چاہوں رکھوں۔

(۲۲) میں نے حافظ محمود خاں شیرانی کے غیر مطبوعہ خط (مورخہ ۳۱ اگست ۳۳ء) کا وہ حصہ جو غالب سے متعلق ہے غالب نمبر میں ص ۱۳۰ پر شائع کیا۔

(۲۳) وہی غالب کا فارسی خط بنام خداداد ولی داد خاں جس کا عکس غالب نمبر میں شائع ہوا۔ یہ خط ۱۸۱۳ء کا اس لیے نہیں ہوسکتا کہ اس پر مُہر ہے جو ۱۲۳۱ھ میں بنی ہے۔ ۱۲۳۱ھ مطابق ہے ۱۸۱۵-۱۸۱۶ء کے۔ ۱۸۱۳ء کے خط پر بعد کی بنی ہوئی مُہر کس طرح لگائی جاسکتی ہے۔

(۲۴) غالب کی غزل

اپنا احوالِ دلِ زار کہوں یا نہ کہوں ہے حیا مانعِ اظہار کہوں یا نہ کہوں

قاضی صاحب نے دیوانِ معروف مُرتّبہ مولانا شاہ عبد الحامد قادری بدایونی کو، معیار (مارچ ۱۹۳۶ء) میں شائع کیا تھا لیکن اسے مالک رام دیوان معروف ہی سے کچھ پہلے شائع کرچکے تھے اس لیے مآثرِ غالب مُرتّب کرتے وقت میں نے یہ غزل نکال دی۔ دیوان

معروف میں غالب کی اس غزل کی شمولیت کی وجہ یہ ہوئی کہ معروف نے غالب کی دو غزلوں کو ایک کی ردیف ہوتے تک اور دوسری کی، کروں یا نہ کروں ، میں مخمّس کیا تھا۔

(۲۵) سلام کا پہلا شعر یہ ہے:

سلام اس کو اگر بادشا کہیں اس کو   تو پھر کہیں کہ کچھ اس سے سوا کہیں اس کو

اور مرثیے کا پہلا بند اس طرح شروع ہوتا ہے: "ہاں اے نفسِ بادِ سحر شُعلہ فشاں ہو" یہ دونوں چیزیں شیخ محمد اکرام نے ارمغانِ غالب میں شائع کر دی تھیں۔ اکرام کی آثارِ غالب اور ارمغانِ غالب دونوں پر تاریخ طبع درج نہیں۔ یہ ایک ساتھ شائع ہوئی تھیں۔

(۲۶) "میر صفیر بلگرامی اور میرزا غالب" (رسالہ اردو جنوری ۳۸ء)

مرثیے کا پہلا بند اس مصرع سے شروع ہوتا ہے "ہاں اے نفسِ بادِ سحر شُعلہ فشاں ہو" بعد کو یہی تین بند مجھے شیخ محمد ریاض الدین امجد کے سفر نامے "سیر دہلی" میں ملے۔ یہ سفرنامہ ۱۲۷۷ھ - ۱۸۶۱ء کا ہے۔ اس میں انھوں نے غالب سے اپنی ملاقات کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ ریاض الدین امجد، غالب سے ۱۲۷۷ھ میں ملے ہیں۔ میر صفیر کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات ۱۲۸۲ھ میں ہوئی۔ بہت ممکن ہے کہ صفیر کی نظر سے یہ سفر نامہ گزرا ہو اور مرثیے کے تینوں بند انھوں نے اسی سے نقل کیے ہوں۔

میں نے ۱۹۵۲ء میں احوالِ غالب (دہلی ۱۹۸۶ء) میں ایک مفصل مضمون لکھا ہے بعنوان "بسرِ غالب در حدیثِ دیگراں" (ص ۴۳- ص ۹۶) جس میں غالب سے غوث علی شاہ قلندر، شیخ ریاض الدین امجد، اور میر صفیر بلگرامی کی ملاقاتوں کا احوال لکھا ہے۔

(۲۷) مجھے یاد آتا ہے کہ مالک رام نے غالب کی یہ غزل مارچ ۱۹۳۶ء سے پہلے شایع کی تھی۔

(۲۸) ام اے (عربی) میں ایسے کی جگہ میں نے پانچویں صدی ہجری کے ایک شامی ادیب و شاعر اور صلیبی عہد کے ایک مجاہد اُسامۃ بن منقذ الشیزری الکنانی (۴۸۳ھ - ۵۸۰ھ) پر تحقیقی مقالہ لکھنا طے کیا تھا۔ اس مُصنّف کی ایک تصنیف "کتاب العصا" کا ایک نسخہ کتب خانۂ مشرقیۂ خدا بخش میں محفوظ تھا اس کا عکس مطلوب تھا۔

(۲۹) مولوی سراج الدین احمد کے نام غالب کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو تپاں کی وفات کی اطلاع ۱۵ مارچ ۱۸۳۲ء کو ملی تھی۔ وفات ۱۵ مارچ ۱۸۳۲ء سے چند دن پہلے ہوئی ہوگی۔ (آثارِ غالب ص ۵۰ پٹنہ ۱۹۹۵ء)

(۳۰) "کاغذات" سے مراد تو غالب نمبر کی کاتب کی لکھی ہوئی کاپیاں ہیں، قاضی صاحب

کے مضمون کی ۔ مضمون میں نے اپنا کوئی بھیجا ہوگا وہ میں نے کسی وجہ سے شامل نہیں کیا ۔ میرا جو مضمون غالب نمبر میں چھپا ہے وہ میں قاضی صاحب کے پاس نہیں بھیج سکا ورنہ " حور و بشر کا امتیاز " والی غزل (غالب نمبر ص) اس شمارۂ خاص میں شامل نہ ہوتی۔

(۳۱) خان صاحب قاسم حسن صاحب ، خدا بخش خاں کے عزیز تھے اور اس زمانے میں کتب خانے کے ناظم ۔ نگیٹو ، کتاب العصا کے بعض صفحات کے عکس کا ۔

(۳۲) میں مضمون لکھ لیتا ، چند گھنٹوں میں نہ سہی چند دنوں میں مکمل کر لیتا ، لیکن غالب نمبر کے بعد احوالِ غالب ، نقدِ غالب اور گنجینۂ غالب کی ترتیب میں مصروف ہوگیا ، پھر کوئی تین سال کے بعد یورپ سے واپس آیا تو دوسری ذمہ داریاں درپیش تھیں ۔ آخر ۱۹۶۰ء میں جب ادارۂ علومِ اسلامیہ علی گڑھ کے مجلّۂ علوم اسلامیہ شائع کرنے کا خیال ہوا تو میں نے اسی نسخۂ شیفتہ پر قاضی صاحب سے مضمون لکھوایا ۔ یہ " غالب کے کلّیاتِ نظم فارسی کا قدیم ترین موجودہ نسخہ " کے عنوان سے مجلّۂ علوم اسلامیہ کے دسمبر ۱۹۶۰ء کے شمارے میں شائع ہوا ۔

(۳۳) میں عودِ ہندی کے طبع اول کا وہ نسخہ بھیجنا چاہتا تھا جو غالب کی زندگی میں چھپا تھا اور بہت کمیاب تھا ۔ تاخیر کی وجہ یہی تھی ۔

(۳۴) فیضی کی لکھی ہوئی بے نقط تفسیر

(۳۵) مالک رام صاحب کا خیال ہے کہ وہ ۳۰ جنوری ۱۸۳۰ء تک زندہ تھیں (ذکر غالب ص ۲۴) طبع پنجم (دہلی ۱۹۷۶ء) فسانۂ غالب ص ۳۹ دہلی ۱۹۷۷ء ، ۳۰ جنوری)

(۳۶) خداداد خاں و ولی خاں صاحبان کے نام غالب کے فارسی خط کا عکس بنوا کر بھیجا تھا کہ وہ اس کی تاریخ تحریر متعین کریں ۔

(۳۷) علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کے لیے کلّیات غالب فارسی مکتوبہ بعد از ۱۲۵۳ھ محفوظۂ کتب خانۂ خدا بخش کے حاشیے پر غالب کے قلم کے دو حاشیے (سب کمر کو بال باندھتے ہیں ۔ باغ سے آیا کرتے ہیں الخ) کے عکس کے لیے پروفیسر سید حسن عسکری صاحب کو زحمت دی تھی ۔

(۳۸) اب کوئی پچاس سال گزرنے کے بعد یاد نہیں آتا کہ کیا مسئلہ تھا ۔ خیال ہوتا ہے کہ علی گڑھ میگزین کی ، جس کا میں اس زمانے میں اڈیٹر تھا طباعت کے بارے میں کوئی

بات تھی ۔ کچھ ایسا خیال آتا ہے کہ قاضی صاحب چاہتے تھے کہ ان کے سارے مضامین کی کتابت اُن کی نگرانی میں پٹنہ کا کوئی کاتب کرے ۔ اس کی اُجرت علی گڑھ یونیورسٹی پٹنہ بھیج دیا کرے ۔ سیّد ظہیر الدین علوی مرحوم ، جو اُس زمانے میں میگزین کے منیجر تھے یونیورسٹی کے ٹریژرر (قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی) کو جو قوانین کی سختی سے پابندی کرتے تھے اس کے لیے آمادہ نہیں کر پاتے ۔

(۲۹) میگزین کے " غالب نمبر " میں قاضی صاحب کی جمع کردہ غالب کی کمیاب تحریرات نظم و نثر کے لیے آثارِ غالب نام پر مجھے اعتراض ہوا کہ اسی نام سے شیخ محمد اکرام کی کتاب اسی زمانے میں شائع ہو گئی تھی ۔ آخر میں نام مآثرِ غالب تجویز ہوا۔

(۳۰) " غالب نمبر " کے لیے قاضی صاحب تین مضامین لکھ رہے تھے :

۱۔ غالب کا ایک فرضی استاد

۲۔ غالب بحیثیت محقق

۳۔ آثارِ غالب ۔

بعد کو مولانا عرشی کی کتاب فرہنگِ غالب پر انھوں نے تبصرہ لکھا اور وہ شائع کیا گیا ۔

(۳۱) یہ شعرائے اردو کا تذکرہ ہے جس کے مولف قاضی نور الدین حسین فائق ہیں ۔ اس پر غالب کی اصلاحیں تھیں اور انھی کے قلم کا لکھا ہوا ایک خط جس میں انھوں نے لکھا تھا - برخوردار مرزا شہاب الدین خاں بہادر نے یہ اجزاء مجھ کو دیے ۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کیا صرف آپ کی نثر کو دیکھا اور اس کو موافق حکم آپ کے بعض جا درست کر دیا ۔ بعض موقع پر منشائے اصلاح لکھ دیا ہے ۔ مجھ کو یہ یاد نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں لنحوائے الامر فوق الادب حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا آفریں ۔ بخدا خوب نثر لکھی ہے " ۔ یہ خط جو جولائی ۱۸۶۲ء کا لکھا ہوا ہے میں نے غالب نمبر میں شائع کر دیا تھا ۔ تذکرے کا اصل نسخہ جس پر غالب کی تحریر اور اصلاحیں تھیں یہ بمبئی میں موجود تھا لیکن بعد کو مفقود ہو گیا ۔

(۳۲) غالباً مولوی فضل اللہ ندوی مقیم بمبئی جو پہلے ہلٹن لائبریری علی گڑھ کے شعبہ مشرقیات سے تعلق رکھتے تھے ۔

(۳۳) عبدالقادر غمگین رامپوری (م ۱۲۶۵ھ) کا لطیفہ حالی کی یادگارِ غالب میں ہے اور وہ شعر یہ ہے :

پہلے تو روغن گل بھینس کے انڈے سے نکال

پھر دوا جتنی ہے کُل بھینس کے انڈے سے نکال

اگر روایت صحیح ہے اور وضعی نہیں تو غالب پر مشکل شعر کہنے اور رنگِ بیدل میں ریختہ لکھنے پر طنز ہے۔

(۴۴) آج تک صحیح معنوں میں پتا نہ چل سکا کہ یہ قُدسی کون ہیں۔ بہرحال مشہور فارسی شاعر قُدسی مشہدی نہیں جس کے دیوان کے کسی نسخے میں یہ مخمس نہیں پایا جاتا۔

(۴۵) "الثورۃ الہندیۃ" (بجنور ۱۹۴۰ء)۔ اس میں مولانا کے دو عربی قصیدے (ہمزیہ اور دالیہ) اور ان کا ترجمہ بھی موجود ہے۔

(۴۶) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی (الہ آباد) لطائف غیبی مرتب کر رہے تھے۔ شاید وہی رسالۂ عبدالکریم بھی شائع کرنا چاہتے ہوں۔ اس پر ایک مضمون بہت بعد کو مالک رام صاحب نے رسالۂ آج کل (دہلی) میں شائع کیا جو اب گفتارِ غالب (دہلی ۱۹۸۵ء) میں شامل ہے۔ لطائف غیبی کا عرصے کے بعد ایک اچھا ایڈیشن پروفیسر سید معین الرحمٰن نے الوقار پبلی کیشنز لاہور سے شائع کیا ہے۔

(۴۷) یہ تینوں شعر کلیاتِ نظمِ غالب طبع اوّل (مطبع نول کشور ۱۸۶۳ء) میں تلاش کرنے پر نہ ملے۔ سبد باغ دو در اور گلِ رعنا میں بھی موجود نہیں۔

(۴۸) بہت بعد کو قاضی صاحب نے رسالۂ معاصر ۴ میں لکھا "عبدالقادر کا روزنامچہ حبیب گنج میں اور ایک نقل کتب خانۂ رضائیہ رام پور میں ہے کہ مجھے اب تک اس کے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر مختار الدّین احمد آرزو اور جناب عرشی سے یہ معلوم ہوا کہ اس میں غالب کا ذکر مطلقاً نہیں اور جس زمانے میں غالب کلکتے گئے تھے۔ ان کا وہاں ہونا اس سے ثابت نہیں۔

(۴۹) نواب سید محمد زکریا خاں رضوی دہلوی ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء تا ۱۳۲۱ھ / ۱۹۰۴-۰۳ء شاگرد غالب۔ دیوان مطبع رضوی سے ۱۳۱۲ / ۱۸۹۵ء میں چھپا۔ اس پر غالب کی ایک تحریر بطور سند چھپی ہے (تلامذۂ غالب ص ۲۳۲) جس کا سال تحریر معلوم نہیں لیکن قیاس غالب ہے کہ غالب کے آخری زمانے کی ہو۔ لالا سری رام نے زکی کا سال وفات ۱۹۰۲ء لکھا ہے (جہانِ غالب ص ۲۵۵)

(۵۰) شیخ امان اللہ تلمیذ ناسخ و برق لکھنوی [illegible] ۱۸۵۸ء۔

(۵۱) ملک الشعراء شیخ مہدی علی مراد آبادی شاگردِ ناسخ متوفی ۱۸۶۶ء ۔ دیوان قلمی مخزونہ جامعہ دہلی میں مطبوعہ دیوان سے زائد کلام ہے ۔ (تلامذۂ غالب ص ۱۲۳)

(۵۲) شیخ امداد علی بحر لکھنوی تلمیذِ ناسخ (۱۲۳۵ھ - ۱۳۰۰ھ)۔

(۵۳) سیرِ سیّاح میں شمالی ہندوستان میں اپنی سیاحت کا مختصر حال اور لکھنؤ اور کانپور کے دو مشاعروں کی روداد درج کی ہے۔ اسے منشی نول کشور نے لکھنؤ سے ۱۸۷۳ء میں چھاپ کر شائع کیا۔ ڈاکٹر حنیف نقوی کے خیال میں اس کے اصل مرتب منشی انوار حسین تسلیم سسوانی اور نواب احمد حسن خاں جوش ہیں۔ میں فی الحال کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔

(۵۴) کچھ عرصے بعد مالک رام نے اس موضوع پر ایک تفصیلی مضمون "ایک فارسی خط کی تاریخ" لکھا جو فسانۂ غالب ص ۳۲ (دہلی ۱۹۷۷ء) میں شائع ہوا۔

(۵۵) غالب کا اصل خط مجھے جناب فرخ حیدر صاحب بی اے (علیگ) رئیس شمس آباد ضلع فتح گڑھ سے حاصل ہوا تھا۔ جو بعد کو انھیں واپس کر دیا گیا۔ ان کا کتب خانہ اہمیت رکھتا ہے ۔ قاضی محمد صادق اختر کا نایاب تذکرۂ آفتابِ عالمتاب انھی کے کتبخانے میں دریافت ہوا ہے اور یہ نسخہ منحصر بہ فرد ہے ۔ مالک رام صاحب مجھ سے کہتے تھے کہ ان کے پاس آفتابِ عالمتاب کا ایک نسخہ تھا جو لاہور کے ہنگاموں کی نذر ہوا ۔

(۵۶) ڈاکٹر صدیقی کے ہاتھ کا تیار کردہ نسخہ دیوانِ بیان کا میں نے ان کے پاس دیکھا تھا ۔ وہ شائع نہ کرسکے اور "خوب سے خوب تر" کی تلاش میں رہے کہ کوئی اور نسخہ مل جائے تو اس سے بھی مقابلہ متن کا ہوجائے ۔

(۵۷) "غالب بہ حیثیت محقق" (علی گڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۸۱) ۲۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو قاضی صاحب نے مکمل کر کے مجھے بھیج دیا تھا لیکن ان مسائل پر جو اس مضمون میں آئے ہیں وہ غور و فکر کرتے رہے اور معلومات جمع کرتے رہے ۔ انھوں نے اس میں اس قدر اضافے کیے کہ مضمون ایک مستقل کتاب بن گیا ۔ اسے میں نے ۱۹۵۲ء میں نقدِ غالب (انجمن ترقی اردو) کے آخر میں شائع کیا۔

(۵۸) شہنشاہ چوں زمزم آراستی   دگر موبدان خواستی

(شاہنامہ ج ۴ ص ۳۲)

زمزم کا ذکر غالب کی کتاب قاطع برہان ص ۱۲ پر آتا ہے ۔

(۵۹) امیر حسن خاں بسمل (متوفی ۱۲۹۳ھ) کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے

پنج آہنگ کے جواب میں پنج گلبن تصنیف کی تھی ۔ سال تصنیف ۱۲۶۰ھ ہے ۔ اس کا کوئی نسخہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا ۔

(۶۰) ایم ۔ اے ۔ (عربی) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۳۹ء ۔ دیکھیے قاضی صاحب اپنی تحریرات میں کس قدر احتیاط برتتے ہیں ۔ وہ نہیں لکھتے کہ امتحان میں اول رہے ۔ " ایک اطلاع کے بموجب " لکھ کر انھوں نے کیسی احتیاط کی ہے ۔ بات یہ ہے کہ یونیورسٹی گزٹ میں ابھی اطلاع شائع نہیں ہوئی تھی ۔ اگرچہ عظمت الٰہی زبیری مرحوم رجسٹرار نے مجھے اطلاع دی تھی کہ تم تمام طلبہ میں اول آئے ہو ۔ لیکن ظاہر ہے یہ ان کا ذاتی خط تھا ۔

(۶۱) رسالہ اکتوبر ۱۹۳۹ء ہی میں شائع ہوسکا ۔ آل احمد سرور صاحب اور رشید احمد صدیقی مرحوم نے اپنے مضامین علی الترتیب ۲۶ ستمبر اور ۲۸ ستمبر کو لکھ کر بھیج دیے تھے ۔ رسالہ اوائل اکتوبر میں شائع ہوا ہوگا ۔

(۶۲) قاضی صاحب نے اس مجموعے کا نام آثار غالب رکھا تھا ۔ طباعت کے دوران شیخ محمد اکرام مرحوم نے اپنی کتاب آثار غالب مجھے بھیجی ۔ میں نے قاضی صاحب کو لکھا کہ اب یہ نام رکھنا مناسب نہیں ۔ چنانچہ نام بدل کر مآثر غالب رکھا گیا ۔ سر ورق پر تو آثار غالب ہی چھپا ہے ۔ لیکن ڈھائی سو جو آف پرنٹس نکلوائے گئے تھے ان کے سر ورق پر مآثر غالب کا نام چھپوایا گیا ۔

(۶۳) قاضی صاحب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے مشورے پر غالب کی بعض کتابیں ٹائپ میں چھپوانا چاہتے تھے ۔

(۶۴) ایک سطر پڑھی نہیں جاتی ۔

(۶۵) قاضی صاحب کی مصحفی سے دلچسپی بہت قدیم ہے ۔ آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کے اجلاس جو غالباً ۱۹۳۰ء میں پٹنہ میں منعقد ہوا تھا ، انھوں نے ایک طویل محققانہ مقالہ مصحفی پر پڑھا تھا ۔ میں نے ۱۹۵۰ء کے اوائل میں جب انھیں اطلاع دی کہ مصحفی کی تصنیف مخزن الفوائد (جس کا ذکر اس نے اپنے تذکرے میں کیا ہے) فنا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے کتب خانے میں محفوظ ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کی نقل حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گئے ۔ اس کتاب میں مصحفی نے اپنے حالات زندگی درج کیے ہیں ۔ ڈاکٹر صدیقی اس کی نقل کا کوئی انتظام نہ کرسکے ۔ برسوں بعد کتاب یا اس کے کچھ اجزا کی نقل غالباً ڈاکٹر وحید قریشی نے انھیں

فراہم کی لیکن اس وقت تک ڈاکٹر ابواللیث صدیقی (کراچی یونیورسٹی) مصحفی پر اپنی کتاب شائع کر چکے تھے جس میں مخزن الفوائد کے طویل اقتباسات درج ہیں۔

(۶۶) قاضی صاحب نے یہ کتاب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام معنون کی ہے۔

(۶۷) انگریز مستشرق ٹرنر میکن [Turner Mecan] جس نے انگریزی میں شاہنامے کا ترجمہ کیا

(۶۸) قاضی صاحب کی مراد لمسڈن [Lumsden] سے ہوگی۔ اس نے بھی غالباً اس کا ترجمہ شائع کیا تھا۔

(۶۹) غالباً وہ ایرانی ایڈیشن مراد ہے جسے محمد رمضانی نے مرتب کر کے برن سے ۱۳۱۲ ش میں شائع کیا تھا۔

(۷۰) دیوان مطبع احمدی آگرہ سے سنہ ۱۸۶۳ عیسوی میں شائع ہوا تھا۔ اس کے نسخے کمیاب ہیں لیکن نایاب نہیں۔

(۷۱) آثارِ غالب ص ۷۰

(۷۲) غلام رسول مہر صاحب کا یہ مضمون میں نے اشاعت سے قبل قاضی صاحب کی طلب پر انھیں مطالعے کے لیے بھیجا تھا۔ یہ بعد کو علی گڑھ میگزین (غالب نمبر) میں شائع ہوا۔ دیکھیے ص ۴۷۔

(۷۳) محمد کریم ابن مہدی قلی تبریزی کی تالیف۔ سال تالیف ۱۲۰۶ھ۔

(۷۴) غالب نے بہادر شاہ ظفر کی اس غزل کی تضمین کی تھی جس کا ایک مصرع یہ ہے۔

وصل کی شب، اے بت بے پیر، آدھی رہ گئی

یہ مخمس جو دہلی اردو اخبار کے تتمے مؤرخہ ۱۷ اپریل ۱۸۵۳ء کی ایک اشاعت میں چھپا تھا میں نے غالب نمبر میں شائع کر دیا تھا۔ ص ۱۰۱

(۷۵) ڈاکٹر صدیقی کے چھوٹے صاحب زادے محمد مسلم صدیقی، مقیم الہ آباد۔

(۷۶) ان کی تعیین فی الحال نہیں کر سکا۔

(۷۷) الکزنڈر ہیڈلی، آزاد (ت جولائی ۱۸۶۱ء) مراد ہیں جو زین العابدین خاں عارف کے شاگرد تھے اور غالب سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔

(۷۸) پنج آہنگ ص ۲۰۳ (طبع دوم، مطبع دارالسلام، حوض قاضی، دہلی، ۱۸۵۳ء) میرزا کا لکھا ہوا دیباچہ طبع اول (مطبع سلطانی دہلی ۱۸۴۹ء) میں اس لیے موجود نہیں کہ اس کی طباعت ۱۳ رمضان ۱۲۵۶ھ کو ختم ہوئی اور تذکرۂ طلسمِ راز کا سال اتمام جیسا کہ غالب کے

لکھے ہوئے قطعۂ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے ۱۲۶۶ھ ہے۔

(۷۹) یہ بات حیرت میں ڈال دینے والی ہے۔ جو میر مہدی مجروح سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ انھوں نے ایک تذکرہ مرتب کیا تھا اور اس کا دیباچہ غالب نے لکھا تھا۔ تذکرۂ طلسم راز کے کسی نسخے کا اب تک پتا نہیں چلا ہے اور غالب کا نوشتہ دیباچہ موجود نہ ہوتا تو شاید مشکل سے اس بات کا علم ہوتا کہ مجروح ایک تذکرے کے مرتب بھی ہیں۔ تعجب ہے کہ اس کا حوالہ بھی اب تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ میر مہدی مجروح کے خاندان سے تعلق رکھنے والے صاحب نے بہت دن ہوئے سندھ سے مجھے اطلاع دی تھی کہ ان کے پاس اس تذکرے کا ایک نسخہ موجود ہے۔ میں نے تفصیلات چاہیں لیکن پھر ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ اور نہ اس کے مندرجات پر آج تک ان کا کوئی مضمون دیکھنے میں آیا۔

(۸۰) یہ بہت اہم اطلاع ہے۔ لیکن بیسویں صدی کے اوائل میں اس پر نظرِ ثانی کی بات کا مجھے یقین نہیں آتا۔ مجروح بیسویں صدی میں صرف ڈھائی سال جیے ہیں (تاریخ وفات ۵ مئی ۱۹۰۳ء۔ دیکھیے تلامذۂ غالب ص ۳۰۶ طبع دوم) اس زمانے میں ان کی صحت خراب تھی اور بینائی کمزور۔ اس عالم میں پورے تذکرے پر انھوں نے نظرِ ثانی کی ہو اس کا یقین اسی وقت آسکتا ہے جب وہ قطعۂ تاریخ جس کا ذکر قاضی صاحب کر رہے ہیں پیش نظر ہو۔

(۸۱) مالک رام صاحب نے دو مذہبی رسالے انوار الاعجاز، ہدیۃ الامر کے علاوہ گنج غرائب اور آیات جلی فی شان مولا علی کا ذکر کیا ہے جس کے قلمی نسخے علی الترتیب لاہور اور کراچی میں محفوظ ہیں۔ تلامذۂ غالب ص ۳۰۶) معلوم نہیں ہوسکا کہ مہیش پرشاد کے پیش نظر مجروح کی کیا کتاب تھی۔

(۸۲) خطوط غالب مرتبہ مہیش پرشاد (الہ آباد ۱۹۴۱ء) مراد ہے۔ ڈاکٹر صدیقی، دوران طباعت قاضی صاحب کے پاس اس کے مطبوعہ اوراق بھیجتے رہے تھے۔

(۸۳) مجھ پر اس کا مفہوم واضح نہ ہوسکا۔ جب یہ مجموعہ خطوط ۱۹۴۱ء میں شائع ہوچکا تھا تو قاضی صاحب کے پاس صرف ۲۴۰ تک کے اوراق کیوں تھے۔

(۸۴) محمد زبیر صدیقی جو ترک وطن کر کے کراچی چلے گئے تھے اور چھوٹے صاحبزادے محمد مسلم صدیقی مقیم الہ آباد۔

(۸۵) رسالۂ معاصر اس زمانے میں پٹنے سے ماہانہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد کی ادارت میں شائع ہوتا تھا، لیکن ترتیب و اشاعت کا سارا کام پروفیسر کلیم الدین احمد کیا کرتے تھے۔ رسالۂ مُصنّف سہ ماہی تھا اور اسے سیّد الطاف علی بریلوی مرحوم مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ سے شائع کرتے تھے، تقسیمِ ہند تک یہ علمی رسالہ یہاں سے شائع ہوتا رہا۔

(۸۶) یہ خط نمبر ۲ ہے (خطوطِ غالب ص ۲) مُرتّب نے اسے اگست ۱۸۵۰ء کا لکھا ہوا قرار دیا تھا۔

(۸۷) منشی مہیش پرشاد نے اس خط پر سالِ تحریر درج نہیں کیا ہے لیکن اسے خط ۲ سے جو ۱۹ اپریل ۱۸۵۳ء کا لکھا ہوا ہے پہلے درج کیا ہے۔

(۸۸) خطوطِ غالب ص ۵۲۳۔ اصل میں سہواً ۲ ستمبر لکھا گیا ہے میں نے خطوطِ غالب سے تصحیح کر دی ہے۔

(۸۹) قاضی صاحب نے سہواً ۱۸۵۲ء لکھ دیا ہے

(۹۰) قاضی صاحب نے "بہتر" میں ت پر تشدید کا نشان لگا دیا ہے اس سے تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ وہ ظاہراً "تازہ شے بہتر بارہ سے بہتّر" لکھنا چاہتے ہوں گے۔

پس نوشت: "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر": غالب، میر احمد حسین میکش کو لکھتے ہیں:

> "تاریخ نے مزا دیا، خدا جانے وہ خرمے کس مزے کے ہوں گے، جن کی تاریخ ایسی ہے ... تاریخ دیکھی، اس کی تعریف میں خرمے کھائیں گے، اس کی تعریف کریں گے۔ کہیں یہ تمہارے خیال میں نہ آوے کہ یہ حسنِ طلب ہے کہ ناحق تم دین محمد کو دوبارہ تکلیف دو۔ ابھی رقعہ لے کر آیا ہے، ابھی خرمے لے کر آوے ... اگر بہ فرضِ محال تم یوں ہی عمل میں لاؤ گے اور میاں دین محمد صاحب کے ہاتھ خرمے بھجواؤ گے، تو ہم بھی کہیں گے: "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر"۔

منشی مہیش پرشاد اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پیش کردہ متن میں "تازہ شے بہتر" کو صحیح سمجھنے میں قاضی عبدالودود صاحب کو تامل ہے۔ ان کے خیال میں "تازہ شے بہتر، بارہ سے بہتر" زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب اسے تجنیسِ خطی کہتے ہیں اور متن کی حسب ذیل شکل بہتر اور موزوں سمجھتے ہیں:

میں ان سے متفق ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر خرمے بھیجو تو دس بارہ کی تعداد میں نہ بھیجو، ہزار پانسو بھیجو۔ یعنی تھوڑے بہت نہیں، بھیجنا ہو تو خاصی تعداد بڑی مقدار میں بھیجو۔ آموں کی طرح وہ خرمے بھی پسند کرتے ہوں گے کہ زیادہ آئیں۔

(۹۱) یہاں یہ تحریر ختم ہوجاتی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ خطوطِ غالب کے مطبوعہ فرمے ڈاکٹر صدیقی ان کے پاس برابر بھیجتے، اور وہ اپنے ملاحظات لکھ کر انھیں روانہ کرتے رہے ہوں گے۔

(۹۲) منشی مہیش پرشاد (ت ۱۹۵۱ء) مرتّب خطوطِ غالب جس کی پہلی جلد ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی نظرِ ثانی کے بعد ہندوستانی اکیڈمی، الہ آباد سے ۱۹۴۱ء میں شائع ہوئی۔

(۹۳) بعد کو قاضی صاحب کی رائے میں تبدیلی آئی۔ وہ کہتے تھے کہ کتب خانۂ مشرقیہ کے دونوں نسخوں میں کوئی مے خانۂ آرزو نہیں۔

"یہ نسخہ ۱۲۵۴ھ سے قبل کا لکھا ہوا ہے اور ظاہراً معدوم ہے"۔ (آثارِ غالب ص ۱۵)

(۹۴) اس خط میں غالب کے اس فارسی دیوان کا تین جگہ ذکر آیا ہے اور ہر جگہ قاضی صاحب نے اس کا نام میخانۂ آرزو لکھا ہے۔ یہ خیال کہ اس مجموعے کا نام میخانۂ آرزو نہیں بلکہ میخانۂ آرزو سر انجام ہے ظاہراً انھیں ۱۹۳۳ء کے بعد اور ۱۹۳۹ء سے پہلے کسی زمانے میں پیدا ہوا۔ میں اس معاملے میں ان سے متفق نہ تھا اگرچہ متعدد بار ان سے اس مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ غالب نے اپنی دوسری کتابوں کے نام جس طرح رکھے ہیں (پنج آہنگ، گلِ رعنا، قاطع برہان، درفش کاویانی) اس سے بھی مجھے خیال ہوتا تھا کہ نام میخانۂ آرزو ہی ہے۔ لیکن اب ڈاکٹر حنیف نقوی نے فارسی کا ایک ایسا قطعہ شائع کیا ہے جس سے یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا نام "میخانۂ آرزو سر انجام" ہی ہے۔

(۹۵) یہ ۴۲ خطوط ہیں ۴۳ نہیں۔ قاضی صاحب چاہتے تھے کہ ڈاکٹر عندلیب شادانی، استاد شعبۂ فارسی ڈھاکا یونیورسٹی یہ خطوط مرتّب کر دیں، لیکن وعدے کے باوجود وہ یہ کام نہ کرسکے۔ بالآخر قاضی صاحب نے جن کے پاس ان خطوط کی نقل تھی میری فرمایش اور اصرار پر علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کے لیے انھیں مرتّب کیا اور میں نے ۱۹۴۹ء میں اس کے ضمیمے کے طور پر شائع کر دیا۔

(۹۶) بانی کتب خانۂ مشرقیہ کے صاحبزادے صلاح الدین خدا بخش، جنھوں نے اپنا ذخیرۂ کتب بھی کتب خانے کو دے دیا تھا۔

(۹۷) اس مجموعے میں جو بقول حکیم حبیب الرحمٰن (ڈھاکہ) شائق جہانگیر نگری کا جمع کردہ ہے۔ تپاں، شائق، خواجہ محمد حسن، خواجہ فخر اللہ اور ایک نامعلوم الاسم مکتوب الیہ کے نام کے خطوط ہیں۔ اس مجموعے میں ابوالقاسم خاں کے نام کوئی خط نہیں۔ ان کے نام کے اکیس خطوط متفرقاتِ غالب مرتبہ مسعود حسن رضوی (رام پور، ۱۹۴۷ء) میں موجود ہیں۔

(۹۸) یہ مثنوی جو غالب نے بہادر شاہ کی طرف سے تہنیتِ براءت کے لیے لکھی تھی متفرقاتِ غالب میں شامل ہے۔

(۹۹) درفشِ کاویانی کا کمیاب نسخہ (مملوکۂ راقم) انھیں مطالعے کے لیے دیا گیا تھا۔ بیس پچیس سال کے بعد بھی ان کے پاس موجود تھا لیکن اس طرح کہ کثرتِ استعمال سے اس کے پرزے پرزے ہوگئے تھے۔

(۱۰۰) مجھے اس کتاب کا علم نہیں۔ بہت بعد کو لالا پرتھوی چندر نے پنشن کے سلسلے کے دفتری کاغذات حقِ جاگیرِ غالب کے نام سے ۱۹۶۸ء میں دہلی سے شایع کر دیے تھے۔ یہ مجموعہ بے حد کمیاب بلکہ نایاب ہے۔ اب اس کتاب کا نقشِ ثانی افادۂ عام کی خاطر ڈاکٹر سید معین الرحمٰن صاحب نے لاہور سے شایع کر دیا ہے۔

(۱۰۰) فرہنگِ غالب مرتبہ امتیاز علی عرشی پر ان کا تبصرہ میں نے علی گڑھ میگزین "غالب نمبر" میں شائع کیا، ۱۹۴۹ء۔ ذکرِ غالب (مالک رام) اور دوسری کتابوں پر بعد کو ان کے تبصرے معاصر (سہ ماہی) میں چھپے اور سبدِ چین (مرتبہ مالک رام) پر ان کا تبصرہ رسالۂ مصنف (علی گڑھ) میں شائع ہوا۔

مکتوبات مالک رام بنام مختار الدین احمد

(۱)

P.O.Box No: 287
Alexandria (Egypt)
۱۷۔ نومبر ۱۹۴۷ء

کرم فرمائے مکرم، آداب نیاز

آپ کا گرامی نامہ جو آپ نے "ڈاک گھر" میں سے کھڑے کھڑے لکھا ہے، پرسوں پیر کے دن شرف ورود لایا۔ اس سے پہلے کا عطوفت نامہ مجھ تک نہیں پہنچا۔

بے شک عرشی صاحب قبلہ نے بھی میگزین کے لیے مضمون کے لیے لکھا تھا اور میں نے کسی حد تک ہامی بھی بھر لی تھی۔ پھر میں نے ان سے دریافت کیا کہ میگزین کون سے ماہ کی اشاعت غالب سے مخصوص ہے تو ان کا جواب نہ ملا۔ میں نے خیال کیا کہ غالباً پرچہ چھپ چکا ہے اور اب مضمون لکھنا بے کار ہے۔ اس لیے میں چُپکا ہو رہا اور مضمون لکھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اب آپ فرماتے ہیں کہ جنوری میں اشاعت خاص نکل رہی ہے اور مضمون اس ماہ کے آخر تک پہنچ جانا چاہیے۔ تعمیلِ ارشاد میں مضمون تو میں بھیج دوں گا۔ لیکن وقت کی تنگی کے سبب چونکہ اس پر پوری توجہ اور محنت اب نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اگر پسند نہ آئے تو بے شک، شائع نہ کریں۔ دراصل اس کے لیے ذمے دار عرشی صاحب ہیں۔

مرزا کی کتنی چیزیں میرے پاس تھیں جو خدا جانے کس قدر مصیبت اور خرچ سے جمع کی تھیں، وہ سب پنجاب کے گذشتہ فسادات کی نذر ہو گئیں۔ اب یہ قصّہ نہ چھیڑیے کہ کس

کس چیز کا ماتم کیا جائے۔ میری کتاب ذکرِ غالب۔ دوسرا ایڈیشن جس کی ضخامت طبعِ اوّل سے دُگنی ہو گئی تھی وہ بھی ضائع ہو گئی۔

میرے مضمون کا عنوان ہو گا:

"میرزا غالب سے میری ملاقاتیں"

(عادات)

کیا یہ ممکن ہے کہ پرچہ میرے نام جاری کر دیں۔ ان شاء اللہ یہ تعلق قایم رکھوں گا۔ اپنے متعلق پھر کسی وقت لکھوں گا۔ والسلام والاکرام

خاکسار
مالک رام

(۲)

P.O.Box No. 287
Alexandria (Egypt)
۲۶۔ نومبر ۱۹۴۸ء

کرم فرمائے من۔ آج مضمون ایک دوست کے ذریعے سے بھیج رہا ہوں۔ میں نے عنوان تبدیل کر کے "میرزا غالب (حالات۔ عادات۔ خصایل)" رکھ دیا ہے۔ ایک خاص رنگ سے یہ حالات بیان ہوئے ہیں۔ خدا کرے پسند خاطر ہو۔

اگرچہ اب بھی فل سکیپ (کذا) کے دس صفحے ہو گئے ہیں، پھر بھی آپ دیکھیں گے کہ آخری حصّہ بہت تشنہ رہ گیا۔ اس کی وجہ وقت کی تنگی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا کہ مضمون نومبر کے آخر تک پہنچ جائے۔ اب بھی کافی دیر سے جا رہا ہے اور ممکن ہے کہ اب چھپنے کی جگہ ہی نہ رہی ہو۔ اس کے لیے بہت حد تک قبلہ عرشی صاحب ذمہ دار ہیں۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ پرچہ جنوری میں شائع ہو رہا ہے تو میں اسے زیادہ توجہ اور اطمینان سے لکھ سکتا تھا اور کب کا بھیج بھی چکا ہوتا۔

ایک اور بات ذہن میں آئی کہ پرچہ فروری میں کیوں نہ شائع ہو۔ ۱۵۔ فروری میرزا کی تاریخ وفات ہے۔ اس طرح یہ سالگرہ کا پرچہ بن جائے گا۔ مگر ممکن ہے کہ اب انتظام میں

تبدیلی نہ ہو سکے۔

میں نے مضمون کے ساتھ ایک مختصر تحریر لکھی ہے۔ اگر ممکن ہو تو ۸ ۔ ۱۰ کاپیاں اس مضمون کی علیحدہ نکلوالی جائیں۔ شکریہ۔ والسلام والاکرام

خاکسار
مالک رام

(۳)

P.O.Box No. 287
Alexandria (Egypt)
۲۶ ۔ نومبر ۱۹۳۸ء

لیجیے قبلہ مضمون حاضرِ خدمت ہے۔ عنوان بدل دیا ہے اور چونکہ اور کوئی بات سمجھ میں نہ آئی اس لیے "سرِّ دلبراں" کو "حدیثِ دیگراں" میں بیان کیا ہے۔ خدا کرے آپ کے پسند آ جائے۔ اگر شائع کرنے کا فیصلہ ہو تو دو ایک باتوں کا خیال رہے۔

۱۔ کتابت پر خاص توجہ ہو۔ غالب کی فارسی غزلوں کو کلیات سے دیکھ لیا جائے۔ ممکن ہے کاتب میرا لکھا ہوا ٹھیک طور پر پڑھ نہ سکے۔ میں نے حتیّ الوسع بہت صاف لکھنے کی کوشش کی ہے لیکن پھر بھی کچھ یقین نہیں۔

۲۔ مضمون کسی طاق عدد سے شروع کیا جائے جیسے ۹ ۔ ۱۱ ۔ ۱۳ وغیرہ ۔ مقصود یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس مضمون کی ۸ ۔ ۱۰ کاپیاں میرے لیے علیحدہ نکلوا لی جائیں ۔ امید ہے آپ یہ زحمت گوارا فرمائیں گے۔

۳۔ کاتب لفظوں کو ملا کے نہ لکھے جیسے اسلیے ، آجکل ، انکو۔ یہ لفظ الگ الگ لکھے جائیں اس لیے ، آج کل ، ان کو وغیرہ

میں تفصیل سے الگ ایک خط لکھ رہا ہوں۔ مضمون کے پہنچنے کی اطلاع دیں۔

والسلام والاکرام

خاکسار
مالک رام

(۴)

P.O.Box No. 287
Alexandria (Egypt)

یکم فروری ۱۹۳۹ء

کرم فرمائے من! آداب نیاز

۱۴۔ جنوری کا پوسٹ کارڈ بہت دن سے جواب طلب خطوط میں پڑا ہے، جواب میں تاخیر ہوئی لیکن کیا لکھوں کہ کس لیے

ہم بھی تمھیں بتائیں کہ مجنوں نے کیا کیا
فرصت کشا کشِ غمِ پنہاں سے گر ملے

خوشی ہوئی کہ مضمون آپ کو مل گیا اور پھر آپ کو پسند آیا۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ آخری حصّہ تشنہ رہ گیا۔ حالانکہ اس میں حالات زیادہ تفصیل سے مل سکتے تھے۔ خیال ہے کہ اگر زمانہ مساعدت کرے تو اس نہج پر ان کی ساری عمر کے حالات لکھ ڈالوں، لیکن یہ سب خیال ہی خیال ہے۔ فرصت ملتی نظر نہیں آتی۔ بہرحال اتنا عزم تو ہے کہ اس آخری ٹکڑے کو نئے سرے سے لکھوں گا۔ پھر یہ خوب ہو جائے گا، جیسے کہ آپ نے فرمایا یہ ایک خاص طرز کی چیز ہو گی۔ خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

میں نے اپنے پچھلے خط میں چند باتیں پوچھی تھیں، لیکن چونکہ آپ کا پہلا مکتوب مجھے نہیں ملا اس لیے معلوم نہیں کہ آپ نے کیا جواب دیا تھا۔ بہرحال میں انھیں دوبارہ لکھ دیتا ہوں۔

۱۔ نگار ۱۹۲۹ء کے فائل میں سے اگر میرا مضمون "ذوق اور غالب" اور ادبی دنیا کے ۱۹۳۱ء میں "غالب کی مہریں" (صرف پہلے دو صفحے) نقل کروا کے مہیا کرا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

۲۔ میں ان متفرق مضامین کو کتابی صورت میں چھپوانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے حلقے میں کوئی صاحب یہ جرأت کریں گے۔

۳۔ غالب پر جو کتابیں چھپی ہیں ان کی فہرست چاہیے۔

میگزین کا مرسلہ پرچہ ملا۔ چشم بد دور خاصے کی چیز ہے۔ جب آتش جوان تھا تو ان دنوں میں باقاعدہ اسے پڑھا کرتا تھا۔ جب خواجہ منظور حسین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ آہ کیا دن تھے وہ بھی۔ خورشید الاسلام کا مضمون امراؤ جان ادا پر پرچے کا حاصل ہے۔ آپ کا

مضمون آپ کے وسعتِ مطالعہ و معلومات پر دال ہے۔ میرزا جانجاناں مظہر کے محلِ ولادت سے متعلق آپ سے سہو ہوا ہے۔ میں اسے اپنے مضمون مطبوعہ نگار جولائی ۱۹۳۸ء میں صاف کر چکا ہوں۔ میں نے لکھا ہے کہ جیسے کہ عبدالوہاب صاحب لکھتے ہیں وہ مالوہ میں پیدا ہوئے اور ممکن ہے کہ یہ جگہ کالا باغ ہی ہو جیسے کہ آزاد نے آبِ حیات میں لکھا ہے۔ کاش کہ قاضی عبدالودود صاحب غالب کی راست گفتاری سے متعلق نہ لکھتے۔ آخر انھیں یہ مضمون لکھنے سے کیا مل گیا؟ میں خطائے بزرگاں گرفتن خطاست، کا قایل نہیں ہوں لیکن گناہ بے لذّت سے فایدہ۔ اگر اس سے ہمارے علم و ادب میں یا معلومات میں کچھ اضافہ ہوتا ہو تو ایک عذر بھی ہے ورنہ پردہ پوشی سے کام لینا خداوند کریم کی صفتِ ستّاری و غفّاری کا تقاضا ہے۔

کیا آپ ان تمام تذکروں کی فہرست لکھ سکتے ہیں جو غالب کے زمانے میں یا ان کی موت کے بعد لکھے گئے۔ ان میں سے جو آپ عاریتہً دے سکتے ہوں ان پر نشان کر دیجیے گا۔

اپنے متعلق کیا بتاؤں۔ حکومتِ ہند کے ایک دفتر میں ملازم ہوں۔ کب تک یہاں قیام رہے گا؟ اس کا جواب تو مجازی کارکنانِ قضا و قدر کو معلوم ہو گا۔ اپنا تو یہ حال ہے کہ "نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں" آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔ ذرا موسم کھلتا ہے تو مکتبۂ البدیہ میں سے کتاب نکلوا کے اس کی مفصّل کیفیت آپ کی خدمت میں لکھوں گا۔ پچھلے تین ہفتے سے ایسی بلا کی سردی پڑ رہی ہے کہ "صبح نکلے ہے کانپتا خورشید"۔

والسّلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۵)

P.O Box No 287

Alexandria (Egypt)

۱۵۔ فروری ۱۹۳۹ء

بندہ نواز! ۲۵۔ فروری (کذا) کے گرامی نامے کا شکریہ۔

نواب صدر یار جنگ مدظلہ کے کتب خانے میں جو خط ہے اس کا مجھے علم ہے بلکہ ذکرِ غالب میں ان کا حوالہ موجود ہے۔ ۱۸۰۰ کی تاریخ واقعی غلط ہے۔ آپ ۱۸۱۴ فرماتے ہیں لیکن

لیکن آپ نے یہ خیال نہیں فرمایا کہ یہ بھی غلط ہے کیونکہ ۱۸۳۱ء میں ہجری سنہ ۱۲۴۹ھ ہو گا اور مُہر ۱۲۳۱ھ کی ہے اس لیے میں نے ذکرِ غالب میں لکھا تھا کہ صحیح تاریخ غالباً ۱۸۲۳ء ہو گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ جناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب مدظلہٗ کی رائے میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کیا ان کا یہ مطلب ہے کہ یہ خط غالب کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں بلکہ ان کے استاذ کا لکھا ہوا ہے؟ مہربانی فرما کر ذرا تفصیل سے لکھیں کہ انھوں نے کیا کہا تھا۔ یہ ضروری درخواست ہے۔

آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ میں نے پوچھا تھا کہ غالب کے متعلق آج تک جو کتابیں شائع ہوئی ہیں ان سب کی فہرست لکھیں۔ چونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ "غالب سے متعلق کتابیں" کے عنوان سے مضمون لکھوں۔ اگرچہ آپ کا خاص نمبر تو اب نکل ہی رہا ہے اس کے لیے یہ مضمون کارآمد نہیں ہو گا لیکن پھر بھی موضوع ایسا ہے کہ اگر ممکن ہوا تو ضرور اس پر لکھوں گا۔ گو بیشتر کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں پھر بھی ممکن ہے کہ ان میں سے بعض میرے مطالعے میں نہ آئی ہوں۔ اس لیے آپ سے مکمل فہرست طلب کی تھی۔ ممکن ہو تو لکھ بھیجیں۔ شوکت سبزواری کی کتاب "فلسفۂ کلامِ غالب" میں نے نہیں دیکھی۔ باقی کتابیں جناب عرشی صاحب نے بھیج دی تھیں۔

میرے مضامین کے مجموعے سے آپ غافل نہیں ہیں، شکریہ۔ مجھے اس سے مالی منفعت کا خیال نہیں بلکہ صرف ان کو محفوظ کر دینے کا خیال ہے۔ البتہ ناشر صاحب کو کم از کم پچیس ایک نسخے مجھے دینا پڑیں گے جو میں احباب میں تقسیم کر سکوں۔ بلکہ نسخوں کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو بہتر ہے۔

نگار والے مضمون کی نقل ضرور بھجوانے کی کوشش فرمائیں۔ "غالب کی مُہریں" کے پہلے دو صفحوں کی نقل کا شکریہ قبول فرمائیں۔ آپ نے بہت زحمت گوارا فرمائی۔

اگر غالب نمبر کی کتابت اب شروع ہوئی ہو تو ختم کب تک ہو گی۔ جیسے کہ میں نے لکھا تھا میرے مضمون کی دس کاپیاں علیحدہ نکلوالیں اور پرچہ اور یہ مضمون علیحدہ علیحدہ رجسٹری ڈاک سے بھیجیں۔

ان شاء اللہ جلد اپنی تصویر حاضر خدمت کروں گا۔ آپ کو مایوسی نہ ہو، اس سے ڈرتا ہوں۔
عرشی صاحب کا پتہ یہ ہے: (غیر مندرج)

اسامہ بن منقذ کی کتاب سے متعلق تفصیل سے عنقریب لکھتا ہوں۔ مصیبت یہ ہے کہ فرصت نہیں ملتی کہ کتب خانے کی طرف جا سکوں۔ ایک دفعہ وہاں پہنچ جاؤں تو سب کچھ ہو

جائے گا۔ فوٹو لینا بھی مشکل نہیں ہو گا کیونکہ بلدیہ میں سب واقف اور دوست ہیں، چند سے اور صبر کریں۔

یہ تو ہوا آپ کے خط کا جواب۔ اب یہ فرمائیے کہ آپ نے میرے ایک سوال کا جواب کیوں نہ دیا۔ میں نے دریافت کیا تھا کہ غالب کے زمانے میں یا اس سے بعد جو تذکرے لکھے گئے ہیں ان کی مکمّل فہرست درکار ہے۔ نیز ان کتابوں پر نشان کر دیجیے جو آپ مُستعار دے سکتے ہیں۔

ان میں سے بیشتر میرے پاس ہیں یا دیکھے ہوئے ہیں۔ لیکن پھر بھی میں یہ چاہتا ہوں کہ شبہہ نہ رہے جو کتابیں مُستعار لوں گا، ان شاء اللہ تین ماہ کے اندر اندر واپس کر دوں گا۔ بلکہ جو میرے پاس نہ ہوں گی اگر نایاب نہ ہوئیں تو انھیں قیمتاً خریدنے پر تیار ہوں۔ بہرحال آپ یہاں فہرست بھیجیں اور نشان کر دیں کہ ان میں سے کون سی آپ آسانی سے دو تین ماہ کے لیے علیحدہ کر سکتے ہیں۔ شکریہ

مجھے وقتاً فوقتاً ہندوستان سے کتابیں منگوانے کی ضرورت رہتی ہے۔ کیا آپ کے یہاں کوئی ایسا مکتبہ ہے کہ میں ان کو یا آپ کو لکھ دوں اور وہ مجھے کتابیں بھیج دیا کریں۔ لیکن خیال رہے کہ یہاں وی پی پی نہیں آ سکتا اس لیے لازماً زرِمبادلہ (قیمت اور ڈاک خرچ) کی ادائگی کتابوں کی وصول کے بعد ہی ہو گی۔ اگر صاحبِ مکتبہ کو اعتبار نہ ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں کچھ روپیہ پیشگی ان کے پاس جمع کرا دوں اور بعد میں حساب چلتا رہے یا آپ ہی کو روپیہ بھیج دوں۔

نمبر کی اشاعت کب تک ہو گی؟

والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

مجھے اپنے مضمون سے متعلق دو باتیں یاد آ گئیں۔ آخری ایّام کے حالات میں ایک جگہ میں نے لفظ سانس کا استعمال کیا ہے۔ مجھے اس کی تذکیر و تانیث میں کچھ شبہہ ہے۔ دلی میں سانس مؤنث اور لکھنؤ میں غالباً مذکّر ہے۔ اگر میں نے مذکّر لکھا ہے تو رہنے دیجیے۔

دوسری ایک جگہ مرزا کی زبان سے کہا گیا ہے کہ "کوئی ڈھب کا مکان نہیں ملتا تھا" یہ مقام وہ ہے جب انھوں نے مکان تبدیل کیا ہے۔ یہاں ڈھب کی جگہ ڈھنگ بنا دیا جائے۔

اگر کاپی مطبع میں نہیں گئی تو یہ مشکل نہیں ہو گا اگر جا چکی ہو تو پتھر پر یہ تبدیلی کرا دیں۔ ڈھب بھی غلط نہیں لیکن ڈھنگ زیادہ فصیح رہے گا۔ یہ دونوں باتیں ضرور دیکھ لیں۔

مالک رام

(۶)

P.O.Box No. 287

Alexandria (Egypt)

۲۰۔ مارچ ۱۹۳۹ء

کرم فرمائے من!

۱۱ مارچ کے پوسٹ کارڈ کا شکریہ۔ امید ہے میرا ۱۰ مارچ کا خط آپ کو مل گیا ہو گا۔

میں نے پچھلے خط میں اپنے مضمون سے متعلق دو باتیں لکھی تھیں۔ پہلی یہ کہ سانس کو مذکر رہنے دیں۔ اب گزارش ہے کہ اسے مؤنث بنا دیں۔ یعنی "سانس پھول گئی" بنا دیں۔ غالباً میں نے سانس پھول گیا لکھا ہے۔ میں ان باتوں میں لکھنوی محاورے کو ترجیح دیتا ہوں اور لکھنؤ میں سانس مؤنث ہی ہے؛ اس لیے اسے مؤنث بنا دیں۔

ڈھب کی جگہ ڈھنگ کرنا ہے۔ امید ہے آپ نے یہ کر دیا ہو گا۔ مہربانی فرما کر آپ بھی میری طرح تساہل سے کام نہ لیں۔ اگر اب تک نصف پرچے کی کتابت ہوئی ہے تو پرچہ مئی سے پہلے شائع نہیں ہو سکتا۔ لیکن کام عمدگی سے کرنا اس سے بہتر ہے کہ اسے عجلت میں خراب کر دیا جائے۔ پرچہ رجسٹری سے بھیجیں۔ آگرہ کے پرچے "شاعر" کے خاص نمبر میں میرا ایک مقالہ شیفتہ سے متعلق شائع ہوا ہے۔ غالباً نظر سے گذرا ہو گا۔

میں بدیع [فی نقد الشعر لاسامۃ من منقذ الشیزری] کے متعلق بھی معافی چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے اگلے خط میں اس سے متعلق تفصیل سے لکھوں گا وما توفیقی إلا باللہ۔

والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۷)

اسکندریہ
۲۸ - مارچ ۱۹۳۹ء

کرم فرمائے من!
میرے پچھلے دونوں خط آپ کو مل گئے ہوں گے اور آپ نے میرے لکھنے کے مطابق سانس پھول گئی اور ڈھب کی جگہ ڈھنگ بنوا دیا ہو گا۔ پھر تاکید سے لکھتا ہوں کہ اس میں تساہل نہ ہو۔
کہیے پرچہ کب تک ملے گا؟ مارچ بھی ختم ہو گیا۔ آپ تو جنوری میں شائع کرنے کا عزم کیے ہوئے تھے۔
یقین ہے پرچے میں غالب کی تصویر بھی ہو گی لیکن خدا کے لیے کہیں وہ تصویر نہ دے دیجیے گا جو پروفیسر مجیب صاحب نے برمنی میں تیار کروائی تھی اور کاویانی برلن والے جیبی نسخے میں موجود ہے۔ یہی آپ نے میگزین کے آخر میں اعلان کے ساتھ دی ہے۔ غالب کی متعدد تصویریں جو ان کی زندگی کی ہیں مل سکتی ہیں، ان میں سے کوئی ایک یا سب چھاپی جا سکتی ہیں۔ زیادہ کیا لکھوں خاص نمبر کا بہت انتظار ہے۔ والسلام والاکرام

خاکسار
مالک رام

ہاں میں نے پچھلے دونوں خطوں میں تذکروں کی فہرست طلب کی ہے۔ اس پر غور فرمائیں۔

(۸)

اسکندریہ
۱۵ - اگست ۱۹۳۹ء

جانِ آرزو!
کلکتے کا گرامی نامہ نظر افروز ہوا۔ شکریہ تو ایک رسمی بات ہے۔ آپ میرے دلی جذبات کا خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔
شیفتہ سے متعلق میں نے جو باتیں دریافت کی ہیں ان میں دو تین زیادہ اہم ہیں یعنی

ان کی ولادت اور وفات کی صحیح تاریخیں، سنین تو معلوم ہیں لیکن یقین ہے کہ ان کے خاندان میں یہ تاریخیں بتعیین یوم و شہر محفوظ ہوں گی۔ اگر شیفتہ کی تصویر بھی مل سکے تو کیا بات ہے۔

آپ کے یہ لکھنے سے کہ نواب محمد اسمٰعیل خاں آج کل ڈھاکہ میں ہیں دو تین باتیں یاد آ گئیں۔ اول وہاں ایک صاحب تھے، شفاء الملک حکیم محمد حبیب الرحمٰن خاں، ابھی تھوڑے دن ہوئے ان کا انتقال ہوا ہے۔ ان کے پاس غالب کے بعض دستی خط تھے جو مرزا نے قیامِ کلکتہ کے دوران میں ڈھاکہ کے بعض احباب کو لکھے تھے۔ شفاء الملک تو خدا کو پیارے ہو گئے۔ اگر آپ وہاں ان کے صاحبزادے جناب حکیم ارتضیٰ الرحمٰن سے معلوم کر لیں تو ممکن ہے ان کا کچھ کھوج نکل سکے۔

دوسری بات یہ کہ حکیم صاحب مرحوم نے ایک تذکرہ "شعرای ڈھاکہ" لکھا تھا اس کا مُسوّدہ بھی شاید ان کے کاغذات میں ہو۔ ان کی وصیت کے مطابق اُن کے تمام مسودات وغیرہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی تحویل میں جانے والے تھے۔ یونیورسٹی سے دریافت کیا جا سکتا ہے؟

ایک اور بات یاد آئی۔ وہاں وکٹوریہ میوزیم کلکتہ میں نواب احمد بخش خاں اور نیّر درخشاں (کذا) کی تصویریں ہیں۔ کیا آپ زحمت اٹھا کر ان کی نقل اتروا سکتے ہیں؟ دس برس ادھر جب میں کلکتہ میں تھا تو انھیں دیکھا تھا شیشے میں ہیں۔ اگر یہ کام سہولت سے کر سکیں تو اس میں تساہل نہ ہو۔ شکریہ۔

غالب کے اس مشاعرے کا حال جس میں بادِ مخالف والا ہنگامہ ہوا تھا، میں نے "ذکرِ غالب" کے دوسرے اڈیشن میں کیا ہے۔ اے ہاں، یہ تو فرمائیے کہ کیا آپ کے دوست "ذکرِ غالب" کا دوسرا اڈیشن چھاپنے پر آمادہ ہیں۔ مکتبۂ جامعہ تو غارت ہو گیا۔ آں قدح بشکست و آں ساقی نماند۔ امید نہیں کہ وہاں سے اب اس کی اشاعت کا انتظام ہو سکے۔ اگر آپ کے دوست اسے چھاپنا چاہیں تو میں مسوّدہ ترتیب دے کر بھیج دوں۔

آپ لکھیے کب تک واپس جا رہے ہیں؟ ہاے، کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں کیا میگزین کے ساتھ غلط نامہ چھاپے گا؟ والسّلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۵)

P.O.Box No. 287
Alexandria (Egypt)
۳۔ دسمبر ۱۹۶۹ء

حضرۃ مکرم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرے دو خط جواب طلب ابھی تک آپ کے ذمے ہیں۔ اس اثنا میں غالب نمبر پچھلے ہفتے موصول ہوا۔ شکریہ۔ لیکن یہ آپ نے کیا کیا۔ ایسا تاریخی نمبر اور ایسا ردی کاغذ۔ یہ ٹھیک ہے کہ معشوق ہر حال میں معشوق ہی ہے لیکن اگر اس کا لباس اس کی شان کے مطابق نہ ہو تو بے لطفی ضرور ہو جاتی ہے۔ یہی بات اس پر صادق آتی ہے اتنی محنت کرکے مضمون جمع کیے، اتنا خرچ کیا اور ایسا گھٹیا کاغذ لگا کر سارا مزہ کرکرا کر دیا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ نے کچھ نسخے نسبتہً اچھے کاغذ پر بھی شائع کیے ہوں گے اگر میرا گمان صحیح ہے تو ایک نسخہ اس کا مرحمت ہو۔

آپ ذرا سب مضمونوں پر الگ الگ لکھتا ہوں۔

نشذرات ۔ یہ کس نے آپ سے کہا کہ سبدِ حسن اور نامۂ غالب کا صرف ایک ایک نسخہ دنیا میں ہے۔ سبدِ حسن کے، خدا جھوٹ نہ بلوائے چار پانچ نسخے تو ہارڈنگ لائبریری دہلی میں ہی ہوں گے۔ حبیب گنج میں بھی ایک نسخہ ہے لیکن آخر میں سے غلط نامہ غائب ہے۔ نامۂ غالب؟ ایک نسخہ تو میرے ہی پاس ہے۔ حبیب گنج والے خط کی تاریخ آپ نے ۱۸۲۲ء لکھی ہے میرے خیال میں یہ ۱۸۳۰ء ہے، میرزا سے ۳ اور صفر کے لکھنے میں غلطی ہو گئی ہے آگے پیچھے لکھ گئے ہیں۔ آفاق صاحب نے حقیر کے نام والے تمام خطوط "نادراتِ غالب" کے نام سے کراچی سے شائع کر دیے ہیں۔

غالب کی جو تصویر آپ نے شائع کی ہے، یہ میری تالیف ذکرِ غالب میں شائع ہو چکی ہے۔ بلکہ سبدِ چین میں بھی ہے جو میں نے مکتبۂ جامعہ سے شائع کیا تھا۔

۲۔ غالب کی عظمت از آل احمد سرور ۔ سرور صاحب جب بھی لکھتے ہیں نہایت سوچ سمجھ کر اور کاوش سے۔ ان کے تمام مضمون بہت خیال انگیز ہوتے ہیں، یہ بھی ایسا ہی ہے۔

۳۔ غالب کی خاندانی پنشن (غلام رسول مہر)۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے، میں فرصت

صاحب کے مضمون کی تردید کر چکا ہوں، ملاحظہ ہوں ذکرِ غالب کے ص ۱۴۔ ۲۸

۴۔ مرزا غالب کا مُقدّمہ (مہر)۔ اگرچہ کوئی بات نئی نہیں لیکن ترتیب سے لکھ دینے سے پڑھنے والے کو آسانی رہے گی۔

۵۔ دہلی سوسائٹی (ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی) خدا خوش رکھے ڈاکٹر صاحب موصوف کو، ان کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔ وہ جب بھی لکھتے ہیں مفید، مستقل اور ٹھوس۔

۶۔ غالب کا ایک فرضی استاد (قاضی عبدالودود) حسب معمول محنت سے لکھا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ عبدالصّمد کا وجود خارج میں تھا یا نہیں لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ قاضی صاحب نے لکھا ہے (صفحہ ۵۰): اس کے مقابلے میں شیفتہ کا یہ قول کہ "ان کے ایک خط میں جو کسی دوسرے ملک سے بھیجا تھا یہ فقرہ تھا" ... انھیں (یعنی حالی کو) زیادہ قابلِ اعتنا معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ شیفتہ خود دیکھنے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ اس پر توجہ کی کہ گلشنِ بے خار میں شیفتہ نے عبدالصّمد کا ذکر نہیں کیا۔" انتہیٰ۔ حالی مرحوم کی پوری عبارت یہ ہے:

> "نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم کہتے تھے کہ مُلّا کے ایک خط میں جو اس نے مرزا کو کسی دوسرے مُلک سے بھیجا تھا یہ فقرہ تھا....."

نہ معلوم قاضی صاحب موصوف نے اس سے یہ نتیجہ کیسے نکالا کہ شیفتہ اس خط کو خود دیکھنے کا دعویٰ نہیں کرتے۔ بلکہ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ شیفتہ کے [قول] میں ایک فارسی فقرے کا اقتباس ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے وہ خط دیکھا ہے۔ رہا ان کا گلشنِ بے خار میں عبدالصّمد کا ذکر نہ کرنا تو ایمان کی بات تو یہ ہے کہ بقول حالی ۱۳۔ ۱۴ برس کی عمر میں کسی کا دو برس کے لیے کسی شخص سے پڑھنا کتنا سُود مند ہو سکتا ہے کہ اسے اتنی اہمیت دی جائے۔ شیفتہ نے بھی اس لیے اسے نظرانداز کر دیا۔

بہرحال اگر عبدالصّمد کا وجود خارج میں تھا تو اسے غالب کی استادی پر فخر ہونا چاہیے اور اگر نہیں تھا تو غالب کے لیے یہ اور بھی باعثِ فخر ہے کہ انھوں نے بغیر کسی استاد کے فارسی میں یہ درجۂ کمال حاصل کیا۔

۷۔ امراؤ بیگم (حمید احمد خاں) بے کار مضمون ہے۔ البتہ اس لحاظ سے اس میں نُدرت ہے

کہ آج تک اس عنوان سے کسی نے نہیں لکھا تھا۔

۸۔ باقر علی خاں کامل (حمیدہ سلطان) اگرچہ یہ تمام معلومات میری کتاب ذکرِ غالب میں موجود ہیں (صفحہ ۰۰ تا ۲۰) لیکن اس لحاظ سے کہ ان کے خاندان کی ایک محرّرہ کے قلم سے یہ سطریں نکلی ہیں قابلِ قدر ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ میری کتاب ان کے پیشِ نظر تھی۔ فقرے کے فقرے ہیں۔

۹۔ نوادرِ غالب (آرزو) اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کے پیشِ نظر وہ تمام مواد نہیں جو شائع ہو چکا ہے تو میں ضرور آپ کو لکھ دیتا لیکن مجھے غلط فہمی خود آپ ہی کی ایک تحریر سے ہوئی تھی۔ آپ نے لکھا تھا کہ گذشتہ برسوں میں جو چیزیں متفرق طور پر شائع ہوئی ہیں وہ سب آپ کے پاس موجود ہیں، اس پر میں خاموش ہو رہا۔ اب معلوم ہوا کہ آپ کا اندازہ غلط تھا۔ ابھی کتنی چیزیں رہ گئیں۔

۱۰۔ غالب کی شعر گوئی (عرشی) اچھا مضمون ہے۔

۱۱۔ "لطائف غیبی اور غالب" (مالک) "میری کتاب کے صفحات ۸۱ تا ۱۰۰ ملاحظہ فرمائیے۔

۱۲۔ برہانِ قاطع اور قاطعِ برہان کا قضیہ (مہیش پرشاد) میری کتاب میں سے قاطعِ برہان کا مباحثہ (ص ۹۲ تا ۹۰ ضرور دیکھیں۔ سوالاتِ عبدالکریم طبعِ اوّل کا ایک نسخہ میرے پاس ہے۔

ابھی تک یہی مضمون پڑھ چکا ہوں باقی کے متعلق پھر لکھوں گا۔ سب سے آخر میں آثارِ غالب پر تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ یہ خط قاضی صاحب قبلہ حاصل کر سکے۔ غالباً میں نے ان کے متعلق آپ کو لکھا بھی تھا۔ مرحوم حکیم حبیب الرحمٰن نے مجھے بھی ایک دفعہ ان کے بارے میں لکھا تھا لیکن جیسے وہ سہل انگار تھے وہ آپ سے مخفی نہ ہو گا۔ بہرحال الحمد للہ کہ یہ ضائع ہونے سے بچ گئے۔

اب ایک بات۔ ان کا نام آثارِ غالب نہیں رکھنا چاہیے تھا۔ اکرام صاحب نے اپنی کتاب غالب نامہ کو دو حصّوں میں تقسیم کرکے پہلے حصے کا نام آثارِ غالب رکھا تھا اور وہ بازار میں ملتا ہے۔ اس سے التباس کا اندیشہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان کی نظر سے بھی بعض عبارتیں رہ گئیں مثلاً تفتہ کے دیوانِ سوم کا دیباچہ وغیرہ۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ آثارِ غالب علیحدہ بھی چھپوایا گیا ہے۔ اگر یوں ہے تو اس کا ایک نسخہ بھجوا دیں۔

اب ایک عموی تبصرہ سنیے۔ کتابت کی غلطیاں اتنی ہیں، دونوں کمیّت اور

کیفیت کے لحاظ سے کہ حیرت ہوتی ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کاتب صاحب نئے تھے اور کاپیاں کسی نے دیکھی ہی نہیں۔ پھر کتابت میں یکسانی بھی نہیں رہ سکی۔ رنگ دار بلاک الّا ماشاء اللہ سب مغشوش ہو گئے اور انھیں پڑھنا تک محال ہے۔ یہ آپ کو سوجھی کیا آخر انھیں سرخ رنگ میں چھاپنے سے فایدہ ہی کیا تھا۔ جتنے بلاک کالی روشنائی میں چھپے ہیں بالکل معقول اور روشن ہیں۔ ایسے ہی دوسرے بھی چھاپ دیے ہوتے۔

آپ اس تمام ہرزہ سرائی سے یہ نہ خیال فرمالیجیے گا کہ میں تنقیص کر رہا ہوں بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی محنت کے خلاف کون سے اثرات کارفرما رہے ہیں۔

اچھا تو اب فرمایئے کہ میری درخواستوں کو شرفِ قبول کب حاصل ہو گا۔ بفضلہٖ آپ دونوں امتحانوں سے فارغ ہو گئے۔ ایم اے بھی ہو گئے اور پرچہ بھی شائع ہو گیا۔ مندرجۂ ذیل امور توجہ طلب ہیں۔

۱۔ شیفتہ اور نواب محمد اسحاق کی تصویریں اور تراجم درکار ہیں۔
۲۔ تذکروں کی فہرست لکھیے۔
۳۔ نگار میں شائع شدہ دونوں مضمونوں کی نقلیں (”ذوق اور غالب“۔ ”قتیل کا وطن“)
۴۔ خاص نمبر والے مضمون کے دس علیحدہ نسخے بھجوائیں۔
۵۔ خاص نمبر، اگر اچھے کاغذ پر شائع ہوا ہو تو اس کا ایک نسخہ چاہیے۔
۶۔ آثارِ غالب کا ایک نسخہ درکار ہے۔

کاغذ نبڑ گیا ورنہ شاید کچھ اور لکھتا۔ اب فرمائیں اس خط کا جواب اور مطلوبہ چیزیں کب تک ملیں گی۔

والسّلام۔ والاکرام

خاکسار

مالک رام

کیا آپ کے پاس میری کتاب ذکرِ غالب ہے؟ اگر ہو تو درخواست کروں گا کہ اسے ایک نظر پھر دیکھ جائیں۔ زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کا کام ہے۔ اور اس کے بعد مہر، سالک اور عرشی صاحب کے مضمون ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰)

اسکندریہ

۲۱ - فروری ۱۹۵۰ء

برادرِ گرامی قدر! ، ماہِ حال کے عطوفت نامے کا شکریہ جو بہت دن سے باعث سُرور ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس کا جواب تفصیل چاہتا تھا اس لیے - میں نے موقوف اسے وقتِ دگر پر رکھا" - آج اتوار ہے - جواب لکھنے بیٹھا ہوں۔ چل میرے خامے بسم اللہ۔

۱۔ تلامذۂ غالب - اس دوران میں چند اور ناموں کا اضافہ ہوا۔

۱۔ رعنا ، نواب مراد علی خاں ۲۔ طالب ، خان بہادر ڈاکٹر محمد حفیظ اللہ خاں اکبر آبادی ۳۔ عاقل ، سیّد محمد سلطان دہلوی (پہلے یہ نام صاحبزادہ رضا علی خان بہادر لکھا گیا تھا جو غلط ہے۔ وہ سالک کے شاگرد تھے ۔) ۴۔ عرشی ، میر احمد حسین قنوجی ۵۔ فدا ، محمد فدا علی خان بہادر رامپوری ۶۔ منصور ، حافظ مُصلح الدّین اکبر آبادی ۷۔ وفا ، عبدالغفار جہانگیری (ڈھاکہ) گویا آپ کے دوست راہی بھی شامل کر لیے جائیں تو پہلی فرصت میں سات کا اضافہ ہوا۔

معلوم ہوتا ہے کہ شیفتہ کا تذکرہ آپ کی نظر سے گذرا ہے۔ آپ اعجاز صدیقی مدیر شاعر کو میگزین کا غالب نمبر کیوں نہیں بھیجتے؟ وہ ریویو بھی کر دیں گے۔ بہت خوش ذوق اور مُستعد نوجوان ہیں - آج کل کچھ پریشان ہیں - خیر یہ تو علیحدہ بات ہے - لکھنا یہ چاہتا ہوں کہ جس شرح وبسط سے شیفتہ کا تذکرہ لکھا گیا ہے یہ ہر ایک کے لیے تو ممکن نہیں، بہر حال میری خواہش یہ ہے کہ کم از کم مطبوعہ مواد میں سے کچھ رہ نہ جائے۔

مندرجۂ ذیل حضرات سے متعلق میں نے بالکل کچھ نہیں لکھا:

۱۔ ہیرا سنگھ درد ۲۔ خواجہ قمر الدّین راقم (بن خواجہ امان) ۳۔ رشکی (بن شیفتہ) ۴۔ رضوان (برادر سالک) ۵۔ رعنا (مندرجۂ صدر) ۶۔ سرور (چوہدری عبدالغفور) ۷۔ شاؔ (عبدالرزّاق) ۸۔ شاہ عالم مارہروی ۹۔ شیر (سیّد محمد شیر) ۱۰۔ صوفی (حکیم محمد علی) ۱۱۔ طالب (سیّد شیر محمد) ۱۲۔ طرّار (سرفراز حسین) ۱۳۔ عاشق (محمد عاشق حُسین) ۱۴۔ عالم (شاہ عالم شہزادہ سورتی) ۱۵۔ فنا (حکیم میر احمد حسین) ۱۶۔ فوق (مرزا محمد جان اکبر آبادی) ۱۷۔ قدر (غلام حسنین بلگرامی) ۱۸۔ کاشف (بدرالدّین نصر دہلوی) ۱۹۔ محمود (حکیم محمد محمود الحق دہلوی) ۲۰۔ مذاح (شیخ محمد صادق سکندرہ) ۲۱۔ مونس (پنڈت شیوجی رام دہلوی) ۲۲۔ نامی (منشی دبی

دیال لکھنوی) ۲۳۔ وفا (میر ابراہیم علی خاں) ۲۴۔ ولی (مولوی اسحاق دہلوی) ۲۵۔ ہشیار (کیول رام)

(الف) کیا نمبر ۹ اور ۱۱ دونوں ایک ہی صاحب کے تخلص تو نہیں؟

(ب) ان میں سے بعض سے متعلق ایک آدھ سطر لکھی جا سکتی ہیں مثلاً درد، رشک، رضوان، راقم، مونس، وفا، قدر وغیرہ لیکن مجھے تفصیلی تذکرہ چاہیے۔

آپ وہ نام لیجیے جن سے متعلق مختصر معلومات مہیا ہیں اور بعض پہلوؤں سے تفصیل درکار ہے۔

۱۔ تنہا (محمد حسین مراد آبادی) ۲۔ جم (جمشید علی خاں) ۳۔ جنوں (قاضی عبدالجمیل بریلوی) ۴۔ جواہر (منشی جواہر سنگھ) ۵۔ جوہر (معشوق علی خاں) ۶۔ حسام (حسام الدین احمد اُلدنی) ۷۔ زلفی (لالا بہاری لال) ۸۔ رمز (مرزا فرخ ۔ مزید کلام درکار ہے) ۹۔ رنجور (مرزا علی بخش ۔ کلام نایاب ہے) ۱۰۔ شاداب (حسن علی خاں ۔ فارسی کلام ندارد) ۱۱۔ شفق (نواب انورالدولہ) ۱۲۔ شوخی (نادر شاہ خاں ۔ حالات اور کلام دونوں چاہییں) ۱۳۔ محو (نواب غلام حسن خاں ۔ مزید حالات اور کلام چاہییں۔

بقیہ لوگوں میں کم و بیش سب کے حالات لکھ چکا ہوں ۔ بعض تذکرے تو خاصے طویل اور مفصّل ہیں مثلاً شیفتہ ۔ آپ نے دیکھا بھی ہے۔ اس میں ابھی فارسی کلام کا انتخاب نہیں دیا تھا وہ بھی موجود ہے ۔ لوہارو خاندان کے جملہ اصحاب کا مفصّل حال لکھا ہے اور اس میں میری ذاتی تحقیقات کو دخل ہے ۔ اسی طرح ظفر، رفعت، عرشی، ناظم، تُفتہ وغیرہ اچھے مفصل ہیں ۔ ان میں تین صفحوں کے مضمون عام پائے جاتے ہیں۔

لیکن میں آپ سے متفق ہوں کہ کام جلدی ہونا چاہیے۔ اور بدقسمتی سے یہی آپ کے اصول کے خلاف معلوم ہوا ہے ۔ میرے خیال میں یہ ... وہ آج نہ کرو اور تصنیف و تالیف کی دنیا میں یہ اصول چلتا نہیں ۔ اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ خواہی زود باش

آپ نسّاخ کا سخنِ شعرا بھجوا دیں ۔ ایک نظر دیکھ لوں تو اطمینان ہو جائے گا۔ کیا بہار سخن کہیں سے مل سکتا ہے؟

جہاں تک ممکن ہو شاگردوں کی تصویریں بھی مہیا کی جائیں ۔ یاد آیا نواب احمد بخش خاں و رخشاں کی تصویریں وکٹوریہ میوزیم کے نمبر ۸۶۶ اور ۸۶۷ پر ہیں۔ اگر کلکتے میں کوئی صاحب آپ کے ملنے والوں میں سے ہوں اور یہ کام کر سکیں تو انھیں عکس کے لیے لکھیے ۔ کیا

آپ کے پاس ان کے کسی شاگرد کی تصویر ہے۔ شیفتہ سے متعلق میں لکھ ہی چکا ہوں اور ابھی تک آپ کے جواب کا منتظر ہوں۔

۲۔ ذکرِ غالب۔ ایک لطیفہ سنیے۔ برادرم حامد علی خاں (مہتمم مکتبۂ جامعہ) کا خط ملا ہے کہ ہمیں معلوم ہی نہیں تھا اور یہ کتاب مدراس یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کر دی گئی ہے۔ وہاں سے طلباء کی شکایتیں آ رہی ہیں کہ کتاب بازار میں دستیاب نہیں ہوتی اس لیے جلد نظرِثانی کر کے بھیجیں تاکہ اسے چھاپا جا سکے۔

مدراس میں اس کی بکری تو کیا ہوگی البتہ اعزاز کی بات ضرور ہے، سو اس پر بھی خدا کا شکر ہے۔ معلوم نہیں کونسے درجے کے نصاب میں اسے مقرر کیا گیا ہے۔ اب سنیے، نظرِثانی کی بات۔ میرے اپنے پاس یہاں ایک نسخہ تک نہیں تھا۔ شاعر کے ایڈیٹر جناب اعجاز صاحب کے پاس نسخہ تھا۔ میں نے انھیں لکھ دیا اور انھیں بتایا نہیں صرف اتنا لکھا کہ اگر وہ اپنا نسخہ بھی عاریتہً دے دیں تو ممنون ہوں گا۔ چناں چہ ان کا مرسلہ نسخہ موصول ہو گیا ہے۔ چند دن میں اس پر کام شروع کروں گا۔ اب انھیں یہ کتاب تو واپس ملنے کی نہیں۔ دوسرے ایڈیشن کے ایک کی جگہ دو نسخے ان کی نذر کر دوں گا۔ آپ فرماتے ہیں اخلاق و عادات کا باب ضرور اضافہ کروں۔ میں بھی چاہتا ہوں لیکن اس طرح کام بڑھ جائے گا۔ اور چھپنے میں دیر ناگزیر ہوگی۔ ایک اور بات پہلے ایڈیشن میں تصانیف کا باب علیحدہ رکھا گیا تھا کیا ایسے ہی رہنے دوں یا حالات میں اپنے اپنے مقام پر اس کا اضافہ کرتا جاؤں یعنی جس سنہ میں کوئی کتاب شائع ہوئی ہے وہاں اس کا ذکر کر دوں۔ خیال رہے کہ اس طرح حالات میں اسے مدغم کرنے سے بعض تفصیلات کو حذف کرنا پڑے گا۔

نیز اگر اخلاق و عادات کا باب لکھوں اور تصنیفات کا باب جوں کا توں رہنے دوں تو اخلاق والا باب دوسرا ہو یا تیسرا۔

۳۔ میں ابھی تک مضمون پر نظرِثانی کا کام شروع نہیں کر سکا۔ پچھلے دنوں مکروہات کے باعث طبیعت بہت پریشان رہی، یہ چیزیں چاہتی ہیں یکسوئی اور وہ یہاں مفقود ہے۔ اگر آپ مجھے دیکھیں تو حیران ہوں کہ یہ شخص علمی و ادبی شوق پورا کرنے کے لیے وقت کیسے نکالتا ہے۔ خیر اسے چھوڑیں اب یہ ذکرِ غالب کا کام درمیان میں آ پڑا ہے۔ ڈرتا ہوں کہ مضمون کا کام کہیں رہ نہ جائے۔ بہرحال تعمیلِ حکم کی پوری کوشش کروں گا۔ اگر پہلی بار اتنی جلدی نہ کرتے تو لکھا جاتا۔ کسی چیز کو دوسری دفعہ لکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ مارچ کے

آخر تک تو آپ کی اجازت ہے ہی اور امید ہے کہ آپ اس میں توسیع بھی کر سکیں گے۔ لیکن یہ تو فرمائیں کہ کتاب کب تک چھاپنے کا ارادہ ہے۔ پار سال آپ نے وہ جلدی دکھائی تھی کہ پناہ بخدا "مضمون دسمبر میں پہنچ جائے" یوں معلوم ہوتا تھا کہ رسالہ جنوری شائع ہو جائے گا اور نتیجہ جو نکلا وہ آپ سے مخفی نہیں۔ اب کے بھی کچھ ایسا قصہ معلوم ہوتا ہے۔

میں شروع میں چند سطروں میں واضح کر دوں گا کہ مضمون میرا اپنا لکھا ہوا ہے۔ یہاں بھی لطیفہ ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ آج کل مصر میں ہمارے سفیر جناب آصف علی اصغر فیضی ہیں (آپ جناب عطیہ بیگم فیضی صاحبہ کے بھتیجے ہوتے ہیں) میں نے اپنا مضمون ان کی خدمت میں بھیجا تھا۔ انھوں نے بہت تعریف کی اور پوچھا کہ یہ اصل میں کس نے لکھا ہے اور کیا آپ نے ترجمہ کیا ہے۔

۴۔ نوادر: یہ توجیہ کہ چونکہ یہ سب چیزیں قریب کے زمانے میں چھپی تھیں، اس لیے آپ نے انھیں نمبر میں شمار نہیں کیا، بہت کمزور ہے۔ اگر وہ سب متفرق طور پر شائع ہوئی بھی تھیں تو آپ انھیں ایک جگہ مہیا کر کے بھی خدمت کر رہے ہیں۔ فرمائیں تو کتنے آدمی نگار، آج کل، الہلال کے سب پرچے دیکھتے ہیں۔ اس کا خیال نہ فرمائیں اور انھیں اب کے شائع کر دیجیے۔ اکرام صاحب نے کہاں انھیں شائع کیا ہے؟ میری نظر سے نہیں گذرا۔

بھوپال والی غزل کا صرف مقطع یاد رہ گیا:

پیرانہ سال غالبِ میکش کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

افسوس کہ دوسرے ذخیرے کے ساتھ یہ بھی لاہور میں رہ گئی۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ سب سے پہلے اسے خواجہ حسن نظامی صاحب نے چھاپا تھا اور یہ بھوپال سے دستیاب ہوئی تھی۔ وہاں سے ہمایوں لاہور میں نقل ہوئی تھی۔ میں نے اسے ہمایوں میں دیکھا تھا۔ زمانہ اشاعت ۱۹۳۵ء۔ ۱۹۳۹ء ہے۔ ابرِ گہر بار کا پہلا ایڈیشن اور تفتہ کا دیوان، یہ سب لاہور میں رہ گئے۔

نوادر میں ایک اور چیز یاد آئی۔ عزیز لکھنوی مرحوم نے مفتی محمد عباس کی سوانح عمری تجلّیات کے نام سے ۱۹۲۲ء میں شائع کی تھی۔ وہ نظامی پریس بدایوں میں چھپی تھی۔ دوسری جلد میں غالب کے کتنے خط ہیں۔ ان میں سے بیشتر اور کہیں دستیاب نہیں ہوئے۔ اس کتاب کا کھوج نکالیے اور یہ خط لے لیجیے، بڑے پُر لطف ہیں۔

۵۔ حماسۃ البصریہ سے متعلق معلومات مہیا کر کے آئندہ خط میں لکھوں گا۔

۶۔ اقبال بک ڈپو کی مرسلہ کتابیں مل گئی ہیں اور میں ان کا شکریہ ادا کر چکا ہوں لیکن فرمائیں کہ علی گڑھ میں ہوتے ہوئے آپ نے یہ کالے کوسوں پٹنے میں محبوب حسین صاحب کو کیوں یہ خدمت تفویض کر دی ہے۔ لازماً انھیں یہ کتابیں دہلی، لکھنؤ اور علی گڑھ سے منگوانا پڑتی ہیں۔ کیا علی گڑھ میں کتابوں کی کوئی معقول دکان نہ تھی جو یہ کام کر سکتی۔ اب یہی سلیے کہ ڈاکٹر ابواللیث کا مقالہ۔ "لکھنؤ کا دبستانِ شاعری" انھیں دستیاب نہیں ہوا حالانکہ میرے خیال میں یہ کتاب آپ کی یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ جناب محبوب حسین صاحب سے دریافت کریں اور اگر اب تک انھوں نے یہ نہ بھیجی ہو تو آپ خود اس کا ایک نسخہ مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ فلسفۂ کلامِ غالب بھی آپ نے نہیں بھجوایا وہی بات کہ کل کا کام آج نہ کرو۔

۷۔ "ذوق اور غالب" والے مضمون سے متعلق اب کیا لکھوں۔ اناللہ

۸۔ مآثرِ غالب جب موصول ہوگی شکریہ ادا کروں گا۔

۹۔ آپ کرامت سے متعلق لکھتے ہیں کہ ان کی شاگردی غالب بلکہ شاعری تک مشکوک ہیں۔ رسا مرحوم کے علاوہ راز بلخی نے بھی تاریخِ شعرای بہار میں انھیں غالب کا شاگرد لکھا ہے۔ لیکن کرامت تو رہے ایک طرف مجھے تو شبہہ ہے کہ اسمٰعیل میرٹھی اور سید محمد سلطان عاقل اور بیدل اور عاشق دہلوی ان میں سے کوئی بھی غالب کا شاگرد نہیں تھا اور ان لوگوں نے اپنی دکان کی ساکھ بڑھانے کو اپنے آپ کو غالب کا شاگرد مشہور کردیا۔ لیکن چونکہ دوسروں نے بھی انھیں غالب کا شاگرد لکھا ہے اس لیے بہتر ہو کہ آپ کرامت کو بھی تذکرے میں شامل کر لیں اور حاشیے میں چاہیں تو اشارہ کر دیں۔

۱۰۔ ولی داد خاں والے خط سے متعلق عجیب الجھن میں ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ ۱۸۰۴ء تو قطعاً غلط ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ یہ ایک قانونی دستاویز ہے یعنی غالب کے مکتوب الیہا کو یہ اس لیے دی گئی تھی کہ "بوقت ضرورت کام آئے" اور اس کی تاریخ ہی غلط ہے۔ نہ معلوم ایسی تحریر کسی عدالت میں کیسے مفید مطلب ہو سکتی تھی۔ خیر یہ تو اس وقت اتنا اہم اعتراض نہیں۔ وہ لوگ مرکھپ گئے۔ آپ کہتے ہیں کہ کیا ۱۸۳۰ء تک غالب کی والدہ زندہ تھیں۔ میرے بھائی آپ نے غور نہیں کیا۔ نادراتِ غالب ص ۴۹ میں غالب نے حقیر کے نام جو خط ۱۸۵۳ء میں اپنی پھوپھی کی وفات پر لکھا ہے چھپا ہے (اور جو اس سے پہلے یادگار میں موجود ہے) وہاں اگر آج ان کے نو آدمی مرگئے تو کیا اس وقت والدہ زندہ تھیں جو ان کا

نام نہیں لیا۔ بہرحال یہ معمّا مجھ سے حل نہیں ہو سکا۔

ایک اور بات یہ تو آپ مانیں گے کہ جب غالب کے والد ۱۸۰۲ء میں فوت ہوئے ہیں تو ان کی والدہ زیادہ مُسن نہیں ہو سکتیں۔ یہ تین بچے ہی ان کے پیدا ہوئے تھے۔ گویا مرزا عبداللہ خاں کی وفات کے وقت عزّت النسا بیگم کی عمر ۲۵ برس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ اور یوں ۱۸۴۳ء میں ان کی عمر زیادہ سے زیادہ ۶۳ برس ہوگی۔ کیا یہ ناممکن ہے؟ لیکن اصل مشکل یہ ہے کہ میرزا نے کسی خط میں ان کی وفات کا ذکر تک نہیں کیا۔

۱۱۔ ایک کام کیجیے۔ ذرا تحقیق کیجیے کہ غالب کو دہلی کالج کی فارسی مُدرّسی کس سنہ میں پیش ہوئی تھی۔ ۱۸۳۰ء میں یا ۱۸۴۲ء میں۔ مجھے کچھ التباس ہو گیا ہے۔ طبقات الشعراء (منشی کریم الدّین) ۔ آبِ حیات (آزاد) اور مرحوم دہلی کالج (عبدالحق) سے غالباً کام چل جائے گا۔ اس میں تساہل نہ ہو۔

صاحب خط لکھتے لکھتے میری انگلیاں درد کرنے لگی ہیں اور شاید ابھی دو ایک باتیں جواب طلب رہ گئی ہیں۔ آج اسی پر اکتفا کیجیے۔ اپنی تصویر بھی آج کل میں بھجوا دوں گا۔ آپ تمام مضمون نگاروں کی تصویریں بھی ساتھ کیوں شائع نہیں کر دیتے۔ بہت دلچسپ رہے گا۔

والسّلام۔ والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۱۱)

ص۔ ب ۲۸۸

اسکندریہ

۱۱۔ مارچ ۱۹۵۰ء

برادر عزیز: بہت دن ہوئے میں نے ایک خط آپ کی خدمت میں لکھا ہے امید ہے ملاحظہ سے گذرا ہو گا۔ آج جلدی میں یہ چند سطریں حوالۂ قلم کر رہا ہوں۔ جواب سے مطلع فرمائیں۔

۱۔ حماسۃ البصریہ کا فوٹوگراف لیا جا سکتا ہے لیکن یہاں اسکندریہ میں اس پر بہت خرچ اٹھ جائے گا۔ میں نے پوچھ گچھ کی تو معلوم ہوا کہ ۹ قروش فی صفحہ کے نرخ پر یہ کام ہو سکتا

ہے۔ ہندوستانی سکے میں یہ ۴۴ کے لگ بھگ ہو گا۔ اپنے فیصلے سے اطلاع دیں تاکہ کام کراسکوں۔ چوں کہ میری یہاں سے روانگی کے احکام آج کل میں آنے والے ہیں اس لیے چاہتا ہوں کہ یہ کام جانے سے پہلے کرلوں۔

۲۔ ذکرِ غالب کی نظرِثانی کا کام بہت تسلّی بخش رفتار سے ہو رہا ہے۔ دو باب جو چھپے ہوئے ہیں انھیں دیکھ چکا ہوں کم و بیش ۲۰ صفحے کا اضافہ ہوا۔ اب اخلاق و عادات کا باب لکھنا باقی ہے۔ امید ہے اگلے ہفتے عشرے میں اسے بھی ختم کرلوں گا۔ اس کے بعد غالب نمبر والے مضمون کو دیکھوں گا، ان شاء اللہ۔

۳۔ میں نے قاضی عبدالودود صاحب مدّظلہ کے سب مضمون بغور دیکھے ہیں۔ مُلّا عبدالصّمد والے مضمون سے مجھے اختلاف ہے۔ بلکہ اگر آپ چاہیں تو میں اس سے متعلق ایک اختلافی مختصر نوٹ لکھ سکتا ہوں۔ جسے آپ شائع کر دے سکتے ہیں (کذا)۔ اپنی رائے سے مشرف فرمائیں۔

۴۔ ناثرِ غالب (امید ہے کہ وہ یہی نام رکھیں گے کیونکہ آثارِ غالب، شیخ محمد اکرام صاحب کی کتاب کا نام ہے) کے حواشی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ کیا اگر میں انھیں لکھ کر آپ کی خدمت میں بھیج دوں اور آپ قاضی صاحب موصوف کے پاس روانہ کر دیں تو وہ اس کا بُرا تو نہیں مانیں گے؟

۵۔ ذکرِ غالب پر نظرِثانی کرتے ہوئے میرے ذہن میں ایک نیا موضوع آیا، غالب کے دربارِ رامپور سے تعلقات، اسے بھی لکھ سکتا ہوں، بشرطیکہ آپ جلدی نہ کریں۔ یہ آپ کے خاص نمبر میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ اپنے گذشتہ گرامی نامے میں آپ نے لکھا تھا کہ آپ قاضی صاحب سے بعض کتابوں پر تبصرہ کرا رہے ہیں۔ واقعی میری خواہش ہے کہ میں ذکرِ غالب پر ان کی رائے معلوم کروں۔ اگرچہ اسے شائع ہوئے بارہ برس ہوگئے لیکن اب بھی بہت کم اس پر اضافہ ہو سکتا ہے۔ کیا واقعی آپ انھیں ایک نسخہ بھی نہیں بھیج سکتے؟ پٹنہ میں جناب ریاض حسن خاں خیال مدظلہ کے کتب خانے میں اس کا نسخہ موجود ہے۔ اگر قاضی صاحب چاہیں تو وہاں سے دیکھنے کو عاریتہً لے لیں ورنہ آپ ضرور انھیں ایک نسخہ مُہیا کریں اور پھر واپس منگوالیں۔ نئے ایڈیشن کا ایک نسخہ میں ہدیتہً بھیجوں گا۔ لیکن کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔ ہاں لکھیے کہ کیا ریاض صاحب ابھی تک بقیاتِ ہیں اور ان کا کیا حال ہے۔ کر۔

زمانے میں میری ان سے خط و کتابت تھی ۔ انھوں نے میری کتاب کا بہت حوصلہ افزا الفاظ میں خیر مقدم کیا تھا۔ اب ایک زمانے سے ان کا حال معلوم نہیں۔ زیادہ کیا لکھوں۔

والسّلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۱۲)

اسکندریہ

۲۔ اپریل ۱۹۵۰ء

بندہ پرور شکریہ ادا کرتا ہوں ۹/۱۳ مارچ کے تفصیلی خط کا اور ذوق و غالب والے مضمون کا۔ آپ کا خط ۳۰ مارچ کو ملا۔ سخنِ شعرا اس سے ایک دن پہلے ملا۔ میں ذکرِ غالب مکمّل کرکے ۲۸ کو بھیج چکا تھا۔ اس لیے آپ کے مشوروں سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکا۔ بہرحال مطمئن رہیے کہ کام آپ کو پسند آئے گا اور اس میں بہت حد تک آپ کے مشورے عملی طور پر پورے کر دیے ہیں۔ اب الگ الگ جواب سنیے۔

۱۔ تلامذۂ غالب ۔ اردوی معلّٰی کے بیشتر نام میری فہرست میں موجود ہیں، آپ نے اسے غور سے نہیں دیکھا ۔ صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔

نقشبند خاں مجبور حالی کے شاگرد تھے۔ شعلہ غالب کے نہیں بلکہ تُفتہ کے شاگرد تھے۔

مجھے فرد کا مزید اردو کلام درکار ہے لیکن تضمین فارسی بیکار ہے۔ کیا صفیر کے کچھ فارسی کلام کا پتا ہے؟ ان کی تمام کتابیں میرے لیے خرید لیں بشرطیکہ یہ ممکن ہو، بلکہ تمام تلامذہ کے دواوین اگر مل سکیں تو لے لیجیے گا۔ باقر کا پورا نام کیا ہے ؟ باقر علی، باقر حسین، محمد باقر یا کیا۔ میری فہرست میں یہ نام ہے لیکن غالباً باقر حسین ۔ اس صورت میں اسے مناسب طور پر تبدیل کر لیں۔

۲۔ سخن شعرا میں نے کل واپس کردیا۔ آپ کی مہربانی کا شکریہ۔ کچھ فائدہ نہ ہوا لیکن یہ کیا کم ہے کہ مجھے اطمینان ہو گیا۔ اگر بہارِ سخن کی دونوں جلدیں بھی اسی طرح مل جائیں تو بہت اچھا ہو۔

۳۔ جن شاگردوں کی تصویریں مل سکیں وہ جمع کر لیجیے ۔ میں نے نیرؔ رخشاں کی تصویر

سے متعلق لکھا تھا وہ آپ گول کر گئے۔

۴۔ ذکرِ غالب ۱۔ دیباچہ نیا لکھوانے کی فکر میں ہوں ۲۔ ص ۱۲ والے شعر سے واقعی ثابت نہیں ہوتا اور اسی لیے میں نے مناسب تبدیلی کر دی ہے، حُسنِ اتفاق ہے ۳۔ ص ۱۴ حاشیہ۔ میرا استدلال ہی غلط ہے۔ یہ حُسام الدّولہ۔ فخرالدّین کے آبا۔ میں کوئی صاحب ہیں کیونکہ یہ عبارت انھی کی زبانی لکھی گئی ہے۔ ۴۔ ص ۲۰ حاشیہ میں ۲۲۴ کی جگہ ۲۹۴ چاہیے۔ خط بنام آرام ۵۔ مہر کا مضمون حاصل کرنے کی کوشش کروں گا ۶۔ مولوی فضل حق جائے قاضی سہو قلم تھا۔ یہ درستی کر دی گئی ہے ۷۔ مُہر غالب کے نیچے ہندسے آگے پیچھے ہو گئے ہیں۔ ۸۔ غالب کی تقریظ دافعِ ہذیان کے آخر میں نہیں بلکہ سفرنگ کے آخر میں ہے۔ بہرحال اب کتاب بھیج چکا ہوں۔ جب آپ کی خدمت میں پہنچے گی دیکھیے گا کہ کیا کر چکا ہوں۔

۵۔ ارمغانِ غالب میری نظر سے نہیں گذرا۔ جب ~~۱۹۳۶ء~~۔ ۱۹۳۶ء کی سردیوں میں ہندوستان گیا ہوں تو غالب (مہر) کا تیسرا ایڈیشن سرسری طور پر دیکھا تھا۔ ساتھ نہ لا سکا۔ آثار غالب یہاں میرے پاس ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ بیشتر کتابیں یہاں میرے پاس نہیں محض انھیں حافظہ اور یادداشت کے بھروسے پر نظرثانی کا کام کر دیا ہے۔ یادگارِ غالب نہیں، آبِ حیات نہیں، اور بھی کتنی ضروری کتابیں نہیں۔

تجلّیات ضرور کہیں سے پیدا کریں، یہ نظامی پریس لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔

۶۔ حماسۃ البصریہ کے پانچ سات صفحوں کا عکس آج کل میں لے لوں گا اور منفی بھی حاصل کر لیے جائیں گے، مطمئن رہیے۔ البدیع کے منفی کی امید تو اب کم ہے البتہ ان نسخوں کے عکس کے مزید دو نسخے بھجوا رہا ہوں۔ چونکہ وہ اس سے کم دینا نہیں چاہتا تھا اس لیے یہ زیادہ نکلوائے گئے تھے۔ خدا کرے مفید ثابت ہوں۔

۷۔ ایک زمانہ ہوا میرا خیال ہوا تھا ایک مضمون لکھنے کا " غالب کا حلقۂ احباب" لیکن بعد میں یہ ارادہ بدل گیا۔ شاگردوں کو چھوڑ کے ان کے خاص احباب میں آزردہ، حکیم احسن اللہ خاں، حکیم محمود خاں بے خبر، سراج الدّین علی خاں مُوجد کے سوائے اور ہے کون۔ لیکن ان صاحبوں پر ایک مضمون لکھا جا سکتا ہے بلکہ آزردہ پر تو میں خود لکھ سکتا ہوں، میری یادداشتوں میں ان سے متعلق کافی مسالہ موجود ہے۔ لیکن یہ مضمون غالب نمبر میں شائع کرنے کا نہیں۔ اس اشاعت میں صرف وہ مضمون ہوں جن کا براہِ راست غالب سے تعلق ہے۔ یوں ہی ٹھونس ٹھانس نہ کیجیے ورنہ لُطف ضائع ہو جائے گا۔

بے شک خُم خانہ کی تیسری جلد یہاں میرے پاس نہیں لیکن آپ نے رشکی کا ترجمہ نقل کرنے کی زحمت کیوں گوارا کی۔ میرا مدّعا یہ تھا کہ ان کے خاندان سے کچھ ایسے حالات معلوم کیجیے جو شائع نہیں ہو سکے۔ ان کی تصویریں اور سنین کی تحقیق ہو۔ میں جب تاریخ پوچھتا ہوں تو محض سنہ نہیں مانگتا بلکہ تاریخ و شہر تک چاہتا ہوں۔ خُم خانہ کی پانچویں جلد میرے پاس یہاں موجود ہے۔

میں اپنی تصویر اور غالب نمبر پر رائے اور آثر کے حواشی سے متعلق کچھ غلط سلط آخری قسط میں لکھ کر بھیج چکا ہوں، امید ہے موصول ہوا ہو گا اور یہ سب کچھ آپ کے اس رجسٹری خط سے پہلے ہو چکا ہے۔ تصویر پر دستخط اور اسکندریہ کا پتا بھی لکھ دیا تھا۔ اطمینان رہے کہ میری سوانح حیات میں تحقیق کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ ایاز قدرِ خود بشناس۔ میں جانتا ہوں کہ ہماری تصانیف اور تحقیق کی عمر کتنی ہے وہ جن مر گئے جن کے حالات کی جستجو کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ بہرحال یہ شکایت نہیں بلکہ محض روایت ہے۔ ذوق و غالب والے مضمون؟ پھر سکہ ...

یہ تو ہوا آپ کے خط کا جواب۔ اب سنیے میرا حال۔

مجھے ۲۹ تاریخ کو تبدیلی کے احکام موصول ہو گئے ہیں۔ بغداد جا رہا ہوں۔ غالباً اس ہفتے عشرے میں چلا جاؤں۔ بیوی بچوں کو فی الحال یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ بچوں کی تعلیم کا ہرج ہو گا۔ یہاں تعلیم کا زمانہ اکتوبر تا جون ہوتا ہے۔ سالانہ امتحان جون میں ہوتا ہے اگر اب اہل و عیال کو ساتھ لے کر جاؤں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بچے نہ یہاں امتحان دے سکیں گے نہ بغداد میں۔ اس لیے یہ فیصلہ ہوا کہ بچے جون تک یہاں رہیں اور امتحان سے فارغ ہو کر چلے آئیں۔ بلکہ یہ بھی امکان ہے کہ وہ بغداد آنے سے پہلے ہندوستان کا چکر لگا آئیں۔ ارادہ تو میرا بھی تھا لیکن چھٹی نہیں ملی اور میں نے اصرار میں مصلحت نہیں دیکھی۔ نئی جگہ ہے، سال بھر کے بعد رخصت طلب کروں گا۔

اب سوال صرف آپ کے مضمون کا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ یہاں سے روانہ کر دوں۔ لیکن یقین نہیں کہ کامیاب ہو جاؤں۔ میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ آپ کب تک چھپائی کا کام شروع کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا جواب آپ نے نہیں دیا۔ کیا دوسرے حضرات کے مضامین آ گئے ہیں؟ ایک اور کام کیجیے۔ جس دن یہ خط ملے اسی دن پوسٹ کارڈ پر اس مثنوی کے چند شعر لکھیے جو غالب نے پتنگ سے متعلق لکھی تھی۔ اور اگر میرا حافظہ غلطی

نہیں کرتا تو مہر نے غالب میں چھاپ دی ہے۔ اس میں تساہل نہ ہو اور لکھیے پوسٹ کارڈ کیونکہ یہ جلد مل جائے گا۔

ملّا عبدالصّمد والے اختلافی مضمون کا بھی یہی حال ہے جب تک بغداد نہ پہنچ جاؤں سکون میسّر نہیں آ سکتا۔

ایک اور بات یاد آئی ۔ سراج الدّین احمد خاں کا نام یا مُرف صبح گلشن کے مطابق سراج الدّین علی خاں تھا۔ سخن شعرا، ص ۲۶۳ میں ایک صاحب شمیر تخلّص منشی غلام علی باشندہ اٹاوہ شاگرد قاضی سراج الدّین علی خاں کا ترجمہ نظر سے گذرا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ واقعی دونوں ناموں سے مشہور تھے۔

"لکھنؤ کا دبستان شاعری" از ڈاکٹر ابواللیث کہیں سے ہاتھ لگا یا نہیں۔

لیجیے صاحب آپ کے سب سوالوں کا جواب ہو گیا۔ آپ فی الحال جواب نہیں دیجیے گا اور پتنگ والی مثنوی تو اُسی دن بھیجی جائے جس دن یہ خط ملتا ہے۔

والسّلام ۔ والاکرام

خاکسار

مالک رام

(۱۳)

P.O.Box No. 287

Alexandria (Egypt)

۲۹ ۔ اپریل ۱۹۵۰ء

قبلہ میں ابھی تک یہیں ہوں اور خدا معلوم ابھی کب تک یہاں رہوں۔ اسباب بندھا پڑا ہے۔ یا تو وہ شورا شوری تھی کہ مالک رام سے کہہ دیا جائے کہ وہ نہایت تھوڑی میعاد کے اندر اندر روانہ ہونے کے لیے تیار رہے۔ یا پھر مہینے بھر سے یہ بے تکی کہ جیسے وہ پہلا حکم کسی اور نے بھجوا دیا ہو۔ خیر ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا۔ میں نے کل بندھا ہوا سامان پھر کھلوا لیا ہے۔ جواب طلب خطوط میں سے آپ کا ۱۲ ۔ مارچ کا گرامی نامہ نکلا۔

سخن شعرا دیکھ کر واپس بھیج چکا ہوں۔ حضرت قاضی صاحب کے مضمون سے متعلق اشارات اور غالب نمبر پر رائے بھی لکھ چکا ہوں ۔ امید ہے مل چکے ہوں گے۔ سخن شعرا

کے موصول ہونے کا ضرور لکھیں کہ تعلق خاطر رفع ہو۔ تلامذۂ غالب کے انتخاب والا اردوی معلیٰ کا پرچہ بھی ملا دلی شکریہ قبول فرمائیں۔ یہ شعلہ کو آپ نے غالب کا شاگرد کیسے سمجھ لیا اور حسرت بھی غالباً انھیں غالب ہی کا شاگرد خیال کرتے ہیں۔ لیکن خُم خانۂ جاوید میں صراحت سے لکھا ہے (بلکہ میں نے غالباً کسی اور جگہ بھی دیکھا تھا) کہ وہ تفتہ کے شاگرد ہیں۔ کیا یہ مُعما حل ہو سکتا ہے؟ اب قاضی صاحب کے ایرادات کا جواب سُنیے۔

۱۔ آگرہ سے نقل مکانی کا سال ۱۸۱۲ء یا ۱۸۱۳ء لکھ دیا ہے۔

۲۔ میں نے لطیفہ حالی کے حوالے سے نہیں لکھا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ لطیفہ جو حالی نے لکھا ہے یہیں پیش آیا۔ بہرحال یہ فقرہ کاٹ دیا ہے۔

۳۔ واقعی کسی کا دو گھڑی تک یوں بیٹھنا اور غالب کا نہ پوچھنا خلافِ قیاس ہے۔ اصلاح کر دی ہے۔

۴۔ تعلیم اور خان صاحب کی وفات پر میں خود بھی چونکا ہو گیا تھا۔ یہ مجھ سے صریح غلطی ہوئی۔ دُرستی کر دی گئی ہے۔

۵۔ کلّو کے نام کے لیے بگّا بیگم کی سند ہے

۶۔ تبرید کے اجزاء کے لیے میری سند دونوں غالب اور بگا بیگم ہیں۔ میرزا، میر ابراہیم علی خاں انا کو لکھتے ہیں۔

"صبح کو پان سات بادام کا شیرہ" (اردوی معلیٰ ص ۱۰۶)

منشی حبیب اللہ ذکا کو لکھتے ہیں: "صبح کو قند اور شیرۂ بادام مُقشّر" (اردوی معلیٰ ص ۹۲)
مطبع کریمی ایڈیشن

وہ اسے تبرید ہی کہتے تھے۔ اب آپ صاحبان فیصلہ کر لیں کہ بادام گرم ہے یا تر۔

۷۔ مئی کے ہنگامے میں شراب پینے کی سند میرزا خضر (عارف کے بھتیجے) اور میرن صاحب ہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ نے ایک مضمون میرن صاحب سے متعلق اردو (۱۹۳۶ء) میں لکھا تھا۔ اس میں بھی میرزا کی شراب نوشی کا واقعہ یونہی بیان کیا ہے۔

۸، ۹۔ سجانی سے متعلق میں قسم نہیں کھا سکتا۔ پنج آہنگ میں ان کا نام تھا۔ میں نے زیبِ داستاں کے لیے اسے لے لیا، اب ان واقعات کو ۱۸۵۳ء سے متعلق کر رہا ہوں۔

۱۰، ۱۱، ۱۲۔ غزلوں سے متعلق میں تحقیق نہیں کر سکتا تھا کہ کس زمانے کی ہیں۔ جو خیال میں آ گئی وہ لکھ لی لیکن اب نظرِثانی میں تغیّر و تبدّل کر رہا ہوں۔ اس سے متعلق بعد میں بھی ا

لکھوں گا۔ اِن شاء اللہ

امید ہے ان اِشارات سے آپ کی (یا قاضی صاحب قبلہ) کی تسلّی ہو گئی ہو گی۔

حُسام الدّولہ سے متعلق لکھ چکا ہوں کہ یہ نواب فخرالدّین خرد کے آبا میں سے کوئی بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ میرزا نصر اللہ خاں کی طرف اس خطاب کو منسوب کرنا میرا سہو تھا۔ نظرِ ثانی میں اسے درست کر دیا ہے۔

حماسۂ بصریہ کے پہلے اور آخری اور دو درمیانی صفحوں کے عکس ہفتے بھر سے لیے پڑے ہیں۔ سُستی کے باعث نہیں بھیج سکا۔ ایک دو دن میں بھجوا دوں گا۔ اطمینان رہے۔ تصویر تو مل چکی ہو گی۔

خیر مودودی صاحب کا مضمون دیکھا۔ ختم کر لوں گا تو پھر رائے قایم کی جا سکتی ہے۔

یہ تو ہوا آپ کے گرامی نامے اور دوسری نوازشوں کا جواب۔

میں نے آج اپنے مضمون پر نظرِ ثانی کا کام شروع کیا ہے۔ بغداد جانے کا کچھ ٹھیک نہیں۔ اس لیے ایسا نہ ہو کہ کہیں یہ کام بیچ ہی میں رہ جائے۔ امید ہے اگلے ہفتے کے اندر اندر اسے مکمل کر کے بھیج سکوں گا۔ میری عادت یہ ہے کہ کسی کام کو شروع نہ کروں تو یہ اور بات ہے لیکن جب اسے ہاتھ میں لے لیا تو جب تک اسے ختم نہ کر لوں مجھے چین نہیں آتا۔ ذکرِ غالب کی نظرِ ثانی کا بھی یہی ہوا۔ مشکل سے سارے کام میں پندرہ دن صرف ہوئے ہوں گے اور پھر یہ بھی نہیں کہ دن رات بس یہی شغل تھا بلکہ ڈیڑھ بجے تک دفتر رہتا ہوں۔ دوسرے مشاغل اور دلچسپیاں اور ذاتی مطالعہ بھی بدستور جاری رہا اور یہ کام بھی ہو گیا۔ اس لیے امید ہے کہ اس مضمون کا کام بھی زیادہ دیر نہیں لے گا۔ اچھا اب یہ بتائیں کہ کتنے صفحے بڑھا دوں۔ یاد رہے کہ اب ٹائپ میں یہ ۱۶ صفحے بھی کم از کم ۲۲ ہو جائیں گے۔ کیا دس صفحوں کا اور اضافہ کر دوں۔ اتنے میں آپ خوش ہو جائیں گے؟

اس کے بعد موقع ہوا تو مُلّا عبدالصّمد پر مضمون لکھوں گا۔ اِن شاء اللہ العظیم

میں نے اپنے پچھلے خطوں میں کتنی ایسی باتیں لکھی ہیں جو جواب طلب ہیں۔

تلامذۂ غالب کے سلسلے میں مرزا فرحت مرحوم نے اپنے مشاعرے والے مضمون میں ایک صاحب یکتا کا نام لکھا ہے۔ اس کی تحقیق کیجیے۔ علائی (نواب علاؤالدّین احمد خاں) کی آج تک صرف ایک غزل (اردو) میری نظر سے گذری ہے جو اس مضمون میں نقل ہوئی ہے۔ کیا آپ نے ان کا کچھ اور کلام کہیں اور بھی دیکھا ہے؟

فی الحال ہمیں جواب دیجیے گا۔ والسلام والاکرام

خاکسار

مالک رام

کیا انجمن ترقی اردو جامعہ کا پرچہ آپ نے میرے نام جاری کر دیا ہے؟ یہاں سے ایک ماہانہ رسالہ نکلتا ہے، الکتاب، نہایت بلند پایہ چیز ہے۔ گذشتہ تین چار برس کے پرچے جمع ہو گئے ہیں۔ انھیں آپ کی خدمت میں بھجوا رہا ہوں، دیکھیے اور استفادہ کیجیے۔ اگر کبھی وطن واپس آنا نصیب ہوا تو انھیں واپس لے لوں گا، ورنہ خوانِ یغما سمجھ لیجیے۔ والسلام

مالک رام

مکتوبات مولانا غلام رسول مہر بنام مختار الدّین احمد

(مع حواشی)

(۱)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب

ریلوے روڈ، لاہور

۲۳۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء

مکرمی، نوازش نامۂ گرامی کا شکریہ قبول فرمائیے۔ غالب کا تیسرا ایڈیشن زیر طبع ہے۔ ان شاء اللہ پندرہ بیس روز میں کتاب نکل آئے گی۔ افسوس کہ جتنا وقت اس ایڈیشن کے لیے دینا چاہتا تھا نہ دے سکا۔ سیاسی گرفتاریوں ہی سے مہلت نہیں ملتی تھی۔ اس اثناء میں ایک اور نہایت ضروری کام مل گیا۔ جس میں میری فرصت کی بضاعت کا ہر لمحہ دو برس سے صرف ہو رہا ہے۔ بہرحال تیسرے ایڈیشن میں کچھ ترمیمات ضرور ہوئی ہیں۔ ان کی تفصیل کتاب دیکھنے سے واضح ہو گی۔

مجھے معلوم نہیں "منادی" میں کس مقدمے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے (۱) ازالہ

حیثیت مرنی والے مقدّمے کا ایک حصہ اس عہد کے انگریزی اخبار "مُفصّلائٹ" میں شائع ہو گیا تھا اور مقدّمے کی روداد کی ایک کاپی دہلی میں کسی صاحب کے پاس تھی۔ وہ رامپور والوں نے خرید لی۔ (۲) اس کی ایک نقل چند ماہ پیشتر رسالۂ "اردو" میں چھپ گئی تھی لیکن بڑی ہی افسوس ناک اور تکلیف دہ صورت میں۔ مولانا عبدالحق نے مجھے حکم دیا تھا کہ اپنے ایک مُقدّمے سمیت مرتب کردوں۔ میں بیمار ہو گیا اور انھوں نے وہ روداد کسی ایسے صاحب سے مُرتّب کرالی جنھیں غالب کے متعلق صحیح حالات معلوم نہیں اور نہ وہ روداد کی صحیح ترتیب کا اندازہ فرما سکتے تھے (۳)

اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں نے اس کا خلاصہ اپنی کتاب کے تیسرے ایڈیشن میں درج کر دیا ہے (۴)۔ اگر آپ کو جلد اس کی ضرورت ہو تو موٹے موٹے واقعات لکھ کر بھیج دوں گا۔

"نامۂ غالب" صرف ایک مرتبہ تین سو کی تعداد میں چھپا تھا (ستمبر ۱۸۶۵ء میں) اس کا کوئی نسخہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ پھر یہ ہفتہ وار "اودھ اخبار" کی دو اشاعتوں میں شائع ہوا (۱۰ اکتوبر اور ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۵ء) ممکن ہے علی گڑھ میں یہ پُرانے پرچے ہوں۔ یا کسی دوست کے ذریعے سے مل سکیں۔ مجھے اب تک نہیں ملے۔ بعد ازاں "عُودِ ہندی" میں شامل کر دیا گیا اور اب "عُود" میں موجود ہے۔ مثلاً

پہلے ایڈیشن میں صفحہ ۱۴۱ تا ۱۵۰

۱۹۰۰ء کے نولکشوری ایڈیشن میں صفحہ ۱۳۵ تا ۱۴۷

لیکن بڑا غلط چھپا ہے۔ (۵) اگر آپ کو کوئی دِقّت محسوس ہو تو لطفاً مجھے یاد فرمالیجیے۔ میں نے مُدّت ہوئی بڑی کاوش سے اس کی تصحیح کی تھی۔ اگرچہ وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ غلطیاں بالکل نہیں ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ شاید بہت ہی کم رہ گئی ہوں۔ مدّت ہوئی اسے دیکھا تھا اب پوری کیفیت ذہن میں تازہ نہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا
مہر

جناب مختارالدّین احمد صاحب آرزو
مارلین روڈ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

(۲)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب ۔ لاہور

۹ ۔ جنوری ۱۹۴۵ء

برادرِ مکرم ۔ شرمسار ہوں ۔ اس ساری مدت میں کوئی عریضہ نہ لکھ سکا ۔ وجہ یہ کہ میں کتاب کی طبع و اشاعت کے سلسلے میں ساعی تھا(۶) ۔ افسوس کہ میری سعی حسبِ خواہش مشکور نہ ہو سکی ۔ کتاب چھوٹی ہے اور یہاں کوئی قابلِ اعتماد ادارہ اس کے لیے کوئی رقم دینے پر آمادہ نہ ہو سکا۔ کتاب چھپ جائے گی اور اِن شاء اللہ اچھی چھپ جائے گی ۔ اس کے بعد ممکن ہے کچھ مل بھی جائے لیکن کسی معقول رقم کی امید نہیں دلائی جا سکتی۔

اگر آپ حقِّ تالیف و ترتیب و تحشیہ سے درگزر فرمائیں تو مجھے اطلاع دیں تاکہ بات طے کرکے مسودہ منگالوں۔ اگر یہ صورت منظور نہ ہو تو مجھے اجازت دیں کہ مولانا عبدالحق صاحب ناظم انجمن ترقّی اردو سے بات کروں اور یہ کتاب ترقّی اردو کی طرف سے چھپ جائے۔

میرا ارادہ مدت سے تھا کہ انھیں لکھوں ۔ لیکن دو وجہ سے متوقّف رہا۔

۱۔ یہاں بعض آدمیوں کے ساتھ کچھ امیدیں وابستہ تھیں جو پوری نہ ہوئیں۔

۲۔ انجمن ترقّی اردو سے بات چیت کے لیے آپ کی طرف سے مجاز نہیں تھا۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے۔ آپ خود بھی مولوی صاحب کو لکھ سکتے ہیں۔ لیکن شاید میرا لکھنا زیادہ مؤثّر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ کتاب کی کیفیت واضح کرنے میں آپ کو حجاب ہو۔

مولانا کی "غبارِ خاطر" کے چند فرمے چھپ گئے ہیں (۷) باقی چھپ رہے ہیں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ مسوّدے کا ایک حصّہ مولانا ہی کے پاس تھا وہ پانچ چھ روز ہوئے مجھے ملا ہے اور اس کی کتابت یہاں ہو گی۔ اب صرف دیباچے کا مسوّدہ باقی ہے ۔ مولانا نے فرمایا تھا کہ وہ بھی جلد بھیج دیا جائے گا ۔ اگر اس میں تاخیر نہ ہوئی تو امید ہے کہ اِن شاء اللہ اس مہینے کتاب تیار ہو جائے گی۔ اِسے مکاتیب کا مجموعہ نہ سمجھیے۔ بلکہ صرف ان چند مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مولانا نے احمد نگر کی نظربندی کے زمانے میں چند مسائل کے متعلق رقم فرمائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاۃ

آپ کا

مہر

(۳)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب ۔ لاہور

۲۸ ۔ اکتوبر مارچ ۱۹۳۵ء

جانِ برادر ۔ گرامی نامہ مل گیا ۔ شیخ مبارک علی صاحب کشمیر گئے ہوئے ہیں ۔ غالباً آٹھ دس روز میں واپس آ جائیں گے ۔ میں اُن سے مشورہ کرکے اطلاع دوں گا۔ کتاب کا چھاپنا یہاں میرے لیے بہت آسان ہے لیکن تاجر بالعموم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کے نکل جانے کے کیا کیا امکانات ہیں۔ شیخ صاحب چونکہ اس دورے؟ کے آدمی ہیں لہذا وہ اس معاملے میں مجھے مفید مشورہ دے سکیں گے ۔ بہرحال چند روز کا مزید انتظار فرمایئے۔

ہاں بھائی ! وہ "نگار" کا پرچہ مجھے اب تک نہیں ملا ۔ آپ کا مضمون (۸) دیکھنے کا اشتیاق ہے۔آپ نے یقیناً لکھ دیا ہو گا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دفترِ "نگار" نے غفلت یا سہل انگاری سے کام لیا۔

مزاج کی ناسازی کے اثرات اب خدا کے فضل سے بالکل دور ہو گئے ہوں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

(۴)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب ۔ لاہور

۱۰ ۔ اپریل ۱۹۳۵ء

برادر مکرم! محبت نامہ ٔ گرامی کا بہ دل شکر گزار ہوں۔ اکرام صاحب کی کتاب کے تیسرے ایڈیشن کا علم تو ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ اس میں بہ ظاہر کسی نئی چیز کی امید نہ تھی اس لیے کتاب منگانے میں تساہل کیا ۔ مکتوب گرامی پڑھ کر فوراً کتاب منگائی اور سرسری طور پر اسے دیکھ گیا ۔ بڑا افسوس ہوا کہ ہمارے محترم دوست نے اپنی صلاحیتِ فکر و نظر کے لیے

بالکل غیر مناسب مصرف پسند فرمایا۔

تحقیق میں اختلاف غیر اغلب نہیں۔ لیکن اہلِ علم کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کی خاطر نہیں تو کم از کم اپنی ثقاہت کی خاطر اختلاف کو ایسے رنگ میں پیش کریں کہ معاملے کی جو صورت ان کے نزدیک مُحقق ہے وہ واضح ہو جائے۔ ممکن ہے کہ مجھ سے غلطیاں سرزد ہوئی ہوں لیکن ہمیشہ کوشش کرتا رہا ہوں کہ اس مسلک سے انحراف کا مجرم نہ بنوں۔

اس کے برعکس شکایتہً نہیں محض حکایتہً عرض کرتا ہوں کہ اکرام صاحب کو میری تحقیق سے متواتر ایک گونہ کاوش رہی ہے۔ میں نے خواجہ حالی مرحوم کے بعض بیانات سے اختلاف کیا اور اس کے وجوہ عرض کیے۔ اس اختلاف سے خواجہ مرحوم کی جلالتِ منصب یا یادگار کی بلند حیثیت (۹) کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اکرام صاحب نے خدا جانے مجھے کس بنا پر اتنا تنگ حوصلہ سمجھ لیا کہ میں نے خواجہ صاحب سے اختلاف کو "پھیلا کر" بیان کیا۔ حالانکہ اختلاف کے وجوہ و اسباب کی تفصیل کا مطلب کسی کے نزدیک بھی یہ نہیں ہو سکتا کہ اسے پھیلا کر بیان کیا گیا ہے۔

پھر یہ عذر کس درجہ نادر ہے کہ خواجہ صاحب سے یہ غلطیاں محض اس وجہ سے سرزد ہوئیں کہ انھوں نے سارے حالات خود غالب کی نگارشات سے اخذ کرنا چاہے۔ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ خواجہ صاحب نے یادگار لکھتے وقت غالب کی تمام نگارشات کو پیشِ نظر نہیں رکھا تھا اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ ۱۸۳۰ء میں کلکتہ جانے کی تائید میں تو غالب کی ایک تحریر کو مُسلّم مان لیا گیا لیکن یہ خیال نہ رکھا گیا کہ دوسری جگہ خود غالب نے لکھا ہے کہ وہ ۱۸۲۹ء میں کلکتے سے واپس آیا۔ (یہ غالباً خواجہ غلام غوث بے خبر کو لکھا تھا جب کہ "تم کہے تھے رات کو آئیں گے سو آئے نہیں" والا شعر انھیں سنایا تھا۔)

میں نے لکھا کہ نواب شمس الدین احمد خاں کے نرینہ اولاد نہ تھی۔ لیکن اکرام صاحب کو اصرار ہے کہ داغ نواب صاحب مرحوم کے فرزند تھے۔ حالانکہ اہلِ علم کو معلوم ہے کہ داغ کی والدہ داغ کی پیدائش کے بعد نواب کے حرم میں داخل ہوئی تھی۔ ان کی پھانسی کے بعد شہزادہ فخرو کے پاس رہی، اسی وجہ سے داغ کا تعلق قلعے سے ہوا۔ بلاشبہ بعد میں داغ، نواب شمس الدین خاں کے فرزند مشہور ہوئے لیکن شرعاً یا قانوناً داغ کو نواب صاحب کا فرزند ماننا ناممکن ہے۔(۱۰) تو اس کی گرفتاری کے بعد ہی ان کی جائداد سے حصّہ پانے کے دعوے دار پیدا ہو گئے تھے۔ جن کی درخواستوں اور قانونی چارہ جوئیوں کا سلسلہ پھانسی کے بعد بھی قائم

رہا۔ یہ سارے کاغذات لاہور کے ریکارڈ آفس میں موجود ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ترکہ و میراث کے سلسلے میں نواب کی بیگم کے علاوہ صرف لڑکیوں کا ذکر آتا ہے۔ لڑکے کا کوئی ذکر نہیں۔ اور داغ کا تو نام بھی اس سلسلے میں کسی نے نہیں لیا۔

پھر اکرام صاحب نے مولوی کرم حسین (سفیرِ دربارِ اودھ مقیم کلکتہ) اور دو اور آدمیوں کو معترضین میں شامل کیا جنھوں نے کلکتے میں غالب کے خلاف ہنگامہ پیدا کیا تھا۔ حالانکہ معلوم ہے کہ مولوی کرم حسین غالب کے عزیز ترین دوست تھے۔ چکنی ڈلی والا قطعہ کلکتے میں غالب نے انھی کی فرمایش پر لکھا تھا۔ میں نے ادب کے ساتھ اِکرام صاحب کے اس دعوے سے انکار کیا۔ اب انھوں نے غالب کی تحریر سے ایک فقرہ اقتباس فرمایا ہے جس میں "کمال ادھیڑنے" کا ذکر ہے۔ حالانکہ غالب کی اس تحریر کا مطلب وہ نہیں جو اکرام صاحب نے ازراہِ حسنِ فہم سمجھا ہے۔ نیز مولوی کرم حسین کی دوستی کا واقعہ بالکل مُسلّم ہے۔ اور اس بارے میں کسی دوسری قیاس آرائی کی گنجائش نہیں۔

میری ایک بدقسمتی یہ ہے کہ میری کتاب غالب کی خدمت کے سلسلے میں ایک پہلی اور بالکل ابتدائی کڑی تھی۔ خیال یہ تھا کہ سب سے پہلے مُفصّل سوانحِ حیات مُرتّب کیے جائیں۔ پھر غالب کی تمام تصانیف کو حسنِ ترتیب اور حواشی کے ساتھ چھاپا جائے۔ سب سے آخر میں نظم و نثر پر مبسوط تبصرہ لکھا جائے۔ افسوس ہے کہ ابتدائی کام کے بعد صرف اردو مکاتیب کی ترتیب کا تھوڑا سا کام ہو سکا۔ بقیہ چیزوں کے لیے وقت نہ مل سکا۔ میں نے تو کوشش کی تھی کہ غالب کی مختلف غزلوں اور قطعوں کی تاریخیں معلوم ہو جائیں۔ مختلف ادوار کے تذکروں کو سامنے رکھ کر اشعار مرتب کر دینا یقیناً کوئی بڑا کام نہیں ہے۔

خیر یہ باتیں تو بقول غالب:

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

کے ماتحت آتی ہیں۔ اس بات پر یقیناً تعجب ہے کہ اِکرام صاحب کو صرف مجھ سے کیوں کاوش ہے، حالانکہ نہ میں ان کا حریف ہوں نہ ان سے یا کسی دوسرے اہلِ علم سے الجھنے کا کبھی خیال آیا ہے۔ غالب نے آغا احمد علی کے متعلق جو کچھ لکھا تھا اسے اگر دہراؤں تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ یعنی

پیرِ من تو ہیں دبیرِ خویش تحقیق جا بجا (؟)

ہم من وہم خویش را و دبیر رسوا کردہ ست

میں تو بہر حال - بیکسانِ شہر اور ناکسانِ دہر" میں سے ہوں' نہ میری مخالفت ان کے پایۂ علم و فضل کی استواری کا ذریعہ ہے اور نہ اس سے میری ہتک ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہتک وجود کے تحقیق کو مستلزم ہے اور میں سرے سے دائرۂ علم میں اپنے وجود ہی کا معترف نہیں۔

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ میری وجہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کو بھی اکرام صاحب نے ہدفِ مطاعنِ واہیہ بنانے میں تامّل نہ فرمایا۔

ای ہم نفساں آتشم از من بہ کے ریزید
ہر کس کہ شود دشمنِ من دشمنِ خویش است

میں نے مولانا کے مکاتیب کی نسبت جو دعویٰ کیا تھا وہ ذاتی علم پر بنی تھا اور میرے پاس مولانا کے مکاتیب کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے کہ اگر اسے کتابی صورت میں مرتب کر دیا جائے تو یقیناً "عُود ہندی" جتنی بڑی کتاب بن جائے۔ علمی ذمّہ داری کا تقاضا یہ تھا کہ جو شے اکرام صاحب کے سامنے نہیں آئی اس کے متعلق کچھ نہ فرماتے اور الہلال، البلاغ یا تذکرہ یا پیام وغیرہ کی تحریرات، مولانا ابوالکلام کے مکاتیب نہیں ہیں کہ ان پر بحث فرمائی گئی۔

پھر جس انداز میں بحث فرمائی گئی وہ ابوالکلام کے فضائل و محاسن پر تو قطعاً اثرانداز نہیں ہو سکتا لیکن اکرام صاحب کی فضیلت کو اس سے کیا فائدہ پہنچا؟

بلاشبہ عام اصحابِ فکر و تحریر کی طرح مولانا ابوالکلام کی تحریرات کے بھی مختلف دور ہیں

۱۔ پہلے دور میں الفاظ زیادہ تھے اور معانی کم۔

۲۔ دوسرے دور میں الفاظ و معنیٰ میں ایک گونہ توازن تھا۔

۳۔ تیسرے دور میں معانی الفاظ پر چھا گئے ہیں۔

غالب کے منظومات میں بھی یہ دور نمایاں ہیں۔ لیکن کوئی صاحب نظر اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ابوالکلام کا بالکل ابتدائی دور بھی اکثر اربابِ علم کے عہدِ پختگی سے بدرجہا بہتر تھا۔

تذکرے میں ایسے حصّے بھی ہیں جہاں الفاظ کی فراوانی شاید بعض اصحاب پر گراں گزرتی ہو لیکن وہ حصّے بھی اعلیٰ ادبی ہُنرمندیوں سے خالی نہیں ہیں۔ علاوہ بریں بیشتر ایسے سادہ اور گُداختہ حصے بھی ہیں جنھیں بے تکلّف غالب کے سہلِ ممتنع کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہی حالت "ترجمان القرآن" کے حواشی کی ہے۔ بالخصوص دوسری جلد کی۔

لیکن غالب کی طرح ابوالکلام بھی کہہ سکتا

در آں دیار کہ گوہر خریدن آئین نیست
دکاں کشودہ ام و قیمتِ گہر گویم

غریب ابوالکلام پر یہ ساری مصیبت اس لیے آئی کہ مجھے ان کی خدمت میں نیاز کا شرف حاصل تھا اور دیرینہ تعلق کی بنا پر انھوں نے کتاب کے بعض حصّوں پر فائدے کے لیے حواشی تحریر فرمائے۔

خیر! ان شکووں سے آپ کو کیوں زحمت دوں۔ ایک خاص تاثّر کے تحت یہ سطریں لکھ گیا۔ آپ میری اس جسارت کو معاف فرمائیں گے۔

اب بقیہ ارشادات کا جواب سن لیجیے۔

۱۔ "نگار" میرے پاس نہیں آتا اگر یہاں کسی ایجنسی سے مل جاتا تو میں آپ کو زحمتِ ارسال نہ دیتا۔ اگر آپ مضمون بھجوا دیں گے تو آپ کا شکر گزار رہوں گا۔ (۱۱)

۲۔ سیّد احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل کے متعلق جو مضمون "ہند" میں چھپا تھا وہ بڑا پُرانا تھا پھر مجھے کئی قیمتی قلمی مآخذ مل گئے۔ اور بیسیوں نادر انگریزی و فارسی تحریرات کی مدد سے سیّد صاحب کے مجاہدات کا مفصّل نقشہ مرتب کیا ہے، جس کی تفصیل کسی دوسری صحبت میں پیش کروں گا۔

۳۔ مولانا ابوالحسن علی، میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ مولانا مسعود عالم کی کتاب کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ زیادہ تر اربابِ صادق پور کے حالات تک محدود ہے۔ یہ بزرگ اگرچہ مجاہدین کی تحریک کے نمایاں کارفرما رہے لیکن ساری سرگزشتِ مجاہدین صرف انھی کے تذکروں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بہرحال سنا ہے کہ مولانا کی کتاب جلد چھپ جائے گی۔ ہند میں جماعتِ مجاہدین کا دوسرا حصہ شروع کرنے سے پیشتر ان کی کتاب کا انتظار کروں گا۔

۴۔ سیّد الطاف علی صاحب بریلوی کے حالات سے ناواقف ہوں۔ اور نہ یہ معلوم ہے کہ ان کا موضوعِ تحقیق کیا ہے۔ (۱۲)

۵۔ پٹنہ یا صادق پور میں اگر کوئی خاص چیز ملاحظۂ گرامی سے گزرے تو مجھے ضرور مطلع فرمائیے۔ (۱۳)

اس اطناب کے لیے معافی چاہتا ہوں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

کتاب انشاء اللہ دوچار روز کے اندر اندر ارسال ہو گی۔ اگر دستخطوں کی پابندی نہ ہوتی تو مبارک علی کو رقعہ بھیج دیتا اب میرا وہاں جانا اور دستخط کرنا ضرور ہے (۱۴)۔ تاخیر کے لیے عذر قبول فرمائیے۔

آپ کا
مہر

(۵)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب، لاہور
یکم اگست ۱۹۳۵ء

برادر عزیز و مکرم، گرامی نامہ ملا۔ میں اس انتظار میں رہا کہ کتاب بھجوا کر آپ کو خط لکھوں۔ لیکن شیخ مبارک علی کی طرف جانے کی مہلت نہ مل سکی۔ اب ان شاء اللہ ادھر جا رہا ہوں۔ کتاب زیادہ سے زیادہ کل روانہ ہو جائے گی اور آپ کو اس عریضے کے پہنچنے سے دو تین روز بعد مل جائے گی۔

یہ محض اطلاع ہے۔ مزید ان شاء اللہ پھر۔ ہاں بھائی۔ وہ آپ کا مضمون دربارہ قتیل دیکھنے کی آرزو اب متبدل بہ حسرت ہو رہی ہے (۱۰) غالباً آپ کو "نگار" کا وہ پرچہ بھجوانا یاد نہیں رہا۔ اگر زحمت نہ ہو تو بھجوا دیں یا مجھے لطفاً یہ بتا دیں کہ میں کہاں سے وہ رسالہ حاصل کر سکتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کا
مہر

(۶)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب، لاہور
[۲۔ اگست ۱۹۳۵ء]

بھائی۔ میں کل شام کو شیخ مبارک علی صاحب کی طرف گیا۔ کتاب منگائی تو معلوم

ہوا کہ جتنی کتابیں مُجلّد ہوئی تھیں، وہ بِک گئیں اور اب ایک بھی مُجلّد باقی نہیں اور صحّاف کے کام کا انداز آج کل یہ ہے کہ دس دن میں بھی جلد باندھ کر نہیں دیتے۔ ناچار غیر مجلّد نسخے پر اپنا نام لکھا غالباً آج روانہ ہو گیا ہو گا۔ اغلب ہے کہ اس خط کے ساتھ مل جائے۔

یہ نسخہ شایانِ ارمغاں تو نہ تھا لیکن امید ہے کہ آپ اِس فقیر کی طرف سے "برگِ سبز" سمجھ کر پذیرائی سے مُشرّف فرمائیں گے۔ اگر زندگی باقی ہے تو اِن شاء اللہ "غالب" کا ایک بہتر نسخہ خدمتِ والا میں پیش کروں گا کہ اس نیاز مند کی طرف سے اگر کوئی چیز آپ محفوظ رکھنا چاہیں تو معنوی اعتبار سے نہ سہی ظاہری اعتبار سے تو اسے ایک حد تک معقول ہونا چاہیے۔ (۱۶)

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا
مہر

(۷)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب، لاہور
۲۰۔ اگست ۱۹۴۵ء

برادر مکرم! جواب خط کے سلسلے میں آپ کے لیے موجب زحمت ہونے کا تو تصوّر بھی دماغ میں نہیں آ سکتا۔ لیکن یہ تشویش ضرور رہی کہ کتاب آپ کو ملی یا نہیں ملی۔ اگر آپ کی طرف سے اطلاع آجاتی تو اطمینان ہو جاتا۔ نیز "نگار" کے جس مضمون کا آپ نے حوالہ دیا تھا مجھے اس پرچے کی تاریخ معلوم ہو جاتی نیز مقامِ اشاعت، تو میں منگا لیتا۔ صرف اس خیال سے کہ قتیل کے متعلق آپ کی تحقیقات سے فائدہ اٹھاؤں (۱۷) ورنہ مجھے عام رسالے پڑھنے کے لیے وقت کہاں ملتا ہے۔

سیّد الطاف علی صاحب بریلوی نے ایک نوازش نامے میں پٹھانوں کے متعلق کچھ پوچھا تھا۔ ضمناً یہ ذکر بھی آ گیا تھا کہ حافظ رحمت خاں نواب نجیب الدولہ وغیرہ نے شاہ ولی اللہ کے ایما کے مطابق احمد شاہ کو کابل سے بلایا تھا۔ میں مدّت سے اس قسم کی باتیں سنتا رہا ہوں۔ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم اس رنگ کے افکار پیدا کرنے میں بڑے مشتاق تھے لیکن

میں نے سید الطاف علی صاحب کو لکھا کہ میرے نزدیک یہ ساری بات بالکل بے بنیاد ہے۔ حافظ رحمت خاں اور نجیب الدّولہ کے وقائع زندگی اس کے قطعاً مؤیّد نہیں ہیں۔ یہ امر غالباً اُن کو ناگوار گزرا اور میرے عریضے کا جواب بھی نہ دیا حالانکہ اگر ایک شخص کا علم تھوڑا ہے یا اس کی عقل و فکر فرومایہ ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اسے تمام اصولِ مکاتبت کے دائرے سے بھی باہر نکال دیا جائے (۱۸)۔ خیر ان کی مرضی۔ والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

(۸)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۵۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء

برادرِ محترم! مہربانی فرما کر مجھے اطلاع دیجیے کہ "نامہ و غالب" کس سائز پر آپ چھپوانا چاہتے ہیں اور اس سائز کے کتنے صفحوں میں کتاب مکمّل ہو گی۔ یہ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی طباعت و کتابت کا صحیح اندازہ کر لیا جائے تاکہ قیمت کا تعین ہو سکے۔ اسی پر مؤلف و مُرتّب کنندہ کے حقوق کا فیصلہ ہو گا۔ مجھے یاد ہے کہ آپ نے پہلے ایک خط میں کچھ تفصیل لکھی تھی لیکن وہ خط اس وقت نظروں سے اوجھل ہے۔ اگرچہ میرے خطوں میں محفوظ ہو گا۔

میں نے قتیل والا مضمون پڑھا (۱۹)۔ اس کے متعلق مفصل خط ذرا فرصت پا کر لکھوں گا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

(۹)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۲۷۔ اگست ۱۹۳۵ء

برادرِ مکرم! آپ کے دونوں گرامی نامے ایک ہی دن ملے۔ "غالب" کا موجودہ ایڈیشن

بڑی اضطراب و پریشانی کی حالت میں چھپا۔ کاغذ حسب منشا میسّر نہ تھا۔ حالات طبعی رفتار اختیار کر لیں تو خدا کے فضل ۔۔۔ بہت بہتر طباعت ہو سکتی ہے۔

" نامہ ء غالب " کی تکمیل ترتیب و تحشیہ پر مبارک باد قبول فرمائیے۔ معلوم نہیں مجھے رائے دینے کا حق ہے یا نہیں لیکن " غالب نامہ " نام مجھے اچھا معلوم نہیں ہو۔۔۔ میں اس کتاب سے اشتباہ کی صورت نکل آئے گی جو پہلے چھپ چکی ہے۔ مجھے تو صوتی اعتبار سے بھی "نامہ ء غالب " " غالب نامہ " سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ پھر مُصنّف نے "نامہ ء غالب " ہی نام رکھا تھا اُسے بدلا کیوں جائے؟

میں نے اپنی کتاب کسی پبلشر سے نہیں چھپوائی ۔ خود چھاپی۔ شیخ مبارک علی کے ساتھ کالج کے زمانے سے بھائیوں جیسے تعلقات چلے آتے ہیں۔ میں نے پہلا ایڈیشن چھاپ لیا تو انھوں نے ساری کتابیں اپنے یہاں منگالیں تاکہ میں بلٹی رجسٹری وغیرہ کی مصیبتوں سے بچ جاؤں۔ اب جب ایڈیشن ختم ہوتا ہے وہی چھاپ لیتے ہیں۔ لیکن پبلشر کی حیثیت سے نہیں بلکہ بھائی اور عزیز کی حیثیت میں۔ ان کے ساتھ کمیشن وغیرہ کا سوال کبھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ لیکن آپ کا عندیہ اگر معلوم ہو جائے تو میں ان سے یا بعض دوسرے اصحاب سے گفتگو کر سکتا ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ پوری کتاب ہی چھپوا دوں۔ پھر آپ قیمت مقرر کر کے کمیشن پر کسی کو دے دیں۔ یک مشت روپیہ پا کر پورا ایڈیشن دینے کی حالت میں کمیشن زیادہ دینا پڑے گا۔ اگر تھوڑی تھوڑی تعداد میں دیں گے تو کتاب کو نکالنے میں دیر لگ جائے گی۔

بہرحال آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ میں ہر خدمت انجام دینے کے لیے ہمہ تن مستعد ہوں اور بہ صد خوشی و شادمانی۔ لیکن یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ آپ کے ذہن میں کیا اسکیم ہے

اطلاعاً عرض ہے کہ " نگار" مجھے اب تک نہیں ملا۔ میں نے جلدی میں یہ سطریں گھسیٹی ہیں۔ ایک ضروری کام درپیش ہے اور جواب میں مزید تاخیر تکلیف دہ ہے۔

والسّلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

(۱۰)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب، لاہور

۸۔ دسمبر ۱۹۴۸ء

برادرِ محترم: مجھے آپ کے صرف دو خط ملے۔ دونوں کا جواب دے چکا ہوں اگر وہ جواب ملاحظہ گرامی میں نہیں پہنچے تو یہ ڈاک کے سلسلے کی خرابی کا نتیجہ ہے۔

تیسرا وہ کارڈ ہے جو آپ نے ۲ دسمبر کو لکھا تھا جس کی رسید اب بھیج رہا ہوں جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں سب سے پہلے عریضے میں کچھ مشورے میں نے عرض کیے تھے۔

میں ہر اس خدمت کے لیے تیار ہوں جو میری ناچیز اہلیت کی دسترس میں ہے۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

جناب مختار الدین صاحب آرزو

۵۷، سرسیّد مغربی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۱۱)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب، لاہور

۱۰۔ دسمبر ۱۹۴۸ء

برادرم: گرامی نامہ کل شام کو ملا میں دفتر سے باہر گیا ہوا تھا۔ اب جواب لکھتا ہوں تاکہ تاخیر کے باعث آپ کو تشویش نہ ہو۔

اب مجھے اپنے پہلے عریضے کے مطالب یاد نہیں رہے اور نہ آپ کا پہلا عنایت نامہ سامنے ہے۔ بہرحال تعمیلِ ارشاد کا سرو سامان شروع کر دیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ جلد مضمون آپ کو بھیج دیا جائے (۲۰) بھیجنا تو پڑے گا، اختیار و امکان میں ہے۔ اس کے پہنچنے کا معاملہ ڈاک کے اربابِ انتظام کی نوازش پر موقوف ہے۔

نمبر وار جواب سن لیجیے۔

۱۔ پروفیسر حمید احمد خاں آج کل اسلامیہ کالج لاہور میں پروفیسر ہیں۔

۲۔ اکرام صاحب کراچی میں ہیں اور غالباً تعلقات عامہ (پبلک ریلیشنز) کے انچارج ہیں۔ مجھے انکے عہدے کا نام ٹھیک یاد نہیں۔ لیکن اکرام صاحب آئی۔ سی۔ ایس کے پتے پر آپ ان کو خط بھیجیں گے تو مل جائے گا۔ تاہم احتیاط کرنا چاہیں تو سیّد وقار عظیم صاحب ایڈیٹر "ماہِ نو" (پوسٹ بکس نمبر ۱۰، کراچی) کی معرفت بھیج دیجیے۔

۳۔ میں نے بطور خود مولانا عبدالمجید خاں صاحب سالک اور پروفیسر ڈاکٹر سیّد عبداللہ (اورینٹل کالج لاہور) کو بھی مضامین لکھنے پر آمادہ کر لیا ہے۔ مزید سعی جاری رہے گی۔ (۲۱)

۴۔ پنجاب ریکارڈز میں کوئی خاص چیز قابلِ نقل نہیں ہے لیکن اگر آپ کا خیال ہو تو میں دو چار روز میں ایک مرتبہ وہاں جا کر دیکھوں گا۔ اگر کچھ مل سکے تو اس کا عکس یا فوٹو لے کر بھیج دوں گا۔

۵۔ تصویر میرے پیشِ نظر کوئی نہیں جسے درجۂ استناد حاصل ہو۔ میرے نزدیک وہی آخری مستند تصویر ہے جو اکرام صاحب نے "غالب نامہ" میں چھاپی ہے (۲۲)۔ اس بارے میں آپ مولانا آزاد سے ملیں تو زیادہ معلومات حاصل ہو سکیں گی (۲۳)۔

۶۔ حسن عسکری صاحب کا پتہ نہیں مل سکا۔ اگر آپ احمد ندیم صاحب قاسمی ایڈیٹر "نقوش" کی معرفت خط بھیج دیں گے تو میرے خیال میں مل جائے گا۔

۷۔ "نقوش" اور "سویرا" پر سے ابھی تک پابندی ختم نہیں ہوئی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب کوئی استفسار جواب کا تشنہ نہیں رہا۔ اور جو حکم ہو ان شاء اللہ اس کی تعمیل ہو گی۔ خدا کرے میرے بعد کے خط جو غالباً دو ہیں آپ کو مل گئے ہوں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

(۱۲)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب۔ لاہور

۲۔ جنوری ۱۹۴۹ء

برادرِ مکرم: گرامی نامہ مل گیا تھا۔ مجھ سے جواب میں تاخیر ہو گئی۔ نمبر ۲ سوں ملا

میں اسے ابھی دیکھ نہیں سکا۔ ایک ضروری اور وقتی کام میں مصروف تھا۔ اس سے فراغت پاتے ہی دو روز میں مضمون بھیج دوں گا۔ میرا خیال ہے کہ اس مہینے کے اندر ہی (بلکہ اغلب ہے کہ ۲۰ تک) آپ کو مل جائے۔ تاخیر کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ لیکن کاش آپ کو دکھا سکتا کہ لیل و نہار کس حالت میں گزر رہے ہیں اور تقسیم پنجاب نے میرا کیا حال بنا رکھا ہے۔ اس لیے کہ ساری جائداد مشرقی پنجاب میں رہ گئی لیکن آپ اطمینان رکھیں کہ ان شاء اللہ مضمون جلد آپ کو ملے گا۔ اور اگر میرا اندازہ درست ثابت ہوا تو خاصا لمبا ہو گا۔

نمبر کے متعلق کچھ دیکھ لوں تو عرض کروں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

ہاں میں نے قتیل کے وطن کے سلسلے میں "فرید آباد" وہم نام دہلی کے ایک محلّے کا پتا دیا تھا جو سیّد فرید بخاری مخاطب بہ مرتضیٰ خاں نے جہانگیر کے عہد میں تعمیر کرایا تھا۔ کیا آپ کو اس سلسلے میں مزید تحقیق اور غور کرنے کا موقع ملا۔ والسّلام

مہر

(۱۳)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب، لاہور

۱۵۔ جنوری ۱۹۴۹ء

بھائی! اگر اطمینان سے مضمون کی تکمیل مطلوب ہے تو لطفاً مجھے تھوڑا سا وقت دیجیے۔ میں کچھ کھانے پینے کے سلسلے میں ایک کام لے بیٹھا ہوں۔ اس سے اس مہینے میں فارغ ہونا ضروری ہے۔ اس کے بعد چار چھے روز لگا سکوں گا۔ دوسرے مضامین بھی ان شاء اللہ لکھوں گا۔ لیکن حمید احمد خاں صاحب کو آپ خود لکھیں تو بہت مناسب ہو گا۔ مولانا کے پاس چلے جائیے وہ ضرور کچھ نہ کچھ لکھ دیں گے۔ چار سطریں بھی بہت غنیمت ہوں گی (۲۳)

میں مصروف ہوں۔ اس لیے ان سطور پر خط کو ختم کرتا ہوں۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاۃ

آپ کا

مہر

(۱۴)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۳۔ فروری ۱۹۳۹ء

برادر محترم، گرامی نامہ کا شکریہ

مجھے چند روز کی مزید مہلت عنایت فرمائیے۔ آپ کے ارشادات کی تعمیل سے غافل نہیں ہوں۔ مجبور ہوں۔

جب اتنی تاخیر گوارا فرمائی تو تھوڑی سی اور سہی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

جناب مختار الدین صاحب آرزو

اڈیٹر علی گڑھ میگزین

۵۷۔ سرسید کورٹ علی گڑھ

(۱۵)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۱۴۔ مارچ ۱۹۳۹ء

برادر محترم، اب اس روسیاہ کے پاس عذر کی خفیف سی بنیاد بھی نہیں ہے۔ صرف یہ کہ جس ماحول میں دن گزر رہے ہیں اس کی تصویر آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا۔

بہر حال ایک مضمون ان شاء اللہ صبح شروع کروں گا اور دو دن کے اندر اندر ارسال کروں گا۔ دوسرا مضمون اس کے ایک ہفتے کے بعد مکمل کر کے بھیج دوں گا۔ اس کے بعد دوستوں کے پاس جاؤں گا۔

امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس دعوے کو سچا ثابت کرے گا۔

مکرر: میں نے "ماہِ نو" میں ایک مختصر سا مضمون "غالب اور میر تقی" پر لکھا تھا۔ کیا آپ کے ملاحظے سے وہ گزرا؟ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاۃ

عفو کا طالب

مہر

(۱۶)

باسمہ سبحانہ

روزنامہ انقلاب ۔ لاہور

۱۶۔ مارچ ۱۹۴۹ء

برادر محترم! وعدے کا ایک حصہ پورا کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ دو روز میں دوسرا۔ سالک صاحب سے دوبارہ عرض کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ سے بھی ضرور مضمون لوں گا۔ ان شاء اللہ۔

ایک معذرت۔ میں نے اپنی سہولت کے پیش نظر پنسل سے لکھا میرے نزدیک بالقراء ہے۔ اب میں اسے نقل کروں تو دو روز اور لگیں گے۔ جس حالت میں ہے بھیجتا ہوں۔ میرے پاس اس کی کوئی نقل نہیں۔ (۲۴)

عنوان آپ ہی تجویز فرمائیں (۲۵) اس لیے کہ مجھے معلوم نہیں غالب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر آپ کیا کچھ لکھوا رہے ہیں۔

اگر یہ مضمون قابلِ اشاعت نہ ہو یا کسی وجہ سے آپ اسے روک لیں تو قطعاً میرے پاس واپس بھیج دیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاۃ

عفو کا طالب

مہر

جناب مختار الدین صاحب آرزو
ایڈیٹر علی گڑھ میگزین
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
(ہوائی ڈاک۔ رجسٹرڈ رسید طلب)

(۱۷)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب
دیرا ہوٹل بلڈنگ
میکلو روڈ۔ لاہور

فون نمبر ۲۰۳۴
ٹیلی گرام انقلاب

۳۰۔ مارچ ۱۹۳۹ء

برادرم۔ گرامی نامہ مل گیا۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی طرف سے اطمینان بخش اطلاع آئی۔ میرا دوسرا مضمون بھی مل گیا ہو گا۔ اسے میں ذرا مفصل تر لکھنا چاہتا تھا لیکن وقت نہ مل سکا اور ڈر تھا کہ آپ کو پھر شکایت پیدا ہو گی۔ میں نے ایک مضمون غالب اور میر تقی پر "ماہِ نو" کے پرچے کے لیے لکھا تھا وہ ملاحظے سے گزرا ہو گا۔

فرصت کم ہے۔ میں عجلت میں ہوں۔ یہ محض گرامی نامے کی رسید ہے۔

آپ کا
مہر

"تبرکات" کے لیے میں فکر میں ہوں۔ "سوالاتِ عبدالکریم" کی ایک نقل میرے پاس ہے۔ میں کسی وقت فرصت نکال کر اس کی نقل کرالوں گا اور بھیج دوں گا۔ جس حد تک مجھے یاد ہے "سوالاتِ عبدالکریم" کا عام انداز وہی ہے جو "لطائف" اور "تیغ تیز" کا ہے۔ وہ مختصر سی کتاب ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس کا کوئی نسخہ یہاں کسی لائبریری میں نہیں ہے۔

مہر

(۱۸)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب۔ لاہور

۱۶۔ اپریل ۱۹۳۹ء

جانِ برادر۔ دوسرا مضمون بھیجے ہوئے کم و بیش بارہ چودہ دن ہوگئے۔ لیکن اس کی رسید نہیں آئی (۲۶) کیا مضمون آپ کو ملا نہیں۔ کیا جواب تحریر فرمانے کی فرصت نہیں مل سکی؟۔ کیا آپ علی گڑھ کے باہر ہیں؟ اس عریضے کا مقصود محض یہ ہے کہ آپ کی مشغولیت

کا علم ہو جائے۔ مضمون اگر نہیں ملا ہو تو ضائع ہو گیا اگرچہ رجسٹرڈ بھیجا گیا تھا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاۃ

آپ کا

مہر

(۱۹)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۱۳۔ مئی ۱۹۳۹ء

برادرِ محترم۔ کاپیاں دیکھیں۔ غلطیاں بہت زیادہ نکلیں اور ایسی کہ ان سے مضمون خبط ہونے کا اندیشہ ہے(۲۷)۔

میں نے پنسل سے غلطیاں بنا دی ہیں۔ انھیں درست کرا لیجیے۔ میں ایک کام میں لگا ہوا ہوں۔ کہیں جانے کا موقع نہیں ملتا۔ گھر پر بیٹھا رہتا ہوں۔ اس سے فراغت پاتے ہی ضروری چیزیں بھجواؤں گا۔ إن شاء اللہ۔

کیا ماہِ نو مل گیا؟ وقار عظیم صاحب دو مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ پرچہ انھوں نے آپ کو بھجوا دیا تھا۔

مجھے میگزین کا صرف ایک پرچہ ملا اب میں اُٹھ کر دیکھ نہیں سکتا کہ کس مہینے کا ہے(۲۸)۔

والسلام

آپ کا

مہر

(۲۰)

باسمہ سبحانہ

روزانہ انقلاب ۔ لاہور

۳۔ ستمبر ۱۹۳۹ء

عزیز محترم!

یاد فرمائی کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ میں واقعی بہت مصروف رہا۔ اور یہ مصروفیت

اب شاید تاحیات اسی طرح رہے۔ اس لیے کہ آبائی ذریعہ معاش ختم ہو گیا۔ اب محنت مزدوری کے سوا قوت لایموت مل نہیں سکتی۔

اغلاط کے رہ جانے سے مضمون بالکل بے معنی ہو جائے گا۔ لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے۔ چند بدیہی غلطیاں اگر آپ اپنے اداریے میں لکھ دیتے تو نامناسب نہ ہوتا۔ لیکن خیر اس معاملے میں میری بے بسی ظاہر ہے۔ غالب کی کلیاتِ نثر میں آہنگِ چہارم تقاریظ ہیں۔ اسے کیوں چھوڑا؟ آہنگِ پنجم یعنی مکاتیب کے متعلق مولوی امتیاز علی صاحب عرشی رامپوری کئی برسوں سے کام کر رہے ہیں۔ میں نے بھی کسی زمانے میں یہ کام شروع کیا تھا۔ لیکن فرصتِ تکمیل نہ مل سکی۔ کوئی چیز دریافت طلب ہو تو مجھے لکھیے (۲۹)۔

- نکاتِ غالب" یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔ کالج کھلیں تو میں جا کر دیکھوں۔ میرا خیال ہے کہ چھوٹی سی کتاب ہے۔ نقل ممکن ہے۔ بشرطیکہ کوئی صاحب کتابت کے لیے مل جائیں (۳۰)۔

مقصود عالم کی کتاب میں نے نہیں دیکھی، نہ اب تک ان صاحب کے اسمِ گرامی سے آگاہ تھا۔ (۳۱) سرور جنگ حیدرآباد میں بڑے عہدے پر پہنچ گئے تھے۔ ان کا اصل نام آغا مرزا بیگ تھا۔ میں نے ان کی سرگزشت نہیں دیکھی (۳۲)۔ اور نہ تبصرہ دیکھا۔ اگر کتاب چھپ چکی ہے تو اس کا پتہ آپ کو حیدرآباد سے مل سکتا ہے۔ آپ کے لیے خط و کتابت آسان ہے اور میرے لیے مشکل۔ اگر یہ کتاب مل جائے تو مجھے بھی ایک نسخہ وی۔ پی۔ کرا دیجیے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا
مہر

(۲۱)

باسمہ سبحانہ

غلام رسول مہر
مسلم ٹاؤن لاہور
۹۔ اگست ۱۹۵۲ء

برادر مکرم: گرامی نامے کا شکریہ قبول فرمائیے۔ میری مستقل خطوط نگاری کا دائرہ بہت

محدود ہے اور تمام عزیز دوستوں کے پتے یاد ہیں۔ خدا جانے پچھلی مرتبہ کس وجہ سے یکایک پتہ بھول گیا۔ حافظے پر زور دیتا رہا لیکن سود مند نہ ہوا۔ ارسالِ جواب میں توقف ناگوار معلوم ہوا۔ آخر ایک کارڈ لکھ دیا۔ مولوی سیّد مرتضیٰ حسن صاحب (۳۳) بھی کچھ نہ بتا سکے اور انھوں نے بھی اتفاق سے یہی فرمایا کہ انجمن کی معرفت بھیج دوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ہمارے عہد کی طرح پوری دنیا میں بدنظمی بہ نام نظم کارفرما ہے۔ جدھر سے خبر آتی ہے اسی قسم کی آتی ہے اور خود آنکھیں کھول کر ادھر ادھر دیکھتا ہوں تو یہی منظر باعثِ جراحتِ روح و قلب ہوتا ہے۔

ما خانہ رمیدگان ظلمیم
پیغامِ خوش از دیار مانیست

پروفیسر سراج الدّین صاحب آذر (۳۴) کے کتب خانے کے متعلق مجھے کچھ معلوم نہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ دو تین مرتبہ انھوں نے بعض نہایت نادر کتابوں کے مجموعے فروخت کر دیے تھے۔ ان کی دی ہوئی ایک قلمی کتاب میرے پاس بھی ہے۔ یہ ان مکاتیب کا ایک ناقص مجموعہ ہے جنھیں میں شاہ اسمٰعیل شہید کے "مکاتیب" قرار دیتا ہوں۔ یہ مجموعہ اس نام سے غالباً بھوپال میں مرتب ہوا تھا۔ اگرچہ اس میں بیشتر مکاتیب سیّد صاحب کے پاس ہیں۔ پروفیسر آذر کا عطا کردہ نسخہ بعد خوش خط ہے جب مجھے ملا تھا تو اس کے اوراق سراسر غیر مُرتّب تھے۔ میں نے بڑی محنت سے انھیں مرتب کیا۔ پھر اپنے ایک نسخے سے مقابل کیا تو معلوم ہوا کہ حسنِ کتابت کے سوا اس مجموعے میں کوئی خوبی نہیں۔ غلطیاں اتنی ہیں کہ اس کا مطالعہ بیکار ہے۔ تبرک کے طور پر اسے محفوظ رکھا۔ پروفیسر صاحب سے ملاقات ہوئی اور میں نے یہ سب کچھ انھیں بتایا تو کہنے لگے نسخہ اپنے پاس ہی رکھو۔ مجھے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ آخری دنوں میں وہ رسائل کے جمع پر بہت متوجّہ تھے۔ کہتے تھے کہ ایک کوٹھری بھرلی ہے۔ مجھے پتہ نہیں کہ ان کا کتاب خانہ کہاں ہے۔ یونیورسٹی تو اتنے پیسے دے نہیں سکتی تھی ہاں شیرانی مرحوم کی کتابیں یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں (۳۵)۔

آپ نے پہلے مکاتیبِ غالب کے بارے میں پوچھا تھا۔ میں نے اپنے قیاس کے مطابق وہ سب تاریخ وار مرتب کر دیے تھے۔

اور ان پر ایک مُقدمہ بھی لکھا تھا۔ پروف بھی دیکھ لیے تھے۔ غالباً ابھی تک چھپے نہیں، چھپ جائیں تو خدمت والا میں بھیجوں۔

آپ کو جس تذکرے کے متعلق معلومات درکار ہیں اس کا نام لکھیں تو میں ادھر

ادھر سے نہ پتہ لوں۔ اہلِ علم اور اربابِ ذوق رخصت ہوگئے۔ اب نہ علم ہے نہ ذوق۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک صحرا میں بیٹھے ہیں جہاں دور دور تک نہ کوئی درخت ہے نہ روئیدگی، نہ پانی، ریت ہی ریت ہے یا تیز دھوپ کے وقت سراب کی لہریں اٹھنے لگتی ہیں (۲۴) عرفی کا کتنا پاکیزہ شعر یاد آیا۔

گلوئے تشنہ بہ دریا رساندن دارد
تمام عمر فریبِ سراب نتواں خورد

لیکن اب عمر باقی ہی کتنی رہ گئی ہے۔ کہ "فریبِ سراب" کے شکووں سے دل کو پریشان اور زبان کو متحرک رکھیں۔ تاریخ کے بعض حقائق کے بارے میں ہمیشہ خلجان رہا۔ اور معرفت کا مقام حاصل نہ ہوا۔ اب اپنی ذات پر وہ حالات گزرے تو سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ مثلاً یہ کہ لوگوں نے جانتے بوجھتے کیوں خطرات کے انسداد کی سعی نہ کی۔ یا بعض اربابِ کمال باوجود قدر شناسی کیوں شکوہ سنج رہے؟ خیر، خیال کچھ اور تھا۔ کاغذ دوسری باتوں میں ختم ہو گیا۔ اب رخصت ہوتا ہوں۔ مقصودِ تحریر عرضِ مطلب نہیں صرف "ذوقِ حضوری" ہے۔ وہ بہر حال حاصل ہو گیا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا
مہر

(۲۲)

باسمہ سبحانہ

مسلم ٹاؤن، ڈاک خانہ اچھرہ
لاہور
۲۵۔ اگست ۱۹۵۲ء

برادرم۔ گرامی نامے کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں نے جواب لکھ لیا تھا لیکن پتے کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ آپ نے پہلے گرامی نامے میں پتہ لکھا تھا لیکن وہ باوجود تلاش مل نہ سکا۔ میں نے وہ خط روک لیا اور یہ کارڈ اس غرض سے بھیج رہا ہوں کہ آپ تک پہنچ جائے۔ تو مجھے اپنے پتے سے مطلع فرمائیں۔

نمود طبع اوّل کے لیے دلی شکریہ قبول فرمائیے (۳۶)۔ میرے نزدیک سیّد صاحب والی کتاب (۳۷) کا ارسال محض تکلّف تھا۔ لیکن کتاب دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ بھی مطلوب تھی۔ میرے علم کے مطابق اس کتاب کے صرف دو ایڈیشن نکلے تھے۔ لیکن آپ کا بھیجا ہوا ایڈیشن تیسرا نکلا

مفصّل عریضے آپ کا جواب آنے اور اس عریضے کی رسید پہنچنے پر لکھوں گا۔

والسّلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا
مہر

جناب مختارالدّین صاحب آرزو
معرفت انجمن ترقّی اردو ھند
علی گڑھ (ہندوستان)

حواشی

(۱) خواجہ حسن نظامی مرحوم نے اپنے اخبار "منادی" میں غالب کے اس مقدّمے کے کاغذات کی دستیابی کے بارے میں اطلاع شائع کی تھی جو قاطع برہان۔کہ معرکے کی وجہ سے وجود میں آیا تھا۔

(۲) عرشی صاحب نے یہ کاغذات رضا لائبریری رام پور کے لیے خرید ے تھے۔ ان کا ارادہ انھیں مرتّب کرنے کا تھا۔ رسالۂ اردو میں جس طرح یہ روداد چھپی انھیں بھی پسند نہیں آئی۔ انھوں نے میرے نام ایک خط میں اس طرح اشاعت پر اپنی ناخوشی کا اظہار کیا تھا۔

(۳) مہر صاحب نے اسی موضوع پر علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" کے لیے مضمون لکھا ہے جو ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا۔

(۴) غلام رسول مہر: غالب (لاہور ۱۹۳۵ء) ص: ۱۳۵-۱۸۲۔

(۵) نامۂ غالب طبع ۱۸۶۵ء کا نادر نسخہ مجھے دستیاب ہوا تھا جو بہت کمیاب ہے۔ میں نے اسے علی گڑھ آنے سے پہلے ۱۹۳۰ء میں مرتّب کیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدّیقی صاحب نے میرا مرتّب کردہ نسخہ پسند کیا تھا اور مجھے اشاعت پر آمادہ کیا تھا۔

(۶) میں نے مہر صاحب کو نامۂ غالب کی اشاعت کے سلسلے میں بھی لکھا تھا۔

(۷) اطلاع ملی تھی کہ مولانا ابوالکلام کی کتاب "غبارِ خاطر" دہلی میں باہتمام محمّد اجمل خاں چھپ رہی ہے، پھر بعض دوستوں نے بتایا کہ لاہور میں چھپ رہی ہے۔ میں نے مہر صاحب سے صورتِ حال پوچھی تھی۔

(۸) نگار میں میرا مضمون "کیا قتیل کا وطن فرید آباد تھا؟" شائع ہوا تھا۔ مہر صاحب اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کے خطوط میں بھی اس مضمون کا ذکر ہے۔

(۹) خواجہ حالی کی "یادگارِ غالب" مراد ہے۔

(۱۰) مرزا داغ، غالب کی طرف اپنا انتساب بے حد پسند کرتے تھے۔ میری نظر سے "دیوانِ داغ" کا ایک ایسا نسخہ گزرا ہے جو داغ کی ملکیت میں رہ چکا ہے۔ اس پر داغ کی چھوٹی

سی بیضاوی مُہر ثبت ہے جس پر "داغ خلف نواب شمس الدین احمد" کھدا ہوا ہے۔

(۱۱) وہی قتیل والا مضمون مراد ہے۔ میں نے نیاز صاحب کو لکھا دیا تھا کہ جس شمارے میں یہ مضمون چھپا ہے اس کا ایک نسخہ مولانا غلام رسول مہر صاحب کو لاہور بھیج دیں۔

(۱۲) سیّد الطاف علی بریلوی (۱۹۰۵ء - ۱۹۸۶ء) علی گڑھ کے مشہور اہلِ قلم آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کے مہتمم اور رسالہ "مُصنّف" کے بانی و مدیر ہیں۔ روہیلوں کی تاریخ کے ماہر "حیاتِ حافظ رحمت خاں" ان کی مشہور کتاب ہے۔ انھیں علمائے صادق پور اور ان کی تحریک سے بھی دلچسپی تھی اور انھوں نے کچھ نادر اور مفید معلومات جمع کر رکھے تھے۔

(۱۳) علماء صادق پور اور ان کی تاریخ سے میری دلچسپی کم عمری ہی کے زمانے سے تھی۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں تعلیم کے دوران بعض اصحاب سے تعلق قائم ہوا اور محلہ صادق پور (جو میرے محلہ شاہ گنج سے تین کلو میٹر کے فاصلے پر ہو گا) آنا جانا تھا۔ بس کا کرایہ ایک آنہ تھا۔ ۱۹۳۲ء میں جب مسلم ہائی اسکول میں گیارہویں جماعت میں داخل ہوا تو اس کے ہیڈ ماسٹر سیّد حامد جعفری صاحب سے تعلقات قائم ہوئے جو صادق پور کے علماء کے خاندان سے تھے اور مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ انگریزی نثر وہی پڑھاتے تھے۔ انھی کے مکان پر ان کے بڑے بھائی سیّد احمد جعفری سے ملاقات ہوئی یہ نہ بے خود تخلّص کرتے تھے۔ یہ جعفری برادران [illegible] (غالباً مشرقی پاکستان ہوتے ہوئے) کراچی پہنچے اور حیات مستعار کے [illegible] ان انھوں نے وہیں گزارے۔ احمد جعفری بہت پڑھے لکھے آدمی تھے۔ قرامطہ کا ذکر سب سے پہلے میں نے انھی سے سُنا۔ میں بالکل واقف نہ تھا۔ ان کی اس موضوع پر گہری نظر تھی۔ اس خاندان کے پاس صادق پور کے اصحاب اور ان کی [illegible] لیے آزادی کے بارے میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتابیں اور تحریریں تھیں۔

(۱۴) مہر صاحب کی کتاب "غالب" طبع سوم جس پر انھوں نے "ارمغانِ محبت بخدمت برادرِ محترم جناب مختارالدین احمد آرزو" لکھ کر دستخط کرکے بھیجا۔ اس پر تاریخ ۲۱ جولائی ۱۹۴۶ء ثبت ہے۔

(۱۵) مہر صاحب اپنے چھوٹوں پر کیسی شفقت فرماتے تھے۔ ایک ناچیز مضمون کے مطالعے کے لیے کیسی بے تابی کا اظہار کر رہے ہیں۔

(۱۶) مولانا مہر نے کچھ دنوں کے بعد "غالب" کا ایک نسخہ چرمے کی نہایت خوب صورت اور پُرتکلف جلد بندھوا کر مرحمت فرمایا۔ میں ہر ایک کو ہوسٹل میں دکھاتا تھا ایک کرم فرما پڑھنے کے لیے "عاریتہ" لے گئے اور کتاب اور اس کی جلد انھیں اتنی پسند آئی کہ انھوں نے اسے "قبول فرما لیا"۔

"غالب" طبع چہارم، طبع سوم سے بہتر چھپا۔ اس کا نسخہ آیا تو اس پر بھی مہر صاحب کی حسب ذیل تحریر تھی:

باسمہ سبحانہ

برائے محبِ جلیل و صدیقِ عزیز

جناب مختارالدین احمد آرزو

؎ شعرِ غالب نبود وحی و نگوئیم، ولے

تو و یزداں نتواں گفت کہ الہامے نیست

۹ فروری ۱۹۵۲ء — مہر

(۱۷) مولانا، قتیل والے مضمون کے سلسلے میں بار بار لکھتے تھے اور میں شرمندہ ہوتا تھا۔ "نگار" علی گڑھ یا دلی کے کتاب فروشوں کے یہاں نہیں آتا تھا۔ اس کے حصول کے لیے مجھے نیاز صاحب ہی کو لکھنا ہوتا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ پرچہ لاہور بھیجا جا چکا ہے۔

(۱۸) میں نے سیّد الطاف علی صاحب کو مولانا کا یہ خط پڑھوایا تھا۔ انھوں نے معذرت کا خط لکھ دیا تھا اور تصریح کر دی تھی کہ خط نہ لکھنے کی وجہ مصروفیات اور دوسرے مکروہات تھے، اختلاف رائے ہرگز نہیں۔

(۱۹) میں نے انھیں "نگار" کا اپنا نسخہ بھیج دیا تھا۔ یہ ترمیم و اضافے کے بعد رسالہ "نقوش" (   ) میں اور بعد کو اس کے پنج سالہ یا دہ سالہ انتخاب میں بھی شائع ہوا۔

(۲۰) علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کے لیے میں نے مہر صاحب سے مضمون لکھنے کی فرمائش اور لاہور کے دوسرے غالب کے متخصصین سے مضامین لکھوانے کی ان سے درخواست کی تھی۔

(۲۱) پروفیسر حمید احمد خاں اور مولانا عبدالمجید سالک کے مضامین علی گڑھ میگزین اور شیخ محمد اکرام اور ڈاکٹر سیّد عبداللہ کی تحریریں میری مرتّب کردہ کتاب "نقد غالب" میں شائع ہوئیں۔

(۲۲) غالب کی تصویروں پر میرا ایک مضمون رسالہ "آج کل" دلی (   ) میں چھپا۔

یہی مضمون اضافات کے بعد احوالِ غالب (انجمن ترقی اردو ہند ۱۹۵۳ء) میں بیس صفحات پر نو تصویروں کے ساتھ شائع کیا گیا۔

(۲۳) مولانا ابوالکلام وزیر تعلیمات تھے اور ان کی دوسری مصروفیات تھیں، جن میں میں نے مخل ہونا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ ۱۹۴۹ء میں جب خطبہ تقسیم اسناد پڑھنے علی گڑھ تشریف لائے تو ان کے ایک جاں نثار معتقد مولانا عبدالشاہد خاں شروانی مؤلف "باغی ہندوستان" (۱۹۱۵ء – ۱۹۸۳ء) نے میرا ان سے تعارف کرایا کہ یہ ایک محنتی طالبِ علم، سنجیدہ مضمون نگار اور اڈیٹر ہیں۔ میں نے اپنا مرتب کردہ شمارہ انھیں دکھایا ورق الٹتے ہی ان کی نظر گاندھی جی کے پنسل اسکیچ اور میرے لکھے ہوئے نوٹ پر پڑی انھوں نے اسے پڑھا پھر ورق الٹا تو جناح صاحب کی تصویر تھی اور اُن کی وفات پر میرا لکھا ہوا شذرہ۔ وہ آگے ورق اُلٹ چکے تھے لیکن پھر وہی ورق کھولا اور سرسری طور پر اسے بھی پڑھ گئے۔ میرا نام دیکھنے کے لیے انھوں نے سرورق دیکھا۔ آپ وہ پرچہ رکھنے ہی والے تھے کہ اُن کی نظر سامنے اُن کے لکھے ہوئے اُس خط کا عکس آ گیا جو انھوں نے خورشید الاسلام صاحب کے مضمون "شبلی" کے بارے میں سپردِ قلم کیا تھا۔ بولے میرے بھائی: یہ خط آپ کو کہاں سے مل گیا۔ میں نے کہا رسالے کے نگراں رشید احمد صدیقی صاحب سے۔ انھیں متوجہ پا کر میں نے غالب کی تصویروں کے متعلق ان سے گفتگو کی۔ انھوں نے لال قلعے والی تصویر کا ذکر فرمایا کہ یہ مستند ہے۔ میرے پاس یہ موجود تھی۔ پھر انھوں نے نادر شاہ خاں شوخی (م ۱۹۹۹ء) کے پاس غالب کے ایک فوٹو کے دیکھنے کا ذکر کیا۔ شوخی کے اخلاف کا پتا چلانا میرے لیے دشوار تھا۔ پھر اس خیال سے دل کو تسکین دی کہ یہ ممکن ہے وہی فوٹو ہو جو رحمت علی فوٹو گرافر نے کیمرے سے کھینچا ہو۔ یہ بھی مجھے مارہرہ سے مل چکا تھا۔ میرزا نے یہ تصویر بطور ارمغاں حضرت صاحب عالم مارہروی کو بھیجی تھی۔ اب شروانی صاحب نے مجھے کچھ اشارہ کیا، مطلب یہ کہ ملاقات ختم۔ میں نے رخصت ہوتے وقت مولانا سے غالب کے لیے مضمون لکھنے کی درخواست کی۔ مولانا نے اپنی مشغولیتوں کا ذکر کیا۔ میں نے عرض کی کہ قاطعِ برہان کے ہنگاموں کے سلسلے میں چند صفحات تحریر فرما دیجیے۔ مولانا مسکراتے اور بولے: چند صفحات، میرے بھائی اس موضوع پر تو ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ اسی پر ملاقات ختم ہو گئی۔ سہ پہر کو مولانا یونین میں تشریف لائے۔ سید شاہ حسن

عطا (   ) کی صدارت میں جلسہ ہوا۔ پروگرام کے مطابق میں نے مولانا کی خدمت میں میگزین کا مُرتّب کردہ شمارہ پیش کیا۔

(۲۴) مولانا مہر کا یہ مضمون مجھے ۲۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو موصول ہوا۔

(۲۵) یہ مضمون "غالب کی خاندانی پنشن" کے عنوان سے علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" میں چھپا (ص ۱۸ ۔ ۲۸)

(۲۶) مہر صاحب کا دوسرا مضمون ... غالب کا مُقدّمہ" ۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء کو موصول ہوا تھا اور اس کی رسید فوراً بھیج دی تھی جو راہ میں ضائع ہوئی۔ یہ مضمون میگزین میں ص ۴۹ پر شائع ہوا۔

(۲۷) میں نے مولانا کے دونوں مضمونوں کے فرمے چھپتے ہی پریس سے لے کر انھیں بھیج دیے تھے۔ الفاظ رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ انھوں نے مضامین اخباری کاغذ کی فاضل تراشی ہوئی۔ لمبی لمبی دھجیوں میں لکھے تھے۔ جن میں عام طور پر اخبار نویس شذرات اور اداریے لکھتے ہیں۔ پھر مضامین پنسل سے لکھے تھے یہ ہمارے لیے مایقرا ہو۔ لیکن کاتبوں سے صحیح پڑھنا دشوار تھا۔ پروف پڑھنے والے رفیق کار نے بھی توجہ نہیں کی اور غلطیاں رہ گئیں۔ مہر کا پنسل سے لکھا ہوا مضمون میرے پاس اب بھی موجود ہے۔

(۲۸) میں نے مختلف وقتوں میں دو شمارے بھجوائے تھے ایک سابق اڈیٹر محمود فاروقی صاحب کا مُرتّب کردہ تھا اور دوسرا جسے میں نے مرتب کیا تھا جس کا کچھ ذکر اوپر گزرا۔

(۲۹) پنج آہنگ سے ایک آہنگ مرتب کرکے شائع کرنے کا خیال تھا۔ بوجوہ یہ کام ملتوی ہو گیا۔

(۳۰) مہر صاحب نے ازراہِ کرم "نکاتِ غالب" کی نقل مجھے بھیج دی تھی۔ اب یہ میرے ذخیرۂ مخطوطات میں شامل ہے۔

(۳۱) مقصود عالم رضوی بہانوی لکھنؤ کے مضافات کے رہنے والے تھے۔ یہ فارسی میں اپنے والد مولوی سیّد صدرِ عالم مسرور اور اردو میں نواب عاشور علی خاں لکھنوی کے شاگرد تھے۔ اواخرِ عمر میں دہلی جاکر انھوں نے غالب کو اپنا کلام بنظرِ اصلاح دکھایا۔ غالب نے ان کا کلام بہ نظرِ اصلاح دیکھا اور کہا جاتا ہے کہ انھیں "شمس الشعراء" کا خطاب دیا۔ غالب کی وفات پر فارسی میں ان کے دو واقعات ملتے ہیں اور تعجب نہیں ان کا یہ شعر غالب ہی سے متعلق ہو:

کشورِ ہند میں مقصود، ہر اک شاعر سے
میرے استاد میں ہیں وصف خداداد الگ

ان کی تصانیف کی تعداد پچاس تک بتائی جاتی ہے لیکن میری دلچسپی ۱۹۳۰ء سے ان کی کتاب "معارضۃ النثر" میں ہے جس میں اور تحریروں کے ساتھ مقصود کے نام غالب کے کچھ خطوط بھی چھپے تھے۔ یہ کتاب ۱۸۶۱ء/ ۱۲۷۸ھ میں مطبع نولکشور لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی لیکن اب بے حد نایاب ہے۔ قاضی عبدالودود، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، مسعود حسن رضوی، مالک رام، امتیاز علی عرشی کسی کو یہ کتاب نہیں مل سکی۔ مہیش پرشاد نے رسالۂ معیار میں ۱۹۳۶ء میں ایک اعلان شائع کیا تھا کہ انھیں غالب کے متعلق تحقیقات کے سلسلے میں کچھ کتابوں کی ضرورت ہے ان میں نامۂ غالب، مثنوی دمغ الباطل اور معارضۃ النثر کے نام بھی تھے۔ ان کے مرتّب کردہ خطوط غالب میں مقصود کے نام غالب کا کوئی خط موجود نہیں۔ میں نے مولانا مہر سے اس لیے استفسار کیا تھا کہ ممکن ہے پنجاب، سندھ وغیرہ میں اس کا کوئی نسخہ مل جائے۔ یہ کتاب مجھے اب بھی مطلوب ہے۔

(۳۲) سرور الملک سرورالدولہ نواب آغا میرزا بیگ خاں بہادر سرور جنگ سابق معتمد پیشی و استادِ خاص میر محبوب علی خاں آصف جاہ سادس کی سوانح خود نوشت کے نام سے کارنامۂ سروری" باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی، مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ سے ۱۹۳۳ء میں چھپی تھی لیکن اس کے سارے یا بیشتر نسخے حیدرآباد یا دوسرے مقامات میں چلے گئے۔ مجھے لٹن لائبریری میں بھی تلاش سے کوئی نسخہ نہ مل سکا۔ برسوں بعد مولانا اسرار حسین فاروقی مرحوم (   ) نے مجھے بتایا کہ جس زمانے میں نواب ذوالقدر جنگ بہادر خلف اکبر سرور الملک ہوم سیکریٹری دولت آصفیہ معتوب ہو کر حیدرآباد سے علی گڑھ آکر مقیم ہو گئے تھے اُسی زمانے میں انھیں اس کی اشاعت کا خیال آیا۔ مسوّدے کی ترتیب و تہذیب میں فاروقی صاحب کا تعاون شامل تھا۔ مجھے اس کا ایک نسخہ مقتدیٰ خاں شروانی (   ) کی وفات کے بعد ان کے اعزّہ سے ان کے ذخیرۂ کتب سے حاصل ہوا۔ ذوالقدر جنگ نے کتاب کے تعارف میں مولوی سیّد ہاشمی، مولوی ابرار حسین فاروقی مرحوم کا شکریہ ادا کیا ہے جنھوں نے کتاب کی نظرثانی وغیرہ میں پوری پوری مدد دی۔ بڑی تقطیع میں ۳۶۰ صفحات کی یہ کتاب ۱۹ تصویروں کے ساتھ عمدہ کاغذ پر نہایت خوب صورت چھپی ہے۔ بہت دلچسپ کتاب ہے اور اُس عہد کے حیدرآباد کا زندہ مرقّع۔

(۳۳) غالب سے دلچسپی رکھنے والے محقق سیّد مرتضی حسین فاضل لکھنوی (۱۹۲۳ء لکھنؤ۔ ۱۹۸۶ء لاہور) جن سے ان کے لکھنؤ اور لاہور کے قیام کے دوران برابر سلسلۂ خط کتابت جاری رہا۔ غالب کی متعدد کتابیں انھوں نے مرتّب کرکے شائع کیں۔ ان کی آخری تصنیف جو ان کی وفات کے بہت دنوں بعد مشفق خواجہ صاحب کی عنایت سے ملی وہ برصغیر پاک و ہند کے شیعہ افاضل و علمائے کبار کا تذکرہ "مطلع انوار" (لاہور ۱۹۸۱ء) ہے۔

(۳۴) پروفیسر سراج الدّین آذر (   ) لاہور کے مشہور   تھے۔ یہ پروفیسر محمّد شفیع، پروفیسر محمّد اقبال، محمود شیرانی، عبداللہ چغتائی کے دوستوں میں تھے۔ مخطوطات و نوادر میں اُن کی گہری نظر تھی۔ اُن کا ذخیرۂ کتب نوادر کی وجہ سے شہرت رکھتا تھا۔ میں نے انھیں ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء کو انجمن ترقّی اردو ہند کے سالانہ اجلاس کے موقع پر دیکھا تھا۔ مولوی عبدالحق صاحب نے اس موقع پر ٹاؤن ہال دہلی میں کتابوں کی نمایش کا اہتمام کیا تھا۔ انجمن کے مخطوطات کے ساتھ دوسرے حضرات کی کتابیں بھی نمایش میں رکھی گئی تھیں۔ ان کی کتابوں میں ایک ضخیم بہت خوب صورت چھپی ہوئی ایک انگریزی کتاب تھی جو ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کی ملکیت تھی۔ ملکہ نے یہ کتاب اپنے اردو کے استاد آگرہ کے مولوی عبدالکریم صاحب کو تحفۃً پیش کی تھی۔ اس پر ملکہ کے ہاتھ کی حسب ذیل اردو تحریر تھی:

منشی عبدالکریم

یہ کتاب تمھارے واسطے ہے

ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند

وہ زیروکس کا زمانہ نہیں تھا اور نہ عکس برداری اس قدر آسان تھی۔ ہمیشہ افسوس رہا کہ اس صفحے کا فوٹو حاصل نہ کر سکا۔ برسوں سے لاہور کے احباب کو لکھ رہا ہوں کہ ذخیرۂ آذر میں اس نایاب کتاب کا پتا چلائیں۔ کتابوں کا ایک حصّہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے، بقیہ کتابوں کا پتا نہیں چلتا۔ میں نے مولانا مہر کو بھی اس سلسلے میں لکھا تھا۔ مذکورہ کتاب کی تلاش اب بھی جاری ہے۔ میرے پاس وکٹوریہ کی ڈایری کی ایک اردو تحریر کا بھی عکس محفوظ ہے۔

(۳۵) ڈاکٹر بشیر حسین مرحوم (شعبۂ فارسی پنجاب یونی ورسٹی) فہرستِ مخطوطاتِ شیرانی

کی تین جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دی ہے۔

۳۰) ۱۹۵۲ء میں ایک عجیب بات ہوئی۔ خان بہادر مولوی بشیر الدّین، سرسیّد کے رفیق کار اور "البشیر" (اٹاوہ) کے مالک و مدیر (۱۸۵۸ء - ۱۹۵۶ء) کے بھتیجے امتیاز الدّین زبیری نمبر ۵ حالی روڈ والے بنگلے میں میرے ساتھ رہتے تھے۔ ایک دن میرٹھ سے وہ ایک کتاب میرے لیے لائے۔ کھول کر دیکھا تو وہ "عُودِ ہندی" کا پہلا اڈیشن تھا جو میرزا غالب کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔ بہت خوش ہوا۔ پوچھا ایک آدھ نسخہ اور مل سکتا ہے، انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ ایک نسخہ لے آئے جسے میں نے بطور ارمغاں مولانا مہر کی خدمت میں بھیج دیا۔ ان کے پاس جو نسخہ تھا اس کے اوّل و آخر سے چند اوراق غائب تھے۔ دس یا پندرہ روپے قیمت تھی وہ مالک نسخہ کو بھجوا دی گئی۔ حمید احمد خاں، شیخ محمّد اکرام، مالک رام صاحب کو اسی زمانے میں اطلاع دے دی تھی۔ حمید احمد خاں صاحب نے لائبریری کے لیے ایک نسخہ قیمتاً حاصل کیا تھا۔ وہ وہاں شاید اب بھی محفوظ ہو۔ اب مالک نے اس کی قیمت دس روپے سے پندرہ روپے فی نسخہ کر دیا تھا۔ اہمیت کے لحاظ سے یہ قیمت بھی کچھ نہ تھی۔ امتیاز الدّین نے نہ مالک کا نام بتایا نہ میں نے پوچھا۔ ایکدن وہ اطلاع لائے کہ وہاں بہت سے نسخے ہیں، میں نے سب منگوائے، بہت رعایتی قیمت میں، یہ تعداد میں ۱۶۳ نکلے۔ میں نے مالک رام کے مشورے سے سارے نسخے دلی کے ایک نوادر فروش رحمت قطبی صاحب کے حوالے کر دیے۔ رحمت قطبی صاحب ایک چھوٹی سی درگاہ کے سجادہ نشیں بھی ہیں۔ کبھی کبھی ایوانِ غالب دہلی کے جلسوں میں اُن سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ بہت بھلے آدمی ہیں، مالک رام صاحب سے بہت محبّت کرتے ہیں۔ میں نے آج تک ان سے ایک پائی نہیں لی۔ صرف یہ خیال ہی تسکین دیتا رہا کہ "عُودِ ہندی" کے یہ نسخے میرٹھ (جہاں یہ کتاب چھپی تھی) میں رہتے تو اب تک دیمک کی نذر ہو جاتے۔ میری کوشش سے کچھ نسخے تو اہلِ علم تک پہنچ کر محفوظ ہو گئے ہوں گے۔ یہ راز اب تک نہ کھلا کہ "عُود" کا جو اڈیشن غالب کی زندگی میں ۱۸۶۹ء میں نکلا، ۱۹۵۲ء تک کوئی اسّی سال کے بعد بھی اس کے کوئی پونے دو سو نسخے کیسے باقی رہ گئے؟

(۳۱) کتاب کا نام اب یاد نہیں آتا۔ علمائے صادق پور نے پٹنہ میں چھپوائی تھی۔ ایک بار صادق پور گیا تو یہ کتاب لے آیا اور مولانا کی خدمت میں بھیج دی۔

مکتوبات ڈاکٹر عبدالستار صدیقی بنام مختار الدین احمد

(۱)

۴۴ (الف) میور روڈ،

الہ آباد

۱۰ مارچ ۴۴ء

مکری،

آج کوئی دو ہفتے ہوئے آپ کا خط ملا۔ کام کی کثرت اور کسی قدر طبیعت کی نادرستی سے جواب میں تاخیر ہوئی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ کچھ جی میں نہ آتا تھا کہ آپ کو کیا تدبیر بتاؤں۔

میری راے یہ ہوئی ہے کہ نواب سر مہدی یار جنگ (مہدی حسین بلگرامی) (۱) کو لکھیں۔ وہ آج کل عثمانیہ یونی ورسٹی کے وائس چانسلر اور ریاست کے وزیر تعلیمات ہیں۔ اگر آپ کی کتابیں زیادہ ضخیم نہ ہوں (۲) تو غالباً وہ انھیں جامعہ عثمانیہ کے صرف سے چھپوا دیں۔ آپ یہ درخواست کریں کہ حیدرآباد کے نسخ ٹھپے میں یہ کتابیں جامعہ چھپوا دے مگر جناب ہر حرف پر حرکات کا التزام نہ کیجیے گا۔ ضروری زیر زبر پیش وغیرہ صرف وہ جن سے صحیح قرات ہو جانے کافی ہوں گے مثلاً ما اور نی کے م پر زبر۔ ف کو زیر اور ی پر جزم لگانا سراسر بے کار ہے۔ پس جہاں لفظ کی کئی قراتیں ہو سکتی ہوں وہاں حرکات کا التزام کیجیے اور ضرور کیجیے۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارے ملک کے عربی "جاننے والے" بھی بعضے عربی لفظوں کو غلط بولتے اور لکھتے ہیں اور مزہ یہ کہ بحث کرتے ہیں کہ یوں ہی صحیح ہے۔ کرۃ کو کرّۃ اور قراءۃ کو قرأۃ اور کنیۃ کو کنیت۔ اعوذ باللہ۔ استغفراللہ۔ بسم اللہ ... کے بعد دوسرا لفظ قرآن میں للہ آیا ہے۔ اسے اب بزرگانِ امت عجب طرح سے لکھتے ہیں: "لللّٰہ"، اور ذلک میں الف ضرور داخل فرماتے ہیں۔ دوسری طرف قرآن کے رسم خط کی حرمت اس درجے کرتے ہیں کہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی جگہ کوئی (کوئی) صلاۃ یا زکاۃ لکھ دے تو دین گیا۔ میں اردو میں بھی ان شاء اللہ لکھا کرتا ہوں۔ ایک دن ایک دوست نے مجھ سے کہا کہ تو "ان" کو ملا کر نہیں لکھتا۔ اس کا لوگ بہت چرچا کرتے ہیں۔ صاحب جہانگیری اور صاحب دستورِ عجم نے اور جانے کس نے اور کس نے تاکید کے ساتھ لکھا ہے کہ انشاء اللہ لکھنا چاہیے۔ میں نے کہا ہاں ان بزرگوں سے تلمذ کا شرف مجھے نہیں ہے کہ ان شاء اور انشاء کے فرق کو بھول جاؤں۔ ایک بار مسلم یونی ورسٹی

کورٹ میں یہ مسئلہ درپیش تھا کہ جلسے کا آغاز صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہونا کافی نہیں، کچھ "قرات" بروزن فعلن بھی ہو۔ یعنی کچھ اور بھی قرآن میں سے پڑھ لیا جائے پھر جلسے کی کارروائی ہو۔ میں بھی شامت کا مارا وہاں پہنچ گیا۔ قرات سنتے سنتے کانوں کے پردے پھٹے جاتے تھے۔ دوسرا اعتراض مجھ پر یہ کہ "عن قریب" لکھتا ہوں۔ میں جواب یہ دیتا ہوں کہ عقرب کوئی مادہ نہیں تو عنقریب کہاں سے آیا؟ ہاں، عنفشیش میں سے عن کو الگ کرنا بزرگوں کی شان [میں] گستاخی ہے اس کا مرتکب میں نہیں ہوتا۔

اس طرف تو علی گڑھ آنے کا خیال نہیں، کبھی آنکلا تو ملاقات ہوگی۔ والسلام

ع صدیقی

(نوٹ: ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ہر خط کے شروع میں اپنا پتا کاغذ کے بائیں طرف لکھتے تھے۔ مرتب)

(۲)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔

۲۴ جولائی ۴۴ء

عزیزم آرزو صاحب

خیریت معلوم کرکے خوشی ہوئی۔ میں اس امید میں تھا کہ آپ علی گڑھ سے گھر جاتے ہوئے یہاں ٹھہریں گے۔ مگر شاید لکھنؤ کے راستے چلے گئے اور الہ آباد راہ میں نہ پڑا۔ آپ کا خط علی گڑھ سے کوئی نہیں آیا۔ آتا، تو جواب ضرور جاتا۔ جو باتیں "نامہ غالب" کے بارے میں آپ نے پوچھی تھیں وہ فرصت کے وقت لکھ بھیجیے گا۔ میں ان کا جواب لکھ بھیجوں گا۔

یہ تو بہت اچھا ہو گا کہ آپ کی کتاب (۳) اچھے ٹھپوں میں چھپے مگر آپ نے یہ نہ بتایا کہ ان ٹھپوں کا بہم پہنچانا کس چھاپے خانے میں ممکن ہے "قیصر" (۴) والے اجرت اتنی مانگتے ہیں کہ ان سے مشکل ہی سے کوئی شخص کام لے سکتا ہے اور پھر آج کل تو شاید انھوں نے اور بھی بھاؤ بڑھا دیا ہو "نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز" آج ہی کل کے لیے کہا گیا تھا۔

"نگار" میرے پاس نہیں آتا۔ اس لیے آپ کا مضمون "قتیل" کے وطن پر دیکھنے میں نہیں آیا (۵)۔ تلاش کروں گا۔ پرچہ مل جائے تو ضرور پڑھوں گا۔

ہاں صاحب، یہ "پتا پر" کیا بات ہوئی؟ آپ لکھتے ہیں "یونی ورسٹی کے پتا پر آپ کو خط لکھا"۔ یہاں الہ آباد میں تو بعض معروف شاعر مشاعروں میں اس طرح پڑھتے ہیں۔ مگر آپ سے تعجب ہے۔ لوگوں کو تو "ہوا" تک کو (جو مؤنث ہے) محرف کر کے "ہوے" بولتے سنا ہے(۶)۔

خیر طلب

ع صدیقی

(۳)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔

۱۰ ستمبر ۳۵ء

حضرت سلامت

آپ کے خط کا جواب دینے سے میں بہت قاصر رہا اور آپ کا تقاضے کا خط بھی آیا پھر بھی التوا ہوتی رہی۔ جس زمانے میں آپ کا خط مع مضامین کے آیا۔ میں بہت مصروف تھا اور ارادہ کیا کہ فرصت ہولے تو مضمونوں کو پڑھوں گا اور جواب لکھوں گا۔ جب فرصت ہوئی تو گرمی کی شدت نے بہت ستایا اور اب یہ دل چاہا کہ ذرا گرمی کم ہولے تو یہ کام کروں اور یہ کام کروں۔ اس کی نوبت نہ آئی تھی کہ پھر کام کا ہجوم ہوا۔ فرض کہ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ خلاصہ یہ کہ آج ۱۰ ستمبر کو شام کے وقت آپ کو خط لکھنے کی ساعت آئی۔ یہ پہلے سے بتادوں کہ آپ کے مضمونوں کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع ابھی تک نہیں ملا ہے۔

حضرت راغب (۷) کی خدمت میں غائبانہ نیاز حاصل ہے۔ کبھی کبھی وہ عنایت فرما کر عنایت نامہ بھیجتے ہیں۔ اس پر ادھر سے نیاز نامہ پیش ہو جاتا ہے۔

لفظ عنفشی ہے (۸): (عنفاش اللحیۃ و عنفشی اللحیۃ)۔ آپ کے لکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میرے خط میں ایک زائد ش کے ساتھ ہے وہ ش سہو قلم سے لکھا گیا ہوگا۔ لمبی داڑھی والے کو کہتے ہیں۔

۲۔ دسمبر میں "ہندستانی" نہیں چھپا۔ آپ نے اکتوبر ۱۹۳۴ء کا شمارہ دیکھا ہو گا۔ اس کے آخر میں "باقی آیندہ" چھپنے سے رہ گیا تھا۔ اور کئی جگہ لفظ یا فقرے چھوٹ گئے تھے۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں دوسری قسط شائع ہوئی۔ اس میں میں نے تصحیح کر دی ہے۔ پھر اپریل ۱۹۳۵ء

میں تیسری قسط نکلی۔ ان تینوں قسطوں میں فارسی اخباروں کا ذکر ہے۔ چوتھی قسط جولائی ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ اس میں اردو اخباروں یعنی صرف ایک اخبار کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کا شمارہ چھپ رہا ہے۔ اس میں یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ (۹)

۳۔ مہر کی کتاب کی دوسری اشاعت کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ (۱۰)

۴۔ جیسا کہ اوپر لکھ چکا ہوں آپ کے مضمونوں کو پڑھ نہیں سکا ہوں۔ قتیل کے وطن کے بارے میں ایک مختصر سا محاکمہ سید ہاشمی فرید آبادی کا "اردو" میں آپ نے دیکھا ہو گا(۱۱)۔

انگریزی عربی لفظوں کی مماثلت آپ کے مضمون میں جو دکھائی گئی ہے۔ اس کا حاصل میری سمجھ میں نہیں آیا۔ یہ تو اکثر جگہ سے وہی "انتقال" اور "انت کال" کا سا قصہ معلوم ہوتا ہے۔ یورپ کے محققین لسانیات سالہا سال اس چکر میں رہے کہ بعض لفظوں کی صوتی مماثلت سے آریائی اور سامی زبانوں کے آپس میں رشتہ جوڑیں۔ اب تقریباً پون صدی گزر چکی وہ ساری بحث لغو اور لچر ثابت ہو چکی یہ سراسر وقت کا ضائع کرنا ہے کہ کوئی اس وقت اس قسم کا دعوی کرے۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ نے یہ راہ اختیار کی۔ آپ نے تو ان یورپی محققوں کو بھی اصلاح دے دی جو اس فعل عبث میں مدتوں مشغول رہے تھے۔ Neck کو "عنق" سے ملا رہے ہیں اور Matter کو "مادہ" سے۔ خوب! Naval کو آپ کہتے ہیں کہ عربی میں "ناف" ہے۔ سبحان اللہ۔ وہ کون سی عربی ہے اور کس ملک میں بولی جاتی ہے جس میں "ناف" naval کے معنی رکھتا ہے؟ آپ نے یہ بھی نہ دیکھا کہ "ناف" فارسی لفظ ہے۔ عربی میں اسے "سرہ" کہتے ہیں۔

اس وقت خط لکھتے لکھتے میں نے وہ "نگار" میں چھپا ہوا مضمون کھولا تو یہ لفظ نظر پڑ گئے۔ اب خیال ہوا کہ لاؤ اس قلمی مضمون کو جو اسی سلسلے کی چیز ہے ذرا دیکھ لوں۔ دیکھا تو اس کا بھی وہی حال ہے بلکہ اس سے بھی زائد کچھ عجیب چیزیں دیکھیں۔

خیر اب زیادہ اس پر لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ چند باتیں میں کہہ دینا چاہتا ہوں:۔

۱۔ لسانیات کی حالت ریاضیات کی سی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ خیال کر لے کہ صرف دس ہندسوں (یعنی ۱ سے ۹ تک اور صفر) سے سارا حساب بنا ہے اور میں ان دسوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ اس لیے ریاضیات کے اعلی سے اعلی مسائل کو حل کر لوں گا۔ تو آپ اس سے یہی کہیں گے کہ ایسا ممکن نہیں۔ اسی طرح آپ کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ چند آوازوں اور ان کے مجموعوں (لفظوں) کو جان لینا اور بغیر کسی ترتیب اور نظام کے لکھ دینا لسانیات سے بہت

دور ہے۔ لسانیات ایک Accurate Science ہے۔

۲۔ لسانی بحث کے لیے نہایت ضروری ہے کہ آپ پہلے لفظوں کی تاریخ معلوم کریں اور ہر قدم پر یہ دیکھیں کہ میں کچھ تاریخ کے خلاف تو نہیں کہہ رہا ہوں۔

۳۔ محض بعض لفظوں میں آوازوں کا ایک یا مماثل ہونا کسی نتیجے پر نہیں پہنچا سکتا۔ یعنی دو زبانوں میں اس طرح کوئی رشتہ نہیں قائم کیا جا سکتا۔ اصل چیز زبانوں کی ترکیب و تعمیر ہے۔

۴۔ اردو کے رسالے آپ کا مضمون چھاپ دیں گے۔ ان کے پڑھنے والے بغیر آپ کے "علم" اور "فضل" کی ثنا و صفت کریں گے۔ یہ چیز آپ کو اور بھی گمراہ کرے گی۔

چونکہ آپ نے میری رائے پوچھی اس لیے مجھے یہ کچھ لکھنا پڑا۔ امید ہے کہ آپ میرے اس لکھنے کا برا نہ مانیں گے اور اس پر غور کریں گے۔

خیر طلب

ع صدیقی

قاضی عبدالودود صاحب کے ایک خط کا جواب نہیں دے سکا۔ سال بھر سے زیادہ ہو گیا۔ وہ غالباً مجھ سے خفا ہوں گے۔ بہت دن سے ان کا خط نہیں آیا۔ اب کسی دن ان کو لکھوں گا۔ امید ہے منا لوں گا۔

ع ص

وہ قلمی اوراق جو آپ نے بھیجے تھے واپس کرتا ہوں۔ اگر "نگار" کے اوراق بھی درکار ہوں تو لکھیے۔ میں بھیج دوں۔

(۴)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد،

۱۸ جون ۳۸ء

میرے مہربان،

آپ کا خط مورخہ ۳۱ مئی ملا۔ آج کل فرصت کم ہے مگر ارادہ کرتا ہوں کہ ایک مختصر سا مضمون "دہلی سوسائٹی اور غالب" پر لکھوں، بشرطیکہ کوئی اور صاحب اس پر نہ لکھیں یا لکھ رہے ہوں۔

براہ کرم لکھیے کہ کس تاریخ تک مضمون آپ کو پہنچ جانا چاہیے (۱۲) والسلام

ع صدیقی

مختارالدین آرزو صاحب
ایڈیٹر علی گڑھ میگزین
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

(۵)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔۱
۱۷ مارچ ۴۹ء

عزیز گرامی منش، والسلام علیکم

بہتر صورت یہ ہو گی کہ کاپی مجھے بھیج دی جاے، اسے میں صحیح کر کے فوراً واپس کردوں گا۔ یعنی جس دن مجھے ملے گی، اس کے دوسرے ہی دن۔ اب آپ کے پاس اصل بھی ہوگی اور کاپی بھی تصحیح کی ہوئی۔ آپ دونوں کی مدد اور مقابلے سے بہت کم وقت میں بغیر کسی زحمت کے پروف کو درست کر دیجیے گا۔ پھر بھی اگر اس میں دقت کا اندازہ ہو تو کاپی دیکھ کر اس کا پروف اور اصل مجھے بھیج دیجیے۔

خطوں کو پھر دیکھا (۱۳)۔ مناسب یہی ہو گا کہ آپ کے بلاک ساز صاحب یا مصور صاحب الہ آباد آجاءیں اور ان کا عکس لے لیں۔ ان کے آنے کی تاریخ اور وقت پہلے سے مجھے معلوم ہو جاے تو اور اچھا ہے۔ ۲۱ اور ۲۵ مارچ کو میں دن میں یہاں کی بعض کمیٹیوں میں مصروف رہوں گا۔ ان تاریخوں کے سوا گھر پر موجود رہوں گا۔ اگر کسی دن کوئی اور کام آپڑا تو اس میں زیادہ وقت نہ لگے گا۔

ع صدیقی

(۶)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔۱
۴ اپریل ۴۹ء

مکرمی

میں غالباً ۱۰ اپریل کو علی گڑھ آسکوں اور دو ایک دن قیام رہے۔ یہاں سے ۱۴ یا ۱۵ کو

دلی جاؤں گا۔ الہ آباد میں عکس کھینچنے والے ہیں ضرور مگر ان کے کام کا کوئی علم اور تجربہ مجھے نہیں، اس لیے یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں عکس والی چیزیں علی گڑھ لیتا آؤں اور وہیں یہ کام ہو جاے (۱۴) والسلام

ع صدیقی

یہاں سے روانہ ہونے سے پہلے آپ کو اطلاع دے دوں گا۔

مختارالدین احمد صاحب آرزو
۵۰ سرسید کورٹ
مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

(۷)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔ ۱
۱۳ اپریل ۶۹ء

عزیز مکرم!

رات پروفیسر رشید احمد صدیقی (۱۵) تشریف لاے اور آج واپس جا رہے ہیں۔ کل ۱۴ اپریل کو صبح سویرے علی گڑھ پہنچیں گے۔ کاپی بجاے ڈاک سے بھیجنے کے ان کے ہاتھ بھیجنے میں وقت کی بچت اور بہتر صورت حفاظت کی دکھائی دی۔ اس لیے کل نہیں بھیجی۔ پرسوں اور ترسوں یہاں عام چھٹی تھی۔ اس وجہ سے نہ بھیج سکا تھا۔ رشید صاحب کاپی آپ کو کل ہی بھیج دیں گے، یا آپ خود ان سے وصول کر لیجیے گا (۱۶)۔

اور ۱۶ اپریل کو ساڑھے دس بجے کی ریل پر دلی چلا جاؤں گا۔ اسی دن دلی سے رات کے وقت واپس ہو کر ساڑھے گیارہ بجے رات کو علی گڑھ پہنچوں گا۔ قیام پروفیسر محمد حبیب صاحب کے مکان پر رہے گا۔ ۱۷ اپریل کو یونیورسٹی کورٹ کے اجلاس میں شریک ہو کر ۱۸ اپریل کو صبح کی ڈاک گاڑی پر ساڑھے دس بجے علی گڑھ سے الہ آباد کو روانہ ہوں گا۔

ع صدیقی

(۸)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱۔

۲۶ اپریل ۱۹۶۹ء

مکرمی

"کچھ اور بکھرے ورق" کا نسخہ مل گیا اور اسے میں نے درست کر دیا ہے، کل روانہ ہو گا۔ جو خط غالب کے اس میں درج ہیں ان کے مکتوب الیہوں کا حال جو کچھ مل سکا تھا میں نے لکھ دیا تھا۔

حسین ابن حیدر سے مراد ہیں معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خاں معروف بہ حسین مرزا جو بہادر شاہ ظفر کے ناظر تھے۔ ان کے نام "اردوی معلیٰ" میں کئی خط ہیں۔ وہ دیکھ لیجیے گا۔ "پنج آہنگ" میں صرف ایک خط ان کے نام ہے (کلیات نثر غالب، نول کشوری ص ۱۸۶)۔ ان کے والد نواب مبارز الدولہ ممتاز الملک میرزا حسام الدین حیدر خان بہادر حسام جنگ کے نام کئی فارسی خط ہیں (کلیات نثر، ص ۱۸۶ پر دو، پھر ص ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱)۔ غدر سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ حسین مرزا اور ان کے بڑے بھائی مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں (عرف مظفر مرزا) اور حسین مرزا نے غدر میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں۔ مکانات، اثاثہ اور جائداد سب کچھ تلف ہو گیا۔ اس سلسلے میں دیکھیے۔ غلام رسول مہر کی کتاب "غالب" (تیسری اشاعت)، ص ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۹۳۔ ۲۹۶۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔

غالب نے "دستنبو" میں بھی مظفرالدولہ سیف الدین حیدر خاں اور ان کے چھوٹے بھائی معین الدولہ ذوالفقار الدین حیدر خاں حسین مرزا کا حال لکھا ہے (کلیات نثر ص ۴۰۱)۔ یوسف مرزا کے نام جو خط "پنج آہنگ" اور "اردوی معلیٰ" میں ہیں نیز ذوالفقار الدین حیدر خاں کے نام (اردوی معلی میں) ان کو بھی پڑھ لیجیے۔ یوسف مرزا نواب حسام حیدر کے نواسے تھے۔

جن دو خطوں کا آپ کی سعی سے پہلی بار عکس لیا گیا ہے، ان سے خود ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی شخص حسین مرزا کے نام لکھے گئے تھے۔ اس لیے کہ وحدت مضمون ہے۔

ع صدیقی

د میرے مقالے کا پروف میرے پاس آئے گا یا نہیں؟ منتظر ہوں۔

۲۔ "کچھ بکھرے ہوئے ورق" (۱۷) ابھی نہیں ملے۔ اکیڈمی جا کر وہ رسالہ تلاش کر کے جس میں مضمون چھپا تھا، بھیجوں گا۔ کچھ دیر لگے گی۔

(۵)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱۱

۱۹ اپریل ۳۹ء

مکرمی،

رجسٹری لفافہ اور اس میں دو قطعہ عکس پہنچے۔ میں تو کہتا کہ ان دونوں کے بلاک بھی بنوا لیے جائیں مگر ابھی یہ طے نہیں کیا جا سکتا کہ بلاک کس پیمانے کے بنیں گے۔ اس لیے اس کام کو فی الحال ملتوی رکھتا ہوں۔ آپ کی سعی کا ممنون ہوں۔ وقت ضرورت بلاک یہیں بن جائیں گے (۱۸)

میرا خط اور پارسل "کچھ اور بکھرے ورق" کا مل گیا ہو گا۔ "دہلی سوسائٹی اور غالب" کے پروف کا انتظار ہے۔ امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ آپ کے ایم۔ اے۔ کے امتحان کا نتیجہ تو نکل آیا ہو گا (۱۹)۔ یا ابھی نہیں؟ اگر دریافت ہو سکے تو جلد لکھیے کہ نواب صدر یار جنگ (حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی) علی گڑھ میں ہیں یا حبیب گنج میں۔ اگر علی گڑھ میں ہیں تو حبیب گنج کس تاریخ تک تشریف لے جانے والے ہیں۔

ع صدیقی

اضافی تحریر:

"علی گڑھ تحریک" (۲۰) کے ساتھ ساتھ اس کے تعلیمی ادارے کے نونہالوں کی ادبی سعی ایک مجلے کی صورت میں منظر عام پر آتی رہی ہے۔ وقت کے تقاضے سے اس مجلے کا نام بدلتا رہا ہے۔ کبھی "محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین۔ علی گڑھ" تھا۔ کبھی "علی گڑھ منتھلی" مگر زبانوں پر "علی گڑھ کالج میگزین" یا "علی گڑھ میگزین" رہا۔ کالج جب یونیورسٹی کے درجے کو آ پہنچا تو "مسلم یونیورسٹی میگزین" قرار پایا۔

لیکن اختصار کی ضرورت، ایجاد کی نفاست نے اسی مشہور نام - علی گڑھ میگزین - کو پسند کیا۔ ادارے نے قبول کیا۔

نام کی طرح مجلّے کا ادبی معیار بھی بدلتا رہا اور ہر دور میں پچھلے دور سے زیادہ اونچا ہوتا رہا ہے اور ادھر پندرہ بیس برس سے "علی گڑھ میگزین" کا ملک کے اچھے سے اچھے رسالوں میں شمار ہے۔ پچھلے چند سال سے اس کا معیار اور بھی بلند ہو گیا ہے۔ اس نے اکثر ایسے بلند پایہ مقالے شائع کیے ہیں کہ علمی تحقیق اور ادبی اسلوب دونوں کے لحاظ سے قدر کے لائق اور ناز کے مستحق ہیں۔ اس سال ایک اور شمارہ "غالب نمبر" کے لقب سے نکلنے کو ہے جو غالب کے آثار و تذکار اور اس کی نظم و نثر کے نقد و نظر پر مشتمل ہو گا۔ اس حوصلہ مندی پر میگزین کے کار پرداز خاص طور پر مبارکباد کے مستحق ہوں گے۔

الہ آباد۔ ۹ جون ۴۹ء

ع صدیقی

(۱۰)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۵ ستمبر ۴۹ء

مکرمی،

میں ۹ ستمبر کی شام کو علی گڑھ پہنچوں گا۔ ۱۲ کی صبح تک قیام رہے گا۔ یونی ورسٹی کے مہمان خانے (۲۱) میں قیام رہے گا۔

۱۰ ستمبر کو ۲ بجے سے ۳ بجے تک ضرور مہمان خانے میں موجود رہوں گا۔ اگر ہو سکے تو ملیے گا۔

ع صدیقی

(۱۱)

دودو منزل،

سندیلہ (ہردوئی ضلع)

۱۴ اکتوبر ۴۹ء

مکرمی،

میں ابھی کئی دن یہاں ٹھہروں گا۔ جمعہ ۲۱ اکتوبر کو صبح یہاں سے روانہ ہو کر بریلی

چندوسی کے راستے علی گڑھ آ،وں گا۔ ریل ساڑھے گیارہ بجے رات کو علی گڑھ پہنچاے گی۔ ناوقت ہے مگر کوئی چارہ نہیں۔ حبیب صاحب (۲۲) کے مکان پر قیام کروں گا۔ ان کو خط لکھ دیا ہے۔ آپ بھی انھیں خبر کر دیں تو اچھا ہے۔ ڈاک میں اکثر خط تلف بھی ہو جاتے ہیں۔ علی گڑھ سے ۲۳ کو الہ آباد جا،وں گا۔ والسلام

ع صدیقی

(۱۲)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔۱
۱۶ نومبر ۳۹ء

عزیز مکرم،

میں ۱۹ نومبر (سنیچر) کو ۶ بجے شام دہلی میل سے علی گڑھ پہنچوں گا۔ قیام قاضی عزیز الدین احمد صاحب بلگرامی (۲۳) کے مکان "بیت الحبیب" (دودھ پور روڈ) پر رہے گا۔

۲۱ نومبر کو صبح گیارہ بجے واپسی کا قصد ہے، اس دن صبح نو بجے کا وقت آپ کے لیے محفوظ رکھوں گا۔

ابھی "دستور الفصاحت" (۲۴) کے دیباچے میں یہ فقرہ نظر پڑا: "شوق (مولوی قدرت اللہ رام پوری) کا تذکرہ شعراے اردو جس کا خلاصہ علی گڑھ سے شائع ہو چکا ہے"۔ نہیں معلوم کب کس نے شائع کیا(۲۵)۔ اگر اس کے نسخے ملتے ہوں تو ایک میرے لیے خرید لیجیے گا۔ دام وہیں آ کر دے دوں گا۔ ورنہ مستعار مل سکے تو گھنٹے دو گھنٹے میں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔

ع صدیقی

(۱۳)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔۱
۲۱ نومبر ۳۹ء

عزیز گرامی منش،

ابھی نو بجے رات کو تین دن کی ڈاک دیکھی۔ آپ کا رجسٹری پارسل ملا، جس میں

ایک نسخہ میگزین کا اور دس نسخے میرے مقالے کے ہیں (۲۶)۔ اگر آپ نے وہاں ڈاک خانے میں شکایت لکھ دی تو اب اطلاع کر دیجیے کہ پلندہ مکتوب الیہ کو مل گیا ہے۔

آج دن بھر ریل میں میگزین کے پڑھنے میں گذرا۔ بڑا افسوس ہوا کہ کتابت کی غلطیوں کی کثرت نے ایسے اچھے مقالے کو خراب کر دیا۔ آپ نے اتنی محنت اور ہر طرح کی جدوجہد کی اور نتیجہ یہ۔

میں نے علی گڑھ ہی میں یہ دیکھا کہ کچھ ورق بے ترتیب ہیں۔ سوچا کہ قاضی صاحب (۲۷) کا نسخہ میں لے لوں گا اور ان کا نسخہ اس کے معاوضے میں لے لوں گا مگر وہ نسخہ جو دیکھا تو اس کے ورقوں کو اور بھی بے ترتیب پایا۔

ع صدیقی

(۱۴)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔۱
۲۸ مارچ ۵۰ء

کرم گستر،

آپ کا کارڈ مجھے نہ ملتا تو اس کے ایک حصے کا جواب میں کیوں کر دیتا۔ چونکہ اس وقت میں کام میں مصروف تھا اور مشغولیتیں بھی تھیں میں نے زبانی گفتگو پر باقی باتوں کو اٹھا رکھا تھا۔ میں عبیدالرحمن صاحب (۲۸) کو لکھ سکتا ہوں کہ وہ خود کوئی صورت بتائیں۔ پھر دیکھوں گا کہ وہ کیا صورت بتاتے ہیں۔ "دیوان ہمدم" (۲۹) قلمی مجھے مل گیا ہے اور اسی کی نقل حیدرآباد کے مطبع شمس الامراء نے پرانے زمانے میں چھاپی تھی۔ مگر یہ بہت اچھا ہوا کہ وہ مطبوعہ بھی آپ کی کوشش سے مل گیا۔ قلمی نسخوں پر کیڑوں کی کارفرمائی رہی ہے۔ بعض مقامات میں مطبوعہ نسخے سے مدد مل جائے گی۔ "جمہور" (۳۰) کا وہ پرچہ بھی مل گیا اور اس کا تراشہ میں نے رکھ لیا ہے۔ اب جو میں علی گڑھ آؤں گا تو خیر صاحب (۳۱) سے وہ رسالے بھی لے کر دیکھ لوں گا جو ان کے پاس ہیں۔ غالب نمبر کے لیے اب میں کوئی نیا مضمون نہیں دوں گا۔ اسی پرانے میں کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ لکھنو کے جلسہ تہذیب کا پتا اب میں نے لگا لیا ہے کہ ایک صاحب ۔ میں اس [کے] منتظم یا معتمد رہے ہیں ان سے حال معلوم کیا جا رہا ہے اور وہ میرے قرابت داروں میں سے ہیں۔ میں ان کو لکھ رہا ہوں۔ دیکھوں

وہ کیا خبر دیتے ہیں۔ یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی کے مجلے کو میں ساتھ لاؤں گا۔

ع صدیقی

(۱۵)

الہ آباد،

۱۰ اپریل ۵۰ء

مکرمی،

میں نے آپ کو لکھا تھا کہ ۸ اپریل کو علی گڑھ آؤں گا۔ لیکن ارادہ فسخ کرنا پڑا۔ طبیعت کچھ صاف نہیں۔

امید ہے آپ اچھی طرح ہوں گے۔

ع صدیقی

(۱۶)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد ،

۱۵ اپریل ۵۰ء

مکرمی،

میں اچھا ہوں۔ درد Lumbago کا ہو گیا تھا اس لیے سفر نہیں کر سکا تھا۔ آٹھ اپریل کو اس قابل ہو گیا تھا کہ سفر کر لیتا مگر اندیشہ مرض کے عود کرنے کا تھا، باز رہا۔ مجھے یقین ہے کہ یونی ورسٹی ڈیپارٹمنٹ کے لیے انتظام کر دے گی۔ آپ نے جو خبر سنی ہے کیا عجب وہ درست ہو (۳۲)۔ یہ صورت بہت اچھی ہوگی خدا چاہے گا آپ کا نقصان نہ ہو گا۔ میں آپ کا ممنون ہوا کہ حبیب گنج کا نسخہ دیکھ کر آپ نے اس کا حال لکھا (۳۳)۔ میرے دیوان میں ۱۱ سطری ۸۰ صفحے ہیں اس کے علاوہ حاشیے پر کئی غزلیں رباعیاں وغیرہ ہیں۔ سرسری طور پر گنیں، صرف ۱۲ رباعیاں ہیں۔ متفرق اشعار میرے نسخے میں کم ہیں۔ اس کمی کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کئی جگہ حاشیے پر بعد کو اور شعر ایسے ہیں کہ پوری پوری غزلیں ہو گئی ہیں۔ اب ان ابیات کا شمار فردوں میں نہیں کیا جا سکتا ہے۔ کچھ اور تفصیل لکھتا ہوں۔

۱۔ رباعیاں ۱۳۱۔

۲۔ قصیدے :۔ ۱۔ منقبت (۳۲ بیت) ۲۔ در مدح سالگرہ نواب نظام علی خاں (۳۵ بیت)۔ ان کے سوا قصیدہ نہیں۔

۳۔ مرثیے :۔ ۱۔ برہنہ تیغ لعیں جب حرم میں آتے ہیں (مسدس ۱۱ بند کا)

۲۔ گیا یہ کون دنیا سے نرا سا (مسدس ۱۵۰ بند کا)

۴۔ "عرض آداب بجناب پیغمبر علیہ السلام و آلہ الکرام"۔ اول تو مصطفی کو آداب عرض کیجو (۱۲ بیت)

۵۔ "ریختہ مثنوی" (پیر و مرشد مولوی فخرالدین سے خطاب ہے) مجھے ایک ہی نام سے کام ہے۔ (۷ بیت)

۶۔ "مثنوی رد الایراد": ہے کہاں اے ساقی فرخندہ خو (۱۰۲ بیت)

۷۔ "چیچک نامہ" (مثنوی)۔ (۶۶ بیت)

۸۔ "تعریف چاہ مومن خاں" (مثنوی)۔ (۳۲ بیت)

۹۔ واسوخت (ترکیب بند کی شکل میں)۔ ۷ بند، ہر بند میں ۴ شعر اردو پانچواں فارسی۔ کب تک میں سوز دل کو نہ لاؤں زباں تلک۔ فارسی شعر یہ ہیں:۔

۱۔ ای شعلہ روز طبع غیور تو سوختم نزدیکی و در آتش دوری تو سوختم

۲۔ پھر ایک شعر حافظ کا ۳۔ خورشید و مہ بیک طرف آن رو بیک طرف۔ عالم ہمہ بیک طرف و او بیک طرف (پہلا مصرع نعمت خان عالی کا دوسرا غالباً خود بیان کا) ۴۔ در دوری تو نیست تمنای زندگی :۔ من زندہ ام بجز تو ای وای زندگی (یہ شعر اشرف علی خاں فغاں کا ہے مگر غالباً بیان نے پہلے مصرع میں کسی قدر تغییر کر لی ہے) ۵۔ صیاد سنگدل ستم ایجاد می کند:۔ پر باشکستہ از قفس آزاد می کند ۔ ۶۔ لطفے نہ کردہ کہ دلے شاد از آن کنم :۔ بر من غمت چو زور کند یاد از آن کنم + ۷۔ فارسی کا ایک بہت مشہور شعر جو دقیقی سے منسوب کیا جاتا ہے: گویند صبر کن کہ ترا صبر بر دہد: آرے دہد ولیک بہ عمرے دگر دہد ۔ ۱۔ ۵ اور ۶ کے شاعروں کے نام ابھی نہیں معلوم ہو سکے ہیں ۔ آپ کو اگر موقع ملے تو دیکھیے گا کہ حبیب گنج کے نسخے میں ان شعروں میں کچھ اختلاف تو نہیں ہے۔

۱۰۔ مخمس :۔ ۱۔ بر ریختہ مرزا رفیع سودا (سودا مخشک ہونے سے ہمارا دیدہ تر پاک ہے+ الخ ۶ بیت کی غزل (۶ شعر کی تضمین ہے) ۲۔ [بر شعر نظیری] (نظیری "آن کہ شب داد تو بہ ام ز

شراب ہ امشبم باز دیدہ مست و خراب) یہ ا۔ کے ساتھ اس طرح ایک سلسلے میں لکھا ہوا ہے کہ سرسری دیکھنے والے کو یہ خیال نہیں آتا کہ مخمس سودا سے الگ یہ کوئی چیز ہے۔ ۳۔ مخمس بر ابیات نعمت خان عالی" (صرف دو بیت "زسوز سینہ چہ انشا کنیم بر کاغذ") ۴۔ مخمس بر ریختہ انعام اللہ خاں یقین (گالی بھی پی گئے ہیں ماریں بھی کھائیاں ہیں (۵ بیت کی غزل) ۵۔ سہ مصرع بر شعر مخلص" (باز شد بستہ ، زلفش دل من یا قسمت + بر دماغم زدہ سودا ے کہن یا قسمت۔

۱۱۔ "در مدح بندگان نواب نظام الملک میر نظام علی خان بہادر آصف جاہ دام اقبال" (۹ بیت کا قطعہ)۔

جان نبوت جناب اقدس پر + ختم دنیا کی یہاں ہے سرداری۔ (اس قطعے کے اخیر میں دو شعر یہ ہیں) جو سعدی سے ماخوذ ہیں۔ آن کریمی کہ از خزانہ خود + گبر و ترسا ... + فدویان را .... + نظر داری۔

اب آپ یہ بتائیے کہ دو اور قصیدے اور ایک مسدس کون کون سے ہیں۔ سردست صرف ہر ایک کا پہلا شعر لکھ دیجیے۔ قاضی صاحب کے مضمون (۴۴) کے بارے میں آپ میری رائے کیوں پوچھتے ہیں؟ کوئی شبہ ہو تو خود انھی سے پوچھ لیجیے۔ ان سے نہ پوچھیے تو میں شاید کچھ کہہ سکوں۔ میں نے جو معلومات لکھنؤ سے طلب کی تھیں ابھی نا مکمل ہیں۔ پھر لکھا ہے۔ مزید چھان بین ہو رہی ہے۔ ہفتہ عشرہ اور دیکھتا ہوں۔ پھر مضمون کو ترمیم کر کے آپ کو بھیج دوں گا۔

ح صدیقی

(۱۷)

الہ آباد۔ ۱

۲۲ اپریل ۵۰ء

مکرمی،

یہاں کچھ کتابوں کے نام لکھتا ہوں۔

از فہرست نسخ قلمی سبحان اللہ لائبریری :-

۱۔ ص ۳۰ ، نظم ۔ ۶ ، نصاب مشتمل بر لغات فارسی و عربی۔

۲۔ ص ۳۱ ، نظم ۔ ۱۲ ، ۱۳ ، نصاب الصبیان۔

۳۔ ص ۴۴ ، دیوان ۔ ۴۴ ، مخلص کاشی۔

۴۔ ص ۳۵۰ دیوان۔ ۹۹۰ رضی الدین نیشاپوری۔

۵، ۶، ۷۔ [فہرست مطبوعات سبحان اللہ کتاب خانہ ص ۲۶ میں تین مطبوعہ نسخے نصاب صبیان کے درج ہیں۔ ان کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔]

مطبوعات

۸۔ ص ۷۵۔ حالات مرزا مظہر جان جاں۔ نمبر ۲۴۔

۹۔ ص ۸۱۔ قصہ شاہ تجمہ وغیرہ (مجموعہ) نمبر ۳۹۔

ان ۴ قلمی اور ۵ چھاپے کی کتابوں کو نکلوا کر کتب خانے میں ایک جگہ رکھوا دیجیے گا۔ میں وہیں آکر دیکھ لوں گا۔ ذخیرہ سبحان اللہ کی قلمی کتابوں میں (فہرست ص ۱، نمبر ۳) دیوان اشرف خان (۳۵) (دیوان دوم) درج ہے اور مصنف کا نام اشرف خاں مخلص سبحان (۳۶) لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو مجھے کچھ کہنا نہیں۔ لیکن اگر نام یا تخلص کچھ اور ہے تو اسے لکھ دیجیے گا۔

میں نے سنا ہے کہ آپ کی لٹن لائبریری میں شاہ حاتم دہلوی کا دیوان فارسی ہے اور شاید اشرف علی خاں فغاں کا دیوان اردو بھی ہے۔ (۳۷) اگر یہ دونوں یا ان میں سے صرف ایک کتاب ہے تو میں اسے ضرور دیکھنا چاہتا ہوں۔

(۱۸)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۲۵ اپریل ۵۰ء

مکرمی،

میں ۲۹ اپریل کو صبح دس بجے ۲۴ منٹ پر علی گڑھ پہنچوں گا۔ کل میں نے مظہرالدین صاحب (۳۸) کو لکھا مگر یہ خیال نہ رہا کہ وہ اسٹیشن پر آجایا کرتے ہیں۔ اور دس بجے کا وقت ان کے کام کا ہوتا ہے۔ کہیں اس کا حرج نہ کریں۔ آپ ان سے کہہ دیجیے گا کہ وہ اپنا حرج ہرگز نہ کریں۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ مولوی عبیدالرحمن صاحب کا خط ابھی تک نہیں آیا۔ ممکن ہے وہ لکھنؤ گئے ہوں اور میرا خط ان کو ابھی تک نہ ملا ہو۔ اگر ان کا خط آیا اور جواب باصواب ہوا تو میں اپنے کاغذات اور اپنا "دیوان بیان" ساتھ لاؤں گا ورنہ نہیں۔ آپ کی فرمائش (۳۹)

کہ ان مطبوعات کا علی گڑھ میں کتنا ذخیرہ محفوظ ہے؟

۱۔ علی گڑھ اخبار (اخبار سائنٹفک سوسائٹی)

۲۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، علی گڑھ۔

۳۔ تہذیب الاخلاق (سید احمد خاں)

۴۔ میگزین محمدن اینگلو اورینٹل کالج، علی گڑھ

(جو کچھ زمانہ Aligarh Monthly کے نام سے بھی نکلتا رہا تھا اور پھر مسلم یونی ورسٹی میگزین کے نام سے)

۵۔ اخبار انجمن مطالب مفیدہ لاہور۔ عجب نہیں خود لٹن لائبریری میں اس میں کچھ مسالا پرانے کاغذوں میں پڑا ہو۔ احسن مارہروی مرحوم کے ذخیرے میں بھی اس قسم کی چیزوں کا ہونا ممکن ہے(۳۳)۔ عجب نہیں دہلی سوسائٹی کے رسالے اور جلسہ تہذیب کے رسالے کا کوئی شمارہ ہاتھ آجائے (۳۴)۔ اٹاوے میں ڈاکٹر مولوی بشیرالدین (مدیر البشیر) کے پاس بھی پرانے اخباروں اور رسالوں کا مل جانا ممکن ہے(۳۵)۔ ادب کی تاریخ کے لیے ایسی چیزیں بہت اہم ہیں اور اردو مصنفوں اور شاعروں کے متعلق بھی بعض ایسی اطلاعیں پرانے جرائد میں مل جائیں گی جن کی خبر آج کسی کو نہیں۔

ع صدیقی

(۲۴)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔۱

۲۹ اگست ۵۰۔

آرزو صاحب

علیکم السلام آپ کا خط اترسوں ملا۔ بروکل مان کی تاریخ ادب کی پہلی جلد (Weimar 1898)، ص ۲۵۰ میں صرف اس قدر ہے: "صدرالدین علی بن ابی الفرج البصری نے ۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء میں امیر حلب الملک الناصر صلاح الدنیا والدین ابوالمظفر یوسف کے نام (جسے ۶۵۹ھ / ۱۲۹۱ء میں ہولاگو نے ہلاک کیا۔) الحماسۃ البصریۃ کو معنون کیا۔

دیکھیں ابن خلکان انگریزی ترجمہ از (M.G. de Slane) ج ۳، ص ۱۱۶، کتاب خانہ

اسکوریال نمبر ۲۸۰۲"

بروکلمان کے ذیل کی جلدیں بھی دیکھ لوں گا۔ اگر کوئی چیز اس میں اور ملے گی تو اطلاع دوں گا۔ یہ بھی دیکھ لوں گا کہ پیرس کے کتاب خانہ ملی کی فہرست ہے یا نہیں۔ یہ بعد میں دریافت ہو سکے گا۔ ترکی میں ہندوستان کے سفیر کے ذریعے سے روٹو گراف منگوانے کا کام آسانی سے ہو سکے گا۔ آپ وائس چانسلر صاحب سے مل کر سلسلہ جنبانی کیجیے۔ ان کو غالباً یہ بھی معلوم ہے کہ Prof. H.R. Ritter اس وقت ترکی میں ہیں یا جرمانیا میں۔ انکا پتہ غالباً ڈاکٹر کے پاس ہوگا۔ اگر رٹر ترکی میں ہیں تو وہ آسانی سے روٹو گراف بھجوا سکیں گے۔ وائس چانسلر صاحب ان کو لکھ دیں۔ (۳۶) میں یکم سے ۶ اگست تک علی گڑھ رہا۔ آپ گھر سے واپس نہیں آ۔ سے۔ خیر صاحب دورے پر تھے۔ ان کے دلی سوسائٹی کے پرچے نہ دیکھ سکا۔ نظرثانی کیے ہوئے اوراق واپس لایا۔ ستمبر کی ۸ یا ۹ کو پھر علی گڑھ آنے کو ہوں۔ ساتھ لیتا آؤں گا۔ کل ناگ پور جا رہا ہوں۔ یقین ہے ۴ ستمبر کو الہ آباد واپس آجاؤں۔

لکھیں قاضی عبدالودود (۳۷)۔ مواخذے میں پکڑے جائیں میاں آرزو۔ گواہی میں طلب ہو یہ حقیر۔ بہت خوب۔ جو صاحب آپ سے گلہ شکوہ کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ براہ راست قاضی صاحب کو لکھیں یا ان کے جواب میں مقالہ یا کتاب لکھیں۔ یوں بھی تشفی نہ ہو تو بھائی عدالت اور عدالتِ مرافعہ موجود ہے۔ وہاں چارہ جوئی کریں۔ ہم بے گناہوں کو گھیرنے کی فکر کیوں ہے؟

۳۰ اگست ۱۹۵۰ء

بروکل مان کے ضمیمے میں دیکھ کر یہ مزید حالات لکھتا ہوں۔

Brocklemann Supplement Vol. I, p.457

الحماسۃ البصریہ کے اور نسخے۔

۱۔ فہرست کتاب خانہ راغب پاشا استنبول 1091 (Z.DMG ج ۶۴ ص ۲۱)

۲۔ فہرست کتاب خانہ عاطف آفندی ۲۰۵۳ M F O, V, 489

۳۔ فہرست کتاب خانہ عاشر آفندی ۸۸۰ M F O, V, 538

۴۔ بروسہ کے کتاب خانوں کے چند عربی مخطوطات (ZDMG, Vol. 68, p 52)
(یاد داشت از O. Reschet)

۵۔ قاہرہ ۲ III, 90

۶۔ قاہرہ ۲ IV, 46

۷۔ احمد تیمور پاشا۔ RAAD III, 342

تقریظات (حماسۂ بصریہ) Gotha 2195

(جرمانیا)

البصری کی ایک اور تصنیف ہے۔ المناقب العباسیہ والمفاخر المستنصریہ عباسیوں کی تاریخ کا ایک دور۔ سلطان مصر الملک الظاہر رکن الدین بیبرس البندقداری (۶۵۸-۷۶ھ / ۱۲۶۰-۷۷ء) پاریس ۶۱۳۳۔

(۲۵)

بیت الجبیب، علی گڑھ

۲۱ جنوری ۵۱ء

مکرمی

اگر آپ آج پانچ اور سات بجے شام کے درمیان کسی وقت بیت الجبیب میں مجھ سے ملیں تو ممنون ہوں گا۔

ع صدیقی

سید مختار الدین احمد صاحب آرزو

۵۰ سرسید (ویسٹ)

(۲۶)

الہ آباد۔ ۱

۱۵ مارچ ۵۱ء

عزیز من آرزو صاحب،

غالب نمبر کے جو اوراق صحیح کر کے میں نے آپ کو دیے تھے ان میں صفحہ ۵۵، سطر ۷ پر "اسسٹنٹ" کی جگہ "ڈپٹی" ہونا چاہیے۔ تصحیح کر لیجیے گا۔ (۲۸)

ع صدیقی

(۲۷)

الہ آباد
۲۹ مارچ ۵۱ء

عزیز من،
مجھے ارادہ بدلنا پڑا۔ اب میں ۲ اپریل کو دہلی میل میں شام کے پونے سات بجے کے قریب علی گڑھ پہنچوں گا۔

ع صدیقی

(۲۸)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔ ۱
۳۱ اگست (۳۹) ۵۱ء

عزیز القدر،
کسی قدر تذبذب کی بنا پر اب تک آپ کو نہ لکھ سکا تھا۔ اب قصد مصمم ہے۔ کل (یکم اگست کو) صبح یہاں سے چل کر شام کے ۶ بجے علی گڑھ پہنچوں گا۔ پرسوں ۲ کو بعد ۳ بجے دن کے کسی وقت آپ سے ملوں گا۔ قیام اللہ والی کوٹھی میں ہو گا۔

ع صدیقی

(۲۹)

الہ آباد
۲ جنوری ۵۲ء

عزیز من،
کئی دن ہوئے خط آپ کو لکھا تھا۔ ملا ہو گا۔ آج اسٹیٹس مین (دلی ایڈیشن یکم جنوری ۵۲ء) میں ایک نیلام کی خبر پڑھی۔ "1854 Stamps auctioned in Calcatta" عنوان ہے۔ ۳۱ دسمبر ۵۱ء کو یہ نیلام ہوا۔ مالک ان ٹکٹوں کے مسٹر کمل بازجی (Berhampur Correspondent of the Statesman) ڈاک کے ٹکٹ جو ۶۰۰ کی تعداد میں تھے بک

چکے مگر ان کے علاوہ بہت سے کاغذات تاریخی دلچسپی کے بازجی کے پاس ہیں اور ان میں مشاہیر کے خط وغیرہ بھی جیسے کیشب چندر سین اور سرسید احمد خاں ۔ وہاں اگر آپ کا کوئی دوست مدد دے تو کیا عجب ان چیزوں میں سے مسلم یونی ورسٹی کے ذخیرے کے لیے سرسید اور بعض اور لوگوں کے خط مل سکیں۔ اس زمانے کے اردو یا فارسی اخباروں میں سے بھی کچھ مواد بازجی کے ذخیرے میں ہو تو کچھ بعید نہیں ۔ جلد کوشش کرنا چاہیے۔ اور جو چیزیں حاصل ہو سکیں فوراً لینا چاہیے۔ مالک رام صاحب کو میں نے ستمبر میں خط لکھا تھا جواب اب تک نہیں آیا۔ وہاں سے خط کا جواب آنے میں کتنی دیر عموماً لگتی ہے۔

ع صدیقی

غالب نمبر (دوسری اشاعت) کی چھپائی کب شروع ہو گی۔ تصحیح کا کیا انتظام کرو گے۔ ذمہ دار تصحیح کا کون ہو گا؟

ع ص

(۳۰)

الہ آباد
یکم فروری ۵۲ء

عزیز من سلمکم اللہ ۔

مجھے افسوس رہا کہ پچھلے مہینے جب میں علی گڑھ گیا تو آپ نے اور جناب زنجانی صاحب (۵۰) نے زحمت فرمائی اور میں آپ کو نہ ملا۔

۴ فروری کو شام کی ڈاک گاڑی سے ان شاء اللہ علی گڑھ پہنچوں گا۔ اور ۶ فروری کی صبح تک وہاں قیام رہے گا۔

والسلام

ع صدیقی

(۳۱)

الہ آباد
۲۱ فروری ۵۲ء

عزیزم :

۱۸ فروری کا خط ملا۔ اس کی رو سے آپ آج علی گڑھ جا رہے ہوں گے ۔ یہ خط گویا

آپ کی ہمراہی میں سفر کرے گا۔

جی ہاں، یہ عجب تماشا ہے۔ لکھنے والے کو یہ بھی حق نہیں کہ وہ اپنے لکھے کی تصحیح کر سکے (۵۱)۔ درد سری کی ایک کہی۔ سچ کہیں بلی، تو کہو بلی۔

"آج کل" فروری ۵۲ء (۵۲) ص ۱۱، کالم ۱۔ "طبع" کی جگہ مطبع چاہیے۔ اسی سطر میں "اس قدر" کچھ زائد سا معلوم ہوتا ہے۔ اس سے اتفاق ہو تو اگلی سطر "کہ" کی جگہ "اور" ہو جائے گا۔ "علاوہ" کی جگہ "سوا" زیادہ درست ہو گا۔ لیکن اس کے بعد سارے جملے پر نظر کیجیے تو تناقض پایا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایک نسخہ آپ کنے بھی تو ہے۔ کالم کی اخیر سطر میں "مصنوعی" چاہیے۔ اس طرح کی غلطیوں کی اصلاح احتیاط کے ساتھ کر دیجیے گا۔ "رحمۃ" کو "رحمت" آج کل کے کاتب لکھا کرتے ہیں۔ اس کی تصحیح بہت ضروری ہے۔ ص ۱۲ کالم ۱ "اشتیاق علی" مجھے جہاں تک یاد آتا ہے ان کے نام کا پہلا جز "اشفاق" ہے (۵۳)۔ ص ۱۳ کا حاشیہ ۲ حذف کر دیجیے۔ میرے پاس کوئی تصویر غالب کی نہیں۔ مولوی عبدالحق کی تصویر میرے پاس مستعار رہی پھر ان کو واپس کر دی۔ اسی کا ذکر آپ سے آیا تھا۔

"محمد فضل" اور "محمد افضل" کو دو مختلف شخص ماننے کی دلیل آپ کے پاس کیا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ کاتب نے کہیں "افضل" کا الف حذف کر دیا ہو؟ خطوط غالب کے کمپوزر کی غلطی ہے۔ صحیح "افضل" ہے۔ والسلام

ع صدیقی

(۳۴)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۲۷ فروری ۵۲ء

عزیزم،

آپ کے خط کے جواب میں میں نے ۲۱ فروری کو آپ کے علی گڑھ کے پتے پر خط بھیجا تھا۔ یقین ہے ملا ہو گا۔ اگر نہ ملا ہو تو آپ کی اطلاع کے لیے لکھتا ہوں کہ محمد افضل (مصور کا نام) صحیح ہے۔ محمد فضل "خطوط غالب" کے کمپوزیٹر کا سہو ہے اور کتاب کے غلط نامے میں اس کی تصحیح نہ ہوئی (۵۴) اپنے مضمون کو درست کر لیجیے گا۔

مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے کے "بہرہ سبحان اللہ میں ایک فارسی قلمی نسخہ " مجمع الصنائع" کا ہے۔ کتاب ۹۰ برس کے قریب ہوئے چھپی بھی تھی۔ مگر اب چھاپے کے نسخے نایاب ہیں۔ اس کی فصل دوم کے شاید آخیر میں فن تاریخ گوئی کا ذکر آیا ہے اور کچھ مثالیں بدیع تاریخوں کی دی ہیں۔ ایک یہ ہے "رقم دیدم قران مہر با ماہ" اس کا پہلا مصرع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور تاریخ نقل کی ہے :

شدہ ز بلخ و بدخشان نذر محمد خاں

زر و قبیلہ و املاک را گذاشت در آن

اس شعر کو اس کے متعلق جو تشریحی عبارت ہو اسے بعینہ نقل کر کے بھیج دیجیے۔ امید ہے اس خط کا جواب آپ کی مہربانی سے جلد مجھ تک پہنچے گا۔ کتاب کا نشان سبحان اللہ سکشن کی قلمی کتابوں کی فہرست کے صفحہ ۳۶ پر یہ لکھا ہے:۔ معانی و بیان ۴۔ نشان ترتیب ۸۹۱۰۵۵۲۳/۴ ۔ مصنف نظام الدین احمد ۔ کاتب محمد حیات ولد سید علی نقی۔

والسلام

ع صدیقی

محمد افضل ایک مصور ہے جس سے غالب کو واسطہ پڑا۔ یہ کہ محمد افضل مصور تھا اور محمد فضل خطاط یا تزئین کرنے والا درست نہیں۔

(۴۳)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد ۔ ۱

۲۸ مارچ ۵۲ء

عزیزم آرزو صاحب السلام علیکم

یہاں ۳۰ مارچ کو رات اپر انڈیا ایکس پریس سے روانہ ہو کر پیر ۳۱ مارچ کو صبح دس بجے علی گڑھ پہنچوں گا۔ قیام بیت الحبیب میں رہے گا۔ آپ کو فرصت ہو تو ۳۱ کو کسی وقت ملیے گا۔

ع صدیقی

(۳۴)

۲۲ (الف) میور روڈ
الہ آباد۔ ۱
۷ مئی ۵۲ء

عزیز القدر،

سلام اور دعا۔ میری طبیعت ابھی تک بالکل صاف نہیں۔ مختلف طرح کی مصروفیتیں بھی رہیں۔ لکھنے پڑھنے کا کام بہت کم کرتا ہوں۔ موسم بھی اچھا نہیں۔ آپ کے خط کا جواب وقت پر نہ لکھ سکا۔ ۷ مئی کو یہ خط شروع کیا تھا۔ آج امید ۱۲ مئی کو ہی ختم کر کے ڈاک میں بھیج سکوں۔

الہ آباد میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے سہولتیں نہ مہیا ہوں گی۔ قاعدے کچھ بہت اچھے بھی نہیں۔ علی گڑھ میں زیادہ مناسب ہو گا۔ (۵۵)

غالب سے متعلق آپ ایک تو یہ کہتے ہیں کہ مہیش پرشاد کا کام تکمیل کو پہنچایا جائے۔ یہ کام بجائے خود کرنے کا ہے لیکن کام صرف اتنا ہے کہ "خطوط" کی دوسری جلد شائع ہو۔ (پہلی دوبارہ شائع ہو)۔ مکتوب الیہوں کے حالات جمع کر کے شائع کیے جائیں اور "خطوط" کی انڈکس بنا کر شائع کی جائے۔ دوسری جلد مرتب رکھی ہوئی ہے صرف چھاپ دینا ہے۔ مکتوب الیہوں کے حالات انھوں نے کچھ جمع کیے تھے۔ ان کے کاغذ ملیں تو کچھ کہا جا سکے۔ ان کے اقربا کے تساہل سے ان کی کتابوں اور کاغذوں کا ذخیرہ بنارس میں مقفل ہے۔ وہ لوگ سوا وعدے کے کچھ نہیں کرتے۔ خیر تقاضا کرتا رہتا ہوں۔ مگر یہ کام آپ کریں تو یہ خیال رکھیں کہ کام چونکہ دوسرے کا چھیڑا ہوا ہے، آپ کے تھیسس کا کام نہ دے گا۔

دوسری چیز یہ آپ نے لکھی ہے کہ "عود ہندی" اور "اردوے معلی" وغیرہ کو نئے سرے سے ایڈٹ کریں۔ یہ میں نہیں سمجھا کہ یہ کیونکر تھیسس کا کام دے گا۔ غالب کے سوا کسی اور کام کے متعلق آپ علی گڑھ، رام پور، بانکی پور وغیرہ کے کتاب خانوں پر نظر ڈالیں کہ وہاں اردو سے متعلق کیا کیا چیزیں آپ کی دلچسپی کی ملتی ہیں۔ جن سے آپ اپنا تھیسس مرتب کر سکیں۔ اور کتاب خانوں کی فہرستیں بھی دیکھ لیجیے گا۔ اس کے بعد ملاقات ہوگی تو مسئلے کے ہر پہلو پر بحث کرنے کے بعد کوئی صورت تجویز کر لی جائے گی۔ نام کی

(۳۴)

۲۲ (الف) میور روڈ
الہ آباد۔ ۱
۰ مئی ۵۲ء

عزیز القدر،

سلام اور دعا۔ میری طبیعت ابھی تک بالکل صاف نہیں۔ مختلف طرح کی مصروفیتیں بھی رہیں۔ لکھنے پڑھنے کا کام بہت کم کرتا ہوں۔ موسم بھی اچھا نہیں۔ آپ کے خط کا جواب وقت پر نہ لکھ سکا۔ ۰ مئی کو یہ خط شروع کیا تھا۔ آج امید ۱۲ مئی کو ہی ختم کر کے ڈاک میں بھیج سکوں۔

الہ آباد میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے لیے سہولتیں نہ مہیا ہوں گی۔ قاعدے کچھ بہت اچھے بھی نہیں۔ علی گڑھ میں زیادہ مناسب ہو گا۔ (۵۵)

غالب سے متعلق آپ ایک تو یہ کہتے ہیں کہ مہیش پرشاد کا کام تکمیل کو پہنچایا جائے۔ یہ کام بجائے خود کرنے کا ہے لیکن کام صرف اتنا ہے کہ "خطوط" کی دوسری جلد شائع ہو۔ (پہلی دوبارہ شائع ہو)۔ مکتوب الیہوں کے حالات جمع کر کے شائع کیے جائیں اور "خطوط" کی انڈکس بنا کر شائع کی جائے۔ دوسری جلد مرتب رکھی ہوئی ہے صرف چھاپ دینا ہے۔ مکتوب الیہوں کے حالات انھوں نے کچھ جمع کیے تھے۔ ان کے کاغذ ملیں تو کچھ کہا جا سکے۔ ان کے اقربا کے تساہل سے ان کی کتابوں اور کاغذوں کا ذخیرہ بنارس میں مقفل ہے۔ وہ لوگ سوا وعدے کے کچھ نہیں کرتے۔ خیر تقاضا کرتا رہتا ہوں۔ مگر یہ کام آپ کریں تو یہ خیال رکھیں کہ کام چونکہ دوسرے کا چھیڑا ہوا ہے، آپ کے تھیسس کا کام نہ دے گا۔

دوسری چیز یہ آپ نے لکھی ہے کہ "عود ہندی" اور "اردوے معلیٰ" وغیرہ کو نئے سرے سے ایڈٹ کریں۔ یہ میں نہیں سمجھا کہ یہ کیونکر تھیسس کا کام دے گا۔ غالب کے سوا کسی اور کام کے متعلق آپ علی گڑھ، رام پور، بانکی پور وغیرہ کے کتاب خانوں پر نظر ڈالیں کہ وہاں اردو سے متعلق کیا کیا چیزیں آپ کی دلچسپی کی ملتی ہیں۔ جن سے آپ اپنا تھیسس مرتب کر سکیں۔ اور کتاب خانوں کی فہرستیں بھی دیکھ لیجیے گا۔ اس کے بعد ملاقات ہو تو مسئلے کے ہر پہلو پر بحث کرنے کے بعد کوئی صورت تجویز کر لی جائے گی۔ نام کی

تجویز بعد کو ہوگی۔

بیان کے نام سے آپ نے ایک رباعی اور ایک مطلع جو نقل کرکے بھیجا ہے ، میرے دیوان بیان میں نہیں ہے۔ میں نے سرسری طور پر دیوان میں تلاش کیا۔ پھر دیکھوں گا۔ پٹنے کے ایک مجموعے میں سے قاضی عبدالودود صاحب نے مہربانی فرما کر بیان کا کچھ کلام بھیجا تھا۔ اسے بھی دیکھوں گا۔ مگر اس وقت کاغذوں کو ڈھونڈنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔

والسلام

ع صدیقی

(۳۵)

۲۲ (الف) میور روڈ۔

الہ آباد۔۱

۲۳ اکتوبر ۵۲ء

عزیز من آرزو صاحب۔

۲۱ اکتوبر کا لکھا ہوا خط ملا۔ آج ۲۳ کا دن ختم ہوا۔ جو خط چودھری صاحب (۵۶) ۲۱ کو لکھ چکے تھے وہ آج شام کی ڈاک میں بھی نہیں آیا۔ کچھ میں نہیں آتا کیا سوچ رہے ہیں اور خطوں کا جواب کیوں نہیں دیتے۔ تقریباً ایک مہینے سے انتظار کر رہا ہوں۔ جس شخص (۵۷) کو ان کے کام پر لکھنو متعین کر آیا تھا وہ بیچارہ الگ پریشان ہے۔ وہ مجھے لکھتا ہے میں اسے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ میں اپنی کتاب کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کی ایسی جلدی نہیں۔ مجھے "کلیات" اور "پنج آہنگ" کے متعلق ان کا جواب جلد سے جلد چاہیے۔ آپ ہی ان سے پوچھ کر لکھ بھیجیے۔ والسلام

ع صدیقی

الہ آباد میں اکبر اور اقبال کے خطوط کا شائع ہونا مجھے معلوم نہیں۔

(۳۶)

۲۲ (الف) میور روڈ

الہ آباد۔۱

۲۳ اکتوبر ۵۲ء

عزیز من۔

ارادہ ہے کہ ۲ نومبر (اتوار) کو ڈاک گاڑی سے شام کے ۶ بجے علی گڑھ پہنچوں۔ کئی دن

قیام رہے گا۔ چودھری صاحب(۵۸) کا خط آج تک آتا ہے۔ خیر اب تقاضا ضروری نہیں، بالمشافہ ان سے باتیں کر لوں گا۔

ایک کتاب وقائع عالمگیر (تالیف چودھری نبی احمد صاحب) کا دوسرا ایڈیشن غالباً ۱۹۳۱ء میں مقتدا خاں صاحب شروانی کے اہتمام میں علی گڑھ میں چھپا تھا۔ اس کا نسخہ یونی ورسٹی لائبریری میں شاید ہو تو نکلوا رکھیے گا۔ وہیں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔

ع صدیقی

(۳۷)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۶ نومبر ۵۲ء

عزیز من،

یہاں سے تار بھیجے گئے اور مجھے ارادے سے پہلے علی گڑھ چھوڑنا پڑا۔ "وقائع عالمگیر" کسی اور کو سپرد کرنا میں نے پسند نہ کیا۔ مجبوراً ساتھ لیتا آیا۔

اگر میں جلد علی گڑھ نہ آ سکا تو پارسل کے ذریعے آپ کو بھیجوں گا۔

والدہ کو نمونیا ہو گیا تھا لیکن اب آرام ہے۔ پنسلین نے خوب کام کیا۔ آج تپ جاتی رہی۔

خیر طلب
ع صدیقی

(۳۸)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۱۹ نومبر ۵۲ء

عزیز من،

آج صبح الہ آباد پہونچا۔ صبح کی ڈاک میں حمید احمد صاحب (مکتبہ جامعہ) کا پوسٹ کارڈ ۱۴ نومبر کا لکھا ہوا، پانچویں دن پہنچا(۵۹)۔ پتا یونی ورسٹی کا لکھ دیا تھا۔ حالانکہ میں نے

اپنے گذشتہ خط میں بھی گھر کا پتا لکھا تھا۔ دوپہر بعد پروف کے اوراق کا لفافہ رجسٹری کیا ہوا ملا۔ لیکن اس میں پہلے پروف کے اوراق جو میں نے صحیح کرکے وہاں بھیجے تھے وہ ملے دوسرا پروف ندارد۔ اب میں تصحیح کس چیز کی کروں؟ حمید احمد صاحب (۶۰) کو لکھ رہا ہوں کہ دوسرا پروف (second proof) آپ کی معرفت علی گڑھ بھیجیں۔ میں ۲۴ یا ۲۵ کو علی گڑھ پہنچوں گا۔ وہیں تصحیح کرکے آپ کے حوالے کر دوں گا۔

والسلام

ع صدیقی

(۳۹)

بیت الحبیب، علی گڑھ

۲۵ نومبر ۵۲ء

عزیز من،

کل سے یہاں ہوں اور پرسوں شام تک قیام رہے گا۔ پانچ بجے کے بعد فارغ ہوتا ہوں۔ پنج آہنگ۔ طبع اول اور طبع ثانی (۶۱) دونوں لیتا آیا ہوں۔

ع صدیقی

دلی سے اگر پروف آ گیا ہو تو ضرور لیتے آ یئے گا۔

(۴۰)

۲۲ (الف) میور روڈ

الہ آباد۔۱

۳ جون ۵۶ء

عزیز من سلمکم اللہ

۳۰ مئی کا خط ملا۔ "انشای اردو" (۶۲) کی پہلی اشاعت (۱۸۶۶ء) کا نسخہ انجمن ترقی اردو کے کتاب خانے سے منگوا کر دیکھ لیا۔ آج تین دن ہوے سے واپس بھیج دیا۔ اب دوسری اشاعت کا نسخہ منگوا کر کیا کروں گا۔

نورالحسن صاحب ہاشمی کے ذریعے سے جو نسخہ پنج آہنگ (طبع اول) کا ہاتھ آیا تھا وہی تو میں نے آپ کو دیا تھا اور اس کی قیمت (   ) آپ نے دی تھی وہ ہاشمی صاحب کو

پہنچادی تھی۔ آپ نے اس وقت کہا تھا کہ یہ نسخہ مسلم یونی ورسٹی کے کتاب خانے کے لیے خریدا جا رہا ہے۔ اب آپ یہ لکھ رہے ہیں کہ وہ نسخہ مالک رام صاحب کے لیے مہیا کروں۔ حیران ہوں کہ ایک کے دو نسخے کیوں کر ہو جائیں گے۔ بہت افسوس ہوا کہ آپ کو لو لگ گئی تھی آپ نے کوئی شدید قسم کی بے احتیاطی کی ہوگی۔ خیر اب مزاج اچھا ہے

میں بھی دو تین ہفتے انفلوانزا میں مبتلا رہا۔ سخت تکلیف اٹھائی اب کئی دن سے اچھا ہوں۔ ضعف کچھ باقی ہے۔ موسم کی گرمی مزید براں۔ قاضی صاحب (۶۳) سے ملاقات ہو تو سلام کہیے گا۔

ع صدیقی

(۴۱)

۲۲ (الف) میور روڈ،

الہ آباد۔ ۱

۲۰ دسمبر ۵۶ء

مکرمی

یہاں آ کر میں نے "معاصر" (۶۴) (حصہ ۹) دیکھا۔ جب یہ حصہ ملا تھا، میں اور کام میں مشغول تھا۔ سرسری طور پر دیکھ کر جا بجا نشان لگا دیے تھے۔ اب اسے پوری طرح پڑھا۔ بحثیں سب اچھی ہیں۔ لکھائی اور چھپائی ایسی بری کہ کیا کہوں (۶۵) "معاصر" کا حصہ ۲ میرے پاس نہیں ہے یا تو وہ آیا ہی نہ تھا یا شاید آیا ہو تو یہاں سے غائب ہو گیا دو بار مہتمم رسالہ کو لکھا کہ اس کا ایک نسخہ بھیج دیں۔ جواب نہیں آیا۔ کیا آپ کسی کے ذریعے سے دلوا سکیں گے؟ بخلاف اس کے میرے پاس "معاصر" (حصہ ۱) کے دو نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک جس کو ضرورت ہو مجھ سے لے لے۔ "معاصر" (حصہ ۵) کا جو نسخہ مجھے ملا تھا اس میں ایک جز مکرر ہے۔ (ص ۴۹ سے ۶۴ تک) یہ اوراق بھی کسی کے کام آ سکیں تو حاضر ہیں۔

یقین تھا کہ تذکرہ "مسرت افزا" (۶۶) کے باقی اوراق حصہ ۹ میں شامل ہوں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ اب حصہ ۱۰ کا انتظار لاحاصل ہے۔ سال دو برس بعد اس کا شاید ظہور ہو اور اس سے بھی زیادہ دیر ہوں کیا عجب (۶۷)۔

والسلام

ع صدیقی

ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو
ڈی فل۔ (اوکسن)
صدر شعبۂ عربی مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

(۴۲)

الہ آباد۔ ۱
۲۸ دسمبر ۵۶ء

مکرمی،

مہربانی نامہ ۲۲ دسمبر کا لکھا پہنچا۔ دیوان غالب کے مطبع احمدی کے چھپے ہوئے ایک نسخے کو جسے غالب نے درست کیا تھا تاکہ نیا ایڈیشن تیار کیا جائے۔ اس کے تعارف میں میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کو "کچھ اور بکھرے ورق" (رسالہ ہندوستانی بابت جنوری ۱۹۳۴ء) کے ص ۹۱ پر ملے گا۔ عنوان اس کا صفحے کی پہلی سطر ہے۔ اور یہ ٹکڑا ص ۹۴ سطر ۵ میں ختم ہوتا ہے۔ پھر ص ۹۰ (عنوان ب) کے تحت غالب کے رقعے کی نقل ہے اور اسی صفحے کے مقابل عکس ب)" اس عکس کا ایک نسخہ میں رقعے کے ساتھ بھیجتا ہوں۔ احتیاطاً غالب کے رقعے کی پوری عبارت یہاں نقل کرتا ہوں:

"جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخے کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اس میں درج کر دیا ہے۔ گویا اب غلط نامہ بیکار محض ہو گیا ہے خاتمے کی عبارت کیا میرا بیان کیا، میر قمرالدین کا اظہار اب کچھ ضروری نہیں، کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلد گویا مسودہ ہے، اسی کو بھیج دیجیے۔ غالب ۱۲

اس عکس کی بائیں جانب جو عبارت ہے وہ مطبع احمدی کی اشاعت کے خاتمے کا اخیر حصہ ہے اور غالب نے اس پر (اوپر سے نیچے تک) قلم پھیر دیا ہے جس کا نشان عکس میں دھندلا پڑ گیا ہے۔

"کوئی سات آٹھ برس ہوتے ... کو لکا" (ص ۹۲، سطر، اور آگے مجھے بھی نہیں معلوم جلسہ کب ہو گا۔ کوشش کروں گا کہ خطوط کی پہلی جلد ساتھ لاؤں۔ والسلام

نیازمند
ع صدیقی

(۴۳)

۲۲ (الف) میور روڈ،
الہ آباد۔ ۱
۲۱ جولائی ۵۰ء

عزیز من!

میں اب کے گرمیوں میں اچھا نہیں رہا۔ اب جولائی کے وسط سے اچھا ہوں۔ آپ کا خط آیا تھا۔ اس کا جواب میں نے لکھ دیا تھا۔ نہیں معلوم آپ کو ملا یا نہیں۔ اب مجھے لکھیے کہ آپ بہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہیں۔

علیم صاحب کو خط لکھا۔ اس کا جواب نہیں آیا۔ معلوم ہوتا ہے وہ خط انھیں نہیں ملا۔ آپ مہربانی کر کے یہ لکھیے کہ معربات عبدالرشید جو متن چھپا ہے (۶۸)۔ اس کے نسخے کس تعداد میں چھاپے گئے ہیں۔ تعداد معلوم کرنے کی ضرورت یہ ہے کہ اسی کے حساب سے کاغذ اس کے انگریزی حصے کے واسطے یہاں مہیا کیا جائے۔ اس کا جواب جلد چاہتا ہوں۔ دوسری بات یہ کہ خواجہ عزیزالدین عزیز لکھنوی کے کلیات (فارسی) کا ایک زائد نسخہ ملا ہے اور میرے پاس پہلے سے وہ موجود ہے۔ اب یہ دوسرا نسخہ میں آپ کو دینا چاہتا ہوں (۶۹)۔ بشرطیکہ آپ کے پاس کوئی نسخہ اس کا پہلے سے نہ ہو۔ لکھیے آپ کے پاس یہ کتاب ہے یا نہیں۔

ع صدیقی

(۴۴)

۲۲ (الف) میور روڈ
الہ آباد۔ ۱
۱۹ اگست ۵۰ء

عزیزی!

۱۵ اگست کا خط ملا۔ میرے اواخر جولائی کے خط کے جواب میں جو خط آپ نے لکھا تھا، وہ مجھے نہیں ملا۔ کچھ دن انتظار کے بعد میں نے ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب کو لکھا۔ ان کے پاس سے جواب آ گیا۔

کلیات عزیز کا نسخہ میرے پاس محفوظ ہے۔ "کلام الشا" کا زائد نسخہ بھی میرے پاس

ہے۔ خریدنے کی ضرورت نہیں۔ جب علی گڑھ آنا ہو گا یہ کتابیں نیز تذکرہ بے نظیر اور آپ کی لطائف غیبی، سب ساتھ لا دوں گا۔ (۷۰) لیکن ابھی مہینے ڈیڑھ مہینے سفر نہ کر سکوں گا۔اس کے بعد غالباً آ سکوں۔ والسلام

ع صدیقی

(۴۵)

الہ آباد
یکم اپریل ۵۸ء

عزیز من،

آج صبح یہاں پہنچنے پر اسباب کھولا تو صندوق میں سے "اردوے معلی" طبع اول کا وہ نسخہ ملا جو آپ نے مجھے مقابلے کے لیے دیا تھا(۷۱)۔ مقابلہ تو میں نے اسی وقت کر لیا تھا۔ جب وہ نسخہ میں اپنے ساتھ یہاں لایا تھا۔ بمبئی جاتے وقت اسے صندوق میں رکھ لیا تھا مگر اس کو علی گڑھ پہنچ کر واپس دینا یاد نہ رہا۔ آپ نے بھی یاد نہ دلایا۔ اب اگلے موقع پر واپس لاؤں گا۔

ع صدیقی

(۴۶)

الہ آباد
۱۴ اپریل ۵۸ء

عزیز من،

صبح سوا آٹھ بجے کی جگہ سوا نو بجے ریل نے یہاں پہنچایا۔
"اردوے معلی" (طبع اول) ص ۴ کی آخیر سطر نقل کرتا ہوں:
"چنانچہ خود جناب مرزا صاحب فرماتے ہیں:
در معرکہ تیغیم کہ جوہر داریم (۷۲)
۲۔ زبید احمد صاحب کی کتاب (۷۳) آیندہ موقع پر لیتا آ،وں گا۔ التاریخ الصغیر (۷۴) اور المؤتلف والمختلف (۷۵) کے متعلق دریافت کرکے لکھوں گا۔

ع صدیقی

حواشی

(۱) نواب مہدی یار جنگ سابق وزیر تعلیم حیدرآباد دکن (۱۸۸۰ء-۱۹۳۸ء)

(۲) سبط ابن العجمی الحلبی (متوفی ۸۴۱ھ) کی کتاب "الاشتباط بمن رمی بالاختلاط" اور کتب خانۂ خدا بخش ہی کے دو ایک مختصر عربی رسالے شائع کرنے کا منصوبہ تھا۔

(۳) میں نے "نادرِ غالب" مرتبہ ی تمی. ٹائپ کے نمونوں میں خطِ نسخ میں چھپوانا چاہتا تھا۔ یہاں کوئی صورت مناسب نظر نہ آئی تو غلام رسول مہر صاحب سے رجوع کیا۔ ان کے متعدد خطوں میں اس کا ذکر ہے۔

(۴) شرف الدین الکتبی و اولادہ کا مطبع قیمہ مراد ہے جہاں سے کتاب "مکاتیب غالب" مرتبہ امتیاز علی عرشی نہایت خوب صورت نسخ ٹائپ میں ۱۹۳۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ عرشی صاحب کی کتاب "انتخابِ غالب" بھی اسی مطبع سے ۱۹۴۲ء میں چھپی تھی۔

(۵) میرا مضمون "کیا قتیل کا وطن فرید آباد تھا؟" سب سے پہلے رسالۂ "نگار" لکھنؤ (جون ۱۹۴۳ء) میں چھپا۔ یہی معمولی ترمیم کے ساتھ رسالۂ "ہندوستان" (بمبئی) کے سالنامہ ۱۹۴۳ء میں شائع ہوا۔ دس سال کے بعد، نظرِ ثانی اور ترمیم و اضافہ کے بعد، رسالۂ "نقوش" لاہور میں بعنوان "قتیل دہلوی تھا یا فرید آبادی" انطباع پذیر ہوا۔ محمد طفیل مرحوم نے "نقوش" کے انتخاب "ادبِ عالیہ نمبر" میں اسے دوبارہ شائع کیا۔

رسالۂ "ہندوستان" بھی دل چسپ رسالہ تھا، ایڈٹ ہوتا تھا علی گڑھ میں اور چھپتا تھا بمبئی میں۔ اس کے ایڈیٹر میرے دوست لیکن مجھ سے سینیر، حسن احمد رضی قنوجی (۲۷، عثمانیہ ہوسٹل) تھے جو بی اے کے طالب علم تھے۔ ان کے شریک کار بلکہ شریک غالب کشمیر کے محمود ہاشمی صاحب تھے جو اردو میں ایم اے کر رہے تھے اور عبدالقادر صاحب (میسور) کے ہم سبق اور مشتاق احمد یوسفی صاحب کے ہم عصر تھے۔ حسن احمد رضی تقسیم ہند کے بعد کراچی چلے گئے، اب بھی وہیں مقیم ہیں، اور محمود ہاشمی صاحب براہ کراچی لندن وارد ہوئے، سرزمینِ فرنگ کو اپنا مسکن بنایا اور تقریباً نصف صدی سے وہ اردو کی تعلیم، ترقی و فروغ میں حصہ لے رہے ہیں۔ یوسفی صاحب نے علی گڑھ میں فلسفے کی تعلیم حاصل کی، پاکستان اور انگلستان میں بنک کاری میں نام پیدا کیا اور پھر ایک صاحبِ طرز اور منفرد انشا پرداز کی حیثیت سے شہرت حاصل کی،

کراچی میں مقیم ہیں اور "آب گم" کی دوسری جلد لکھنے میں مصروف ہیں۔

(۶) بہار کے اضلاع پٹنہ، گیا، شاہ آباد میں تو کسی کو اس طرح بولتے ہوئے سننا یاد نہیں آتا۔ پورنیہ وغیرہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں "آج کل وہ ہوے پر اڑ رہے ہیں"۔

(۷) مولانا یعقوب بخش راغب بدایونی (۱۸ نومبر ۱۸۸۷ء بدایوں - ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء) تلمیذ شوق قدوائی و جلال لکھنوی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ دینیات میں استاد تھے۔ والد صاحب علیہ الرحمتہ کے قدر دانوں میں تھے۔ علم فلکیات سے دونوں کی دلچسپی تھی۔ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ "کتاب المجتنیٰ" لابن درید انھوں نے تاکید کر کے اپنے گھر آفتاب منزل میں سبقاً سبقاً پڑھائی تھی۔ ڈاکٹر صدیقی کی علمی صلاحیتوں کے بڑے معترف تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف مرحوم و مغفور (- ۱۹۳۹ء) کی تصنیف "المبین" پر ان کے تبصرے کا وہ اکثر ذکر کرتے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اس سلسلے میں کچھ لکھا ہوگا۔ یہ دو سطریں اسی کے جواب میں ہیں۔

(۸) پچھلے خط میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا: "ہاں، عنقشیش میں سے عن کو الگ کرنا بزرگوں کی شان میں گستاخی]ہے[" میں نے پوچھا ہوگا یہ "عنقشیش" کیا لفظ ہے۔

(۹) مجھے اردو کے ایک قدیم اخبار "اخبار جہاں نما" کی تلاش تھی۔ پرانے اخباروں پر ڈاکٹر صاحب کا ایک سلسلۂ مضامین رسالۂ ہندوستانی الہ آباد میں چھپا تھا مجھے اس کی تلاش تھی۔ بعد کو ڈاکٹر صاحب ہندوستانی کے کئی سال کے مجلد شمارے اپنے کتب خانے سے میرے مطالعے کے لیے الہ آباد سے لاتے رہے اور واپس لے جاتے رہے۔ کیسے وسیع اخلاق کے تھے اس عہد کے بزرگ اور اساتذہ۔

(۱۰) سید ہاشمی فرید آبادی (۱۸۹۰-۱۹۶۶ء) کا مضمون رسالۂ "اردو" (جنوری ۱۹۴۵ء) میں چھپا تھا۔ انھوں نے تحریر کیا تھا: رسالۂ "نگار" میں مختار الدین صاحب آرزو نے بڑی محنت اور قابلیت سے قتیل کے حالات مختلف تذکروں سے جمع کیے ہیں اور زیادہ وثوق سے عاشقی عظیم آبادی کی شہادت پیش کی ہے جو قتیل کا ہم عصر اور اس کے ساتھ خط و کتابت رکھتا تھا اور بڑی تفصیل سے اس کے حالات تحریر کرتا ہے۔ اس نے قتیل کی جائے ولادت شاہ جہان آباد (دہلی) بتائی ہے۔ بعض اور معتبر تذکرے بھی اس کی وطنیت اور ابتدائی نشوونما دہلی تحریر کرتے ہیں۔ مختار الدین صاحب کا بھی یہی خیال ہے اور ہمیں ان کی تائید میں عذر نہیں۔ لیکن مضمون کے آخر میں جو وہ سوال

کرتے ہیں کہ "آخر فرید آباد اس کا وطن کیسے ہوگیا؟ تو جواب میں عرض ہے کہ اس کے دہلوی کہلانے اور فرید آبادی ہونے میں کوئی تناقض نہیں ہے کیوں کہ فرید آباد، دہلی کے مضافات میں داخل اور "دریائے لطافت" میں اس کا نام دہلی کے محلّوں اور بازاروں کے ضمن میں تحریر کیا گیا ہے"۔

(۱۱) اب نصف صدی گزرنے کے بعد بالکل یاد نہیں کہ یہ مضمون کب اور کہاں چھپا تھا۔ "نگار" میں بھی چھپا تھا تو اب یہ مضمون محفوظ نہیں۔ اپنا قلمی مضمون میں نے ضائع کر دیا تھا۔

(۱۲) علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" کے لیے یہ مضمون جو تقریباً آٹھ مہینوں میں لکھا گیا مجھے ۱۴ فروری ۱۹۴۹ء کو موصول ہوا۔

(۱۳) غالب کے چار خطوط بنام ڈاکٹر ضیاء الدین خاں و حسین مرزا ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ بلاک ساز یا فوٹو گرافر علی گڑھ سے الہ آباد کا سفر اس مقصد کے لیے کیا کرتے، میں نے ڈاکٹر صاحب سے التماس کیا کہ آپ تشریف لائیں تو اپنے ساتھ یہ نادر تحریریں لیتے آئیں۔ اسی دن کام لے کر آپ کو واپس کر دوں گا۔

(۱۴) ڈاکٹر صاحب نے ایک بار میرے الہ آباد کے دورانِ قیام غالب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بعض خطوط دکھائے تھے۔ شمس العلماء مولوی ضیاء الدین خاں دہلوی کے نام ۲۰ سطروں کا ایک طویل خط تھا اور ایک مختصر رقعہ جو قریب بہ تعیّن ہے کہ انھی کے نام ہے۔ ان کے علاوہ غالب ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے دو اور خط معین الدولہ ذوالفقار الدّین حیدر خاں معروف بہ حسین مرزا کے نام جو بہادر شاہ کے ناظر تھے۔ میں ان چاروں خطوط کے عکس میگزین کے "غالب نمبر" میں شائع کرنا چاہتا تھا۔ ان خطوں کا ذکر پچھلے خط میں بھی آیا ہے۔

(۱۵) رشید احمد صدّیقی (۱۸۹۲۔۱۹۷۷ء) اس زمانے میں شعبۂ اردو میں ریڈر اور صدرِ شعبہ تھے۔ وہ علی گڑھ میگزین کے نگراں بھی تھے۔ محمود فاروقی اور شجاع احمد زیبا کی علی گڑھ سے مفارقت کے بعد علی گڑھ میگزین کا اڈیٹر انھوں نے مجھے مقرّر کیا تھا حالانکہ شعبۂ اردو میں اچھے سے اچھے صاحب علم موجود تھے۔ عام طور پر ایک سال کے لیے مقرّر کیا جاتا ہے لیکن وہ احوال و ظروف اب یاد نہیں جن کی بنا پر دو سال تک اڈیٹر رہا۔ اس دوران ان کی شفقت و توجّہ برابر شامل حال رہی۔

(۱۶) ڈاکٹر صاحب کے مضمون "دہلی سوسائٹی اور غالب" کی کتابت شدہ کاپیاں جو تصحیح

کے لیے ان کے پاس بھیجی تھیں۔ خوب یاد آتا ہے کہ اس مضمون کی کتابت میں نے علی گڑھ کے مشہور اور گراں خوش نویس محمد عابد صاحب سے کرائی تھی۔ یہ علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر (ص ۳۹ تا ص ۶۴) میں شائع ہوا۔ عابد صاحب، محلہ بالائے قلعہ کے ایجوکیشنل پریس میں ملازم تھے اور بابر کا کام مشکل سے ہاتھ میں لیتے تھے۔ تقسیم ہند کے کچھ سال بعد تک علی گڑھ میں موجود تھے۔ یہاں خوش نویسی میں ان کے متعدد شاگرد پیدا ہوئے لیکن کمال اور شہرت حاصل نہ کر سکے۔

(۱۷) "کچھ بکھرے ورق" اور "کچھ اور بکھرے ورق" ڈاکٹر صاحب کے دو بڑے اہم مضمون ہیں جو رسالہ "ہندستانی" میں شائع ہوئے تھے۔ اس میں غالب کی "متعدد کمیاب تحریریں ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے بہت پُر معلومات تعلیقات جن سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا۔

(۱۸) حسین مرزا کے نام غالب کے لکھے ہوئے دو خط جو ۱۸۵۹ء کے تحریر کردہ ہیں۔ غالب اس زمانے میں خاصے پریشان تھے۔ ۱۸ جون ۵۹ء کے خط میں لکھتے ہیں: بھائی میں تو علی علی کہہ رہا ہوں جیوں تو، مروں تو، جواب صاف مل چکے تو اس شہر سے چلا جاؤں۔ یہ دو روپیہ روز بھی اوسی غاصب ملعون کے گور میں جائیں جس نے مجھے دس ہزار روپیہ سال میں یہ دیا ہے۔ علیہ اللعنت والعذاب" غاصب ملعون سے مراد نواب احمد بخش خان بہادر اور ان کے اخلاف ہیں۔ میں نے ان دو خطوں کے عکس بنوا کر ڈاکٹر صاحب کو بھیج دیے تھے، بلاک بھی علی گڑھ ہی میں بنوا لیے۔

(۱۹) ایم اے (عربی) کا امتحان دیا تھا۔ یونیورسٹی میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن آئی تھی، ممتحنین میں مولانا عبد العزیز میمن، ڈاکٹر سید عابد احمد علی، مولانا سید بدر الدین علوی، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نام یاد آتے ہیں۔ شفوی امتحان کے لیے ڈاکٹر زبید احمد (الٰہ آباد) یونیورسٹی تشریف لائے تھے۔ عربی ایسے کی جگہ میں نے اکیڈمک کونسل کی اجازت سے میمن صاحب کی نگرانی میں پانچویں صدی ہجری کے ایک شامی مصنف و شاعر اور صلیبی جنگ کے مجاہد امیر اسامۃ بن منقذ الشیزری الکنانی (   ) پر انگریزی میں طویل مقالہ تحریر کیا تھا۔

(۲۰) میری فرمایش پر یہ تحریر ڈاکٹر صاحب نے لکھ کر بھیجی تھی۔ غالب نمبر کے بعض مضمون نگاروں کو بھیجنے کا ارادہ تھا لیکن ہندوستان اور پاکستان کے مشاہیر اہل قلم نے

پورا تعاون دیا اور اس تحریر کو کہیں بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

(۲۱) یونی ورسٹی گیسٹ ہاؤس جو اس زمانے میں اولڈ بوائز لاج کے سامنے کی عمارت میں واقع تھا۔ جب ضرورت وسعت کی داعی ہوئی تو یونیورسٹی روڈ کی وسیع کوٹھی، مہمان خانہ بنی۔ اب یہ بھی کافی نہیں۔ نیو گیسٹ ہاؤس کے نام سے کالج میڈیکل کولونی میں شاندار دو منزلہ عمارت تعمیر ہو گئی ہے۔

(۲۲) پروفیسر محمد حبیب (۱۸۹۵۔ ۱۹۷۱) مشہور مؤرخ جن کی کوٹھی بدر باغ میں واقع ہے۔

(۲۳) ڈاکٹر صاحب کا بے حد احترام کرنے والے دوست، جو ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی وائس چانسلر شپ کے زمانے میں یونیورسٹی کے آنریری ٹریژرر رہے۔ یہ کوٹھی عام طور پر "اللہ والی" کوٹھی کہلاتی ہے۔ علی گڑھ اسٹیشن پر کوئی رکشا والا بیت الحبیب نہیں سمجھے گا۔ اللہ والی کوٹھی کہیے وہ بآسانی وہاں پہنچا دے گا۔ کوٹھی کی پیشانی پر بقلم جلی اللہ لکھا ہوا ہے اس لیے یہ اللہ والی کوٹھی ہو گئی۔ اب اس کے وسیع صحن میں پروفیسر عبدالعلیم، پروفیسر اسلوب احمد انصاری، پروفیسر منیر احمد (شعبۂ انگریزی)، پروفیسر عبدالحلیم (ٹریننگ کالج) پروفیسر یٰسین انصاری (انجینیرنگ کالج) کی کوٹھیاں بن گئی ہیں۔ ان سطور کے لکھتے وقت پروفیسر عبدالعلیم کی کوٹھی "عصمت منزل" ایک شش منزلہ فلیٹس میں تبدیل ہو رہی ہے۔ بلگرامی صاحب کی تاریخ وفات شب ۳۱، جولائی ۵۳ ہے

(۲۴) دستور الفصاحت مؤلفہ احد علی خاں یکتا، مرتبہ امتیاز علی خاں عرشی رام پور، ۱۹۴۳ء

(۲۵) تذکرۂ "طبقات الشعرا" کا خلاصہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے علی گڑھ میگزین (اگست ۴۸ء) میں شائع کیا تھا؛ یہ اوراق میں نے رسالے سے نکال کر مجلد کرا دیے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کو پیش کر دیے۔ طبقات الشعرا کا ایک انتخاب "تین تذکرے" مرتبہ ڈکٹر نثار احمد فاروقی (دہلی ۱۹۶۸ء) میں شامل ہے۔ اس تذکرے کی تلخیص و ترجمہ شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی نے ادارۂ عظیم الشان بک ڈپو پٹنہ سے ۱۹۶۸ء کے بعد شائع کیا ہے۔ اب تذکرہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے مجلس ترقی ادب لاہور سے ۱۹۶۸ء میں شائع کر دیا ہے۔ اسکی دوسری جلد (مشتمل بر تعلیقات) ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔

(۲۶) اس خط سے مجھے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر کی تاریخ اشاعت ہاتھ آ گئی۔ یہ شمارہ وسط نومبر ۱۹۴۹ء میں چھپا ہوگا۔ نسخہ ڈاک سے ملنے میں کچھ دیر ہوئی تو میں نے علی گڑھ میں انھیں دوسرا نسخہ پیش کر دیا۔ الٰہ آباد کے سفر میں ٹرین پر وہ یہی شمارہ پڑھتے رہے۔

(۲۷) قاضی عزیز الدین احمد بلگرامی کو بھی جو یونیورسٹی کے ٹریژرر تھے ایک نسخہ پیش کیا گیا تھا۔ غالب نمبر ۱۵۰۰ کی تعداد میں چھپا تھا۔ دو سو اچھے کاغذ پر اور بقیہ معمولی کاغذ پر جو اس زمانے میں سویڈن سے بن کر ہندوستان آتا تھا۔ اس کی قیمت پانچ روپیہ تھی اور اچھا چکنا کاغذ گیارہ روپے رم کے حساب سے ملتا تھا۔ اب یہ باتیں خواب و خیال ہیں۔

(۲۸) الحاج مولوی عبید الرحمٰن خاں شروانی (۱۸۹۰ـ۱۹۹۲ء) کے ذریعے وہ حبیب گنج کلیکشن کے بعض مخطوطات خاص طور پر دیوان احسن اللہ بیان دیکھنا چاہتے تھے۔

(۲۹) گلاب چند ہمدم

(۳۰) "حیدر" علی گڑھ کا ہفتہ وار اخبار تھا جو برسوں شائع ہوتا رہا۔ محمد عمر خاں ثمر کا نام ایڈیٹر کی حیثیت سے چھپتا رہا تھا۔ ادارت کا سارا کام مولوی عبدالشاہد خاں شروانی (۱۹۱۵ـ ۱۹۸۳ء) انجام دیتے تھے۔

(۳۱) (۲) خیر بہوروی، (۱۹۰۱ـ۱۹۷۱ء) شاعر اور اچھے مقرر تھے۔ قاضی عبدالغفار صاحب کے عہد میں وہ انجمنِ ترقّیِ اردو ہند میں ملازم ہوگئے تھے۔ آخر عمر میں اکیڈمی لکھنؤ سے وابستہ ہوگئے تھے۔ ۱۱ جولائی کو اپنے وطن بہورا (ضلع بلیا) یوپی میں انھوں نے وفات پائی۔ خیر صاحب کے پاس وہ کون سا رسالہ دیکھنا چاہتے تھے۔ دہلی سوسائٹی کے اس رسالے کا ایک شمارہ خیر بہوروی کے پاس بھی تھا۔ اسے ڈاکٹر صدیقی نہ دیکھ سکے۔ دہلی سوسائٹی کے اس رسالے کے چند شمارے مجھے مل گئے تھے جن پر ایک مضمون میں نے اخبارِ جمہور (علی گڑھ) کے ۶ مارچ ۱۹۵۰ء کے شمارے میں شائع کیا تھا۔ یہ مضمون بعد کو رسالہ "قومی زبان" کراچی میں بھی نقل ہوا۔

(۳۲) میں اس زمانے میں علامہ عبدالعزیز المیمنی کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کے لیے مقالہ تیار کر رہا تھا۔ اب ان کے (۱۸۸۸ـ۱۹۷۸ء) متقاعد ہونے کا زمانہ آیا تو تردد ہوا۔ کہ میرا علمی کام ادھورا رہ جائے گا۔ اسی زمانے میں خبر ملی کہ لکھنؤ سے ڈاکٹر عبدالعلیم (۱۹۰۵ـ۱۹۷۶ء) بحثیت صدر شعبہ کے علی گڑھ آنے والے ہیں۔

(۳۳) میں نے حبیب گنج جاکر "دیوان بیان" پر مفصّل نوٹ لکھ کر بھیج دیا تھا۔

(۳۴) "غالب کا ایک فرضی استاد" (علی گڑھ میگزین غالب نمبر ص ۱۰۔ ص ۷۷)

(۳۵) اشرف خاں مخلص بہ خان دہلی کے رہنے والے تھے اور مصحفی کے شاگرد تھے۔ ان کے تین دیوان ہیں۔ دیوان اوّل کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ دیوان دوم

علی گڑھ اور رام پور میں ہے۔ نسخۂ رام پور میں خان کی شبیہ بھی موجود ہے۔ دیوان سوم کا ایک نسخہ رام پور میں محفوظ ہے۔ دیوان خان کا ایک نسخہ کتب خانۂ خدا بخش میں بھی محفوظ ہے۔ ایک نسخہ ڈاکٹر عندلیب شادانی جامعہ ڈھاکا کے پاس بھی تھا۔ انھوں نے اس پر ایک مضمون کسی رسالے میں لکھا تھا۔ ممکن ہے ان کے مجموعۂ مضامین میں شامل ہو۔

(۳۶) دیوان فغاں کا کوئی نسخہ علی گڑھ میں دیکھنے میں نہیں آیا۔ شاہ حاتم دہلوی کے مختصر فارسی دیوان کے وجود کی میں نے ہی ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی۔ اس پر " دیوان حاتم اصفہانی " لکھا ہوا ہے۔ یہ بھی " دیوان زادہ " ہے اور حاتم کے شاگرد مکند سنگھ فارغ دہلوی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس پر ایک مختصر نوٹ میں نے رسالہ " معاصر " پٹنہ (   ) میں اور ایک مفصّل مضمون مع انتخاب کلام علی گڑھ میگزین مرتبہ سیّد امین اشرف (۱۹۰ء) میں شایع کیا تھا۔

(۳۷) متخلّص (بہ خان) - بخان - بنا اور مصحف ہو کر سجان (سبحان) ہو گیا۔ دستی فہرست میں " متخلّص سبحان " بن گیا ہو گا۔

(۳۸) قاضی مظہر الدّین بلگرامی، قاضی عزیز الدّین احمد بلگرامی کے خلف اکبر تھے۔ جامعۂ ازہر کے فارغ التحصیل تھے۔ علی گڑھ کے شعبۂ دینیات میں لکچرر، ریڈر پھر بعد کو پروفیسر اور صدر شعبہ ہوئے۔ کئی کتابوں کے مُصنّف ہیں۔ ۱۲ نومبر ۱۹۹۵ء کو انھوں نے علی گڑھ میں وفات پائی۔

(۳۹) وقائع عالمگیر مرتبہ نبی احمد سندیلوی

(۴۰) میں اس زمانے میں لٹن لائبریری میں بہرۂ مخطوطات کا نگراں تھا۔ خاص خاص لوگوں کو وہاں کی قلمی کتابیں بھی کتب خانے سے نکلوا کر بھیجی جاتی تھیں۔ شعبۂ تاریخ کے شیخ عبدالرشید صاحب جو متقاعد ہونے کے بعد اپنے بچوں کے پاس کراچی چلے گئے اور وہیں انھوں نے وفات پائی۔ پروفیسر سیّد نور الحسن (جو بعد کو روس میں ہندستان کے سفیر، وزیر تعلیم حکومت ہند اور آخر میں بنگال کے گورنر ہوئے۔ اس رعایت سے بہت مستفید ہوئے۔ ڈاکٹر اطہر عباس رضوی بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔ انھوں نے کتب خانے کے تاریخی مخطوطات کی انگریزی میں تفصیلی فہرست بنائی جو میری نظرثانی اور ترمیمات اور اضافے کے بعد بیپٹسٹ مشن پریس کلکتہ سے ڈاکر صاحب کی توجہ سے

بہت اہتمام سے ۱۹ میں شایع ہوئی۔ اطہر عباس آسٹریلیا کی ایک یونیورسٹی میں تاریخ کے استاد ہوئے۔ ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء کو مشہد (ایران) میں وفات پائی اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔

(۳۱) "دہلی سوسائٹی اور مرزا غالب" جو "احوال غالب" (دہلی ۱۹۵۳ء) میں شائع ہوا۔

(۳۲) رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ (۱۹۱۱-۱۹۸۰ء) جو بعد کو شاہ معین الدین احمد ندوی کی وفات (۱۳ دسمبر ۱۹۷۴ء) کے بعد دار المصنفین کے ناظم مقرر ہوئے۔ "دیوان فغاں" انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی سے ۱۹ء میں شائع ہوا۔

(۳۳) ذخیرۂ احسن میں ایسی کوئی قابل قدر چیز نہیں ملی۔

(۳۴) میں نے دہلی سوسائٹی کے رسالے کے چند شمارے تلاش کیے اور ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی۔ انھوں نے اپنے مقالے میں ایک فٹ نوٹ بڑھا دیا:

مختار الدین آرزو صاحب کو یہ اور شمارے دیکھنے کو ملے ہیں: ۱۸۶۴ء، ۱۸۶۸ء، ۱۸۶۲ء، جن کا حال انھوں نے اخبار "جمہور" علی گڑھ (۶ مارچ ۱۹۵۰ء) میں شائع کیا ہے جو رسالہ "قومی زبان" کراچی میں بھی نقل ہوا۔ (احوال غالب ص ۱۰۶ فٹ نوٹ ۲)۔

(۳۵) اناوہ میں پرانے اخبارات و رسائل کا مفید ذخیرہ محفوظ ہے اور سب سے قیمتی تو اخبار البشیر کی مکمل فائل ہے۔

(۳۶) عربی میں ڈاکٹریٹ کے لیے علامہ عبد العزیز المیمنی کی نگرانی میں "الحماسۃ البصریہ" پر کام شروع کیا تھا۔ اس پر ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی۔ ہمارے ممتحن جرمن مستشرق عالم پروفیسر عالم کرنیکو ( ) مقیم کیمبرج تھے جنھوں نے اس کی اشاعت کے لیے پروفیسر ریٹر کو لکھا اور انھوں نے جرمن اورینٹل سوسائٹی (ویسبادن، مغربی جرمنی) سے اس کی اشاعت منظور کی۔ لیکن ڈاکٹر عبدالمعید خاں کے اصرار پر یہ کتاب دو جلدوں میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے میں شائع ہوئی جس کے وہ ڈائریکٹر تھے۔ بعد کو یہ کتاب دار صادر بیروت سے شایع ہوئی۔

(۳۷) مقالہ "غالب کا ایک فرضی استاد" مطبوعہ علی گڑھ میگزین غالب نمبر (علی گڑھ ۱۹۴۹ء) جس کی اشاعت کے بعد موافقت و مخالفت میں کثرت سے خطوط رشید صاحب اور میرے پاس آئے۔

(۴۸) غالب نمبر میں کپتان میک ماہن کو دِلّی کا اسسٹنٹ کمشنر لکھا تھا ص ۵۵۔ احوال غالب میں تصحیح کر کے ڈپٹی کمشنر۔ بنا دیا گیا ص ۱۰۹

(۴۹) تاریخ ۳۱ اگست سہو قلم ہے: ۳۱ جولائی ہونا چاہیے۔ اس لیے بھی کہ یہ کارڈ الٰہ آباد سے یکم اگست کو چلا ہے اور علی گڑھ کے ڈاک گھر میں ۲ اگست کو پہنچا ہے۔

(۵۰) مولانا محمد مامون بن الشیخ عبدالوہاب الارزنجانی الدنی الدمشقی۔ سوریا کے ایک عالم تھے جو مدتوں ترکی میں رہے۔ پھر وہ حیدرآباد پہنچے جہاں مدتوں ان کا قیام رہا۔ وہ بڑے خوش اخلاق تھے، نرم لہجے میں گفتگو کرتے تھے۔ اردو خاصی سیکھ گئے تھے۔ مخاطب کو عام طور پر جناب عالی کہہ کر خطاب کرتے تھے۔ ۱۹۵۱ء کے اواخر یا ۱۹۵۲ء کے اوائل میں حیدرآباد میں ڈاکٹر صاحب کی نظر ان پر پڑ گئی اور ان سے ایسے متاثر ہوئے کہ انھیں علی گڑھ لے آئے۔ ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے کسی نہ کسی طرح انھیں شعبۂ عربی سے وابستہ کر دیا۔ میں تعلیمی رخصت پر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں انگلستان گیا تو میری جگہ پر وہ لکچرر مقرر ہوگئے اور تقریباً تین سال تک وہ شعبے سے منسلک رہے۔ اس کے بعد بھی وہ علی گڑھ میں رہے، پھر دلی چلے گئے جہاں ۱۹۵۸ء میں انھوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۵۱) علی گڑھ میگزین ہو یا انجمن ترقی اردو، ان کے بیشتر سربراہ کتابت شدہ کاپیاں اور پروف، مضمون نگاروں کو (چاہے وہ قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی ہی کیوں نہ ہوں) تصحیح کے لیے بھیجنا غیر ضروری اور ایک فعل عبث سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے کہ یہ مضمون نگار حضرات خود تصحیح کرنے کی "دردِ سری" کیوں مول لیتے ہیں۔

(۵۲) رسالہ "آج کل" میں میرا مضمون "مرزا غالب کی تصویریں" چھپتا تھا میری فرمائش پر ڈاکٹر صاحب نے اس کے الفاظ لکھ کر بھیج دیے تھے۔ ... افسانے کے بعد یہ مضمون احوال غالب میں چھپا تو تصحیح کر دی گئی۔

(۵۳) احوال غالب میں "اشتیاق علی" ہی چھپا ہے (ص ۲۱۵) شاید بعد کو گفتگو کے بعد یہی صحیح ٹھہرا ہو۔

(۵۴) پروف ریڈنگ اور تصحیح کی اہمیت کا عام طور پر خیال نہیں کیا جاتا۔ ایک حرف کی غلطی سے کیسی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے؟ ایک آدمی کبھی کبھی دو آدمی بن جاتا ہے اور کبھی دو علیحدہ شخصیتیں ایک بن جاتی ہیں۔

(۵۵) احباب، عربی کے بعد اردو میں پی ایچ ڈی کرنے کا مشورہ دیتے تھے کہ عربی کے نتیجے میں توسیع کے امکانات محدود تھے۔ میں غالب پر ڈاکٹریٹ کرنے کی سوچ رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب سے مشورہ کیا۔ انھوں نے فرمایا: "یک در گیر و محکم گیر"۔ لیکن اردو میں برابر لکھتے رہیے اور اس کے لیے اس مضمون میں پی ایچ ڈی کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۵۶) قاضی محمد عبدالغفار سیکریٹری انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ (۱۸۹۰-۱۹۵۶ء) کے داماد چودھری محمد سلطان (م جنوری ۱۹۸۳ء) ریڈر شعبۂ سیاسیات مسلم یونیورسٹی جو قاضی صاحب کی علالت کے دوران انجمن کے قائم مقام سیکریٹری تھے۔ منشی مہیش پرشاد مرتب "خطوط غالب" کی وفات (۳۰ اگست ۱۹۵۴ء) کے بعد غالب سے متعلق ان کی کتابیں، کاغذات اور مسودات ڈاکٹر صدیقی کے مشورے پر انجمن نے ان کے اعزہ سے خرید لیے تھے۔ ان کی کتابوں کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی وہ کتابیں بھی انجمن پہنچ گئی تھیں جو منشی صاحب نے عاریتہً ان سے لی تھیں "خطوط غالب" کی ترتیب کے سلسلے میں۔

(۵۷) بالکل یاد نہیں آتا یہ کون صاحب تھے اور کس کام پر ڈاکٹر صاحب نے انھیں لکھنؤ متعین کیا تھا۔ خیال یہی ہوتا ہے کہ مہیش پرشاد صاحب کے سلسلے کا کوئی کام ہوگا۔

(۵۸) چودھری سلطان احمد، قاضی عبدالغفار صاحب کے عزیز جو ان کی علالت اور علی گڑھ سے غیر حاضری کے درمیان انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کے قائم مقام سیکریٹری تھے۔

(۵۹) ڈاکٹر صاحب کا مضمون "دلی سوسائٹی اور مرزا غالب" (مطبوعہ غالب نمبر) اب ترمیم و اضافے کے بعد "احوال غالب" میں چھپ رہا تھا۔ انجمن کی یہ کتاب مکتبۂ جامعہ نئی دلی کے زیر اہتمام شائع ہو رہی تھی۔ اس خط میں اسی مضمون کے پروف کا ذکر ہے۔ مکتبے کے ناظم غلام ربانی تاباں (۱۹۱۴-۱۹۹۳ء) تھے لیکن اس سلسلے میں ہماری خط کتابت ولی شاہجہاں پوری (متوفی ۱۹۸۰ء) سے ہوتی تھی جو وہاں طباعت و اشاعت کا اہتمام کرتے تھے۔

(۶۰) مکتبۂ جامعہ میں حمید احمد نام کے کوئی صاحب یاد نہیں آتے۔ ولی شاہجہاں پوری کا نام سید احمد تھا۔ ممکن ہے ڈاکٹر صاحب کے حافظے نے دھوکا دیا ہو اور سید احمد کو حمید احمد بنا دیا ہو۔

(۶۱) "پنج آہنگ" کے دونوں ایڈیشن میرے کتب خانے کے تھے۔ ڈاکٹر صاحب مطالعے کے لیے لے گئے تھے، دوسرے ایڈیشن کا وہ نسخہ میرے پاس ہے جو غالب کے شاگرد حکیم فصیح -

الدّین رنج میرٹھی (۱۸۳۶-۱۸۸۵ء) کے کتب خانے کا تھا۔ ابتدائی اوراق نسخے سے ضائع ہو گئے تھے۔ حکیم صاحب نے اپنے قلم سے لکھ کر نسخہ مکمل کر دیا ہے۔ یہ نسخہ میرے عزیز دوست اور حکیم صاحب کے خاندان کے ایک فرد، پروفیسر رضی الدّین احمد میرٹھی کا تھا۔

(۶۲) شمس العلماء ڈاکٹر ضیاء الدّین خاں دہلوی (متوفّی ۱۹۰۹ء) کی کتاب "انشای اردو" (مطبع فیض احمدی دہلی ۱۸۶۶ء) (رقعات غالب) میرے علم میں ہے جس میں غالب کے خطوط ملتے ہیں۔ یہ طباعت و اشاعت میں "عود ہندی" سے مقدم ہے۔ غالب کے "خطوط اس انتخاب میں بھی پائے جاتے ہیں جو میرزا نے میکلوڈ کی فرمائش پر ترتیب دیا تھا اور جس کا نہایت خوشخط قلمی نسخہ ڈاکٹر صدّیقی کے پاس محفوظ تھا جسے وہ اس زمانے میں مرتّب کر رہے تھے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی کہ اس کا ایک نسخہ انجمن ترقّی اردو میں محفوظ ہے۔ بعد کو مجھے کتب خانۂ جامعہ علی گڑھ میں اس کے دوسرے اڈیشن کے دونوں حصے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو لاہور کے مطبع سرکاری سے ۱۸۷۲ء میں انطباع پذیر ہوا تھا۔ میں نے دوسرے اڈیشن کی دریافت کی ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی تھی۔ ڈاکٹر محمّد ضیاء الدین خاں دہلوی پر میرا مضمون "دہلی کالج میگزین" میں چھپا تھا جو نظرثانی و اضافے کے بعد رسالہ "نقوش" کے سالنامہ (جنوری ۱۹۶۳ء) میں شائع ہوا۔

(۶۳) قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر، پٹنہ

(۶۴) رسالۂ معاصر پٹنہ سے ڈاکٹر عظیم الدّین احمد مرحوم (۱۸۸۱-۱۹۴۹ء) صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو پٹنہ یونیورسٹی کی ادارت میں دائرہ ادب پٹنہ کی طرف سے ماہ نومبر ۱۹۳۱ء سے شائع ہونا شروع ہوا۔ اور ماہ دسمبر ۱۹۳۹ء تک ماہ بماہ شائع ہوتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب کی وفات (۱۹، مئی ۱۹۴۹ء) کے بعد پروفیسر عبدالمنّان بیدل اس رسالے کے مدیر مقرر ہوئے۔ دائرے کے اہم ارکان میں پروفیسر عبدالمنّان بیدل صدر شعبہ فارسی (۱۹۰۷-۱۹۸۲ء)، کلیم الدّین احمد صدر شعبۂ انگریزی (۱۹۰۸-۱۹۸۳ء) سیّد حسن عسکری پروفیسر شعبۂ تاریخ، (۱۹۰۱-۱۹۹۰ء) اختر اورینوی صدر شعبۂ اردو (۱۹۱۰-۱۹۷۷ء)، اور یونیورسٹی اور شہر کے دوسرے اہل علم و اہل قلم تھے۔ بحیثیت مُرتّب کے یونیورسٹی کے ایک بہت سینیر استاد عبدالمنّان بیدل صاحب کا نام چھپتا تھا لیکن ادارت کا اصل بار کلیم الدّین احمد پر تھا جن کے اصل معاون سیّد حسن عسکری اور اختر اورینوی (۱۹۱۰-۱۹۷۷ء) تھے۔

معاصر کوئی دس سال تک ماہانہ شائع ہوتا رہا بعد کو اواسط مئی ۱۹۵۱ء میں یہ سہ ماہی ہوگیا۔ قاضی عبدالودود صاحب کے خاصے مضامین ماہانہ معاصر میں شائع ہوئے۔ سہ ماہی ہونے کے بعد کلیم الدین صاحب کے اصرار پر قاضی صاحب کے تعاون میں اضافہ ہوا۔ مضامین کی کمی کے باعث کبھی کبھی کسی شمارے میں نصف یا نصف سے زائد ان کے مضامین چھپے ہیں۔ سہ ماہی معاصر کے پہلے شمارے میں ۱۰ مضامین میں ۱۴ مضامین قاضی صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔ معاصر شمارہ ۲۱ (جولائی ۱۹۶۰ء) تک عبدالمنان بیدل صاحب کا نام بحثیت مدیر چھپتا رہا۔ شمارہ ۲۳ (۱۹۶۲ء) سے مدیر کلیم الدین احمد صاحب ہوئے۔ ۱۹۵۱ء سے جب معاصر سہ ماہی ہوا اور تحقیقی مضامین لکھنے اور ان کی فراہمی کی ذمہ داری قاضی عبدالودود صاحب نے قبول کی اس وقت سے اس رسالے میں ان کی دلچسپی میں اضافہ ہوا۔ وہ بزم ادب کے جلسوں میں تو کبھی کبھی ہی شریک ہوتے، لیکن معاصر کے لیے مضامین برابر لکھتے رہے۔ اب یہ ہوا کہ کلیم الدین احمد صاحب معاصر کے لیے تنقیدی مضامین مُرتّب کرنے لگے اور قاضی صاحب تحقیقی مضامین۔ وہ معاصر کے آخری دور تک یہ ذمہ داری نبھاتے رہے۔ انھوں نے اس کے لیے کثرت سے مضامین لکھے ، اور کچھ مضامین دوسروں سے بھی لکھوائے۔ اب رسالہ ہر چند سہ ماہی تھا لیکن اکثر بہت دیر سے شائع ہوتا تھا۔ اچھے اور معیاری مضامین کی کمی کی وجہ سے۔ منتظم معاصر: بیدل صاحب کے داماد محمد اسحاق صاحب تھے، پھر اور لوگ ہوئے، آخر میں دکتر ممتاز احمد صدر شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی ہوئے۔ لیکن یہ سب اصحاب اپنی گوناگوں مشغولیتوں کی بنا، پر انتظامی امور کی طرف توجہ نہیں کر پاتے تھے اس لیے رسالہ بھی دیر میں چھپتا اور بُرا چھپتا تھا اور اس کی ترسیل کا کام بھی غیر تشفی بخش تھا۔

سہ ماہی معاصر کا پہلا شمارہ مئی ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا اور آخری شمارہ ۳۸ ہے جو غالباً اکتوبر ۱۹۸۳ء میں نکلا۔ کلیم الدین احمد کی وفات (شب ۲۲ دسمبر ۱۹۸۳ء) کے بعد زہرہ کلیم الدین احمد کے مشورے پر دکتر ممتاز احمد کو اس کا ایڈیٹر بنایا گیا لیکن ان کی ادارت میں کوئی شمارہ شائع نہ ہوسکا اور رسالہ بند ہوگیا۔

ان اصحاب میں جن کا ذکر اوپر آیا اب "معاصر" کی داستان سنانے کو پرانے لوگوں میں کوئی زندہ نہیں ، اس لیے مختصر طور پر یہ سطریں لکھ دی گئیں۔ پروفیسر سید محمد حسنین مُصنّف "حیاتِ فدوی" جن کے پاس معاصر ماہانہ و سہ ماہی کی مکمل فائل تھی

اور جو "معاصر" کی تاریخ بتا سکتے تھے۔ افسوس ہے کہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو اسلام آباد (پاکستان) میں وفات پاگئے۔

(۶۵) معاصر، حصہ ۹ (جنوری ۱۹۵۹ء) انھیں بھجوانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس میں غالب پر ان کی دلچسپی کی کئی تحریریں چھپی تھیں۔ قاضی عبدالودود صاحب کے مضامین: (۱) منشی محمّد ابراہیم خلیل و فوق پر جن کا کلّیات مطبع نور الانوار آرہ سے ۱۲۹۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں غالب کا ایک اردو خط محرّرہ ۴ جنوری ۱۸۶۷ء بھی درج ہے، جو شائع شدہ کسی مجموعۂ خطوط میں نہیں۔ (۲) فرہنگ انجمن آرا از رضا قلی خاں ہدایت مؤلفہ ۱۲۸۸ھ۔ اس میں برہانِ قاطع اور غالب کے سلسلے کی مفید بحث ہے۔ (۳) منشی عبدالکریم محو: قطعۂ تاریخ عودِ ہندی اشاعتِ اوّل (۴) بی وفادار ۱۸۶۲ء میں غالب کی ایک ملازمہ۔ (۵) احوالِ غالب مرتّبہ ڈاکٹر مختار الدّین احمد (انجمنِ ترقّی اردو ۱۹۵۳ء) پر دس ساڑھے دس صفحوں کا تبصرہ۔ ان مضامین کے علاوہ اس میں قاضی صاحب کے مضامین طبقات شعرائے ہند از کریم الدین، کلام انشا، مرتّبہ مرزا محمّد عسکری و محمّد رفیع صاحب (ہندستانی اکیڈمی الہ آباد)۔ اور میر تقی میر حیات و شاعری از ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی پر بہت مفصّل تبصرے بھی شائع ہوئے تھے۔

میں نے کچھ دن پہلے یورپ سے "دیوانِ آبرو کے دو مخمس" جامعۂ کیمبرج کے قلمی نسخے کی بنیاد پر مرتّب کر کے بھیجا تھا جو قاضی صاحب نے اسی شمارے میں شائع کیا تھا۔ میں نے چاہا تھا کہ وہ ان مضامین پر اپنی را لکھ کر مجھے بھیجیں لیکن انھوں نے "بحثیں سب اچھی ہیں" کہہ کر قصّہ مختصر کر دیا۔

(۶۶) تذکرۂ مسرّت افزا مؤلفہ ابوالحسن امر اللہ الہ آبادی کی تسوید ۱۱۹۲ھ میں ہوئی لیکن ترمیم و اضافے کا کام شعبان ۱۱۹۵ھ تک ہوتا رہا۔ اس کا ایک نسخہ بادلین لائبریری آکسفورڈ میں محفوظ ہے جس کی عکسی نقل کلیم الدّین احمد کی توجہ سے پٹنہ یونیورسٹی لائبریری کے لیے حاصل کی گئی۔ قاضی عبدالودود صاحب نے اسے مرتّب کیا اور سہ ماہی "معاصر" پٹنہ میں بالا قساط شائع کیا، لیکن اس طرح کہ شعرا کے اشعار کہیں کہیں نصف اور کہیں نصف سے زائد حذف کر دیے۔ شاہ عالم آفتاب کے ۴۲ شعر مؤلف تذکرہ نے انتخاب کیے تھے قاضی صاحب نے صرف ۱۴ شعر درج کیے۔ اجمل الہ آبادی کے ۸۰ شعروں میں سے ۲۸ شعر حذف کر دیے۔ آبرو کے ۴۴ شعر تھے صرف ۸ درج کیے۔ ردیف

الف کے شعرا، میں چند شعرا، کے نام اور اشعار کی تعداد لکھتا ہوں۔
خواجہ صاحب میر الم ۲۰ شعروں میں ۱۰ نقل، ہوئے ۔ محمد میر اثر ۳۳ میں ۰، خواجہ امین الدین امین عظیم آبادی ۲۶ میں ۸ ، میر غلام علی اظہر ۳۲ میں ۱۲ ، میر شیر علی افسوس ۱۹ میں صرف ایک اور شیخ احمد وارث احمدی کے ۴۰ شعروں میں ۲۰ درج کرنے کے لائق سمجھے گئے، جب کہ آفتاب، آبرو، افسوس کے دواوین اس وقت تک شائع نہیں ہوئے تھے اور شیخ احمد وارث احمدی کا دیوان اردو مفقود ہے اور مؤلف تذکرہ نے ان کے اشعار انھی کے مرتب کیے ہوئے تذکرۂ شعرا، سے لیے تھے۔ (دیوان فارسی و ہندی مرتب دارد و تذکرۂ شعرائے ہندی ریختہ نیز تالیف نمودہ ۔ ایں چند اشعار از ہماں تذکرۂ دے چیدہ شدم) ۔ یہ تذکرہ بھی اب مفقود ہے۔

کچھ دنوں کے بعد "مسرت افزا" کے ایک نئے نسخے کا سید امیر حسن عابدی نے انکشاف کیا اور ان کی توجہ سے یہ نسخہ کتب خانۂ خدا بخش میں آگیا۔ میں نے جاکر اسے دیکھا اور مفید پاکر اپنے ایک لائق شاگرد حافظ عبدالعلیم خاں سے اپنے مطبوعہ نسخے پر اس نئے نسخے کا مقابلہ کرایا ، اختلاف قرا،ت درج کرایا اور سارے حذف شدہ شعر اپنے نسخے پر نقل کر دیے۔ ۱۴۹ شعرا، تک مقابلے کا کام ہوا پھر کسی وجہ سے رک گیا۔ آخری شاعر جن کے ترجمہ و اشعار کا مقابلہ کیا گیا شاہ رکن الدین عشق دہلوی ہیں۔ ان کے ۳۶ شعروں میں باوجود اس بات کے کہ دیوان شائع نہیں ہوا تھا صرف ۶ شعر "معاصر" میں چھپے تھے میں نے بقیہ اشعار اپنے نسخے پر نقل کرالیے۔
"مسرت افزا" بہت اہم تذکرہ ہے اور اس لائق ہے کہ محنت اور توجہ سے مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

(۹۷) صدیقی صاحب کی بات صحیح نکلی، معاصر کے ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳ کے شماروں میں اس تذکرے کی کوئی قسط نہیں نکلی۔ شمارہ ۱۴ جولائی ۵۹ء میں دس صفحوں کی آخری قسط نکلی جس میں یقین، یکدل، یکرنگ وغیرہ کے تراجم و اشعار ہیں۔

(۹۸) معربات ، ڈاکٹر صاحب کا خاص موضوع رہا ہے۔ انھیں الجوالیقی کی "المعربات" مرتبہ الاستاذ احمد محمد شاکر طبع قاہرہ کی سخت ضرورت تھی۔ بمبئی کے کتب فروشوں سے فرمایش کر کے وہ تھک گئے ، کسی نے مصر سے منگوا کے نہیں دیا۔ مجھ سے ذکر آیا۔ میں نے کہا میں منگوا دوں گا۔ میں نے مالک رام صاحب کو جو اس زمانے میں مصر میں

مقیم تھے لکھا۔ انھوں نے فوراً بھیج دیا۔ اس وقت تک دونوں میں خط و کتابت بھی نہ تھی اس کتاب سے تعلقات قائم ہوئے۔ اب وہ عبداللہ ٹھٹوی کی "معرّبات" مرتب کرنا چاہتے تھے جس کا ایک نسخہ انھیں حیدرآباد میں ملا تھا۔ اس کی اشاعت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ میں نے عرض کیا آپ کام مکمّل کر کے مجھے دے دیجیے ادارۂ علوم اسلامیہ کی طرف سے چھپ جائے گا۔ میں نے علیم صاحب سے ذکر کیا وہ آمادہ ہوگئے۔ مسودہ ملتے ہی میں نے اپنی نگرانی میں اختر پرنٹنگ پریس علی گڑھ میں چھپوانا شروع کر دیا۔ دو پروف میں پڑھ کر تیسرا پروف ڈاکٹر صاحب کو بھیجتا رہا۔ پوری کتاب چھپ گئی۔ مقدّمہ انگریزی میں لکھ کر وہ الہ آباد میں اپنی نگرانی میں چھپوانا چاہتے تھے۔ مقدّمہ لکھنے میں انھوں نے سال بھر لگا دیا۔ پھر اچھے دبیز کاغذ کی تلاش میں مدّت لگی۔ اس عرصے میں وہ ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کو کلکتہ اور مالک رام صاحب کو دہلی خط لکھتے رہے اور چھپے ہوئے معرّبات کے اوراق بھیجتے رہے کہ ایسا کاغذ چاہیے۔ پھر انھیں مطبع کی تلاش شروع ہوئی۔ کسی کا انگریزی ٹائپ انھیں پسند نہیں آیا۔ تو کسی کی طباعت ان کے خیال میں ناقص ہوئی۔ غرض کہ کاغذ کے انتخاب اور مطبع کی تلاش میں ایک مدّت لگ گئی۔ میں لکھتا رہا کہ مسودہ بھیج دیجیے علی گڑھ میں چھپوا دوں گا۔ پھر ڈاکٹر صاحب دوسرے کاموں کی طرف متوجّہ ہوگئے۔ مئی ۱۹۶۸ء میں جب میں ادارۂ علوم اسلامیہ کا ڈائریکٹر مقرر ہوا۔ تو میں نے خیال کیا کہ ڈاکٹر صاحب کا مقدّمہ تو اب ہاتھ آنے والا نہیں۔ ایک مختصر سی تمہید لکھ کر کتاب شائع کرا دینی چاہیے۔ میں نے دفتر کو ہدایت کی کہ سارے مطبوعہ فرمے جو مطبوعاتِ ادارہ کے ساتھ گودام میں رکھوا دیے تھے نکلوائے جائیں۔ ایک دن معلوم ہوا کہ مطبوعات تو محفوظ رہے لیکن چھپے ہوئے فرمے فالتو اور ردّی کاغذات سمجھ کر ضائع کر دیے گئے (یا ردّی فروش کو دے دیے گئے)۔ یاد آتا ہے کہ ۲۵۰ کی تعداد میں یہ کتاب چھپی تھی ایک نسخہ نہیں ملا۔ ڈاکٹر صاحب کا نام اور اپنی ساری محنت ضائع دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم نے متن کی تصحیح، مقابلہ، اور پھر آخر میں پروف پڑھنے میں بہت محنت کی تھی اس ضیاع پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے۔ عبرت بھی ہوتی ہے اور سبق ملتا ہے کہ تحقیقی کام کرنے والے حضرات کو ضرورت سے زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہیے۔ وہ زمانہ گیا جب روڈلف گائیر ایک جرمن مستشرق نے "دیوان اعشیٰ" مرتب کرنے اور اس

کے جرمن ترجمے پر اپنی زندگی کے چالیس سال صرف کیے تھے۔ وہ یورپ میں تھا، اس لیے دیوان کا عربی متن توگب میموریل سیریز لندن نے شائع کر دیا۔ لیکن دیوان کا جرمن ترجمہ چھاپنے کے لیے انگلستان کیا جرمنی کا کوئی ناشر بھی آمادہ نہ ہوسکا۔ افسوس ہے کہ ڈاکٹر صدیقی اور قاضی عبدالودود کی بہت سی علمی کوششیں اسی انتہائی حزم و احتیاط کی نذر ہو گئیں۔

(۶۹) ڈاکٹر صدیقی کا عطیہ خواجہ عزیز الدین عزیز لکھنوی (۱۸۲۱-۱۹۵۱ء) کا کلیات فارسی (مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ ۱۹۳۱ء) اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔ مضمون "بستر غالب در حدیثِ دیگراں" مشمولہ "احوالِ غالب" شائع کردہ انجمن ترقی اردو (دہلی ۱۹۵۳ء) لکھنے میں مجھے "کلیات عزیز" سے بہت مدد ملی۔ اس کتاب میں عزیز لکھنوی کی تصویر میں نے کلیات ہی سے لے کر شائع کی تھی۔

(۷۰) "کلام انشا" مرتبہ میرزا محمد عسکری و محمد رفیع (ہندستانی اکیڈمی الٰہ آباد) یاد آتا ہے کہ الٰہ آباد میں طباعت کے وقت ڈاکٹر صدیقی نے اس پر نظر ثانی کی تھی۔ اس اڈیشن پر قاضی عبدالودود صاحب کا بہت مفصل تبصرہ رسالۂ "معاصر" میں شائع ہوا۔ اور "تذکرۂ بے نظیر" از عبدالوہاب افتخار دولت آبادی مرتبہ سید منظور علی (الٰہ آباد ۱۹۴۰ء) اب میرے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ میرا نسخہ "لطائف غیبی" (طبع اول دہلی ۱۸۶۴ء) ڈاکٹر صاحب مطالعے کے لیے لے گئے تھے۔ یہ اڈیشن جو غالب کی زندگی میں شائع ہوا بہت کم یاب ہے۔ تقریباً سو سال تک یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی۔ ۱۹۶۷ء میں قاضی عبدالودود صاحب نے "قاطعِ برہان و رسائلِ متعلقہ" میں اور خلیل الرحمن داؤدی صاحب نے "مجموعۂ نثرِ غالب اردو" میں لاہور سے اسے شائع کیا۔ یہ کتاب "افاداتِ غالب" مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی میں بھی شامل ہے جو لاہور سے ۱۹۶۹ء میں انطباع پذیر ہوئی۔ غالب کے انتقال کے بعد علیحدہ کتابی شکل میں چھاپنے کا شرف ڈاکٹر سید معین الرحمن صاحب کو حاصل ہوا جسے انھوں نے اپنے مفصل مقدمے کے ساتھ ادارۂ "الوقار پبلی کیشنز" لاہور سے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

ڈاکٹر صدیقی نے "لطائف" کا وہ نسخہ بھی مجھے دے دیا جو انھوں نے کسی خوش نویس سے نقل کرایا تھا اور جس پر ان کے قلم کی تصحیحات تھیں۔ وہ کسی زمانے میں اسے مرتب کرنا چاہتے تھے۔ بعد کو ان کا ارادہ بدل گیا۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو

کہ میں نے انھیں اطلاع دی تھی کہ قاضی صاحب اسے مرتب کر رہے ہیں۔ افسوس ہے کہ قاضی صاحب کا مرتب کردہ پورا مجموعہ جس میں قاطع برہان و درفشِ کاویانی، سوالات عبدالکریم، لطائف غیبی، نامۂ غالب، تیغ تیز، شامل ہے، ان کے حواشی و تعلیقات کے بغیر شائع ہوا۔ اُن کا ان رسالوں پر مفصل تعلیقات لکھنے کا ارادہ تھا۔ ۱۹۶۶ء میں انھوں نے مجھے اطلاع دی کہ مقدمہ و تعلیقات انھوں نے لکھنا شروع کر دیا ہے۔ لیکن پٹنے میں بعض مصادر موجود نہیں۔ میں علی گڑھ آ کر ہفتہ دو ہفتہ قیام کر کے اسے مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اس سلسلے کی ساری کتابیں قلمی ذخیرے سے اور آزاد لائبریری سے نکلوا کر ایک جگہ رکھ دیں۔ یونیورسٹی کے مہمان خانے میں ان کے قیام کا انتظام کر دیا اور ساری ضروری کتابیں قرینے سے ایک جگہ رکھ دی گئیں۔ وہ آئے اور انتظامات کو تشفی بخش پایا۔ دو دن انھوں نے ملنے ملانے میں گزارے۔ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے اجلاس میں وائس چانسلر نواب علی یاور جنگ (   ) کے ساتھ طلبا کی آویزش کا واقعہ پیش آیا۔ قاضی صاحب اس فضا میں ایسے بد دل ہوئے کہ انھوں نے سارا پروگرام منسوخ کر کے دلی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ جو کتابیں وہ اپنے ساتھ لے جا سکتے تھے لے گئے کہ مضمون وہیں مکمل کر لوں گا۔

اس وقت تو حواشی کے ۱۰ صفحے لکھ چکے تھے۔ مجھے انھوں نے دکھائے تھے۔ بڑی مفید اور علمی بحثیں تھیں۔ خیال تھا کہ دلی میں مکمل کر کے وہ مالک رام صاحب اور رشید حسن خاں صاحب کے حوالے کر دیں گے۔ جن کی نگرانی میں یہ کتاب مکتبۂ جامعہ چھاپ رہا تھا۔

ہفتے دو ہفتے کے بعد ان کا دلی سے خط آیا کہ حواشی بہت مفصل لکھنے کا ارادہ ہے اس میں تاخیر ہوگی۔ فی الحال ایک صفحے کی مختصر سی تمہید لکھ دوں گا۔ کتاب چھپ کر آئی تو ان کا لکھا ہوا "پیش گفتار" دیکھا جو صرف ۱۲ سطروں پر مشتمل تھا۔ اس سے معلوم ہوا اب کتاب دو جلدوں میں چھاپنے کا ارادہ ہے، پہلی جلد میں متن ہوگا اور دوسری میں حواشی و تعلیقات وغیرہ۔ "پیش گفتار" کی یہ سطریں پڑھنے کے لائق ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دماغ میں کتاب کی ترتیب کا کیا نقشہ تھا:

وہ لکھتے ہیں:

جلد ۱، ۲ ایک دوسرے کا جزوِ لاینفک ہیں۔ دوسری جلد میں،

غالب کے وہ حواشی ہوں گے جو انھوں نے قاطعِ برہان وغیرہ پر
لکھے تھے ، اور بعض خطوط بھی جن کا تعلق قاطعِ برہان سے ہے۔
دونوں جلدوں کا مقدمہ ، حواشی اور اشاریات وغیرہ ایک ساتھ جلد
۲ میں ہوں گی ۔ جلد ۱ اغلاط طباعت سے خالی نہیں ۔ اس کا غلط
نامہ بھی اس میں شامل ہوگا۔ کوشش کی جائے گی کہ جلد ۲ اور
باقی جلدیں اغلاطِ طباعت سے مبرا رہیں "۔

یہ کتاب ۱۹۹۶ میں چھپی۔ قاضی صاحب کی وفات ۱۹۸۴ء میں ہوئی۔ وہ اس عرصے میں دوسری جلدیں مرتب نہ کر سکے۔ مجھے افسوس ان ۱۶ صفحات کے ضائع ہونے کا ہے ۔معلوم نہیں وہ کہاں گئے اور اب کس کے پاس ہیں۔ یہ بڑے قیمتی معلومات پر مشتمل تھے۔ فی الحال ہمارے پاس ایک مکمل جلد کی جگہ ان کی لکھی ہوئی صرف ۱۴ سطریں ہیں۔

(۱) "اردوے معلّیٰ" طبع اوّل کا پہلا حصہ ۲۱ ذوالقعدہ ۱۲۸۵ھ / ۶ مارچ ۱۸۶۹ء کو غالب کی وفات کے ۱۹ دن بعد اشاعت پذیر ہوا۔ افسوس ہے کہ میرزا چھپی ہوئی کتاب مکمل حالت میں نہ دیکھ سکے۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس اس کتاب کا دوسرا اڈیشن تھا جو اردو گائڈ کلکتہ سے ٹائپ کے ٹھپّوں میں مارچ ۱۸۸۳ء میں چھپا تھا۔ اس میں سالک کی تقریظ اور مجروح کا دیباچہ حذف کر دیا گیا تھا۔

(۲) اب کچھ یاد نہیں آتا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ مصرع کیوں لکھا ہے اور کیا پوچھا ہے ۔ اس سے پہلے کا خط موجود نہیں ، شاید اس کا پہلا مصرع انھیں مطلوب ہو ۔ مکمل رباعی یوں ہے :

تا میکشؔ و جوہرؔ دو سخنور داریم   شانِ دگر و شوکتِ دیگر داریم
در میکدہ پیریم کہ میکشؔ از ماست   در معرکہ تیغیم کہ جوہرؔ دارم

میکشؔ ، احمد حسین میکش ہیں اور جوہرؔ ، منشی جواہر سنگھ خلف راے چھج مل (متوفی ۱۳۰۰ھ) ہیں۔

(۳) ڈاکٹر زبید احمد ، جو ڈاکٹر صدیقی کے متقاعد ہونے کے بعد الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ عربی و فارسی کے صدر مقرر ہوئے۔ ان کی کتاب The Contribution of India to Arabic Literature مطبوعہ جالندھر ۱۹۴۰ء دراصل وہ مقالہ تھا جس پر انھیں لندن یونیورسٹی

سے ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی تھی اس کا دوسرا اڈیشن لاہور سے ۱۹۶۰ء میں چھپا۔ اس کتاب کی اہمیت کی بنا پر اردو اور عربی میں اس کے ترجمے جمع ہوئے : شاہد حسین رزّاقی صاحب کا اردو ترجمہ ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا۔ عربی ترجمہ ڈاکٹر عبدالمقصود محمّد شلقامی نے کیا اور اسے حکومتِ عراق کی وزارتِ ثقافت و فنون نے "الآداب العربیۃ فی شبہ القارۃ الھندیۃ" کے عنوان سے بغداد سے ۱۹۷۸ء میں شائع کیا۔ دونوں ترجمے نظرِ ثانی کے بعد دوبارہ شائع کرنے کے لائق ہیں۔

(۰۴) ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری (م ۲۵۶ ھ) کی "التاریخ الصغیر" جو ہندستان میں دوبار شائع ہوئی۔ ایک بار مطبع انوار احمدی الٰہ آباد سے ۱۳۲۴ھ یا ۱۳۲۵ھ میں لیتھو پر چھپی اور دوسری بار احمد آباد سے ۱۳۲۵ھ شائع ہوئی۔

(۰۵) عبدالغنی بن سعید الازدی المصری (م ۴۰۹ھ) کی تصنیف "کتاب المؤتلف والمختلف فی اسماء الرجال" کا بہت اچھا نسخہ برٹش میوزیم میں نظر سے گزرا تھا۔ یہ ایک اہم کتاب کا ایک اہم نسخہ تھا اور ہر طرح مرتب کر کے شائع کرنے کا مستحق۔ اطلاع ملی تھی کہ مولانا نے اسے مطبع انوار احمدی الٰہ آباد سے الازدی ہی کی دوسری کتاب کے ساتھ لیتھو میں الٰہ آباد سے ۱۳۲۰ھ میں چھاپا تھا۔ مجھے اس نسخے کی تلاش تھی جو طبع الٰہ آباد کی بنیاد تھی۔ میں ادارۂ علوم اسلامیہ علی گڑھ کی طرف سے یہ کتابیں بعض اہم نسخوں کی مدد سے شائع کرنا چاہتا تھا۔

مکتوبات مولانا امتیاز علی عرشی بنام مختار الدین احمد

(۱)

اسٹیٹ لائبریری رام پور
۸ / فروری ۴۴ء

مخترمی آداب تسلیمات کے بعد گزارش ہے کہ "نامۂ غالب" کا مطبوعہ نسخہ جس کا ذکر خود غالب نے مکتوب بنام نواب خلد آشیاں میں کیا ہے، کتاب خانے میں موجود نہیں ہے۔ اغلب یہ ہے کہ نواب صاحب نے وہ نسخے ارباب علم میں تقسیم فرما دیے ہوں گے۔

مکاتیب غالب کا دوسرا ایڈیشن بحمد اللہ چھپا اور فروخت ہو گیا۔ صرف دو تین نسخے رکھ لیے تھے۔ انھی میں سے ایک وی۔ پی کرا رہا ہوں۔ پہلا ایڈیشن نایاب ہو گیا۔ اگر کبھی کہیں مل جاتا ہے تو دس روپے اور پندرہ روپے کو فروخت ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں اس کے ارسال سے معذور تسلیم کیا جاؤں۔

رامپور کا ہندوستانی پریس بھی بیحد مصروف ہے۔ مگر اب ہم اسٹیٹ پریس کے لیے شرف الدین الکتبی بمبئی کا ٹائپ بہت بڑی مقدار میں خرید رہے ہیں۔ اسی ٹائپ میں مکاتیب غالب طبع اول اور انتخاب غالب شائع ہوئے ہیں۔ ان کا نمائندہ آیا ہوا ہے، غالباً آج یا کل آرڈر دے دیا جائے۔ اس لیے دو چار روز توقف فرمائیے۔ انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ اسی ٹائپ میں آپ کی کتاب چھپ جائے۔ (۲)

آپ نے جس حسن و خوبی سے میری "آرزو" کی غلطی کو جتایا ہے، اس کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔ جزاکم اللہ: چنانچہ میں نے اپنے نسخے میں اصلاح کر لی ہے۔ امید یہ ہے کہ آپ دیگر کوتاہیوں سے بھی بلاتکلف مطلع فرماتے رہیں گے۔ (۳)

شیخ محمد اکرام صاحب کا پتا یہ ہے: 2, Queen's Garden, Poona-
ورود علی گڑھ کے واجبات سے اطلاع دی جائے تو باعث منت پذیری ہوگا۔
والسلام مع الاکرام

مخلص
عرشی

حواشی

(۱) مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری (۱۹۰۴-۱۹۸۱ء) سے کوئی پینتیس چھتیس سال خط

کتابت رہی۔ ان سے جو تعلقات فروری ۴۳ء میں شروع ہوئے وہ ان کی وفات (فروری ۸۱ء) تک قائم رہے۔ میرے نام یہ ان کا پہلا گرامی نامہ ہے۔ ان کا آخری رقعہ غالباً ۱۹۸۰ء کا لکھا ہوا ہے۔ یہاں انکے نصف صدی پہلے کے کچھ خطوط شائع کیے جا رہے ہیں جو انھوں نے غالب، متعلقات غالب اور دوسرے علمی و ادبی مسائل کے سلسلے میں مجھے تحریر فرمائے ہیں:

(۱) میں نے "نامۂ غالب" مرتب کی تھی۔ چاہتا تھا کہ ٹائپ میں چھپے اور اس کے لیے اچھے پریس کی تلاش تھی۔

(۲) دستور الفصاحت۔ مصنفہ حکیم احمد علی خاں یکتا (رام پور ۱۹۴۳ء) میں قائم چاند پوری کے ترجمے میں اس کے سال وفات پر تعلیق لکھتے ہوئے عرشی صاحب نے تحریر فرمایا تھا: "آرزو جلیلی در مقالہ کہ در مجلہ ادبی دنیا (لاہور دسمبر ۱۹۳۰ء) نشر کردہ، می فرماید کہ بعض مرگش در ۱۲۰۲ء و بعض در ۱۲۱۰ھ ہم نشان دادہ اند، لاکن بنا بر مادۂ تاریخ مستزید میاں جرأت، اغلب و ارجح این است کہ در ۱۲۰۸ھ ازیں جہاں رفت" (ص ۳۳)
میں نے عرشی صاحب کو لکھا تھا کہ ادبی دنیا میں شائع شدہ مضمون: تاریخ ادب اردو از رام بابو سکسینہ، آرزو جلیلی کا نہیں، جس کا تحریر کردہ ہے وہ آپ کی خدمت میں آج حاضر ہے۔ آرزو جلیلی صاحب بہار نیشنل کالج پٹنہ میں فزکس کے استاد تھے اور ادب کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ انگریزی زبان کے ترجمے بھی بہت اچھے کرتے تھے۔ رسالہ معیار (پٹنہ) کے نائب مدیر رہے تھے۔

(۲)

اسٹیٹ لائبریری رام پور
یکم نومبر ۴۳ء

مکرمی، آداب و تسلیمات کے بعد عرض ہے کہ ٹائپ بحمد اللہ آ گیا۔ اب تقسیم کا کام ہو گا۔ شاید دو تین ماہ میں وہ بھی انجام پا جائے۔

"مکاتیب" کی تیسری اشاعت کا کام جاری ہے۔ بڑا حصہ لکھا جا چکا، دو تین فرمے چھپ بھی گئے۔ تاہم آپ جلد از جلد اپنے شبہات لکھ بھیجیے۔ میں ان کی روشنی میں استدراک کے عنوان سے آخر میں تصحیح کر دوں گا۔ مگر میں اب بے چینی سے انتظار کروں گا۔

خطوط فارسی کا کام جاری ہے۔ اب ایک قلمی نسخے سے مطبوعہ خطوط کا مقابلہ کر رہا ہوں۔ اکرام صاحب کی کتاب کی تیسری اشاعت ابھی پریس ہی میں ہے۔ میں نے لاہور کو لکھا ہے۔ والسّلام

مخلص

عرشی

(۳)

اسٹیٹ لائبریری رام پور

۲۴ مارچ ۴۵ء

اپنے مکرم کی خدمت میں تسلیم نیاز مندانہ کے بعد گزارش کرتا ہوں کہ ٹائپ ابھی تک تقسیم نہیں ہوا ہے۔ خیال یہ ہے کہ شاید مئی سے کام شروع کریں۔ مگر مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب خانے کا کام بھی رکا پڑا ہے۔ انشاء اللہ آغاز کار پر آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔

مکاتیب کا تیسرا ایڈیشن چھپ گیا۔ اس کا ایک نسخہ آپ کی خدمت میں ہدیۃً پہنچے گا۔ مگر اس بار کی طباعت بیحد بری ہے۔ اگر کورس کی مجبوری نہ ہوتی تو میں اس داغ کو کبھی گوارا نہ کرتا۔ کیا عرض کروں۔ اس جنگ نے میرے ذوق کی وہ مٹی پلید کی ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں کیا ولولہ باقی رہ سکتا ہے۔ دل ہی دل میں کڑھتا ہوں اور رہ جاتا ہوں۔

اس زمانے میں دو کتابیں شائع کی ہیں۔ "نادرات شاہی" اور "اوراقِ گل" اول الذکر مجموعہ ہے شاہ عالم ثانی کی فارسی اردو اور ہندی نظموں کا۔ مگر ہندی حصہ اتنا زیادہ ہے کہ اسے ہندی کلام کا مجموعہ کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اس کا واحد نسخہ ہمارے یہاں تھا۔ جو غالباً بادشاہ کا اصل نسخہ ہے۔ اس کی کتابت دیوناگری اور نستعلیق دونوں خط میں کی گئی تھی۔ ان کے اتباع میں ہم نے بھی دونوں خطوں میں ہی چھاپا ہے۔ اس کی قیمت ۳/۸ (تین روپے آٹھ آنے) فی مجلد نسخہ ہے۔ اوراقِ گل، علمہ حاضر کے ۲۹ ممتاز شاعروں کے حالات اور منتخب کلام کا گلدستہ ہے، جسے ضمیر احمد ہاشمی صاحب نے مرتب کیا ہے۔ اس کی قیمت پانچ روپے فی مجلد نسخہ ہے۔ کتاب آرٹ پیپر پر چھپی ہے اور تقریباً ۴۰ بلاکوں پر مشتمل ہے۔

آپ نے میرے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ کافی ہمت افزا ہے۔ کوشش کروں

گا کہ آئندہ ہر تحریر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا کروں۔ میں آپ کا مضمون یہاں تلاش کراؤں گا، اور پڑھ کر اپنی رائے عرض کروں گا۔ آپ نے مکاتیب پر جو لکھا تھا، اس سے کسی قدر فائدہ اٹھایا۔ کچھ زیرِ غور ہے۔ شکریہ بہرحال لازم ہے اور دعائے خیر۔ بقیہ پھر۔

مخلص

عرشی

(۴)

کتاب خانہ، ریاست رام پور

۶ جولائی ۴۸ء

مکرم، میں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ خدا نکردہ پہلو تہی کی غرض سے نہ تھا۔ اس وقت بھی یہی ارادہ تھا اور اب بھی ہے کہ انشاء اللہ مصروفیت سے اجازت مانگوں گا اور کچھ نہ کچھ لکھوں گا(۱)۔ مگر آپ یہ تو فرمایئے کہ یہ غالب نمبر آپ کب نکال رہے ہیں۔ بغیر وقت کا اندازہ کیے کس طرح بتاؤں کہ کس یا کن کن موضوعوں پر کچھ لکھ سکنے کا وقت اور موقع مجھے مل سکتا ہے۔ رہا میرے بغیر کام کا ہونا رہ جانا، تو بھلا اسے کیوں کر مانوں۔ "چرچے یہی رہیں گے، افسوس ہم نہ ہوں گے" بڑے پتے کی بات ہے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حاشیہ

(۱) علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" کے لیے عرشی صاحب سے مضمون لکھنے کی درخواست کی تھی۔

(۵)

سرکار کا کتاب خانہ

رام پور

۲۹ ستمبر ۴۸ء

میرے محترم، قسم لیجیے جو ایک حرف بھی آپ کے لیے لکھا ہو۔ ادھر تو دل ٹھکانے نہیں، اس پر آج کل پچھلا کام نبیڑنا پڑ گیا ہے۔ سر کھجانے کی مہلت نہیں ملتی۔ میں نے

مالک رام صاحب مؤلف "ذکر غالب" و "سبد چین" کو اسکندریہ (مصر) خط لکھا تھا اور آپ کے غالب نمبر کے لیے یہ مضمون لکھنے کی درخواست کی تھی۔ ان کے پاس غالب کی گھریلو زندگی سے متعلق نیا مواد ہے۔ اس پر لکھ کر انشاء اللہ آپ کو ضرور بھیجیں گے۔ اگر آپ خود بھی لکھیں تو یہ ان پر مزید تقاضا ہو گا۔

مکاتیب غالب کا نیا ایڈیشن چھپ گیا۔ اس کی قیمت چار روپے فی نسخہ ہے۔ اگر آپ کہیں، تو متفرقات (۱) کے ساتھ بھیج دیا جائے۔ فارسی خط کون چھاپے۔ آپ ہی بتائیے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حاشیہ

(۱) متفرقات غالب مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی جو عرشی صاحب کی نگرانی میں ہندوستان پریس رام پور سے ۱۹۴۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

(۶)

کتاب خانہ، رام پور

۲۸ اکتوبر ۴۸ء

محترم، تسلیم

مسٹر مالک رام، ایم اے، کا مصر کا پتا ہے: پوسٹ بکس ۲۸۰، اسکندریہ، مصر۔ اس پتے سے آپ انھیں ایک خط فوراً لکھ دیجیے اور اس میں یہ بتائیے کہ فلاں تاریخ کو رسالہ شائع اور فلاں وقت تک آپ کا مضمون پہنچ جانا چاہیے۔ ان کا خط اسکندریہ سے آیا ہے، جس میں یہ باتیں انھوں نے مجھ سے دریافت کی ہیں۔ میں نے آج ہی انھیں لکھ دیا ہے کہ آپ کو میگزین کے دفتر سے براہ راست اطلاع پہنچ جائے گی۔ والسلام

مخلص

عرشی

(۷)

کتاب خانہ۔ ریاست رام پور

۱۵ دسمبر ۸۰ء

اچھا جناب۔ تعمیل ارشاد کروں گا۔ ایک تکلیف دو رنج ذرا اور سہی۔

غالب کے آثار میں ایک فارسی خط۔ ایک قطعہ۔ اور ایک اردو مخمس ارسال کروں گا۔

خدا کرے آپ کو پسند آجائے۔ والسلام

مخلص

عرشی

(۸)

کتاب خانہ۔ ریاست رام پور

۲۵ دسمبر ۸۰ء

لیجیے۔ جناب۔ پچھلے مسودے بصد ذوق بحال کر نکالے۔ اور ان میں سے کچھ حصہ نقل کرا کے آپ کے حضور میں پیش کر دیا۔ یہ آج سے تقریباً ۵۰ دس سال پہلے کی کمائی ہے۔ اس درمیان میں دوسرے کاموں کی طرف متوجہ رہا۔ اس بنا پر ان نئی تحقیقات سے بےخبری رہی جو اس بارے میں دوسرے اہل ذوق نے کی ہوں گی۔ تاہم "زبردست کا ہاتھ سر پر" والی مثل کے پیش نظر معترضوں کی سب کچھ سننے اور سہنے کو تیار ہوں۔ مگر

کون یہ دیکھ سکے، کوئی حسین روتا ہے

ہو بناوٹ سے بھی رونا، تو قلق ہوتا ہے

آپ نے ایک پرانے خط لکھا تھا کہ میں گرم و سرد زمانہ چشیدہ بوڑھا بھی آخر، مصروفیت، بیماری اور افکار کے پھندے توڑنے اور میگزین سے رشتہ جوڑنے پر مجبور ہوگیا۔

اگر پسند خاطر والا ہو۔ تو چھاپ دیجیے۔ ورنہ کالعدم۔ بہ برائش نادر۔ میگزین کا تحفہ مل چکا ہے۔ ماشاء اللہ روز افزوں ترقی ہے

کیا کیا غالب اور کیسے کیسے مضامین ہیں۔ مگر بتقاضائے مذاق مجھے آپ کی تنقید اور عزیزی ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا مقالہ ہندی ناگری پر بہت مفید اور دلچسپ معلوم ہوئے۔ آپ کو میں کیا سمجھا تھا۔ نقاد نہیں جانتا تھا۔ ماشاء اللہ۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

ڈاکٹر مسعود صاحب سے ملاقات ہے۔ تو بعد سلام فرمایئے کہ آپ نے جو دبی دبی

زبان سے اردو عروضیوں کو ہندی پنگلیوں کے ڈھرے پر چلنے کا مشورہ دیا ہے، وہ تقاضائے وقت ہے۔ اور اس کو کیا کہیے گا کہ ہندی کی یہ علامات " ۔ " ا " اردو لہجے کا ساتھ نہیں دے سکتیں۔ اردو والوں کو وہ مشورہ دیجیے جو صاحب " تحفۃ الہند " نے دیا ہے۔ یعنی ہندی بحروں کو اردو ارکان پر ڈھال دیجیے۔ اس مرحوم نے عالمگیر کے زمانے میں یہ کوشش کی تھی اور ہر ہندی بحر میں ایک فارسی شعر نمونے کے لیے کہہ بھی دیا تھا۔ بعد کے اہلِ ذوق نے اس سے کام نہیں لیا۔

میں نے چاہا تھا کہ اس حصے کا ترجمہ کر دوں اور مثال میں فارسی کی جگہ اردو شعر کہہ کر شامل کر دوں۔ مگر مہلت نہیں مل سکی۔ لٹن لائبریری میں یہ کتاب ہوگی۔ مسعود صاحب ماشاء اللہ نوجوان ہیں۔ شوق والے ہیں۔ اور شاعر بھی ہیں۔ اب کے ان سے میگزین کے لیے یہ مضمون لکھوائیے۔ والسلام

مخلص

عرشی

(۹)

اکتب خانۂ ریاست رام پور

فروری ۱۹۶۹ء

مخترمی۔ تسلیم

خدا کا شکر ہے کہ مالک رام صاحب کا مضمون آ گیا۔ (۱) مگر جناب یہ ایک ہی زبان شکریہ و شکوہ مناسب نہیں۔ پہلے ذرا دم لیجیے اور لینے دیجیے۔ میں اپنی اس کارگزاری پر مسرور ہولوں۔ بلکہ ہو سکے تو تھوڑا بہت فخر بھی کر لوں کہ سات نہیں تو دو تین سمندر پار سے غالب پر مضمون منگا دیا۔ جب اس کا نشہ کر ہو۔ تو آپ شکوے کے تلخ گھونٹ میرے حلق میں اتاریے۔ میں اس وقت ذرا بھی سنہ ذوں تو تُند گار۔ ابھی تو کسی طرح بھی اس امتحان کے لیے تیار نہیں ہوں۔

سیدھی سادی بات ہے کہ مجھے بالکل فرصت نہیں ملی اور نہ مل سکے گی کہ آپ کے رسالے کے لیے کوئی معیاری مضمون غالب پر لکھ کر بھیج دوں۔ معمولی مضمون نہ میں لکھوں گا اور نہ آپ چھاپیں گے۔ ۔۔ اگر آپ مجھے رسوا کرنے ہی کے درپے ہوں۔ اور میرے جرم

تساہل کی یہی پاداش قرار پاچکی ہو، تو برملا کہے دیتا ہوں کہ نیا مضمون پھر بھی نہ لکھوں گا۔ کئی سال پڑا ہوا ایک مضمون ہے، وہ اٹھا کر بھیج دوں گا۔ اسے آپ شوق سے چھاپ دیں۔ مگر یہ یاد رکھیے کہ بدنامی دو طرفہ ہوگی۔

یہ مضمون میں نے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن پر کئی سال ہوئے پڑھا تھا۔ بلکہ تاریخ ہی کیوں نہ بتادوں، ۱۹۳۰ء کی فروری میں، اور اس کا عنوان تھا - اردو شاعری پر غالب کا اثر "۔ ریڈیائی باتیں یا در ہوا ہوتی ہیں۔ اب فرمائیے، کیا حکم ہے۔

اسی کے ساتھ بعض تبرکات بھی ارسال کر دیے جائیں گے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حاشیہ

(۱) میرزا غالب (حالات۔ عادات۔ خصائل) یہ مضمون مجھے یکم فروری ۳۹ء کو موصول ہوا تھا۔ یہ خط جس پر تاریخ درج نہیں وسط یا اواخر فروری ۳۹ء کا لکھا ہوا ہونا چاہیے۔

(۱۰)

کتاب خانہ، رام پور

۲۰ مئی ۳۹ء

مکرم و محترم، تسلیم۔ امراؤ بیگم کے مطبوعہ خط کی نقل ارسال ہے (۱)۔ مولوی فضل حق مرحوم کے خط کی بھی نقل آپ مانگ رہے ہیں حالانکہ وہ آپ کے لکھے ہوئے صفحے پر موجود ہے۔ آپ نے اس خط کا جو حوالہ دیا ہے وہ ہے بستہ ۲۲ مثل ۴۹۸ء۔ اس حوالے سے مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید آپ کو نواب مصطفیٰ خاں بہادر شیفتہ کے خط کی نقل مطلوب ہے۔ اگر یہ خیال درست ہے تو عرض یہ ہے کہ شیفتہ کا خط بستے میں موجود نہیں ہے۔ غالباً کسی وقت میں ضائع ہوگیا۔ اگر وہ مل گیا ہوتا تو کسی نہ کسی ایڈیشن میں اس کو میں خود درج کر چکا ہوتا۔

غالب کا مخمس (۲) میں نے دہلی اردو اخبار کے پرچے مورخہ ۱۰ اپریل ۱۸۵۳ء مطابق رجب ۱۲۶۹ھ سے نقل کیا ہے۔ یہ آپ کو معلوم ہے کہ دہلی اردو اخبار آزاد دہلوی کے والد مولوی محمد باقر صاحب نکالا کرتے تھے۔ اس کی اور اشاعتوں میں غالب کے بعض فارسی قصائد وغیرہ بھی شائع ہوئے ہیں۔ مگر وہ سب مطبوعہ کلیات میں بھی موجود ہیں۔

قطعات مشتمل بر اسمے فارسی کی نقل آپ چاہتے ہیں۔ سردست ہم سب بہت مصروف ہیں۔ انشاء اللہ بوقت فرصت لکھا کر بھیج دیے جائیں گے۔ لیکن یہ تو بتائیں کہ آپ اسے غالب کی نظم ہونے کی بنا پر چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو مجھے کسی طرح یقین نہیں آتا کہ یہ قطعے غالب کے ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں آپ ہم کو زحمت ہی کیوں دیں۔

پروف ملے۔ میں نے انھیں پڑھ کر جگہ جگہ اصلاح دے دی ہے مگر وہ صرف لفظی ہوسکتی تھی۔ تاریخوں وغیرہ میں رد و بدل ہوا یا نہیں۔ اس کی ذمہ داری آپ کے کاتب اور مصحح پر ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ سب حضرات اس پتھر پر لعنت بھیج دیں۔ اگر یہ مضمون ٹائپ میں ہوتا تو اس کا پروف بھی خوبصورت نظر آتا۔ میری یہ آرزو کب پوری ہوتی ہے۔

عبدالصمد پر قاضی صاحب کا مفصل مضمون آجانے کے بعد آپ نے میرا مضمون روک کر مجھ پر احسان کیا۔ وہ بہت مضبوط اور مدلل مضمون لکھنے والے ہیں۔ اس حالت میں اتحاد رائے ہوتے ہوئے تکرار مضمون قطعاً نازیبا بات تھی۔ باقی میرے مضمون مطبوعہ کے آخر میں "عبدالصمد" عنوان کے تحت جو اقتباسات آپ نے دیے ہیں، ان میں یہ کیا ستم ظریفی کی ہے کہ میرے مضمون کا ٹکڑا بھی دے دیا ہے۔ بھلا میں کہاں ہیں اور کہاں یہ اساطین علم و تحقیق۔ خصوصاً جناب مولانا ابوالکلام کے ساتھ میرا اختلاف کیا معنے رکھتا ہے۔ یعنی جہاں سر صفحہ ان کی رائے ظاہر کی گئی ہو وہاں مجھ جیسے نا کارہ کی مخالف رائے کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔ خیر یہ بھی لطیفہ سہی۔

استاد مکرم (۳) کی خدمت میں پر ادب سلام پہنچا دیں۔ ان کا مکرمت نامہ بھی شرف صدور بلایا ہے۔ آج میں اس کا جواب لکھ کر بھیجوں گا۔

آپ نے معارف (۱) میں میرا تازہ مضمون پڑھ کر کیا رائے قائم کی۔ نیز یونیورسٹی کے اردو ڈپارٹمنٹ نے اس امر میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ والسلام

مخلص

عرشی

مکرر یہ کہ دعائے صباح کا ترجمہ منظوم آپ نے شائع کراکے اچھا کیا۔ دراصل دعاء اور یہ منظوم ترجمہ لکھنؤ کے ایک شیعہ عالم کتابی شکل میں چھپوانے کی بھی کوشش کر رہے ہیں۔
میرا عبدالصمد سے متعلق مضمون واپس ارسال فرما دیجیے۔ "معیار" (۲) کو نہ بھیجیے۔

حواشی

(۱) یہ خط علی گڑھ میگزین کے "غالب نمبر" میں شائع کر دیا گیا ہے۔

(۲) غالب کا مخمس: زنجیر آدمی رہ گئی۔ تعمیر آدمی رہ گئی۔ بھی میں نے اپنے ایک مضمون "نوادر غالب" میں شائع کر دیا تھا۔

(۳) عرشی صاحب کے مضمون "غالب کی شعر گوئی" جو، غالب نمبر میں شائع ہوا (ص ۱۰۱۔ ص ۱۲۲)

(۴) علامہ عبدالعزیز میمن (۱۸۸۸۔۱۹۷۸ء) جن کے سامنے عرشی صاحب نے ۱۹۲۳ء میں اورینٹل کالج لاہور میں زانوے تلمذ تہ کیا۔ اس تعلق سے مولانا عرشی میرے خواجہ تاش ہوئے۔

(۵) "اردو پر پشتو کا اثر" جو معدرف اور دوسرے رسائل میں چھپا۔

(۶) معیار "سہو قلم ہے"۔ "معاصر" مراد ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب کا رسالہ معیار "۱۹۳۶ء میں نکل کر اسی سال بند ہو چکا تھا۔ "معاصر" کلیم الدین احمد مرتب کرتے تھے۔ لیکن ایک عرصے تک اس کے تحقیقی مضامین کے حصول اور ان کی ترتیب قاضی صاحب کے ذمے تھی۔ میں نے انھیں لکھا ہوگا کہ آپ کا مضمون عبدالصمد کے متعلق۔ آپ کہیں تو رسالہ معاصر کو بھیج دوں۔

(۱۱)

اسٹیٹ لائبریری رام پور

۷ دسمبر ۴۹ء

مخدومی۔ تسلیم مع التکریم:

بڑا افسوس ہے کہ آپ یہاں سے واپس جاکر علیل ہوگئے تھے اور بہت شکر ہے کہ اب اچھے ہیں۔ (۱) حضرت الاستاذ کی خدمت میں سلام کے بعد عرض کیجیے کہ دیوان الھذلیین کی قسم اول کا نسخہ مطلوبہ کتابوں کے ہمراہ ضرور ارسال فرمایئے۔ بلکہ ممکن ہو تو وہ ڈاک سے پہلے بھیج دیا جائے۔ اس کے بغیر کام رکا پڑا ہے۔

روزنامچہ عبدالقادر (۲) کا نسخہ تقریباً دو سال پہلے میں نے منگایا تھا۔ اس وقت اس کے شائع کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر مصروفیت کے باعث میں جلد مقابلہ نہ کرسکا اور نا تمام کام

رہتے ہوئے بھی مالک کے اصرار پر نسخہ واپس کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ سواد اپنے ناقص حصے کی تکمیل بھی نہ کراسکا۔ اب وہ وقت ہے نہ وہ ارادے (۲)۔

فہرس الکتب العربیۃ الموجودۃ بالدار، مطبعۃ دار الکتب المصریہ بالقاہرۃ سے طلب فرمائیے یا لائبریرین، المکتبۃ الخدیویہ، قاہرہ کو لکھیے۔

حواشی

(۱) ۱۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو چند دنوں کے لیے علی گڑھ سے رام پور گیا تھا۔ عرشی صاحب کے گھر مہمان رہا۔ کتب خانہ دیکھا۔ وہاں کی کچھ مطبوعات عرشی صاحب نے مرحمت فرمائیں، کچھ خریدیں۔ پرانی کتابوں کی ایک دوکان سے کچھ اچھی نادر کتابیں مل گئیں۔ ان میں مُنیر شکوہ آبادی کے دیوان کے مجلدات بھی تھے۔ غالب کے قادر نامے کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی وہیں ملا تھا۔

(۲) چیف عبدالقادر خاں رام پوری کے روزنامچے کا ایک اچھا نسخہ کتب خانۂ رام پور میں محفوظ ہے۔ عرشی صاحب کسی زمانے میں اسے مرتّب کرنا چاہتے تھے۔ مقابلے کے لیے انھوں نے کتب خانۂ حبیب گنج کا نسخہ منگوایا تھا لیکن مقابلے کے کام میں تعویق ہوتی رہی اور صدر یار جنگ کی طلبی پر وہاں کا نسخہ انھیں واپس کرنا پڑا۔ ۱۹۳۹ء کے اواخر میں بھیکم پور میں یہ نسخہ میں نے دیکھا تو اس کے بہت مبسوط اشارات لیے اور پوری کتاب مرتّب کرنے کا ارادہ کیا۔ وہاں مولوی معین الدّین افضل گڑھی کتاب دار سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ مقابلے کے لیے رام پور گیا ہوا تھا۔ عرشی صاحب سے خط لکھ کر صورتِ حال معلوم کی۔ پیشِ نظر خط اسی کے جواب میں ہے۔

(۳) میں نے عرشی صاحب کو آمادہ کرلیا تھا کہ وہ یہ کام کریں۔ میں ان کا ساتھ دوں گا۔ آگے کے خطوط میں اس معاملے کا ذکر آتا ہے۔ بوجوہ یہ کام نہ ہوسکا۔ کئی سال پہلے مجھے معلوم ہوا کہ لندن میں اس کتاب کا ایک نسخہ محفوظ ہے جو مشہور مورّخ اِردِین کے پاس رہ چکا ہے اور جس پر ان کے نوٹس ثبت ہیں تو اسے دیکھنے کا اشتیاق بڑھا۔ اب ڈاکٹر خالد حسن قادری (لندن یونیورسٹی) کی توجہ اور محبِ گرامی ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کی مہربانی سے اس نسخے کا عکس فراہم ہوگیا ہے۔

(۱۲)

رضا لائبریری ۔ رام پور

۳۰ / مئی ۱۹۵۰ء

مخترم گرامی قدر ۔ تسلیم

آپ کا کارڈ مل چکا ہے۔ حضرت الاستاذ کے گرامی نامے کی پشت پر جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ بھی پڑھ چکا ہوں۔ ذیل میں آپ کے سوالوں کے جواب درج ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ تقریظ دیوان شیفتہ ملفوف ہے۔ میں نے اسے "پنج آہنگ" کی اشاعت ۱۸۵۳ء سے نقل کرایا ہے اور خود "دیوان شیفتہ" کے نسخے سے مقابلہ کرلیا ہے۔ اس کی ضرورت یوں پیش آئی کہ نسخۂ دیوان ۔۔۔ کرم خوردہ ہے اور اس کا پہلا ورق قدرے دریدہ ہے، جس کے باعث ناقل کو دیوان سے نقل کرنے میں دشواری ہوتی۔

۲۔ میں انشاء اللہ ۔۔۔ پر لکھوں گا۔ مگر اس کے لیے اطمینان قلب و سکون دماغ درکار ہے۔ دعا کیجیے کہ وہ میسر آئے۔

۳۔ انشاء اللہ غالب کے دو یا تین اردو خط جو نواب رام پور کے نام ہیں اور حال ہی میں دستیاب ہوئے ہیں، آپ کی خدمت میں پہنچیں گے۔

۴۔ ابھی تبصرۂ "فرہنگ غالب" تصحیح کے بعد مجھے موصول نہیں ہوا ہے۔ (۱) انشاء اللہ بہت جلد اسے دیکھ سکوں گا اور پھر آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

(۵) مکاتیب غالب کے دو نسخے اور پہلا نسخہ دیوان اردو کا کل روانہ ہوگا۔ دیوان اردو کو جسے دینا آپ زیادہ مفید سمجھیں اسے دے دیں۔

۶۔ جامعہ کو ابھی وہ کتاب مرتب کرکے بھیجنی ہے جو چھپتی (۲) میں آن کل کسی سلیقے کے کام کا نہیں رہا۔ کمزور صحت کا طالب علم ہوں۔ موجودہ بے اطمینانی نے اور کہیں کا نہ رکھا۔

۷۔ غالب کے ان نئے خطوں میں سے کسی ایک کا عکس شائع کر دیجیے۔ مگر اس کا عکس یہاں کیسے لیا جا سکے گا۔ یہاں کے فوٹوگرافر بڑے دام مانگتے ہیں۔

۸۔ اورینٹل کالج میگزین میں جو غالب کے خط کا عکس شائع ہوا ہے (۳)، وہ غالب کے قلم کا نہیں ہے بلکہ کسی نے غالب کے خط کی نقل اپنی کتاب پر کرلی تھی۔ میں نے اسے

خط یعنی مکتوب کو غالب کا بتایا ہے۔ رسم خط یعنی تحریر کو نہیں۔

یہی صورتِ حال ندیم (۰۳) میں شائع شدہ عکسوں کی ہے۔ ان سب کے متعلق میری قطعی رائے یہ ہے کہ وہ جعلی ہیں۔ ایک کو لکھنے والے نے غالب کے خط سے ملا دینے کی نسبتہً کامیاب کوشش کی ہے۔ مگر اہلِ نظر اس سے بھی دھوکا نہیں کھاتے۔

قاضی عبدالمقتدر مرحوم کے لامیہ پر حضرۃ الاستاذ کے اشارات مل چکے ہیں۔ میں اس بات کا بھی متمنی تھا کہ مزید حوالے حاصل کر سکوں گا، مگر شاید میری مذکورہ کتابوں کے علاوہ اور کہیں یہ پورا قصیدہ مندرج نہیں ہے۔ یہاں کتابخانہ رامپور میں دو مجموعوں میں مکمل اشعار مل گئے ہیں، مگر علاوہ ان اشعار کے جو میں نے دریافت کیے تھے، یا جن پر استاذ مدظلہ نے کچھ تحریر فرمایا ہے اور اشعار بھی تحقیق طلب الفاظ و فقرات پر مشتمل ہیں۔ انھیں انشاء اللہ لکھ کر حاضرِ خدمت کروں گا۔

آپ، میری طرف سے فرداً فرداً سلام پیش کر کے مکرمت نامے کی رسید سے مطلع فرما دیں۔

آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے پہلے کسی نے اس قصیدے کی شرح بھی لکھی تھی۔ کیا اس کا کہیں پتا چلتا ہے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) "فرہنگ غالب" پر قاضی عبدالودود صاحب سے تبصرہ لکھوا کر میگزین کے غالب نمبر میں شائع کر دیا تھا۔ کتابت و تصحیح کے بعد یہ اوراق اشاعت سے پہلے میں نے عرشی صاحب کو بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔

(۲) اب بالکل یاد نہیں آتا مکتوب نگار کیا کتاب مکتبۂ جامعہ دہلی کے لیے مرتب کر رہے تھے۔

(۳) داؤد رہبر صاحب کو غالب کا ایک خط ایک قلمی کتاب پر کسی کا نقل کیا ہوا ملا تھا۔ یہ غیر مطبوعہ تھا، اس لیے انھوں نے اس کا عکس اورینٹل کالج میگزین (فروری ۱۹۳۰ء) میں شائع کر دیا تھا۔ مالک رام صاحب کے خیال میں اس خط کے مکتوب الیہ صدر الصدور مولوی محمد حسن مراد آبادی ہیں۔

(۴) سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی گیاوی نے رسالہ ندیم (گیا) مرتبہ انجم مان پوری اور رسالہ ساقی (دلی) مرتبہ شاہد احمد دہلوی میں اردو کے چند خطوط چھپوائے تھے جن کے متعلق ان کا دعوی تھا کہ یہ خطوط میرزا غالب نے ان کے جد اعلیٰ سید شاہ کرامت حسین کرامت ہمدانی (۱۱۹۸ھ - ۱۲۹۹ھ) کو تحریر کیے ہیں۔ ۱۹۳۹ء میں کاشانہ ادب لکھنؤ سے انھوں نے ۲۶ خطوط کا ایک مجموعہ "نادر خطوط غالب" کے نام سے شائع کیا جس میں ۲۳ خط کرامت ہمدانی کے نام، ایک صوفی منیری کے نام اور تین صفیر بلگرامی کے نام کے ہیں۔ جناب مالک رام نے جامعہ (دلی) بابت مارچ ۴۲ء اور قاضی عبدالودود صاحب نے رسالہ "معاصر" پٹنہ (جنوری ۴۳ء) میں اس مجموعے پر تبصرے لکھ کر ثابت کر دیا کہ میرزا نے کبھی یہ خطوط کرامت حسین ہمدانی کو نہیں لکھے۔ مرتب نے غالب کے مطبوعہ خطوط کے ٹکڑے ادھر ادھر سے جمع کر کے یہ خطوط تیار کرلیے ہیں۔ کرامت کا تلمیذ غالب ہونا تو دور کی بات ہے ان کا تو شاعر ہونا ہی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ عرشی صاحب نے اس وقت تک رسالہ ندیم (گیا) میں ان کی طرف منسوب چند خطوط دیکھ کر فیصلہ کرلیا تھا کہ یہ خطوط جعلی ہیں۔

فرزند علی صوفی منیری (متوفی ۱۹۰۱ء) تلامذہ غالب ص ۲۵۸ کے نام کا خط پہلے بھی چھپ چکا ہے۔ صفیر بلگرامی (متوفی ۱۸۹۰ء) تلامذۂ غالب ص ۲۵۰ کے نام خطوط جلوہ خضر سے ماخوذ ہیں۔ خواجہ میر فخرالدین حسین سخن دہلوی (م ۱۹۰۰ء) کے نام کا خط جو "سروش سخن" سے متعلق ہے "ندیم" کے بہار نمبر ۱۹۳۵ء میں سید وصی احمد بلگرامی (م ۱۹۶۶ء) نے چھاپا تھا۔ قاضی صاحب پورے خط کو جعلی لیکن مشفق خواجہ صاحب اس کے صرف ایک پیراگراف کو مشکوک قرار دیتے ہیں (غالب اور صفیر بلگرامی (ص ۸۰)

(۱۴)

رضا لائبریری، رام پور

۲۶ جولائی ۵۰ء

برادر محترم، مخلص آپ کے ایک مکرمت نامے کا جواب میرے ذمے باقی ہے۔ اور اس سے بھی میں ابھی نہیں کرسکتا۔ "باغ دو در" (۱) پر لکھنے کا میں نے وعدہ کرلیا ہے۔ اس کے ایفا کی بھی کوشش کروں گا۔

حماسۃ البصریہ اور اس کے مولف کے بارے میں بروکلمان نے جو کچھ لکھا ہے وہ نقل کر کے بہرشتہ ارسال کر رہا ہوں۔

غالب کے خطوط بنام نواب کلب علی خاں جو حال میں دستیاب ہوئے ہیں، ان کے فوٹو بھیجنے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ سخت شرمندہ ہوں کہ ابھی تک اس کا انصرام نہ کر سکا۔ کارڈ سائز پر عکس لینے کی اجرت فی خط پانچ روپے فوٹو گرافر طلب کرتا ہے۔ اگر یہ زیادہ نہ ہو، تو آپ علوی صاحب (۲) کو لکھ کر رقم روانہ کرا دیجیے۔ میں یہاں انشاء اللہ اس کا عکس بنواتا ہوں۔

سید ابن حسن صاحب (۳) مصنف تحفہ اودھ سے میں ناواقف ہوں۔ والسلام

مخلص

عرشی

استاد سے میں نے " دیوان نُجیم " (۴) مانگا تھا۔ انھوں نے جواب تک نہ دیا۔ ذرا آپ اس طرف متوجہ کیجیے۔

عرشی

حواشی

(۱) غالب کی اس کمیاب کتاب کا ایک نسخہ مملوکہ سید وزیر الحسن عابدی، عرصے تک عرشی صاحب کے پاس رہا۔ احوال غالب اور نقد غالب کے بعد گنجینۂ غالب زیر ترتیب تھی۔ اس کے لیے عرشی صاحب " باغ دو در " مرتب کرنے پر آمادہ ہوئے تھے۔ بعد کو انھوں نے اس کا حصۂ نظم مرتب کر کے بہت مفید اور مبسوط حواشی کے ساتھ مجھے بھیج دیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ حصۂ نثر بھی وہ مرتب کر دیں۔

(۲) غالب کے ان غیر مطبوعہ خطوط کے عکس مجھے عرشی صاحب کی توجہ سے حاصل ہوئے تھے۔ پہلے علی گڑھ میگزین میں انھیں شائع کرنے کا خیال تھا۔ سید ظہیر الدین علوی (م ۱۹۶۴ء) لیکچرر شعبۂ اردو، میگزین کے منیجر تھے، مالی اور انتظامی معاملات کی دیکھ بھال ان کے ذمے تھی۔

(۳) سید ابن حسن خاں لکھنوی۔ مجد الدولہ سید نیاز حسن خاں بہادر شیر جنگ کے بیٹے تھے، جو غالباً سلطنت اودھ میں کسی ممتاز عہدے پر متمکن تھے۔ ان کی ایک غیر مطبوعہ کتاب " برہان اودھ " جو فارسی میں اودھ کی تاریخ ہے، کی طرف مرحوم ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی نے توجہ دلائی تھی۔ ابن حسن خاں کا تعلق بلگرام سے ہے۔ لیکن قیام

لکھنو کی مناسبت سے وہ لکھنوی کہلاتے ہیں۔ مذہبی موضوعات پر ان کی کچھ کتابوں کا پتا چلتا ہے۔ غالب نے ان کی نظم و نثر کی تعریف کی ہے۔ ان کے دو فارسی مکتوب بنام غالب اور غالب کا ایک خط ان کے نام مجھے ملا تھا جسے میں نے غالب کا ایک غیر مطبوعہ فارسی مکتوب کے عنوان سے اردو ادب (جولائی۔دسمبر ۱۹۵۲ء) میں شائع کر دیا تھا۔

(۴) دیوان تمیم عبد بنی الحسحاس جسے استاد مرحوم مولانا عبدالعزیز میمن نے ترتیب دیا تھا۔ یہ دارالکتب المصریہ قاہرہ سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ جواب نہ دینے کی وجہ غالباً یہ رہی ہوگی کہ اس وقت تک قاہرہ سے استاد گرامی کے پاس صرف ایک ہی مطبوعہ نسخہ آیا تھا۔

(۱۴)

رضا لائبریری، رام پور

۵ مارچ ۱۵ء

محترم۔ تسلیم

مطلع الانفس (۱) سے مطلوبہ اشعار نقل کر کے ارسال کرتا ہوں۔ ذخیرۂ ابن بسام (۲) کے جو تین حصے ہمارے پاس ہیں۔ ان میں آپ کا شاعر مذکور نہیں ہے۔ یہ از روئے فہرستِ دیباچہ حصۂ چہارم میں آتے گا۔

"المربی" کو میں بالکل نہیں پہچان سکا۔ یہ کہیں "المزنی" کی تصحیف تو نہیں ؟ (۳)

باریس کی فہرست ہمارے یہاں فارسی کی ہے۔ عربی کی نہیں ہے۔ ورنہ اس میں دیکھ کر آپ کو نمبر اور مزید تفصیل بتا دیتا۔

لامیۃ عبدالمقتدر (۴) کے آف پرنٹس ابھی مجھ تک نہیں پہنچے ہیں۔ انشاء اللہ فوراً آپ کو ایک نسخہ بھیجوں گا۔ ثقافۃ الہند میں اختلافات نسخ کو حذف کر دیا ہے۔ آف پرنٹس میں ان کا آخر میں اضافہ ہوگا۔

مخلص والا مضمون میں نے کہاں بھیجا۔ اب بالکل یاد نہیں آتا (۵) اور یاد بھی کیسے آئے۔ اس عرصے میں وہ دو حادثے پیش آئے کہ جن کی تلخی سے میں قطعاً ناآشنا تھا۔ یعنی والدہ (۶) سے ۲۱ دن بعد والد بھی (۷) رخصت ہوگئے۔ میں والدہ کے غم کو ان کی تیمارداری میں بھولا رہا۔ ان کی وفات پر معلوم ہوا کہ دونوں آج ہی رخصت ہو رہے ہیں۔ یقین کیجیے کہ ایک دم مجھ پر بڑھاپا چھا گیا۔ خدا ان دونوں کو جنت نصیب کرے۔ ماں باپ کس کے ہمیشہ

جیتے رہے ہیں جو میرے جیتے۔ میں تو بڑا خوش قسمت تھا کہ اپنی ادھیڑ عمر تک ان کی دعاؤں سے بہرہ ور ہوتا رہا، مگر یہ سب کچھ جانتے کے باوجود بھی دل چاہتا تھا کہ ابھی یہ اور زندہ رہتے۔

حضرۃ الاستاذ کہاں ہیں۔ اگر علی گڑھ ہی میں ہوں تو بتائیے تاکہ ایک کتاب کی رقم جو کتاب خانے کے ذمے واجب ہے وہ ادا کروں۔ اور دست بستہ میرا سلام کہیے اور آپ اور استاذ مدظلہ، دونوں میرے والدین کی مغفرت کی دعا فرمائیے۔

آج ہی مکتبۂ جامعہ سے مالک رام صاحب کی ذکر غالب کا نیا ایڈیشن موصول ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے تازہ ترین مواد سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ یعنی آپ کا غالب نمبر اور نادراتِ غالب۔ مگر ملا عبدالصمد کی شاگردی کو اب تک درست مان رہے ہیں اور اس بارے میں قاضی صاحب کے اختلاف کا حوالہ تک نہیں دیا۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) مطمح الانفس و مسرح التانس مصنفہ فتح بن خاقان (طبع الجوائب، قسطنطنیہ ۱۳۰۲ھ) مراد ہے۔

(۲) الذخیرۃ فی محاسن اہل الجزیرۃ تالیف علی بن بسام الشنترینی (م ۵۴۲ھ) جس کے صرف تین حصے اس وقت تک ۱۹۳۹، ۱۹۴۲، اور ۱۹۴۵ء میں قاہرہ سے شائع ہوئے اور پھر نامعلوم وجوہ کی بنا پر اس کی اشاعت کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ خدا بھلا کرے ڈاکٹر احسان عباس کا جنھوں نے ۳۵ سال کے بعد اس اہم کتاب کی ترتیب و اشاعت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا اور اندلسی شعراء و مصنفین کا یہ اہم تذکرہ مرتب کر کے ۸ حصوں میں اسے دارالثقافت بیروت سے ۱۹۷۹ء میں شائع کرا دیا۔ مجلد الرابع کا نصف اول ابھی تک مفقود ہے۔

(۳) المرلی یا المزنی نہیں میری مراد ابوبکر بن الحسن المرادی سے تھی، جس کے سات شعر کے ایک نونیہ قطعے (ندمان، ام ایان، اذان وغیرہ) کی مجھے ان دنوں تلاش تھی۔ یہ بعض مصادر میں مطارد بن قران الحنظلی (جو عرب لصوص میں شمار ہوتا ہے) کے نام سے منسوب ملا۔ دوسرے مصادر میں دوسرے شعرا کے نام۔ لسان العرب اور تاج العروس میں المرادی کے نام یہ شعر لکھے ہوئے ملے تھے۔ دوسرے مصادر سے اس کی توثیق چاہتا تھا۔

(۴) قاضی عبدالمقتدر شریحی کندی دہلوی کا قصیدہ لامیہ جو الطغرائی کے لامیۃ العجم کے جواب میں نظم ہوا تھا عرشی صاحب نے مرتب کر کے مولانا ابوالکلام کی سرپرستی میں شائع ہونے والے عربی رسالے ثقافۃ الہند (ستمبر ۱۹۵۰ء) میں شائع کرایا تھا۔ رسالے کے اڈیٹر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی (۱۸۹۰ء - ۱۹۵۹ء) نے تمہید تو شائع کی لیکن آخر کے سارے حواشی و اختلافات نسخ قلمزد کر دیے۔ عرشی صاحب کے اصرار پر انھوں نے وعدہ کیا کہ مضمون کے آف پرنٹس میں حواشی کے اضافے کر دیے جائیں گے۔ چنانچہ میرے پاس جو نسخہ ہے اس پر حواشی موجود ہیں۔

(۵) یہ مضمون جس میں انھوں نے انند رام مخلص (م ۱۱۶۴ھ) کے ۳۳ اردو شعر مختلف مصادر سے جمع کیے تھے، اشاعت کے لیے قاضی عبدالودود صاحب کو بھیجے تھے۔ انھوں نے کلیم الدین احمد صاحب کو بھجوا دیا۔ یہ مضمون اس خط کی تاریخ تحریر کے تین ماہ بعد رسالۂ معاصر (مئی ۱۹۵۱ء) میں "انندرام مخلص کے اردو شعر" کے عنوان سے اشاعت پذیر ہوا۔

(۶) عرشی صاحب کی والدہ بچھی بیگم نے بائیس سال کی عمر میں رام پور ۱۹۰۰ء میں وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ڈھائی سال تھی۔ ان کی تربیت ان کی سوتیلی ماں نے کی جنھوں نے ان کی صغر سنی ہی سے ان کی پرورش کی۔ ان کا انتقال نومبر ۱۹۵۰ء میں ہوا۔ یہاں یہی سوتیلی والدہ مراد ہیں۔

(۷) مختار علی خاں ابن اکبر علی خاں (م ۱۳۰۱ھ) نے ۸۲ سال کی عمر میں ۸ جنوری ۱۹۵۱ء کو رام پور میں وفات پائی۔

(۱۵)

رضا لائبریری۔ رام پور

۳۱ مارچ ۵۱ء

بھائی! آپ کے حسب اصرار الذخیرہ کو پھر دیکھ لیا۔ اس کی قسم رابع میں (از روئے دیباچہ) المرادی کا ذکر ہے مگر قسم رابع کی صرف پہلی جلد چھپی ہے۔ اس کی دوسری جلد میں آپ کا مطلوب مذکور ہوگا۔ لہذا ابھی انتظار فرمائیے۔ (۱)

عیار الشعراء کے پانے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ (۲) مگر تنہا خوری اچھی چیز

نہیں۔ اس کے مندرجات پر مفصل مضمون لکھ کر معاصر کے لیے بھیج دیجیے یا اردو ادب میں شائع کرائیے اور انجمن کو متوجہ کیجیے کہ اسے شائع کرے اور آپ ایڈٹ کر دیجیے۔ اگر اس کام میں دیر ہو تو اس کی نقل کا ضرور انتظام کرلیجیے۔

مخلص کا جو شعر آپ نے عیار الشعراء سے نقل کیا ہے، اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ مگر ذکا نے اس کے بعض لفظوں کو نامانوس پاکر انھیں بدل دیا ہے۔

قادر نامے کے ساتھ جو قطعات فارسی میں ہیں ان کے تصنیفات غالب میں شمار کرنے سے میں نے اس بناء پر رجوع کرلیا ہے کہ ہمارے یہاں ایک کتاب مطبع مسیحائی میں دوسری بار ۱۲۶۴ھ میں چھپی ہے۔ یہ مجموعہ ہے تین کتابوں کا۔ ۱۔ متن میں لغات سعید (منظوم) ۲۔ برحاشیہ اسمائے فارسی (منظوم) ۳۔ ان دونوں کے ختم ہوجانے کے بعد ایک مجموعہ قطعات۔ ان قطعات کے خاتمے پر یہ عبارت درج ہے: رسالہ تجنیس اللغات تصنیف ملا عبدالرحمن متخلص بہ جامی قدس سرہ السامی مصنف شرح ملا و زلیخا وغیرہ

یہ امر کہ یہ تجنیس اللغات اور قادر نامے والے قطعے ایک ہیں مقابلے سے طے ہوگیا۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کا مصنف جامی ہے اس کا کوئی ثبوت مجھے ابھی تک اور نہیں ملا ہے بجز مہتمم مطبع کے بیان کے۔

لیکن یہ یقینی امر ہے کہ ان کا غالب سے کوئی علاقہ نہیں۔ چنانچہ قادر نامے کی طباعت ۱۲۸۰ھ میں ہوئی ہے اور یہ تجنیس اللغات اس سے ۲۴ برس پہلے جامی کے نام سے شائع ہوچکی ہے۔

حضرۃ الاستاد مدظلہ، اور سید بہاء الحق صاحب (۳) کی خدمت میں سلام عرض کر دیجیے۔ والسلام

ہاں، بھائی، وزیر الحسن عابدی صاحب (۴) کا خط دو چار دن ہوئے کہ تہران سے آیا ہے۔ وہ ابھی تک اپنے کام سے فارغ نہیں ہوئے ہیں۔ غالب کے متعلق گزشتہ سال جو کتابیں شائع ہوئی ہیں، ان سب کو طلب کر رہے ہیں۔ آپ میگزین کا غالب نمبر انھیں بھیج دیجیے اور سبد باغ دو در پر مضمون مانگیے۔ یہ کتاب ان کے پاس ہے۔ ان کا پتہ یہ ہے۔ حسن عابدی، باشگاہ دانش گاہ۔ تہران۔ میں بھی انھیں اس پر آمادہ کروں گا۔ آپ یہ بھی لکھ دیں کہ اگر آپ کسی مصروفیت کی بناء پر ایسا نہ کر سکیں، تو عرشی کو اجازت دے دیجیے کہ وہ لکھ دیں۔

حواشی

(۱) الذخیرہ کی یہ جلد اب بھی مفقود ہے جیسا کہ الاستاذ احسان عباس نے پچھلے سال

عمان / اردن میں مجھے اطلاع دی۔

(۲) خوب چند ذکا کے تذکرہ عیار الشعرا، کا وہ نسخہ جو بخط مصنف ہے انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ میں منتشر اوراق کی شکل میں دوسرے کاغذات کے ساتھ ایک بوری میں مجھے ملا تھا۔ دلی کی لوٹ کھسوٹ میں انجمن کے فرش پر چودھری رحم علی الہاشمی کو بہت سے اوراق منتشر ملے تھے، انھوں نے ایک بوری میں رکھوا دیے تھے۔ میں نے جھاڑ پونچھ کر ان اوراق کو درست کر کے قاضی عبدالغفار صاحب کے حوالے کیا اور کہا یہ خوب چند ذکا کے نایاب تذکرہ شعرا، کے اوراق ہیں۔ یہ نسخہ انجمن میں اب بھی محفوظ ہے۔ ڈاکٹر نور الحسن نقوی نے نسخہ لندن کی مدد سے اسے مرتب کیا جس پر انھیں علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی تھی۔ مشفق خواجہ صاحب کی توجہ سے یہ تذکرہ انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔

(۳) سید صاحب نے علی گڑھ سے عربی میں ام اے کیا اور قانون کی یہاں سے سند لی۔ میرے معاصر اور دوست ہیں اور استاذ مرحوم علامہ عبدالعزیز میمن، ڈاکٹر سید عابد احمد علی اور مولانا سید بدر الدین علوی کے شاگرد ہیں۔ رام پور کے رہنے والے اور مولانا عرشی کے قریب کے لوگوں میں ہیں۔ میرے نام کے خطوط میں جہاں جہاں "سید صاحب" کا ذکر آتا ہے مراد یہی سید بہاء الحق صاحب ہوتے ہیں۔ سول کورٹ رام پور کے مشہور ایڈوکیٹ ہیں اور بہت اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں۔ آج کل علمائے احناف کا ایک تذکرہ اڈٹ کرنے میں مصروف ہیں۔

(۴) سید وزیر الحسن عابدی (پیپری ضلع بجنور ۲۵، دسمبر ۱۹۱۳ء لاہور ۲۹ جون ۱۹۹۰ء)

(۱۶)

رام پور
۱۳ اکتوبر ۵۱ء

برادر محترم۔ تسلیم مع التکریم۔
خدا آپ کے مقالہ تحقیقی کو حسب مراد لکھادے اور منظور کرا دے۔ آپ کی محنت اور فطری دیدہ دری سے توقع ہے کہ انشاء اللہ آپ کا مقالہ اپنی نظیر آپ ہی ہوگا۔ (۱) "بقدر الکد تکتسب المعالی" ایک حقیقت ہے آزمودہ۔

سید صاحب بحمد اللہ بخیر ہیں۔ ابھی دو ہفتے ہوئے کہ غریب خانے پر تشریف لائے تھے۔ بہت دیر تک آپ کا اور حضرۃ استاذ مدظلہ کا تذکرہ ہوتا رہا۔ وہ پریکٹس کر رہے ہیں، اور کہتے تھے کہ اس کام میں دل بھی لگ رہا ہے اور طبیعت راہ بھی دیتی ہے۔ خدا ان کو کامیاب و شاداب رکھے۔

حضرۃ الاستاذ نے ج... (۲) میں جو مضمون شروانی صاحب مرحوم (۳) پر لکھا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو سند حدیث خلیل عرب صاحب (۲) کے دادا (۴) سے ملی ہے۔ جی چاہا کہ اس نعمت کے سلسلے کو اپنے تک دراز کرلوں۔ ذرا موقع ملے تو حضرت کا ایما دریافت کر کے اطلاع دیجیے۔ یعنی یہ کہ کیا وہ صحاح ستہ کے اطراف (اول و آخر) کی حدیثیں پڑھا کر سند عطا فرما دیں گے یا نہیں۔ اگر ایسا ممکن ہو، تو دو چار دن کے لیے میں حاضر ہو کر اس فخر سے بہرہ اندوز ہوجاؤں (۵)۔

آپ نے انجمن کو آمادہ کرلیا، ماشاء اللہ۔ اب یہ بھی بتادیجیے کہ قیمہ پریس کو بھی آمادہ فرمالیا کہ وہ کم از کم میری زندگی کے اندر اس نمبر کو چھاپ دیں گے (۶)۔ اگر وہ آمادہ ہوں، تو میں انشاء اللہ "سبد باغ دو در" کے غیر مطبوعہ خطوط مرتب کرنے کی سعی کروں گا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت کو درمیان میں لاکر یہ وعدہ کر رہا ہوں۔ بہرحال میرا مضمون سب سے آخر میں رکھیے۔ اس طرح میں قیمہ پریس والوں سے دوڑ میں پیچھے نہ رہوں گا۔

آپ نے معاصر (۷) کے متعلق اشارہ کیا ہے، اسے میں پہلے ہی جان چکا ہوں، بات یہ تھی کہ مجھے یہ دیکھ کر سخت دکھ ہوا کہ اتنا اچھا پرچا جس میں قاضی صاحب کے اتنے محنت اور دیدہ ریزی کے لکھے ہوئے اس کثرت سے مضامین شائع ہوں، اس کی صورت ایسی مکروہ ہو کہ کسی کا دل دیکھنے کو نہ چاہے۔ اس کے علاوہ ویسے بھی میرا خیال ہے کہ اب اگر ہندی کے مقابلے میں یہاں آپ کو اردو کو زندہ رکھنا ہے، تو آپ کو چھپائی میں کم از کم اس کے برابر حسن تو لازمی برقرار رکھنا ہوگا، ورنہ آپ ہار جائیں گے، اور یہ ساری دوڑ دھوپ رائیگاں جائے گی۔

تو اس خیال اور اس دکھ کے تحت میں نے قاضی صاحب کو لکھا کہ یا تو آپ اس سلسلے کو روک دیجیے، ورنہ پھر شایانِ شان طباعت تک اسے پہنچایے۔ چوں کہ مجھے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضری کا موقع بہت کم ملا ہے، دور ہی سے نیاز مندی کرتا رہا ہوں، اس لیے یہ غلطی ہوگئی کہ اس رائے کو برملا پکار اٹھا۔ پھر جس شخص کو میں ایسا بے باک اور

بے لاگ نقاد بھی مانتا ہوں۔ اس کے بارے میں یہ سوء ظن ممکن نہ تھا کہ وہ کسی تنقید کو اتنا گھٹیا اور قابلِ سرزنش قرار دیں گے۔ مگر میری بد نصیبی کہ انھوں نے میرے بدنما الفاظ کے اندر میرے اخلاصِ نیت کو نہ دیکھا اور یہ لکھ دیا کہ اگر آپ کے ہم خیال ادیبوں کی کثرت رائے ہوجائے گی۔ تو معاصر خود ہی بند ہوجائے گا۔ آپ کیوں اس مشورے کی زحمت اٹھائیں۔ میں نے اس کے جواب میں یہ عرض کر دیا کہ آپ میری سابقہ گزارش کو دیوانے کی بڑ قرار دے کر معاف فرما دیں۔

مجھے یقین تھا کہ اس جواب کے بعد قاضی صاحب کا رنج دور ہوجائے گا۔ مگر میری مزید بد نصیبی کہ موصوف نے اس کے بعد مراسلت بند کر دی۔ اور پھر باوجود کئی ماہ گزر جانے کے نہ کوئی مکرمت نامہ بھیجا اور نہ اپنے مضامین کے مطالعے سے مفتخر فرمایا۔ اور کتاب خانے سے متعلق جو کام درپیش آئے ان کا سر انجام ایک اور صاحب (۸) کے سپرد کیا۔ جن سے ابھی حال ہی میں میری وساطت سے تعلق پیدا ہوا ہے۔ اس طرز عمل نے میرے دل کو اس سے زیادہ دکھ پہنچایا جتنا انھیں معاصر کو خوشنما چھاپنے ورنہ بند کردینے کی رائے سے پہنچا تھا۔ کیوں کہ یہ معاملہ ان کی ذات کا نہ تھا۔ اور یہ میری ذات کی توہین ہے۔

بھائی اپنے خدا کو گواہ کر کے عرض کرتا ہوں کہ انھیں اپنا بزرگ دوست جانتا ہوں۔ اور ان کی ہر رائے کی انتہائی قدر کرتا ہوں۔ حد یہ ہے کہ مجھے اتنا بھی گوارا نہ ہوا کہ اپنی کتابوں پر ان کی تنقید کا کوئی جواب لکھوں۔ حالاں کہ میری نادانی اب تک مجھے یہ بتاتی ہے کہ ان میں بعض جگہیں کلام کے قابل ہیں۔ اور یہ صرف اس لیے کہ میرے مسلک میں بزرگ کی بات سن لینا ہی چاہیے اور بس۔ جواب تو برابر والے کو دیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود میں "گدائے متکبر" بھی ہوں۔ اسے کسی طور گوارا نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص میری نیاز مندی کو ٹھکرائے۔ قاضی صاحب نے یہی کیا اور یہی کر رہے ہیں۔

انھوں نے جس طرح آپ کو یہ واقعہ بتایا ہوگا وہی اس کی درست صورت ہوگی۔ مگر میں نے اس کی صورت یہ سمجھی ہے جو بیان کی۔ اب اگر آپ کبھی ان سے ملیں یا انھیں لکھیں تو میری اس ناراضی کا تذکرہ کریں۔ اور اگر اس ترک مراسلت کا سبب وہ کوئی اور بتائیں۔ جو میرے علم ہی میں نہ لانا مناسب جانا ہو۔ تو میری طرف سے خوش رہنے کی معذرت کرلیں۔ کیوں کہ میں اب بھی ان کی ویسی ہی قدر و منزلت اور عزت کرتا ہوں۔

میرے اوپر مصائب کی بارش ابھی جاری ہے۔ چنانچہ پچھلے مہینے ایک ایسا صدمہ پہنچا

ہے۔ جس نے تمام سابقہ صدموں کو بھلا دیا۔ خدا سے دعا کیجیے کہ اب کرم فرمائے۔ کبھی ملاقات ہوئی۔ تو زبانی بیان کروں گا۔

حضرت الاستاذ مدظلہٗ کی خدمت میں سلام عرض ہے۔ دیگر بزرگوں اور دوستوں سے بھی سلام کہیے۔ خصوصاً رشید صاحب، عبدالعلیم صاحب، اور بدر الدین صاحب (۹) سے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) میں نے عربی میں ڈاکٹریٹ کے لیے صدر الدین علی بن الحسین البصری کا "الحماسۃ البصریہ" الاستاذ عبدالعزیز المیمنی کی نگرانی میں مرتب کیا تھا۔ پروفیسر فرینس کرینکو (کیمبرج) اس کے ممتحن تھے جنھوں نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور جرمن اورینٹل سوسائٹی کے سربراہ پروفیسر ہیلمٹ ریٹر کو لکھا کہ وہ اسے شائع کرے۔

(۲) "جمہور" ایک ہفتہ وار اردو اخبار تھا جو محمد علی روڈ بالائے قلعہ علی گڑھ سے محمد عمر خاں ثمر کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ نام ان کا چھپتا تھا لیکن ادارت کا سارا کام مولوی عبدالشاہد خاں شروانی (۱۹۱۵ء - ۱۹۸۳ء) انجام دیتے تھے۔ یہ آزاد لائبریری میں مشرقی مطبوعات کے نگراں تھے۔ اس اخبار کے صدر یار جنگ نمبر میں الاستاذ المیمنی نے مرحوم پر ایک مضمون لکھا تھا۔

(۳) شیخ خلیل بن محمد الیمانی (۱۳۰۳ھ - ۱۳۸۶ھ) ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ، جامعہ ڈھاکا اور جامعہ لکھنؤ میں مدتوں تدریس میں مصروف رہے۔ پھر وہ بھوپال چلے گئے۔ اور وہاں سے ۱۳۶۹ھ میں کراچی منتقل ہوگئے اور وہیں انھوں نے وفات پائی۔

(۴) شیخ خلیل کے دادا شیخ حسین بن محسن انصاری الخزرجی السعیدی الیمانی، الاستاذ المیمنی کے اساتذہ میں تھے جن سے انھیں حدیث کی روایت کی اجازت دہلی میں ۱۳۲۶ھ میں ملی تھی۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنی بعض قدیم تصانیف میں بھی کیا ہے۔ اپنے اساتذہ میں استاذ فقیہ، شیخ حسین بن محسن انصاری، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور شیخ محمد طیب کی رام پوری کا ذکر کرتے تھے۔ مولانا احمد حسن محدث امروہوی بھی قرآن کہتے ہیں، کہ ان کے اساتذہ میں ہیں، اگرچہ میمن صاحب کی کسی گفتگو میں کبھی مولانا کا بحیثیت استاد کے ذکر آیا ہو یہ یاد نہیں آتا۔

(۵) میں نے الاستاذ سے گفتگو کی۔ انھوں نے بہت خوشی کے ساتھ آمادگی ظاہر کی۔ میں نے عرشی صاحب کو لکھا کبھی آجائیے میں بھی آپ کے ساتھ درس میں شریک ہوجاؤں گا۔

(۶) خلیل شرف الدین مرحوم مالک مطبع قیمہ بمبئی سے طے ہوا تھا کہ "احوالِ غالب" وہ ٹائپ میں چھاپ دیں گے۔ معاملہ آگے نہیں بڑھا کہ ان کی پہلی شرط یہ تھی کہ سارے مضامین ایک ساتھ انھیں بھیج دیے جائیں اور پھر ان میں ترمیم و اضافہ نہ کرایا جائے۔ یہ ممکن نہ ہوسکا۔

(۷) یہ رسالہ سہ ماہی "معاصر" پٹنہ سے حکیم الدین احمد شائع کرتے تھے لیکن تحقیقی مضامین کی فراہمی اور ترتیب قاضی صاحب کے ذمے تھی۔ اس زمانے میں یہ رسالہ تنقیدی کم تحقیقی زیادہ ہوگیا تھا۔ اس کی کتابت و طباعت بہت معمولی درجے کی ہوتی تھی۔ اس طرف عرشی صاحب نے اپنے خط میں اشارہ کیا تھا۔

(۸) غالباً محمد علی خاں اثر رام پوری شاگرد جلیل مانک پوری و آرزو لکھنوی (۱۸۹۲ء-۱۹۶۳ء) جن کے بعض مضامین قاضی صاحب نے اس زمانے میں رسالہ "معاصر" میں شائع کیے تھے۔

(۹) مولانا سید بدر الدین العلوی، استاد شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (۱۸۹۳ء-۱۹۶۵ء) استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی کے تلامذہ خاص میں تھے۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ عربی میں مدتوں درس دیتے رہے۔ ۱۹۵۵ء میں متقاعد ہوئے۔ ان کی قابل ذکر تصانیف یہ ہیں: المختار من شعر بشار لابن التجیبی (قاہرہ ۱۹۳۵ء)، دیوان شعر ابن درید (قاہرہ ۱۹۴۶ء)، دیوان شعر بشار بن برد (بیروت ۱۹۶۵ء)۔

(۱۷)

رضا لائبریری، رام پور

۶ مارچ ۵۲ء

مکرم

ابو کمر بار کے دو صفحوں کے عکس زیر تیاری ہیں۔ یعنی مصوّر ان کی تصویر تو کھینچ لے گیا۔ ابھی بھیجے مجھے نہیں دیے ہیں۔ انشاء اللہ ان کے ساتھ ہی اس کی کیفیت بھی عرض کروں گا۔

ہمارے یہاں غالب کی کتابوں میں سے حسب ذیل کے پہلے ایڈیشن موجود ہیں:
ابر گہربار، پنج آہنگ، مہر نیم روز، قاطع برہان، درفش کاویانی، اردوے معلّٰے، تیغ تیز
عود ہندی، قادر نامہ۔

" باغ دو در " کا کام بالکل رُکا ہوا ہے۔ میں اب ہمہ تن اپنا حساب چکانے میں مصروف ہوں۔ اب سوائے اس کے اور کوئی صورت باقی نہیں کہ آپ باغ کے حصہ نظم کو قبول فرمالیں اور اس کو شایع کر دیں۔ فرمائیے کیا ارادہ ہے۔ یہ یقین کرلیجیے کہ کہیں اس حیص بیص میں حصہ نظم بھی ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ (۱)

میں نے آپ کا تصویر غالب والا مضمون بڑی دلچسپی سے پڑھا تھا۔ (۲) یہ بالکل ٹھیک ہے۔ صرف رامپور والی تصویر کے سلسلے میں آپ مکاتیب غالب کا آخری ایڈیشن دیکھ کر یہ بڑھا دیجیے کہ سرکار نے فلاں شخص کو دے دی تھی اس کے بعد اس کا پتا نہ چل سکا کہ کیا ہوئی۔

وزیر الحسن صاحب کا عرصے سے کوئی خط نہیں آیا۔ آج ہی میں نے ان کے ایک رفیق کو تہران خط لکھا ہے اور اس میں ان کے متعلق بھی سوال کیا ہے۔ استاذ مدظلہ کی خدمت میں آداب اور شیخ مامون صاحب (۳) کو بھی۔ ارشاد صاحب (۴) لکھنؤ گئے تھے۔ ۵۰، کتابوں کے عکس انھوں نے لے لیے ہیں۔ اب کہاں ہیں اس کا پتہ نہیں۔

حواشی

(۱) عرشی صاحب باغ دو در کا کام ہجوم مصروفیات کی وجہ سے مکمل نہ کرسکے۔ مرتب کردہ اوراق عرصے تک میرے پاس رہے۔ " گنجینۂ غالب " کے مسوّدات قاضی عبدالغفار مرحوم کے زمانے میں انجمن کے دفتر یا جامعہ کے پریس سے غائب ہوجانے سے دل کو صدمہ ہوا۔ عرشی زادہ کے اصرار پر میں نے مسودہ واپس کر دیا۔ انھوں نے اسے مجلۂ اردو کراچی میں ۱۹۶۹ء میں شائع کرادیا۔ اسے مالک نسخہ سیّد وزیر الحسن عابدی نے اورینٹل کالج میگزین لاہور ۱۹۶۰ء-۱۹۶۱ء میں شائع کر دیا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن تعلیقات کے ساتھ دہلی سے ۱۹۷۰ء میں انطباع پذیر ہوا۔

(۲) میرزا غالب کی تصویروں پر میرا مضمون رسالۂ آج کل (فروری ۱۹۵۲ء) میں شائع ہوا تھا۔

(۳) شیخ محمد مامون بن شیخ عبدالوہاب الارزنجانی المدنی، ایک شامی عالم جو کئی سال تک علی گڑھ کے شعبۂ عربی میں د[illegible] دیتے رہے۔ ۱۹۵۸ء میں دہلی میں انھوں نے وفات پائی۔

(۴) الاستاذ رشاد عبدالمطلب ایک مصری عالم جو برسوں الاستاذ صلاح الدین المنجد کے ساتھ

عرب لیگ کے قائم کردہ ادارہ معہد المخطوطات العربیہ میں کام کرتے رہے۔ وہ ہندوستانی کتب خانوں کے اہم عربی مخطوطات کی فلم بنانے ہندوستان آئے تھے اور یہاں مہینوں رہ کر ہزاروں مخطوطات کے مصورات انھوں نے معہد کے لیے تیار کرائے۔ علی گڑھ بھی بہت دن رہے۔ اکتوبر ۱۹۵۳ء میں ان سے قاہرہ میں ملاقاتیں رہیں ، پھر یورپ سے واپسی پر بھی اپریل ۱۹۵۶ء میں قاہرہ میں ان سے ملتا رہا۔ یہی آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ اس کے کئی سال کے بعد ان کے رفیق کار احمد سالم مصور سے ان کی وفات کی اطلاع ملی۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ۔

(۱۸)

رضا لائبریری۔ رام پور
۱۹ جنوری ۵۳ء

میرے محترم!

کام آغاز جنوری سے تقریباً رک گیا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ۸ جنوری کو ہمارے بورڈ آف ٹرسٹیز کا جلسہ قرار پایا تاکہ اگلے سال کے لیے بجٹ پر غور کر کے حکومت سے رقم لی جائے۔ ۸ تاریخ تک اس کی تیاری میں لگا رہا۔ اس کے بعد اب تجاویز کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہوں۔ چوں کہ اس نئی اسکیم میں غالباً میرا رکھنا ممکن نہ ہو، اس لیے جو کام ادھورے پڑے تھے ، ان کو ختم کرنے کے بھی درپے ہو گیا ہوں۔ یہ نہیں چاہتا کہ میرے بعد کوئی دقت محسوس ہو، اور اس کا باعث میری بے توجہی قرار پا جائے۔ دیکھیے ، کیا صورت حال رہتی ہے۔

اس کے باوجود روزانہ صبح کو ایک یا ڈیڑھ گھنٹے باغ دو در پر کام کرتا ہوں۔ اب تفصیلی نظر ڈالنے سے میں اس نتیجے تک پہنچ چکا ہوں کہ "مکاتیب غالب" جیسے حواشی کے لیے کم از کم چار ماہ درکار ہوں گے ، جو نہ آپ کے پاس ہیں ، اور نہ میرے موجودہ حالات اس کی اجازت دیتے ہیں کہ اس کام پر ۴ ماہ صرف کروں۔ اس لیے اگر آپ بھی اجازت دیں ، تو حواشی کو مختصر اور بقدرِ ضرورت شدیدہ کروں۔ فرمایئے ، کیا ارشاد ہے ؟

آپ نے اپنے ۳ ماہ رواں کے خط میں خواجہ احمد فاروقی صاحب کے متعلق دریافت کیا ہے کہ غالب کے اس خط کی نقل انھیں کب ملی ، جس میں مفتی صدر الدین خاں آزردہ کا ذکر ہے۔ تو اس کے بارے میں عرض ہے کہ پچھلے موسمِ گرما کی تعطیلوں میں وہ رام پور آئے

تھے، اور یہاں انھوں نے اردو کے پرانے خطوں کو ٹٹولا تھا۔ اسی سلسلے میں غالب کا بستہ بھی ان کی نظر سے گزرا تھا جس میں سے انھوں نے یہ خط نقل کر لیے تھے۔ غالباً یہ واقعہ آپ کے یہاں فوٹو جانے کے بعد کا ہے۔ رہا یہ امر کہ انھیں اس خط کا پہلے علم تھا یا نہیں، اور تھا تو کیسے اور کہاں سے ہوا تھا، اس بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ کے یہاں وہ دیکھ چکے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلی بار انھوں نے رام پور ہی میں دیکھے ہوں۔

میں نے اپنے بارے میں جو کچھ اس خط کے آغاز میں لکھا ہے، وہ صرف آپ کے علم میں لانے کے لیے ہے۔ کسی دوسرے تک ابھی یہ بات نہ پہنچے۔ والسلام

مخلص

عرشی

(۱۹)

رضا لائبریری، رام پور

۱۹ مئی ۵۴ء

بھائی صاحب!

اپنے دونوں کارڈوں کا جواب ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ سبد باغ دو در حصۂ نظم و نثر دونوں آپ کے لیے خاص ہوچکا۔ اب وہ آپ ہی کے زیر اہتمام چھپے گا۔ لہذا نہ فکر کیجیے اور نہ گھبرایئے، بالخصوص جب کہ آپ کو وقت بھی مل گیا ہے۔ میں بہرحال حصہ نثر بھی آپ کو بھیجوں گا خواہ اس پر حواشی لکھے گئے ہوں یا نہ لکھے گئے ہوں، اور مختصر ہوں یا مطول۔

۲۔ دستنبو کا کاتب وہی غلام فخر الدین خاں معلوم ہوتا ہے، لیکن ان کے دوسرے متعدد نوشتوں کی طرح نام اس پر بھی نہیں ہے۔ غالب نے اس نسخے کے پہلے صفحے کے بائیں اوپر کے گوشے میں یہ عبارت اس طرح لکھی ہے:

"... نامہ غالب ناکام است ... ایں نامہ را دستنبو نام است زہے پارسی بتازی نیا میختہ و سخنے از مغز جاں انگیختہ"۔

جاماہے منقوطہ کے الفاظ صحاف نے ہمارے یہاں کاٹ ڈالے ہیں۔

یہ بہت ممکن ہے کہ میرزا نے متعدد نسخے کاتب سے لکھوا کر ان کا حل لغات خود کیا ہو، یعنی اپنے قلم سے لکھنا پسند فرمایا ہو (۱)۔

۲۔ خواجہ عزیز کی عبارت کسی کتاب میں (علاوہ اکرام و مہر کے) میری نظر سے گزری ہے، مگر اس وقت یاد نہیں آتا۔ البتہ اس کا مختصر سا حوالہ کلیات خواجہ عزیز فارسی کے دیباچے میں نواب صدر یار جنگ بہادر نے دیا ہے۔ ان کے لفظ یہ ہیں:

"خواجہ صاحب کی سوانح میں غالب دہلوی سے ملاقات کا واقعہ شان رکھتا ہے۔ ۱۸۶۰ء میں اثناء سفر کشمیر میں وارد دلی ہوئے، تو غالب کی زیارت کا شوق دل میں پیدا ہوا۔ مرزا کا یہ آخری زمانہ تھا۔ پلنگ پر لیٹے رہتے تھے۔ سماعت اس قدر کم ہوگئی تھی یا کر رکھی تھی کہ لوگ بجائے بات کرنے کے کاغذ پر مطلب کی بات لکھ کر پیش کرتے اور مرزا صاحب لیٹے لیٹے جواب لکھواتے۔ یہ ہی معاملہ خواجہ صاحب سے پیش آیا۔ تحریر سے ذوق شعر محسوس کر کے مرزا نے شعر کی فرمائش کی۔ خواجہ عزیز نے یہ شعر لکھ کر پیش کیا: "مہ مصر است داغ از رشک مہتابی کہ من دارم + زلیخا کور شد در حسرت خوابی کہ من دارم" غالب کو "مہ مصر" کی ترکیب میں تامل ہوا۔ کہا "مہ مصر" نئی ترکیب ہے۔ خواجہ عزیز نے صائب کا شعر سند میں پیش کیا، تو مرزا بہت خوش ہوئے، شعر بار بار پڑھا اور تحسین بلیغ کی۔" دیباچہ ص ۳۰۵" (۲)

جن حضرات کے نام آپ نے لکھے (۳) ہیں، ان کے علاوہ میں نے اور کہیں غالب سے ملاقات کا تذکرہ نہیں پڑھا:

غالباً آمنہ خاتون صاحبہ عنقریب رام پور تشریف لانے والی ہیں (۴)۔

میں بیحد مصروف ہوں۔ آپ کو شاید یقین نہ آئے۔ مگر ہے یوں کہ جو وقت بہ ظاہر خالی گزرتا ہے، وہ پچھلی تھکن دور کرنے کی غرض سے خالی رکھتا ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور میں ایک دو ماہ کے اندر آزاد ہوگیا، تو پھر جی بھر کر کام کروں گا، اور کبھی علی گڑھ اور کبھی دلی، کبھی لاہور اور کبھی کلکتے براجا کروں گا۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) مجھے ایک صاحب سے دستنبو کا ایک نادر نسخہ ملا تھا جو میری رائے میں غالب کے

کاتب خاص نواب غلام فخرالدّین خاں فرد دہلوی (   ) کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا اور مرزا کے پاس رہ چکا تھا۔ انھوں نے پہلے صفحے پر اپنے قلم سے کتاب کا نام اور موضوع لکھا تھا:

•این روداد پانزدہ ماہہٕ / غالب ناکام است واین / نامہ را دستنبوٗ نام است / زہے پارسی نیامیختہ بہ تازی د / خوشا آئین سخن پردازی ۱۲

نسخے کے حاشیے پر انھوں نے مشکل الفاظ کے معانی لکھے ہیں اور حلّ لغات کیا ہے۔ یہ سب بخطِّ غالب ہیں۔ اسی زمانے میں مجھے معلوم ہوا کہ رام پور کے سرکاری کتب خانے میں دستنبو کا ایک ایسا ہی نسخہ ہے، عرشی صاحب سے پوچھا تو انھوں نے اس کی کیفیت لکھ بھیجی۔ یہ بھی نواب صاحب کا لکھا ہوا تھا اور حواشی پر غالب کی تعلیقات انھی کے خط میں تھیں۔ سرورق کی عبارت میں دونوں نسخوں میں معمولی سا فرق ہے۔ نسخۂ رام پور میں جیسا کہ عرشی صاحب نے اطلاع دی تھی: "زہے پارسی بہ تازی نیامیختہ سخنے از مغز جان انگیختہ" لکھا ہے جب کہ اس نسخے میں جو بہت دن میرے پاس رہا یہ عبارت ملتی ہے: "زہے پارسی نیامیختہ بہ تازی و خوشا آئین سخن پردازی"۔

یہ قیمتی نسخہ میرے ذریعے سے مالک رام صاحب کو ملا اور ان سے نوادر غالب کے ایک قدرداں کالیداس گپتا رضا صاحب تک پہنچا۔ اب یہ بمبئی میں محفوظ ہے۔

اس کے دو صفحوں کا عکس میں نے علی گڑھ میگزین کے غالب نمبر میں چھاپ دیا تھا۔

(۲) میں اس زمانے میں ان اصحاب پر معلومات جمع کر رہا تھا جو غالب کے معاصر تھے اور جنھوں نے ان سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا تھا۔ یہ مضمون "سرِّ غالب در حدیث دیگراں" کے عنوان سے احوال غالب (دہلی ۱۹۵۳ء) میں شائع ہوا۔

(۳) خواجہ غلام غوث بیخبر، میر حیدر حسن سہیل، شاد لکھنوی پیرو میر، میر صفیر بلگرامی حضرت غوث علی شاہ قلندر اور شیخ ریاض الدّین امجد۔

(۴) آمنہ خاتون لکچرر مہارانی کالج میسور (۱۹۱۸ء-۱۹۸۳ء) اس زمانے میں علی گڑھ کے شعبہ اردو میں ڈاکٹر عزیز مرحوم کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ کے لیے "دریاے لطافت" پر کام کر رہی تھیں۔

(۲۰)

رضا لائبریری۔ رام پور

۲۳ دسمبر ۵۲ء

بھائی صاحب۔ خط اور پروف ملے (۱)۔ الحمد للہ کہ آپ بخیر ہیں۔ میں بھی اچھا ہوں، مگر ہنوز امید و بیم میں گھرا ہوا۔ خیال تھا کہ نومبر میں یکسو ہوسکوں گا، مگر وہ بھی نہ ہوا۔ ۳ ماہ سے گورنمنٹ نے محلے کی تنخواہ بند کر دی ہے۔ بے تنخواہ کے کام کرنے کی عادت ڈال رہا ہوں۔ خدا استقامت عطا کرے۔

مرسلہ پروف کے سلسلے میں حسب ذیل گزارشیں پیش ہیں:

ص ۲۵: ۱۔ ہدایت اللہ کا خطاب "زریں قلم" تھا۔ اور احمد نگر میں فوت ہوا ہے۔

۲۔ میر محمد صالح ہندی میں "سجان" (باسین والمیم) تخلص کرتے تھے، اور ان کا منصب آخر میں منصدی ہوگیا تھا۔ ان کی تاریخ وفات ۵ شعبان ۱۰۶۰ھ ہے۔ مرآۃ العالم میں ۱۰۶۱ھ ضرور ہے، مگر وہ مرجوح ہے۔

ص ۲۶: ۱۔ حافظ نور اللہ کے بارے میں یہ کہنا غور طلب ہے کہ وہ عبدالرشید دیلمی کے شاگرد تھے۔ غلام محمد ہفت قلمی نے تذکرۂ خوشنویساں (ص ۹۳) یہ لکھا ہے کہ "گویند کہ در اوایل حافظ وغیرہ ازین بزرگ (یعنی شیخ نور اللہ) استفادہ کردہ اند"۔

اگر کہیں اس کا ذکر ہے تو مجھے وہ حوالہ لکھ بھیجیے گا۔ میں بھی ایک تذکرۂ خوشنویساں جمع کر رہا ہوں، اس میں لکھ سکوں گا۔

۲۔ آپ نے لکھا ہے کہ "عہد آصف الدولہ میں آئے اور یہیں کے ہو رہے" مگر جگہ کا نام نہیں لکھا۔ اس کی صراحت فرمایئے کہ لکھنؤ گئے، اور وہیں کے ہو رہے۔

۳۔ "آئے" وہ شخص لکھے گا جو لکھنؤ میں بیٹھا ہوا حافظ جی کے متعلق کچھ لکھ رہا ہو۔ آپ علی گڑھ میں بیٹھ کر "گئے" لکھیں گے۔

۴۔ یہ بات کہاں سے معلوم ہوئی کہ حافظ جی آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ گئے تھے۔ تذکرۂ خوشنویساں (ص ۹۳) میں تو عہد آصف الدولہ میں مصنف تذکرہ کا ان سے ملاقی ہونا مذکور ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ حافظ جی آصف الدولہ کے عہد سے پہلے وہاں چلے گئے ہوں۔

ص ۲۷: محمد امیر پنجہ کش کو اپنے وقت کا میر عماد نہیں بلکہ آقائے دیلمی کہنا مناسب ہے، کیوں

کہ یہ آقا کے بڑے متبع بلکہ نقال تھے۔

ص ۲۸ : محمدّ علی کو حافظ محمد علی کیوں نہ سمجھا جائے ۔ جس کے بارے میں تذکرۂ خوشنویساں میں درج ہے کہ ۔ از خوشنویسان قدیم بادشاہی ۔ خط نستعلیق بپیرایۂ آقا عبدالرشید دیلمی خوب می نوشت و در دستکاری نہایت کمال داشت (خطِ نسخ ہم می نوشت ۔ و در زمرۂ استادان میرزا جوان بخت (م ۱۲۰۲ھ یا ۱۲۰۳ھ) سرفرازی و سر بلندی داشت۔

ص ۲۹ : امام اوزاعی کا سال وفات غلط کمپوز ہوگیا ہے ۔ اسے درست فرمائیے۔

اگلے صفحے پر اپنے سوالوں کے جواب ملاحظہ فرمائیے :

مسٹر ڈرک: (۲)

لاہور کے ایک خط سے معلوم ہوا ہے کہ موصوف آج کل افغانستان گئے ہوئے ہیں۔ شاید جنوری کے ۱۰ تک یہاں آئیں۔

باغ دو در :

اس کے جواہر والے خطوں پر کام کرچکا۔ چند اسماء اشخاص ایسے رہ گئے ہیں جن کے حالات مطلوب ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب آپ کے پاس ان کے نام ارسال کر دوں گا۔ تاکہ آپ مدد کر کے حوالہ مہیا فرما دیں۔

راگ درپن :

جی ہاں ، یہ کتاب ہمارے یہاں ہے۔

سیّد صاحب :

اتفاق سے ابھی ابھی سید صاحب تشریف لے آئے تھے۔ میں نے آپ کا خط انھیں دکھا دیا۔ آپ کو سلام کہہ گئے ہیں۔ وہ آج کل ہمہ تن وکالت بنے ہوئے ہیں ۔ مجھ سے مہینوں کے بعد ملاقات ہوئی ہے۔

بھائی، آپ میرے لیے دعا نہیں کرتے۔ میں اب عافیت و سکون کے ساتھ اتنا رزق چاہتا ہوں جو مجھے تفسیر ثوری اور مکاتیب عمرؓ کا کام کرنے کے لیے زندہ و تندرست رکھ سکے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) پروفیسر رشید احمد صدیقی کی فرمائش پر مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے کے اہم

مخطوطات و نوادر پر میں نے ایک تعارفی مضمون لکھا تھا جو علی گڑھ میگزین (مرتبہ خلیل الرحمن اعظمی، آفتاب زبیری) میں چھپا تھا۔ اس مضمون کے کچھ فرمے میں نے علیحدہ سے کتابچے کی شکل میں شائع کرنے کے لیے فاضل چھپوالیے تھے۔ اس کا ایک ایک نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، قاضی عبدالودود صاحب اور عرشی صاحب کو راے اور تصحیح و اضافے کے لیے بھیجا تھا۔ پیشِ نظر خط اسی سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ یہ فرمے میں نے پروفیسر محمد شفیع صاحب کو بھی بھیجے تھے۔ انھوں نے ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین میں اپنی تمہید کے ساتھ شائع کر دیے تھے۔ میرے یورپ جانے کے بعد یہ کتابچے کی شکل میں۔ "فہرست نمایش گاہ مخطوطات و نوادر کتبخانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ" کے عنوان سے میری لکھی ہوئی تمہید، تصحیحات و استدراکات اور رشید احمد صدیقی صاحب کی دل چسپ تحریر 'علی گڑھ کے ذخیرۂ مخطوطات کی سیر' کے ساتھ شائع ہوئی تھی۔

(۲) مسٹر ڈریک کیمبرج کے ایک ریسرچ اسکالر جو ناصر خسرو کا سفر نامہ اڈٹ کر رہے تھے اور اس سلسلے میں ۱۹۵۲ء میں وہ ہندوستان اور پاکستان کے کتب خانوں کی سیر کر رہے تھے۔ یہ ہفتوں بلکہ مہینوں علی گڑھ میں رہے۔ یہاں مغربی لباس ترک کر کے قمیص اور شلوار میں رہتے تھے اور بہت اچھے معلوم ہوتے تھے۔ ۱۹۵۵ء میں میں نے انھیں کیمبرج میں تلاش کیا کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

(۲۱)

رضا لائبریری۔ رام پور

ستمبر ۵۲ء

"..... آپ کی محنت اور حسنِ ذوق کی داد میں کیا دے سکتا ہوں۔ یہ کام صاحبانِ علم کا تھا اور وہ کر چکے۔ ہاں یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس سے زیادہ اچھے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں نے سب سے زیادہ شوق سے غالب کی وہ تحریر پڑھی جو انھوں نے مظہر العجائب کے لیے لکھی تھی۔ بڑی دل چسپ تحریر ہے (۱) "۔

حاشیہ

(۱) مکمل خط اس وقت نہ مل سکا۔ احوال غالب مطبوعہ انجمن ترقی اردو کے سلسلے میں جو کچھ انھوں نے لکھا تھا وہ انجمن کے اخبار ہماری زبان (یکم اکتوبر ۵۲ء) میں شائع ہوا تھا۔

(۲۲)

رضا لائبریری ۔ رام پور

۵ دسمبر ۵۳ء

بھائی صاحب ۔ آپ کے دو لفافے آکسفورڈ کے لکھے ہوئے پے بہ پے ملے۔ قاہرہ کے جس خط کا آپ نے ذکر کیا ہے ۔ وہ غالباً باد پیمائی میں کہیں ضائع ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ بخیر و عافیت منزل پر پہنچ گئے۔ اب عزیز من ۔ ایسا دل لگا کر کام کیجیے کہ ہندوستان میں نام ہوجائے۔ آپ کو اللہ تعالی نے وہ سب کچھ عطا کر دیا ہے ۔ جو علم کو درکار ہوتا ہے ۔ اب کوئی کمی اگر خدا نہ کرے ہوگئی ۔ تو وہ آپ کی طرف سے ہوگی۔ میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے آکسفورڈی استاد آپ پر فخر کریں ۔ ہمت کے آگے یہ بات کچھ مشکل بھی نہیں ۔ صرف توفیق الٰہی ساتھ دے۔ واللہ لایضیع اجرالمحسنین۔

ہمارے یہاں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا بڑا نسخہ ہے۔ اس چھوٹے کا ذکر کسی ۔ اشتہار میں دیکھا تھا۔ مگر آج کل ہم تنگ جیب ہیں۔ بھلا کہاں سے خرید سکتے ہیں۔ آپ نے اچھا کیا کہ اپنا نام بڑے ایڈیشن کے لیے لکھوا دیا۔ میں یہ بھی نہیں کر سکتا۔

برا کلمان کا نسخہ ہندوستان میں کہاں مل سکتا ہے؟ وہاں جس قیمت پر بھی ملے ۔ خرید لیجیے۔ عربی یا دوسری زبانوں کی آپ کے مطلب کی کتابیں میں یہاں بیٹھ کر کیا بتا سکوں گا۔ اس کے لیے حضرۃ الاستاذ سے رجوع کیجیے۔ اور اگر کوئی کتاب ذہن میں آئی ۔ تو لکھوں گا۔ مثلاً اس انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا عربی ترجمہ جو مصر میں شائع ہو رہا تھا۔ سنا ہے اس پر بڑے اچھے حواشی لکھ جا رہے تھے۔ اگر وہ ملتا ہے تو ضرور خرید لیجیے۔

مجھے ابھی کوئی کتاب مطلوب ہوگی ۔ تو لکھوں گا۔ سردست کچھ ذہن میں نہیں ہے۔

آپ نے اچھا کیا کہ مجھ سے پوچھے بغیر میرے مضامین شاملِ کتاب کرلیے (۱)۔ مگر یہ برا کر رہے ہیں کہ مجھ سے ان پر نظر ثانی کی خواہش رکھتے ہیں۔ آزمائے کو آزمائے ۔ اسے خدا شرمائے ۔ یہ کہاوت شاید آپ کو یاد نہیں۔ خواجہ حافظ شیرازی نے اسی کے مترادف الفاظ لکھے ہیں: من جرب المجرب ۔ حلت بہ الندامۃ ۔ بھائی ۔ میں سچ مچ ۔ بیحد مصروف ہوں۔ آپ کے خطوط پاکر خطوط جوہر پر نظر ثانی کی ٹھان رہا ہوں۔ انشاء اللہ انھیں دیکھ کر جلد آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔

دستنبو پر نوٹ بھی لکھ کر بھیجوں گا۔ مگر آپ جلدی نہ کریں۔ رہا غالب کے آثار موجودہ

کتاب خانہ پر لکھنا، تو بھائی، سردست یہ ممکن نہیں۔ اور اب وعدہ کرتے ڈرتا ہوں۔ بہت سے وعدے بے ایفا کے پڑے ہوئے ہیں۔

اب آپ علی گڑھ والی بات کے متعلق سنیے۔

۱۔ بھائی، میں اس کتاب خانے کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ یہاں کوئی ذمہ دار آدمی مجھ سے اس کا چارج نہ لے لے۔ ورنہ آپ یقین فرمائیں کہ یہ آدھا تو خیر نہیں، ایک چہار، ضرور خورد برد ہوجائے گا۔ اور اگر میں نے اپنے ذاتی فائدے کے پیش نظر اسے چھوڑنا پسند کیا ہوتا، تو یہ تقسیم ہند کے بعد کے پانچ چھ سال یہاں کسی طرح نہ گزارتا، بلکہ کبھی کا یہاں یا وہاں اپنے لیے کوئی نہ کوئی اچھی راہ نکال کر بیٹھ گیا ہوتا، مگر اس کتاب خانے کی بہبود نے کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہونے دیا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ تو اب آپ ہی بتائیے کہ حالات ابھی تک وہی ہیں، پھر یہ کس طرح زیب دے گا کہ میں آج وہ کام کرلوں جسے چھ برس تک برابر ناپسند کرتا رہا۔

۲۔ میں رام پور کے کتاب خانے کو چھوڑ کر پھر ہندوستان میں رہنا نہیں چاہتا بلکہ یہ خواہش اپنے اندر پال رہا ہوں کہ دو تین سال کے لیے مصر و شام وغیرہ میں گزاروں اور اپنی تین چار عربی کی نا تمام تالیفات کو پورا کرلوں۔ عمر برابر بڑھ رہی ہے، اور کام کے دن گھٹ رہے ہیں۔ اگر میں نے یہ سب کچھ چھوڑ کر انھیں پورا نہ کیا، تو یہ ارمان دل میں لے کر مرجاؤں گا۔ اس لیے آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ دل کے اس عزم کو کیسے آنکھیں دکھا دوں، باقی، کسی ارادے کی تکمیل مقدور بشر سے باہر ہے۔ اس لیے ارادۂ خداوندی جب یہی ہوگا کہ میں اس سرزمین بے آئین میں مرکھپ کر رہ جاؤں اور کچھ نہ کرسکوں، تو سرِ تسلیم خم کردوں گا۔

۳۔ میں شروع سے تدریس و تعلیم سے متنفر رہا ہوں۔ کبھی اس کام کو نہ دل چاہا اور نہ کبھی کبھار نجی طور پر اسے انجام دیا۔ نہ تو ادھر رغبت ہوئی۔ اب کہ عمر کا راہوار عشرۂ پنجم کو تمام کرنے کو ہے، اس کام کو کس طرح دلچسپی کے ساتھ کروں گا۔ اور جو کام دل چسپی سے نہ کیا جائے، وہ کسی مدح و ثنا کا مستحق نہیں ہوتا۔ اور میں اس خیال کا ہوں کہ جو کام آپ بہترین طریقے سے نہیں کرسکتے، اسے دوسرے کے لیے چھوڑ دیجیے۔

۴۔ میں رام پور میں ۳۱۰ رُپے ماہوار پاتا ہوں۔ یہاں اپنا گھر ہے، اور تمام سہولتیں میسر ہیں۔ علی گڑھ میں ۳۵۰ میں کس طرح گزر بسر کرسکوں گا۔ وہاں تو میرے لیے کم از کم ۵۰۰ رُپے درکار ہیں، تب رام پور کے ۳۱۰ کے برابر شاید سہولت میسر ہوجائے۔ اسی لیے یہ بھی میرا سوچنا

درست نہیں کہ میں علی گڑھ چلا جاؤں۔

ان سب حالات کے پیشِ نظر آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اور آپ کی اس محبت کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، جس نے آپ کی نظر میں مجھے اتنا اچھا کر کے دکھایا ہے کہ آپ مجھے ارزنجانی صاحب کی جگہ دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا و آخرت دونوں میں شاد و بامراد رکھے۔ والسلام

اکبر علی سلمہٗ کے وظیفے کے بارے میں ابھی تک مجھے کچھ معلوم نہیں ہوا ہے۔

مخلص

عرشی

حاشیہ

(۱) "گنجینۂ غالب" میں اشاعت کے لیے عرشی صاحب کی بعض تحریرات کا انتخاب کیا تھا، چاہتا تھا کہ وہ ان پر نظرِ ثانی کر دیں۔

(۲۳)

رضا لائبریری۔ رام پور

۲۶ دسمبر ۱۹۵۳ء

برادر گرامی مرتبت، سلّمکم اللہ تعالیٰ!

دستنبو پر نوٹ ملفوف ہے۔ خدا جانے کیوں، لیکن اب جی چاہ رہا ہے کہ غالب کے آثار پر بھی ایک مضمون لکھ کر بھیجوں۔ دعا کیجیے کہ توفیق مل جائے (۱)۔

خطوط بنام جوہر (۲) انشاء اللہ شروع ماہ جنوری میں ارسال کر سکوں گا اور اسی کے ساتھ باغِ دو در کا نظم والا حصہ بھی۔

"الامثال السائرۃ من شعر المتنبی للصاحب بن عباد" (۳) انشاء اللہ ثقافۃ الھند کے اب کے پرچے میں آ رہی ہے۔ دوسرا حصہ اس کے بعد چھپے گا۔

کیا اچھا ہوتا، اگر آپ اپنے استاد پروفیسر گب (۴) سے میرے کام کے متعلق پوچھتے کہ ان کی نظر میں کیا کیا نقائص رہ گئے۔ یہ چیز آپ کے اور میرے دونوں کے لیے مفید ہوگی۔

استدعا ہے کہ وہاں کے کام کرنے والوں کے متعلق اپنے تاثرات مجھے برابر لکھیے۔ کبھی نہ کبھی آپ کے یہ خط میرے کام کے ہوجائیں گے (۵)۔

اسکندریہ سے مالک رام صاحب کا خط آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ وہاں ایک رات کے لیے ان سے ملنے گئے تھے۔ آپ سے مل کر وہ بہت خوش ہوئے اور آپ کو بڑے کام کا آدمی پایا۔ خدا کرے آپ ان کی توقعات سے زیادہ مفید قوم و ملک ثابت ہوں۔ (۶)

اکبر آیا ہوا ہے (۷)۔ وہاں دس روپے ماہوار وظیفہ مل گیا۔ فیس میں بھی رعایت ہوگئی ہے۔ گھر میں آپ کی سی توجہ اس کے حق میں کہاں سے لاؤں۔ خیر دیکھا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) دونوں مضامین زیر ترتیب مجموعہ "گنجینۂ غالب" کے لیے مطلوب تھے۔

(۲) "باغ دو در" میں غالب کے خطوط بنام جوہر

(۳) الصاحب بن عباد، وزیر فخرالدولہ دیلمی کا یہ رسالہ متنبی کے ان اشعار کا مجموعہ ہے جو ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ رسالہ مجلہ ثقافۃ الہند (دہلی) کے شمارے دسمبر ۱۹۵۳ء اور مارچ، جون، ستمبر ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔

(۴) مشہور مستشرق پروفیسر سر ہملٹن گب، لوڈین پروفیسر آف عربک اوکسفورڈ یونیورسٹی جنھیں عرشی صاحب کی بعض تحریریں میں نے دکھائی تھیں۔

(۵) میں نے ڈھائی تین سال کے عرصے میں قاہرہ، دمشق، بیروت، ترکی، اوکسفورڈ، بلجیم، لائیڈن، جرمنی، فرانس سے پچاسوں خط لکھے ہوں گے۔ جو انھیں ملے بھی۔ وہ مجھے نہیں معلوم کہ محفوظ رہے یا نہیں۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ نے تلاش کرنے کا وعدہ کیا تھا ان کی اچانک وفات (۶ اکتوبر ۱۹۹۰ء) سے پورا نہ ہوسکا۔

(۶) وسط اکتوبر ۱۹۵۴ء میں قاہرہ سے لندن جاتے وقت اسکندریہ جا کر مالک رام صاحب سے ملاقات کی تھی اور ایک رات ان کے ساتھ گزاری تھی۔

(۷) اکبر علی خاں تعلیم کے لیے علی گڑھ آکر شاید انٹر میڈیٹ کی کلاس میں داخل ہوئے تھے۔

(۲۴)

رضا لائبریری ۔ رام پور
۱۲ مارچ ۵۴ء

بھائی صاحب، میں ان دنوں بیحد و بیحساب مصروف رہا، اور بلکہ اب تک ہوں۔ عرصے سے دو وعدے چلے آ رہے تھے، ایک نہج البلاغہ پر مقالہ لکھ کر ماہر القادری کو بھیجنے کا اور دوسرا آصف فیضی کے ادارۂ تحقیقات اسلامی بمبئی کے لیے دیوان غالب اردو ایڈٹ کرانے کا، جب کسی طرح راہِ فرار باقی نہ رہی، تو میں نے اللہ کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔ چنانچہ بحمد اللہ تعالیٰ نہج البلاغہ پر مقالہ لکھ کر بھیج دیا۔ طبع ہوجائے، تو آپ کی خدمت میں بھی پہنچے گا۔ بھائی، میری کنج کاوی کی اگر داد نہ دی، تو بڑا ظلم ہوگا۔ حالات سازگار نہ ہوتے ہوئے بھی کہاں کہاں سے مندرجات نہج البلاغہ کے متقدم حوالے تلاش کیے ہیں، اس کا اندازہ بس آپ جیسے ہی لگا سکتے ہیں۔ انشاء اللہ زمانے نے مہلت دی، تو اس مقالے کا دوسرا حصہ بھی مرتب کروں گا۔ کبھی میں یہ بتاؤں گا کہ مضامین نہج البلاغہ شیعی عقائد کے خلاف اور اہل سنت کے مطابق ہیں۔ مگر ابھی اس کام کے لیے ایک سال تک وقت نہیں ہے (۱)۔

دیوان غالب کو آج چوتھا دن ہے، جو ہاتھ میں لے لیا ہے۔ ۳۱ مارچ ۵۴ء تک متداول دیوان کا تمام معتبر نسخوں سے مقابلہ کر کے بھیج دینا ہے۔ اس کے بعد وہ اشعار مرتب کروں گا، جو صرف نسخۂ حمیدیہ میں پائے جاتے ہیں، اور بعد ازاں وہ شعر جو یا تو ابھی تحقیق طلب ہیں، یا کسی نہ کسی وجہ سے رتبے میں بلند نہیں ہیں۔ اس دوسرے حصے کے ساتھ ایک مفصل دیباچہ ہوگا، اور اختلاف نسخ پر، نیز تشریح اشعارِ سقیم شاعر پر مباحث ہوں گے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام تک پہنچا دے (۲)۔

اب خطوط جوہر کی سنیے۔ میں نے ابھی تک اس خیال سے انھیں آپ کے پاس نہیں بھیجا کہ اگر یوں ہی نامکمل حالت میں بھیجتا ہوں، تو وعدہ خلافی بھی ہوگی، اور بدنامی بھی۔ اور تکمیل کے لیے وقت درکار ہے۔ انشاء اللہ ۳۱ مارچ یعنی دیوانِ غالب حصہ اول کی ترتیب و تصحیح کے بعد اس کتاب کو شروع کردوں گا، اور کوشش کروں گا کہ جلد از جلد تکمیل کر کے آپ کے پاس ارسال کردوں۔ اس درمیان میں حصۂ نظم اور جو خطوط مشرح ہوچکے ہیں، وہ روانہ کرتا ہوں، تاکہ آپ کو کام کا اندازہ ہوسکے۔ اس سلسلے میں آپ اپنی رائے سے بھی مطلع فرما دیجیے گا۔ تاکہ میں آپ کی ہدایت کو اپنے لیے مشعل راہ بناؤں (۳)

کتاب خانے کے حالات ڈانواں ڈول ہیں۔ چنانچہ انھی وجوہ سے اب میرا یہاں دل نہ نہیں لگتا۔ دیکھیے، نئے سال حسابی پر کوئی صورت جمعیّت خاطر کی نکلتی ہے یا نہیں۔ مولانا ابوالکلام نے میری عربی ناتمام کتابوں کی فہرست طلب کی ہے۔ ابھی تک انھیں خط نہیں لکھ سکا ہوں۔ ممکن ہے کہ ان کی وساطت سے مصر تک پہنچ جانے کا سامان میسر آجائے۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔

میں نے سنا ہے کہ مالک رام صاحب کی ہندوستان کو بدلی ہو گئی، اور وہ جون یا جولائی تک واپس ہو رہے ہیں۔ خدا کرے مسند احمد بن حنبل یا ان کی سیرت پر کام کرنے کا انھیں موقع مل سکے۔

جام جہاں نما (۴) میں غالب پر جو چیزیں ملی ہوں گی، وہ بہت قیمتی ہوں گی۔ فارسی خطوط میں کئی جگہ اس اخبار کا حوالہ ہے۔ اگر آپ کہیں تو وہ مقام لکھ بھیجوں۔ آپ وہاں کے فائلوں میں ڈھونڈ کر اصل اخبار سے ان اطلاعوں کی تصدیق فرما دیں۔ بہرحال میں نگار میں آپ کا مضمون پڑھنے کی کوشش کروں گا۔

آپ کو یہ سن کر بیحد افسوس ہو گا کہ مولانا عبدالمالک آروی کا انتقال ہو گیا (۵) یہ بڑے صاحب ذوق اور نکتہ رس عالم تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ اور ان کے بچوں کا کفیل ہو۔ آمین۔

الامثال السائرہ والا مضمون بعد تکمیل مسٹر گب کو روانہ کروں گا، اور خط کے ذریعے رائے مانگوں گا۔ ادھر آپ کو بھی مطلع کروں گا تاکہ ممکن ہو تو آپ بھی بطور احسن تقاضائے مشورہ کر دیں۔

غالب پر شوکت سبزواری کا ایک مقالہ ماہ نو کے فروری نمبر میں شائع ہوا ہے۔ اس وقت سامنے نہیں ہے۔ انشاء اللہ اس کے بعد اس کا خلاصہ لکھوں گا۔

میں یہ چاہتا تھا کہ آپ اپنے اوقاتِ فرصت میں وہاں کے اشخاص وغیرہ پر مجھے خط لکھتے رہیں۔ جب وہاں سے انشاء اللہ واپس ہوں گے تو یہی خط ایک جگہ جمع کر لیجے گا اور یہی آپ کے تاثرات اشخاص سفری مرتب ہوں گے۔ ویسے بغیر یادداشتوں کے باتیں درست صورت میں کہاں یاد رہتی ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے کام کے اوقات ضائع ہوں۔ یہ میں کبھی بھی نہ چاہوں گا۔

معاصر شائع ہو گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ کی خدمت میں بھی پہنچ چکا ہو گا۔ ماہ نو کا پرچہ مل گیا۔ شوکت صاحب کے مضمون کا عنوان ہے: "غالب کے اردو کلام کی اشاعت۔ اس میں انھوں نے غالب کے دیوان اردو کی پانچ اشاعتوں کا ذکر کیا ہے۔ ۱۔ دیوان مطبوعہ ۱۸۴۱ء ۲۔ مطبوعہ ۱۸۴۷ء ۳۔ مطبوعہ جولائی ۱۸۶۱ء مطبع احمدی شاہدرہ ۴۔ مئی ۱۸۶۲ء مطبع نظامی کانپور ۵۔ مطبوعہ مطبع مفید الخلائق آگرہ ۱۸۶۳ء

اس مقالے میں انھوں نے دو باتیں میری اصلاح کی بھی لکھی ہیں۔ پہلی یہ کہ "عرشی صاحب کی ایک تحریر سے پتا چلا کہ اس اشاعت میں (یعنی نظامی پریس والی) چند اشعار کا اضافہ کیا گیا تھا، لیکن مجھے اس میں شبہ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے ثابت کیا ہے کہ اضافہ نہیں ہوا۔ مگر اللہ کے بندے نے یا تو دیوان نمبر ۳ سے دیوان نمبر ۴ کا مقابلہ کر لیا ہوتا یا ان کے پاس یہ دونوں نہ تھے، تو مجھ سے خط لکھ کر دریافت کر لیا ہوتا۔

دوسری بات یہ لکھی ہے کہ "عرشی صاحب نے حواشی مکاتیب غالب میں لکھا ہے کہ شیوزائن کا نسخہ سرورق کی تاریخ کے مطابق ۱۸۶۳ء میں لکھا جانا شروع ہوا اور غالباً اس سال میں چھپ بھی گیا مگر یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ اس نسخے کی کتابت اور طباعت ۶۱ء میں شروع ہوتی اور ۶۳ء میں یہ تکمیل کو پہنچا۔" ان کے اس بیان سے واقعی میری اصلاح ہوئی۔ میں نے صرف سرورق کو دیکھ کر یہ رائے قائم کی تھی۔ جس پر ۱۸۶۳ء چھپا ہوا ہے۔ مگر غالب نے ۱۰ جنوری ۶۲ء کے خط میں خود شیوزائن مالک مطبع کو لکھا ہے کہ میں نے تمھارا بھیجا ہوا فرما پانے سے پہلے مطبع احمدی میں طباعت کی اجازت دے دی تھی۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیوان غالب ۶۱ء میں آگرے میں طبع ہونا شروع ہو گیا تھا۔ مگر غالباً پہلا فرما سرورق والا ۶۳ء میں سب فرموں کے بعد چھاپا گیا۔ اس لیے اس پر ۶۳ء لکھا گیا ہے۔ اکبر علی سلمہٗ علی گڑھ سے نام کٹا کر واپس آ گیا۔ وجہ اس کی خرابی صحت تھی۔ اب دیکھیے۔ اگلے سال کہاں داخلہ لیتا ہے یا نہیں۔ خیال اس کا یہ ہے کہ مشرقی پنجاب سے ادیب کامل پاس کر کے وہاں انگریزی میں بی اے کر لے مگر مجھے یہ بھی دشوار نظر آتا ہے۔

لوزاک کی تازہ فہرست میں دو کتابیں زبان و ادب کے عنوان کے تحت لکھی ہیں، اور ہر ایک کی قیمت ۴، ۴ شلنگ بتائی ہے۔ آپ انھیں خط لکھ کر ہدایت کر دیجیے کہ میرے نام وی۔ پی کر دیں، اور یہ ممکن نہ ہو تو آپ قیمت ادا کر کے روانہ کرا دیں۔ نام یہ ہیں:

1. A Basic Arabic Vocabulary for Foreigners.
2. An Arabic Reader; both issued by the Middle East Centre for Arabic Studies, 4s. each

[عرشی]

حواشی

(۱) یہ مقالہ "نہج البلاغہ کا استناد" کے عنوان سے ماہرالقادری کے رسالۂ فاران کراچی کے

شمارہ مئی ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا۔ اس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ نہج البلاغہ دراصل سیّد رضی کی تصنیف ہے، انھوں نے یہ خطبات خود لکھ کر مولیٰ علی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ عرشی صاحب نے اس مضمون میں دکھایا ہے کہ اس کتاب کی متعدد عبارتیں سیّد رضی سے قبل کے مصنّفین بھی حضرت علی سے منسوب کرتے آئے ہیں۔ اس مضمون کا دوسرا حصّہ غالباً لکھا نہیں جا سکا۔

(۲) دیوان غالب، یہ کام آصف علی اصغر فیضی کے مقرّر کیے ہوئے وقت پر مکمل نہ ہو سکا، اس لیے ادارہ تحقیقات اسلامی بمبئی سے شائع نہ ہو سکا۔ اسے انجمن ترقّی اردو ہند نے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ اس کتاب پر عرشی صاحب کو ۱۹۶۱ء میں اردو کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ تفویض ہوا۔ نسخۂ عرشی کا نقش ثانی ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو مکمل ہوا اور ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا۔

(۳) باغ دو در کا حصّہ نظم اور کچھ خطوط مرتّب کرکے مرحوم نے مجھے انگلستان بھیج دیے تھے اور میں نے پڑھ کر اپنی رائے لکھ بھیجی تھی۔ زیر ترتیب کتاب "گنجینۂ غالب" میں اشاعت کے لیے میں ان سے "باغ دو در" مرتّب کرا رہا تھا۔

(۴) برٹش میوزیم لندن میں مجھے "جام جہاں نما" کی ایک فائل ملی تھی۔ اس کی اطلاع میں نے عرشی صاحب کو دی تھی۔ بعد کو مجھے اس اخبار پر بہت مفصّل اشارات تیار کرنے کا موقع مل گیا۔ یہ اشارات میرے کاغذات میں اب بھی محفوظ ہیں۔ اب تک ان کی اشاعت کا موقع نہیں ملا۔

(۵) مولانا عبدالمالک آروی (م ۱۹۵۳ء) اپنے عہد کے مشہور مضمون نگار اور مُصنّف تھے۔ نگار (لکھنؤ) میں ان کے کثرت سے مضامین چھپے ہیں۔ آرہ ضلع شاہ آباد میں مقیم تھے۔ اور وہیں انھوں نے اپنا علمی و ادبی ادارہ "طاق بستان" کے نام سے قائم کیا تھا جہاں سے ان کی متعدد کتابیں شائع ہوئی تھیں۔

(۳۵)

رضا لائبریری۔ رام پور

۱۰ اپریل ۵۳ء

عزیزم۔ میرا خط مل گیا ہوگا۔ باغ دو در کا حصّۂ نظم ارسال کر رہا ہوں۔ جوہر کے نام

کے خط بھی ساتھ بھیجتا، مگر اس وقت انھیں دیکھا۔ تو ۴۰۲ جگہ استفہامی علامات نظر آئیں۔ چونکہ وہ مقامات دو چار دن کی تلاش سے حل ہو جائیں گے اس لیے بقیہ اوراق روک لیے۔ آپ کو حصہ نظم پا کر قدرے اطمینان بھی ہو جائے گا۔ اور میں بھی ایفائے عہد کے بارے میں تھوڑا بہت ہلکا ہو جاؤں گا۔

اگر ممکن ہو تو انڈیا آفس کے کتاب خانے سے غالب کے، سرور کے تذکرے (۱) سے اشعار نقل کر کے بھیج دیجیے۔ یہ رسالہ معیار اور آپ کے میگزین کے غالب نمبر میں چھپ چکے ہیں، مگر میں ڈرتا ہوں کہ ان کے ناقل نے غلطی نہ کی ہو۔ یہ بات کوئی نئی نہیں ہے، خود میں سہواً الفاظ بدل دیا کرتا ہوں اور بعد میں مقابلے کے وقت حیرت میں رہ جاتا ہوں کہ کس طرح یہ تغیر کر دیا تھا۔

اور اگر غالب کے کچھ نئے اردو شعر میگزین کی اشاعت کے بعد جس قدر ہاتھ آئے ہوں تو وہ بھی مع حوالہ لکھ بھیجیے میں آج کل دیوان غالب اردو، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے لیے مرتب کر رہا ہوں۔

یہ بتا دوں کہ یہ کوئی نیا کام نہیں ہے بلکہ انتخاب غالب کی اشاعت کے متصل بعد میں نے آصف فیضی صاحب سے وعدہ کر لیا تھا، وہ ٹلتا رہا خود فیضی صاحب ہندوستان سے باہر رہے۔ اب انھوں نے سخت تقاضا کیا اور بتایا کہ حکومت ہند نے اس کی طباعت کے لیے جو رقم دی ہے، اسے جلد خرچ کر دینا ضروری ہے چنانچہ مجبور ہو کر اور کوئی راہ گریز نہ پا کر میں نے اس کام کو ہاتھ میں لے لیا۔ انشاء اللہ ایک دو ماہ میں ختم ہو جائے گا۔

ہاں، بھائی ذرا اس کی بھی جستجو کیجیے کہ غالب نے اپنے کسی انگریز دوست کو تو دیوان اردو مطبوعہ یا قلمی کا کوئی نسخہ لندن تو نہیں بھیجا (۲) اگر پتا چلے، تو مجھے بتائیے کہ کب کا نوشتہ یا مطبوعہ ہے۔

آسی مرحوم نے جو غزلیں غیر مطبوعہ کہہ کر غالب کے نام سے چھاپی ہیں، ان میں کی ایک ابھی الحمرا (۳) میں ایک عظیم آبادی شاعر کے نام سے چھپی ہے۔ کیا آپ کو اس کا اور اس کے ماخذ کا علم ہے؟ میں نے حامد علی خاں مدیر الحمرا، کے توسط سے صاحب مقالہ کو خط لکھا ہے۔ دیکھیے کیا جواب دیتے ہیں۔

دوسری غزل "بنایا ہوتا" ردیف کی، غالب کے خسر معروف دہلوی کی ہے۔ ان دو باتوں نے مجھے ان کی دوسری غزلوں کی طرف سے بھی بے حد مشتبہ کر دیا ہے۔ خدا کرے ان

کا کوئی موافق یا مخالف حوالہ مل جائے ۔ والسلام

آپ کا عرشی

حواشی

(۱) تذکرۂ عمدۃ المنتخب مؤلفہ اعظم الدولہ نواب میر محمد خاں سرور دہلوی (م ۱۲۵۰ھ) مراد ہے جس کا ایک نسخہ لندن میں اور دوسرا پیرس میں محفوظ ہے۔ اس سے قاضی عبدالودود صاحب نے غالب کے ۱۹ شعر رسالۂ معیار (۱۹۳۶ء) میں اور میں نے وہیں سے علی گڑھ میگزین غالب نمبر میں شائع کیے تھے (ص ۱۰۳)۔

(۲) برٹش میوزیم اور انڈیا آفس میں دیوان اردو کا کوئی قلمی نسخہ مجھے نہیں ملا۔ ان کے بعض رسالے بعد کو ۱۹۵۵ء میں مانچسٹر میں ملے جو مرزا نے کرنل جارج ولیم ہملٹن کو بھیجے تھے ۔ یہ دہلی کے کمشنر تھے اور دہلی سوسائٹی کے سرپرست۔

(۳) "الحمرا" لاہور کے حامد علی خاں (سابق مدیر ہمایوں) شائع کرتے تھے۔ اس وقت یاد نہیں آتا کہ کس عظیم آبادی شاعر کے نام سے "الحمرا" میں مذکورہ غزل چھپی تھی۔

(۲۶)

رضا لائبریری ۔ رام پور

۱۰ جون ۵۳ء

عزیزم، سلمہ اللہ تعالیٰ

مودّت نامہ اور کتابیں ملیں، شکریہ قبول کیجیے۔ مگر آپ نے ہدیۃً بھیج کر آئندہ کے لیے مجھے محتاط کر دیا ۔ بزرگوں سے سنا تھا کہ ہدیہ بے طلب ہوا کرتا ہے اور فرمائش پر قیمت لینا ضروری ہے۔ خیر چونکہ آپ وہاں مصروف ہیں اگر مجھ جیسے فرمائش کار کا منہ اس طرح بند نہ کر دیتے تو بڑی مشکل میں پڑ جاتے۔

خطوط بنام جوہر اب تک مل چکے ہوں گے مگر رجب علی خاں ارسطو جاہ اور چند دوسرے اصحاب کے حالات کی جستجو ہے۔ مہر صاحب کو لکھا تھا، انھوں نے وعدے کے باوجود ابھی تک ان کے حالات نہیں بھیجے۔ یہ بتائیے کہ باغ دودر کا حصہ نظم بھی ابھی ملایا نہیں اور پسند آیا یا نہیں۔

دیوان غالب اردو کے لیے آپ نے نیا مسالا نہیں دیا ۔ اگر ہو سکے تو وہاں ذکا یا سرور کے تذکرے سے اشعار نقل کر بھیجیے۔ یوں تو آپ یہ شعر چھاپ چکے ہیں، مگر مجھے ان کے الفاظ

پر شبہہ ہے ۔ آپ خود یہ تذکرہ دیکھ کر شعر لکھیں گے تو مجھے زیادہ وثوق پیدا ہو جائے گا۔

یہ سن کر آپ کو بے حد قلق ہو گا کہ نسخہ حمیدیہ مطبوعہ کی اصل بھوپال سے غائب ہو گئی ۔ لائبریرین کہتے ہیں کہ نواب صاحب کے کتاب خانے میں منتقل ہو گئی اور خود نواب صاحب فرماتے ہیں کہ وہ وہیں حمیدیہ لائبریری سے غائب ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (۱)

فاران کا مئی کا شمارہ آپ کو ملا یا نہیں ۔ ملا، تو آپ نے نیّج کا مقالہ پڑھ کر دیکھا یا نہیں ۔ اگر دیکھ لیا ہو تو اس کے اغلاط بتائیں۔ میں نے اس کا ترجمہ کسی انگریزی رسالہ میں شائع کرانا طے کیا ہے ۔ آپ کس رسالے کو تجویز کرتے ہیں ۔ اگر وہاں کوئی علمی رسالہ اتنے بڑے مضمون کو چھاپنے کو آمادہ ہو جائے تو کیا کہنا۔

رمضان کا موسم بحمد اللہ غنیمت گزرا ۔ آخر میں کچھ گرمی بڑھ گئی تھی ۔ پھر بھی آپ کے طرح ہم غنیمتِ باردہ نہ پا سکے۔

ذرا وہاں تو پتا چلائیے کہ انڈیا آفس یا برٹش میوزیم میں دیوان غالب اردو یا فارسی کا کوئی نسخہ خطیہ ہے یا نہیں اور غالب نے کسی انگریز کو تحفہ دیا ہو، تو بعید نہیں۔

شوکت صاحب (۲) کا مضمون اتنا اہم نہ تھا ۔ اس میں صرف ایک یا دو باتیں قابل لحاظ تھیں اور وہ بھی میری اور ایک اور صاحب کی غلطی سے متعلق ۔

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) نسخہ حمیدیہ کی گم شدگی کی اطلاع سب سے پہلے عرشی صاحب ہی نے مجھے دی تھی۔ سن کر بہت رنج ہوا۔ یہ نادر نسخہ افسوس کہ اب بھی مفقود ہے۔

(۲) ڈاکٹر شوکت سبزواری (میرٹھ ۱۹۰۵ء۔ کراچی ۱۹۷۳ء)

(۲۷)

رضا لائبریری ۔ رام پور

۱۲ اکتوبر ۵۳ء

بھائی صاحب،

آپ کے دو خطوں کا جواب میرے ذمے ہے۔ اور ایک پیکٹ کی رسید بھی (۱)۔ وہ

حصہ باغ دو در، جو آپ نے واپس کیا ہے، مجھے مل گیا۔ مشوروں پر عمل کروں گا مگر کب اس کا علم مجھے خود بھی نہیں (۲) کام میں کام نکل رہا ہے اور میری مصروفیت بڑھتی جا رہی ہے۔

مکرمی آصف فیضی صاحب سے برسوں سے وعدہ تھا کہ دیوان غالب، اشعار نسخۂ حمیدیہ ایڈٹ کر دوں گا۔ اب وہ شدت سے تقاضا کر رہے ہیں۔ خدا کی قدرت کہ اس عرصے میں دو ایسے قلمی نسخے ہاتھ آ گئے کہ جی باغ باغ ہو گیا اور غزلیات کی تاریخی ترتیب میں مزید سہولت پیدا ہو گئی۔ ان کا کام بھی ختم کے قریب ہے۔ نظرثانی کر رہا ہوں۔

... صاحب نے جو خطوط مرتب کیے ہیں، وہ حواشی کے لحاظ سے گویا کچھ بھی نہیں۔ کہیں کہیں معمولی باتیں لکھ دی ہیں۔ بھائی سچی بات یہ ہے کہ تمھارے عرشی کی طرح اب خود مجھ سے بھی محنت نہیں ہو سکتی۔ یہ بڑے کام کا آدمی تھا۔ اگر زمانہ سازگار ہوتا مگر افسوس کہ:

نہ بخشندہ شاہے کہ بارم دہد   مہر بار یکے پیل بارم دہد

اب ہالینڈ والے خط سے متعلق باتیں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ جمہرۃ الاسلام (۳) پر کام کرنا مبارک ہو۔ عجائب الاشعار (۴) پر سخاء اللہ صاحب کا مقالہ میں نے بھی کہیں پڑھا ہے، مگر کہاں یہ یاد نہیں آتا۔ ادارۂ معارف اسلامیہ کی رودادوں اور اورینٹل کالج میگزین کے پچھلے آٹھ دس سال کے فائلوں میں بھی نہیں ملا۔ میں آج ہی احمد حسن صاحب کو خط لکھ رہا ہوں۔ ان سے سب کچھ پوچھوں گا اور آپ کو جواب سے مطلع کروں گا...

۲۔ الذخیرہ (۵) کا جس قدر حصہ مصر میں چھپ کر ہم تک پہنچ چکا ہے، اس میں مجید (۶) کا ذکر نہیں ہے۔ عماد الدین اصفہانی کی کتاب ہمارے یہاں ہے نہیں (۷) ورنہ اس کا حوالہ بھی دے دیتا۔ شذرات اور مرآۃ الجنان اور تاریخ کامل وغیرہ میں مجید کا ذکر نہیں ہوا۔ اب آپ اس کی تاریخ وفات کو سامنے رکھ کر وہاں کے نوادر مخطوطات تاریخی میں تلاش کیجیے۔

۳۔ نہج البلاغہ والے مقالے میں اس خطبے کی تخریج موجود ہے، جس کا آغاز حمد کے بعد "ان افضل ما توسل بہ المتوسلون" سے ہوتا ہے۔ بقیہ کے متعلق اس وقت یاد نہیں آتا کہ ان کے حوالے مجھے ملے تھے یا نہیں۔ چونکہ یہ نہج کے خطبات میں داخل نہیں ہیں، اس لیے اگر نظر سے گزرے بھی ہوں گے تو میں نے پروا نہ کی ہوگی۔ بہر حال آپ کلینی کی اصول الکافی دیکھیے۔ وہاں ضرور ہوں گے۔

۴۔ حضرۃ الاستاذ نے خدا جانے کس مجموعے میں شیرازیوں (۸) کے اشعار دیکھے تھے۔ میں جب تک ایک ایک مجموعے کو نہ دیکھ ڈالوں، مثبت و منفی کوئی بھی جواب نہیں دے سکتا۔

اچھا بھائی، یہ تو بتائیے کہ وہاں حضرت ثوری کی تفسیر کا نسخہ بھی ہے یا تابعین و تبع

تابعین میں سے کسی اور صاحب کی تفسیر کا کوئی نسخہ موجود ہے۔ نیز کیا قدیم تاریخوں میں سے (طبری سے متقدم تاریخیں مراد ہیں) کوئی ایسی کتاب ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خطوط و خطبات جمع ہوں۔

سید صاحب (۹) بخیر ہیں اور آپ کو جواباً سلام کہتے ہیں۔ بھائی مولانا والی بات راز کی ہے (۱۰) کسی سے بھی آپ نہ کہیں۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) ایک خط انگلستان بھیجا گیا تھا اور دوسرا لائیڈن (ہولینڈ) سے۔ بعض علمی مسائل کے سلسلے میں۔ پیکٹ میں برل پریس (یورپ میں عربی کتابوں کا مشہور اور قدیم ترین ناشر) کا کوئی مطبوعہ کتاب ہوگی یا لائیڈن یونیورسٹی لائبریری کے کسی مخطوطے کا عکس۔

(۲) مرزا غالب کی نو دریافت شدہ تصنیف "باغ دو در" کے تحشیہ و تعلیق کے بارے میں کچھ گزارشات پیش کی تھیں۔

(۳) مسلم بن محمود الشیزری کی کتاب جس کا واحد نسخہ لائیڈن یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے اور جس پر میں ڈاکٹریٹ کے لیے آکسفورڈ میں کام کر رہا تھا۔

(۴) یہ بھی الشیزری کی تالیف ہے جس کا نسخہ منحصر بفرد ایڈورڈ کالج پشاور کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس میں احمد حسن صاحب ناظم کتب خانہ کا مقالہ تو میں نے دیکھ لیا تھا لیکن ذکا اللہ صاحب کا مضمون مجھے آج تک نہیں مل سکا۔

(۵) دیکھیے مکتوب ۱۴ کا حاشیہ ۲ -

(۶) ابن ابی الشخباء العسقلانی (م ۴۸۲ھ)

(۷) خریدۃ القصر و جریدۃ اہل العصر

(۸) "شیرازیوں" نہیں - "شیزریوں" کے اشعار ایک مجموعے میں الاستاذ المیمنی نے دیکھے تھے۔ یہ مجموعہ اس وقت نہیں ملا۔ یورپ سے واپسی کے بعد رام پور جا کر دیکھا۔ اس کا عکس میرے پاس محفوظ ہے۔

(۹) سید بہاء الحق صاحب ام اے علیگ

(۱۰) مولانا ابوالکلام وزیر تعلیم و ثقافت حکومت ہند۔

(۲۸)

رضا لائبریری۔ رام پور
۲۰ فروری ۵۹ء

بھائی صاحب میں جو بھی فیصلہ کروں گا، وہ مشورے کے بعد کروں گا۔ چونکہ آپ بھی میرے مخلص دوست ہیں اس لیے آپ بھی مشیروں کی فہرست میں داخل ہیں۔ آپ کے ساتھ ہی ذاکر صاحب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب اور خواجہ غلام السیدین صاحب بھی سرفہرست ہیں۔ بظاہر یہاں ہی رہنا ہے۔ لیکن رام پور یا علی گڑھ اس کے بارے میں سردست کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔

کل ۱۹ فروری کو بورڈ آف ٹرسٹیز کی میٹنگ تھی۔ مگر آمد شاہ ایران کے باعث دہلی کے ۳ ممبر نہ آسکے، اور کورم پورا نہ ہونے کے باعث جلسہ ملتوی ہو گیا۔ اس جلسے میں یہ طے کیا جاتا کہ موجودہ عملے میں سے کون کون شخص لیا جاتا ہے اور کس اسامی اور کس گریڈ پر۔ بہرحال، امید ہے کہ مارچ کے پہلے ہفتے میں یہ طے ہو جائے گا۔

آپ کراچی جائیں (۱) تو حضرۃ الاستاذ صاحب سے تمام معلومات مہیا کر کے آیئے گا۔ یعنی مجھے وہ کس گریڈ پر بلا رہے ہیں، اور آیندہ کیا توقعات ہیں۔ مگر بھائی جان یہ بات ان پر ظاہر نہ ہو۔ آپ اپنی طرف سے بات نکال کر معلوم کرنا۔ (۲)

مولانا (۳) کی تفسیر کھٹائی میں پڑ گئی۔ انھوں نے ابھی تک سورۂ فاتحہ سے آگے نظرثانی بھی نہیں کی ہے۔ اور شاید تیسری جلد ابھی تک مکمل بھی نہیں ہوتی ہے۔ بےچارہ ناشر بھی پریشان ہے۔ دیکھیے، کیا ہوتا ہے۔

دیوان غالب میں نے مکمل کر کے بھیج دیا تھا۔ اسے ایک سال کے قریب ہو گیا۔ ناشرین کا تقاضا تھا کہ دیباچہ بھی ارسال کروں۔ میں نے جواب دیا کہ میں اصل کتاب کے پروف دیکھ لینے کے بعد دیباچہ اور انڈکس وغیرہ مرتب کروں گا۔ سردست علالت کے باعث مجبور ہوں۔ انھوں نے شاید اپنی انجمن کے اصول میں لچک پیدا کرنا نہ چاہی۔ میں نے مزید اصرار پر لکھ دیا کہ اگر آپ بغیر دیباچہ وصول کیے طباعت نہیں کر سکتے تو مسودے کو پھاڑ کر پھینک دیجیے۔ اس کے بعد سے مجھے کچھ خبر نہیں کہ اس سلسلے میں کیا ہوا ہے۔ (۴)

خدا کرے آپ کا زبانی امتحان کامیاب رہا ہو۔ (۵) قصیدۂ جیش بیش میرے پاس محفوظ ہے۔ آپ کی واپسی پر ارسال کر دوں گا۔

صحت ابھی تک درست نہیں ہے۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) عرشی صاحب کا یہ خط مجھے ٹیوبنگن (جرمنی) میں ملا جہاں میں اوکسفورڈ کے مقالہ علمیہ کو آخری شکل دے رہا تھا۔ انھیں لکھا تھا کہ امتحان شفوی (وائیوا) سے اوکسفورڈ میں فراغت کے بعد جرمنی، ترکی اور پاکستان ہوتا ہوا علی گڑھ پہنچوں گا۔ کہ ۲۱ اپریل ۵۶ء کو مجھے علی گڑھ میں موجود ہونا ہے۔ اس تاریخ کو یونیورسٹی تعطیل گرما کے لیے بند ہو رہی تھی۔ فرینکفرٹ میں پروفیسر ھیلمٹ ریٹر اور ڈاکٹر زیلہایم اور ترکی میں احمد آتش اور O.Reshcher سے ملاقات طے ہو چکی تھی۔ وہاں سے کراچی میں پروفیسر ابوبکر احمد حلیم سے ملنے اور استاذ عبدالعزیز میمن کی پابوسی کے بعد علی گڑھ پہنچنا تھا۔

(۲) الاستاذ، عرشی صاحب کو جامعۂ کراچی کے شعبۂ عربی میں بلانا چاہتے تھے۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ میں کوئی اہم منصب بھی ان کے ذہن میں تھا۔

(۳) مولانا ابوالکلام کی تفسیر کی تیسری جلد کی تیاری کا علم مجھے عرشی صاحب کے اسی خط سے ہوا۔ میں نے مولانا غلام رسول مہر صاحب سے اس کی تصدیق چاہی، یہ بات ان کے علم میں نہ تھی۔ اس پر مجھے ایک گونہ حیرت ہوئی۔ اب مجھے یاد نہیں رہا کہ تفسیر کی تیسری جلد کا ناشر کون تھا۔

(۴) فیضی صاحب کے ادارۂ تحقیقات اسلامی (بمبئی) سے یہ دیوان نہ شائع ہو سکا اس لیے کہ وہ دیوان کے متن کے ساتھ ساتھ دیباچہ، اشاریہ وغیرہ سبھی کے مسودات ایک ساتھ چاہتے تھے۔ دیوان پروفیسر آل احمد سرور صاحب کے عہد میں انجمن سے شائع ہوا۔

(۵) میرا زبانی امتحان اواخر جنوری ۵۶ء میں ایشمولین میوزیم کے ہال میں ہوا۔ زبانی امتحان کے لیے پروفیسر آربری کیمبرج سے تشریف لائے تھے۔ میرے نگراں سر ہملٹن گب ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) جا چکے تھے دوسرے ممتحن کی حیثیت سے پروفیسر A.F.L.Beaston شریک ہوئے جو اس وقت پروفیسر گب کی جگہ لوڈین پروفیسر مقرر ہوئے تھے اور جن کی نگرانی میں میں نے مقالہ مکمل کیا تھا۔

(۲۹)

رضا لائبریری۔ رام پور
یکم اپریل ۵۸ء

مکرمی تسلیم

مجھے بے حد بے چینی سے دیوان غالب (۱) کے عکس کا (۲) انتظار ہے۔ اختلاف نسخ

کو عنقریب پریس جانا ہے ۔ بغیر آپ کے پاس سے دیوان کے آئے ، یہ کام مکمل نہیں ہو سکتا(۳)۔ لہذا وقت ضائع نہ فرمائیے اور سب کام چھوڑ کر پارسل بھیجیے ۔ والسلام

مخلص

عرشی

حواشی

(۱) پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور میں دیوان غالب اردو کا ایک قدیم اور قلمی نسخہ محفوظ تھا (جو اب بالفعل وہاں دستیاب نہیں) اس پر ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مرحوم نے " دیوان غالب کا ایک نادر قلمی نسخہ " کے عنوان سے ماہ نو (جولائی ۱۹۵۳ء) میں ایک تعارفی مضمون لکھا تھا جو بعد کو ان کی کتاب " چند نئے اور پرانے شاعر" (لاہور ۱۹۶۵ء) اور اطراف غالب (لاہور ۱۹۶۸ء) میں بھی شامل ہے یہ ان کے مجموعہ مضامین " مخزن (نئے اور پرانے) " حصہ دوم (لاہور ۱۹۸۱ء) میں بھی اشاعت پذیر ہوا ہے جس کا ایک نسخہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کا مرحمت کردہ جس پر ان کے دستخط اور تاریخ ۲۴ اپریل ۸۲ء درج ہے ، میرے پاس اب بھی محفوظ ہے۔ دیوان کے اس نسخے پر سال کتابت درج نہیں ۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں : تمام قرائن بتاتے ہیں کہ یہ نسخہ ۱۸۵۱ء میں مدون ہوا ہو گا" قاضی عبدالودود صاحب نے اس مخطوطے پر جو مضمون مخطوطہ دیوان غالب لکھا ہے وہ نقوش (اکتوبر ۵۸ء) میں عنوان " متفرقات " کے تحت شائع ہوا۔ مولانا امتیاز علی عرشی کے مرتب کردہ دیوان غالب شائع کردہ انجمن ترقی اردو کی اشاعت (علی گڑھ ۱۹۵۸ء) کے مقدمے میں اس کا ذکر ملتا ہے اور دیوان کے دوسرے ایڈیشن (دہلی ۱۹۸۲ء) میں انھوں نے اس نسخے سے بہت کام لیا اور اس کے کوائف کی تفصیل اپنے مقدمے میں لکھی ہے ۔ شیخ محمد اکرام مرحوم کی نظر سے یہ نسخہ گزرا ہے لیکن اس سلسلے میں ان کی کوئی تحریر میری نظر سے نہیں گزری۔

(۲) ڈاکٹر سید عبداللہ اور شیخ محمد اکرام کی نظر سے دیوان کا اصل نسخہ گزرا تھا ۔ قاضی صاحب نے سرسری طور پر اسے دیکھا تھا۔ ان کے اور عرشی صاحب کے مقالے کی بنیاد ان دو عکسوں پر ہے جو ۱۹۵۸ء کے اوائل میں ان کے لیے تیار کرائے گئے تھے۔

(۳) قاضی عبدالودود صاحب دیوان کی دو عکسی نقلیں بنوا کر لاہور سے لائے تھے ۔ عرشی

صاحب کے لیے جو عکسی نقل انھوں نے بنوائی تھی وہ مجھے دے گئے کہ میں رام پور بھجوا دوں۔ یہ کچھ دنوں تک میرے زیر مطالعہ رہی۔ ایسی قیمتی چیز کا ڈاک سے بھیجنا میں نے مناسب نہیں جانا۔ اس زمانے میں عابد رضا بیدار صاحب علی گڑھ میں ہمارے شعبۂ عربی و اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کر رہے تھے۔ ایک موقع پر وہ رام پور جانے لگے تو یہ عکس میں نے ان کے ذریعے عرشی صاحب کو بھجوا دیا۔ ان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ ۵ اپریل ۵۸ء کو عکس انھیں مل گیا تھا۔ عرشی صاحب نے نسخۂ عرشی طبع اول (۱۹۵۸ء) کے دیباچے میں قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا ہے: "آخر میں تمام ارباب علم و ادب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میری مدد کی ہے بالخصوص جناب قاضی عبدالودود صاحب (پٹنہ) کا جنھوں نے نسخۂ شیرانی اور نسخۂ لاہور کے فوٹو لاکر دیے۔"

(۳۰)

رضا لائبریری۔ رام پور

۶ اپریل ۵۸ء

مکرمی تسلیم

کل عابد رضا خاں صاحب نے دیوان غالب کے عکس پہنچا دیے۔ انھیں دیکھ کر سخت افسوس ہوا۔ کاش یہ مجھے اب سے ایک سال قبل مل گئے ہوتے(۱) اس کی قراءتیں غیر متداول اشعار کے سلسلے میں متن کے اندر رکھنے کی تھیں۔ خیر آئندہ اشاعت کی نوبت آئی تو اس کی تلافی ہو سکے گی۔ اس وقت تو اختلاف نسخ میں ان کا ذکر کر دوں گا۔

خدا کرے آپ کے یہاں کا مسئلہ حسب دلخواہ حل ہو جائے والسلام

احقر

عرشی

حاشیہ

(۱) اس زمانے میں زیروکس کا رواج نہ تھا، مخطوطات کے فوٹو بنتے تھے جو گراں ہوتے تھے۔ پھر ایک دوسرے ملک پیشگی زر بھجوانا اور فوٹو بنوانا بھی ایک مشکل کام تھا۔ خود قاضی صاحب کلیات مصحفی (نسخۂ کیفی) اور دوسرے مخطوطات کے عکس کے

لیے برسوں کوشش کرتے رہے اور کامیاب نہ ہو سکے۔ قاضی صاحب اگر دسمبر ۵۷ء میں لاہور نہ جاتے اور عکس بنوا کر اپنے ساتھ نہ لاتے تو شاید ہمیں برسوں ان عکوس کا انتظار کرنا پڑتا۔ قاضی صاحب کے خطوط جو اس وقت سامنے ہیں، ان میں اس مسئلے کا ذکر ملتا ہے:

کراچی ۲۰ دسمبر ۵۷ء

"دیوان غالب نسخۂ شیرانی کا عکس ۱۸۰ روپوں میں آئے گا اور ایک سے زیادہ کی فرمایش ہو جب بھی کمی نہ ہو گی۔ ایک عکس عرشی صاحب کے لیے لیا جا چکا ہے" (میں دیوان غالب کا ایک عکس اپنے لیے بنوانا چاہتا تھا۔ نسخۂ شیرانی کا عکسی اڈیشن اس وقت تک شائع نہیں ہوا تھا۔ اسے مجلس ترقی ادب نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا اور نسخۂ لاہور کا عکس تو اس وقت غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر بھی کسی نے شائع نہیں کیا)

کراچی ۱۳ جنوری ۵۸ء

"عرشی صاحب کے لیے جو عکس لیا گیا ہے وہ ابھی لاہور ہی میں ہے۔ وہاں پہنچوں گا تو ملے گا۔ میں لاہور اور دہلی میں دو دن قیام کروں گا اور اس کے بعد علی گڑھ آؤں گا وہاں بھی ایک آدھ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہے۔ فی الحال دو چار دن کے بعد یہاں روانگی کا خیال ہے۔"

پٹنہ ۱۰ فروری ۵۸ء

"ڈاکٹر سید عبداللہ نے جس دیوان (نسخۂ لاہور) پر مضمون لکھا ہے (وہ کہتے تھے کہ لکھ چکا ہوں) وہ میں نے سرسری طور پر دیکھا تھا مگر شیرانی والے نسخے کا میں نے اچھی طرح مطالعہ کیا ہے۔ نسخۂ شیرانی کا عکس میرے ساتھ رام پور کے لیے آیا ہے اس کی اُجرت ۱۹۰ روپے دینی پڑی۔ عکس کا عکس لیا جائے تو معلوم نہیں کیا صرف ہو۔ سرور صاحب کو ظاہرا اس سے دلچسپی نہیں۔ میں نے سرور صاحب کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی کہ انجمن کے لیے دونوں نسخوں کے عکس کے حصول کے لیے قاضی صاحب کو لاہور، کراچی خط لکھ دیں۔ کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو سکا فی الحال ایک مضمون دیوان غالب نسخۂ بھوپال اور نسخۂ شیرانی پر لکھ رہا ہوں"۔

نسخۂ شیرانی پر قاضی صاحب کا مضمون " دیوان غالب کے دو نسخے " رسالہ معاصر (پٹنہ) حصہ ۱۲ ، ۱۳ (۱۹۵۲ء) میں چھپا تھا جو بعد کو ان کے ایک مجموعہ مضامین - کچھ غالب کے بارے میں" حصہ اول شائع کردہ ڈاکٹر عابد رضا بیدار، کتب خانہ خدا بخش پٹنہ ۱۹۹۵ء میں بھی شائع ہوا ۔ پھر ڈاکٹر وحید قریشی نے ایک مفصل مضمون نقوش غالب نمبر حصہ اول میں شائع کیا ۔ نسخۂ شیرانی پر میرے خیال میں سب سے مفید اور جامع مضمون بلکہ ۳۰۰ صفحات کی پوری کتاب سید قدرت نقوی نے لکھی جو وحید قریشی صاحب نے " نسخۂ شیرانی اور دوسرے مقالات " کے نام سے مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور سے ۱۹۸۸ء میں شائع کی ۔

مکتوبات ڈاکٹر مولوی محمد شفیع بنام مختار الدین احمد

(۱)

اورینٹل کالج، لاہور

۹ مارچ ۱۹۴۰ء

مکرمی

صائب کی تاریخ وفات کے متعلق بہت اختلاف ہے۔ ریو نے برٹش میوزیم کی فہرست میں ۱۰۸۸ھ کو اختیار کیا ہے اس بناء پر کہ اس کے معاصر واعظ نے اس کی تاریخ وفات اس مصراع سے پیدا کی تھی۔

اے حیف ازاں ہزار دستان صد حیف

۱۰۸۸

یہ تاریخ حاجی خلیفہ کی تاریخ سے قریب ہے یعنی ۱۰۸۰ھ سے ۔ صاحب ... العالم نے ۱۰۸۹ تاریخ دی ہے۔ اور ... ... اور سرخوش نے ... ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ ۱۰۸۵ھ والے جس (دیوان) ... شاعر کی زندگی میں نقل ہوا اور غالباً خود اپنے قلم سے اس نے "بلغ ساماً" اس میں لکھا۔ اس خیال کی وجہ یہ ہے کہ شاعر کی زندگی میں ... ایک نسخہ دیوان صائب کے انتخاب کا ہے جس کے آخر میں صائب نے لکھا ہے: بلغ صائب ۔ یہ نسخہ ۱۰۸۳ھ میں نقل ہوا اور اس کے حاشیوں میں نو جگہ صائب نے خود اپنے قلم سے اپنی غزلیں نقل کی ہیں۔ اس کتاب سے "بلغ صائب" کے الفاظ الگ کاغذ پر نقل کر کے آپ کو بھیجتا ہوں۔

پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیات ایران کی چوتھی جلد کے ص ۲۶۶ پر صائب کی تحریر کا عکس دیا ہے اس کو بھی ملاحظ فرمالیں۔

۳۔ اسسٹنٹ لائبریرین نے کل آپ کو اسٹیمیٹ خرچ کا روانہ کیا ہے۔ اب آپ کا جواب موصول ہونے پر وہ روٹوگراف بنوائے گا۔

والسّلام

محمد شفیع

(۲)

۲۴ جیسن روڈ لاہور

۹ جون ۱۹۵۰ء

محترم

وعلیکم السّلام!

حماسۃ البصریہ کے مُصنّف کا مختصر سا حال کشف الظّنون میں ہے (بذیل حماسہ) اور براکلمن نے بھی مختصر حال ا: ۲۵۰ GAL میں دیا ہے اور اس کے متعدد نسخے GAL. SI 4 SI مختلف فہرستوں کے حوالے سے گناتے ہیں۔ شاید ان مواضع میں جامع کتاب کا بھی کچھ حال دیا ہو۔ GALS محلِّ مذکور میں اسی مُصنّف کی تاریخ کتاب المناقب العباسیہ والمفاخر المستنصریہ کا بھی ذکر ہے GALS III 1209 سے معلوم ہوتا ہے مناقب پر REI بابت ۱۹۳۸ء ۲۸۰ پر کچھ لکھا ہے REI غالباً Reone des itudes islamique ہے۔

☆ (۲) ابوالطیب کا حال سیوطی کی بغیہ میں دیا ہے۔ نیز دیکھیں GaksI 190 اس کی کتاب المثنیٰ کا نسخہ عزّ الدین قنوخی کے پاس ہے، پروفیسر کرینکو سے تفصیل دریافت ہو سکتی ہے دیکھیں GALS III 1196 مراتب النّحویین کا کوئی نسخہ مجھ کو معلوم نہیں البتہ اقتباسات "المزہر" سیوطی میں اور معجم الادباء میں ہیں۔

والسّلام

محمّد شفیع

جناب مختار الدین آرزو ایم اے علیگ

ریسرچ اسکالر شعبۂ عربی

۵۰۔ ایس ایس ویسٹ

مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

(۳)

۲۴ جیسن روڈ لاہور

یکم جولائی ۱۹۵۲ء

مکرمی السّلام علیکم

عنایت نامے کا بہت بہت شکریہ۔ اگر ممکن ہوسکے تو آپ کتاب ذیل کے ابتدائی

دس ورق کی نقل مجھ کو ارسال فرما دیں۔ کتاب کا نام حال نامۂ بایزید انصاری ہے اور مُصنّف کا نام علی محمّد بن یہ قلمی نسخہ سبحان اللہ خاں کے مخطوطات میں شامل ہے اور مسلم یونیورسٹی کے کتاب خانے میں موجود ہے۔ مطبوعہ فہرست مرتبہ سید کامل حسین کے صفحہ ۱۱ کے رو سے تعداد اوراق ۵۳۲ ہے۔ یہ کتاب صفحہ ۱۱ کا آخری اندراج ہے اور نمبر شمار اس کا ۳۰ ہے۔

براہ کرم مطلع فرما دیں کہ یہ نقل کب تک میرے پاس پہنچ سکے گی۔

مجھ کو یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے العقد کو دو مرتبہ پڑھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب کا آخری ایڈیشن جو مصر میں چھپا نسبتہً بہتر ہے۔ انھوں نے جلد اول کے ساتھ میری تلخیص و تصحیحات بھی عربی میں طبع کیں مگر غالباً کاغذ کی گرانی کی وجہ سے دوسری اور تیسری جلد میں یہ نہ کرسکے۔ ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین ابھی تک میری ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ شیرانی مرحوم کے شاید دو تین خط میرے پاس ہوں۔

شاید یہ آپ کو معلوم نہیں کہ لائیڈن انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میری زیر ادارت اردو میں منتقل ہو رہا ہے۔

والسّلام

محمّد شفیع

(۳)

لاہور

یکم جون ۱۹۵۳ء

عزیزم، وعلیکم السّلام

میں آج کل آپ کا مضمون دیکھ رہا ہوں۔ ہمارے ہاں قاعدہ یہ ہے کہ دس آف پرنٹس مفت دیے جاتے ہیں۔ اگر زائد تعداد مطلوب ہو تو اس کے لیے مضمون نگار صاحب زائد کاغذ بہم پہنچائیں۔ چوں کہ یہاں کاغذ خصوصاً آرٹ پیپر بہت گراں ہے۔ غالباً آپ کاغذ کے مصارف برداشت کرنے یا کاغذ بھیجنے کا انتظام نہ کرسکیں۔

ہماری کوشش یہی ہوگی کہ مضمون ایک ہی قسط میں نکل جائے۔

افسوس ہے کہ سر ورق علیحدہ چھاپنے کا کوئی انتظام نہیں۔ یوں آپ چاہیں تو وہیں چھپوا سکتے ہیں۔ بلاکس کے لیے میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ وائس چانسلر صاحب خاص منظوری دو سو روپیہ تک دے دیں۔ امید ہے کہ اس سے شاید چار پانچ بلاک بنیں اور چھپ

سکیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ باقی بلاک وہاں بنوا کر چھپوالیں۔ مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حکومت ہندستان کو بلاک بھیجنے میں کوئی اعتراض ہو گا یا نہیں۔ لیکن اگر بلاک بنوانے کے بعد چھپوا کر ہم کو بھیج سکتے تو غالباً ان کو کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ میری مراد ان بلاکوں سے ہے جو چار پانچ سے زائد ہوں۔

سالنامے کے بقایا ۴۴۴ صفحے آپ کب تک بھجوا سکیں گے۔ یہ بات میں لائبریری والوں سے آج دریافت کروں گا کہ چک یا رقم آپ کو کیوں نہیں پہنچی۔ ان کے ایجنٹ نے تو ان کو ضروری کاروائی کرلینے کی اطلاع دے دی ہے۔

آپ اپنے وطن کا ایڈریس بھی مہربانی کر کے ہمیں بھیج دیجیے۔

تکملہ :

اتنا لکھنے کے بعد آپ کا دوسرا عنایت نامہ بھی ملا اس میں چھٹیوں کا ایڈریس بھی دیا ہے۔

پروفیسر گب، جدید ادب عربی سے بہت اچھی طرح واقف ہیں۔ اگر یہ مضمون لیں تو ان کے مشورے سے اس کے حدود متعین کرنے چاہییں۔ کراچ کو وسکی Krarchkovsky نے جدید عربی ادب میں کافی کام کیا ہے۔ شاید پچاس سال سے کم عرصہ لینا ہو گا۔ ابن القفطی اور ابن الدبیثی دونوں کام اچھے ہیں۔ وظیفہ دینے والے ان کو ناپسند کیوں کریں گے۔ خطاطی کے متعلق کرنے کے لائق کام یہ ہے کہ ایک کتاب تذکرہ خطاطاں کے طور پر مرتب کی جائے جو اسلامی دنیا کے مشاہیر خطاطاں کے حالات پر مشتمل ہو اور ان کے کارناموں کے نمونے سامنے لائے۔ اس ڈکشنری میں سبھی لوگ آسکتے ہیں۔ دیباچے میں ارتقاء خط پر تفصیلی بحث ہونی چاہیے لیکن اس میں دو دقتیں ہوں گی :

۱) ہر شخص خوبصورت خط پہچان سکتا ہے لیکن اس خوبصورتی کی تجزی فن کار کے سوا دوسرے کے لیے بہت مشکل ہے اس لیے جہاں تک فن کے ارتقاء کا تعلق ہے اس کی تجزی کے لیے فنی استعداد ضروری ہیں اور بیان میں بہر اشکال پیش آئے گا۔

۲) نمونے بکثرت چھپنے چاہییں اور اس میں صرف زیاد مقصود ہو گا اس لیے فنڈ کافی ہونا چاہیے۔ میرے نزدیک کم سے کم زحمت ابن القفطی یا ابن الدبیثی میں ہو گی اور ان کی تصحیح کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ والسلام

محمد شفیع

(۵)

لاہور

۱۲ اکتوبر ۱۹۵۶ء

مکرمی وعلیکم السّلام

آپ کا عنایت نامہ ابھی ابھی موصول ہوا اور مجھ کو دلی مسرت ہے کہ آپ کامیابی سے واپس تشریف لے آئے اور علاوہ اپنے مقالے کے اور مفید چیزوں کی طرف بھی متوجّہ رہے۔ ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین میں سردست تلخیص مجمع الآداب چھپ رہی ہے اس کے ختم ہونے پر آپ کو تکلیف دوں گا کہ جمہرۃ الاسلام کے اقتباسات طباعت کے لیے ارسال فرمائیں۔ البتہ اگر اورینٹل کالج میگزین میں یہ اقتباسات شائع کرنا چاہتے ہیں تو مہربانی سے ڈاکٹر سیّد محمّد عبداللہ کو اس بارے میں لکھیں کہ اس حصّے کے ایڈیٹر وہ ہیں۔

جہاں تک یاد پڑتا ہے نجمن لائبریری والا مضمون شائع ہوگیا تھا اور آپ کو اس کا نسخہ بھیجا گیا تھا۔

انسائیکلو پیڈیا کا کام بدستور جاری ہے اور اس میں سخت انہماک لازم ہے۔ معلوم نہیں آپ کو یونیورسٹی میں کیا کام سپرد ہے؟ مشاہرہ کیا ہے اور آپ ایک دو سال کی چھٹی لے سکتے ہیں یا نہیں؟ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ یہاں آکر میرا ہاتھ بٹائیں۔ اس کام کی اہمیت کے متعلق تو آپ سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ تجویز یہ ہے کہ [illegible] پانچ سو ہو۔ اس بارے میں مجھے واپسی ڈاک سے اطلاع بخشیں اورینٹل کالج میگزین [illegible] کے مکمل فائل تو نایاب ہیں اس لیے کہ پانچ سات نمبر ختم ہوچکے ہیں باقی مل سکتے ہیں۔ ضمیمہ کے ہر سابق نمبر کی قیمت ایک روپیہ ہے۔ سیّد محمّد عبداللہ بھی آپ کے ایسے ہی مکتوب کا جواب لکھ رہے ہیں۔ روپیہ بھیجنے کے لیے آپ کو اپنے ایکسچینج کے محکمے سے اجازت لینا ہوگی۔ یا آپ Heffer کی معرفت آرڈر بھیجیں مگر وہ مہنگا پڑے گا۔ والسّلام

کام دو طرح کا ممکن ہے:

(1) Final revision

(2) Seeing the book through the press

مخلص

محمّد شفیع

ڈاکٹر مختارالدّین احمد صاحب

شعبۂ عربی و اسلامیات، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

(۶)

لاہور

۱۳ دسمبر ۱۹۵۶ء

مکرمی۔ آپ کا عنایت نامہ مورخہ ۰ دسمبر موصول ہوا۔ میرا اندازہ ہے کہ چار پانچ سال ابھی اور اس کام میں لگیں گے۔ خدمات مستعار لینا وائس چانسلر صاحب کی منظوری ہی سے ہوسکے گا۔ بہتر یہ ہو کہ آپ چند مضامین پر نظر ثانی کر کے دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ یہ کام آپ کی منشا کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر یہ تجویز پسند ہو تو جواب آنے پر میں آپ کو یہ مضامین بھیج دوں۔ بعد کے منازل آپ کے مشورے سے طے ہوں گے۔

تلخیص مجمع الآداب جو پہلے شایع ہوئی تھی وہ ایک جلد تھی یہ دوسری جلد ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے احسن مارہروی والا مضمون اورینٹل کالج میگزین میں چھپا تھا۔ (ضمیمہ میں۔ اس کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ صاحب کو لکھ کر دریافت فرمالیں۔

امید ہے کہ آپ ہمہ وجوہ بخیر و عافیت ہوں گے۔ والسلام

مخلص

محمد شفیع

مکتوبات نیاز فتح پوری بنام مختار الدین احمد

(۱)

نگار لکھنؤ

[۸ اکتوبر ۱۹۳۸ء]

مکرمی۔ گرامی نامے کا شکریہ۔ آپ دونوں مقالے بھجوا دیجیے اور اس کی پرواہ نہ کیجیے کہ وہ بڑے ہیں۔ آپ جس قدر جلد بھیج دیں گے مجھے اتنی ہی آسانی ان کی کتابت میں ہوگی۔ آپ کی اس اعانت و ہمدردی کا اعتراف کن الفاظ میں کروں۔ حیران ہوں۔

نیاز

مختار الدین صاحب آرزو

ظفر منزل ۰ شاہ گنج

منندرو ۰ پٹنہ

(۲)

دفتر نگار، لکھنؤ

۲۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء

مکرمی! تسلیم۔ گرامی نامے کا شکریہ۔ مجھے یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ جناب کا موعودہ مقالہ تیاری کے قریب ہے۔ مصحفی کی غیر مطبوعہ مثنویوں پر بھی آپ کا مضمون ہونا ضروری ہے۔ مصحفی نمبر انشاء اللہ بہت کامیاب ہوگا۔ عبدالمالک صاحب مصحفی پر لکھ رہے ہیں۔ ان سے تو معاملہ جبر و قوت کا بھی ہے، نکل کے کہاں جائیں گے۔

امید ہے مزاج گرامی اب بخیر ہوگا۔

نیاز

(۳)

۳۱ اکتوبر ۱۹۳۸ء لکھنؤ

مکرمی۔ "تلامذہ مصحفی" کا انتظار ہے آپ نے اپنے ۱۸ کے خط میں وعدہ کیا تھا کہ ہفتے کے اندر ہی مضمون پہنچ جائے گا۔ اب تو دو ہفتے گزر گئے۔ براہِ کرم جلد ارزانی فرمایئے۔ اور مصحفی کی مثنویاں کی بھی کتابت چار جزو ہو چکی ہے۔

نیاز

(۴)

دفتر نگار، لکھنؤ

۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء

مکرمی۔ تسلیم۔ ایک زمانے کے بعد آپ نے یاد فرمایا، شکریہ۔ آپ نقوش سلیمانی پر اپنا تبصرہ بواپسی ڈاک بھیجیے۔ نومبر میں یقینا شائع ہوجائے گا۔ جنوری کا "نگار" موجودہ عہد کے اکابر شعراء کے کلام کے لیے وقف ہوگا، اس پابندی کے ساتھ کہ وہ خود کلام کا انتخاب دیں۔ ہاں اپنا مقالہ بذریعہ رجسٹری روانہ کیجیے تاکہ گم ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

نیاز فتحپوری

مختار الدین صاحب آرزو

ظفر منزل، شاہ گنج، مندرو، پٹنہ۔

(۵)

۷ اکتوبر ۴۰ء
لکھنؤ۔ دفتر نگار

مکرمی۔ تسلیم۔ میں ایک کارڈ لکھ چکا ہوں۔ کہ نقوش سلیمانی پر جو تبصرہ آپ نے لکھا ہے اسے فوراً بھیج دیجیے۔ یہ خط پھر یاد دہانی کی غرض سے بھیج رہا ہوں۔ نومبر کے "نگار" کی کتابت نصف ہو چکی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ اسے بوابسی ڈاک بھیج دیں۔

جواب کا منتظر ہوں۔

نیاز

(۶)

۱۲ فروری ۴۳ء

مکرمی۔ کارڈ ملا۔ شاد والا مضمون مل گیا۔ اچھا ہے۔ لیکن مارچ میں وہ شائع نہ ہو سکے گا۔ کیوں کہ دیر سے موصول ہوا۔

آپ اپنا مقالہ فوراً بھیجیے۔ میں پہلے اسی کو شائع کروں گا۔ آصف الدولہ کا قلمی کلیات میں نے حیدرآباد کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔

نیاز

(۷)

لکھنؤ

۲۵ مئی ۱۹۳۹ء

گرامی عزیز!

اس سے زیادہ کم نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ باوجود "پرستارِ غالب" ہونے کے اس محفل میں شریک نہ ہو سکوں جو اس کی یاد میں قائم کی جائے۔ اور اسے بھی جانے دیجیے، آپ کا حکم تھا، یوں بھی اس کی تعمیل مجھ پر واجب تھی لیکن افسوس ہے کہ زندگی کے جس دور سے گزر رہا ہوں اس نے احباب کیا، خود مجھی کو اپنے آپ سے شرمندہ کر رکھا ہے، شکایت کروں تو کس کی، اور معذرت کروں تو کس کے سامنے!

غالب پر اس وقت تک بہت کچھ لکھا گیا ہے، کبھی حالی کی ذہنیت سے، کبھی قتیل کے زاویہ نگاہ سے، لیکن اس نقطہ نظر سے،

کہ خیالش دیدم آئینہ جان را صیقل

بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ اور یہ چیز ہمیں صرف اس کے نقشہای رنگ رنگ ہی میں مل سکتی ہے۔ فارسی پڑھ لینا یا لکھ لینا آسان ہے۔ اسی طرح اساتذۂ فارسی کے کلام کا ترجمہ کرلینا دشوار نہیں۔ لغت، فرہنگ اور شرحیں سبھی کچھ موجود ہے۔ لیکن ذوق کو کیا کیجیے کہ غالب نے ہمیشہ اسی کا ماتم کیا اور اب بھی یہی رونا ہے:

وارد تفاوت آب شدن تا گریستن

مجھے یقین ہے کہ "غالب نمبر" کی تکمیل میں آپ نے کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھا ہوگا۔ ریسرچ، انتخاب، نفسیاتی مطالعہ، فن وغیرہ سبھی کچھ ہوگا اور خوب ہوگا۔ لیکن ضرورت اس کی ہے کہ غالب فہمی کی صحیح فضا پیدا کی جائے۔ کوئی اکیڈمی قائم کی جائے۔ محض ریسرچ کے لیے نہیں بلکہ ذوق پیدا کرنے کے لیے جو غالب کا وجدان سامنے رکھ کر غالب کو سمجھ سکے۔ یہ میں آپ سے کہہ رہا ہوں۔ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید نہ کہتا اور اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنی انتہائی تعلیم سے فارغ ہوچکے ہیں اور شاید مدت تک وہاں نہ رہیں۔ خدا کرے "غالب نمبر" "غالب اکیڈمی کی بنیاد ثابت ہو اور آپ یونیورسٹی چھوڑنے سے پہلے اسے مستحکم کرسکیں۔ والسلام

نیاز فتحپوری

(۸)

نگار، لکھنؤ

۲۸ ستمبر ۴۹ء

تسلیم کارڈ ملا۔ اکتوبر کا "نگار" تو تیار ہوگیا۔ اب نومبر ہی میں تبصرہ ہوسکے گا۔ غالب نمبر کب تک شائع ہوگا؟ منتظر ہوں۔

"نادراتِ غالب" کے نام سے آفاق حسین آفاق نے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں منشی نبی بخش حقیر کے نام خطوط اکٹھا کر دیے ہیں۔ اس کی قیمت ہے ہے۔ اور ماسٹر الطاف حسین منیجر ادارۂ نادرات ۵۶ / ۵ نیپیر پارک کراچی کے پتے سے مل سکتی ہے۔

اکتوبر کے نگار میں اس پر تبصرہ ہوا ہے۔

نیاز

جناب مختار الدین آرزو ایم اے

۵۰۔ ایس ایس ویسٹ علی گڑھ

(۹)

لکھنؤ

۲۰ ستمبر ۵۰ء شام

ابھی ابھی خط ملا۔ یہ خطوط میرے ہی نام کے ہیں لیکن اور آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔ اڈیٹر "مساوات" کٹڑے کے رہنے والے تھے اور انھوں نے سب سے پہلے میری کتاب "شاعر کا انجام" شائع کی تھی۔ اب مجھے ان کا نام بھی یاد نہیں آتا۔

"امیر اللغات" جلد دوم میری نگاہ سے نہیں گزری اس لیے معلوم نہیں کہ اڈیٹر صاحب کہہ کر کسے مخاطب کیا ہے۔ میرے پاس چند خطوط اکبر کے تھے، لیکن میں نے ان کو محفوظ نہیں رکھا۔

میں نے اکبر کے کلام پر سنہ ۱۲ میں ریویو لکھا تھا۔ لیکن وہ کہاں شائع ہوا تھا کچھ خبر نہیں۔

نیاز

(۱۰)

نگار، لکھنؤ

۲۷ جولائی ۵۱ء

عزیز۔ یاد فرمائی کا شکریہ! افسوس ہے کہ آپ کے مطلوبہ پرچوں میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں۔ "خطوطِ اکبر" مل گئے تھے۔ تبصرہ ابھی تک نہیں ہوسکا۔ ستمبر تک ہوسکے گا۔ آپ کی کامیابی کی خبر سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ آپ کو ایک بار دیکھنے کا آرزو مند ہوں۔ دیکھیے یہ تمنا کب پوری ہوتی ہے یا نہیں؟

نیاز

(۱۱)

لکھنؤ

۲۰ اکتوبر ۵۲ء

یاد فرمائی کا شکریہ۔ مضامین کا منتظر ہوں۔ آپ کا نام بہت بڑا ہے۔ صرف مختار آرزو کافی ہے۔

نیاز

مختار الدین احمد آرزو
۵۔ حالی روڈ۔ علی گڑھ

مکتوبات شیخ محمد اکرام بنام مختار الدین احمد

(۱)

پونا

۸ اپریل ۱۹۴۴ء

مکرمی، مشفقی، السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔ افسوس ہے کہ آپ کو یاد دہانی کی ضرورت پڑی۔ آپ کا خط بڑا دلچسپ اور مفصّل تھا۔ میں چاہتا تھا اطمینان سے بیٹھ کر جواب لکھوں۔ وہ میسّر نہ ہوا اور جواب میں دیر ہوتی گئی۔

آپ کا خط پڑھ کر مجھے خوشی بھی ہوئی اور افسوس بھی۔ خوشی اس لیے کہ آپ نے محنت اور تحقیق سے بعض مقامات پر تبصرہ کیا ہے اور افسوس اس لیے کہ کتاب پریس میں ہے۔ اس لیے اس میں کوئی ردّ و بدل تو ہو نہیں سکتا۔

"غالب نامہ" کا تیسرا اڈیشن پریس میں ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ کب تک چھپ سکے؟ اس طرف نسخے کی چھپائی اچھی نہیں ہوتی۔ اس لیے گزشتہ اکتوبر سے کتابت شدہ کاپی لاہور بھیجی ہوئی ہیں۔ پچاس صفحوں سے زیادہ نہیں چھپے اور اب اطلاع آئی ہے کہ چوں کہ پریس میں ملٹری کا کام بہت زیادہ ہے اس لیے کتاب نہیں چھپ سکے گی۔

یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ "نامۂ غالب" مرتب کر رہے ہیں۔ میں نے اس کا کوئی قلمی نسخہ نہیں دیکھا لیکن مطبع محمدی کا چھپا ہوا اڈیشن برٹش میوزیم لائبریری (یا شاید انڈیا آفس لائبریری) میں دیکھا تھا۔ لائبریری کا نام میں نے نہیں لکھا۔ لیکن میری ولایت کی یاد داشت میں، جس میں اس صفحے پر برٹش میوزیم کی کتابوں کے متعلق نوٹ ہیں ذیل کا اندراج ہے:

"نامۂ غالب (۱۸۶۵ء مطبع محمدی)"

یہ خط "عودِ ہندی" میں چھپ چکا ہے۔ چوں کہ خط "عودِ ہندی" میں موجود تھا اس لیے میں نے زیادہ کُرید نہ کی۔

آپ کس طرح کہتے ہیں کہ ہرمزد کا ذکر قطعاً افسانہ ہے۔ معاصرانہ اندراج تو نہیں لیکن آپ نواب مصطفےٰ خاں کے بیان کو کیا کریں گے۔ جس میں مرزا کے نام ہرمزد کے خط کا ذکر ہے۔ "اے خواجۂ عزیز، چہ کنی کہ بااین ہمہ آزادیہا گاہ گاہ بخاطر می گزری"۔

اور نامۂ غالب میں مرزا نے مرزا رحیم بیگ کو لکھا ہے:

"احسان مند ہوں آپ کا کہ آپ نے منشی سعادت علی ... کے حسنِ ظن
کے مطابق مجھ کو معشوق میرے استاد کا نہ لکھا"۔

یہ کون سا استاد تھا، جس کی نسبت مخالفین غالب کو طعنہ دیتے تھے۔ "محرقِ قاطع" مؤلفہ منشی سعادت علی سے شائد کچھ اندازہ ہو۔

"گلشن بیخار" کی نسبت ہی غالباً "اردو" اور "معارف" والوں نے طنز کیا تھا۔ ان بزرگوں کی علمی تحقیق کو کیا کہیے! بلاشبہ یہ کتاب چھپ چکی ہے اور دس بارہ آنے میں ملتی ہے لیکن کیا اس کتاب کی قدر و قیمت، جو انیسویں صدی کے اخیر میں چھپی ہے، اس شخص کے لیے، جو اس کی بنا پر کلامِ غالب کی تاریخی تدوین کر رہا ہے، اس قلمی نسخے کے برابر ہوگی جو ۱۲۵۳ھ میں لکھا گیا؟

مطبوعہ نسخہ تو میں نے ولایت جانے سے پہلے ہی خرید لیا تھا، لیکن اس پر اس لیے انحصار نہ کرسکتا تھا کہ غالب اور شیفتہ کے تعلقات کا خیال کرتے ہوئے یہ امر مستبعد نہ تھا کہ مطبوعہ نسخے میں کچھ بعد کے اشعار بھی درج ہوگئے ہوں اور فی الواقع قلمی نسخہ مطبوعہ نسخے سے اس معاملے میں مختلف ہے۔ مجھے خیال آیا تھا کہ دوسرے اڈیشن میں یہ بات واضح کر دوں، لیکن پھر حالی کا ارشاد یاد آیا:

کیا پوچھتے ہو، کیوں کر سب نکتہ چیں ہوئے چپ
سب کچھ کہا انھوں نے، پر ہم نے دم نہ مارا

ویسے آج کل غالب سے میری دلچسپی بہت کم ہو رہی ہے۔ چوں کہ ایک کام شروع کیا تھا، اس لیے یہ خواہش ضروری ہے کہ اس کتاب میں جو عیب ہیں وہ نکل جائیں۔ لیکن میں نے کچھ سالوں سے "اسلامی ہندوستان کی مذہبی اور علمی تاریخ" کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ دو مبتدیانہ سی کتابیں تین چار سال ہوئے شائع ہوئی تھیں۔ اب پھیل کر تین ہوگئی ہیں اور کوشش یہ ہے کہ ان آٹھ نو صدیوں کی سب معاصرانہ تاریخ اور اصل ماخذ کو دیکھنے کے بعد یہ تاریخ مرتب ہو۔

آپ کو بھی میں یہی مشورہ دوں گا۔ جب آپ "نامۂ غالب" کی ترتیب بہمہ وجوہ مکمل کرلیں تو دستِ طلب انیسویں صدی کے پچاس سو سالوں سے آگے بڑھائیے۔ قوم کی یہ بڑی بدقسمتی ہے کہ بڑی قابلِ قدر ہستیاں، گوشۂ گمنامی میں پڑی ہیں۔ فیضی، خسرو، بیدل، کسی کے متعلق اردو میں ایک مکمل اور محققانہ کتاب نہیں اور جمالی اور مطہر کا تو نام ہی کسی کسی

نے سنا ہے۔

خیر، ان باتوں میں ذاتی دلچسپی کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے (اور ہونا بھی چاہیے) آپ کسی طرف بھی توجہ کریں کچھ نہ کچھ لکھتے رہنا ضرور چاہیے۔ یقین ہے تحقیق اور تلاش کے بعد لکھیں گے اور ان سے ہماری معلومات بہت اضافہ ہوگا۔

آپ کی یونیورسٹی میں رشید صاحب (شعبۂ تاریخ) میرے عزیز ہیں۔ ان کی اور آل احمد سرور صاحب کی خدمت میں میرا سلام عرض کیجیے گا۔ والسلام

محمدؐ اکرام

(۲)

کراچی

۲۳ جون ۱۹۵۲ء

مکرمی! سلام مسنون

مضمون ارسال ہے۔ میں نے اسے ایک حد تک قصداً نا تمام رکھا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ موجودہ صورت میں اس کے مباحث زیادہ تر داخلی شہادت اور قیاس پر مبنی ہیں اور وہ کامل طور پر قابل اعتماد نہیں ہوسکتے۔ اس موضوع پر زیادہ تشفی اور قطعیت کے ساتھ تو اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب رام پور میں بیٹھ کر تلاش و تحقیق کا جال پھیلایا جائے۔ اور (دوسرے دریافت طلب امور کے علاوہ) یہ پتہ لگایا جائے کہ آیا نواب فردوس مکاں کی اصل غزلوں اور غالب کی اصلاحوں کا کوئی تحریری ریکارڈ تو موجود نہیں۔ شاید دفتر انشا یا مولوی امتیاز علی صاحب عرشی سے اس کے متعلق معلومات فراہم ہوسکتی تھیں، لیکن، بوجوہ میں نے انھیں زحمت دینا مناسب نہیں سمجھا اور مطبوعہ شواہد پر اکتفا کی ہے

موجودہ حالات میں مضمون میں جو کوتاہیاں رہ گئی ہوں گی وہ ظاہر ہے، لیکن اس وقت میرا مدعا تو غالبیات کے ایک غور طلب موضوع پر بحث و تحقیق کا دروازہ کھولنا ہے اور شاید اس مقصد کے لیے یہ مضمون کافی ثابت ہو

محمدؐ اکرام

P.S. مجھے اس امر کا احساس ہے کہ مضمون میں ایک اختلافی مسئلے پر بحث ہے اور ممکن ہے آپ معقول وجوہ کی بناء پر اسے شائع کرنا مناسب نہ سمجھیں۔ اس صورت میں براہ کرم رجسٹری کراکے اسے مجھے واپس کر دیا جائے۔

( )

لندن

۱۵ نومبر ۱۹۵۳ء

مکرمی مشفقی ! تسلیمات

میں اگست کو کراچی جانے کا پروگرام بنا رہا تھا لیکن ابھی تک یہاں ہوں۔ ان شاء اللہ کل جہاز کی روانگی ہے۔

گزشتہ بدھوار آکسفورڈ گیا تھا۔ آپ کی چند چیزیں ساتھ لیتا گیا لیکن بلیک ول (Black wal) میں جو صاحب مشرقی حصے کے نائب نگراں ہیں ان سے پتہ چلا کہ آپ ابھی آکسفورڈ واپس نہیں آئے۔ خیر کتابیں بھی میں نے نہیں پڑھی تھیں، واپس لیتا آیا۔

واپسی پر میری تعیناتی غالباً پنجاب میں ہوگی لیکن اگر آپ Personal لکھ کر کوئی خط c / o Ministry of Information, Karachi کے بھیج دیں تو مل جائے گا۔

خدا آپ کو کامیاب اور بامراد واپس وطن لے جائے۔

مخلص

محمد اکرام

(۳)

۲ کلب روڈ، لاہور

۷ جولائی

مشفقی !

سلام مسنون ! فکر و نظر کا جو پرچہ آپ نے مالک رام صاحب کے ایما پر بھیجا تھا، مل گیا۔ شکریہ۔ اب آپ کو ایک دو اور چیزوں کے لیے زحمت دینا چاہتا ہوں۔

ایک دو سال ہوئے۔ اردو ادب کا ایک آزاد نمبر شائع ہوا تھا۔ اس کی مجھے اشد ضرورت ہے۔ وہ الگ رجسٹری کر کے بھجوا سکیں تو بے حد ممنون ہوں گا۔ علی گڑھ تحریک کے متعلق علی گڑھ میگزین کا ایک خاص نمبر شائع ہوا تھا۔ وہ نمبر تو مجھے مل گیا۔ لیکن سنا ہے۔ کہ چند اضافوں کے ساتھ اب اسے کتابی صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ وہ اگر کہیں سے مل جائے۔ تو اس کا بھی انتظام کریں۔

ہندوستان سے کتابیں منگوانے میں بڑی الجھنیں ہیں۔ میں گزشتہ جنوری، امریکہ سے

واپسی پر دہلی کے راستے آیا تھا۔ لیکن وہاں کئی چیزیں نہ تھیں۔ سوائے کسی کرم فرما کو تکلیف دینے کے کوئی اور صورت نظر نہیں آتی۔

روپیہ بھیجنے میں مجھے کوئی دشواری نہیں۔ اگر کوئی کتب فروش یہاں بھیجے۔ تو بنک سے باآسانی / ۱۵۰ تک رقم مل سکتی ہے۔ لیکن دیر سویر کا معاملہ ہوجاتا ہے۔ ویسے میرے بچے ولایت میں ہیں۔ وہ رقم بھیج سکتے ہیں۔ مجھے سب سے زیادہ سہولت اس بات میں ہے۔ کہ تھوڑی سی رقم آپ کے نام جمع کرا دوں۔ اور آپ بوقت ضرورت مجھے کتابیں بھجوا دیں۔ کیا اس میں کوئی دشواری یا الجھن تو نہیں۔ بے تکلف لکھیے۔

میری کون سی کتابیں آپ تک پہنچیں؟ حیاتِ غالب؟ حکیم فرزانہ۔ گزشتہ سال ہندوستان کی فارسی نثر کا ایک انتخاب "دربارِ ملّی" کے نام سے ترتیب دیا تھا۔ آپ کا جواب آئے۔ تو اس کے بھجوانے کا انتظام کروں۔

آج کل موجِ کوثر پر نئی اشاعت کے لیے نظرِ ثانی کر رہا ہوں۔ شبلی نامہ میں بھی طویل اضافوں اور نظرِ ثانی کا پروگرام ہے۔ ان کے متعلق کوئی مشورے ہوں تو ضرور لکھیے۔ آپ کے آج کل کیا مشغلے ہیں؟

یہاں (لاہور۔ کراچی) سے آپ کو کوئی چیز چاہیے۔ تو بلا تکلف لکھیے۔

قاضی عبدالودود صاحب نے گزشتہ دو تین سال میں کیا لکھا ہے؟ جہانِ غالب کا کیا ہوا۔ وہ کبھی کبھار کراچی کا چکر لگاتے ہیں۔ ان کے یا کسی اور ہم مذاق کا یہاں آنے کا پروگرام ہو تو مطلع کریں۔ خلیق نظامی کب واپس آ رہے ہیں؟

پریشان نویسی اور بسیار نویسی کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ زیادہ سلام

نیاز مند

اکرام

مکتوب ڈاکٹر مختار الدّین احمد بنام شیخ محمّد اکرام

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲-۳-۱۹۴۴ء

مکرمی! سلام و رحمت

"غالب نامہ" کی اشاعت کے بعد ہی میں آپ کو خط لکھنے والا تھا۔ لیکن اس کی اشاعتِ دوم کے بعد آج آپ کو مخاطب کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔ ۳۶ء میں جب میں نے آپ کی کتاب کا اشتہار دیکھا تو مجھے حیرت ہوئی کہ کیا ایک آئی۔ سی۔ ایس۔ کو وقت اور ماحول اتنی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ غالب پر ایک کتاب مرتب کرے اور جب کتاب منگا کر پڑھی تو حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میں سمجھے ہوا تھا غالب پر ایک معمولی سی کتاب ہوگی اور سڑے بُسے مواد کو کسی نہ کسی طرح جمع کر دیا گیا ہوگا۔ تکلّف بر طرف آپ کی کتاب غالب پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں سب پر فائق ہے۔ میں اسے بعض حیثیتوں سے حالی کی یادگارِ غالب پر ترجیح دینے کو تیار ہوں۔ شکر ہے کہ ملک نے بھی اس کتاب کی قدر کی اور دوسری اشاعت کی جلد ہی نوبت آئی۔ قاضی عبدالودود صاحب سے یہ معلوم کر کے بے حد مسرت ہوئی کہ اب اس کا تیسرا اڈیشن پریس میں ہے۔ بعض باتیں جو مجھے کھٹکتی ہیں۔ یا جن سے میں متفق نہیں ہوں ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱۔ "گلستانِ بے خزاں" کے علاوہ کیا اور کوئی ثبوت اس امر کا ہے کہ مرزا، نظیر کے شاگرد تھے؟ ص ۵

۲۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کی عربی کی صلاحیت نہایت معمولی تھی۔ بعض فاحش غلطیاں کی ہیں۔ افسوس کو عربی اور نصیب کو فارسی جانتے تھے۔ عربی الفاظ کا املا تک غلط لکھتے ہیں۔ انھوں نے خود لکھا ہے کہ عربی شرح مائۃ عامل تک پڑھی۔ جو ہمارے یہاں ایک مبتدی پڑھتا ہے۔ ص ۵

۳۔ مجھے شبہہ نہیں بلکہ اس بات کا یقین ہے کہ میرزا کی شاگردیِ ہرمز۔ قطعاً افسانہ ہے۔ یہ مرزا کے بحرِ تخیل کی موج ہے اور بس۔ ورنہ ایسے فاضل اور مشہور آدمی کا معاصرین میں تو کوئی ذکر کرتا۔ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ میرزا نے برہانِ قاطع کے

جھگڑے سے پہلے کبھی اس کا نام تک نہیں لیا ہے ص ۵

۴۔ ص ، پر آپ نے غالب کے چند غیر مطبوعہ اشعار درج کیے ہیں۔ اس سلسلے میں اگر آپ میرے مضمون " غالب کا کچھ نایاب کلام (سال نامہ ادبی دنیا ص ۳۱) کا مطالعہ فرمائیں تو عزت افزائی ہوگی۔

۵۔ قیاس ہے کہ ان کا قیام دس گیارہ ماہ لکھنؤ میں نہ رہا بلکہ وہ کچھ دنوں تک لکھنؤ میں رہے پھر آگے بڑھ گئے اور اس کے بعد دوبارہ لکھنؤ کی طرف گئے۔

۶۔ آپ نے آغا میر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے ملازمت کا آغاز ایک خدمت گار کے طور پر کیا تھا۔ میرا موجودہ علم یہ ہے کہ وہ خان ساماں تھا اور یہ اس زمانے میں کوئی معمولی عہدہ نہ تھا۔

۷۔ بادِ مخالف کو آپ قتیل کی تعریف کہتے ہیں، اسے ہجو ملیح کہیے تو زیادہ بہتر ہو۔

۸۔ یہ صحیح نہیں کہ گل رعنا کا کوئی نسخہ دست یاب نہیں ہوتا۔ حسرت موہانی کے پاس موجود ہے اور انھوں نے اس کا مختصر انتخاب شرح دیوانِ غالب میں شائع کیا ہے۔

۹۔ میرزا نے "مہر نیم روز" جس طرز میں لکھی ہے وہ ان کے لیے نئی نہ تھی۔ پہلے سے وہ اس طرز میں لکھتے چلے آتے تھے۔ اگر بہادر شاہ کو یہ طرز پسند نہ تھی تو میرزا کو تاریخ میں لکھنے کا حکم ہی نہ دیتے۔

۱۰۔ نواب یوسف علی خاں نے میرزا سے فارسی کی تعلیم حاصل کی یہ محقق نہیں۔

آپ نے تبصرے کا باب بھی خوب لکھا ہے اور تاریخی انتخاب بھی بہت محنت سے کیا ہے۔

" بس کہ فعال ما یرید ہے آج" آپ کو بھی تسلیم ہے کہ ۱۸۵۰ء میں لکھا گیا۔ آپ اسے نوائے ظفر (۱۹۳۰ء، ۱۹۵۰ء) میں کیوں نہیں رکھتے آپ اسے چراغ سحری میں کیوں جگہ دیتے ہیں۔ " روز اس شہر میں اک حکم نیا ہوتا ہے " بھی اسی باب میں ہونا چاہیے۔ اس کے بعد کا تبصرہ جو شیو نرائن کی طرف سے لکھا گیا تھا وہ بھی اسی باب میں ہونا چاہیے۔

پہلے " قادر نامہ " کی غزلوں کو اگر آپ کلام غالب مانتے ہیں تو پھر دوسری غزل آپ

نے کیوں نقل نہیں کی جب کہ آپ نے اس امر کی خاص کوشش کی ہے کہ غالب کا جس قدر غیر مطبوعہ یا غیر متداول کلام ہے اسے کتاب میں شامل کر لیا جاے۔ اب ان غزلوں کی آپ ترتیب کا زمانہ کیا سمجھتے ہیں؟ باقر علی خاں، حسین علی خاں کے لیے یہ رسالہ لکھا گیا تھا ظاہر ہے کہ ان کی عمر، یا ۸ سال سے زاید نہ ہونی چاہیے۔ باقر علی خاں کا سال ولادت ۱۸۴۸ء کے لگ بھگ ہے۔ ان غزلوں کا سال تالیف ۱۸۵۸ء آپ کہہ سکتے ہیں۔

اِن تصانیف کے بارے میں بھی کچھ اطلاعیں آپ کو دوں تو نامناسب نہ ہو گا۔

- "کلیات نظم فارسی" پہلا ایڈیشن جو میرزا کی زندگی میں شائع ہوا اور جس میں ان کی قلمی تصویر ہے۔ میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے
- "کلیات نثر فارسی" پہلا ایڈیشن جو مرزا کی زندگی میں شائع ہوا۔ بڑی تقطیع، میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔
- "قادر نامہ" میرے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے

مختارالدین احمد

(یہ مکتوب ڈاکٹر سید معین الرحمٰن لاہور کے ذخیرے میں محفوظ ہے، جن سے عکسی نقل حاصل ہوئی۔ مختارالدین احمد)

○

مکتوبات مہیش پرشاد بنام مختار الدین احمد

(۱)

جیت ہری اریواں اسٹیٹ

۲۱ جون ۱۹۳۸ء

مہربانم: تسلیم

آپ کا لفافہ مورخہ ۱۴ جون ملا۔ آپ کی تجاویز بہت عمدہ ہیں۔ خدا کرے کہ پوری کامیابی نصیب ہو۔ میں اس وقت تعطیل گرما کی وجہ سے امر کنٹک کے پہاڑی علاقوں میں آیا ہوا ہوں۔ ہفتے عشرے کے بعد بنارس واپس پہنچ جاؤں گا۔ اس وقت " غالب اور برہان قاطع " "یاسمن چین " کے بارے میں مضمون لکھوں گا۔ غالب کے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بنام "میخانۂ آرزو " خدا بخش لائبریری پٹنہ میں ہے۔ ابتداء میں فارسی کلام اسی نام سے لکھا ہوا ہے۔ حسن اتفاق کہ آپ اس وقت بآسانی اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ غالب کے متعلق جو مفید اور اچھے مضامین شائع ہوچکے ہیں ان کی مبسوط فہرست بڑے کام کی ہوگی۔ ہاں اس کی تیاری میں کافی محنت و احتیاط کی ضرورت ہے۔

" پنج آہنگ " کے تین قلمی نسخے تیار ہیں۔ میں نے ان کے متعلق ایک مضمون " نگار " لکھنؤ میں چھپنے کے لیے کسی وقت بھیجا تھا، خدا جانے کہ وہ اس میں چھپا کہ نہیں۔ مثنوی " ابر گہربار " کا بھی ایک قلمی نسخہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے بارے میں کچھ لکھ کر بھیج دوں۔

فی الحال چند امور لکھ رہا ہوں، کچھ اور سوجھے گا تو بعد کو لکھوں گا۔

میں مکرر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ نے جو کچھ اکٹھا کر دینے اور سپرد قلم کر دینے یا کیے جانے کا تہیہ کیا ہے وہ قابل تعریف امر ہے۔ خدا کرے کہ پوری کامیابی نصیب ہو۔

فقط

مہیش پرشاد

(پروفیسر ہندو یونیورسٹی)

(۲)

ہندو یونیورسٹی بنارس

۲۹ دسمبر ۳۸ء

جنابِ من! تسلیم

کارڈ ملا میگزین بھی ملا۔ سارا میگزین تو نہیں صرف اپنی دلچسپی والا حصّہ ضرور پڑھا۔ یہ ضرور کہوں گا کہ میگزین خوب ہے۔ نہایت ہی کاوش و جانفشانی سے ایڈٹ کیا گیا ہے اور عمدہ و دلچسپ مضامین کا ایک نفیس گلدستہ بنایا گیا ہے جس کے لیے بلاشبہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ غالب کے متعلق آپ کے یہاں کافی [مواد] جمع ہوگیا ہوگا۔ میرے پاس والا ابھی رہنے دیجیے۔ کچھ غیر مطبوعہ مواد کتاب کے ساتھ ہی شائع کرنا مناسب رہے گا۔ معاف کیجیے اس کی تلافی دوسرے ڈھنگ سے بھی کچھ نہ کچھ کر دوں گا۔ جناب قاضی صاحب کا مضمون "غالب کی راست گفتاری" آپ نے چھاپا اور ص ۲۱۷ پر بھی آپ نے ان کے متعلق کچھ چھاپ دیا ... میرے پاس بھی چند مشاہیر کے خطوط بنام راقم الحروف ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو وقتاً فوقتاً کچھ بھیج دوں گا۔ اس وقت "غالب نمبر" میں میرا ایک ہی مضمون کافی ہے۔ پھر کسی اور وقت کچھ لکھ دوں گا۔ غالب کی ایک کتاب "دستنبو" لٹن لائبریری میں ضرور ہے۔ کچھ محنت سے کچھ اور کتابیں بھی وہاں بہتر آئیں گی۔ "خطوطِ غالب" ممکن ہے اکادمی نہ شائع کرے یا نہ کر سکے۔ ایسی حالت میں کیا مسلم یونیورسٹی چھاپنے کے لیے تیار ہوگی؟ میرے خیال میں بعض حواشی کا ہونا بھی مناسب ہے۔

عالی مقام جناب سرسیّد صاحب کا ایک خط بنام مولانا عبدالحی صاحب مصنّفِ گُلِ رعنا ہے، وہ مجموعہ "خطوطِ سرسید" میں شامل نہیں۔ میں نے اسے ایک ناچیز لیف میں شامل کر دیا ہے۔

احقر العباد

مہیش پرشاد

(۳)

ہندو یونیورسٹی بنارس

۲۶ فروری ۱۹۳۹ء

جناب آرزو صاحب! تسلیم

میری یہ آرزو ہے کہ آپ کچھ تکلیف میرے لیے کریں:

مرزا غالب کے دو خط فرقانی نام کے ایک شاعر صاحب کے نام ہیں۔ مجھے صرف یہی معلوم ہوسکا ہے کہ فرقانی صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد ماجد صاحب کمشنر دہلی کے یہاں میر منشی تھے۔

میرے پاس "گلشنِ بیخار" نہیں، ممکن ہے کہ ان کے حالات اس میں ہوں۔ اگر آپ حالات مختصراً بہم پہنچائیں اور ماخذ کا حوالہ بھی دیں تو بہت شکر گزار ہوں گا۔

تصدیع کے لیے معافی کا خواستگار

بندہ

مہیش پرشاد

(۴)

ہندو یونیورسٹی بنارس

۱۹۳۹ء

عزیزم! سلام

"غالب نمبر" ملا۔ عرصے سے سخت منتظر تھا۔ اگرچہ آج کل کنوکیشن کے جلسے ہو رہے ہیں تاہم میگزین کو اُلٹ پلٹ کے کچھ نہ کچھ ضرور دیکھا اور اس سے بہت متاثر ہوا۔ غالب کے بارے میں میں نے جو کچھ کیا ہے اس سے کسی قدر اندازہ کرسکا ہوں کہ آپ نے کتنی تکلیف گوارا کی ہے۔ قصہ کوتاہ آپ کی مساعیِ جمیلہ سے غالب کے حق میں بہت مفید کام ہوگیا ہے۔ اس کے بارے میں مبارک باد۔ خدا کرے کہ آپ کو مزید کامیابی نصیب ہو۔ غالب کے لیے ابھی بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ زیادہ کیا لکھوں۔ شکریہ

فقط

مہیش پرشاد

مکتوبات ڈاکٹر سیّد عبداللہ بنام مختار الدین احمد

اورینٹل کالج

۲۳ اکتوبر ۴۷ء

مکرمی! تسلیم۔ خط ملا شکریہ

آپ کے استفسارات کا جواب درج ذیل ہے:

۱۔ ایم ۔ اے عربی کی تعلیم گورنمنٹ کالج ، اسلامیہ کالج اور اورینٹل کالج میں ہے ۔ آپ ان میں سے کسی کالج میں داخل ہوجایئے۔ کلاس سب کالجوں کی مشترک ہوتی ہے۔

۲۔ آپ کے لیے بہتر یہ ہوگا کہ آپ اورینٹل کالج میں داخل ہوجائیں۔ اسکی وجہ سے آپ کو ہوسٹل کی سہولت میسر آجائے گی۔

۳۔ داخلہ آج کل ہو رہا ہے۔ آپ نومبر کے وسط تک داخل ہوسکیں گے۔ بہتر یہ رہے گا کہ آپ ابھی سے ایک درخواست پرنسپل اورینٹل کالج کے نام یا ڈاکٹر برکت علی قریشی ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر عربی اورینٹل کالج لاہور کے نام ارسال فرما دیں تاکہ آپ کی درخواست پر ابھی غور ہوجائے۔

۴۔ ہوسٹل میں جگہ مل جائے گی بشرطیکہ آپ بروقت آجائیں۔
ہوسٹل کا خرچ ۴۰ اور ۵۰ روپے کے درمیان ہے۔

۵۔ اگر آپ پرویس کرکے آئیں گے تو آپ کو ایک سال میں امتحان میں جانے کی اجازت ہوگی۔ نفع نقصان آپ کا اپنا ، کیوں کہ دونوں یونیورسٹیوں کا کورس مختلف ہے۔
میں نے آپ کے سب سوالات کا جواب دے دیا ہے۔ اگر کچھ مزید مطلوب ہو تو وہ بھی لکھیے۔

احقر

سیّد عبداللہ

(۲)

اورینٹل کالج لاہور

۲۶ دسمبر ۱۹۵۱ء

مخدومی! سلام مسنون

تلطف نامہ موصول ہو کر باصرہ افروز ہوا۔ ممنونِ التفات ہوں۔

غالب نمبر مجھے مل گیا تھا۔ رسمی شکریہ ادا کرنے کی ہوس، افسوس کہ پوری نہ ہوئی ع

ناخن پہ قرض ہے گرہِ نیم باز کا

اس کی وجہ سے عنایت فرمائی کی یاد تازہ رہتی ہے۔

غالب نمبر کی اشاعتِ جدید کے لیے ضرور کچھ لکھنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ مجھے معقول مہلت دیں۔ خاکہ ذہن میں موجود ہے۔ فی الحال لکھنا بھی شروع کر دوں گا مگر لکھنے میں کچھ وقت لگے گا۔ بجواب لکھیے کہ آپ مجھے زیادہ سے زیادہ کتنا وقت دے سکیں گے۔

تدریس کا زمانہ ہے، وقت کی تنگی کا خاص لحاظ رہے۔
امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مخدومی رشید صاحب کی خدمتِ اقدس میں سلام مسنون

نیاز مند

سیّد عبداللہ

(۳)

اورینٹل کالج لاہور

۲ جنوری ۵۲ء

مکرمی ! سلام مسنون

آپ کا کارڈ ملا۔ غالب نمبر کے لیے ایک مقالہ بہ عنوان

"غالب —— معتقدِ میر ؟"

فروری کے شروع تک بھیج سکوں گا۔

مزید امور جن پر آپ گفتگو فرمانا چاہتے ہیں بے تکلف لکھیے۔ والسلام

مخلص

سیّد عبداللہ

(۴)

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

۱۶ فروری ۵۲ء

محترم و مکرم ! سلام مسنون

میرا مضمون "غالب —— معتقدِ میر" بالکل تیار ہوگیا ہے اب صرف صاف کرنا باقی ہے۔

انشاءاللہ بہت جلد بیقیہ آپ کی خدمت میں ارسال کر دیا جائے گا۔

امید ہے کہ آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

(۵)

اورینٹل کالج لاہور
یکم اپریل ۵۲ء
مکرمی مشفقی!

سلام مسنون! آپ کا پوسٹ کارڈ ملا۔ تعجب ہے کہ آپ کو میرا مضمون ابھی تک نہیں ملا۔ مضمون دو ہفتے ہوئے علی گڑھ کے پتے پر بھیجا جاچکا ہے۔

خدا کرے کہیں نقل و حرکت میں گم نہ ہوگیا ہو۔ جہاں تک مجھے یاد ہے آپ نے اس سے قبل دہلی کا پتہ نہیں لکھا تھا۔ بہر صورت آپ علی گڑھ کے ڈاکخانے سے استفسار کیجیے۔ مجموعے کا نام کچھ دنوں کے بعد تجویز کر کے آپ کو لکھ دوں گا۔ والسّلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

بخدمت شریف جناب مختار الدّین احمد
ایس ایس ویسٹ مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)

(۶)

اورینٹل کالج لاہور
۹ اپریل ۵۲ء
مکرمی! سلام مسنون

آپ کا خط ملا جس سے معلوم ہوا کہ میرا مضمون آپ تک پہنچ گیا ہے۔ مضمون کے بارے میں آپ نے جو اظہار خیال فرمایا اس کا شکریہ۔ آپ نے جو دو کتب طلب فرمائی ہیں ان میں سے ایک "نکات و رقعات غالب" لائبریری میں موجود ہے، دوسری کتاب "سوالات عبدالکریم" باوجود بڑی تلاش لائبریری میں نہیں مل سکی۔

آپ کو کہاں سے اطلاع ملی کہ یہ دوسری کتاب یہاں لائبریری میں موجود ہے۔ مرتضےٰ حسن بلگرامی صاحب کے مضمون "غالب کی تصانیف" کا بھی کچھ پتا نہیں لگتا۔ کیا آپ بتا سکیں گے کہ یہ مضمون کب شائع ہوا۔

آپ نے کتاب کی عکسی نقل کے لیے بھی لکھا ہے۔ کیا آپ عکسی نقول کے لیے اس کا

کی اجرت پاکستان بھیجنے کا انتظام کر سکتے ہیں؟

امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

بخدمت شریف جناب مختار الدّین احمد صاحب

ایس ایس ویسٹ۔ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ (یو۔ پی)۔ انڈیا

(۷)

اورینٹل کالج لاہور

حال: مانسہرہ ضلع ہزارہ Mansehra۔

یکم اگست ۵۲ء

مشفق عنایت فرما۔ عرصہ ہوا ایک مضمون "غالب — معتقدِ میر" کے عنوان سے لکھ کر آپ کی خدمت میں ارسال کیا تھا تاکہ غالب نامہ کی اشاعت ثانی میں چھپے۔ توقع تھی کہ مضمون اپریل مئی تک چھپ جائے گا مگر آج یکم اگست ہے اس پر بھی کوئی اطلاع غالب نمبر کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں موصول نہیں ہوئی۔ مجھے امید ہے کہ آپ نے اس نمبر کی طباعت و اشاعت کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ اور یہ تاخیر عارضی ہے اور یہ بھی کہ غالب نمبر ضرور چھپے گا۔ لیکن اگر کسی وجہ سے ارادہ ترک کر دیا ہو تو اس صورت میں از راہِ کرم میرا مضمون مجھے واپس بھیج دیجیے تاکہ اس کی اشاعت کا کوئی اور انتظام کیا جاسکے۔ ایک گزارش اور ہے۔ اگر غالب نمبر چھپ رہا ہے اور میرا مضمون چھپ نہیں چکا تو التماس ہے کہ اس کی کم از کم دس زائد کاپیاں مجھے قیمتاً عنایت ہوں۔ کاغذ کی قیمت ادا کر دوں گا۔

امید ہے کہ آپ بالکل بخیریت ہوں گے۔ والسلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

(۸)

سیّد عبداللہ
ریڈر اردو
پنجاب یونیورسٹی
۲۵ ستمبر ۵۲ء

مکرّم و محترم سلامت باکرامت باشند۔ آپ کو یاد ہوگا میں نے آپ کو جولائی یا اگست میں ایک خط لکھا تھا جس میں یہ خواہش کی تھی کہ میرے مضمون "غالب — معتقدِ میر" کو جلد چھاپا جائے۔ اس کے جواب میں آپ نے لکھا تھا کہ مجموعہ (مطالعۂ غالب) کی طباعت شروع ہوگئی ہے اور یہ کہ میرا مضمون بھی بہت جلد چھپ جائے گا۔

اس کے بعد تقریباً دو مہینے گزر چکے ہیں۔ اور مجھے توقع ہے کہ میرا مضمون چھپ گیا ہوگا میں یہ چاہتا ہوں کہ پوری کتاب جب چاہے چھپے، مجھے میرے مضمون کی کچھ زائد کاپیاں پیشگی ہی مل جائیں۔ اس وقت مجھے اس مضمون کی (یعنی مطبوعہ مضمون) کی بے حد ضرورت ہے۔ کیا آپ اس کے لیے کچھ انتظام کرسکتے ہیں ؟

میں آپ کی اس مہربانی کے لیے آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔ امید ہے کہ آپ دریغ نہ فرمائیں گے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

نیاز مند
سیّد عبداللہ

(۹)

ڈاکٹر سیّد عبداللہ ایم اے ڈی لٹ
یونیورسٹی پروفیسر، صدر شعبۂ اردو
پنجاب یونیورسٹی، اورینٹل کالج، لاہور
۱۰ اکتوبر ۵۶ء

محترم و مکرّم! سلام مسنون۔

گرامی نامہ موصول ہوا۔ شکریہ قبول کیجیے۔ اس کے بعد میری طرف سے مبارک باد قبول کیجیے اپنی تازہ علمی فتوحات اور علمی سند پر جو آپ پوری آب و تاب سے لائے ہیں۔

آپ کے حالات کچھ کچھ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کے ذریعے معلوم ہوتے رہے۔ مضمون کے سلسلے میں کچھ دیر تو ناراضگی رہی مگر آپ کی مشکلات کا جب معلوم ہوا تو سب شکوے جاتے رہے۔ میں ان کاموں کی تکلیفوں سے بے خبر نہ تھا اس لیے مطمئن سا ہو گیا تھا۔ تاآنکہ جناب خلیل اعظمی کے خط سے نقد غالب کی طباعت و اشاعت کی اطلاع موصول ہوئی۔ پھر ایک نسخہ بھی ملا۔ جو غالباً ان کا بھجوایا ہوا ہوگا۔ یہ مجموعہ بھی احوالِ غالب کی طرح غالبیات میں قابل قدر اضافہ ہے۔ اگر پہلا نسخہ اعظمی صاحب کا ارسال کردہ تھا تو آپ میرے نام کا نسخہ میری طرف سے اُنھی کی خدمت میں پیش کر دیجیے۔ میں ان کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے مطلع بھی کیا اور کتاب سے بھی مشرف کیا۔

میگزین کے پرانے نسخے آپ کو بھجوائے جاسکتے ہیں البتہ چند نمبر طباعت ثانی کے محتاج ہیں۔

۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۶ء تک کے ۲۰ پرچے اور ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۶ء تک کے ۴۴ پرچے سٹاک میں موجود ہیں۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۶ء تک ۲ روپیہ فی کاپی اور ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۶ء تک ایک روپیہ فی کاپی کے حساب سے یہ رسالے مل سکتے ہیں۔

آپ جو مضمون ہمارے رسالے کے لیے بھیجیں گے ہم اس کو ارمغان خیال کریں گے اور ضرور چھاپیں گے۔

آپ نے میرے جدید ترین موضوعوں کا حال دریافت کیا ہے، سو عرض ہے کہ میں اب لکھتا کم ہوں پڑھتا زیادہ ہوں کیوں کہ مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ اس سے قبل میں مناسب مطالعہ کے بغیر ہی قلم فرسائی کرتا رہا۔ میر تقی میر میرا مضمونِ خاص ہے مگر اس پر میرے معاصرین اس قدر لکھ رہے ہیں اور لکھ چکے ہیں کہ میں سوچتا ہوں، میرے لیے کچھ رہ بھی گیا ہے یا نہیں؟ اس معاملے میں بھی مجھے پھر وہی احساس ہوتا ہے کہ پڑھنا اور بات کو خود سمجھ لینا بے کار لکھنے پر ترجیح رکھتا ہے۔ اب میری توجہ تحقیق محض کے مقابلے میں تنقید مع تحقیق کی طرف ہے۔ مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ اور میری منزل کہاں ہے۔ والسلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

(۱۰)

یونیورسٹی اورینٹل کالج

۱۰نومبر ۵۶ء

مکرمی! سلام مسنون

آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ اس سے قبل ایک خط آپ کی خدمت میں ارسال کیا جا چکا ہے۔ جس میں میگزین کے ان پرچوں کی تفصیل درج تھی جو آپ کو کالج کے دفتر سے مل سکیں گے۔

رقم کی ترسیل کے سلسلے میں گزارش ہے کہ آپ مبلغ ایک سو اسی روپے محمدؐ بلال صدیقی صاحب منیجر کتب خانہ نعیمیہ۔ دیو بند ضلع سہارنپور کو ارسال فرما دیں۔ رسالے یہاں سے آپ کی خدمت میں بھیج دیے جائیں گے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ فقط والسّلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

بخدمت شریف:

جناب ڈاکٹر مختار الدّین صاحب۔ ایم۔ اے۔ ڈی فل

(آکسن)

شعبۂ عربی و اسلامیات۔ مسلم یونیورسٹی

علی گڑھ (انڈیا)

(۱۱)

یونیورسٹی اورینٹل کالج۔ لاہور

مورخہ یکم نومبر ۱۹۵۸ء

مکرم و محترم ڈاکٹر صاحب! سلام مسنون

گرامی نامہ ملا۔ شکریہ۔ جواباً تحریر ہے کہ اورینٹل کالج میگزین کی مکمل فائل ہمارے پاس موجود نہیں۔ جو پرچے مل سکتے تھے ان کی ایک فہرست آپ کو پہلے ارسال کی جا چکی ہے۔

رسالے کا سالانہ چندہ ۶ روپے ہے اور پرانے شماروں کی قیمت دو روپے فی شمارہ ہے۔

انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ہمیں کوئی خط موصول نہیں ہوا ورنہ جواب ضرور دیا جاتا۔

دفتری مصروفیات کی وجہ سے تذکرۂ مردم دیدہ کے لیے وقت نہیں ملتا۔ کوشش کر رہا ہوں کہ

جلد شائع ہو جائے۔

امید ہے کہ آپ بہمہ وجوہ خیریت سے ہوں گے۔

فقط، والسّلام

سیّد عبداللہ

بخدمت جناب ڈاکٹر مختار الدّین صاحب

۵۔ حالی روڈ۔ علی گڑھ۔ بھارت

(۱۲)

اورینٹل کالج۔ لاہور

۲۴ اپریل ۱۹۵۹ء

مکرمی! سلام مسنون۔

عنایت نامہ موصول ہوا۔ یاد فرمائی کا شکریہ۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کی ترویج و ترقی کے سلسلے میں آپ کا جو کام کر رہے ہیں وہ یقیناً بہت اہم ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اس نیک اور عظیم مقصد میں کامیاب و کامران فرمائے۔ (آمین)

اورینٹل کالج کی گذشتہ دو سال کی رپورٹیں ارسال خدمت ہیں۔ ان سے آپ کو مطلوبہ فہرست مل جائے گی۔ اس کے علاوہ اس ادارے کے دیگر کوائف سے بھی آپ باخبر ہو سکیں گے۔

امید ہے کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ فقط، والسّلام

کالج کی رپورٹیں علیحدہ بذریعہ بک پوسٹ ارسال ہیں۔

مخلص

سیّد عبداللہ

(۱۳)

یونیورسٹی اورینٹل کالج۔ لاہور

۸ مئی ۶۳ء

مکرم و محترم۔ سلام مسنون

مزاج شریف۔ آپ کو ایک زحمت دے رہا ہوں امید ہے آپ کرم فرمائیں گے۔

بیس بائیس سال ہوئے میری ایک کتاب " فارسی ادب میں ہندوؤں کا حصّہ " انجمن

ترقی اردو نے طبع کی تھی۔ کچھ عرصے سے یہ کتاب نایاب ہے۔ بعض حلقوں کی طرف سے اس کے دوسرے ایڈیشن کی طباعت کا تقاضا ہو رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ کتاب اگر بھارت میں چھپے تو مناسب ہوگا۔ کیا انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ اس کا اہتمام کر سکتی ہے۔ آپ پروفیسر آل احمد سرور صاحب سے بات چیت کر کے مجھے بتایئے کہ اس سلسلے میں ان کی کیا رائے ہے اور وہ کس حد تک امداد کر سکتے ہیں۔ فقط والسّلام

نیاز مند

سیّد عبداللہ

بخدمت جناب ڈاکٹر مختار الدّین احمد صاحب۔
ریڈر، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ بھارت

(۱۴)

یونیورسٹی اورینٹل کالج
لاہور (مغربی پاکستان)
۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء
مکرمی: سلام مسنون:

استادِ بزرگ ڈاکٹر مولوی محمّد شفیع کی یاد میں یونیورسٹی اورینٹل کالج میگزین کا ایک خاص نمبر مئی ۱۹۶۴ء میں شائع ہوگا۔ یہ شمارہ اہم تحقیقی، تنقیدی اور علمی مضامین پر مشتمل ہوگا۔

آپ سے التماس ہے کہ آپ بھی اپنی پسند کے کسی موضوع پر مقالہ لکھ کر ہمیں ممنون فرمائیں۔ پرچے کی طباعت کے لیے خاص وقت درکار ہوگا۔ ان حالات میں آپ سے درخواست ہے کہ اپنا مقالہ فروری کے آخر تک ہمیں بھیج دیجیے۔ تاکہ یہ خاص نمبر بر وقت شائع ہو سکے۔

آپ کے تعاون کا طالب

نیاز مند

سیّد عبداللہ

بخدمت شریف جناب ڈاکٹر مختار الدّین آرزو صاحب
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انڈیا

(۱۵)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ

دانش گاہ پنجاب

وولنر ہال

یونیورسٹی (اولڈ کیمپس)

لاہور

۲۲ فروری ۱۹۹۷ء

مکرم و محترم، السلام علیکم

آپ کا نامہ گرامی مورخہ ۲۵۔۱۔۱۹۹۷ء موصول ہوا۔ شکریہ

سب سے پہلے میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہم جن صاحبان کے پاس اپنے کُراسے تبصرے کے لیے بھجواتے ہیں ان کے بارے میں یہ بتانا پڑتا ہے کہ تبصرہ نگار صاحبان نے کن جرائد و رسائل میں تبصرے شائع کرائے ہیں اور ان جرائد و رسائل کے تراشے بھی دکھانا پڑتے ہیں۔

چوں کہ آپ کی طرف سے کوئی مطبوعہ تبصرہ موصول نہیں ہوا تھا اس لیے دفتر کو مجبوراً کُراسے بھیجنا بند کرنا پڑے۔ بہر کیف آپ کے محوّلہ خط کے ساتھ جس تبصرے کی نقل تھی، اس کے متعلق آپ نے یہ نہیں تحریر فرمایا کہ وہ کس رسالے یا اخبار میں چھپا ہے۔ براہ کرم وہ رسالہ یا اخبار ارسال فرمائیں تاکہ ہم حکّام کو بھجوا سکیں۔

"اسوان" اور "جمال الدین محمود الاستادار" پر آپ کے مقالوں کا بل یونیورسٹی کے صدر دفتر میں بھیجا ہوا ہے، لیکن زرِ مبادلہ نہ ملنے کی وجہ سے اس کی ادائیگی نہیں کی جا سکی۔ ان دونوں کاموں کے معاوضے کی کل رقم ۱۱۲۰۸۳ روپے بنتی ہے۔

نیاز مند

سیّد عبداللہ

(۱۶)

یونیورسٹی اورینٹل کالج ۰ لاہور

۲۹ دسمبر ۱۹۵۶ء

مکرمی و محترمی ڈاکٹر صاحب ! سلام مسنون

اورینٹل کالج میگزین کے ۱۰۹ پرچوں کا ایک سیٹ آپ کی خدمت میں ارسال کیا جا رہا ہے۔ میگزین کے پرچوں کا بل مبلغ ایک سو چوراسی =/۱۸۴ روپے بھی ارسال خدمت ہے چند پرچے نایاب ہونے کے سبب سیٹ مکمل نہ ہوسکا۔ جس کا افسوس ہے۔ بہرحال جو پرچے مل سکے ارسال کیے جا رہے ہیں۔ از راہِ کرم بل کی ادائیگی منیجر صاحب کتب خانہ نعیمیہ (دیو بند) کو فرما دیں اور اس کی اطلاع ہم کو بھجوا دیں۔ اطلاع ملنے پر فوراً رسالے مختلف پیکٹوں میں آپ کی خدمت میں ارسال کر دیے جائیں گے۔

آج کل یہاں پاکستان اورینٹل کانفرنس کے اجلاس ہو رہے ہیں جس کے سبب بے حد مصروفیت ہے۔ ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین کے پرچے بھی اورینٹل کالج میگزین کے پرچوں کے بعد آپ کی خدمت میں ارسال کر دیے جائیں گے۔ فقط والسلام

پرنسپل

یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

بخدمت جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب

ایم اے۔ ڈی فل (آکسن)

شعبۂ عربی و اسلامیات۔ مسلم یونیورسٹی۔

علی گڑھ۔ انڈیا

○

مکتوبات حمید احمد خاں بنام مختار الدین احمد

(۱)

۵ بیگم روڈ ۰ لاہور

۲۲ مارچ ۴۹ء

مکرمی و محترمی ! سلام مسنون۔ میرا مضمون میرے اپنے مقرر کیے ہوئے وقت کے اندر

مکمل نہ ہوسکا۔ بہرحال اب تیار ہوچکا ہے اور آج بذریعہ رجسٹری ارسال خدمت ہے۔ خدا کرے آپ کو پسند آجائے اور آپ کے کام آسکے۔ مضمون مرزا غالب کی بیگم صاحبہ پر ہے اور فلسکیپ کاغذ کے نو صفحے میں ہے۔

پرسوں آپ کا بھیجا ہوا علی گڑھ میگزین کا پیکٹ ملا۔ شکریہ۔ ابھی تفصیل سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن مضامین کا تنوع اور ترتیب لائق تحسین ہیں۔ آپ نے جس ہمّت سے بہ حالات موجودہ اس پائے کا پرچہ تیار کرلیا اس کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ سُبحان اللہ!

اردو کا مستقبل خود اپنے وطن میں کیا ہے، اس کا فیصلہ اب آپ جیسے باہمت نوجوانوں کے ہاتھ میں ہے۔

میگزین میں مضمون کی اشاعت کے بعد اگر آپ میرا مسودہ مجھے لوٹا سکیں تو ممنون ہوں گا۔

نیاز مند

حمید احمد خاں

(۲)

۵ بیگم روڈ، لاہور

۹ مئی ۱۹۴۹ء

مکرمی و محترمی! سلام مسنون، عنایت نامہ مورخہ ۲۶ اپریل ملا۔ میرے مضمون کی رسید جو آپ نے بھیجی مجھے وصول نہیں ہوئی لیکن مضمون چوں کہ میں نے بذریعہ رجسٹری بھیجا تھا اس لیے میں مطمئن تھا، ضرور مل گیا ہوگا۔

اب آپ کے گرامی نامے کو دیکھ کر یہ تعجب ضرور ہوا ہے کہ پرچے کی جو رسید آپ کو میں نے بھیجی وہ بھی آپ کو وصول نہیں ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ میگزین کا جو پرچہ آپ نے بذریعہ رجسٹری مکان کے پتے سے بھیجا وہ مجھے اس وقت وصول ہوا جب میں آپ کے لیے اپنا مضمون ختم کر رہا تھا۔ چند روز بعد جب میں نے مضمون بھیجا تو ایک الگ خط میں پرچے کے لیے آپ کا شکریہ ادا کیا اور پرچے کو دیکھ کر تحسین کے جو جذبات دل میں پیدا ہوئے تھے ان کو بھی مختصراً قلم بند کیا۔ میں حیران ہوں کہ آپ اسی (مارچ میں بھیجے ہوئے) پرچے کے متعلق میری رسید اور رائے مانگ رہے ہیں، یا اس کے بعد کا پرچہ بھی نکل آیا جو آپ نے مجھے بھیجا اور مجھے وصول نہیں ہوا۔

میں نے اپنے مذکورۂ بالا خط میں یہ درخواست بھی کی تھی کہ میرا مضمون کتابت و طباعت کے مرحلوں سے نکل جائے تو مسودہ براہ کرم رجسٹری کے ذریعے سے مجھے واپس بھیج دیجیے۔

ڈاکٹر تاثیر سے میں نے آپ کے لیے مضمون کا ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ بخوشی کچھ لکھتے لیکن اس بارے میں آپ کی طرف سے کوئی دعوت انہیں ملی ہی نہیں۔

خیر طلب

حمید احمد خاں

(۳)

۵ بیگم روڈ۔ لاہور

۲۳ جنوری ۱۹۵۰ء

مخترمی و مکرمی، السلام علیکم

میں بہت دنوں سے آپ کو خط لکھنے کا خیال کر رہا تھا لیکن اتفاق کی بات ہے کہ یہ موقع اب آپ کا، جنوری کا کارڈ وصول ہونے کے بعد پیدا ہوا۔ خط لکھنے کا ارادہ محض برسبیلِ مکاتبت نہ تھا بلکہ کچھ باتیں کہنے کی تھیں۔

میرا مسوّدہ جو آپ نے واپس بھیجا، مجھے وصول ہو گیا تھا۔ اس کے لیے بہت شکریہ۔ لیکن بعد میں عرصہ دراز تک جب مجھے میگزین کا پرچہ نہ ملا تو تعجب ہوا کہ آخر طباعت میں اس قدر دیر کی وجہ کیا ہے؟ قاضی عبدالودود صاحب کے ایک عنایت نامے سے میں نے قیاس کیا کہ پرچہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد دسمبر ۴۹ء میں کیا دیکھتا ہوں کہ "مخزن" میں ایک اقتباس میرے مضمون کا شائع ہوا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ مخزن کے دفتر میں میگزین کا غالب نمبر پہنچا ہے جس کے متعلق یہ دلچسپ سوال درپیش ہے کہ پرچہ مدیر "مخزن" کے لیے ہے یا حمید احمد خاں کے لیے۔ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ پرچہ تو مدیر مخزن کو پہنچا مگر ورقِ اول پر میگزین کے ایڈیٹر صاحب نے اسے اپنے دستخط سے حمید احمد خاں کی نذر کیا تھا! بالآخر یہ پرچہ میں نے پڑھنے کے لیے منگوالیا اور اب تک میرے پاس ہے (اور بظاہر میرے ہی پاس رہنا چاہیے)۔ کیا "مخزن" کو آپ تبادلے میں میگزین بھیجتے ہیں؟ اگر یہ صورت ہو تو مدیر "مخزن" کے لیے ایک اور پرچہ مجھے بھیج دیجیے تاکہ آپ کا دستخطی پرچہ میں بدستور اپنے پاس رکھوں اور نیا پرچہ جو وصول ہو "مخزن" کو بھیج دوں۔

جب آپ کی ادارت میں ۴۹-۱۹۴۸ء کا پہلا نمبر شائع ہوا تو اس کے حسنِ ترتیب و تحریر کو دیکھ چکنے کے بعد بھی مجھے یہ خیال نہ تھا کہ اس کے پیچھے ایسا مستم بالشان اور مجتہدانہ غالب نمبر آ رہا ہے۔ سبحان اللہ کس محنت اور سلیقے سے مرتب ہوا ہے۔ مبتدی اور منتہی دونوں کے لیے گنجینۂ معنی کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ نے اس شان کا غالب نمبر شائع کر کے ایک نیا معیار قائم کیا ہے۔ مرحبا۔ تحقیقی مقالات کے تنوع نے اس پرچے کو غالب پر ایک چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا بنا دیا ہے جس کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت یقیناً قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

بہ حالات موجودہ میرے لیے یہ بہت مشکل ہے کہ کوئی نیا مضمون لکھوں یا شائع شدہ مضمون میں ترمیم و اضافہ کروں۔ ایک صورت البتہ ایسی ہے کہ میرے لیے ممکن العمل اور میگزین کے دوسرے ایڈیشن کے لیے شاید قابل قبول ہو۔ پچھلے دنوں قاضی عبدالودود صاحب کا جو نوازش نامہ آیا اس میں انھوں نے مجھ سے میرے مضمون کے متعلق دو ایک سوال کیے تھے۔ میں ان کا کسی قدر مفصل جواب اسی ہفتے کے دوران میں قاضی صاحب کو لکھ رہا ہوں۔ یہ سوال و جواب قاضی صاحب کی اجازت سے دوسرے ایڈیشن میں شامل کیے جا سکتے ہیں اگر آپ پسند فرمائیں تو قاضی صاحب سے پوچھ لیجیے اور مجھے مطلع فرمایئے۔ میں دونوں خطوں کی نقل ارسال خدمت کر دوں گا۔

میرے پتے کے متعلق آپ کو کچھ مغالطہ ہو گیا۔ میرا تعلق اسلامیہ کالج سے ہے۔ گورنمنٹ کالج سے نہیں۔ ویسے وہاں سے آپ کے ایک دو خط منتقل ہو کر مجھے اسلامیہ کالج میں وصول ہو گئے ہیں۔ حال ہی میں ایک اور خط اسی گورنمنٹ کالج کے پتے سے آیا ہے۔ خاتمہ خط پر فرستندہ کے دستخط کی عدم موجودگی کی وجہ سے میں نہیں کہہ سکتا کہ خط کن صاحب نے لکھا ہے۔ لیکن خط کی پیشانی پر "علی گڑھ اردو میگزین" وغیرہ الفاظ چھپے ہوئے ہیں۔ نیز "اڈیٹر سید شبیہ الحسن نونہروی" کی تصریح بھی موجود ہے۔ اگر خط واقعی نونہروی صاحب کی طرف سے آیا ہے تو میں ممنون ہوں گا اگر آپ ان کی خدمت میں میری طرف سے یہ معذرت پہنچا دیں کہ بوجہ عدیم الفرصتی۔ میگزین کے "اکبر نمبر" کے متعلق ان کے ارشاد کی تعمیل نہ کر سکوں گا۔ آئندہ دو مہینے تک کالج اور یونیورسٹی کے کام کے سلسلے میں مجھے شبانہ روز مصروفیت رہے گی۔ شاید آپ کو معلوم ہو گا کہ پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات اپریل میں ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔

والسلام

حمید احمد خاں

(۴)

۵ بیگم روڈ۔ لاہور

۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء

مخدومی و محترمی! تسلیمات

دونوں عنایت نامے (مورخہ ۲۲ دسمبر ۵۱ء و مورخہ ۳ جنوری ۵۲ء) وصول ہوئے۔ ۳ جنوری کا کارڈ جو آپ نے فضائی ڈاک سے روانہ فرمایا ہے ۱۰ جنوری کو وصول ہوئے۔

اسلامیہ کالج میگزین کے تاثیر نمبر کی تحسین میں جو الفاظ آپ نے لکھے ہیں، انھیں پڑھ کر جی خوش ہو گیا۔ اس بظاہر سیدھے سادے نمبر کی ترتیب میں خاصی محنت کرنی پڑی تھی۔ آپ راہ و رسمِ منزلہا کے شناسا ہیں، اس لیے آپ کا اظہار پسندیدگی خاص طور پر باعث مسرت ہوا۔

اب یہ فرمایئے کہ اس لمبے وقفے کے دوران میں جب آپ کو خط نہیں لکھ سکا، آپ کیا کچھ کرتے رہے، انجمن ترقی اردو سے آپ کس حیثیت میں منسلک ہیں، اور کیا آپ کا موجودہ پتا آپ کا مستقل پتا سمجھا جائے؟

اکرام صاحب کی کوئی تازہ تصویر میرے پاس نہیں ہے۔ ایک تصویر انھوں نے اوکسفورڈ سے (بیس برس ہوئے) مجھے بھیجی تھی۔ یہ وہ زمانہ ہے جب وہ غالب نامہ کی تالیف کر رہے تھے۔ دوسری تصویر چند سال بعد کی ہے مگر اس پر ان کے ہاتھ سے لکھے ہوئے الفاظ بلاک میں نہیں آنے چاہییں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اکرام صاحب کے حلیے میں اب تک کچھ زیادہ فرق نہیں ہوا۔ آپ دونوں تصویروں میں سے جسے پسند فرمائیں شائع کر دیں۔

بلاک بن جائے تو براہ کرم دونوں تصویریں مجھے رجسٹری کے ذریعے سے لوٹا دیجیے۔

میرے پاس کوئی اپنی تازہ تصویر بھی نہیں ہے۔ جنوری ۴۸ء کی لی ہوئی ایک تصویر اکرام صاحب کی دونوں تصویروں کے ساتھ الگ الگ لفافے میں رجسٹری کے ذریعے سے بھیج رہا ہوں۔ یہ تصویر لوٹانے کی زحمت نہ فرمایئے، آپ کی نذر ہے۔

اکرام صاحب کی تصویریں دوسرے کاغذات میں مل گئی تھیں۔ خاصی تلاش کے بعد ملیں جس کے لیے وقت آج ہی نکلا۔ جواب میں تاخیر اسی وجہ سے ہوئی۔ میرے لیے آج کل غالب پر کوئی نیا مضمون لکھنا از قبیل محالات ہے۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو لکھتے والا مضمون شائع کر سکتے ہیں۔ "ماہ نو" نے یہ مضمون کسی قدر مسخ کر دیا تھا یعنی غالب کے ایک ایسے ہم عصر کی

شہادت حذف کر دی تھی جس نے کلکتے کے معرکے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے۔ میرے نزدیک اس مضمون کا حاصل وہی عبارت تھی جو حذف کر دی گئی۔ اگر فرمائیے تو وہ عبارت نقل کر کے بھیج دوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے لیے یہی "وجہ جواز" کافی ہے۔

طالب خیریت

حمید احمد خاں

(۵)

۵ بیگم روڈ۔ لاہور

مورخہ ۹ اپریل ۵۲ء

مکرمی و محترمی۔

طویل اور مسلسل علالت نے آپ کے مکرمت ناموں کا جواب تک لکھنے سے محروم رکھا۔ طبیعت ابھی تک درست نہیں ہوئی۔

حسن و عشق والا مضمون بھیج رہا ہوں۔ خطوں کا جواب تفصیل سے آئندہ ہفتے لکھ سکوں گا۔

اپنی تصویر کے متعلق لکھنا چاہتا تھا کہ آپ کی فرمائش پر جو تصویر بعد میں بھیجی گئی براہ کرم اسے شائع نہ کیجیے۔ جو تصویر پہلے بھیجی گئی تھی اور جس کا مقصد ہی اشاعت تھا، اسے شائع کرنے میں مجھے مضائقہ نہیں ہے۔ اس کے بلاک کی تیاری میں ذرا زیادہ زحمت ہوگی، مگر امید ہے آپ اس زحمت کو گوارا فرمائیں گے۔ دوسری تصویر جو میں نے محض تعمیل ارشاد کے طور پر بھیج دی تھی دوستوں کی رائے میں قابل اشاعت نہیں ہے۔ نیز وہ تصویر ذاتی حیثیت سے آپ کو نذر کی گئی تھی۔ کتاب میں اس کا شائع ہونا ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔

امید ہے آپ بخیریت ہوں گے۔

والسلام

حمید احمد خاں

(۶)

اسلامیہ کالج لائبریری

لاہور

۱۰ مئی ۱۹۵۲ء

مخدومی، تسلیمات۔ معافی چاہتا ہوں کہ مضمونوں کی واپسی میں دیر ہوگئی مگر زندگی اس

قسم کے چھوٹے چھوٹے نابکار دھندوں میں گھر گئی ہے ع

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

مضمونوں کو از ابتداء تا انتہا ایک نظر دیکھنے کا موقع بھی نہیں ملا اور اگر اس وقت بھیج نہیں دیتا ہوں تو کل اتوار کی وجہ سے رجسٹری نہ ہوسکے گی۔ بہرحال جو کچھ ہے قبول فرمائیے۔ کہیں کہیں میں نے تبدیلی کی ہے۔

میں نے اپنی تصویر کے متعلق جو تاکید کی تھی اس بارے میں آپ نے کچھ تحریر نہیں فرمایا۔

والسلام

حمید احمد خاں

(۷)

۵ بیگم روڈ۔ لاہور

۲۲ مئی ۱۹۵۲ء

مکرمی و محترمی۔ تعظیمات

دونوں مضمون اور آپ کے پہلے خط کا جواب میں بھیج چکا تھا۔ آپ کا ۱۳ مئی کا نوازش نامہ ملا۔

عود ہندی طبع اول کا ایک نسخہ اسلامیہ کالج لائبریری کے لیے مطلوب ہے۔ میں نے لائبریرین صاحب سے کہا ہے وہ خود بھی میرے تعلق سے آپ کو لکھیں۔

صفیر بلگرامی اور حضرت غوث علی شاہ کے علاوہ اور کسی کی ملاقات کا حال میرے علم میں نہیں ہے۔ اور صفیر بلگرامی کا تذکرہ بھی اکرام اور مہر صاحبان کے حوالے سے معلوم ہے۔

مزید معلومات کے لیے آپ انہی صاحبان سے رجوع فرمائیں۔

والسلام

حمید احمد خاں

(۸)

اسلامیہ کالج لاہور

۲۵ اگست ۱۹۵۲ء

مکرمی! تسلیمات۔ عنایت نامہ مؤرخہ ۶ اگست وصول ہوا۔ عود ہندی کے مسئلے میں میرا خیال یہ تھا کہ ابتداءً جو گرامی نامہ آیا اس میں قیمت آپ نے دس ہی روپے تحریر فرمائی

تھی اور اسی کے مطابق ہمارے ہاں دفتری کاروائی کے بعد رقم ادا ہوئی۔ چوں کہ اس خیال کی تصدیق ضروری تھی، اس لیے میں موقع کا منتظر رہا کہ کسی وقت کالج جاؤں اور اصل خط دیکھ آؤں۔ (ابھی تک کالج تعطیل گرما کی وجہ سے بند ہے)۔

آپ کے پہلے کارڈ کو دیکھا تو قیمت واقعی دس روپے درج تھی۔ یہ کارڈ آپ کی اطلاع کے لیے ملفوف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سے لکھنے میں سہو ہوا یا اس طویل مدت میں حالات کچھ بدل گئے اور مالک کتاب نے دس کے بجائے پندرہ روپے مقرر کر دی جس کی وجہ سے پہلی قیمت آپ کے حافظے سے نکل گئی۔ خیر جو صورت بھی ہو اب کیفیت یہ ہے کہ دفتری مجبوریوں کی وجہ سے مزید پانچ روپے کا وصول ہونا مشکل نظر آتا ہے۔ جو مختلف "منظوریاں" اور اندراجات "ہر سلسلے میں ہو چکے ہیں ان کے پیش نظر اضافۂ قیمت کا معاملہ اٹھانا اب موزوں معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ میں نے یہ احتیاط کی ہے کہ برادر مکرم حامد علی خاں صاحب کو اطلاع بھجوا دی ہے کہ باقی چار نسخوں کی قیمت دس روپے کے بجائے پندرہ روپے فی نسخہ کے حساب سے وصول کریں۔

پروفیسر سراج الدین آذر مرحوم کا قلمی ذخیرہ ان کے صاحبزادے ظہیر الدین احمد کی تحویل میں ہے۔ ظہیر صاحب کراچی میں ہیں۔ وہ پہلے منسٹری آف فنانس میں ڈپٹی سیکریٹری تھے۔ اب غالباً کیبنٹ سیکریٹریٹ میں ہیں۔

سفر انگلستان کی تمام تفصیلات ابھی طے نہیں ہوئیں بلکہ کیمبرج سے جو خط چند روز ہوئے آیا اس میں ایک شرط ایسی درج تھی جو مجھے قابل قبول معلوم نہیں ہوتی۔ بہرحال ابھی خط و کتابت جاری ہے۔ اگر اب میں روانہ ہوا بھی تو ستمبر کے آخر میں ہوں گا۔ روانگی سے پہلے آپ کو ضرور اطلاع دوں گا۔

امید ہے آپ مع الخیر ہوں گے۔

مخلص

حمید احمد خاں

معاف فرمائیے یہ خط چار روز کی دیر سے ڈاک میں ڈالا جا رہا ہے۔

(۹)

کیمبرج

۲۵ مئی ۱۹۵۳ء

مشفقی و محترمی! السلام علیکم

عنایت نامہ ملا۔ آپ نے میری خاموشی کی شکایت کی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں یہاں وقت گزر رہا ہے کام کی وسعت اور اپنی استطاعت کے حدود زیادہ سے زیادہ واضح ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مطالعہ و تحریر کا انہماک اسی نسبت سے تیز تر ہوگیا ہے۔ میرے جن مطبوعہ خطوں کا آپ نے ذکر فرمایا ہے وہ تمام جنوری سے پہلے (یا جنوری تک) کے آثار ہیں۔ اب خط و کتابت سے کنارہ کش ہو کر صبح و شام اپنے مضمون کی تحقیق میں لگا ہوا ہوں۔ میری اس دنیا میں نہ اتوار ہے نہ ایسٹر۔ آپ کے نوازش نامے کے جواب میں تھوڑی سی تاخیر اسی لیے ہوئی کہ آپ کو خط ذرا تسلّی اور تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا جو آج ہی میسّر ہوئی۔

مجھے اس سے بہت خوشی ہوئی کہ آپ کیمبرج آنے کی تجویز کر رہے ہیں۔ یہ نہایت مبارک خیال ہے اور امید ہے کہ آپ اسے عملی صورت دے سکیں گے۔

۱۔ عربی کے لیے پروفیسر آربری ہی یہاں بڑی شخصیت ہیں۔ فاضل آدمی ہیں۔ متانت اور انکسار ان کی سرشت میں خاص طور پر نمایاں ہے۔ ان کے علاوہ مسٹر ڈ کنز ہیں۔ میں نے ان کی بھی تعریف سنی ہے۔ پروفیسر آربری نے میرے ان سے ملنے کا انتظام بھی کیا لیکن افسوس ہے کہ مجھے ابھی تک فرصت نہیں ملی کہ ان کے پاس جاتا اور بہرہ اندوز ہوتا۔ مجھے اپنے مسودے کو وسط جون تک ایک خاص صورت دینی لازم ہے اس لیے فی الحال ہر قسم کی "فالتو" دلچسپی سے قطع نظر کر رہا ہوں۔

۲۔ Modern Arabic Literature بطور موضوع تحقیق کے شاید بجنسہٖ منظور نہ ہوسکے۔ اعتراض غالباً یہ ہوگا کہ اس موضوع کی عمومیت کو تحدید کی ضرورت ہے۔ میں نے اپنے لیے "سولھویں صدی اور سترہویں صدی کی انگریزی شاعری میں مذہبی شعور کا ارتقاء" تجویز کیا تھا۔ میری اس تجویز پر بعینہٖ وہی اعتراض ہوا تھا جو عرض کر رہا ہوں۔ داؤد رہبر نے Ethieal Doctrine in the Quran and early Muhammadan tradition پر پی ایچ ڈی لی ہے اور عنقریب پاکستان روانہ ہونے والے ہیں۔ آپ بھی اپنے لیے اسی قسم کا محدود و محصور موضوع انتخاب فرمائیے۔ نمونے کے لیے دو چار منظور شدہ موضوعات یہاں لکھ دیتا ہوں:

(I) An edition of the Ahkam-al-Mar fil Islam with a general consideration of

the legal position of women in Muslim society

(2) An edition of Kitab-al -Luma ' of Al-'Ash'ari

(3) Studies on Maqrizi

(4) An assessment of Ibn Al - Azrak's work (A new edition & translation with Commentary)

۳۔ مناسب یہ ہوگا کہ مضمون کا فیصلہ کرنے کے بعد آپ علی گڑھ سے روانہ ہوں۔ مضمون ایسا انتخاب کیجیے جس پر آپ کم از کم ایک برس علی گڑھ میں کام کرچکے ہوں۔ بصورت دیگر کیمبرج یونیورسٹی آپ کو ایک سال کے قیام سے مستثنیٰ نہیں کرے گی۔

(پی ایچ ڈی کے لیے ۳ سالہ مدّتِ قیام ضروری ہے۔ دو سال میں صرف ان لوگوں کو ڈگری ملنے کی اجازت ملتی ہے جو کم از کم سال بھر کی ریسرچ (قبل از ورود کیمبرج) کا ثبوت پیش کرسکیں۔ اس بارے میں بہت احتیاط کیجیے تاکہ یہاں پہنچنے کے بعد پریشانی نہ ہو۔

۴۔ ریسرچ میں چوں کہ کام خود آپ کو کرنا ہے اس لیے جس Term کے آغاز میں آپ آکر داخل ہوجائیں ٹھیک ہے Michaelmas term اکتوبر کے پہلے میں اور Lent Term جنوری کے پہلے ہفتے میں شروع ہوتی ہے۔ Term شروع ہونے کے بعد جلد ہی پہنچ جانا چاہیے۔ اگر دو ہفتے سے زیادہ کی دیر ہوجائے (مجھے صحیح مدّت کا اس وقت خیال نہیں) تو وہ Term حاضری کے شمار میں نہیں ہوتی (حاضری ضروری ہے)۔

۵۔ کیمبرج کے مختلف کالجوں میں بلحاظ اخراجات کسی قدر تفاوت ہے۔ فٹز ولیم ہاؤس سب میں سستا ہے۔ کفایت شعار آدمی ۳۰۰ پونڈ سالانہ میں کام چلا سکتا ہے مگر مناسب یہ ہے کہ انسان کچھ زیادہ رقم کا انتظام کرکے آئے۔

۶۔ پروفیسر آربری سے خط کتابت کرنے میں کوئی قباحت معلوم نہیں ہوتی لیکن آپ کے داخلے کی باقاعدہ درخواست ہندوستانی ہائی کمشنر متعینہ لندن کے توسط سے آنی چاہیے۔ (دونوں طرف بیک وقت سلسلہ جنبانی بھی کی جاسکتی ہے)۔

۷۔ برٹش کونسل نئی دہلی سے آپ کو ایک رسالہ بنام How to live in Britain آسانی سے مل جائے گا۔ احتیاطاً اس کا مطالعہ بھی کرلیجیے۔

مسودہ جب آپ [illegible] احوالِ غالب ضرور بھیج دیجیے گا۔

معاف کیجیے [illegible] تمام مراسلہ آج ۱۹ مئی کو ہوسکا۔

اس غریب الوطنی کی مصروفیت نے وقت کا استعمال کچھ عجب بے ڈھب کر دیا ہے۔

مخلص

حمید احمد خاں

(۱۰)

کیمبرج

۱۰ اکتوبر ۱۹۵۳ء

محب مکرم! اہلاً سہلاً و مرحبا۔ سو آپ پہنچ گئے۔ دل خوش ہوا۔ اگر آپ کیمبرج آتے تو کچھ زیادہ خوشی ہوتی لیکن آپ کا آجانا بہرحال مبارک ہے۔

جس وحشت کے احساس سے آپ آج کل دو چار ہیں، وہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں غریب الوطنی کے ابتدائی دور کا لازمہ ہے۔ میں نے پچھلے سال، تین چار مہینے اسی پریشانی میں گنوائے۔ آپ اس بے اطمینانی پر فوراً غالب آنے کی کوشش کیجیے کیوں کہ یہاں محدود قیام کا ایک ایک دن کام میں صرف ہونا چاہیے۔ اس ملک میں گیا وقت پھر ہاتھ نہیں آتا۔

چھے شلنگ میں ایک وقت کا کھانا: یہ نوابی ٹھاٹھ انگلستان میں مشکل سے نبھتا ہے اگر آپ بوڈلین میں کھانا نہیں کھاتے ہیں تو وائی ایم سی اے کے ممبر بن جائیے۔ کیمبرج کی وائی۔ ایم۔ سی۔ اے سوا دو شلنگ میں خاصا اچھا لنچ دے دیتی ہے۔ آکسفورڈ میں بھی یہ صورت ضرور ہوگی۔

میں نے ۳ اکتوبر کو ایک خط علی گڑھ کے پتے سے آپ کو بھیجا تھا، ظاہر ہے کہ وہ آپ کو نہیں ملا۔

اپنے مختصر کمرے سے ہرگز نہ گھبرائیے۔ اس سرد ملک میں کمرہ جتنا مختصر ہو، اسی نسبت سے قابل قدر ہوتا ہے۔ بڑے کمرے میں رہنا گویا کرہ زمہریر میں رہنا ہے۔ نیچی چھت اور چھوٹا کمرہ یہ تو قسمت کی رسائی کی دلیل ہے۔ میں شب و روز کام میں منہمک ہوں۔ ابھی مقالے کا ایک نصف بھی تکمیل کو نہیں پہنچا اور ارادہ یہ ہے کہ جون ۱۹۵۳ء میں کیمبرج کو الوداع کہوں۔ دیکھیے کیا ہوتا ہے۔

آپ اب کام شروع کر ہی دیجیے۔ میرے اس مشورے کی صحیح اہمیت آپ پر شاید اگلے سال واضح ہوگی مگر اس پر ابھی سے عمل کرنے میں یقیناً کوئی نقصان نہیں۔

مخلص

حمید احمد خاں

(۱۱)

کیمبرج

۲۹ دسمبر ۱۹۵۳ء

محبِّ مکرّم : تسلیمات

آپ کے دوسرے عنایت نامے کا جواب دیر سے لکھ رہا ہوں لیکن عنقریب اس قسم کی کوتاہیاں آپ کے لیے بھی معمولات زندگی میں شامل ہو جائیں گی۔ "منجمد حار" میں پہنچنے کے بعد اس کے سوا چارہ نہیں رہتا۔

آپ نے مضمون کی یبوست کا شکوہ کیا ہے۔ ریسرچ شروع ہو جانے پر یہ کیفیت نہیں رہے گی۔ خدا کا نام لے کر شروع کر دیجیے تو صحرائے اعظم میں بھی طراوت کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ تفنّن نہیں، حقیقت حال ہے اور آپ کا تجربہ بفضل خدا اس کی تصدیق کرے گا۔

کرے کی فضا کے تنگ ہونے کا جو فائدہ میں نے بیان کیا تھا، اس کی شرح تو یہ موسم اب خود بخود کر رہا ہوگا۔

"احوال غالب" پر اپنی رائے تفصیل سے اپنے پہلے نیاز نامے میں (جو علی گڑھ گیا) لکھ چکا ہوں۔ آپ کی اس سعی بلیغ کی داد اہل نظر ہمیشہ دیتے رہیں گے۔

مخلص

حمید احمد خاں

(۱۲)

کیمبرج

۱۱ جون ۱۹۵۳ء

برادرم!

آپ کا (اور اکرام صاحب کا) عید کارڈ دونوں ایک ساتھ وصول ہوئے۔ انگلستانی مسافر کی عید اتنی ہی ہو سکتی ہے، سو ہو گئی۔ یاد آوری کے لیے بے حد شکریہ۔

جنوری میں لندن کے مختصر قیام کے بعد میں واپس کیمبرج پہنچا تو زکام میں مبتلا تھا۔ وہ اس چھٹے مہینے میں بھی بدستور جاری ہے۔ کام تو اس حالت میں کیا ہوتا البتہ ایک موقع پر میں نے یہ چاہا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے واپس لاہور چلا جاؤں۔ یہ اپریل کا ذکر ہے۔ بے شمار علاج کیے مگر افاقہ نصیب نہ ہوا۔ پچھلے مہینے سے حالت کچھ بہتر ہو گئی ہے۔ اب پی ایچ ڈی کا خیال

ترک کر کے ایم ۔ لٹ کے لیے مقالے کا آخری باب لکھ رہا ہوں۔ ریسرچ بورڈ نے اس مطلب کے لیے میری درخواست پر میرے موضوع تحقیق میں اس قسم کی تحدید کر دی کہ مختصر سا مقالہ پیش کرنا ممکن ہوگیا۔ شاید ۱۵۔۲۰ جولائی تک اس کام کو سمیٹ سکوں۔ اس کے بعد (غالباً ۵۔۱۰ اگست کو) ایک دن کے لیے آکسفورڈ آنے کا خیال کر رہا ہوں۔ اس کے متعلق موقع پر آپ کو اطلاع دوں گا۔

۲۰ اگست کو میں لور پول سے واپس کراچی روانہ ہو رہا ہوں۔

امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ میں نے اپنی بیماری کا قصہ ذرا تفصیل سے اس لیے بیان کر دیا کہ میری غیر مختتم خاموشی کے باب میں معذرت کا کام دے۔

مخلص

حمید احمد خاں

(۱۳)

بیٹ آبز

انگلستان

۱۰ اگست ۵۲ء

مکرمی و مخدومی!

آپ کا ۷ جولائی کا عنایت نامہ جب ملا میں فرانس اور اٹلی وغیرہ کا چکر لگانے کے لیے کیمبرج سے جا چکا تھا۔ ۱۲ اگست کو واپس آکر میں نے آپ کا کارڈ پڑھا اور اکرام صاحب سے آپ کا موجودہ پتا حاصل کیا۔ پچھلے آٹھ دس دن سامان باندھنے میں لگ گئے۔ اب منزل بہ منزل لور پول کو جا رہا ہوں۔ وہاں سے ۲۸ اگست کی سہ پہر کو وطن روانہ ہوں گا۔

آپ یہ چند مہینے ہالینڈ میں گزاریں گے اس لیے میں نے سوچا کہ روانگی سے پہلے آپ کو یہ چند سطریں لکھ جاؤں۔ کیمبرج کے آخری دن ان لوگوں سے رخصت ہونے اور اسی قسم کے دوسرے لوازم پورے کرنے میں اس بُری طرح سے صرف ہوگئے کہ اب دوران سفر میں یہ خط لکھنے کی نوبت آئی۔

ایم لٹ کے لیے میرا زبانی امتحان ۱۱ اگست کو ہوگیا تھا۔ نتیجہ مجھے نومبر میں معلوم ہوگا۔ ویسے دونوں ممتحنوں نے مجھ سے میرے کام کی تعریف کی جزواً بھی اور مجموعاً بھی۔ تاہم جب تک نتیجے کی اطلاع بورڈ کی طرف سے نہ آئے، ہر قسم کی قیاس آرائی کو معلق ہی رکھنا چاہیے۔

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے اور تحقیق کا کام تسلّی بخش طور پر چل رہا ہوگا۔ والسلام

خیر طلب
حمید احمد خاں

(۱۴)

۵ بیگم روڈ۔ لاہور
۲۱ اگست ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم۔ میرا ارادہ اس مہینے کے آخر میں دلّی اور علی گڑھ کے سفر کا ہے۔ اگر آپ علی گڑھ میں تشریف رکھتے ہیں تو براہ کرم ذیل کے پتے سے اس کارڈ کی رسید بھیجیے۔
C/o Dr: H.R. Bachchan 'Ministry of External, Gov. of India, New Delhi.

امید ہے کہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ باقی شوق ملاقات

مخلص
حمید احمد خاں

(۱۵)

دوران سفر یکم ستمبر ۱۹۵۹ء

برادرم! السلام علیکم۔ میں نے ہفتہ بھر پہلے لاہور سے خط لکھ کر پوچھا تھا کہ آپ علی گڑھ میں تشریف رکھتے ہیں یا نہیں اور اس سوال کا جواب دہلی کے پتے سے مانگا تھا۔ خدا جانے میرا پہلا کارڈ آپ کو ملا یا نہیں مگر دہلی میں کل تک آپ کی طرف سے جواب وصول نہ ہونے پر میں بعزم حیدرآباد لکھنؤ آ گیا اور وہاں مختصر قیام کے بعد اب حیدرآباد جا رہا ہوں۔ اگر میرے پاس وقت کچھ زیادہ ہوتا تو میں بہر صورت علی گڑھ آتا لیکن مجھے ۹ ستمبر تک لاہور پہنچنا ہے، اس لیے بصد افسوس، علی گڑھ کی زیارت سے محروم رہ کر دو دن کے لیے حیدرآباد جا رہا ہوں۔ اگر یہ کارڈ آپ کو وصول ہو جائے تو اپنی خیریت سے مجھے لاہور مطلع فرمائیے۔ لاہور کا پتا یہ ہے:
۵ بیگم روڈ

والسلام
حمید احمد خاں

(۱۶)

۵ بیگم روڈ لاہور ،
یکم اکتوبر ۵۹ء
برادرم! السلام علیکم

ڈاکٹر بچن کی معرفت جو عنایت نامہ آپ نے ۲۰ اگست کو لکھا وہ مجھے ، ستمبر کی شام کو نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر ملا جب میں امرتسر جانے کے لیے دوسری گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ میں ۵ ستمبر کی رات کو حیدرآباد دکن سے واپس روانہ ہوا ، ستمبر کی شام کو نئی دہلی اور ۸ ستمبر کی دوپہر کو لاہور پہنچا ملاقات سے محروم رہ گیا۔ علی گڑھ میں آپ کی موجودگی کا علم بروقت ہوجاتا تو میں دو چار گھنٹے کے لیے ضرور رک جاتا لیکن بھارتی ویزا کے عطا ہونے اور تعطیل گرما کے ختم ہونے میں صرف سولہ دن کا وقفہ تھا۔ لکھنؤ میں مولوی عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ کی خدمت میں حاضری ضروری تھی اور حیدرآباد دکن کے دوستوں اور بزرگوں سے ملنا بھی اسی قدر ضروری معلوم ہوتا تھا۔ دہلی سے ۳۱ اگست کی صبح کو چل کر شام کو لکھنؤ پہنچا۔ دوسرے دن یکم ستمبر کو حیدرآباد روانہ ہوا۔ ۳ ستمبر کو پہنچا اور ۵ ستمبر کو لاہور چلا۔ اس طوفانی دورے میں علی گڑھ سے محرومی کا سبب بخود ظاہر ہے۔ سوء اتفاق سے نہ آپ کا جوابی مکرمت نامہ وقت پر ملا اور نہ اختر جمال کمالی صاحب کا جو اس وقت علی گڑھ میں مقیم تھے۔ خیر، یار زندہ، صحبت باقی۔

اسلامیہ کالج میگزین کا "تاثیر نمبر" پرسوں ارسال خدمت کیا گیا مگر غلطی سے اَن رجسٹرڈ گیا۔ اگر وصول نہ ہو تو مطلع فرمایئے۔ دوسری کاپی رجسٹرڈ بک پوسٹ سے بھیجی جائے گی۔ فقط، والسلام

مخلص

حمید احمد خاں

(۱۷)

وائس چانسلر
سینٹ ہال ، لاہور
۲۰ ستمبر ۱۹۶۶ء

برادرِ عزیز و مکرّم!

مجلہ "علومِ اسلامیہ ، مسلم یونیورسٹی ، کے دو شمارے جو آپ نے از راہ کرم میرے

نامہ روانہ فرمائے۔ مجھے کل موصول ہوئے۔ میں آپ کی محبت و نوازش کے لیے بے حد شکر گزار ہوں۔

گزشتہ سال سے پنجاب یونیورسٹی نے مسلمانانِ پاکستان و ہند کی ادبی تاریخ مرتب کرنے کا اہتمام شروع کر رکھا ہے۔ اس منصوبے کی تکمیل ۱۵ جلدوں کی ایک کتاب کی صورت میں ہوگی۔ عربی اور فارسی کی متعلقہ جلدوں کے ابواب لکھوانے میں ہمیں کچھ دقت پیش آئے گی۔ اگر آپ ازراہِ کرم ایسے اہلِ علم حضرات کے ناموں کی ایک فہرست تیار کر کے مجھے بھجوا دیں جن سے ان ابواب کی تسوید کے سلسلے میں درخواست کی جائے تو آپ نہ صرف ایک اہم علمی خدمت سرانجام دیں گے بلکہ میں ذاتی طور پر آپ کا ممنون ہوں گا۔

امید ہے مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔ فقط

حمید احمد خاں

جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب
مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ۔ انڈیا۔

(۱۸)

وائس چانسلر
سینٹ ہال۔ لاہور
۱۰ جنوری ۱۹۶۷ء

مکرمی و محترمی!

السلام علیکم۔ امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا۔

گذشتہ سال آپ نے از راہِ عنایت مجلۂ علومِ اسلامیہ کی جلد ۵ اور جلد ۶ کے پرچے مجھے بھیجے تھے۔ مکروہات نے (جو میرے لیے اب داخلِ معمولات ہیں) اس سے پیشتر ان پرچوں کے مضامین پر نظر ڈالنے کی مہلت نہ دی۔ اب اس کا موقع ملا تو جی خوش ہوگیا اور دل سے دعا نکلی کہ اللہ آپ کو صحت اور لمبی عمر عطا فرمائے اور آپ سالہا سال تک علوم و فنونِ اسلامیہ کے متعلق اپنا مفید تحقیقی کام جاری رکھیں۔

میں نے یہاں کسی صاحب سے سنا ہے قاضی عبدالودود صاحب کی طبیعت ناساز ہے خدائے تعالیٰ انھیں سلامت با کرامت رکھے۔ ان کی خدمت میں استفسارِ مزاج کے لیے آج

ایک کارڈ لکھ رہا ہوں۔

حمید احمد خاں

بخدمت شریف جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب۔
ادارہ مجلۂ علوم اسلامیہ۔ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ انڈیا۔

(۱۹)

پروفیسر حمید احمد خاں (ستارۂ امتیاز)
بی۔اے۔ ایم لٹ (کیمبرج)
وائس چانسلر
سینٹ ہال، لاہور
۵ مئی ۶۰ء

برادر مکرّم، السّلام علیکم

آپ کا جوابی نوازش نامہ فروری کے اواخر میں مل گیا تھا۔ یہ دو مہینے بڑی مصروفیت میں گزرے۔ یونیورسٹی کی مختلف کمیٹیوں کے شبانہ روز اجلاس اور کالجوں اور کانفرنسوں کے صدارتی خطبات نے خط لکھنے کی مہلت نہ دی۔

میرا خیال تھا کہ میں آپ کو اطلاع دے چکا ہوں۔ ۵۹ء کے اواخر سے چار برس کے لیے میرا تقرر موجودہ اسامی پر ہو گیا، یہ بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ انشاء اللہ اس سال اکتوبر میں سبک دوش ہو جاؤں گا۔

مجلسِ ترقی ادب لاہور نے "نسخۂ حمیدیہ" کی تصحیح و تدوین کا کام میرے سپرد کیا ہے۔ کبھی کبھی اس کے لیے تھوڑا سا وقت نکال لیتا ہوں۔ یہ کتاب خدا نے چاہا تو فروری ۶۹ء میں شائع ہوگی۔ یہاں پنجاب یونیورسٹی کے زیر اہتمام ایک مجلسِ یادگارِ غالب بھی قائم ہوئی ہے جو غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر غالب کی نظم و نثر فارسی و اردو کے صحیح نسخے شائع کرے گی۔ اس کام میں مولانا غلام رسول مہر، سیّد وزیر الحسن عابدی اور دوسرے احباب لگے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد باقر گذشتہ سال اورینٹل کالج کے پرنسپل ہوئے تھے۔ بہر حال جنوری میں امریکا چلے گئے تھے۔ مختلف یونیورسٹیوں میں لیکچر دے رہے ہیں۔ ستمبر میں واپسی ہوگی

ڈاکٹر عمر حیات ملک آج کل پشاور یونیورسٹی میں Professor Emeritus ہیں اور وہیں

قیام فرما ہیں۔

قاضی محمد فرید (خدا انھیں غریق رحمت کرے) اپنی وفات سے چند روز پہلے لاہور میں تھے۔ مجھ سے دفتر میں ملنے کو آئے۔ مزے سے باتیں کرتے رہے۔ بالکل تندرست نظر آتے تھے۔ چوتھے دن کراچی سے خبر آئی کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ بہت صدمہ ہوا۔ میں نے وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی کو تعزیت کا تار دیا اور مرحوم کے رفقا، اور اہل خاندان کی خدمت میں ہمدردی کا پیغام بھجوایا۔

میں پرسوں حکومت ترکی کی دعوت پر دس بارہ دن کے لیے انقرہ، استنبول، بازمیر وغیرہ کے سفر پر جا رہا ہوں۔ ۲۰ مئی تک ان شاء اللہ واپس آجاؤں گا۔

امید ہے آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

حمید احمد خاں

○

مکتوبات ڈاکٹر شوکت سبزواری بنام مختار الدین احمد

(۱)

میرٹھ ۲ جنوری ۴۹ء

مکرم بندہ آرزو صاحب! تسلیم

آپ کا کرم نامہ ملا تھا، بڑی خوشی ہوئی کہ آپ غالب نمبر کا نیا ایڈیشن نکال رہے ہیں۔ آپ کے ترتیب دادہ دونوں نمبر خوب ہیں۔ آپ نے علی گڑھ کی ادبی روایات کو قائم رکھا ہے۔ تفصیلی طور پر کبھی عرض کروں گا۔

میں ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ غالب پر کوئی نیا مقالہ آپ کی خدمت میں پیش کروں، لیکن مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس میں کس قدر تاخیر ممکن ہے۔ آج کل میں ایک بہت ہی اہم علمی اور ادبی کام میں لگا ہوا ہوں۔

تذکرۂ شعرا، رام پور مجھے بریلی کے ایک دوست کے نادر قلمی ذخیرے میں ملا تھا۔ آپ ان کو لکھیں۔ ان کا پتا پشت پر دے رہا ہوں۔ امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔

شوکت

(۲)

میرٹھ کالج، میرٹھ
یکم مارچ ۴۹ء

عزیز مکرم!

آپ کا کرم نامہ ملا۔ آج کل میں اثر لکھنوی کے تبصرے کا جواب لکھ رہا ہوں۔ ان شاء اللہ ایک ہفتے کے اندر اندر آپ کو مقالہ ارسال کر دوں گا۔

میرے پاس صرف ایک کاپی کتاب کی ہے۔ ناشر کو لکھ رہا ہوں کہ وہ آپ کے پتے پر ارسال کر دے۔

امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔ میگزین مل گیا تھا۔ شکریہ!

شوکت سبزواری

(۳)

میرٹھ کالج، میرٹھ
۱۰ فروری ۴۹ء

محترم [illegible]، تسلیم

ایک مختصر سا مقالہ ارسال ہے۔ لیکن مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کا میگزین کب نکلے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ آپ کے مسودات میں جا کر پڑ جائے۔ اگر تکلیف نہ ہو تو ایک تو وصول یابی سے مطلع کر دیجیے گا [illegible] یہ بھی تحریر فرمائیے گا کہ میگزین کب تک نکل آئے گا۔

علوی صاحب کو [illegible] خط لکھا تھا اس کا جواب نہیں ملا۔ ملاقات ہو جائے تو ذکر کر دیجیے گا۔

شوکت

(۴)

۳۲۔ ایل۔ عظیم پورہ کالونی
ڈھاکہ۔ [illegible] فروری ۵۲ء

محترم بندہ آرزو صاحب! تسلیم

آپ کا عنایت نامہ ملا تھا۔ میری آنکھ میں تکلیف تھی اس لیے جواب میں دیر ہوئی معاف کیجیے گا۔ یہ معلوم ہو کے خوشی ہوئی کہ آپ غالب نمبر کا نیا اور مکمل ایڈیشن شائع کر

رہتے ہیں۔ اگرچہ آج کل میرے مشاغل بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن میں آپ کے خلوص اور آپ کی ادبی دلچسپی کے پیش نظر غالب پر کچھ اور لکھنے کی کوشش کروں گا۔ آپ میرا پرانا مضمون تو دے ہی دیں، نئے مضمون کا عنوان منتخب کر کے میں جلد آپ کو لکھوں گا۔ یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ کب تک آپ کے پاس مضمون پہنچ جائے۔ اس میں اپنے بڑھے ہوئے شوق کا لحاظ نہ کیجیے گا۔ میرے مشاغل کی رعایت رکھیے گا اور اپنے کام کی۔ "اردو ادب" کے لیے جو مضمون میں نے لکھا ہے وہ بہت طویل ہے۔ کم سے کم دو قسطوں میں آئے گا۔ آج کل آپ کیا کر رہے ہیں؟ اگر فرصت ہو تو یہ لکھیے گا کہ برہان قاطع کا ایک وہ ایڈیشن جو غالباً ۱۸۱۸ء میں نکلا تھا اور عبدالمجید والا ایڈیشن جو ۱۸۳۳ء میں نکلا تھا۔ نیز دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۲۲ء آپ کے یہاں یونیورسٹی میں (تو) نہیں۔ میرا مکان کا پتا خط کی پیشانی پر ہے۔

شوکت

(۵)

۷۳، ایل، عظیم پور، ڈھاکہ

۱۲ اپریل ۵۱ء

برادرم آرزو صاحب! تسلیم

آپ کا گرامی نامہ مجھے اسی وقت مل گیا تھا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ میں نے صرف چند سطریں لکھی تھیں کہ یک بیک طبیعت خراب ہو گئی۔ دو چار روز کے بعد طبیعت سنبھلی تو خیال ہوا کہ اب وقت گزر گیا۔ آپ سب کچھ مکمل کر کے پریس کو دے چکے ہوں گے۔ اس لیے وعدے کے مطابق میں مضمون مکمل نہ کر سکا۔ مجھے اس پر بڑی ندامت ہے اور شاید زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے ایک علم دوست اور پرستار ادب و انشا سے وعدہ خلافی کی ہے۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

اب یہ لکھیے کہ آپ کی کتاب کب تک تیار ہو گی اور اسے کب دیکھ سکیں گے۔ اور ہاں یہ بھی لکھیے کہ اب آپ کس تذکرے میں تیار کر رہے ہیں۔ کیا انجمن کی کوئی خدمت آپ کے ذمے ہے۔ میرا غالب والا مضمون "اردو ادب" کے شمارہ جنوری و اپریل میں آ رہا تھا۔ سردار صاحب سے مجھے [illegible] کا شمارہ [illegible] سردار صاحب کو دو خط لکھے۔ وہاں سے کوئی [illegible] شائع نہ ہو تو لکھیے کہ "اردو ادب" کی اشاعت میں یہ بے

ترتیبی اور بد نظمی کس لیے ہے۔ اور پرچہ کب آئے گا۔ اکتوبر کا شمارہ "حسرت نمبر" تھا وہ بھی نہیں ملا۔ امید ہے آپ بعافیت ہوں گے۔ میں یہاں شعبۂ اردو میں ہوں۔

شوکت سبزواری

○

مکتوبات عبدالماجد دریابادی بنام مختار الدین احمد

(۱)

دریاباد

۲۳ مئی ۴۹ء

آرزو صاحب!

آپ کے ذوق ادب کا قائل تو میں میگزین کا پہلا نمبر پڑھ کر ہو ہی چکا تھا۔ (۱) آپ کی جرأت کا قائل اب ہونا پڑ رہا ہے کہ آپ اس ترقی اور ترقی پسندی کے دور میں [illegible] مرحوم کا نام زندہ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

آپ کو یارانِ طریقت کی اس پھبتی کا ڈر نہیں کہ یہ گڑے مردے اکھیڑنا نہیں تو اور کیا ہے۔

غالب بیچارہ تو حمد و نعت کہنے والا، توحید و تصوف کے مسلک کو سو سو طرح پر نظم کرنے والا، قدیم عاشقانہ غزل گوئی کا دم بھرنے والا، بورژوا سوسائٹی کا شاعر، وزن و قافیہ کی پابندیوں میں جکڑا ہوا، عریانی و فحاشی کے آرٹ سے ناآشنا، صنعت بے بحری سے بے بہرہ، رکاکت و ابتذال سے محروم، اس قابل ہی کب تھا کہ آج کوئی اس کے نام کو جگائے اور اس کے حق میں فاتحہ پڑھ کر ہاتھ اٹھائے!

حضرت غالب کا مرتبہ فارسی شاعری میں بھی یقیناً بہت بلند ہے لیکن مجھ بے بضاعت تنگ نظر کے علم میں تو اردو میں جہاں تک غزل گوئی کا تعلق ہے کوئی شاعر اس پایہ کا نہ غالب سے قبل پیدا ہوا تھا، نہ غالب کے بعد آج تک ہوا ہے۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ بعض متاخرین نے اپنے اندر [illegible] جامعیت خوب پیدا کر لی ہے۔ اور یہ مجھ سا [illegible] بے استعداد، تو حضرت غالب [illegible] کی اردو نثر کا بھی [illegible] قدرشناس ہے۔ خصوصاً جب سے کہ ان کے خطوط کا مجموعہ مرتبہ مولوی [illegible] نظر سے [illegible] البتہ [illegible]

سطر سطر سے نمایاں ہے۔ غالب اس آئینے میں ایک مکمل انسان، ایک عبدِ خالص نظر آتے ہیں اور اس حقیقت کی جلوہ آرائی، انشا پردازی کا منتہائے کمال ہے۔

عبدالماجد

(۱) مولانا نے علی گڑھ میگزین (۴۸-۱۹۴۷) پڑھ کر یہ تاثرات لکھے تھے:

"مرتب کی اسلامیت ہر آئینہ قابلِ داد ہے۔ مسلم یونیورسٹی کی جانب منسوب رسالے کی یہی شان ہونا بھی چاہیے تھی۔ سیاست میں بھی ان کا مزاج معتدل، متوازن و شریفانہ ہے۔ قائد اعظم کی وفات اور گاندھی جی کے حادثۂ قتل دونوں پر انھوں نے ایک اخلاص، تدبّر و جراُت کے ساتھ لکھا ہے۔ قائد اعظم کی رحلت پر انھوں نے پچاس سال پہلے جو شذرہ لکھا تھا وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے:

قائد اعظم کی وفات، کسی ایک شخص یا ایک قوم کے لیے نہیں، بلکہ ایک پورے دور کے لیے سانحے کا حکم رکھتی ہیں، وہ عظیم تھے اس میں کوئی شک نہیں، ان کی منطق بے پناہ تھی، ایک دنیا اس کی قائل ہے، وہ غیر متزلزل ارادے کے مالک تھے، ان کا سیاسی کارنامہ اس پر گواہ ہے۔ ان کے طوفان میں تصور، پندار میں جلال اور جوش میں جبروت تھا۔ ان کی عظمت میں ایک قوم کے روز و شب کی جھلک تھی۔ قائد اعظم نے آزادی کی جنگ میں حصّہ لیا اور کبھی پیچھے نہیں رہے۔ ان کی دوستی اور دشمنی اصولی تھی، دوست اور دشمن دونوں کو اُن سے خبردار رہنا پڑتا تھا۔ وہ آگے بڑھنے میں نہ موانع دیکھتے تھے نہ مصلحت کو خاطر میں لاتے تھے، مفاہمت کے دلدادہ نہ تھے۔ وہ ایک تناور درخت تھے، جس کے سایے میں آرام ممکن تھا، حفاظت بھی، لیکن اُبھرنا مشکل اکثر اندیشہ ناک: حالات اور اشخاص ان کے ہاتھ میں کھلونا تھے۔ وہ حالات اور اشخاص میں اتنا اعتماد نہ کرتے جتنا اپنے آپ پر۔ انھوں نے جو کچھ کیا وہی کر سکتے تھے۔ انھوں نے ایک ریاست قائم کر دی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی، اس طرح انھوں نے ایک تاریخ بنا دی۔

اس تاریخ کے کچھ اوراق ابھی سادہ ہی تھے اور بعض کے نقوش بھی پورے

طور پر ابھرنے نہ پاتے تھے کہ ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کی شب کو وہ اپنے موزخوں سے منہ موڑ کر اپنے خالق کے حضور میں جا پہنچے۔

خدا ہندوستان اور پاکستان کو ہم نوا، ہم دم بنائے، اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے ہی کے لیے نہیں۔ تمام عالم کے لیے موجب خیر و برکت ہوں۔ دعا ہے کہ خدا مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ان کی تربت پر رحمت کے پھول برسائے، آمین۔

(علی گڑھ میگزین ۴۹۔ ۱۹۴۸ء)

تحریر میں توازن قائم رکھنا معمولی نہیں بہت بڑا وصف ہے۔ اچھے اچھے پختہ کار اس وقت اس امتحان میں رہ رہ گئے اور افراط و تفریط کی دو گونہ بلاؤں میں سے ایک میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ ادبیات میں ان کی نظر اچھی ہے جیسا کہ ان کے تنقیدی مضمون "اشعارِ میر پر ایک نظر" سے ظاہر ہو رہا ہے۔ "شذرات"، "کوائفِ جامعہ" جو کچھ ان کے قلم سے نکلی ہوئی چیزیں ہیں سب ان کی خوش مذاقی اور قدرتِ زبان پر گواہ ہیں۔ پرچہ بڑی کاوش و سلیقہ و ہنر مندی سے مرتب کیا گیا ہے اور بحیثیت مجموعی یونیورسٹی کے شایان شان ہے۔

(۲)

دریاباد

۲۲ مئی ۴۹ء

برادرم! وعلیکم السلام

دیدارِ آرزو میں تو میں خود ہی حسرتِ مجسم بنا رہا! "غالب کے لیے مضمون کی فرمایش مجھ مغلوب سے، وقت کس کے ہاں سے لاؤں۔ آپ کا کارڈ میری ہی غفلت سے انبار کاغذات کے نیچے دب گیا تھا۔ اتفاق سے آج نظر پڑی۔ دل نے بڑی شرمندگی محسوس کی۔ بہرحال چند سطریں الٹی سیدھی گھسیٹے دیتا ہوں۔ الفاظ اگر نہ چلیں تو ہاشم سلمٗہ سے پڑھوالیجیے گا۔

والسلام

دعا گو

عبدالماجد

(۳)

دریاباد
۵ اکتوبر ۱۹۵۳ء

برادرم : السّلام علیکم

جی ہاں، آپ کے متعلق دونوں خوشخبریاں پہلے پڑھ چکا تھا۔ اور دل مسرور ہو چکا تھا۔ اللہ نے دین کی خدمت کا ایک بہترین موقع آپ کو دے دیا ہے۔ اس سے پورا فائدہ اٹھائیے اور ہر لمحہ اپنے کو دین کا خادم سمجھیے۔ انگریز کہیں اور کسی حال میں ہو اپنے کو انگریز ہی سمجھتا ہے۔ اور یہی حال روسی، امریکی، جرمن، سب کا ہے۔ کاش ہم بھی اپنے کو ہر وقت اور ہر حال میں مسلمان سمجھنے کی عادت ڈال لیں۔

علم کی خدمت، وطن کی خدمت، یہ بھی بڑی خدمتیں ہے۔ لیکن سب دین کی خدمت کے ماتحت۔

آج ۵ ہے۔ آپ سفر پر روانہ ہو چکے ہوں گے۔ دیکھیے یہ نیاز نامہ آپ کو کب اور کہاں ملتا ہے؟ اپنا مستقل پتا ضرور لکھ بھیجیے گا۔

گب، دوسروں سے بہت غنیمت ہے۔ ان کی کتاب "محمڈن ازم" پر ریویو عرصے سے کرنا چاہ رہا ہوں۔ اگر لکھا گیا تو آپ کو بھیج دوں گا، ان شاء اللہ۔

یہ اردو کچھ جانتے ہیں؟ نہ جانتے ہوں تو اس راہ پر انھیں لائیے۔ بغیر اردو کے بذات خود پاکستانی اسلامیات کو کیسے سمجھ سکیں گے؟

جی ہاں لندن میں تو مسلمان کثرت سے ہیں۔ ضرور ذبیحہ کا انتظام ہوگا۔ آکسفورڈ میں بے شک دشوار ہے۔ ذبح کا طریقہ یہود کے ہاں تو اب تک قائم ہے۔ خدا کرے وہاں بھی کوئی یہودی ذابح مل جائے۔ بس اتنا ہی کافی ہے۔

سب سے زیادہ دشوار سوال جیسا کہ آپ نے خود لکھا ہے چربی کا ہے۔ اس کا حل یہاں سے تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ سوا اس کے کہ بجز گائے وغیرہ کے مکھن کے ہر روغنی چیز ہی سے پرہیز کیا جائے۔ ڈاکٹر حمید اللہ پیرس میں ہیں اور ماشاء اللہ ہر طرح دین دار ہیں۔ ان سے مراسلت کر کے اس کا حل دریافت کیجیے اور مجھے بھی لکھیے۔ سفارت خانۂ پاکستان وغیرہ میں کچھ مسلمان تو ضرور دیندار قسم کے ہوں گے۔ انھوں نے بھی کچھ حل نکالا ہی ہوگا اور ووکنگ والے بھی اس حد تک تو مسلمان ہی ہیں۔

"احوالِ غالب" خوب رہی ۔ ماشاء اللہ۔ ریویو اس وقت لکھ رہا تھا۔ گنجائش شاید اسی ہفتے کے پرچے میں نکلے۔ تراشہ پبلشر کو پہنچے گا۔

مدتِ قیام کتنی ہے؟ واپسی میں رگب کو بھی علی گڑھ کی دعوت دیجیے گا۔ کچھ خیال پڑتا ہے کہ وہ پاکستان اور ہندستان آچکے ہیں۔

حسب فرصت وہاں کے حالات ضرور لکھیے گا جو میرے کام کے ہوں۔ والسّلام

دعاگو

عبدالماجد

(۴)

دریاباد

۱۰ جنوری ۵۵ء

برادرم! وعلیکم السّلام

خوب مفصّل وقائع نامہ ملا میری عین خواہش کے مطابق۔ جزاکم اللہ ۔ گیوم کی کتاب، "پراگریسو اسلام" کے دو نمبر اور متعدّد لندنی پرچے سب پہنچ گئے تھے۔ اور سب کی رسید بھی فوراً لکھ چکا تھا۔ حیران رہ گیا یہ سن کر کہ وہ خط نہیں پہنچا۔ خدا کرے بعد کو پہنچ گیا ہو۔

آپ کے اس "مکتوب فرنگ" کا بیشتر حصہ "صدق" میں ان شاء اللہ نکلے گا۔ اس کے قبل والا مکتوب تو نکل ہی چکا ہے۔ لندنی پرچوں کے لیے شکرگزار خاص طور پر ہوا۔ اب ان پرچوں کو ہندستان میں آنکھیں ترستی رہتی ہیں۔

آپ کے لیے دعا زبان سے نہیں دل سے نکلتی ہے۔ اللہ خیریت کے ساتھ وطن واپس لائے۔

آپ کا آکسفرڈ کا پتا بھول گیا۔ یعنی کالج کا نام یاد نہ رہا۔ دفتر بھیجے دیتا ہوں اگر وہاں درج ہوا تو وہیں ڈاک میں پڑ جائے گا۔ والسّلام

دعاگو و محتاجِ دعا

عبدالماجد

مکتوبات مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی بنام مختار الدّین احمد

(۱)

گیان اسٹریٹ
۵ مغل پورہ، لاہور
۲۹ اکتوبر ۵۱ء

جناب محترم! زید فضلکم۔ تسلیم

غالبیات کے واسطے نیز حبیب محترم سیّد شبیہ الحسن صاحب کے ذریعے سے غائبانہ تعارف تو ہے ہی۔ لیکن خط پہلی ہی مرتبہ لکھ رہا ہوں، خدا کرے کہ آپ کو مل جائے اور جواب بھی مرحمت فرمائیں۔

مجھے ایک مقالے کے سلسلے میں یہ معلوم کرنا تھا کہ آپ نے غالبیات پر کب سے لکھنا شروع کیا۔ " میگزین " میں شائع شدہ نوادر کے علاوہ اور " ادبی دنیا " وغیرہ کے مضامین کے سوا خاص طور سے کیا کیا مل چکا ہے۔ غالب پر کام کرنے والے غیر مشہور حضرات میں آپ کے علم میں کون کون بزرگ ایسے ہیں جنھوں نے قابل اعتنا محنت بھی کی اور مواد بھی حاصل کیا۔

یقین ہے کہ مطلوبہ معلومات سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں گے۔

مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

(۲)

لاہوری بازار، مکان نمبر ۱۱
بھوگی والی، باغبان پورہ، لاہور
۲۰ مارچ ۵۲ء

مکرم گرامی قدر تسلیم

آپ کا خط ۹ کو ملا۔ حسن اتفاق کہ جناب مسعود حسن صاحب کا خط بھی ساتھ آیا۔ اس طرح گویا دو علمی ملاقاتیں ہوئیں۔ ۵ کو شہر گیا تھا۔ " نکات و رقعات " کی تصویر اور " سوالات عبدالکریم "

کا پتا لگا سکوں۔ تصویر تو اچھی سی اچھی بھیجی جاسکتی ہے لیکن کس سائز کی ؟ "سوالات عبدالکریم" یونیورسٹی میں نہیں ہے۔ مہر صاحب کے پاس ہے لیکن وہ خود باہر جا رہے تھے اور کتاب پنسل سے نقل کی ہوئی ہے اس لیے اس کا ملنا نہ ملنے کے برابر رہا۔ جناب مسعود حسن صاحب کے پاس "سوالات عبدالکریم" میں نے دیکھا تھا۔ اگر وہاں سے نقل کروالیجیے تو بہت آسان ہوگا۔

آپ کی کتاب کے لیے مضمون تیار ہے۔ نظر ثانی اور بعض چیزوں کی تلاش کے بعد جو بہت جلد ختم ہوجائے گی، مضمون ارسال کروں گا۔

غالب کی تصویر جو قائم علی کی بنائی ہوئی ہے وہ کلیات مطبوعہ ۱۸۷۲ء نول کشور میں ہے۔ یہ نام تصویر کے ستونوں کے اوپر ہے ایک پر قائم، دوسرے پر علی۔

کتاب کے لیے "نوائے ادب" بمبئی سے "دعائے صباح" طبع اول کا بلاک اگر مل سکے تو اچھا ہے ورنہ میرے پاس یہ نسخہ ہے۔ اس کی تصویر بھیجی جاسکتی ہے۔

مرتضیٰ حسین

(۳)

لاہور

۳ دسمبر ۱۹۵۲ء

محترمی، آداب و تسلیمات

جواب خط پایا، نوازش فرمائی۔ نقل و اصل کی تطبیق کا کام تقریباً ختم کرچکا ہوں۔ لیکن یہ بتائیے کہ اغلاط کاتب کی تصحیح مقصود ہے یا اغلاط نقل کی۔ میں نے یہ کیا ہے کہ کتاب کی غلطیاں اور رسم خط میں پوری پوری نقل ہو، اور اصل کتاب مع غلط نامہ لکھوائی ہے۔ افسوس یہ ہے کہ کاتب نے روشنائی بہت ہلکی استعمال کی ہے لیکن وہ کتاب اس وقت لائے جب کہ کام ختم ہوچکا تھا۔ بہرحال کتابت واضح اور خوش خط ہے۔

"اورینٹل کالج میگزین" والا مضمون عجیب لطیفہ ہے۔ بہرحال مضمون چھپ گیا۔ غضب خدا کا فروری ۵۲ء کا پرچہ دسمبر سے دو تین دن پہلے ملا۔

میں "غالب نمبر" میں اپنے مضمون کی اشاعت ضروری نہیں سمجھتا۔ اگر آپ کے خیال، یا واقع میں اس مضمون کے بعد مرسلہ مضمون شائع ہونا ضروری نہیں تو یقیناً اسے شائع نہ کیجیے، لیکن واپس ضرور کیجیے۔

میں مہاجر اور وہ بھی اسکول استاد۔ پھر لاہور جیسے بڑے شہر میں کیا بتاؤں کہ کس طرح وقت گزرتا ہے۔ مختصر یہ کہ ادب و تاریخ جس کا مطالعہ زندگی کا بہترین حاصل تھا اب اس حد تک ختم ہوگیا ہے کہ روزانہ مطالعہ کا اوسط شاید چار پانچ صفحہ ہے اور بس۔ پھر اس میں بھی کوئی معین موضوع پیش نظر نہیں۔

یقیناً جناب مہر صاحب سے ملنے کی مختصر ملاقات ایک بڑا سہارا ہے اور بس ملاقات اتنی مختصر اور بے پابندگی سے ہوتی ہے کہ اپنے اوپر نفریں کرتا ہوں کیوں کہ وہ تو ہمارے ہی کہنے سے ملنے کو شہر تشریف لاتے ہیں لیکن اسکول اب بجائے ہفتے کے جمعے کے دن آدھے دن لگتا ہے۔ اسکول کے بعد شہر پہنچتا ہوں تو یا تو وہ واپس تشریف لے جاچکے ہوتے ہیں یا ہوتے ہیں تو بس پا در رکاب۔ ان کے علاوہ اور نہ کسی سے ملنے کا وقت نکلتا ہے نہ جلسہ و ادبی نشستوں میں شرکت ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ہر جگہ کا فاصلہ تقریباً چار میل ضرور ہوتا ہے۔ اچھا خدا حافظ

خیر طلب

مرتضیٰ حسین عفی عنہ

(۴)

گیلانی اسٹریٹ ۵

مغل پورہ (لاہور)

۱۰ اپریل ۱۹۵۳ء

محب گرامی، آپ پر سلامتی ہو

مرسلہ نقل میں نسخے کی سطریں، ہر سطر کی ابتداء اور انتہا، رسم خط، املا، غرض ہر طرح پوری نقل کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ حاشیے کے اصلاحات، کاتب و ناقل کی غلطی اور رسمی املا کی تصحیح باعتبار اصل ہے۔

۱۱ نومبر ۵۱ء کو عرشی صاحب نے لکھا تھا:

"متداول دیوان کو تمام مخطوطوں اور مطبوعہ نسخوں سے تصحیح کے بعد تاریخی ترتیب . . مرتب کرلیا ہے۔ قدیم اشعار کی تصحیح باقی ہے"۔

میں کل ملنے کو شہر گیا تھا۔ جناب مہر صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ آپ کا پیام سلام کہہ دیا تھا۔ انھی سے معلوم ہوا کہ کتاب سوالات عبدالکریم مالک رام صاحب نے شائع کرائی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف خلاصہ ہے جس کی تصدیق مطبوعہ عکس بھی کرتا ہے۔

ہاں بھائی آپ کے فیچر کی اطلاع نہ ہو سکی۔ سنا ہے کہ "اردو ادب" میں مالک رام صاحب غالب کے شاگردوں پر کچھ لکھ رہے ہیں۔ کیا کوئی سیر حاصل مقالہ ہے یا سرسری؟

انسائیکلوپیڈیا دعا سے چھپ جائے تو چھپ جائے ورنہ ابھی دلی دور ہے۔ کام ہو رہا ہے۔ عملہ لگا ہوا ہے۔ ترجمہ، اصلاح، اضافہ، پھر نظر و فکر اور ترتیب کے چکر ہیں۔ ایک محمد شفیع صاحب ہیں جن کو درحقیقت اس سے نہ صرف دلچسپی بلکہ عشق ہے، باقی

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق

سنا ہے کہ آپ کی لٹن لائبریری میں "نہج البلاغہ" کا ایک قدیم مخطوطہ ہے۔ کیا اس کے کوائف بآسانی معلوم ہو سکتے ہیں یعنی کاتب، سنہ کتابت کے علاوہ اسناد و مواہیر ضخامت و عناوین، حواشی و حل لغات اور دوسری اہم باتیں جو اس قسم کے نسخوں میں مطالعے کے وقت نظر آتی ہیں۔ سبط الحسن صاحب نے اپنی کتاب "منہج نہج البلاغہ" میں لکھا ہے کہ تقریباً ۵۰۰ھ کا مخطوطہ ہے۔

ہماری زبان" میں انجمن کا اعلانیہ پڑھا تھا کہ مارچ کے آخر میں "احوال غالب" شائع ہو جائے گی کیا واقعی یہ تحریک تھا۔

نیاز کیش

مرتضیٰ حسین عفی عنہ

عالی جناب ڈاکٹر مختار الدین صاحب آرزو زید مجدہم

۵، مالی روڈ، علی گڑھ

(۵)

گلی ۱۵ مغل پورہ، لاہور

۱۲ دسمبر ۱۹۶۰

گرامی قدر، تسلیم

میں آج کل "عود ہندی" ایڈٹ کر رہا ہوں، تمام مراحل ختم کر چکا ہوں، صرف مقدمہ باقی ہے۔ ایک زحمت دینا چاہتا ہوں اور بڑا پر امید ہوں کہ ناکام نہ ہوں گا۔

زحمت یہ ہے کہ "اردوئے معلیٰ" دلی یونیورسٹی کے بعض شمارے غالب سے متعلق ہیں، اگر علم نوازی فرما کر وہ شمارے ارسال فرما دیں تو انتہائی متشکر ہوں گا

دور دستاں را بہ ہمت یاد کردن ہمت ست

نیاز کیش

مرتضیٰ حسین فاضل

(۶)

۵، مغل پورہ لاہور

۳۰ جنوری ۱۹۶۹ء

گرامی قدر، تسلیم

"عود ہندی" کے ساتھ "کلیات غالب" (فارسی) ۸ جنوری کو بھیجی۔ رسید نہ ملنے سے متردد ہوں۔ یقین ہے بصحت و عافیت ہوں گے۔ "اردوئے معلیٰ" کی ترتیب و حواشی مکمل ہیں۔ مقدمہ لکھنا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ آپ نے خطوط کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے باخبر ہوتا کہ مقدمے میں ذکر ہوتا۔ لیکن ایک مدت سے ہندوستان میں غالب پر جو کچھ چھپا ہے اس سے بے خبر ہوں۔ دیوان غالب (عرشی ایڈیشن) کے بعد کوئی تحقیقی مقالہ یا کتاب میرے علم میں نہیں آئی۔ "آج کل"، "فکر و نظر"، "اردو ادب"، "اردوئے معلیٰ" وغیرہ نے بہت کچھ چھاپا ہوگا، مگر مجھے کوئی خبر نہیں۔

"عود ہندی" کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا اردوئے معلیٰ کے لیے بھی یہ انداز ٹھیک ہوگا؟ اچھا تکلیف زحمت والسلام علیکم وعلیٰ من عندکم

خاکسار

مرتضیٰ عفی عنہ

جناب ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب زید مجدہم
اسلامک انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ یونیورسٹی علی گڑھ۔

(۷)

لاہور

۲۵ ستمبر ۶۸ء

گرامی قدر تسلیم

محبتوں کا شکریہ۔ "عود ہندی" تو میں نے اصلاح کے لیے بھیجی ہے۔ اگر آپ

حضرات نے توجہ کی تو شاید اردوے معلیٰ" میں زیادہ غلطیاں نہ ہوں گی مخدومی جناب قاضی عبدالودود صاحب نے لکھا تھا کہ کتاب انھیں نہیں ملی۔ جناب مخدوم مکرم عرشی صاحب نے بھی وصولی کتاب سے مطلع نہیں فرمایا۔ خدا کرے ان حضرات کو بھی کتاب مل گئی ہو۔

میں نے مولانا محمد حسین آزاد کے خطوط مرتب کیے ہیں۔ کوشش کروں گا کہ ایک کاپی حاضر خدمت کروں۔ "اردوے معلیٰ" اور "کلیات غالب" (فارسی) کی طباعت مکمل نہیں ہوئی۔ "اردوے معلیٰ" تو ابھی زیر قلم ہے۔ مہینہ بھر میں مکمل لکھ لوں گا۔ ان شاء اللہ "کلیات فارسی" کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں۔ تیسری جلد میں غزلیات و رباعیات کے آخری دس بیس صفحات باقی تھے، شاید وہ بھی تیار ہوں۔ مجھے کوئی جلد ابھی نہیں ملی۔ ان شاء اللہ وہ بھی بھیجوں گا۔

ڈاکٹر وحید مرزا صاحب، کلب علی فائق اور جناب امتیاز علی تاج صاحب سلام کہتے ہیں۔ "صحیفہ" کے مطلوبہ پرچے بھیجے جا رہے ہیں۔ ہاں اگر ممکن ہو تو اردو یا گجراتی ڈراموں کی ایک فہرست مرحمت فرما دیں، جس میں ڈرامے کا نام، مصنف و مترجم اور سنہ طباعت اور پریس کا نام ہو۔ ممنون رہوں گا۔ تاج صاحب کو بہت سخت ضرورت ہے۔

آپ نے غالب کی صد سالہ برسی کا کیا پروگرام بنایا ہے۔

مرتضیٰ عفی عنہ

(۸)

۱۵۔ مغل پورہ۔ لاہور

۲۲ نومبر ۶۸ء

گرامی قدر تسلیم

شکر ہے "عود ہندی" و "کلیات نثر" کی رسید ملی۔ "مہر نیمروز" طبع لاہور، بھیج رہا ہوں۔ متفرقات و رسائل کا مجموعہ ابھی تک بازار میں نہیں آیا۔ "نقد غالب"، "دیوان غالب" ترتیب مالک رام، "درفش کاویانی" کی ضرورت ہے۔ براہ کرم ارسال فرما کر قیمت سے مطلع کریں۔

"اردوے معلیٰ" کی آدھی طباعت ہو گئی ہے، ان شاء اللہ دسمبر میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ جناب سبط الحسن صاحب اور جناب ڈاکٹر مجتبیٰ حسن صاحب کی خدمت میں تسلیم و آداب۔ فقط

مرتضیٰ حسین عفی عنہ

(۹)

۲۱ فروری ۶۹ء

گرامی قدر و محترم تسلیم

آرزو صاحب مجھے آپ سے بہت شکوے ہیں جن کو سردست ملتوی رکھتا ہوں۔ "مہر نیمروز" ملی یا نہیں؟ کم از کم اتنا تو بتا دیجیے۔

اس فروری میں غالب کے بارے میں نادر اطلاعات حاضر کر رہا ہوں۔ "نقوش"، "گلفشاں"، "اردو"، ملاحظہ فرمائیں۔ یہ سب پرچے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ "آج کل"، "اردو ادب" اور آپ کے مضامین کیسے دیکھوں؟ آرزو صاحب! بے حد ممنون ہوں گا اگر اس موقع پر آپ غالب و غالبیات سے مجھے سرفراز فرمائیں۔ احباب کی خدمت میں سلام نیاز

مرتضیٰ حسین عفی عنہ

مکتوب مختار الدین احمد بنام قاضی عبدالودود

ٹیوبنگن

۸/۲/۵۵ء

مخدومی! تسلیمات

وہ مجلس مل گئی (۱) یہیں کے انبار میں دبی تھی۔ الیف ۔ قادہ سا ہے۔ یہیں برلن کا بقیہ ذخیرہ محفوظ ہے (۲)۔ یہیں پہنچ جاتا تھا اور کتابوں میں [وہ مجلس] تلاش کرتا رہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ کوشش رائیگاں نہیں گئی۔

تقطیع مختصر ہے اور تحریر بہت خوب صورت اور بہت واضح اور خوشی کی بات یہ ہے کہ نسخہ مکمل ہے۔ اوراق ۲۶۱ سطور ۱۱۔ فضلی نے لکھا ہے کہ اس کا پہلا مسودہ ۱۱۳۵ھ میں تیار ہوا تھا۔ اس کا نام کربل کتھا بھی ہے۔ (۳)

میں نے آج ۱۰ ماہ رواں کو ناظم سے اس کے عکس کی [اجرت دریافت کی] چھوٹی تقطیع پر سفید حروف کے عکس بنوائے جائیں (۴) تو بہت ارزاں [ہو گا یعنی ... فنش] ہر فولیو کی۔ اس سے بڑی تقطیع کے ،،۔ ریاض الوفاق مؤلفہ ذوالفقار علی مست سے بعض شعرا کے

تراجم کے جو عکس بھیجے ہیں اس تقطیع کی قیمت ... فنش ... نواب ... صفحوں کا ہوتا ہے۔ قدرت اللہ بلیغ کا ترجمہ و اشعار بھیج رہا ہوں۔ اس تقطیع پر اجرت عکس کم لگے گی۔ اس سے ارزاں ممکن نہیں۔ یہ تقطیع چھوٹی ہے لیکن چونکہ وہ مجلس کے نسخے کی تحریر بہت صاف ہے اس لیے امید ہے اس مختصر تقطیع سے کام چل جائے گا۔ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں تاکہ عکس کا انتظام کردوں اور آپ ترتیب کا کام [شروع کر سکیں ...]

میں کل پیرس کو روانہ ہو رہا ہوں اور امید ہے کہ ہفتے عشرے میں اوکسفرڈ پہنچ جاؤں گا، ان شاء اللہ۔ میں نے لائیڈن میں ایک دوست کو [لکھا ہے کہ ...] کے مائیکرو فلم آپ کو روانہ کر دیے جائیں۔ یہاں آ کر تذکرہ ریاض الوفاق کے ساتھ [تذکرۂ طبقات سخن بھی دیکھا ا] نسخہ سقیم ہے اور کچھ اچھا لکھا ہوا نہیں۔ پوری کتاب سرسری طور پر دیکھ ڈالی۔ اردو کا ایک خط ملا جو حسین علی متوطن میراں پور کا [ہے] اور جواب اس کا مؤلف طبقات کے قلم سے ہے۔ دونوں خط معمولی ہیں لیکن چونکہ قدیم ہیں اس لیے اہم ہیں (۵)۔ میں نے نقل کر لیے ہیں لیکن بعض جگہ عبارت پڑھی نہیں گئی۔ آپ سے قراءت [میں] میں مدد چاہتا تھا اور اس کی شکل یہی سمجھ میں آئی کہ [قدرت کے اشعار] (۶) کے عکس کے ساتھ آپ کو ان دو صفحوں کا عکس بھی بھیج دوں۔ براہ کرم توجہ فرما کر میری قراءت کو درست فرما دیجیے اور اطلاع دیجیے گا کہ یہ حسن علی کون ہے؟ آبرو کے دو مسدس، ایک مستزاد (۷) اور کچھ اور چیزیں بھی بھیج رہا ہوں۔ انھیں اک نظر دیکھ لیجیے گا۔ وہ مجلس کے عکس (مختصر تقطیع) کو تقریباً سو مارک اور متوسط تقطیع پر تقریباً دو سو ۲۰۰ مارک خرچ ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ مختصر تقطیع سے کام چل جائے گا۔ جواب آکسفرڈ کے پتے سے دیجیے۔ والسلام

مختار الدین

حواشی

(۱) فضلی کی یہ نادر تصنیف جو اب تک گمشدہ سمجھی جاتی تھی مجھے ٹیوبنگن میں یکم فروری ۵۵ء سے پہلے جنوری کے اواخر میں ملی۔

(۲) کتب خانہ شاہی برلن کے ذخیرۂ مخطوطات کا، جنگ عظیم کے زمانے میں برلن میں بمباری کے خوف سے، بڑا حصہ ماربرگ اور مختصر حصہ ٹیوبنگن کی جامعات کے کتب

خانوں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

(۳) ۸ فروری کا خط ناتمام رہا۔ خیال رہا ہوگا کہ لائبریرین سے عکس کی اجرت معلوم کرکے اس کی بھی اطلاع قاضی صاحب کو دے دوں۔ کچھ ایسا یاد آتا ہے کہ جس دن کربل کتھا دریافت ہوئی اسی دن ہوٹل واپس آکر قاضی صاحب، رشید احمد صدیقی اور قاضی عبدالغفار صاحب کو اس امر کی اطلاع دی۔ قاضی صاحب کو مفصل خط لکھا تھا۔ قاضی محمد مسعود صاحب ان کے فرزند کو وہ خط نہیں مل سکا، وہ مل جاتا تو کربل کتھا کی دریافت کی اصل تاریخ معلوم ہو جاتی۔ بہرحال یہ اواخر جنوری ۵۵ء کی کوئی تاریخ ہوگی۔

(۴) یعنی سیاہ کاغذ پر سفید تحریر۔

(۵) ڈائری کے اندراج سے معلوم ہوا کہ ۱۱ فروری ۱۹۵۵ء کی شام کو ٹیوبنگن سے اسٹوٹ گارٹ کوچ سے پہنچا اور گیارہ بجے شب کو انٹرنیشنل ٹرین سے پیرس کے لیے روانہ ہوا۔

(۶) تذکرۂ طبقات سخن از غلام محی الدین عشق و مبتلا کا ایک نسخہ کتب خانۂ برلن کا اس زمانے میں ٹیوبنگن میں محفوظ تھا۔ اس وقت وہ وحید و فرید نسخہ اس تذکرے کا تھا جو اس وقت تک دریافت ہوا تھا۔

(۷) دونوں خط ۲۲-۲-۵۵ء یا اس سے پہلے کے لکھے ہوئے ہیں۔ قاضی صاحب نے یہ دو خط چھاپے نہ اس کے متن کی صحت کی طرف توجہ کی بعد کو یہ دونوں ...

(۸) بعض تذکروں سے قدرت اللہ دہلوی اور قدرت اللہ بلیغ کے اشعار کی نقل قاضی صاحب کو بھیجی تھی ... دیوان قدرت اڈٹ کر رہے تھے

(۹) ابرو کا مخمس اور مستزاد قاضی صاحب نے رسالہ معاصر (... باقی) میں شائع کر دیا تھا۔ کچھ اور تحریریں کیا بھیجی تھیں، اب بالکل یاد نہیں۔ ابھی اس زمانے کی جرمنی کی ڈائری دیکھی۔ ٹیپو سلطان کی ... اور اس وقت کے نظام حیدرآباد کا اردو کلام بھیجا تھا اور تذکرہ خوش گو (نسخۂ برلین) پر سراج الدین علی خاں آرزو اکبرآبادی کی تحریرات کے عکس بھیجے تھے۔

مکتوب مختار الدین احمد بنام جناب مالک رام

Prinz Carl Hotel
Room No. 12
Tubingen
Germany

۴/۲/۵۵ء

میرے مکرم تسلیمات

ماربرگ میں زیادہ دن ٹھہر جانا پڑا۔ ایک کتاب کی تلاش تھی۔ لائبریرین کو پتا نہیں تھا۔ اندیشہ تھا کہ دنیا سے فنا ہو چکی ہے لیکن اس بات کی اطلاع تھی کہ ۱۸۵۰ء سے پہلے ڈاکٹر اشپرنگر کے پاس موجود تھی۔ اور ان کی کتابیں برلین کے ذخیرے میں محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا کوئی پتا نہ تھا۔ لائبریرین نے اجازت دے دی کہ اسٹیک روم (۱) میں جاؤ اور ایک ایک کتاب کو دیکھو۔ ۱۵ دنوں تک یہی کام کیا۔ اور کاموں کے علاوہ اس کتاب کی تلاش رہی۔ پانچ ہزار پانچ سو کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھیں۔ بون۔ فرینکفرٹ۔ مانز۔ ہائیڈل برگ ہوتا یہاں پہنچا یہاں تلاش کیا اور کتاب مل گئی۔ اس کی تلاش میں برسوں سے تھا اور لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ کتاب اب دنیا سے فنا ہے۔

یہ شمالی ہند میں اردو نثر کی اولین کتاب کربل کتھا یا وہ مجلس فضلی ہے جو ۱۱۲۵ء کو لکھی گئی ہے۔

میں نے سارے خطوط ہائیڈل برگ منگواے تھے۔ ان میں آپ کا خط نہ پاکر تردد ہوا۔ میں آپ کو ایک خط جرمنی سے لکھ چکا تھا اور جواب شاید میں نے ہائیڈل برگ کے پتے سے مانگا تھا۔ میں اس ہفتے آکسفرڈ پہنچ رہا ہوں۔ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کے دوست نے رقم روانہ کر دی یا نہیں۔ معاملہ آپ کا ہوتا تو کوئی بات نہ تھی لیکن ایک راوی اور درمیان ہے۔ اس لیے شبہہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے وہ اس معاملے کو وہ اہمیت نہ دیں جس کا وہ مستحق ہے۔ براہ کرم یاددہانی سے مطلع فرمائیں۔

جب یہ خط آپ کو ملے گا تو "آج کل" کا غالب نمبر شائع ہو چکا ہوگا۔ مجھ تک یہ رسالہ پہنچے گا بھی تو ایک ماہ کے بعد۔ براہ کرم مطلع فرمائیں کہ غالب سے متعلق کیا کیا چیزیں شائع ہوئی ہیں۔ میں نے رشی لمیٹڈ کو لکھ دیا تھا کہ عکس کا ایک سیٹ آپ کے حوالے کر دیں۔ امید ہے آپ کو مل گیا ہوگا۔ رشی صاحب نے لکھا تھا کہ پہلے مضمون کا معاوضہ بھی آکسفورڈ بھیجا جا چکا ہے۔ انھیں اطلاع دے دیجیے گا کہ مجھے اب تک کوئی رقم نہیں ملی ہے۔ اب تک ۶ مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ اگر اب تک معاوضہ بھیجا نہ گیا ہو تو انھیں لکھیے کہ کسی ذریعے سے آکسفورڈ کے پتے پر بھجوادیں۔ یہ لکھنا اس لیے ضروری ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ سمجھتے رہیں کہ معاوضہ بھی باقاعدہ ملتا رہا ہے اور وہ مطمئن ہو جائیں۔ آپ جواب آکسفورڈ کے پتے سے دیں۔ میرا نام اور کالج کا St. Catherine's College پتا کافی ہے۔

"رسالہ غالب" کہاں تک پہنچی؟ اور "تلامذۂ غالب" کا کیا حال ہے؟ "احوال غالب" کی تیسری جلد کے مسودات آزاد کتاب گھر کو قاضی صاحب کے مشورے سے حوالے کیے گئے تھے لیکن آزاد کتاب گھر والوں نے مجھے مطلع کیا تھا کہ مسودات قاضی عبدالغفار صاحب نے واپس منگوا لیے ہیں کہ اس سال فنڈ میں گنجائش نہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ انھیں معلوم نہیں۔ یہ بڑی افسوسناک بات ہے۔ برادرم قاضی معزالدین احمد آزاد کتاب گھر اور قاضی عبدالغفار صاحب سے رجوع کیجیے اور پتا چلائیے کہ مسودات کہاں ہیں۔ امید آپ بخیریت ہوں گے۔ والسلام

مختارالدین

مسٹر مالک رام باوجہ۔ ۲۸ بارہ کھمبا روڈ۔ نئی دہلی۔

حواشی

(۱) کتب خانۂ برلین کے مخطوطات کا ایک حصہ جو عارضی طور پر ماربرگ یونیورسٹی لائبریری کی تحویل میں تھا، لائبریری کی عمارت کے نیچے ایک تہ خانے میں محفوظ کر دیا گیا تھا۔ یہ بند رہتا تھا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ مشرقی مخطوطات کے ناظم ڈاکٹر فوگٹ (Wolfgang Voigt) کی وجہ سے باب کھولا گیا۔ اور ان کی مہربانی سے مجھے یہ ذخیرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ ڈاکٹر فوگٹ نے برلن سے پروفیسر Luders کی نگرانی

The Animals in the Indian and Persian (...) میں ۱۹۳۶ء میں Religion کے موضوع پر کام کر کے ڈاکٹریٹ حاصل کی تھی۔ یہ بڑے اچھے اسکالر، بہت اچھے انسان اور بڑے پیارے آدمی تھے۔ ماربرگ کے دوران قیام ان کی محبت و شفقت ۳۵ سال گزرنے پر بھی اکثر یاد آتی ہے۔

(۲) دوسری جلد اس سلسلے کی "نقد غالب" تھی اور تیسری جلد "گنجینۂ غالب" جس کے مسودات یورپ آنے سے پہلے قاضی عبدالغفار صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اردو کے حوالے کر کے آیا تھا۔ ناشر انجمن تھی۔ پہلی دو جلدیں مکتبہ جامعہ کے زیر اہتمام چھپی تھیں۔ یہ تیسری جلد میرے دوست اور کرم فرما قاضی معز الدین احمد کے زیر اہتمام چھپنے والی تھی۔

مکتوبات مختارالدین احمد بنام مولانا غلام رسول مہر

[مولانا غلام رسول مہر کے نام ڈاکٹر مختار الدین احمد کے ۳۰ خط صاحب محمد عالم مختار حق (لاہور) کو ملے ہیں۔ یہاں دو خط جو یورپ سے مولانا کو بعض علمی مسائل کے سلسلے میں لکھے گئے تھے، محمد عالم مختار حق صاحب کے شکریے کے ساتھ شائع کیے جاتے ہیں۔]

(۱)

یونیورسٹی لائبریری
ٹیوبنگن / جرمنی
یکم فروری ۱۹۵۵ء

St. Catherine's College
Oxford

مخدوم محترم سلام مسنون

کس قدر نادم ہوں کہ یورپ آئے سولہ مہینے ہو گئے اور آپ کی خدمت میں کوئی عریضہ حاضر نہ کر سکا۔ آپ کی یاد برابر آتی رہی اور کئی بار خط لکھنے کا خیال بھی کیا لیکن خیال عمل کا جامہ نہ پہن سکا۔ بزرگوں اور بادشاہوں کے دربار میں جب لوگ جایا کرتے تھے تو کچھ نذر پیش کرتے تھے۔ غالب نے اپنی نذر کے لیے قصیدے کا انتخاب کیا تھا اور میں نے نذر

نے لیے شیخ عبدالوہاب نجدی کی نایاب تحریر کا انتخاب کیا ہے کہ آپ مجھ سے راضی ہو جائیں اور اس طویل خاموشی کی کچھ تلافی ہو جائے۔

شیخ کی تحریر اس قدر نایاب ہے کہ لائیڈن کے علاوہ کہیں اور اس کے وجود کی اطلاع نہیں آئی۔ آپ نے عرصہ ہوا تحریر فرمایا تھا کہ سیّد احمد شہید وغیرہ کی تحریک پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ اگر کتاب اب تک شائع نہ ہوئی تو شیخ کی تحریر کے عکس کی اشاعت بہت موزوں رہے گی۔ میں نے یہ عکس شاید ۲۰ دسمبر کو روانہ کیے ہیں، اب تک مل چکے ہوں گے۔

خطوط غالب کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمایئے۔ میں نے دیوبند بہت پہلے کہیں پڑھا تھا۔ پھر اگست ۵۰ء میں کیمبرج میں ایک دن اچانک شیخ محمد اکرام صاحب سے ملاقات ہو ئی ۱۱ بجے [illegible] لے گئے تو وہاں اس کی دو جلدیں دیکھیں۔ ان سے مانگ کر لے آیا۔ اپنے گھر پہنچا تو رات کے ۱۱ بج چکے تھے۔ گرم بستر میں چلا گیا اور کتاب پڑھنی شروع کر دی چار بجے صبح تک دونوں جلدیں ختم کر لیں۔ پھر سویا۔ بعض نوٹس بڑے مفید ہیں اور ان سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ خدا کرے آئندہ اڈیشن میں آپ اور بھی مفید حواشی کا اضافہ کر سکیں

میں اگست سے آکسفرڈ سے باہر ہوں۔ چار ماہ لائیڈن میں رہا۔ ۲۰ دسمبر کو جرمنی آیا۔ بون، ماربرگ، ہائیڈل برگ، فرانکفرٹ، مانیز کی جامعات اور ان کے کتب خانوں میں کام کرتا رہا اور اب ٹیوبنگن میں ہوں۔ اگلے ہفتے پیرس کی نیشنل لائبریری دیکھتا ہوا آکسفرڈ واپس پہنچ رہا ہوں۔ اوپر وہاں کا مستقل پتا لکھ دیا ہے۔ جواب اسی پتے پر دیجیے۔

آپ نے اس طرف کوئی مضمون غالب یا کسی اور موضوع پر شائع کیا ہو تو مطلع فرمایئے۔ اپنے اشغال اور انسائیکلوپیڈیا کی اشاعت کی رفتار سے بھی۔

سیّد مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی سے ملاقات ہو تو میرا سلام فرما دیجیے۔ عرصے سے ان کا کوئی والانامہ صادر نہیں ہوا۔ بلکہ انھوں نے "احوال غالب" کی رسید تک سے مشرف نہیں فرمایا۔ وہ مجھے بھولے کیا ہوں گے، مصروفیات نے اس کا موقع نہیں دیا ہو گا۔

امید ہے مزاج گرامی بہ خیر ہو گا۔ والسّلام

نیازمند

مختارالدّین احمد

۷۰۵

(۲)

آکسفورڈ

۱۰/ ۹ / ۵۵ء

میرے مخدوم   سلام مسنون

سخت انتظار کی حالت میں گرامی نامہ تشریف لایا۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ آپ کی ناسازی طبع کا حال سن کر افسوس ہوا۔ خدا سے دعا ہے کہ آپ کو شفائے عاجل و کامل عطا فرمائے۔

"سیرت احمد شہید" کے مطالعے کا بڑا اشتیاق ہے۔ میں ابھی چند ماہ یہاں اور ہوں ان شاء اللہ۔ براہ کرم میرا اور باڈلین کا نسخہ یہیں روانہ فرمائیں۔

میں نے یہ التزام کیا ہے کہ غالب مالہ و ماعلیہ کے سارے اڈیشن جمع کروں۔ "خطوط غالب" کی اشاعت اولیٰ ان کتابوں کے ساتھ بھیج دیں۔ اشاعت دوم بعد کو روانہ فرمائیں۔ کتابوں پر آپ کے دستخط ضرور ہوں۔

مجھے "رضینا قسمة الجبار فینا" والی مہر ہمارے غالب کی نہیں(۱) ۔ سید اسد اللہ خاں غالب کی ہے۔ مجھے شبہ پہلے بھی تھا۔ اب برلن میں "دیوان کلیم" کا ایک نسخہ دیکھا جس پر ان غالب کی تین مہریں ہیں۔ ایک میں یہ عربی شعر بھی ہے۔ دوسری مہر میں صرف "سید اسد اللہ غالب" منقوش ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ غالب سید نہیں اور دوسری اہم بات یہ کہ ان میں ۱۱۶۳ھ کے اعداد منقوش ہیں (۲)

ان کا ذکر میں نے تذکروں میں پڑھا ہے۔ یہ طبیب پیشہ تھے۔ آپ کی حیدرآباد والی کتاب پر جو طب کی ہے ان کے دستخط ہوں یہ زیادہ قرین قیاس ہے۔

امید آپ بخیر ہوں گے۔ والسلام

مختارالدین احمد

حواشی

(۱) مولانا مہر نے "غالب" میں غالب کی طب سے آگاہی کے شواہد میں ڈاکٹر سید قاسم (پتھر گٹی حیدرآباد) کے کتب خانے کی ایک کتاب "ذخیرۂ دولت شاہی" کا حوالہ دیا ہے اور لکھا ہے اس پر غالب کی مہر بھی ثبت ہے۔ نیز یہ شعر درج ہے:

رضینا قسمۃ الجبّار فینا   لنا علم و للجہّال مال

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب غالب کے زیر مطالعہ رہی۔ (ص ۱۳ نسخۂ پٹنہ)

(۲) اس وقت تو میرزا غالب پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اصل یہ ہیں کہ مولانا نے خود یہ کتاب نہیں دیکھی تھی۔ اس اطلاع کے لیے انھوں نے محمد عبدالرزاق صاحب راشد حیدرآباد کی ایک تقریر کا حوالہ دیا تھا جو انھوں نے ۱۹ فروری ۱۹۳۰ء کو نشر کی تھی۔

مزید مقالات

سید جاوید اقبال

اُردو تقریظ نگاری

کتاب کے متعلقات میں جہاں "پیش لفظ"، "دیباچہ" اور "مقدمہ" ضروری طور پر شامل رہے ہیں، وہاں روایتاً تقریظ کو بھی شامل کیا جاتا رہا ہے۔ اگر اسے بھی نثر کی ایک قسم یا صنف کا درجہ دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

گزشتہ صدی سے لے کر اب تک اُردو اور فارسی مطبوعات کی تقریظوں کو اگر یکجا کیا جائے تو ایک نہایت قابلِ لحاظ تقریظی سرمایہ دستیاب ہے، جو اپنے اپنے زمانے کے رجحانات کا آئینہ دار ہے۔ اس سرمائے کا تجزیہ اور مطالعہ تاریخِ ادب کا ایک قابلِ لحاظ حصہ بن سکتا ہے۔

تقریظ نگاری کی اس اہمیت کے پیشِ نظر یہ دیکھنا بے جا نہ ہوگا کہ جب سے تقریظ نگاری نے بالخصوص اُردو میں رواج پایا ہے، اس پر ضمناً ہی سہی، کیا اظہارِ خیال کیا گیا ہے؟ کیوں کہ ہمارے فضلا نے جہاں مقدمے پر بحث کی ہے، تقریظ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ اس لحاظ سے تقریظ کی تاریخ اور اس کا جائزہ مطالعہ ایک توجہ طلب موضوع بنتا ہے۔ تقریظ کے سلسلے میں جو مطالعات ضمنی یا کلی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں، ذیل میں ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۱)

اس ضمن میں غالباً غالب سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے تقریظ کے موضوع، اپنے خیالات یا ردِّ عمل کا اظہار کیا ہے۔ تقریظ سے متعلق غالب کی یہ توضیحات ان کے مکاتیب میں ملتی ہیں۔

میجر جان جاکوب (۱) کو اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

"آپ نے دیباچہ میں ان امور کے بیان کرنے کے متعلق جو سبب ہیں انھیں نہیں جانتا اور جو کچھ اس سلسلے میں سمجھا ہے میں ان کو کچھ بھی نہیں سکا تو جن چیزوں کو نہ جانتا ہوں اور نہ سمجھتا ہوں ان کا تذکرہ کس طرح کروں اس لیے دیباچہ نہیں لکھا۔ تقریظ لکھ دی ہے۔ اسے کتاب کے آخر میں

شامل کرلیں اور خود دیباچہ لکھ کر سب کچھ بیان کر دیں (۲) ۔

اسی نوعیت کا ایک مکتوب غالب نے اپنے شاگرد منشی ہرگوپال تفتہ (۳) کو بھی تحریر کیا تھا۔ جس میں تقریظ سے متعلق اُن کے خیالات زیادہ نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں وہ رقم طراز ہیں کہ

"کیا کروں اپنا شیوہ ترک نہیں کیا جاتا۔ وہ رَوِش ہندوستانی، فارسی لکھنے والوں کی مجھ کو نہیں آتی کہ بالکل بھاٹوں کی طرح بکنا شروع کر دوں۔ میرے قصیدے دیکھو۔ تشبیب کے شعر بہت پاؤ گے اور مدح کے کم تر، نثر میں بھی یہی حال ہے۔ نواب مصطفیٰ خاں (۴) کے تذکرے کی تقریظ کو ملاحظہ کرو۔ ان کی مدح کتنی ہے۔ مرزا رحیم الدین بہادر حیا (۵) تخلص کے دیوان کے دیباچے کو دیکھو، وہ جو تقریظ انطباع دیوان حافظ کی جان جاکوب بہادر کی فرمائش سے لکھی ہے۔ اس کو دیکھو کہ فقط ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مدح آئی ہے۔ اور باقی نثر میں اور ہی مطالب ہیں۔ واللہ باللہ، اگر کسی شہزادے یا امیر زادے کے دیوان کا دیباچہ لکھتا تو اس کی مدح اتنی نہ کرتا جتنی تمھاری مدح کی ہے۔ ہم کو اور ہماری رَوِش کو اگر پہچانتے تو اتنی مدح کو بہت جانتے، قصہ مختصر تمھاری خاطر کی ہے۔ اور ایک فقرہ تمھارے نام کا بدل کر اس کے عوض ایک فقرہ اور لکھ دیا ہے۔ اس سے زیادہ بھئی میری رَوِش نہیں، ظاہراً تم خود فکر نہیں کرتے اور حضرات کے بہکانے میں آجاتے ہو" (۶)۔

غالب نے ان دونوں تصدیقات میں تقریظ کے بارے میں عمدہ طور سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مروّت اور تعلقات کی بناء پر اپنی تقریظوں میں صرف ایک حد تک تعریف کرتے تھے اور یہ طریقہ روش عام سے ہٹ کر تھا۔ غالب کی تقریظ نگاری کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں کہ ان کی "تقریظوں میں بیان کی شوکت علمیت اور صنعت گری کا رنگ نمایاں ہے مگر کتاب کی تحسین اور مدح میں مبالغہ نہیں کرتے تھے" (۷)۔

اسی ذیل میں محی الدین قادری زور کا خیال ہے کہ غالب "ماحول کے اقتضاء سے مجبور ہو کر دیباچوں اور تقریظوں وغیرہ کو بالکل پُر تکلف اور پُر تعقید اسلوب میں قلم بند کرتے تھے" (۸)۔

الغرض مکتوبات غالب کی روشنی میں تقریظ سے متعلق یہ نکات حاصل کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ تقریظ میں کتاب کے مندرجات پر بحث نہیں کی جاتی اور نہ اس کی نامہ نگاری کی جاتی ہے۔ ان امور کے لیے دیباچے کو استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ تقریظ اور دیباچے میں فرق ہوتا ہے۔ اس لیے کتاب کے شروع میں دیباچہ اور آخر میں تقریظ شامل کی جانی چاہیے۔ تاکہ تقریظ نگار کے خیالات قاری کی رائے سے متصادم نہ ہوں اور کتاب لکھنے کا اصل مقصد برقرار رہے۔

۳۔ کتاب کسی امیرزادے کی ہو یا عام آدمی کی، تقریظ نگار اور دیباچہ نگار کو تحسین کے اظہار میں حد سے نہیں گزرنا چاہیے۔

۴۔ تقریظ میں کتاب یا مصنف کی کسی ایسی کمزوری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے جس سے اس کی دل آزاری ہو۔

صنف کوئی سی بھی ہو ضابطے کی ضرورت تو بہرحال ہوتی ہے۔ غالب کے مکتوبات سے اخذ کیے گئے نکات فنِ تقریظ نگاری کے ذیل میں یقیناً اہم ہیں، جس سے اس فن میں توازن کی ایک صورت بنتی ہے۔ غالب کے بعد مدیر، ہفت روزہ، "کوہ نور" (۹) لاہور کی ایک تقریظ میاں گل محمد (۱۰) کی کتاب "انشائے عالی" پر ۱۳ اپریل ۱۸۸۵ء کے شمارے میں ملتی ہے۔

فاضل تقریظ نگار نے تقریظ کی تمہید میں تبصرے، تقریظ اور مقدمے کی بابت اظہار خیال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "ریویو زبان انگریزی میں اور زبان عرب دونوں مترادف ہیں۔ کسی کتاب کے مرتب ہونے سے پہلے لکھے جاتے ہیں اور بہ کیفیت اجمالی فوائد اُس کتاب میں درج کیے جاتے ہیں۔ تقریظ کو مقدمۂ کتاب کہنا من کل الوجوہ جائز نہ ہوگا کیوں کہ مقدمہ میں بعض کے نزدیک گیارہ چیزیں جو کہ اُس فن سے تعلق رکھتی ہیں، مذکور ہوتی ہیں اور بعض کے نزدیک نو اور بعض کے نزدیک تین کہ وہ رسم علم، موضوعِ علم، غرضِ اکتساب علم ہیں کیوں کہ اگر یہ باتیں بھی مقدمہ کتاب میں مذکور نہ ہوں گی تو اُس فن کے طالب علم کو بصیرت اُس کے شروع کرنے میں حاصل نہ ہوگی، بل کہ طلب مجہول مطلق لازم آئے گی۔ منزل مقصود کے راستے کو طے کرنا بدون واقفیت اس

کے آثار نہیں ہو سکتا۔ ورنہ احتمال گمراہی ہے۔ صرف اگر تقریظ میں اتنی بات ہو کہ نامِ علم و واضعِ علم و علتِ غائی علم مذکور ہو تو کسی قدر مناسبت مقدمۂ کتاب سے پائی جائے گی۔ لیکن مقدمہ میں امور مذکورۂ بالا کا بیان ہوتا ہے۔ اور اگر اُس کتاب میں یہ امور ہی نہ ہوں تو البتہ اس کی نسبت جو کچھ لکھا جاوے اس پر تقریظ کا اطلاق کسی قدر مشکل ہوگا۔ فارسی کوئی علم نہیں ہے بل کہ زبان ہے علم اس کو کہتے ہیں جس کا کوئی موضوع متعین ہو۔ اور اس کے عوارض ذاتیہ یعنی مسائل سے بحث کی جائے اب ہم کو کوئی بتائے کہ فارسی کا موضوع کیا ہے۔ اور اس کے عوارض ذاتیہ کون سے ہیں اگر کہو گے کہ موضوع اس کا وہی کلام اور کلمہ ہے تو عوارض ذاتیہ کہاں سے پیدا کرو گے۔ غرض یہ کہ بہرحال دقت پڑے گی اور فارسی ہی پر کیا منحصر ہے جتنی زبانیں ہیں کسی کو علم کہنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔ کیوں کہ زبان اور شے ہے اور کسی علم کا کسی زبان میں مذکور ہونا اور شے ہے ظرف اور مظروف متحد نہیں ہو سکتے۔ گو یہ ہماری بات بہ ظاہر کسی قدر بعض کے نزدیک بعید بل کہ ابعد معلوم ہوگی۔ لیکن جن لوگوں کی نظر غائر ہے وہ سمجھ جائیں گے۔ کہ حق ہماری ہی جانب ہے۔ اب کسی کتاب کے حسن و قبح کی نسبت جو کچھ لکھا جاوے اس کو ایک مضمون بطور تفننِ طبع کے فرض کریں گے۔ اور ہم نے مانا کہ تقریظ ہی کہیں پھر بھی خلافِ مصطلح ہونا ضرور ہی لازم آئے گا۔"

مدیر ہفت روزہ "کوہ نور" نے مذکورہ تقریظ میں "مقدمے" اور "تقریظ" کا نہایت مدلل موازنہ پیش کیا ہے۔ ابتدائی سطور میں تسمیہ کے طور پر "ریویو" کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اس زمانے میں "مقدمے" "تقریظ اور تبصرے کے فرق کو کچھ لوگ محسوس کرنے لگے تھے۔ مقدمہ نگاری کو فن کے طور پر قبول کرتے ہوئے اس کے اجزائے ترکیبی میں بعض مقدمہ نگار گیارہ، بعض نو اور کچھ تین عناصر کو اہمیت دیتے تھے۔ ان ہی اجزائے ترکیبی کی بنیاد پر وہ لوگ تقریظ کو مقدمے سے الگ صنف قرار دیتے ہیں۔ مدیر ہفت روزہ "کوہ نور" لاہور کی اس تحریر سے تقریظ نگاری کے ذیل میں جو نکات سامنے آتے ہیں انھیں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ تقریظ اور مقدمے میں اجزائے ترکیبی کا فرق ہے۔
۲۔ تقریظ کو مقدمۂ کتاب کہنا درست نہیں۔
۳۔ تقریظ میں کتاب کے موضوع کی مکمل صراحت ضروری ہے۔
۴۔ تقریظ نگار کو کتاب کے سقم اور صحت کے بارے میں اظہارِ خیال نہیں کرنا چاہیے۔

غالب کے ہاں ہمیں "تقریظ" اور "دیباچے" کے فرق سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں تو مدیر "کوہ نور" لاہور کے ہاں "تقریظ"، "مقدمے" اور دیباچے کی بہ نسبت ایک کم تر درجے کی تحریر نظر آتی ہے۔ دونوں مشاہیر "مقدمہ نگاری" اور دیباچہ نگاری میں محتاط رویہ اپناتے نظر آتے ہیں۔ اس کے بعد الطاف حسین حالی نے تقریظ کے موضوع پر "یادگار غالب" میں اظہار خیال کیا ہے (۱۱)۔ یہ اظہارِ خیال غالب کی تقریظات کے ضمن میں ہے۔ گویا یہ بھی غالب ہی کی دین ہے۔

حالی نے "یادگار غالب" میں تقریظ لکھنے کا ڈھنگ"، کے عنوان سے مرزا غالب کے انداز تقریظ نگاری کا بہت عمدہ تعارف کرایا ہے۔ حالی لکھتے ہیں:

> "مرزا پر تقریظوں کی بے انتہا فرمائشیں ہوتی تھیں اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ تعریف کی مستحق فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔ مرزا کی طبیعت کیوں کہ صلح جو اور مرنج و مرنجان واقع ہوئی تھی۔ وہ کسی سے انکار تو نہیں کرتے تھے مگر تقریظ نگاری کا انھوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف بھی نہ ہو اور صاحب کتاب خوش بھی ہو جائے۔ بہت سا حصہ تمہید میں یا مصنف کی ذات اور اس کے اخلاق یا اس کی محبت، اور دوستی کے بیان میں یا لطیف اور پاکیزہ باتوں کے ذکر میں جو بے محل نہ ہوں ختم ہو جاتا تھا۔ آخر میں کتاب کی نسبت چند جملے جو اصلیت سے خالی نہ ہوتے تھے اور مصنف کے خوش کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے۔ لکھ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ مرزا سے شکایت کرتے تھے کہ آپ نے ستائش میں مضائقہ کیا ہے (۱۲)"۔

حالی نے غالب کی تقریظ نگاری کے ذیل میں دو تقاریظ کا تذکرہ کیا ہے (۱۳)۔ اول منشی ہرگوپال تفتہ کے دیوان پر لکھی جانے والی تقریظ ہے۔ اس تقریظ سے تفتہ کی تشفی نہیں ہوئی تھی اور انھوں نے شکایت کی (۱۴) جس کے جواب میں غالب نے انھیں دو ٹوک خط لکھا۔ یہ

خط غالب کی تقریظ نگاری کی ذیل میں پیش کیا جاچکا ہے (۱۵)۔ دوسری تقریظ سرسید کی مرتب کردہ "آئین اکبری" (۱۶) پر ہے۔ اس تقریظ (۱۶) میں غالب نے "آئین اکبری" کو غیر مفید قرار دیا اور سرسید کی اس محنت اور جاں فشانی پر کوئی داد نہیں دی۔ چناں چہ سرسید نے اسے شائع نہیں کیا۔ یہ دو واقعات تقریظ نگاری کی تاریخ میں نہایت اہم ہیں۔ جو حالی کے توسط سے محفوظ ہوگئے ہیں۔

"یادگار غالب" میں حالی نے غالب کی تقریظ نگاری کا ضمنی طور پر کئی جگہ تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان کے یہ بیانات غالب کی اُردو نثر اور زبان دانی کے حوالے سے زیادہ اہم ہیں۔ غالب کی ان تقریظات کے ضمن میں حالی کے بھی اس فن سے متعلق کچھ خیالات ملتے ہیں جنھیں بلا اختصار درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ تعریف کی مستحق فی الحقیقت بہت ہی کم کتابیں ہوتی ہیں۔

۲۔ جن تقریظ نگاروں کی طبیعت صلح جو اور مرنجاں مرنج واقع ہوتی ہے وہ کسی سے انکار نہیں کرتے۔ اور ہر قسم کی کتاب پر تقریظ لکھ دیتے ہیں

۳۔ کتاب کیسی ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ احتیاط لازم ہے کہ کوئی بات راستی کے خلاف نہ ہو۔

۴۔ صاحب کتاب کو خوش کرنے کے لیے تقریظ نگار کو چاہیے کہ بہت سا حصہ تمہید میں یا مصنف کی ذات اور اس کے اخلاق یا اس کی محبت اور دوستی کے حوالے سے لطیف اور پاکیزہ پیرائے میں صرف کر دینا چاہیے مگر کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں ہونی چاہیے۔

۵۔ تقریظ کو مزید قابل توجہ بنانے کے لیے صاحب کتاب کی تعریف اور توصیف کے بعد کتاب کی نسبت کچھ اظہار خیال بھی کر دینا چاہیے۔ جس سے مصنف خوش ہوجائے لیکن یہ اظہار خیال اصلیت سے خالی نہ ہو۔

۶۔ وہ کتاب جو تقریظ نگار کو بالکل پسند نہ ہو اس پر ایسی رائے ہرگز نہیں دینا چاہیے کہ جس سے کتاب کے متعلق لوگوں کی رائے متاثر ہو اور صاحب کتاب کی دل شکنی ہو۔

درج بالا نکات فی الحقیقت حالی کے غالب سے متعلق بیانات سے مستفاد ہیں لیکن ان کا دل چسپ پہلو یہ ہے کہ مذکورہ بالا نکات کی اگر مثالیں فراہم کی جائیں تو حالی کی تقریظیں بہت خوب صورتی سے سما جاتی ہیں۔ حالی نے غالب کی تقریظ نگاری پر نہ صرف دل چسپ معلومات فراہم کی ہیں بل کہ اُن کا انداز تحریر ایک متوازن تقریظ لکھنے پر بھی اکساتا ہے۔ اس کے علاوہ حالی کا غالب کو تقریظ نگار کی حیثیت سے متعارف کرانا بھی اصل میں اس فن کی

رف متوجہ کرتا ہے۔ جو بلاشبہ کسی بھی تقریظ نگار پر پہلا اظہار خیال ہے۔ اس کے بعد ایک طویل وقفہ ایسا ہے کہ تقریظ کے موضوع پر ہمیں فضلاء کی ضمنی تصریحات بھی حاصل نہیں ہو سکیں۔ بیسویں صدی میں اول اول جس فاضل نے تقریظ سے متعلق ضمنی تصریحات پیش کیں وہ محی الدین قادری زور ہیں۔ جنھوں نے "روح تنقید" (۱۹۲۵ء) میں مبادی تنقید کے ذیل میں تقریظ پر بھی اظہار خیال کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

"تنقید میں نہ صرف تقریظی پہلو ہوتا ہے، بل کہ تخلیقی بھی۔ اس کا کام نہ صرف برائی کی مذمت کرنا ہے۔ بل کہ اچھائیوں کی بھی صحیح ترجمانی کر کے ترقی دینا ہے" (۱۸)۔

محی الدّین قادری زور تقریظ کی تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بازارِ عکاظ میں جب دور دراز کے عرب شاعر اپنے اپنے کمال کو ظاہر کرنے اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لیے جمع ہوتے تو ایک مستند علامہ صدر نشین بن کر ان کا کلام سنتا تھا۔ جب ہر قبیلے کا شاعر اپنا اپنا کلام سنا چکتا تو صدر نشین ان کے کلام پر اپنی رائے ظاہر کرتا، ہر شعر کے معائب و محاسن کا اظہار کیا جاتا اور ایک شاعر کو دوسرے پر ترجیح دی جاتی اس کے کلام کے محاسن دکھانے پڑتے اس توصیف و تنبیہ کے عمل کو تقریظ کہا جاتا تھا" (۱۹)۔

محی الدّین قادری زور نے تقریظ کو تنقید کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے گویا تقریظ کے قابل توجہ پہلو کی نشان دہی کی ہے۔ اُن کے خیال میں اچھائیوں کی ترجمانی اور اس کو ترقی دینا تنقید کا کام ہے۔ اس لیے تنقید میں تقریظی پہلو ایک اہم جزو ہو سکتا ہے۔ انھوں نے تقریظ پر اظہارِ خیال کے ساتھ اُردو میں پہلی مرتبہ تقریظ کے پس منظر اور اُس کی تاریخ سے بھی روشناس کیا ہے۔ یہی وہ نقطۂ آغاز ہے جس کے بعد سے آنے والے وقتوں میں تقریظ کو تنقید کے مباحث میں شامل کیا گیا۔ بایں ہمہ تقریظ کے لیے دل چسپ اور معنی خیز بیان بھی دیتے ہیں:

"اسلام کے اثر نے عربوں میں غیر جانب داری اور صداقت پسندی کا بیج بو دیا تھا۔ جو تقریباً نصف صدی تک بارآور رہا۔ اُس کے بعد جو زمانہ آتا ہے اس میں انصاف پسندی اور اعلیٰ مذاقی حرفِ غلط کی طرح محو ہو جاتی ہے۔ کچھ تو خوشامد، بن الوقتی کی خاطر اور کچھ عام بد مذاقی کے سبب (جس کے اصلی

غیر متمدن اور جاہل حکمران تھے)۔ تقریظ، تقریظ نہیں رہتی بل کہ تعریف و توصیف بن جاتی ہے یا تذلیل" (۲۰)۔

غالب کے بعد یہ دوسرا موقع ہے جب کسی نے تقریظ کے حوالے سے ناگواری کا اظہار کیا یہ اظہار آنے والے وقتوں میں دہرایا جاتا رہا ہے۔ جس سے یقیناً تقریظ کے بدلتے اسلوب اور ارتقاء پر روشنی پڑتی ہے۔

اُردو تقریظ کے مطالعے کی طرف غالباً سب سے پہلے شعوری طور پر مولانا احسن مارہروی نے توجہ کی انھوں نے اپنی فاضلانہ کتاب "تاریخ نثر اُردو" المعروف بہ "نمونۂ منثورات" (۱۹۳۰ء) میں اُردو تقریظات کے آٹھ نمونے شامل کیے ہیں۔ (۲۱) جو ۱۸۳۲ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک کے طویل عرصے کی تقریظ نگاری کی عمدہ طور پر نمائندگی کرتے ہیں ان نمونوں کو شامل کرنے کے علاوہ انھوں نے تقریظ اور اس کے متروک ہونے کے اسباب پر مختصر لیکن جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

اگرچہ اُردو نثر کے موضوع پر ۱۹۲۳ء میں محمد یحییٰ تنہا (۲۲)، مولانا احسن مارہروی سے پہلے قلم اٹھا چکے تھے۔ لیکن ان کا جائزہ مصنفوں کے تذکرے کی صورت میں تھا۔ اصناف نثر سے انھوں نے بحث نہیں کی۔ جب کہ مولانا احسن مارہروی نے اصنافِ نثر کو اہمیت دے کر اپنی کتاب مرتب کی اس لیے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تقریظ نگاروں کے جائزے کو اُردو نثر کی تاریخ میں شامل کرنے کا فریضہ سب سے پہلے احسن مارہروی نے انجام دیا۔ بہر کیف اس موقع پر مولانا احسن مارہروی کے تقریظ سے متعلق خیالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "پرانی طرزِ تحریر جس کو تقریظ کہا جاتا ہے۔ فی زمانتا یک قلم متروک ہے، اس کا ابتدائی نمونہ امام بخش صہبائی اور مرزا غالب کی عبارتوں میں موجود ہے"۔ (ص ۵۲۵)

۲۔ جب تک اس طرز کا رواج عام رہا (تقریظ) اسی رنگ (پُر تکلف نثر) میں تصنیفات کے آخر میں قطعات تاریخ کی طرح مندرج ہوتی رہی۔ (ص ۵۲۵)۔

۳۔ مغربی انشاء پردازی نے اہلِ مشرق کو انگریزی پڑھنے کے بعد اس طرف متوجہ کیا کہ جس تصنیف کے متعلق کوئی رائے لکھی جائے اس میں پوری طرح ہر پہلو پر نظر ڈالی جائے"۔ (ص ۵۲۵)

۴۔ وہ لوگ جن کو پرانی طرزِ تحریر کی کم و بیش عادت باقی رہ گئی ہے وہ بھی اس روشِ جدید کو ایک حد تک مدِ نظر رکھتے ہیں۔ (ص ۵۲۵)۔

۵۔ لفظ "تقریظ" کی ترکیب و ترویج غالباً اہل ہند کی تجدید ہے۔ جس کی مروجہ معنوی تخصیص تصنیف کی توصیف تک محدود ہے۔ (ص ۵۲۹)

۶۔ کسی پرانی تقریظ میں یہ بات نہیں دیکھی گئی کہ تقریظ نگار نے اپنی تحریر میں کتاب کا تاریک پہلو بھی پیش کیا ہو۔ (ص ۵۲۹)۔

۷۔ (تقریظ) کے بعد ماہرین علوم مشرقی نے انگریزی لفظ ریویو (REVIEW) کے بالمرادف نقد و تبصرہ کو جگہ دی"۔ (ص ۵۲۶)

مولانا احسن مارہروی کے بیان کے مطابق تقریظ اپنی اصل صورت میں موجود نہیں اس کا اصلی رنگ روپ غالب اور صہبائی کے یہاں ملتا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جب تک پُر تکلف زبان کا رواج رہا تقریظ بھی روایتی انداز سے کتاب میں شامل ہوتی رہی۔ لیکن پھر مغربی ادبیات کے اثر کی وجہ سے پُر تکلف انشاء پردازی کا خاتمہ ہوا اور تقریظ اپنی حیثیت کھو بیٹھی۔ چناں چہ لوگوں نے تنقید کی طرف توجہ کی اور تقریظ کی جگہ تبصرے نے لے لی۔ لیکن یہ فرق نمایاں رہا۔ تقریظ میں کتاب کے محاسن اس زمانے کی پُر تکلف نثر کے بجائے سادہ اور آسان زبان میں بیان کیے جانے لگے۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن میں پُر تکلف نثر کو پڑھنے یا لکھنے کا شوق ہے وہ نئی روش پر پوری طرح قائم نہیں رہتے۔

مولانا احسن مارہروی کا خیال ہے کہ تقریظ اہل ہند کی تجدید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں صرف کتاب کے توصیفی پہلو کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ مولانا کا یہ خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں تقریظ کو جن معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا (جس کی نشان دہی محی الدین قادری زور نے کی ہے)۔ وہ ہند کی تقریظ نگاری سے بالکل مختلف ہے۔ عرب میں کلام کے معائب و محاسن بیان کرنے کو تقریظ کہا جاتا تھا۔ جب کہ ہند میں کتاب اور مصنف کی توصیف کو۔ اس لیے احسن مارہروی کے خیالات کی روشنی میں یہ نکتہ ضرور قابل توجہ ہے کہ:

> "تقریظ اسے کہا جاتا ہے جو پُرتکلف زبان میں ہو اور تصنیف کی توصیف تک محدود ہو جس کی مثال غالب اور صہبائی کی تحریر کردہ تقریظیں ہیں"۔ (۲۲)

"نمونۂ منثورات" کے بعد حامد حسن قادری کی "داستان تاریخ اردو" (۱۹۳۱ء) میں بھی تقریظ سے متعلق تصریحات ہیں۔ (۲۳) مگر یہ غالب کے اسلوب تحریر کے ذیل میں ہیں۔ حامد حسن قادری نے تقریظ اور دیباچے کو ایک درجے پر رکھا ہے۔ اور اظہار رائے بیک وقت دونوں پر کیا ہے۔ ان کے خیالات مولانا حالی سے ماخوذ ہیں۔ حامد حسن قادری نے نمونۂ نثر کے

طور پر غالب کی تقریظوں کے اقتباس بھی پیش کیے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ پھر ڈاکٹر عبادت بریلوی کی اہم کتاب "اُردو تنقید کا ارتقا" ہے (۱۹۵۱ء) (۲۴)۔ جس میں تنقید کے ذیل میں تقریظ پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ تنقید کے ذیل میں تقریظ کا ذکر بالکل متعلق موضوع ہے۔ اس لیے کہ تنقید تصویر کے دونوں رخ دکھاتی ہے جب کہ تقریظ میں جو کچھ ملتا ہے اسے یک رخی تنقید کا نام دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ڈاکٹر عبادت بریلوی تنقید کے ذیل میں تقریظ کی بحث داخل کرنے والے پہلے شخص قرار پاتے ہیں۔ اُن کے تقریظ سے متعلق خاص خاص نکات یہ ہیں۔

۱۔ اُردو میں تنقید کی ایک اور روایت ان تقریظوں میں بھی ملتی ہے جو وقتاً فوقتاً کتابوں پر لکھی جاتی تھیں۔ (ص ۱۳۳)

۲۔ تقریظ کے مفہوم میں تغیّر ہوا اور جب وہ اردو میں پہنچی تو اس کا مفہوم وہ عبارت قرار پائی جو کسی کتاب کی تعریف میں لکھی جائے اور اس کو کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جائے۔ (ص ۱۳۴)

۳۔ ان تقریظوں کی تنقیدی اہمیت بہت کم ہے۔ کیوں کہ ان میں سوائے تعریف کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ لکھی ہی اس لیے جاتی ہے کہ مصنف کی تعریف کی جائے ... اگرچہ اس میں تنقید کی صحیح روح کا فقدان ہے۔ لیکن تنقیدی شعور کی کار فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ (ص ۱۳۴)۔

۴۔ تقریظ میں تنقیدی روایت کا پتا چلتا ہے۔ ہر چند کہ وہ بہت زیادہ مضبوط نہ سہی۔ (ص ۱۳۷)۔

۵۔ غالب کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بھی تقریظیں لکھی ہیں۔ اور ان میں کم و بیش تعریف و توصیف ہی کا عنصر غالب ہے۔ لیکن ان سب کے یہاں تنقیدی شعور کی کار فرمائی ضرور نظر آتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ کچھ ایسے تنقیدی اشارے بھی مل جاتے ہیں۔ جن سے لکھنے والے کے مذاقِ شعر اور معیارِ نقد کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ البتہ معائب سے وہ سب کے سب چشم پوشی کرتے ہیں۔ (ص ۱۳۷)۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تقریظ کو اُردو تنقید کی روایت قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ساتھ عربی زبان میں تقریظ کی قدامت کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ ازیں غالب کی تقریظ نگاری کے ذیل میں اُن کی تحریر کردہ ایک تقریظ پیش کی ہے جو مرزا حاتم علی بیگ مہر (۲۵) کی مثنوی پر ہے۔

اُس کے بعد غالب کے متعلق یہ رائے دی ہے :

> "غالب نے تنقیدی شعور سے کام لے کر اس پر تقریظ لکھی ہے۔ اور یہی نہیں بل کہ اس میں کچھ اور بھی تنقیدی اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ شاعری کو انھوں نے شاہد سخن کہا ہے اور تقطیع شعر کو اُس کا لباس اور مضامین کو اُس کا زیور بتایا ہے۔ اس سے غالب کے نظریۂ شعر پر بھی روشنی پڑتی ہے اور ان کے تنقیدی معیار کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے" (۲۶)۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی نے تقریظ کو مباحث میں جگہ دے کر تقریظ نگاری کے سرمائے کی اہمیت و افادیت میں اضافہ کیا ہے۔ غالب کی تقریظ نگاری کے حوالے سے ان کی تنقیدی بصیرت کی نشان دہی بھی تحقیق و تنقید کرنے والوں کے لیے نئے راستے متعین کرتی ہے۔ اور بلاشبہ ہمیں یہ تحریک ملتی ہے کہ اُردو کے تقریظی سرمائے سے استفادہ کیا جائے۔ اور غالب کے ساتھ ان کے معاصرین اور متعلقین کی تقریظ نگاری پر توجہ کی جائے۔

ڈاکٹر عبادت بریلوی کے بعد عرصۂ دراز تک یہ موضوع ہمارے فضلاء اور علماء و محققین کی نظر سے اوجھل رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۸ء میں محترمہ ارم سلیم کی عمدہ کتاب "اُردو میں مقدمہ نگاری کی روایت" لاہور سے شائع ہوئی۔ (۲۷) یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک مفید اور مفصل بحث پیش کرتی ہے۔ جس میں مقدمے سے متعلق تمام ضروری مباحث آگئے ہیں۔ اور معلومات سے عمدہ عمدہ نتیجے نکالے گئے ہیں۔ اس کا ایک اور اچھا پہلو یہ ہے کہ مقدمے کے مترادفات کے عنوان سے ایک پورا باب تحریر کیا گیا ہے۔ جس میں تقریظ سے بحث کی گئی ہے۔ یہ بحث کم و بیش چالیس (۴۰) صفحات پر محیط ہے۔ اس کے ذیلی عنوانات توجہ طلب ہیں۔ یعنی تقریظ، تقریظ عرب میں، قصیدہ در مدح کتاب، تقریظ دل پذیر، غالب کی تقریظ نگاری، تقریظ انیسویں صدی میں، تقریظ متروک، تقریظ میں اجتہاد اور تقریظ جدید دور میں۔ ظلم ہوگا اگر محترمہ ارم سلیم کی بصیرت کی داد نہ دی جائے۔ کیوں کہ انھوں نے تقریظ جیسے نظر انداز کیے ہوئے موضوع پر جس خوبی اور شرح وبسط کے ساتھ قلم اٹھایا ہے۔ یہ مباحث ہمارے خیال میں فکر انگیز ہیں اور اس باب کا مطالعہ تقریظ کے موضوع پر مزید غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ چناں چہ تقریظ کی بابت ارم سلیم کے خیالات نکات کی صورت میں اقتباس کیے جاتے ہیں۔

۱۔ قدیم دور کے لکھنے والے تنقید کے جدید مفہوم سے نا آشنا تھے۔ اس لیے ان کی

تقریظیں صرف تعریف و توصیف پر مبنی ہوتی تھیں۔ (ص ۲۸)

۲. تقریظ کو مشرقی معاشرے کی روایتی وضع داری کا نمونہ سمجھنا چاہیے۔ (ص ۶۹)۔

۳. جب مغربی علوم کے زیر اثر تنقید کے جدید تصورات سے آگہی ہوئی تو تقریظ کے روایتی انداز سے اظہار بیزاری کیا گیا۔ (ص ۶۹)

۴. جس طرح بادشاہ وقت کے سامنے شاعر قصیدہ پیش کرتا اور انعام حاصل کرتا تھا اسی طرح تقریظ کو بھی ایک طرح کا قصیدہ سمجھنا چاہیے۔ ایسا قصیدہ جو نثر میں لکھا جاتا ہے۔ یہ در مدح کتاب ہوتا اور اس کا انعام دوست مصنف کی خوشنودی کی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔ (ص ۱۰)

۵. تقریظ میں کتاب کے بارے میں معروضی انداز نہیں اپنایا جاتا تھا۔ صرف دوست مصنف کی شخصیت پیش نظر ہوتی تھی۔ (ص ۰۵)

۶. تقریظ نگاری کا یہ انداز سدا قائم نہ رہ سکتا تھا۔ جس طرح درباری نہ رہی۔ تو قصائد کی ضرورت نہ رہی۔ اسی طرح جب جدید انداز نقد نے فروغ پایا نثر نے سادگی اپنائی تو پھر تقریظ نگاری کا یہ اسلوب بھی قابلِ اعتنا نہ رہا۔ (ص ۹۳)

۷. قدیم تقریظ کتاب کے آخر میں ہوتی تھی ... پھر یہ کہ بطور جدت اب کتاب کے شروع میں درج کیا جانے لگا ہے۔ (ص ۱۰۱)

۸. تقریظ مقدمہ اور پیش لفظ وغیرہ کی مترادف رہی ہے مگر عموماً اس سے صرف کتاب اور مصنف کی تعریف کا کام لیا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ تقریظ کا لفظ متروک ہو چکا ہے مگر موجودہ مقدمے اور دیباچے تقریظ ہی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ (ص ۱۰۲)

محترمہ ارم سلیم نے فنِ تقریظ نگاری، اُس کے ارتقاء اور اس سے متعلق مباحث کو بہت عمدہ طریقے سے پیش کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالنے میں کام یاب ہوئی ہیں کہ تقریظ مقدمہ اور پیش لفظ کی مترادف رہی ہے۔ لیکن اب بھی صورت حال مختلف نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ تقریظ بھی ایک صنف نثر کا درجہ رکھتی ہے۔ جس طرح دیباچہ یا مقدمہ نگاری پر ہمارے فضلاء نے توجہ کی ہے۔ اسی طرح تقریظ کو بھی اپنے مباحث میں جگہ دی ہے۔ لیکن اس تمام جائزے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ تقریظ نگاری سے متعلق اور بہت سے گوشے ایسے ہیں جو تحقیق طلب ہیں۔

سب سے پہلے، جو چیز توجہ طلب ہے وہ یہ کہ اُردو میں تقریظ نگاری سے پہلے فارسی اور

عربی میں تقریظ نگاری کی صورتِ حال کیا رہی ہے ؟ اس کا نقطۂ آغاز کیا ہے ؟ عربی و فارسی تقریظ نگاری نے اُردو تقریظ نگاری پر کیا اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس ضمن میں ابھی تک کوئی قابلِ ذکر مواد نہیں ملتا۔ محی الدین قادری زورؔ، عبادت بریلوی، اور ارم سلیم نے عرب میں ظہور اسلام سے پہلے تقریظی روایت کا ذکر کیا ہے۔ یعنی بازار عکاظ میں، عرب شاعر اپنے کمال کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اُن کے کمال کی توصیف و تنبیہ کے عمل کو تقریظ کہا جاتا تھا۔ بے شک یہ ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن جس تقریظ نگاری کی تاریخ ہم معلوم کرنا چاہتے ہیں وہ کتابوں پر تقریظوں سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی یہ کہ ان عربی، فارسی اور اُردو زبانوں میں تقریظات کو کتابوں میں کب سے شامل کیا جانے لگا ہے۔ غالباً اس بحث کا صحیح رخ یہی ہوگا۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس ذیل میں ابھی تک کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ مشرقی زبانوں میں معلوم اور مشہور دستیاب کتابوں میں تقریظات کب سے ملنے لگی ہیں۔

اس ذیل میں پہلی بات تو یہی تحقیق طلب ہے کہ کیا قدیم مخطوطات میں تقریظات کے نمونے ملتے ہیں ؟ غالباً نہیں اور ہماری معلومات کی حد تک یہی صورتِ حال ہے۔ یعنی یہ کہ قدیم مخطوطات، تقریظ کے عنوان سے، کسی قسم کی تحریروں سے خالی ہیں۔ اس صورتِ حال کے بعد پھر تقریظ عہد طباعت کی دین ٹھہرے گی۔ اور اس کے مقصد تحریر سے پریس کا گہرا تعلق ہے گا۔

جہاں تک اُردو مطبوعات میں تقریظیں شامل ہونے کی روایت ہے تو اس حوالے سے ابتداء ہمیں فورٹ ولیم کالج کے ابتدائی عہد کی کتابوں سے کرنا چاہیے۔ لیکن جائزے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ کتابیں کسی قسم کی تقریظ سے خالی ہیں۔ یہاں بات بہت واضح ہے کیوں کہ یہ کتب مخصوص مقاصد کے لیے لکھی اور چھاپی جاتی تھیں ان میں تقریظات کا نہ ہونا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ البتہ اُردو طباعت کا ایک دور ایسا آتا ہے جب ٹائپ پریس یا سنگی مطابع کے عام ہونے کی وجہ سے کتابوں کی طباعت اور اشاعت کا کاروبار حیرت انگیز ترقی پانے لگتا ہے۔ تو پھر ہندوستان میں چھپنے والی عربی، فارسی اور اُردو مطبوعات میں بالالتزام تقریظیں ملتی ہیں۔ یہ تقریظیں دو قسم کی ہیں۔ ایک کو " تقریظ الکتاب " کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری کو " تقریظ المطابع " یہ صورت خاص طور سے نول کشور کی مطبوعات میں ملتی ہیں۔ اس [illegible] الذکر قسم کو محترمہ ارم سلیم نے " قصیدہ [illegible] میں مطابع [illegible] کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ " تقریظ المطابع " کی ایک عمدہ مثال وہ ہے جو محمد ظہیر الدین [illegible] گرامی نے فارسی میں " تقریظ

المطابع" کے نام سے لکھی تھی (۲۸) اور نول کشور کی طبع کردہ کتاب "مصباح الہدایت" میں شامل ہے۔

تقریظ کی ایک قسم "تقریظ المصنف" بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ جس میں تحسین و تعریف کا مرکز کتاب نہیں بل کہ صاحبِ کتاب ہوتا ہے۔ یہ اندازِ تقریظ کم از کم غالب کی تقریظ میں ضرور پایا جاتا ہے۔ جہاں تقریظ نگار تصنیف کی مدح سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ تصنیف کو چھوڑ کر مصنف کے گن گانے لگتا ہے۔

(۲)

اب تقریظ کی تعریف سے متعلق بحث پیش کی جاتی ہے۔ اس ذیل میں دو پہلوؤں سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ اول یہ کہ اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں پر فرہنگوں کی مدد سے روشنی ڈالی جائے۔ دوسرے یہ کہ فضلاء کی آراء تقریظ کے اصطلاحی معنوں کی وضاحت کے لیے شامل کی جائیں۔ اور اسی ذیل میں اُردو تقاریظ کے نمونے اور تقاریظ کی کتاب میں شمولیت کے طریقے کار کو بھی پیش کیا جائے۔

"تقریظ" عربی زبان کا لفظ ہے۔ مولوی نور الحسن نیر "نور اللغات" میں لکھتے ہیں:

> "تقریظ عربی۔ قرظ مادہ۔ زندے کو سراہنا۔ کسی زندہ شے کی برائی بھلائی بیان کرنا" (۲۹)

جب کہ مہذب لکھنوی لکھتے ہیں:

> "تقریظ (بیائے معروف) کسی مولف یا مصنف کی تالیف پر غیر جانبدارانہ رائے ظاہر کرنا۔ عربی مؤنث۔ فصیح رائج۔ (۳۰)

ان دونوں [illegible] احمد دہلوی [illegible] تقریظ کے معنی تحریر کیے ہیں۔

> "تقریظ [illegible] تعریف [illegible] تواہ مدح [illegible]
>
> تقریض [illegible] (۱) [illegible] یا [illegible] کی تعریف (۲) ریویو کسی کتاب پر رائے دینا۔ کسی تحریر پر رائے ظاہر کرنا۔ (۳۱)

اسی طرح "[illegible]" میں بھی "تقریظ" اور "تقریض" دونوں کے بارے میں مختلف لغات کے حوالے سے یہ صراحت ملتی ہے۔

"یہ تقریظ (ت) (ع مص) بستودن (زوزنی) ستودن زندہ را بحق باشد یا باطل (منتہی الادب)۔ آنند راج (ناظم الاطباء) (از قرب الموارد) ستودن مدح کردن۔ بحق یا باطل را (مجمل اللغت) ستودن مکتوب کسے را و تصدیق نوشتن برآں (ناظم الاطباء) در فارسی امروز نوشتن مطالب مدح آمیز بر کتابی۔
تقریض (ت (ع مص) شعر گفتن کسے را مدح یا ذم ضدامت (منتہی الادب)۔ (آنند راج)۔ ناظم الاطبا)۔ (از اقرب الموارد)"۔ (۳۲)

"اُردو لغت" میں تقریظ کے جو معنی ملتے ہیں وہ دیگر اُردو لغات کی بہ نسبت جامع اور واضح ہیں۔

"تقریظ":۔

"مصنف کے علاوہ کسی اور کا کسی کتاب یا مضمون وغیرہ پر اپنی رائے ظاہر کرنا۔ (عام طور پر تعریفی اور تائید رائے، جو کتاب کے آغاز یا اختتام میں شامل ہو"۔ (۳۳)

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں ہے کہ:

"تقریظ کو تنقیدی تحسین سے ممیز کرنے والی چیز خیالی انداز ہے"۔ (۳۴)

"تقریظ کی ہیئت اور اسلوب کے بارے میں ہمارے ادباء اور فضلاء نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

"تقریظ کسی ادب پارے کی تعریف و تحسین ہے خیالی انداز میں۔ اس کی ضد مکابرہ ہے جس کے معنی ہیں محاکمہ کے بجائے ایک شاعر کو دوسرے کے مقابلے میں بڑا ثابت کرنا"۔ (۳۵)

ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں کہ:

"(تقریظوں میں) کتاب کے نفسِ مضمون پر بہت کم بحث ہوا کرتی تھی۔ عموماً تحسین کا پہلو مدِ نظر رکھا جاتا تھا۔ اور کتاب کے محاسن پر خیالی بحث کی جاتی تھی"۔ (۳۶)
اس کے علاوہ "لطیف نثر" میں رقم طراز ہیں "تقریظ ایسی تنقید کو کہتے ہیں جو پرانے زمانے میں تحسین کی خاطر یا کسی کی تعریف کرنے کے لیے خیالی انداز میں کی جاتی تھی"۔ (۳۷)۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے "اُردو تنقید کا ارتقا" میں تقریظ سے جو بحث کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ "تقریظ وہ عبارت ہے جس میں کسی کتاب کی تعریف کی جائے"۔ (۳۸)۔

تقریظ کی بابت مشاہیر کی آراء ان کے ادبی نظریات کے تحت ہو سکتی ہیں لیکن لغوی معانی و مطالب میں اختلاف توجہ طلب مسئلہ ہے۔

مولوی نورالحسن نیر۔ نور اللغات ۔ میں کسی زندہ کی برائی بھلائی کے بیان کو تقریظ قرار دیتے ہیں۔ اور مہذب لکھنوی ۔ کسی مولف یا مصنف کی تالیف پر غیر جانب دارانہ رائے ظاہر کرنے کو ۔ تقریظ ۔ لکھتے ہیں جب کہ مولوی سید احمد دہلوی تقریظ کو تبصرے کا مترادف بھی قرار دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اُردو میں مروجہ مفہوم کے مطابق تقریظ میں برائی کا پہلو نہیں ہوتا اور نہ تقریظ میں غیر جانب دارانہ رائے دی جاتی ہے۔ تقریظ میں غیر جانب دارانہ رائے یا برائی کے پہلو کو اجاگر کرنے کی روایت عرب میں تھی۔ وہ بھی بہت ابتدائی زمانے میں جس کی طرف محی الدین قادری زور نے متوجہ کیا ہے۔ لیکن اُردو میں صورت حال اس کے بالکل برعکس ملتی ہے۔ یہاں ابتداء ہی سے اس کا مفہوم یہ قرار پایا ہے کہ تعریف و توصیف کی جائے۔ اس ذیل میں تعریف کتاب کی بھی ہو سکتی ہے، مصنف کی بھی اور مطبع کی بھی۔ چناں چہ مذکورہ لغات میں تقریظ کے معانی کو لغوی دائرے میں نہیں رکھا گیا اور نہ مفہوم کو اُردو کی مروجہ روایت کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔ حالانکہ اُردو تقریظات کے سرسری مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ابتداء ہی سے تقریظ میں مصنف اور تصنیف کی مدح بالعموم اس زمانے کے رواج کے مطابق رنگین نثری اسالیب میں کی جاتی تھی۔ بعد ازاں اسے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جاتا تھا۔ گذشتہ صدی کی کتابوں میں عموماً کئی کئی تقریظیں ملتی ہیں جو اکثر مشاہیر کی تحریر کردہ ہیں اور نظم و نثر دونوں میں ہیں۔ لیکن نثر کا رجحان غالب ہے۔ اس صورت حال کے بعد تقریظ کی یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ ۔ تقریظ۔ نظم و نثر کی وہ صنف ہے جس میں دوست / مصنف اور تصنیف کی تعریف و توصیف رنگین اسالیب میں کی جاتی ہے۔

۔ اردو لغات میں ۔۔ تقریظ ۔ کو تبصرے کا مترادف بھی قرار دیا گیا ہے۔ شاید اس لیے کہ جب تقریظ کے اسلوب میں تغیر آیا تو پھر لکھنے والے تبصرے کی طرف متوجہ ہوئے۔ بعض ناقدین تبصرے کو تقریظ کی ترقی یافتہ صورت بھی قرار دیتے ہیں۔ یہ رائے ایک لحاظ سے درست ہے اس لیے کہ دونوں اصناف کے پیچھے ایک کاروباری ضرورت پوشیدہ ہے۔ اس کے علاوہ تبصرے کا استعمال بہت بد احتیاطی سے ہوا۔ تبصرے کو اس کے صنفی دائرے کے مطابق استعمال نہیں کیا گیا اسے بھی دوست، مصنف یا کتاب کی تعریف و توصیف کے لیے کثرت سے

استعمال کیا گیا لہٰذا ایک عام رائے یہی ہے کہ تبصرہ، تقریظ کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ جب کہ یہ حقیقت سے دور کی بات ہے۔ دونوں کے اجزائے ترکیبی اور مقاصد میں نمایاں فرق ہے۔ جہاں تک دونوں اصناف کی زبان و بیان کا تعلق ہے۔ تو وہ ایک جیسے اس لیے نظر آتے ہیں کہ اب سادہ، عام فہم زبان و بیان کا رواج ہے اور اس کا یہ اثر ہر نثری صنف میں نظر آتا ہے۔

تبصرے کے لغوی معنی ہیں:

"کسی کو کوئی چیز دکھانا (مجازاً) کسی کے متعلق اظہار رائے بصیرت کا اظہار" (۲۹)

حالی نے تبصرے کا مقصد بہت عمدگی سے واضح کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"ریویو نگاری کا منصب صرف اس بات کو دیکھنا ہے کہ مصنف نے وہ فرائض جن کو زمانے کا مذاق ہر نئی تصنیف میں اس طرح ڈھونڈتا ہے جس طرح پیاسا پانی کو، کس حد اور کس درجے تک ادا کیے ہیں۔ پس جب ہم کسی کتاب پر ریویو لکھ رہے ہیں (تو) ہم کو یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ مصنف کی رائے جزئیات مسائل میں فی نفسہ کیسی ہے۔ کیوں کہ اس کا فیصلہ کرنا پبلک کا کام ہے۔ نہ (کہ) ریویو لکھنے والے کا۔" (۳۰)

مذکورہ دونوں تعریفات کے بعد تبصرے سے متعلق یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ تبصرے کا مقصد کسی کتاب پر کتاب لکھنا نہیں اور نہ مصنف کا ادب میں کوئی مقام متعین کرنا ہے۔ اور نہ کتاب کے معایب و محاسن کو پیش کرنا ہے۔ بلکہ تبصرے کا مقصد تو صرف کتاب کے بارے میں صراحت وہ بھی صرف اتنی کہ ایک عام قاری اس بات کا فیصلہ کر سکے کہ کتاب اس کو خریدنا چاہیے یا نہیں۔ یہ کوئی ایسی کتاب تو نہیں کہ جس کو خریدنے سے اس کی رقم ضائع ہو جائے گی۔ لہٰذا ایک مبصر پر کشش اسلوب کا سہارا بھی لے سکتا ہے۔ اس لیے کہ مبصر، مصنف اور قاری کے درمیان کتاب خریدنے کے معاملے میں معاون ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تبصرہ ایک کاروباری ضرورت بھی بنتا ہے۔ جب ہی مبصر، مصنف کی طرف ہمدردانہ رویہ رکھتا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ ایک دوا بیچنے والی کمپنی دوا کے فوائد اور قیمت سے متعلق لوازمہ اپنے نمائندے کے ہاتھ بھیجتی ہے۔ نمائندہ اپنے خوب صورت انداز بیان سے ڈاکٹر کو اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ یہ دوا مریض پر آزمائے۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں ۔

"کتاب پر اظہار خیال کرتے وقت مبصّر کو تبصرے کے لغوی معنی ہی تک خود کو محدود رکھنا چاہیے۔ مبصّر کی ڈالی ہوئی روشنی نہ اتنی تیز ہونی چاہیے کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہوجائیں اور نہ اتنی مدہم کہ نظریں کتاب کے اصل خدوخال کو دیکھنے سے محروم رہیں " (۳۱)۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی رائے تبصرے کی تکنیک سے متعلق ہے جب کہ اس سے پہلے ہم نے تبصرے کے مقصد پر روشنی ڈالی تھی۔ تبصرے میں مقصد کے بعد تکنیک ہی تبصرے کو تقریظ سے جداگانہ اسلوب فراہم کرتی ہے۔

اصل میں ہمیں اپنی عام زندگی میں کچھ نہ کچھ سوالات کا سامنا عموماً رہتا ہے مثلاً کون سی فلم دیکھی جائے ؟ کون سا ٹی ۔ وی پروگرام دیکھا جائے ؟ کون سی کتاب پڑھی جائے ؟ کس خطیب کو سنا جائے ؟ کس کو ووٹ دیا جائے ؟ یا کس بیکری سے سامان خریدا جائے ؟ ان موضوعات پر ہمیں اکثر غیر رسمی طور پر اپنی رائے کے اظہار کے مواقع پیش آتے ہیں۔ یہ ہماری روز مرہ زندگی کی بات ہے۔ علمی دنیا میں بھی تنقیدی قدر و قیمت کے تعیّن سے اکثر سابقہ پڑتا ہے اور اکثر و بیش تر کتابوں کے معاملے میں تنقیدی آراء میں بہت اختلاف پائے جاتے ہیں اس لیے ہمیں خود کوئی رائے قائم کرنا پڑتی ہے۔ پھر کسی کے پوچھنے پر ایسے ہی رسمی انداز سے کتاب پر رائے دیتے ہیں جیسا کہ زندگی کے دوسرے معاملات میں ، جن کا ذکر کیا گیا، یہی رائے اصل میں تبصرہ ہے جس میں تنقید نہیں ہوتی اور نہ تقریظ ، صرف نامہ نگاری ہوتی ہے ۔ یہ نامہ نگاری صحافتی نامہ نگاری سے بہت مختلف ہے۔ اس لیے کہ اس میں حقائق اور رائے کی آمیزش ہوتی ہے۔ جب کہ صحافتی نامہ نگاری صرف حقائق کے بیان کو کہتے ہیں۔ اس لیے تبصرے کی نامہ نگاری میں یہ تقاضا کیا جاسکتا ہے کہ اصل کتاب پڑھنے سے پہلے کتاب کے مندرجات ، موضوع اور زبان و بیان کا اندازہ ہوجائے۔ اس طرح قاری کے علم میں آجائے کہ اس کتاب میں کن کن مسائل کی نشان دہی کی گئی ہے۔ موضوع کا ابلاغ ہوا ہے یا نہیں ، کتاب کن لوگوں کے لیے کارآمد ہے۔ اس موضوع پر اس سے پہلے جو کتابیں لکھی گئی ہیں یہ ان سے کس لحاظ سے زیادہ مفید ہے۔ کتاب کی ظاہری ساخت کیا ہے ؟ قیمت کتنی ہے ؟ حجم کتنا ہے ؟ وغیرہ وغیرہ۔

الغرض تبصرے میں وہ بنیادی معلومات فراہم کی جاتی ہیں جن سے قاری اپنی پسند

اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے کہ آیا وہ یہ کتاب خریدے یا نہیں۔ تبصرے کے مقابلے میں تقریظ کا مقصد یقیناً جدا ہے۔ اس کا مقصد کتاب اور مصنف کی تعریف و توصیف کرنا ہے۔ جس میں یہ کوشش شعوری ہوتی ہے کہ مصنف یا کتاب کا قابلِ مذمت پہلو بیان نہ کیا جائے اس کے لیے مصنف کی زندگی کے روشن پہلو اور کتاب کی نمایاں اور اہم خوبیوں کو فوکس کیا جاتا ہے۔ چناں چہ یہ ضروری نہیں کہ کتاب کے مندرجات بیان کیے جائیں یا موضوع کی مکمل صراحت کی جائے۔ کیوں کہ تقریظ نگاری کا مقصد تحسین کرنا ہے۔ تبصرہ یا تنقید کرنا نہیں۔ اس لیے بیان میں شان و وقار ہونا چاہیے لیکن ایسا جو مبالغے سے پاک ہو اور کسی دوسرے کی دل آزاری کا سبب نہ بنے۔

تقریظ نگار کتاب یا مصنف کی تحسین کرتے وقت مصنف کی تمام کاوشوں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اور جس موضوع پر کتاب لکھی گئی ہے اس سے پیش تر اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کو بھی حوالے میں لاتا ہے جس سے خود بخود ایک علمی و تحسینی ماحول پیدا ہوتا ہے۔ اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ تنقید یا تبصرے کے علاوہ کوئی صنف ہے (۳۲)۔

ان دونوں اصناف کے مقاصد اور تکنیک کو سامنے رکھیے تو فوری طور پر چند واضح فرق ہمارے سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ تقریظ نگار قاری اور مصنف کے درمیان رابطے کا کام کرتا ہے۔ جب کہ تبصرہ نگار قاری اور ناشر کے درمیان۔

۲۔ تقریظ کتاب میں شامل ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ کتاب سے علاحدہ ہوتا ہے۔

۳۔ تقریظ کی حیثیت کتاب میں ضمیمے کی ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ خبرنامے کا کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔ تقریظ کا مقصد شان و وقار کے ساتھ کتاب یا مصنف کی تحسین کرنا ہے۔ جب کہ تبصرے کا مقصد ادبی دنیا کو کسی نئی کتاب یا نئی تحقیقات کی آمد کے متعلق مکمل اطلاع فراہم کرنا ہے۔

۵۔ تقریظ کتاب کے ہر قاری کے لیے ہوتی ہے۔ جب کہ تبصرہ خاص قاری، کتب فروش اور کتب خانوں کی انتظامیہ کے لیے ہوتا ہے۔ خاص قاری اس لیے کہا کہ بعض اوقات کتب فروش یا کتب خانے والے تبصروں کو پڑھ کر کتاب خریدتے ہیں یا اس موضوع سے دل چسپی رکھنے والے قاری کو مطلع کرتے ہیں۔ گویا تبصرہ، تقریظ سے زیادہ کاروباری ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

تقریظ کے لغوی معانی و مفہوم کے بعد اب ہم مشاہیر کی آراء سے متعلق جائزے کی طرف آتے ہیں۔

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے تقریظ کو "تعریف و توصیف یا تعریض و تذلیل" قرار دیا ہے۔ (۴۳) جب کہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ایک موقع پر یہ لکھتے ہیں کہ "تقریظوں میں صرف مدّاحی ہوتی تھی اور لکھنے والے الفاظ کے ساتھ کھیلتے تھے۔ صداقت ان میں ناپید تھی، خلوص نام کو بھی نہیں تھا"۔ (۴۴) نا۔ انصاری نے تقریظ کو "مبالغہ آمیز تعریفی انشا پردازی" لکھا ہے (۴۵)۔ ڈاکٹر گیان چند نے کسی حد تک مذکورۂ بالا مشاہیر کی آراء سے اتفاق ہی کیا ہے (۴۶) علاوہ ازیں محترمہ ارم سلیم، تقریظ کو "مشرقی معاشرے کی روایتی وضع داری کا نمونہ" قرار دیتی ہیں (۴۷)۔ جب کہ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں لکھتے ہیں:

> "بعض کتابوں کے آغاز میں یا گرد پوش پر تعریفی عبارتیں اب بھی دکھائی دے جاتی ہیں۔ لیکن ایسی عبارتوں کو تقریظ نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ تعریف و تحسین تو کسی تنقیدی مضمون میں بھی ہوسکتی ہے۔ مولوی عبدالحق کا مقدمہ "انتخاب کلام میر" اچھا خاصا تنقیدی مقالہ ہے جو میر کی خصوصیات شاعری کی تلاش اور ان کی تعریف و تحسین پر مشتمل ہے" (۴۸)۔

فاضل مُرتّب نے تقریظ کی بابت جو کچھ اس اقتباس میں کہا ہے کہ اس سے ان کی اس صنف سے بیزاری جھلکتی ہے۔ اس کی وجہ ان کے نزدیک کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن اس بیان کے حوالے سے ہماری رائے میں کتابوں کے گرد پوش پر جو تعریفی عبارت ملتی ہے اسے تقریظ ہی کہا جاتا ہے یا تقریظ کے ذیل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اگر تنقیدی مضامین میں تعریف و تحسین بھی ملتی ہے تو وہ تنقید کا حصّہ ہوتی ہے۔ کیوں کہ تنقید محض بُرائی کی نشان دہی کا نام ہرگز نہیں ہے۔ اس میں مثبت پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا جاتا ہے۔

اس اقتباس میں مولوی عبدالحق کے مقدّمے کی مثال دی گئی ہے۔ جس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ مولوی صاحب کا تحریر کردہ مقدّمہ اصل میں مقالہ ہے جس میں میر کی شاعری کی خصوصیات پیش کی گئی ہے۔ اور ان کی تحسین کی گئی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرتّب کو اعتراض مولوی صاحب کے مقدّمے پر ہے یا کلام میر کے متعلق مولوی صاحب کی آراء پر۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوالاعجاز "کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں تقریظ سے متعلق ایک مکمل اور جامع رائے پیش کرنے میں ناکام ہوئے ہیں۔ انھوں نے فارسی لغت سے تقریظ کے

معنی " روحِ تنقید " از محی الدین قادری زور سے تقریظ کی روایت اور ڈاکٹر سید عبداللہ کی کسی کتاب سے تقریظ کی بابت ان کی رائے شامل کی ہے۔ کتابیات میں ڈاکٹر سید عبداللہ کی کتاب " اشاراتِ تنقید " کا حوالہ دیا ہے۔ اس سلسلے میں غالباً ان سے توارد ہوگیا۔ بہر کیف ان کتابوں کے علاوہ جہاں فاضل مرتب نے تقریظ کے بارے میں اپنے خیالات شامل کیے وہیں بات الجھ گئی ہے۔

شیخ عبدالقادر نے ایک مضمون "فنِ تنقید" میں تقریظ پر اعتراض کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

" ہمیں یاد نہیں کہ آج تک کوئی ایسی تقریظ کسی کتاب کے ساتھ لگی ہو۔ جس میں جہاں دس خوبیاں جتائی ہیں، ایک آدھ نقص بھی جتا دیا گیا ہو " (۴۹)۔

تقریظ پر اس قسم کی رائے پڑھنے سے عموماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ چوں کہ تقریظ میں تنقید نہیں پائی جاتی اس لیے یہ ایک فرسودہ مشغلہ ہے۔ اب شیخ عبدالقادر کا یہ اعتراض کہ تقریظ میں خامیوں کی نشان دہی نہیں کی جاتی ، تسلیم کرلیا جائے تو پھر وہ تحریر جیسے ہم تقریظ کہتے ہیں، وہ تو نہیں رہے گی۔ پھر ہماری شعوری کوشش تعریف و توصیف لکھنے کی ہے اور ہم اس میں تنقید بھی شامل کر دیں گے تو وہ تحریر ، تقریظ کے معیار پر کیسے پوری اترے گی اس لیے کہ تقریظ و تنقید ، دونوں کے مقاصد جدا ہیں۔

الغرض مذکورۂ بالا اعتراض کی طرح دیگر اعتراضات بھی اس ضمن میں ملتے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ تقریظ محض مدحیہ انشاء پردازی ہے۔ اس میں تنقید نہیں ہوتی اس لیے یہ صنف ادب کو فائدہ نہیں دے سکتی۔ لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ تقریظ کی اہمیت آج بھی اتنی ہی ہے جتنی کہ پہلے تھی۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ اس صنف کو اُردو میں شروع ہی سے اس کے لغوی معنی، مزاج اور مقصد کے مطابق برتا گیا۔ اس کے مقابلے میں تقریظ عرب میں ابتداء ہی سے اپنے معنی اور مقصد کے مطابق استعمال نہیں ہوئی۔ اسلام کے بعد اس کی ہیئت میں تغیر آیا۔ لہٰذا یہ کہنا حق بہ جانب ہوگا کہ اسلوب کے لحاظ سے تقریظ ، اردو میں ترقی یافتہ صورت میں ملتی ہے۔ اور لغوی معنی کے اعتبار سے بھی اُردو میں کام یاب طریقے سے استعمال ہوئی ہے۔

عربی ادب کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس زمانے میں لفظ تنقید یا انتقاد اپنے موجودہ معنوں میں استعمال نہیں ہوتا تھا ، تب تقریظ کو تنقید کے معنوں میں استعمال کیا جاتا تھا۔ ہمارے یہاں تقریظ میں تنقید کا عنصر تلاش کرنے کا رحجان اس وجہ سے جگہ پا گیا کہ یہاں

نے تقریظیں لکھیں۔ ("کلیات نسیم"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔) ۱۸۶۸ء میں حکیم امام مولیٰ قلق کا کلیات دوسری مرتبہ طبع ہوا تو الطاف حسین حالی، ابو سلمان مظفر احمد محوی نے فارسی میں اور مولوی سیّد احمد دہلوی، حافظ امداد حسین میرٹھی، مولوی محمّد عبدالحی نے اُردو میں تقریظیں لکھیں۔ ("کلیات قلق"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء۔) ۱۸۶۹ء میں اردوے معلیٰ (مکاتیب مرزا غالب)، "گلدستۂ نادر الاذکار" المعروف بہ "تذکرۂ شعرائے دکن" مطبوعہ ۱۸۸۱ء اور انگریزی اردو کی نصابی کتاب شایع ہوئی تو قربان علی بیگ سالک شاگرد میرزا غالب نے تقریظیں تحریر کیں۔ ۱۸۷۵ء میں "اودھ اخبار" کے ۲۳ اپریل والے شمارے میں پنڈت رتن ناتھ نے پنڈت بشمبر ناتھ کے کلام پر تقریظ لکھی ہے۔ اسی سال "اودھ اخبار" میں ۲۰ جون کے شمارے میں "الف" نام سے منشی خیرات علی خان کے کلام پر فارسی تقریظ بھی ملتی ہے۔ اسی سال "کوہ نور" لاہور کے ۳ اپریل کے شمارے میں مدیر کوہ نور کی تقریظ ہے۔ ۱۸۸۵ء میں "تذکرہ یادگار ضیغم" شایع ہوا تو مولوی محمد احسان نے نظم اور نثر دونوں میں تقریظیں لکھیں۔ جب کہ فدا حسین فدا نے صرف منظوم تقریظ لکھی (مشمولہ "تذکرہ یادگار ضیغم")۔ ۱۸۸۶ء میں جلال لکھنوی کی کتاب "سرمایۂ اردو" طبع ہوئی تو سیّد ذاکر حسین یاس لکھنوی نے تقریظ لکھی۔ (نمونۂ منثورات، ص ۵۰۶) اسی زمانے میں ڈپٹی نذیر احمد کے مکاتیب کا مجموعہ "موعظۂ حسنہ" منظر عام پر آیا تو مولوی سیّد محمد خاں عظیم آبادی اور مولوی محمد حسین آزاد نے تقریظیں تحریر کیں۔ ("موعظۂ حسنہ"، لاہور، مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء) ۱۸۹۲ء میں شمس العلما، مولوی عبدالحق منطقی خیرآبادی نے "امیر اللغات" پر تقریظ لکھی۔ ("نمونۂ منثورات"، ص ۵۰۸) اور جب "فرہنگ آصفیہ" منظرِ عام پر آئی تو بکثرت تقریظیں لکھی گئیں۔ ان کے لکھنے والوں میں الطاف حسین حالی، مولوی ذکاء اللہ، محمّد حسین آزاد، مولوی عبدالحلیم عاصم، پروفیسر مولوی محمّد عبداللہ ٹونکی، مہدی مجروح وغیرہ نمایاں ہیں۔ بیش تر حضرات نے تقریظ آمیز خطوط تحریر کیے۔ بہت سے اخبارات نے بھی تقریظیں شایع کیں۔ بعد ازاں یہ تمام تقریظیں "فرہنگ آصفیہ"، جلد چہارم کے آخر میں شامل کر دی گئیں۔

موجودہ صدی میں بھی تقریظیں ملتی ہیں، لیکن ان میں وہ اسلوب اور زبان کا وہ رنگ نہیں ملتا جو گذشتہ صدی میں بالخصوص غالب کے دور میں تھا۔ (جس کی تعریف، تقریظ کی لغوی بحث میں کی ہے۔) اس کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں:

آئی۔ تنقید بعد میں جب کہ عربی زبان میں تنقید پہلے آئی اور تقریظ بعد میں جس زمانے میں تقریظ ہمارے یہاں عروج پر تھی تو تنقید باقاعدہ فن کی صورت میں روشناس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب اس فرق کو محسوس کیا جانے لگا تو تقریظ اور تنقید خود بخود اپنے اپنے خانوں میں منتقل ہو گئیں۔ پھر تقریظ کی حیثیت اس لیے کم ہو گئی کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں ادب کا قابل ذکر افادی پہلو نسبتاً کم ملتا ہے۔ اور اس فن پر رائے دیتے ہوئے تحقیر کا شائبہ اس لیے گزرتا ہے کہ تقریظ نگاری کا مقصد واضح نہیں ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ سب سے پہلے تقریظ اور تنقید کے فرق کو پیش کیا جائے۔

۱۔ تنقید میں کتاب کے معائب و محاسن موضوع بحث ہوتے ہیں۔ جب کہ تقریظ میں عموماً کتاب اور مصنّف کی مدح سرائی ہوتی ہے۔

۲۔ تقریظ کا مقصد کتاب اور مصنّف کی تشہیر یا دوست کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔ جب کہ تنقید کا مقصد ادب میں مثبت رجحان کو تقویت دینا۔

۳۔ تقریظ نثری اسالیب کی روایت ہے جس کا مقصد پُر تکلّف تحسین ہے۔ جب کہ تنقید بھی نثری اسالیب کی روایت کا حصّہ ہے لیکن اس کا انداز معروضی اور مقصد دو ٹوک رائے قائم کرنا ہے۔

تعریف و توصیف یقیناً بعض اعتبارات سے غیر اہم اور نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ لیکن وہ اصول جو تقریظ کو رد کرنے کے لیے وضع کیا گیا۔ اگر قصائد، مسدس، مثنویات قطعات کے لیے بھی لاگو کر دیا جائے تو اُردو شاعری کا قابل لحاظ ذخیرہ غیر اہم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ بہرحال ان اصناف کو بھی مدح سرائی کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔

تقریظوں پر اعتراض کی وجہ یہ نہیں کہ اس میں تنقید نہیں ہوتی یا اصلاح کا کوئی پہلو نہیں ہوتا بلکہ ہمارے خیال میں اصل اعتراض یہ ہے کہ اس صنف میں تقریظ نگار اپنے ممدوح کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کے لیے بھاری بھر کم الفاظ کا سہارا لیتا ہے۔ ہمیں بھی یہ اعتراض ہے کہ تقریظ نگار جب اپنے دوست یا کتاب کی تعریف میں بہت آگے نکل جاتا ہے تو گویا وہ لفظوں کی حرمت سے کھیل رہا ہوتا ہے۔ لفظوں کے استعمال میں بد احتیاطی کا یہ مظاہرہ کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ لیکن باوجود اس کے اس تقریظی سرمایے کا مطالعہ جب اس نہج پر کیا جاتا ہے کہ اردو ادب کی تاریخ و تنقید پر ان تقریظوں نے کیا اثرات چھوڑے تو پھر ہم گویا ایک اور تاریخ لکھنے کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہمارے

نزدیک یہ فن اور اس کا سرمایہ اہم ہے۔

اصل میں تقریظ اُردو نثر کے ارتقائی دور کا نمونہ ہے۔ اگر اس کا دور بہ دور مطالعہ کیا جائے تو فضلی کی "کربل کتھا" (۱۷۳۲ء) اور ملا وجہی کی "سب رس" (۱۶۳۵ء) وغیرہم سے لے کر مولوی عبدالحق کے مقدمات اور تبصروں تک اور پھر اس کے بعد مشتاق احمد یوسفی تک اردو نثر ہیئت اور موضوع کے اعتبار سے مختلف رنگ اور روپ میں ملتی ہے اور اس کے ہر رنگ و روپ میں ایک انفرادیت ہے۔ اس لیے ہمیں تقریظ کا مطالعہ یا تنقید کرتے وقت اُردو نثر کی ہیئت اور موضوعات کے ارتقاء کو سامنے رکھنا چاہیے جس سے مثبت نتائج کی توقع ہو سکتی ہے۔

اگر تقریظات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ لیا جائے یا یہ سروے کیا جائے کہ تقریظ، تحقیقی و تنقیدی کام میں کس طرح مفید ہوتی ہے تو بہت سے پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ان نثر پاروں میں جہاں ہم کو پُرتکلف نثر کے نادر نمونے ملتے ہیں وہیں نثر میں لکھی جانے والی حمد اور نعت کے اقتباسات بھی مرقوم ہیں۔ اس کے علاوہ مصنف سے متعلق داخلی شہادتیں، تقریظ نگار کے ادبی نظریات و افکار، اور عصری رجحانات سے متعلق مفید معلومات ملتی ہیں۔ جو تاریخ ادب پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر گیان چند نے "ادبی اصناف" میں "تحقیقی تحریروں کی اصناف اور قسمیں"، بیان کرتے ہوئے تقریظ کے ساتھ مقدمے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :۔

> "اب تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے۔ یہ کتاب کے شروع میں ہوتا ہے۔ یہ کبھی مصنف ہی کا لکھا ہوتا ہے۔ کبھی دوسرے کا۔ یہاں مصنف کا پیش لفظ یا دیباچہ یا مقدّمہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہم صرف اس مقدّمے کا ذکر کر رہے ہیں جو مصنف کے علاوہ کسی دوسرے نے لکھا ہے۔ اس میں مصنف کی سوانح اور تعارف نیز کتاب کی تنقید ہوتی ہے۔ چوں کہ یہ فرمائشی تنقید ہے اس لیے اس میں طرف داری سے کام لیا جاتا ہے۔
> ہاں اگر کسی اہل رائے کو مقدّمہ لکھنے کی فرصت یا رجحان نہیں ہوتا تو وہ اپنی مختصر رائے دے دیتا ہے جو کتاب کے فلیپ یعنی گرد پوش کے اندرونی حصے پر درج کر دی جاتی ہے۔ بعض مقدّمہ نگار مشہور ہیں۔ مقدّمات عبدالحق اسی قسم کا کارنامہ ہے" (۵۰)۔

مقدّمے کی اس تعریف میں تقریظ سے متعلق کئی بحث طلب نکات سامنے آتے ہیں۔ مثلاً

۱۔ تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے۔

۲۔ مقدّمہ فرمائشی تنقید ہے۔

۳۔ مقدّمہ نگار عدیم الفرصتی کی بنا پر جو رائے لکھتا ہے اسے کتاب کے فلیپ پر درج کر دیا جاتا ہے۔

۴۔ مولوی عبدالحق کے مقدّمات فرمائشی تنقید کا کارنامہ ہیں۔

۵۔ دیباچہ، پیش لفظ اور مقدّمہ مترادف الفاظ ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ تمام نکات بحث طلب ہیں لیکن سردست ہم اپنے موضوع سے متعلق امور پر روشنی ڈالیں گے۔

ڈاکٹر صاحب نے اگر موجودہ دور میں مقدّمے کے برتاؤ یا اس کے لکھنے میں بداحتیاطی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رائے دی ہے کہ تقریظ کی جگہ مقدّمے نے لے لی ہے تو بالکل بجا ہے لیکن ایسا نہیں ہے تو پھر ہمارا موقف یہ ہے کہ دونوں اصناف مقصد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مقدّمہ اردو کی کتابوں میں ابتداء ہی سے ملتا ہے۔ مختلف ادوار میں اس کے اجزائے ترکیبی میں تغیر آتا رہا لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت تسلیم کی گئی ہے کہ مقدّمہ ایک علمی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لکھا جاتا ہے۔ یہ ایک منفرد چیز ہے۔ اس کا مزاج تحقیقی یا تنقیدی ہوتا ہے۔ اسے کسی بھی اہم تحقیقی و تنقیدی مقالے کے ہم پلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ مقالات میں ہم آزادی کے ساتھ کسی بھی موضوع پر اپنی معلومات فراہم کرتے ہیں جب کہ مقدّمے میں کتاب کا موضوع پیشِ نظر ہوتا ہے۔ اس لیے کتاب کے موضوع سے متعلق کمی کو دور کیا جاتا ہے۔ غیر ضروری معلومات کی نشان دہی مدلل انداز سے کی جاتی ہے۔ اس تمام کام میں تحقیق و تنقید کا اعلیٰ معیار پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مقدّمے کے اجزاء ترکیبی میں تبصرے کی تاثر نگاری اور تقریظ کا تحسینی انداز بھی ہوتا ہے۔ انھی امور کی بناء پر مقدّمہ، آزادی کے ساتھ کسی بھی موضوع پر لکھنے سے کہیں زیادہ مشکل کام ہے۔

مقدّمے کے اس مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر مولوی عبدالحق کے مقدّمات کا جائزہ لیا جائے تو وہ تقریظ نہیں بلکہ مقدّمے ہی کی ضرورت کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کے اس کارنامے ہی نے دیباچے اور مقدّمے کے فرق کو واضح کیا ہے۔ ان کے ہاں مقدّمہ نگاری اور تقریظ نگاری میں بھی واضح فرق ملتا ہے۔ اس لیے کہ انھیں دونوں اصناف کے مقصد کا درک تھا۔ اسی بناء

پر وہ مشہور ہیں۔ علاوہ ازیں فلیپ پر جو رائے ہوتی ہے وہ تنقیدی نہیں بلکہ تحسینی ہوتی ہے۔ گویا تقریظ ہی ہوتی ہے۔ اس میں مقدمہ نگار کی عدیم الفرصتی یا لکھنے کے رجحان کا دخل نہیں ہوتا۔

اس کے مقابلے میں تقریظ صد طباعت کی دین ہے۔ (۱۵) اس کا اہم مقصد تشہیر ہے۔ اس لیے ہمارا خیال ہے کہ تقریظ معاشی سرگرمی کا نام بھی ہے۔ اس کے ذریعے کتاب اور مصنف کی تشہیر، ادبی مقام اور مارکیٹ ویلیو متعین کرائی جاتی ہے۔ بایں ہمہ اس کا مقصد شہرت حاصل کرنے کے فطری جذبے کو تسکین دینا بھی ہے۔ یہ ایک طرف دوست کے لیے ہدیۂ تہنیت ہے تو دوسری طرف مسرّت حاصل کرنے کا ذریعہ بھی چناں چہ یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ تقریظ تشہیر اور معاشرتی تعلقات کی نمو کو تقویت دینے کے لیے لکھی جاتی رہی ہے۔ اور لکھی جاتی رہے گی۔

اب ذیل میں گذشتہ صدی کی چند تقریظوں کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، جو پُرتکلف نثر کے ساتھ تبصرہ، تنقید اور مقدمے کے واضح فرق کی عمدہ مثالیں ہیں۔

۱۔ ترجمۂ حدائق البلاغت، مترجم و تقریظ نگار، مولوی امام بخش صہبائی۔ زمانۂ تحریر: ۱۸۳۲ء، مشمولہ نمونۂ منشورات، ص ۳۹۰۔

"حمد کے مضمونوں کا فکر جب دل میں گزرتا ہے اور نعت کے معانی کا خیالِ جس وقت آتا ہے تو کوتاہیِ حوصلہ، کاغذ اور تنگیِ ظرفِ دوات بل کہ عقل کی نارسائی اور اندیشے کی ناتمامی اس امر سے ملزم ہو کر چاہتی ہے کہ اس عقدۂ مالاینحل سے ناخنِ فکر کو نارسائی کا متہم نہ کر کے دوستوں واثق الاخلاق کی خدمت میں دو کلمے ضروری الفرض کو عرض کرے کہ نسخۂ حدائق البلاغت علم بیان اور بدیع اور عروض میں شمس الدین فقیر رحمۃ اللہ علیہ کے قلم بلاغت رقم کا ثمرہ ہے۔ اور اس کتاب کا اس فن کے اصحاب میں شہرہ ہے۔"

۲۔ "کلیاتِ نسیم"، شاعر، اصغر علی نسیم، تقریظ نگار، منشی امیر اللہ تسلیم، زمانہ تحریر: ۱۲۸۲ھ مشمولہ "کلیاتِ نسیم" مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۶ء، ص ۵۳۳۔

"نسیم انفاس افلاکیاں ایسے چمن آرا کے گل توحید سے نکہت فروش ہے کہ جس نے تختۂ خاک کو لالہ رخانِ سبزہ رنگ سے دامانِ گلچیں بنایا۔ شمیم

سنبل آہ خاکیاں ایسے بہار پیرا کے ریا حسینِ تحمید سے نافہ در آغوش ہے کہ جس نے گلِ خورشید کو طرہ دستار افلاک فرمایا۔ چمنستان سخن آبیاری نعت اس سرچشمہ ہدایت سے شاداب ہے کہ جس کے زلالِ بشارت - جناتٍ تجری من تحتہا الانہار " نے تشنگان وادی ارادت کو سیراب کیا۔ گلستانِ معانی آب جوی منقبت اس رنگ طرازِ نبوت سے سرسبز ہے کہ جس کے نخل تمنا کو باغبان قدرت نے آبشار - انا اعطیناک الکوثر " سے آب دیا۔ صدرِ نشین مسند قاب قوسین او ادنی سردرِ عالم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمر نورس شاخ کلم گل فشانی درود آل اطہار ہے کہ جن کے فیض قدم سے حدیقہ خزاں رسیدہ عالم نے مرتبہ صحن فردوس کا پایا۔ برگ و بار گلبن زبان ستائش صحابہ کبار ہے کہ جن کے حسن تدبیر نے خیابانِ ہدایت کو خار ضلالت سے پاک فرمایا۔ آوارہ کوی ناکامی نام آور عالم گم نامی خار چین گلشنِ طبع سلیم شیخ امیر اللہ تسلیم ارباب سخن کی خدمت میں التماس آرا ہے۔ چہرہ شاہد مضمون نو سے نقاب کشا ہے۔ اسنی ۱۲۴۳ھ میں شاعر رنگین بیان ، نکتہ در شک سحبان ، ہم پایہ قدسی و کلیم جناب میرزا محمد اصغر علی خان نسیم ، ابن نواب آقا علی خاں قاچار ، شاگرد جناب حکیم مومن خان اسکنہم اللہ فی فرادیس الجنان، خطہ پاک دہلی سے لکھنؤ میں تشریف فرما ہوئے "۔

سہ [illegible] سید احمد دہلوی ، تقریظ نگار ، میر مہدی حسین مجروح ، زمانہ تحریر ۱۸۶۸ء، مبشر [illegible] ص ۸۰۹۔

[illegible] این [illegible] تازہ [illegible] ست

[illegible] گلشن ست

[illegible] ایک [illegible] ہے۔ ہر ایک رنگ میں اس کا ایک نیا انداز ہے۔ کبھی [illegible] کے پردے میں رنگ بستی جاتا ہے۔ کبھی نقش - کل نفس ذائقۃ الموت " [illegible] ذی حیات کو ڈراتا ہے ... کبھی معجزہ و مسیحائی۔ کبھی یہ استدراج [illegible] کی کارروائی ، کبھی آوازہ تکبیر ، کبھی نعرہ لبیک۔ کبھی

محلِ تعلیک ۔ کبھی انذر علیک۔ کبھی پند میں سود مند باتیں سکھاتا ہے۔ کبھی مسائل حکمیہ میں حقیقت انسان بتاتا ہے۔ ۔ کبھی یہ علم منطق میں سرمایہ تقریر کبھی صنائع و بدائع میں یہ خوبی تحریر کبھی یہ دعائے زاہد ہو کر درِ قبول تک پہنچاتا ہے۔ کبھی نالۂ عشق ناکام بن کر تاثیر کو ترساتا ہے۔ کبھی لب رنگین سنان سے نوا ساز۔ کبھی نرگسِ سحر آفریں سے سخن پرداز۔ کبھی طوطی کا نغمہ جانگداز۔ کبھی بلبل کا شعلہ آواز۔ کبھی دیوانگانِ محبت کا شور و فغاں کبھی دل دادگان عشق کا زمزمہ الاماں اسی سے دوست ہو جاتے ہیں"۔

اُردو اور فارسی میں نظم آمیز تقریظیں بھی بہ کثرت ملتی ہیں۔ اس کے لیے تقریظ نگاروں نے رباعی، قطعات، مسدس، مثنوی، کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اس ضمن میں کئی رجحانات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً نثری تقریظ سے پہلے رباعی فارسی یا اردو میں ۔۲۔ قطعہ تاریخ ۔ آخر میں اور فارسی یا اردو میں ۔۳۔ تحریر کے درمیان میں رباعی یا مثنوی ۔۴۔ نثر اردو میں، رباعیات اور قطعات فارسی میں ۵۔ تحریر کے آخر میں قطعہ، رباعی اور مثنوی تینوں ملتی ہیں۔ ذیل میں کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ تاکہ اسلوب اور تحریر کے مزاج کا اندازہ کیا جا سکے۔

۱۔ گلدستہ " نادر الاذکار " معروف بہ تذکرہ شعرائے دکن "۔ مصنف : درگا پرشاد۔ تقریظ نگار : مرزا قربان علی صاحب۔ زمانہ تحریر : ۱۸۷۱ء، مشمول " کلیات سالک "۔ ص ۲۳۔

قطعہ تاریخ اتمام کتاب ہذا

در شیخ کلک نادر نقش نادر	ترادید و یسر گشت کامش
برائے سال تالیف ز سر فہم	نہادہ " نادر الاذکار " نامش

۰ ۰ ۱۲۸۸ھ ۰ ۱۲۸ ۱۰۸۰ ۰

(تقریظ کے آخر میں)

" کلیات قلق "۔ شاعر : حکیم غلام مولیٰ قلق۔ تقریظ نگار : سید احمد دہلوی۔ زمانہ تحریر ۱۸۸۳ء۔ مشمول کلیاتِ قلق۔ ص ۵۸۰۔

قطعۂ تاریخ

مرگ یکتائے عصر کی سن کر
ہر سخن ور کا دل دو نیم ہوا
بولا مشتاق بے سرِ امید
حیف ہے اب سخن یتیم ہوا (آخر میں).

اس قطعۂ تاریخ سے پہلے تقریظ کے آخر میں سیّد احمد دہلوی یہ صراحت کرتے ہیں:

"حضرت کا انتقال ساتویں شعبان ۱۲۹۰ھ کو ہوا۔ چناں چہ ہمارے دوست اور میاں قلق کے شاگردِ رشید منشی گلاب سنگھ صاحب مشتاق سب اودر سیئر نہر جمن نے جو اس زمانے میں تاریخ وفات لکھی تھی، وہی اس جگہ وافی وکافی ہے"۔

اسی کلیات پر ایک اور تقریظ کے آخر میں میں حافظ امداد حسین ظہور میرٹھی کے یہ اشعار ملتے ہیں۔

نادر یہ کلام سحر اثر ہے طرفہ ہر ایک شعرِ تر ہے
ہر لفظ کی ساحری ادائی اعجاز دشی سے جلوہ گر ہے
اللہ اللہ قلق کا دیوان نادر ۔ نایاب ۔ طرفہ تر ہے
شوخی و ادا و جوش و خوبی نشتر زنِ کاوشِ جگر ہے
مضموں سے نگاہ بادہ در جام دل لطف سے شیر اور شکر ہے
افسوس مگر ہزار افسوس دیواں یہ یتیم اک پسر ہے
یعنی کہ قلق نہیں ہے اے وائے نذر تپش و قلق جگر ہے۔

"عود ہندی" از غالب میں حکیم غلام مولیٰ قلق کی ایک تقریظ شامل ہے جس میں انھوں نے ابتداء میں فارسی رباعی ۔ درمیان میں اردو رباعی ۔ اور آخر سے کچھ پہلے مثنوی شامل کی ہے۔ رباعی درج کی جاتی ہے۔ (مشمولہ "کلیاتِ قلق" ۔ ص ۶۰۲) یہ تقریظ "عودِ ہندی" (مطبع نارائن دہلی ۔ ۱۲۹۵ھ) میں شامل ہے۔

"رباعی"

کیا نامۂ نامی ہے مہیا ہے ظہور
ہے چشمک ہر نقطہ کہ چشمِ بد دُور
اللہ رے کیفیت لفظ و معنی
وہ آنکھ میں ہے نور تو یہ دل میں سرور

بعض کتابوں میں نثر میں تقریظ تو نہیں ملتی البتہ نظمیہ تقریظیں ہوتی ہیں۔ جن میں تقریظ نگار مثنوی اور قطعۂ تاریخ میں اپنے احساسات پیش کرتے ہیں۔ اور بعض میں نثر سے زیادہ شاعری کا غلبہ ہوتا ہے۔ جیسے "یادگارِ ضیغم" از محمد عبداللہ خاں ضیغم (مطبوعہ ۱۸۸۶ء) اس میں نثر میں تقریظ کے علاوہ مثنوی، قطعہ، تاریخ وغیرہ خاصی تعداد میں ہیں۔

ہم نے گذشتہ صفحات میں تقاریظ کے کچھ نمونے پیش کیے ہیں اب ایسی ہی تقریظوں کی مزید نشان دہی کی جاتی ہے اس موقع پر کچھ فارسی تقریظیں بھی شامل کی گئی ہیں یہ اُردو کتابوں پر تحریر کی گئی ہیں۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ دونوں زبانوں میں اسلوب ایک سا ہے۔

احسن مارہروی نے "نمونۂ منثورات" میں تقریظ و تنقید کے ذیل میں جو نمونے پیش کیے ہیں۔ اس میں پہلی مطبوعہ تقریظ ۱۸۳۲ء کی ہے۔ جو اُردو میں ہے۔ اس سے پہلے ۱۸۲۳ء میں لکھی جانے والی کتاب "گلشن بے خار" از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ پر فارسی تقریظ کے نمونے ملتے ہیں۔ ان تقریظوں کے لکھنے والے اردو کے نامور اہلِ قلم حکیم مومن خاں مومن، مفتی صدر الدین آزردہ، مرزا اسد اللہ خاں غالب، امام بخش صہبائی اور عبداللہ علوی ہیں("گلشن بے خار"۔ لاہور۔ مجلسِ ترقیِ ادب۔ ۱۹۸۳ء) ۱۸۴۲ء میں شمس الدین فقیر کی فارسی کتاب "حدائق البلاغت" کا اردو ترجمہ شایع ہوا تو امام بخش صہبائی نے تقریظ لکھی ("نمونۂ منثورات"۔ ص ۴۹۶) سر سیّد احمد خاں کی تصنیف "آثار الصنادید" پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئی تو غالب صہبائی اور آزردہ نے فارسی میں تقریظیں لکھیں۔ (مطبع نول کشور ۱۸۸۶ء) ۱۸۵۴ء میں غالب نے ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ کی کتاب پر تقریظ تحریر کی۔ (نمونۂ منثورات۔ ص ۴۹۹۔) ۱۸۶۴ء میں "فغان دہلی" پر مرزا قربان علی سالک دہلوی کی تقریظ ملتی ہے۔ ("نمونۂ منثورات"۔ ص ۵۰۲۔) ۱۸۶۵ء میں "کلیات نسیم" از اصغر علی خاں نسیم شایع ہوئی تو منشی امیر اللہ تسلیم

۱۔ سیاسی صورتِ حال کی تبدیلی کے باعث انگریزی کا رواج۔
۲۔ فارسی اور عربی علوم کا زوال۔
۳۔ خطوطِ غالب (جنھوں نے اردو نثر کی لکنت دور کی)۔
۴۔ سرسید احمد خاں کی موضوعاتی نثر

لیکن ان وجوہات کے علاوہ ایک اور واقعہ بھی ہے جس نے اردو تقریظ کو غیر اہم کر دیا۔ وہ ہے غالب کی سرسیّد احمد خاں کی مرتّب کردہ "آئین اکبری" پر لکھی جانے والی تقریظ۔ اس کا تفصیلی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(باقی آئندہ)

ڈاکٹر الیاس عشقی:

کتاب "قاضی عبدالودود: تحقیقی اور تنقیدی جائزے"

مرتّبہ پروفیسر نذیر احمد کا ایک مطالعہ

کلیم الدین احمد، قاضی عبدالودود اور اختر اورینوی بہار کے ایسے اہل قلم ہیں جن کی ادبی حیثیت اردو ادب میں جانی پہچانی اور مانی گئی ہے۔ یہ صاحبان آج اردو ادب میں ایک مقام رکھتے ہیں۔ کلیم الدین احمد اپنے منفرد جارحانہ اندازِ تنقید اور داستانوں سے متعلق اپنے بنیادی کام اور عام تنقیدی مضامین کی وجہ سے بڑے ادیب مانے جاتے ہیں۔ قاضی عبدالودود اپنے تحقیقی کام، تنقیدی معیار اور علم و فضل کی وجہ سے ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور بڑی حد تک اختر اورینوی کو بھی اپنے اِنھیں پیش رَوں کے ساتھ شمار کیا جاسکتا ہے۔ اور اردو ادب کا قاری ان سے نہ صرف متعارف ہے بلکہ ان کے مرتبے سے واقف ہے۔ تاہم ضرورت ہے کہ ان صاحبان کے کام کا جائزہ لے کر ان کی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے "قاضی عبدالودود: تحقیقی اور تنقیدی جائزے" کے عنوان سے ان پر لکھے ہوئے مشاہیر اہل قلم کے مضامین منتخب کر کے ایک جلد میں جمع کر دیے ہیں۔ کتاب کے آخر میں دو ضمیمے ہیں جن میں سے ایک میں قاضی صاحب کے مضامین کی ایک طویل فہرست جو ۲۹۰ عنوانات پر مشتمل ہے اور جس میں ان کی اشاعت کا مہینہ سال اور رسالے کا نام بھی دے دیا گیا ہے شامل ہے۔ دوسرا ضمیمہ وہ یادگاری کتابچہ ہے جو قاضی صاحب کی ادبی خدمات کے اعتراف میں غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی کی طرف سے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا گیا تھا اور جس میں آٹھ اکابر اہل قلم کی مختصر تحریریں ہیں جن میں قاضی صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ان کی ادبی حیثیت کا اس سے بڑھ کر اور اعتراف کیا ہوگا کہ جلسۂ تجلیل ان کے شہر میں خاص طور سے منعقد کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی وجہ سے قاضی صاحب سے مُتعلّق بہت سا مواد ایک جلد میں فراہم کر دیا گیا ہے، جو ان پر کام کرنے والوں کو بڑی محنت سے بچائے گا، اور وہ قاضی صاحب کی حیات اور کارناموں کے مختلف پہلوؤں سے بنیادی واقفیت حاصل کر کے قدم آگے بڑھا سکیں گے۔

جہاں تک خیال آتا ہے تو یہی محسوس ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کے مضامین کی یہ فہرست مکمل نہیں ہے۔ اس میں ابھی چند وہ مقالات غالباً شامل نہیں ہیں جو قاضی صاحب نے ۱۸۵۷ء، غالب اور امیر خسرو کے یادگاری سالوں کے سلسلے میں لکھے تھے اسی طرح بعض اور مضامین برصغیر کے رسائل میں بکھرے پڑے ہوں گے۔

قاضی صاحب نے اگرچہ معاشیات اور قانون کی اعلیٰ تعلیم انگلستان میں حاصل کی تھی مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں ان علوم سے دلچسپی نہ تھی، چناں چہ وہ چند سال انگلستان میں ٹھہر گئے اور انھوں نے وہاں کے مشہور کتاب خانوں میں وقت گذار کر فارسی اور اردو ادب خاص کر تذکروں، شاعروں کے کلیات و دواوین اور تاریخ اور فارسی شعر و ادب کا وسیع مطالعہ کیا اور معلومات کا ایک خزانہ جمع کر کے وطن لوٹے اور یہاں انھوں نے معاشیات اور قانون سے کوئی سروکار نہ رکھا بلکہ اپنے پسندیدہ اردو اور فارسی ادب و تاریخ اور خاص کر تذکروں اور شعراء کے حالات اور کلام کے مطالعے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ ادب کو انھوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ان کا وقت تنہائی میں فکر اور مطالعے میں گذرتا تھا۔ وہ گھر سے بہت کم نکلتے تھے اور ان کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بھی محدود تھا۔ انھوں نے شاعروں کے حالات اور تذکروں کے بہت سے اہم حالات و سنین کو درست کیا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا، مطالعے کی وسعت اور غور و فکر نے ان کی تحقیق و تنقید میں ایک خاص وقعت اور وزن پیدا کر دیا تھا جو انھیں دوسرے ناقدین اور محققین سے ممتاز کرتا ہے۔ دوسرے اہل بہار ادباء کی طرح ان کی توجہ کا مرکز بھی بہار تھا، ان کے زیادہ تر مضامین "معاصر" میں شائع ہوئے ہیں جو کلیم الدّین احمد نکالتے تھے۔ بعض ادباء و شعراء کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے انھیں اپنی شخصیت اور کام کی اہمیت کا احساس زیادہ ہوتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح اس کا اظہار بھی کر دیتے ہیں۔ کلیم الدّین احمد اور قاضی صاحب تو اس سلسلے میں اپنی مثال آپ ہیں۔ کلیم الدّین احمد کی تنقید ان کے مزاج ہی کی وجہ سے منفرد ہے اور قاضی صاحب ہرچند کہ اپنے مزاج کی اس کیفیت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر ان کی زُود رنجی اور تنک مزاجی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اس کا بہترین اظہار اس مضمون میں ہوتا ہے جو ان کے مُتعلّق کلیم الدّین احمد نے لکھا ہے، اور جس میں انھوں نے ان سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر کیا ہے۔ مضمون جس قدر مختصر ہے اس سے قاضی صاحب کے مزاج کی کیفیت اُسی قدر واضح ہوکر سامنے آتی ہے۔ اس مضمون میں سے کہیں کہیں سے کچھ جملے نقل کیے جاتے ہیں جن سے قاضی صاحب کی جیتی

جاگتی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔ اس ملاقات میں قاضی صاحب کے ہمرا، ان کے دوست پروفیسر حسن عسکری بھی تھے۔ کلیم الدّین احمد لکھتے ہیں:

● "اس بات چیت میں جس میں ان کا بہت کم حصّہ تھا میں نے رسالے (معاصر) کے بارے میں سوالات کیے۔ ان کا جواب سید حسن عسکری صاحب نے دیا، جو ان کے ساتھ آئے تھے۔ رخصت کے وقت ان کی مُہر سکوت ٹوٹی تو بھی ایک آدہ لفظ سے زیادہ ان کی زبان سے نہ نکلا"

● "وہ سیاسی جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے اور جو سیاسی تحریکیں تھیں ان سے دلچسپی تھی۔ دیوان شاد عظیم آبادی انھوں نے اپنے خرچ سے شائع کرایا تھا۔ لیکن اس کی اشاعت کے بعد شاد نے طوفان اٹھایا۔ کہا کہ میرے کلام کی اشاعت جاری رہی تو میں اعلان کر دوں گا کہ یہ میرا کلام نہیں۔ قاضی صاحب پر یہ الزام لگایا کہ وہ دھوکا دے کر ان کا کلام لے گئے ہیں"۔

● "گھریلو حالات سے بھی انھیں دلچسپی نہ تھی۔ بستر تھا اور کتابیں تھیں۔ انسانی زندگی سے گویا قطع تعلّق ہو گیا۔ لوگ ملنے کے لیے آتے تو قاضی صاحب اپنی نئی دریافتوں کا ان سے ذکر کرتے۔ انھیں بولنے کا موقع مل جاتا۔ وہ بولتے بھی بہت اچھا تھے۔ اس لیے لوگ ہمہ تن گوش سا کرتے۔ کتب بینی کے شائق تھے۔ مضامین بھی کبھی کبھی لکھتے برسوں پڑے رہنے قاضی صاحب کو زبردست مُحقّق بنا دیا کچھ لوگ ان سے شاکی رہتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ قاضی صاحب "ہم بگ" کو برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ اصول کے پابند ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام ہو اس میں کوئی اصولی جھول نہ ہو۔ وہ سخت گیری کرتے تھے اور ان کی سخت گیری جائز تھی۔ قاضی صاحب چھوٹی چھوٹی باتوں کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ تحقیق میں کوئی چیز چھوٹی نہیں ہوتی۔ اگر تحقیق کی اہمیت جاتی رہی تو بڑی بڑی باتوں میں بھی کاہلی ہوگی"۔

کلیم الدّین احمد لکھتے ہیں کہ قاضی صاحب اگر وکالت کرتے، سیاست میں کھل کر حصّہ لیتے یا پروفیسری کرتے تو وہ مختلف لوگوں سے ملتے۔ ان کا سامنا ایسے لوگوں سے ہوتا جو ان سے اختلاف رائے رکھتے وہ ان سے تبادلۂ خیال کرتے، ان کے استدلال کو قبول کرتے اور اپنی

منطق سے اپنا موقف ان پر واضح کرتے تو وہ ایک بالکل مختلف شخصیت کے مالک ہوتے۔ دنیا سے کنارہ کر تنہا رہنے نے ان کی موجودہ شخصیت کی تعمیر کی تھی۔ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ادب میں ان کا وہ مقام نہ ہوتا جو ہے۔ وہ ایک کامیاب پروفیسر یا وکیل ہو کر ممتاز مقام حاصل کرتے۔

کلیم الدین احمد کے نزدیک ان کی تحریروں کا سب سے کامیاب حصّہ وہ مضامین ہیں جو تبصرے کے طور پر وہ وقتاً فوقتاً وہ لکھتے رہے۔ ان تبصروں میں ان کے اصل جوہر کھلتے ہیں۔ مالک آروی ہوں، شاد عظیم آبادی ہوں، غالب ہوں، یا عبدالحق یا خواجہ احمد فاروقی یا پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کے مقالے، وہ کسی کو نہیں چھوڑتے۔ ان کی معلومات اور ان کا حافظہ اس قسم کی تنقید میں ان کو ایک حقیقی ناقد اور بڑا محقق ثابت کرتے ہیں۔ وہ غلطیوں کی بجا نشاندہی کرتے ہیں۔ قاضی صاحب کو جب تک دلی تشفی نہیں ہوجاتی وہ کوئی کام نہیں کرتے۔ انھیں تحقیق کی ذمہ داری کا شدید احساس ہے"۔

انھوں نے دو کتابیں شائع کی ہیں ایک ابن امین اللہ طوفان کا تذکرہ اور دوسری دیوان جوشش، اس کا واحد نسخہ انتہائی نامکمل تھا اور ناقص بھی۔ انھوں نے ایک محقق کی طرح ایڈٹ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدیم شاعر کے کلام کو کس طرح پیش کرنا چاہیے۔

وہ اردو کے زبردست حامیوں میں ہیں۔ وہ اپنے نقطۂ نظر میں واضح ہیں۔ جمیل مظہری نے جب نگراں کمیٹی کے سامنے یہ بیان دیا کہ وہ اردو اور ہندی کو دو زبانیں نہیں مانتے ایک زبان مانتے ہیں اس لیے اردو کی علیحدہ کوئی ضرورت نہیں ہے تو قاضی صاحب نے اپنی خفگی کا اظہار کیا۔ جب یہ قضیۂ بہار میں زیادہ بڑھا اور واردھا اسکیم کے سلسلے میں سید محمود کو جو بڑے کانگریسی قائد تھے ہندوستانی کو ذریعۂ تعلیم بنانے میں دقّتوں کا سامنا ہوا تو گاندھی نے مداخلت کی اور ہدایات جاری کیں کہ اس قضیے کو خاطر خواہ طریقے پر نمٹایا جائے۔ اس سلسلے میں قاضی صاحب کے ڈرائنگ روم میں کمیٹی کی نشست ہوئی تھی اس میں قاضی صاحب نے بڑے سلیقے اور مدلّل طریقے پر یہ ثابت کر دیا اور منوالیا کہ فرہنگ آصفیہ میں شامل الفاظ اردو ہیں اور ہندی پرچارنی شبد کوش کے الفاظ ہندی ہیں۔

قاضی صاحب آزاد خیال تھے اوّلاً وہ عربی تعلیم کے حق میں تھے۔ عربی کے خلاف ہوئے تو انگریزی کی طرف رجحان ہوا مگر اس موقف کو بھی ترک کر دیا یہ ان کی آزاد خیالی کی وجہ سے تھا۔

مذہب کے بارے میں ان کی آزاد خیالی ظاہر ہوتی ہے۔ مگر انھوں نے اسے اپنے عقیدے کے طور پر اپنی تحریر میں ظاہر نہیں کیا یعنی عقیدے کو اپنی ذات تک محدود رکھا اس کا اعلان نہیں کیا۔ جہاں تک اخلاق کا تعلق ہے بقول کلیم الدین احمد وہ بالکل آزاد خیال نہیں اگرچہ انھوں نے اخلاق پر کوئی سیر حاصل کتاب نہیں لکھی مگر ان کی تحریروں میں ان کا اخلاقی نقطۂ نظر چھپائے نہیں چھپتا۔ تاریخ اور مذہب میں ان کی آزاد خیالی بعض اوقات ظاہر ہوجاتی تھی مگر ان کی اخلاق پسندی اس پر پردہ ڈال دیتی تھی۔ کلیم الدین احمد جیسے سخت نقاد کا ان کے متعلق یہ بیان بہت اہمیت رکھتا ہے کہ:

> قاضی صاحب ایک بہت آزاد شخصیت کے مالک اور بڑے محقق تھے۔
>
> دوسری قابل غور بات کہ قاضی صاحب کی آزاد خیالی نے دوسرے لوگوں کو بھی کسی حد تک متاثر کیا ہے، مگر تحقیق و تنقید کی حد تک۔

قاضی صاحب کے دوست پروفیسر حسن عسکری کے مضامین میں قاضی صاحب کی آزاد خیالی کی دو ایک واضح مثالیں ملتی ہیں۔ حالانکہ ایسے بہت کم مواقع آئے ہیں جب بین الفریقین متنازع فیہ مسائل کا ذکر دوران گفتگو آیا ہو۔ عسکری صاحب بتاتے ہیں کہ ایک دن قاضی صاحب نے تاریخِ اسلام کے ایک اختلافی مسئلے پر شرر کی کتاب کا حوالہ دیا۔ جواباً انھوں نے بھی بہت کچھ کہا۔ قاضی صاحب سنتے رہے مگر اپنے مُنھ سے ایک لفظ بھی نہ نکالا لیکن ان کا چہرہ ناراضگی کی غمازی کر رہا تھا۔ اس کے بعد عسکری صاحب اٹھ کر چل دیے اور پھر دونوں کے درمیان ایسے مسائل کبھی زیرِ بحث نہ آئے۔ اس سے دو باتیں کھل کر سامنے آتی ہیں ایک یہ کہ ہر معاملے میں وہ اپنی تحقیق کو مدِّنظر رکھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ تنک مزاج اور زُود رنج ہونے کے باوجود جسے وہ چھپا نہ سکے تھے، کسی حد تک دوستی اور انسانی تعلقات کا خیال رکھتے تھے مگر مذہب اور تاریخ مذہب کے معاملے میں وہ واقعی اس حد تک آزاد خیال تھے کہ اگر وہ اپنی اس عادت پر قابو نہ پالیتے تو انھیں زندگی میں بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

پروفیسر حسن عابدی کا مضمون " از دام و دد ملولم وانسانم آرزوست " ایک تنہا اور خلوت پسند انسان کی ایک ایسی تلاش کی نشاندہی کرتی ہے جسے تحصیل حاصل کہہ سکتے ہیں۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کی خلوت پسندی انسان کی نایابی کی وجہ سے تھی، یا انسان سے مایوسی ان کی خلوت پسندی کی وجہ تھی۔ عابدی صاحب لکھتے ہیں کہ:

> یورپ میں رہنے کی وجہ سے وہ عام لوگوں سے اس حد تک مختلف تھے کہ

قاضی صاحب انگریزی لباس میں رہتے تھے۔ کھانا بھی انگریزی طرز کا کھاتے تھے۔ بلکہ پورا انداز مغربی تھا مگر دیسی کے ساتھ وہ خالص ہندوستانی بلکہ نیشنلسٹ بھی تھے۔ یہی حال مغربی اور انگریزی تعلیم کے سلسلے میں بھی تھا۔ ان کی تحریروں اور انداز زندگی سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اور اسلامی تعلیمات اور ملکی مسائل پر ان کے ذہن میں تضادات تھے۔ جن کو وہ کبھی دور نہ کرسکے۔ اس لیے بقول کلیم الدّین احمد وہ لوگوں سے بے تکلّف ہونے کے اور تبادلۂ خیالات کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔ وہ اپنے خیالات کے خلاف کسی دوسرے کی بات سُننے کے قابل نہ رہے تھے "۔

قاضی صاحب شاعری کو بڑے کھرے اصول پر رکھتے تھے۔ شعر پر ان کی تنقید بہت سخت ہوتی تھی۔ بقول نثار احمد فاروقی قاضی عبدالودود تحقیق کے منظر پر اس وقت آئے جب تحقیق کی راہیں کھل چکی تھیں لیکن اردو ادب کے مطالعے کی روایت ابھی کمزور تھی۔

ڈاکٹر نذیر احمد کا مضمون " متون کی تصحیح و تنقید میں تخریج و تعلیقات کی اہمیت " کو قاضی صاحب کے کام سے اگرچہ براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے لیکن وہ اپنے موضوع پر ایک سیر حاصل اور صاحب مضمون کے انداز کا ایک بے نظیر مضمون ہے جس میں تخریج کی نادر اور بہت سی مثالیں دی گئی ہیں۔ اس مضمون سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے اور تصحیح و تنقید میں خاص کر تخریج پر کام کرنے والوں کے لیے بہت مفید مضمون ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے غالب کے کلام نظم و نثر کی طرف اہل تحقیق کو توجہ دلائی ہے اور کہا ہے کہ بعض ناقدین کا یہ خیال درست نہیں کہ اب غالب پر کام کرنے کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اگر تخریج ہی کو لے لیا جائے تو غالب پر کام کسی ایک شخص کے بس کا کام نہیں ہے۔ کئی محققین کے اشتراک ہی سے یہ کام ہوسکتا ہے۔

قاضی صاحب کو لُغت سے بھی خاصی دلچسپی رہی۔ عظیم آباد کے ایک ادارے نے برہان قاطع کا جو ایڈیشن شائع کیا تھا اس پر قاضی صاحب نے بڑی دیدہ ریزی سے کام کیا تھا۔ غالب کے سلسلے میں اس کام کی بڑی اہمیت ہے اس مضمون کو غالب صدی کے سلسلے میں ڈاکٹر نذیر احمد نے جس فاضلانہ تبحرّ علمی سے انجام دیا ہے وہ برہان قاطع ہی نہیں بلکہ لُغت کے موضوع پر ایک یادگار کام ہے۔ اسے کسی طرح بھی ایران کے علمائے لُغت ملک الشعراء بہار،

علی اکبر دہخدا اور دکتر محمدّ معین کے کام سے کمتر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلاشبہ ڈاکٹر نذیر احمد ہمارے دور کے ایک بہت بڑے عالم لُغت ہیں اور تقابل لغات پر ان کا کام آئندہ اس موضوع پر عرصے تک علما و فضلا کی رہنمائی کرے گا۔

قاضی عبدالودود تحقیق و تنقید کے میدان میں اپنے پیش رووں حافظ محمود شیرانی، سیّد سلیمان ندوی، ڈاکٹر محمدّ اقبال اور ڈاکٹر مولوی محمدّ شفیع کے بعد آنے والے محققین میں اپنا ایک اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ وہ حافظ محمود شیرانی کے کام کی عظمت کے قائل ہیں اور بڑی حد تک انھوں نے ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ ایرانی علما میں قاضی صاحب علّامہ محمدّ قزوینی اور دکتر محمدّ معین کے بڑے قائل اور مدّاح ہیں۔ قاضی صاحب کی تعریف میں ان کے ایک دوست علّامہ قزوینی کی ایک تعریفی تحریر لائے تھے جسے وہ بڑے فخر سے لوگوں کو دکھاتے تھے لیکن بعد میں اپنی تحریروں میں علّامہ قزوینی نے اس کے خلاف لکھا بلکہ یہ تک لکھ دیا کہ زبان کی تحقیق میں اہل ہند کا کام قابل اعتبار نہیں ہوتا۔

غرض یہ کہ قاضی عبدالودود اردو ادب کے محققین و ناقدین میں ایک بلند مرتبہ نام ہیں جن کو اعتبار کا وہ درجہ حاصل ہوا جو ان کے پیش رووں کے بعد کم کسی کو نصیب ہوا ہوگا اور اپنے ہم عصروں میں تو وہ اس مقام پر فائز نظر آتے ہیں جہاں ہم عصر اہل قلم نے ان کے کام کے معیاری اور بلند پایہ ہونے کے سلسلے میں واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ اور جو خراج عقیدت ان کو پیش کیا گیا ہے اور جس کی نقل اس کتاب کے آخر میں دی گئی ہے اس میں ان سے متعلق جن معاصرین نے اظہار خیال کیا ہے، اس سے قبل غالب انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے سپاس نامے کے بعد جن لوگوں کی مختصر تحریریں شامل ہیں ان میں مالک رام، پروفیسر مسعود حسین خاں، پروفیسر سیّد امیر حسن عابدی، پروفیسر محمدّ حسن، جناب گوپال متّل، رشید حسن خاں، گوپی چند نارنگ اور ڈاکٹر خلیق انجم کی تحریریں شامل ہیں جو انھوں نے قاضی صاحب کے سلسلے کے جلسۂ تجلیل میں پڑھی تھیں اور ایک یادگار کتابچے میں شائع ہوئی تھیں۔

ڈاکٹر الیاس عشقی :

ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کا مطبوعہ مقالۂ علمیہ

" حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات "

(حصۂ اول)

پاکستان میں بابائے قوم اور بابائے اردو کے بعد یہ لقب اس قدر عام اور ارزاں ہوگیا ہے کہ حافظ محمود شیرانی مرحوم کو بابائے تحقیق و تنقید لکھنے کو جی نہیں چاہتا حالاں کہ ان کا کام اہل تحقیق و تنقید کی رہنمائی کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ ان کے کام کی وسعت و حجم کو دیکھا جائے تو وہ ایک مافوق الفطرت شخصیت نظر آتے ہیں۔ جو کام انھوں نے انجام دیا ہے وہ ایک ادارے کے ذریعہ ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ کام انھوں نے ایک ایسے زمانے میں انجام دیا ہے جب اسی شہر اور اسی ادارے میں دو مسلّم بالشان محقّق و ناقد ڈاکٹر مولوی محمّد شفیع اور ڈاکٹر محمّد اقبال موجود تھے اور اپنے بلند معیار کام میں مصروف تھے۔ ان دونوں اکابر محقّقین کا لوہا بڑے بڑوں نے مانا لیکن موضوعات و مضامین کی وسعت، حجم اور معیار کے اعتبار سے شیرانی صاحب کا اپنا ایک مرتبہ ہے اور اگر ان کے کام کو ایک خاص ترتیب اور سلیقے سے طبع کیا جائے تو اسے ایک دائرۃ المعارف سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ اس میں اتنے مضامین اور موضوعات شامل ہیں جن کا کسی ایک محقق کے ہاں ملنا دشوار ہے۔

ان کی تصنیفات و تالیفات (مضامین و مقالات) جو شایع ہوچکے ہیں مجھے یقین ہے کہ وہ ان کی مکمل تحریروں کا احاطہ نہیں کرتے۔ دانشورانہ نظم و ضبط اور تحقیقی طریق کاریوں تو ہر محقّق کے کام میں نظر آتا ہے مگر شیرانی صاحب کے ہاں اس میں تکمیل کا احساس ہوتا ہے۔ وہ کبھی کبھی کسی محقّق کے کام میں نظر آتا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ ان کا انداز بیان عالمانہ ہونے کے باوجود تحقیق کو بارِ خاطر اور بوجھل نہیں ہونے دیتا۔ ان کا تبحرّ علمی، ان کی ژرف نگاہی اور تجزیاتی طرزِ عمل اس قدر بین السطور رہا ہے کہ پڑھنے والا یہ محسوس نہیں کرنے پاتا کہ اس تحریر کے پس منظر میں کتنا مطالعہ کتنی تحقیق اور کتنی فکر کار فرما ہے۔ پرتھوی راج راسو پر ان کی تحقیق میں تو ایک داستان کی روانی اور لطف پیدا ہوگیا ہے۔ جو بات انھیں دوسرے

محققین سے ممتاز کرتی ہے وہ اخذ نتائج کی صلاحیت ہے جو کتابی نہیں وہبی ہے۔ اور شاید تحقیق و تنقید کے لیے لازمی بھی نہیں ہے لیکن اگر ہو تو وہ تحقیق کو تخلیق بنا دیتی ہے۔ شیرانی صاحب کی تحقیق و تنقید کا بڑا حصہ اسی تعریف میں آتا ہے۔ ایک اور بات جو انھیں دوسرے محققین سے ممتاز کرتی ہے اور بہت سے محققین نے جس کی پیروی بھی کی ہے یہ ہے کہ اکثر محققین کی طرح ان کی تحقیق ایک مقالے یا مضمون پر ختم نہیں ہوجاتی بلکہ وہ اپنی تحقیق پر مطمئن نہیں ہوتے تو اس پر غور و فکر کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ اور مناسب اور ضروری مواد فراہم ہوجانے کے بعد اسی موضوع پر ایک نئے انداز اور نئی معلومات کے ساتھ پھر قلم اٹھاتے ہیں اور تحقیق کو آگے بڑھاتے اور مکمل کرتے ہیں۔ تنقید شعرا العجم اس کی دلچسپ اور واضح مثال ہے۔

وہ ایک ایسے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جب ہند ایرانی اور ہند یورپی زبانوں پر بہت کام ہو رہا تھا اور خود برصغیر میں ولیم جونس، میکس ملر، بیمز، گریرسن، لیٹنر جیسے ماہرینِ لسانیات نے کام کیا تھا یا کر رہے تھے لیکن مقامی علماء و محققین یا اس سے بے خبر تھے یا وہ ان کی دسترس سے باہر تھا۔ عربی علم اللسان کی ایک شاخ سے متاثر ہو کر خان آرزو نے تحقیق لغات پر اپنے کام کا آغاز کیا جسے وہ "فقہ اللغت" کا نام دیتے ہیں۔ ان کا یہ کام ان کی مرتبّہ لغات میں نظر آتا ہے اور ان کی خصوصیت بن گیا ہے۔ ان کی تالیف مُثمِر اس سلسلے میں ایک سنگ میل کا حکم رکھتی ہے اور اپنی علمی تدوین کی وجہ سے وہ اپنے بعد آنے والے مستشرقین کے مقابلے میں اولیت کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس طرح خانِ آرزو کے ہند آریائی اور ہند ایرانی زبانوں میں لُغت میں تقابلی لسانیات کے اصول پر کام کا آغاز کیا۔ بعد میں اس اصول پر اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء پر کام کرنے والوں نے ان کا اتباع کیا اور الفاظ کی حد تک اب بھی کر رہے ہیں۔

اردو زبان کی ابتداء اور ارتقاء کے متعلق اشارات سب سے پہلے میر امّن دہلوی کے ہاں ملتے ہیں۔ پھر نیم علمی تحقیقات کی شکل میں یہ سلسلہ آب حیات اور سخندان فارس تک پہنچتا ہے جن کے مُصنّف یقیناً آرزو سے متاثر ہیں۔ لیکن مولانا محمد حسین آزاد نے اسے تحقیق کا انداز دینے کی کوشش کی ہے۔

تاریخی اور تقابلی لسانیات کے سلسلے میں اوّلین اور معتبر کتاب حافظ محمود شیرانی کی پنجاب میں اردو ہے جس میں تاریخی تقابلی لسانی اصول تنقید کے ذریعے مولانا آزاد کے اس موقف کی کامیاب تردید کی گئی ہے کہ اردو بھاشا سے پیدا ہوئی اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اردو پنجاب میں پیدا ہوئی ہے ہرچند کہ اس میں ان کو اوّلیت کا درجہ

حاصل نہیں ہے تاہم ان سے قبل یہ بات اتنے محکم دلائل کے ساتھ علمی دنیا کے سامنے کسی نے پیش نہیں کی تھی اگرچہ شیرانی صاحب سے قبل اردو زبان کے پنجاب میں پیدا ہونے کا ذکر پہلے پہل شیر علی خاں سرخوش نے اپنے تذکرے میں کیا تھا لیکن اس دعوے کو جدید لسانی اصول پر منطقی دلائل کے ساتھ محکم بنیادوں پر شیرانی صاحب نے پیش کیا ہے۔

رہا مولانا محمد حسین آزاد کا برج بھاشا والا موقف تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی تردید شیرانی صاحب نے علمی طور پر کر دی ہے۔ مگر شیرانی صاحب ہی کی بعد کی تحقیقات کی روشنی میں اتنا کہہ دینا غلط نہ ہوگا کہ اپنے دور میں مولانا آزاد کا موقف بھی تحقیقی تھا اور اگر کوئی اور بھی اسے تحقیقی انداز میں پیش کرنے کی کوشش کرتا تو زیادہ امکان اسی بات کا تھا کہ وہ بھی مولانا آزاد کی طرح برج بھاشا ہی سے اردو زبان کا رشتہ جوڑتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اردو اور کھڑی بولی (؟) سے پہلے برِصغیر کے بہت بڑے حصے میں برج بھاشا ہی شاعری کی زبان تھی اور مولانا آزاد بھی چوں کہ شاعروں ہی کے ایک تذکرے کا مُقدّمہ لکھ رہے تھے اس لیے ان کا ذہن شاعری ہی کی زبان (برج بھاشا) کی طرف گیا اور یوں بھی پنجاب میں اردو کے بعد خود شیرانی صاحب نے جب اکبر آباد کے دارالخلافہ ہونے کے سلسلے میں اردو زبان پر برج کے اثرات کا ذکر کیا ہے تو کسی حد تک ہی سہی۔ برج سے اردو کا تعلق قائم تو ہوتا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے پنجاب اور برج کے علاوہ دِلّی کے گرد و نواح میں ہریانہ اور راجستھان کی زبانوں کے علاوہ دکنی اور شمالی ہند کے اثرات کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس طرح جزوی طور پر مولانا آزاد کے موقف کی تائید ہوجاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مولانا آزاد کے موقف کو تسلیم کرلیا جائے۔

اردو زبان کی ابتدا۔ اور ارتقا۔ کے سلسلے میں شیرانی صاحب نے کھڑی بولی کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور اس کی تائید اور بعد میں آنے والے محققین کی تردید ان کے پوتے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے علمی اور منطقی انداز میں کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "الولد سِرٌ لابیہ" کا قول بالکل درست ہے۔

شیرانی صاحب نے اردو زبان کے سلسلے میں بعض دریافتیں اس قسم کی پیش کی ہیں جن تک ان سے قبل اور بعد میں آنے والے محققین کی نظر ہی نہیں گئی۔ اردو کے سلسلے میں برج، دکن، دلی کے گرد و نواح کی زبانوں شمالی ہند اور پنجاب کے اثرات کا ذکر کسی نہ کسی طرح ہوتا رہا ہے لیکن کھڑی کو نظر انداز کر کے انھوں نے دبستان ہریانہ کا ذکر کیا ہے اور اس علاقے کی شاعری اور لغت نگاری کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح پنجاب میں اردو مثنویوں اور نصابی

نظموں کا جائزہ لیا ہے، دکنی اثرات سے بھی خاطر خواہ اعتنا کیا ہے لیکن دبستان ہریانہ کی طرح دبستان راجپوتانہ کے ضمن میں ریاست جے پور کے ضلع میں کھنڈیلہ کے قریب مہدویوں کے ایک قصبے کا ذکر کیا ہے جو ان قصبوں کے سلسلے کا ایک اہم قصبہ ہے جو مہدوی لوگ دائرے کے نام سے آباد کرتے تھے۔ ادبی دنیا اس بات سے بالکل بے خبر تھی کہ ریاست جے پور کا یہ قصبہ "دائرہ" دبستان راجپوتانہ کی اہمیت اختیار کر جائے گا۔ اس لیے عہد اکبری میں آباد ہونے والی اس آبادی کے مہدوی جو گجرات سے یہاں آکر آباد ہوئے تھے اور جنھوں نے اپنے گجراتی اور دکنی ہم مذہبوں سے تعلقات قائم رکھے تھے انھوں نے اپنے مذہبی ادب کو اردو مثنویوں کی صورت میں محفوظ کرلیا تھا جو اردو کی ایک ایسی شکل ہے جس پر راجستھانی زبان کا اثر زیادہ ہے اور جو دکنی اور گجراتی (گوجری) اردو اثرات سے بھی خالی نہیں ہے اور جس پر دکنی اور گجراتی کی معرفت پنجابی اثرات بھی موجود ہیں۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پنجاب میں اردو کے بعد بھی شیرانی صاحب اردو زبان کے سلسلے میں اپنی تحقیقات برقرار رکھتے ہیں۔ وہ کہ جہاں اردو کے پنجاب میں پیدا ہونے پر مُصِر ہیں وہاں اس پر شمالی ہندوستان کی زبانوں، دکنی، دہلی، کے گرد و نواح کی زبانوں ہریانوی، راجستھانی، اور برج کے اثرات کے بھی منکر نہیں ہیں۔ گجرات اور دکن میں دلی اور شمالی ہند سے مسلمانوں کے نقل مکانی اور لاہور اور گجرات اور اس کے بعد دہلی کے دارالخلافے میں ہونے کی وجہ سے مختلف اللسان آبادی کے اجتماعی اثرات نے اردو کو ایک بین الصوبائی زبان بنادیا ہے اور اس کی یہ صورت اب بھی برقرار ہے۔

جہاں تک کھڑی بولی کا ذکر ہے تو اسے سنیتی کمار چیٹرجی اور دوسرے محققین نے بڑی اہمیت دی ہے، بعض نے اس لیے کہ انھیں شیرانی مرحوم کے دعوے کی تردید کرنی تھی اور سنیتی کمار چیٹرجی اور ہندی کے بعض محققین نے اسے اس لیے زبان مان لیا کہ انھوں نے کھڑی، اور بڑی دو زبانیں فرض کرلی تھیں، یہ ان کی ضرورت تھی اس لیے کہ اردو کی اس شکل کو جس میں سنسکرت زبان کے الفاظ زیادہ تھے انھیں علیحدہ زبان "ہندی" کے نام سے ثابت کرنی تھی جو بقول بعض محققین کے کھڑی بولی کی ترقی یافتہ شکل ہے مگر شیرانی صاحب کے ہاں اس بولی (کھڑی) کا ذکر نہیں ملتا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر سُہیل بخاری مرحوم نے ایک عجیب بات کہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ زبان ہمیشہ کسی مقام سے منسوب ہوتی ہے اس لیے کھڑی بھی کسی مقام سے تعلق رکھتی ہے اور وہ مقام انھوں نے "کوٹ" کے نام سے فرض کرلیا ہے جس کی وجہ سے اس بولی کا نام "کھڑی" بولی پڑا ہے۔ میں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم کو لکھا

تھا کہ مقام فرض کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آزاد کشمیر میں ایک مقام کھڑی شریف ہے جہاں مشہور پنجابی شاعر میاں محمدؒ مصنف سیف الملوک کا مزار ہے آپ کھڑی بولی کو اس سے منسوب کیوں نہیں فرماتے جب کہ اس کے قریب میرپور (آزاد کشمیر) میں شیرانی صاحب نے تقریباً ایک ہزار سال قبل ایک اردو شاعر غلام محی الدین کا ذکر کیا ہے جس کی ایک مثنوی "گلزار فقیر" کا حوالہ ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی کی کتاب حافظ محمود شیرانی اور ان کی علمی و ادبی خدمات " حصہ اول میں بھی ہے جو حال ہی میں مجلس ترقی ادب لاہور نے شائع کی ہے۔

یہ کتاب شائع کر کے ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے ایک بڑی کمی کو پورا کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ایک بہت اہم کام انجام دیا ہے اس لیے کہ اتنے وسیع اور بکھرے ہوئے کام کو ایک تحقیقی کام کے لیے ایک سلسلے میں جمع کر کے سیر حاصل تبصرہ کرنا۔ حواشی اور تعلیقات لکھنا اور تنقیدی نظر ڈالنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ کام ایک طریقے سے اُن پر فرض بھی تھا جسے انھوں نے احسن طریقے پر پورا کیا ہے۔

کتاب کے پہلے حصے کے مشمولات میں حافظ محمود شیرانی کے حالات زندگی سیرت اور کردار کے علاوہ انھیں ماہر لسانیات کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات کتاب کی جان ہے اور ایک طریقے سے ان کی کتاب "پنجاب میں اردو" کے گرد گھومتا ہے اور اسکے متعلق مختصر طور پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ہر بڑے کام میں کہیں نہ کہیں کوئی فروگذاشت بھی رہ جاتی ہے چنانچہ پنجاب میں اردو کی ایک اہم فروگذاشت کی طرف توجہ دلانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

پنجاب میں اردو میں شیرانی صاحب نے اردو کو الف کی۔ اور برج کو واو کی زبان قرار دیا ہے۔ یہ ایک صوتیاتی شناخت ہے جس میں شیرانی صاحب سے سہو ہوا ہے۔ اردو بے شک الف کی زبان ہے جیسا لفظ گھوڑا سے ظاہر ہے، لیکن واؤ کی زبان سندھی ہے جس میں گھوڑے کو گھوڑو کہتے ہیں۔ برج واؤ کی زبان نہیں ہے بلکہ اس میں الف اور واؤ کی درمیانی آواز ہے۔

اردو میں	گھوڑا	GHORA
سندھی میں	گھوڑو	GHORO
برج میں	گھوڑَو	GHORAU

یہاں گریرسن سے بھی سہو ہوا ہے اس نے اسے پنجابی کا اثر بتایا ہے "AO" اور "O" کی آواز بھا ہے اور اسے اس طرح لکھا ہے: GHORAW گویا گریرسن نے آواز تو تقریباً برج

کی ادا کر دی ہے مگر اسے "O" کی آواز بھی کہا ہے جو غلط ہے، پنجابی میں "O" کی آواز تو ہے لیکن "AW" یا "AU" کی آواز نہیں ہے۔ یہ خاص برج کی آواز ہے اور اسے لفظ "کون" کے زبر کی آواز سے ممتاز کرنا ضروری ہے کیوں کہ یہ بحث اسما سے متعلق ہے۔

اس باب میں جائزہ لسانیات ہند، گریرسن مستشرقین اور اردو، برج بھاشا کا اردو سے تعلق اور پنجاب میں اردو کے ناقدین، خاص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔

دوسرا باب شیرانی صاحب کے تحقیقی طریق کار سے متعلق ہے اور تیسرا باب ان کے تحقیقی کارناموں سے تعلق رکھتا ہے جس میں دبستان گجرات، دبستان دکن، شمالی ہند میں اردو، دبستان ہریانہ، دبستان پنجاب اور دبستان راجپوتانہ تحقیق کی خاص دریافتیں ہیں جن تک اردو ادب کے کسی محقق کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

شیرانی صاحب کے تحقیقی کارنامے اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا دشوار تھا مگر ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے بڑی کاوش اور لگن سے اس طرح ایک لڑی میں پرو کر پیش کیا ہے گویا وہ کوئی بہت آسان کام تھا۔ اس ضمن میں تنقید آبِ حیات اور دیوان ذوق بہت دلچسپ عنوان ہے اور شیرانی صاحب کے بعد بہتوں نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے مگر اعتراف کم ہی کیا ہے۔ مولانا آزاد کی کوتاہیوں کو آبِ حیات کے حوالے سے شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کل چوبیس (۲۴) عنوانات قائم کیے ہیں اس باب کا یہ حصہ شیرانی صاحب کے بعد آبِ حیات کے ناقدین پر ختم ہوتا ہے اس کے بعد فارسی شاعری کی قدامت اور تنقید شعرا العجم ہے اس میں اہم عنوانات شامل ہیں۔ اسی طرح فردوسی کے شاہنامے پر تنقید و تحقیق ہے جس میں سولہ (۱۶) عنوانات آئے ہیں۔

آخری باب شیرانی اور تدوین متن پر ہے جس میں چھے عنوانات ہیں۔ تنسیخِ متن کے تحت ۸ عنوانات ہیں یہ تنسیخِ متن سے متعلق ہیں۔ پھر تالیف متن کے تحت دس عنوانات ہیں۔ آخر [illegible] متن سے متعلق دس عنوانات ہیں۔ اس طرح یہ کتاب حافظ محمود شیرانی مرحوم کے اہم کام کے ایک حصے پر سیر حاصل بحث کرتی ہے اور ان کے کام کی اہمیت اور عظمت کو [illegible] لاتی ہے۔ بلاشبہ یہ اہل علم کے لیے ایک بیش بہا [illegible] ہے اور ان کی نظریں اس کتاب کے دوسرے حصے پر لگی ہوئی ہیں۔

مخطوطات

فہرست ذخیرۂ مخطوطات
ڈُکتر نبی بخش خاں بلوچ

مخزونہ سندھ آرکائیوز کراچی

فہرست نگار
سیّد خضر نوشاہی

پیش لفظ

یہ کام خاصی مدت کی تحقیق و تفتیش کے بعد اتمام کو پہنچا ہے۔ جس ترتیب سے مخطوطات متعلقہ آرکائیوز میں رکھے گئے ہیں ان کے حوالے بھی دے دیے گئے ہیں۔

اس کیٹلاگ کا متن میں نے فارسی میں مُرتّب کیا ہے کیونکہ زیادہ تر مخطوطات فارسی زبان میں ہیں۔ فارسی میں شائع ہونے سے ایران، افغانستان اور تاجکستان وغیرہ میں بھی اس کو پڑھا جائے گا اور اس سے استفادہ کیا جا سکے گا۔ اس طرح سندھ آرکائیوز کو پاکستان کے علاوہ دیگر تمام ایسے ممالک میں بھی متعارف کرایا جا سکے گا جہاں کی زبان فارسی ہے۔

سید خضر نوشاہی

بخشِ اوّل

نسخه‌های خطّی عربی

○ ابوالمکارم، الجزء الاول من کتاب ... (فقہ)

از ناشناس۔

آغاز: نحمدک یامن شرع لنا احکام الدین القویم و ھدانا بفضلہ العمیم الی صراط المستقیم ... و بعد فان المختصر الذی الفہ الامام الھمام صدر الشریعۃ والاسلام اعلی اللہ تعالی مقامہ

۵۷۔ نسخ خفی مجدول، قرن ۱۱ھ، عنوان و نشان شنگرف، ۲۹۹ گ ۲۱۰ س، در آنجا کہ تاریخ کتابت درج شدہ بود کاغذ افتادہ است، فقط این قدر ماندہ است "فی رجب المرجب من شہور سنہ سبع"۔

○ ایساغوجی (منطق)

از اثیر الدین مفضل بن عمر الابہری (م در حدود ۷۰۰ھ / ۱۳۰۰م)

کتاب معروف در علم منطق است:

آغاز: قال الشیخ الامام العلام افضل المتاخرین قدوۃ الحکماء الراسخین اثیر الدین الابہری ... اما بعد فھذا رسالۃ فی المنطق اوردنا فیھا مایجب استحضارہ ... ایساغوجی۔

[ن.ک: کشف الظنون ۱: ۲۰۶]

۲۴۔ نسخ، نام کاتب محو شدہ است۔ قرن ۱۳ھ، با مہر "بود نور چشم محمد حسن ۱۲۶۱ھ" کرم خوردہ، ۱۴ گ۔

○ بشارت الحبیب فی فضل الغریب (حدیث)

از عبدالوہاب بن ولی اللہ از کتاب الجامع الکبیر تالیف علی بن حسام الدین متقی استخراج کردہ است۔ (ن.ک آغاز)

آغاز : الحمد لله الذی جعل الغربة وسیلة الیٰ نیل القربات و منهج الغربا بفضله کمال الدرجات ... اما بعد فیقول ... عبدالوهاب بن ولی الله هذا نبذة منه الاحادیث فی فضل الغرباء جمعتها من کتاب الجامع الکبیر للشیخ فارق با الله علی بن حسام الدین اشهر بن متقی قدس سره و سمیتها بشارة الحبیب فی فضل الغریب۔

۳۴۔ نستعلیق۔ (عبدالله بن مخدوم ابراہیم دلهاری ۱۲۶۲۰ھ) ۰ ش ۳ در مجموعه ۳۰ گ۔

○ تجهیز الجنازه لفوز السعادة (فقه)

از حامد بن کمال الدّین بن صلاح الدّین بوبکانی ۔ ۱۰۹۹ھ / ۱۶۸۸م (خاتمه) درمسایل فقهی در باره تجهیز و تکفین

آغاز : الحمد لله الذی سور البریه، سور البریه فی حیاء اثنین والا مامة اثنین
[در منابع در دسترس نامی بدین کتاب بدست نیامده است]

۲۔ نسخ۔ قرن ۱۳ھ۔ شاه محمد بن ملا الوا بن نائی ۔ عنوانها نانویس ۔ شمارهٔ دوم در مجموعه

○ تحفة المحبین فی شرح الاربعین (حدیث)

از محمد حیات سندی ثم المدنی۔ شرح چهل حدیث نودی۔ ن۔ ک

آغاز : الحمد لله حمد ایلیق (کذا) والصلوة والسلام علی حبیبه وآله وصحبه اما بعد فهذا شرح لطیف علی الاربعین الاحادیث التی جمعها الامام الفقیه محی الدین ابو زکریا یحیی بن شرف النووی الشافعی الزاهد الورع ۔ الحدیث الاول عن امیر المومنین عمر بن الخطاب۔

۵۳ ۔ نسخ۔ قرن ۱۲ھ عنوان و نشان شنگرف ۔ ناقص الآخر ۲۹۰ و ۱۹۰ س ۔

○ تذکرة الصوفیه ناشناخته

تذکره ایست صوفیه ناقص الطرفین

آغاز (افتاده از حرف حاء) وکان فاعل قال فی قوله فاخبرت و فاعل قال فی قوله قال وکان والله۔

۱۳۔ نستعلیق معمولی۔ قرن ۱۲ھ۔ برگهای پراگنده بی ترتیب
ترجمه درہم الکیس

درہم الکیس از حامد بن کمال الدین البوبکانی (ن ۰ ک درہم الکیس در ہمین فہرست)
فارسی متن ـ ترجمہ از ناشناس
آغاز : الحمد لله ... اما بعد چون بر بعضی مبتدیان بنابر عدم علم ... بعبارت تازی فہم معانی و ادراک مسائل درهم الکیس ـ
[در منابع در دسترس این ترجمہ را نیافتم]ـ
۷ـ نسخ ـ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان و نشان شنگرف ـ شمارہ ۸ در مجموعہ ـ ۱۸ گ ـ

○ تفسیر ناشناختہ

تفسیر قرآن است ناقص الطرفین، تفسیر سورہ ہای والعلق، انشقاق، البروج، الطارق، الاعلیٰ
آغاز : مباحثہ لاخرج علی من از بکہا فشاملہ و کذالک حکم الہی
۵ـ نسخ ۰ آیات قرآنی شنگرف ۰ قرن ۱۱ھ ۰ ۱۸ گ ـ

○ کتاب التوضیح فی حلّ غوامض التنقیح (فقہ)

از عبید اللہ بن مسعود تاج الشریعہ ـ شرح کتاب التنقیح است ـ
آغاز : حامد الله تعالیٰ اولا و ثانیا و لعنان الثناء الیه ثانیا و علی افضل رسله مصلیا و فی حلة الصلوات مجلیا و مصلیا و بعد فان العبد المتوسل الی الله با قوی الذریعه عبید الله بن مسعود تاج الشریعه
۹۵ـ نسخ ۰ قرن ۱۲ھ ۰ ۱۳۶۰ ق ۰ ۱۹۰ س ۰ با دو مہر
۱ـ "حبیب اللہ عفی عنہ" ۲ـ "عبدالغنی"

○ تہذیب المنطق

از سعد الدّین مسعود تفتازانی (م ۷۹۲ھ / ۱۳۸۹م) در سال ۷۸۹ھ / ۱۳۸۷م در دو قسمت نگاشتہ است
۱ـ در منطق ، ۲ـ در کلام
آغاز : الحمد لله الذی هدینا سواء الطریق و جعل لنا التوفیق خیر رفیق ... و بعد فهذا غایة تهذیب الکلام فی تحریر المنطق والکلام
[ان ک : موزہ : ۱۳۶ بحوالہ کشف الظنون ۱ : ۵۱۵]
۲۹ـ نسخ خوش ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان و نشان شنگرف ۰ بامہر ـ بود نور چشم محمد حسن ۱۲۶۱ھ ۰ ش ۲ در

مجموعہ ۹۰ گ. کرم خوردہ

• تیسیر القادر القدیر: الرسالۃ من تیسیر القادر القدیر ...

○ الجامع الصحیح: صحیح بخاری (حدیث)

از امام حافظ ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (۱۹۴ - ۲۵۶ھ / ۸۰۹-۸۶۵م) نخستین کتاب حدیث از صحاح ستہ

[ن. ک: موزہ: ۸۰۸ ـ کشف الظنون ۱: ۵۴۱]

۱۱ـ ثلث خوش معرب. احمد بن محمد بن علی بن الحسن الانصاری. قرن ۱۰ھ ۲۵۲۰ گ ۱۱ س. در آخر نسخہ یاد داشتی از ابو القاسم التونسی المالکی در ذیقعد سال نا خوانا. این نسخہ جزو الثانی و العشرین ست از صحیح البخاری تا الجز الخامس العشرین

آغاز: باب الفطر الی المراۃ قبل التراویح حدثنا مسدد قال حدثنا حماد بن زید عن ہشام عن ابیہ

۱۲ـ نسخ. عثمان بن عبداللہ تہارو بن یعقوب المتعلوی. ۵۰۰ گ. محشی.

ترقیمہ: تم ہذا القدر من صحیح بخاری الزائد علی النصف بشی علیٰ ید الفقیر عثمان بن عبداللہ الشہیر بہ تہارو بن یعقوب المتعلوی، یوم الثنین الثالث والعشرین من شہر شوال فی سنۃ السابعۃ بعد الماتین والالف [۱۲۰۷] والحمد للہ رب العالمین حمد ایوافی نعمہ ویکافی مزیدہ وصلی اللہ علیٰ سیدنا محمد و علی آلہ واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین ـ اللھم اغفرلی والوالدی ولاستاذی و لجمیع المومنین والمومنات برحمتک یا ارحم الراحمین ـ آمین

آغاز افتادہ: کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقول اللہ عزو جل انا اوحینا۔

۱۳ـ نسخ متوسط. عبدالہادی بن بیگ (محمد). وقت ضحوۃ، یوم الاثنین الثالث من شہر محرم الحرام فی مسجد القریۃ المسماۃ بہان. سنہ السابع عشر بعد الالف والماتین [۱۲۱۷ھ]، عنوانہا شنگرف.

آغاز افتادہ: قوم اہل الکتاب لغنا کل فی آیتہم۔

○ جمع الوسائل فی شرح الشمائل (سیرت)

از نور الدین بن سلطان محمد الہروی المعروف بہ ملا علی قاری المکی الحنفی. در ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹م. شمائل ترمذی را شرح کردہ است۔

آغاز: الشمائل للشیخ العلی ... ربه الباری ومن رای فیه غلطا فلیصحح غلطا.
بسم الله ... هوالثناء بالجمیل و سلام علی عباده الذین ... کذ ذکره ... ابو عیسی
[ان. ک: سرکیس: ۱۰۹۲]
۱۰- نستعلیق معمولی. سیر محمد بن بائی خان بن ابوبکر. ۱۲۲۸ھ. عنوان و نشان با شنگرف. ۹۵ گ.

○ حاشیه علی شرح عقائد نسفی (عقاید)
متن از نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد نسفی (م ۵۳۰ھ / ۱۱۳۲م) حاشیه از ناشناس. در عقاید اہلسنت و جماعت
آغاز: الحمد لله المنظر بذاته عن اشارة الاوہام المقدس بصفاته عن ادارک العقول والا فہام
۳۲- نستعلیق. قرن ۱۳ھ. برگہای پراگندہ. کرم خوردہ

○ خلاصۃ الکیدانی (فقہ)
از لطف الله نسفی کیدانی (زندہ در حدود ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴م) مسائل نماز است بر اساس فقہ حنفی
آغاز: الحمد لله ... اعلم بان العبد مبتلی بین ان یطیع الله فیثاب وبین ان.
[ان. ک: موزہ: ۸۲۰ بحوالہ: الیانف ۱: ۳۳۵]
۵۹- نسخ. عبدالعلیم. قرن ۱۳ھ. ۱۳۰ گ. محشی

○ درہم الکیس (فقہ)
از حامد بن کمال الدین الیوبکانی
آغاز: الحمد لله الذی خلق الموت والحیوة لیبلونا ایا احسن ...
۲۲- نسخ. پیر محمد ولد پریہ ساکن موضع کا مارہ. ۲۵ جمادی الثانی ۱۱۵۳ھ. با مُہر کاتب ۱۱۶۳ھ. محشی. باشرح کیدانی در مجموعہ. برگہای پراگندہ.

○ ذخیرۃ العقبیٰ حاشیہ شرح الوقایہ المشہور بہ چلپی (فقہ)
متن «وقایۃ الروایۃ فی مسایل الہدایۃ» از امام برہان الشریعۃ محمود بن صدر الشریعۃ الاول عبید الله المحبوبی الحنفی.
شرح از شمس الدین احمد بن حمزۃ المعروف بعرب چلپی (م ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳م) حاشیہ از ناشناس

آغاز : الحمد لله الذی شرح صدر الشریعه الغراء ... احکام شرعیه الحنفیه البیضا والصلوة والسلام الاکملان ... و بعد فان تکمیل النفوس الانسانیه بالفضائل القدسیه ۔

[ان : ک : کشف الظنون ۲ : ۲۰۲۳، حمانجا ۱ : ۸۲۳]

۳۶۔ نسخ ، قرن ۱۱-۱۲ھ عنوان باشنگرف ، با یا دداشتی ملکیت المخدوم عنایت اللہ ، محشی ، مجدول ، گ ، کرم خوردہ ۔

○ رسالہ امام غزالی (فقہ)

از امام غزالی (دیباچہ)

آغاز : الحمد للہ ... قال الشیخ امام حجۃ الاسلام ناصر الشریعۃ محمد بن محمد غزالی رحمہ اللہ تعالی اعلم ان کل مسلم بالغ عاقل

۱۱۶۔ نستعلیق (قربان ولد سید فخرالدین ، ۱۲۹۹ھ) ش ۳ در مجموعہ گ ۲۶ الف ۔ ۳۲

○ رسالہ در عقائد (عقاید)

از ناشناس با عنوانهای : الکلام فی ابطال مذہب الجبریہ ، ابطال مذہب القدریہ ، الباب الرابع فی النبوۃ والامامۃ وشرف الصحابہ الکلام فی عصمۃ الانبیاء ۔

آغاز : صلی الله علیه وسلم مامن مؤمن بقول صلی الله علیه وسلم الا تضر قلبه ونور

۲۶۔ نستعلیق ، مخدوم عبداللہ ولہاری ، ۱۲۹۹ھ ، نقل از نسخہ مکتوب شیخ شمس الدین کہ از روی نسخہ مولف نقل کردہ بود ۔ دربہاولپور ، ۲۲ گ ، پراگندہ ۔

○ الرسالۃ من تیسیر القادر القدیر فی تفسیر قولہ تعالی (تفسیر)

انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و نذیرا : تیسیرا القادر القدیر ...

از الشیخ ابراھیم الدموتی الشافعی ۔ نام کتاب و مصنف در کلفون آمدہ است

آغاز : الحمد لله الذی اظهر لبیان ماخفی من فهم اسرار کتابه العزیز

۱۹ ۔ نسخ ، قرن ۱۱-۱۲ھ ، عنوانہا شنگرف ، مجدول دو راہ شنگرف ۹ گ ، ۲۱۰ س ۔

○ رسالہ منظوم فی قراءت القرآن : قراءت القرآن (تجوید)

از محمد ابن الجزری

آغاز: قال محمد هو ابن الجزری
یا ذالجلال ارحم واستر واغفری
الحمد لله علی ما یسرہ
من نشر منقول حروف العشرہ

۳۹۔ نسخ۔ قرن ۱۲ھ ۲۰۰ گ۔ کرم خوردہ اما قابل استفادہ

۳۲۔ نسخ۔ محمود بن المرحوم ایوب۔ از نسخۂ مکتوبہ سراج وہاج نقل شدہ کہ در ۸۹۱ھ کتابت شدہ بود۔ آغاز (افتادہ) این نسخہ۔ من العطاء و ھو ما یکتب للغزاۃ فی الدیوان و لکل من قام بامر من امور الدین کالقاضی و امثالہ کذا فی العنایۃ باب المرتد۔ مجدول۔

○ السراجیہ: فرائض سجاوندی (فرائض)

از سراج الدین ابو طاہر محمد بن سجاوندی (م در حدود ۶۰۰ھ) در مسائل ارث از فقہ حنفی نگاشتہ است، در نسخہ ہا نام نگارندہ "محمد بن عبدالرشید سجاوندی" آمدہ است۔

آغاز: الحمد لله رب العالمین حمد الشاکرین والصلوۃ علی خیر البریہ محمد وآلہ اجمعین۔ قال رسول الله (ص) تعلموا الفرائض و علموہ الناس فانھا نصف العلم۔

[ن. ک: گنج بخش ۲: ۲۲۳۱، موزہ: ۸۳۹]۔

۲۔ نسخ۔ فقرچند۔ قرن ۱۳ھ ۳۱۰ گ، ۷ س۔

○ سلوک الطریق اذا فقد الرفیق (عرفان)

از علی بن حسام الدین متقی (برہانپور ۸۸۵ - ۹۷۵ھ / ۱۴۸۰ - ۱۵۶۷م)۔ در سلوک و پذیرا شدن موت اختیاری

آغاز: الحمد لله ... اما بعد فھذا رسالۃ سمیتھا سلوک الطریق اذا فقد الرفیق یعنی المرشد و ادنی افادتھا ان من لم یجد المسلک المرشد او الصدیق۔

[ن. ک: مشترک ۳: ۱۵۶۰، موزہ: ۲۳۳]

۳۷۔ نستعلیق۔ قرن ۱۳ھ. ش ا در مجموعہ ۳ گ۔

شافیہ (دستور زبان)

از ... عثمان بن عمر معروف بہ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ / ۱۲۴۸م) در صرف، عربی۔

نام کتاب و مؤلف در آغاز چنین آمده است - "الجز الاول من کتاب الشافیہ لابن الحاجب فی فن الصرف"۔

آغاز : الحمد لله ... و بعد فقد سالتنی من لا تسعنی مضایقة ولا توافقنی مخالفة ان الخلق۔

[ان ۰ ک : موزہ : ۳۹۱۔ سرکیس : ۸۱]

۱۵۔ نسخ ۰ قرن ۱۳ھ ۰ مجدول دو راہ شنگرف ۰ شمارہ ۳ در مجموعہ ۰ با مُہر - بود نور چشم محمد حسن ۱۲۹۱ھ" موریانہ خوردہ ۰ ۵۹ گ ۔

○ شرح ایساغوجی ; قال اقول صغیر حامل المتن (منطق)

متن از اثیر الدین الابہری ۰ شرح از حسام الدین ۰ حسن الکاتی (م ۷۶۰ھ / ۱۳۵۸م)

آغاز : الحمد لله الواجب وجوده الممتنع نظیره الممکن سواه ... اما بعد فان کتاب ... اثیر الدین ... المشهور بایساغوجی۔

[ان ۰ ک : کشف الظنون ۱ : ۲۰۶]

۲۴۔ نسخ ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان و نشان باشنگرف ۰ بامُہر - بود نور چشم محمد حسن ۱۲۹۱ھ " نام کاتب محو شدہ ۰ ۳۳ گ ۔

○ شرح الصدور بشرح حال الموتیٰ فی القبور (عقاید)

از علامہ جلال الدین سیوطی (۸۴۹-۹۱۱ھ / ۱۴۴۵ - ۱۵۰۵م)

این کتاب با شرح و تعلیق محمد حسن الحمصی از بیروت موسسۃ الایمان در سال ۱۴۰۷ھ - ۱۹۸۶م بار سوم چاپ شدہ است

آغاز : الحمد لله الذی ایقظ من شاء من سنة الغفلة و رفع من احب لقاءه الی علیین و وضع اوزاره وثقله۔

[ان ۰ ک : کتابخانہ ہا : ۳۰ "ذکرش" ۔ سرکیس : ۱۰۸۱۔ کشف الظنون ۲ : ۱۰۳۲]

○ ۔ نسخ ۰ قرن ۱۲-۱۳ھ ۰ محشی ۰ کرم خوردہ

○ ۔ نسخ ۰ (شاہ محمد بن ملا انوا بن تاتی ۰ آغاز افتادہ ۰ کرم خوردہ شمارۂ یکم در مجموعہ ۔

○ شرح فقہ الاکبر

متن از امام اعظم ابو حنیفہ ۰ نعمان بن ثابت کوئی شرح از عصمت اللہ ۔ ... زیر :

آغاز : الحمد لله الذی بدانا لاطریق السنه والجماعه بفضله العظیم

والصلواة والسلام علی رسوله وحیه محمد الذی کان علیٰ خلق عظیم وعلی اصحابه الداعین الی صراط المستقیم ۔ اما بعد فیقول العبد الضعیف المذنب ابوالمنتهی (؟) عصمة الله الکبیر الکریم عن الخطاء والمعاصی ومن الاعتقاد الفاسد العقیم ان کتاب الفقه الاکبر الذی ... الامام الاعظم۔

[ن . ک : سرکیس : ۱۰۹۳ - منح الروض الازهر فی شرح فقه الاکبر - نیز بنگرید : فهرست مخطوطات مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور جلد دوم صفحه ۱۰۰]

۳۶ ۔ نستعلیق ، قرن ۱۲ھ ، فقط ۵ برگ از ابتدا ۔

○ شرح مشاهد : الاسرار القدسیه و مطالع الانوار الحصیه (عرفان)

از شیخ محی الدین محمد بن علی المعروف به ابن عربی

شرح از ناشناس ۔ مشتمل بر اربع عشر مشهد ۔ مشهد الاول : بسمله ... قال اشهدنی الحق بمشهد نور الوجود ۔

آغاز : الحمد لله علیٰ ماجار به کنوز المعارف الالهیه وفتح ومن به من حلی الآداب الربانیه و منع واسمع اهل الفهم عنه السنة الحقایق۔

[ن . ک : کشف الظنون ۲ : ۱۶۹۱]

نسخ ، قرن ۱۱ھ عنوان و نشان شنگرف ۲۱۰ گ ۔

○ شرح المیزان (دستور زبان)

از محمد جعفر بوبکانی ۔ میزان الصرف را شرح کرده است همان نگارنده ۔ فتح دارین ۔ بنگرید در همین فهرست ۔

آغاز الحمد لله ... ان هذه حواشی متعلقه علی میزان الصرف قوله همه افعال، ای اصطلاحیة وهی عبادة عن الالفاظ التی یکون الزمان ۔

۳۹ ۔ نستعلیق و نسخ ، قرن ۱۳ھ ، عنوانها شنگرف ، با مُهر ۔ بود نور چشم محمد حسن ۱۲۶۱ھ ۲۰۰ گ تا تمام ، بر حاشیه سوال و جواب درباره دستورِ زبان ، آغاز (سوال و جواب) ۔ بسمله ... مظهر باسم گرداند بعده بزبان پاک نام باری تعالیٰ گیرد ۔

سوال بسم مشتق از کجاست ۔ جواب ۔ در اشتقاق وی اختلاف کردند بعضی میگویند که مشتق از سمو ست ۔

○ الشرح للشمہ فی المیزان (دستور زبان)

از علاء الدین منگوری کہ بخواہش محمد المعروف باز ... بن فتح خان بن صدر الدین بن طغاچی بن ... (دیباچہ) نگاشتہ است

آغاز: الحمد لله الذی تقدس من ان یوصف بالحدوث والعرض و تنزه من ان ...

۳۷ - نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ۲۵۰ گ، برگہای پراگندہ و کرم خوردہ

۳۸ - نسخہ دیگر فقط یک برگ ازان، با مہر "محمد حسن ۱۲۳۱"

○ شمائل محمدیہ (سیرت)

از عبدالرسول ابن عبدالصمد کہ خود را در دیباچہ خادم شیخ عبدالواحد بن عبدالغفور بن عبدالرحمن گفتہ است (ن. ک: آغاز)

آغاز: الحمد لله الذی اسس بناء العالمین علی النور المحمدی بناء الکائنین ولواءهم باظهار النور الاحمدی ... و بعد فیقول من الاحقر منه الفقیر عبدالرسول ابن عبدالصمد الخادم للشیخ الاعظم والاستاد الافخم ... مولانا الشیخ عبدالواحد بن عبدالغفور بن عبدالرحمن۔

۳۹ - نسخ، قرن ۱۳ھ، عنوان باشنگرف، ناقص آلاخر ۱۹۳ گ ۲۱۰ ص۔

○ غایة الکمال فی بیان افضل الاعمال: منحة الفتاح فی فضل التعلم والتعلیم

از علی بن حسام الدین متقی (ہمان نگارندہ سلوک الطریق ... بنگرید در ہمین فہرست) ہر دو نام در دیباچہ آمدہ است، ن. ک. آغاز۔

آغاز: الحمد لله الداعی عبادة الی الصراط المستقیم والهادی من یشاء الی النهج القویم ... اما بعد فیقول ... حسام الدین الشهیر بالمتقی ... هذا سمیتها باسمین احدهما " غایة الکمال " فی بیان افضل الاعمال والثانی فی منحة الفتاح فی فضل التعلم والتعلیم۔

۳۸ - نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ۳۰ گ۔

○ فتوحات مکیہ، انتخاب (عرفان)

از شیخ محی الدین ابی عبدالله محمد بن علی معروف بہ ابن عربی (م ۶۳۸ھ - ۱۲۴۰م)، انتخاب کنندہ نا معلوم۔

آغاز : الحمد لله الذی اوجد الاشیاء عن عدم ... و اوفق وجودها علی توجه کلمته تحقیق بذلک ۔

۳۴۔ نستعلیق ۔ قرن ۱۱ھ ۲۶ گ ۔

• فرائض سجاوندی : التراجیه
• قال اقول صغیر حامل المتن : شرح ایسا غوجی
• قراءت القرآن : رسالہ منظوم فی قراءت القرآن

○ قرآن مجید

آغاز : الحمد لله رب العلمین

۳۵۔ نسخ معرّب خوش ۔ قرن ۱۲۔۱۳ھ ۔ عنوان باشنگرف ۔ نسخہ کامل ۔

○ القول الانور فی بیان حکم لباس الاحمر (عقاید ۔ فقہ)

از مخدوم محمد ہاشم تتوی سندی (م ۱۱۷۴ھ / ۱۷۶۰م)

آغاز : (از دیباچہ افتادہ) : من هجرة سید الانام علیه افضل الصلوٰة و اشرف السلام ۔ القول الانور فی بیان حکم لباس الاحمر ۔

[ن ۔ ک ۔ علمای هند : ۵۳۹ ۔ حاجی ہاشم سندی ۔ مقالات الشعراء : ۸۳۱ ۔ ہاشم ۲]

۱۳۱۔ نسخ معمولی ۔ محمد ... (محوشدہ) ۔ قرن ۱۳ھ ۔ ۳۵ گ ۔

○ کنز الدقائق (فقہ)

از امام ابی البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی (م ۷۱۰ھ / ۱۳۱۰م) ۔ کتاب معروف در فقہ حنفی است ۔

آغاز : الحمد لله الذی اعز العلم فی الابصار

[ن ۔ ک : گنج بخش ۳ : ۲۲۸۳ ۔ موزہ : ۸۳۵ ۔ آذر : ۳۶۱]

۱۔ نسخ ۔ قرن ۱۳ھ ۔ بامہر ''حسام الدین ۱۲۲۸ھ'' ۲۲۳ گ ۔ محشی ۔

○ غایة التنبیه علیٰ اباطیل اہل التشیعہ (عقاید)

از عبدالرسول بن عبدالولی سندی الحنفی ۔ بروز یوم عاشورا ۱۲۰۳ھ ۔ مشتمل بر مقدمہ و فصلین و خاتمہ (دیباچہ)

آغاز : الحمد لله المتصف بالالوهیة قبل کل موجود الباق بنعت السرمدیة بعد کل محدود القدیم الذی تعالی عن مماثلته الحدثان

۲۳۔ نسخ ۰ قرن ۱۳ھ ۰ با مہر ۔ عبدالرحیم سرہندی ۲۰۰ گ ۔

○ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عرفان)

از شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم العمری الحنفی النقشبندی المحدث الدہلوی۔ (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ / ۱۷۰۳-۱۷۶۲م)

مشتمل علی وصول الطریقۃ و یتصل بہا ما استفدناہ من مشائخنا النقشبندیہ والجیلانیہ والچشتیہ ۰ با عنوانہای فصل ۔ فصل ۔

آغاز ؛ الحمد للہ الذی خلق بنی آدم ... بفیضان الانوار ۔

[ن ۰ ک ۔ علمائے ہند ۵۳۲]

۵۱۔ نستعلیق ۰ قرن ۱۳ھ ۰ ۳۲ گ ۰ کرم خوردہ

○ کتاب الفقہ ؟

از تفتازانی

آغاز افتادہ ؛ التاسع والعشرین من شعبان ... فی ثلثین الہ الیوم الثلثون او الحادی والعشرون و فی الاختیار شرح المختار

[نسخہ خیلی مہم است ۔ کاتب از اولاد نگارندہ است ن ک : زیر]

۲۰۔ نستعلیق ۰ احمد بن یحیی بن محمد بن سعد الدین تفتازانی ربیع الآخر ۹۰۰ھ ۵۰۰ گ ۲۲ س ۔

○ کیدانی (فقہ)

آغاز ؛ الحمد للہ ... اعلم بان العبد مبتلی بین ان یطیع اللہ فیثاب

۵۹۔ نسخ ۰ عبدالحلیم ۰ قرن ۱۳ھ ۰ ۱۳ گ ۰ ۶ س ۰ محشی ۔

○ مختصر ابی القاسم الرافعی (فقہ)

آغاز ؛ الحمد للہ البر الجواد الذی جلت نعمہ عن الاحصاء با لاعداد المان با للطف والارشاد ۔ الہادی الی سبیل الرشاد ... اما بعد فان الاشتغال بالعلم من افضل الطاعات و اولی ما انفقت فیہ نفایس الاوقات وقد اکثر اصحابنا رحمہم اللہ من التصنیف من المبسوطات والمختصرات و اتقن مختصر المحرر للامام ابی القاسم الرافعی رحمہ اللہ ۔

۴۸۔ نسخ خوش ۰ حسن بن بشیر الجبرتی ۰ یوم الاربع فی شہر رجب عشر من اول شہر ۱۲۸۲ھ ۰ ۳۲۱

ص ۱۸۰ س -

○ مختصر فی المیزان، شمه در علم منطق (منطق)

در کلمنون نام کتاب شمه در علم منطق و در دیباچه مختصر فی المیزان نوشته شده است

آغاز : حامدا الله تعالی و مصلیا و مسلما ... و بعد فهذا مختصر فی المیزان لا بدمنه لطالب العلم لا اتفاق -

۲۸- نسخ ، قرن ۱۳ھ ، شماره ۱ در مجموعه ، ۱۰ گ ، کرم خورده -

○ مدارک التنزیل و حقایق التاویل (تفسیر)

از امام حافظ الدین عبدالله بن احمد النسفی (م ۷۰۱ھ / ۱۳۰۱م)

آغاز (از پاره اول افتاده قبل از آیت) فاولئک اصحاب النار هم فیها خالدون

ان ، ک ، کشف الظنون ۲ : ۱۶۴۰]

۵۰ نسخ خوش ، آیات قرآنی نسخ معرب شنگرف ، جمال محمد -

○ مشاهده و طریق الوصول (عرفان)

مولف نامعلوم

مشتمل بر سه - انواع " - نوع اول طریقه الذکر

آغاز : الحمد لله ... استغفر الله العظیم الذی لااله الا هو الحی القیوم و اتوب الیه ... به ان حاصل طریقه حضرت الخواجه الکبیر الخواجه بهاؤ الدین الحق المعروف بنقشبند قدس سره -

۳۲- نسخ ، قرن ۱۲ھ ۴۰ گ -

○ کتاب منتهی الغایات شرح حدیث انما الاعمال بالنیات (حدیث)

از محمد بن محمد بن عبدالرحمن بن علی عقیلی شافعی الازهری النقشبندی در جامع الازهر در سال اثنین و سبعین و تسعمایه ۹۷۲ھ - در شرح حدیث انما الاعمال بالنیات -

آغاز ، الحمد لله العزیز العلیم و افضل الصلاة واشرف التسلیم علی سید محمد المختص بمزید التکریم -

[نسخه قدیم و مهم و از زنده - در منابع در دسترس نامش پیدا نشد]

شکسته ، بخط مولف ، ۹۸۸ھ ، ۳۸ گ

○ سفینه الفتاح فی فضل التعلم والتعلیم : غایه الکمال فی بیان افضل الاعمال

○ کتاب المنہج المبین فی شرح الاربعین للفاکہانی (حدیث)

متن از فاکہانی و شرح از تاج الدّین عمر بن علی بن سالم الاسکندری المالکی (م ۷۳۱ھ) که در یوم الاربعا سابع عشر جمادی الاولیٰ عام خمسہ و عشرین و سبعمائۃ (۷۲۵ھ/۱۳۲۴م) نگاشتہ است

آغاز: الحمد لله الذی اظہر السنته وانارها و ... البدعة و بارها و جعل ... الحدیث والعلم ... اما بعد فانه کان قد خطرلی ان اجمع اربعین حدیثا من احادیث النبی (ص)

ن.ک: کشف الظنون ۲: ۱۸۸۳

۲۴- نسخ. قرن ۱۱ھ ۱۲۰۰. گ، محشی. با مُہر «عبدالرحمن ابن حاجی بارون ۱۲۰۰ھ».

○ نصیحۃ الغافلین الی طریق الحق (عرفان)

از شیخ اکبر محی الدّین ابن عربی

۲۵- نخ. قرن ۱۰ھ. در مجموعہ رسائل یکم. خیلی مہم و نادر. با یادداشت مطالعہ شعبان بن مراد. آغاز افتادہ. الحکمۃ یا ناظر یخاطب الغیر یقول الحکمۃ فیک وہی النسائک

○ النہمہ فی الوصول الی عالی مقامات الصّدّیقین (عرفان)

از زین الدّین الخوافی متخلّص بہ وفائی (م ۹۳۰ھ / ۱۵۲۳-۲۴م) در ۸۲۱ھ (خاتمہ)، نام کتاب در آغاز آمدہ است ن.ک زیر

آغاز: من کان علی الهمه فی سلوک طریق المقربین سمی النهمته فی الوصول الی عالی مقامات الصدیقین فعلیه اربعة امور لابدمنها ولا یترق الیها الابصار، الاول ترک الدنیا ظاہراً و باطناً

ن.ک: تذکرۂ علمائے ہند (اردو ترجمہ): ۲۰۶، ہدیۃ العارفین ۵: ۲۲۸. نام این اثرش در منابع در دسترس نیامدہ است. نسخہ خیلی مہم و قدیم.

۳۱- نسخ. غرہ جمادی الاول ۸۹۹ھ. نقل من خط للشیخ الکامل زین الدین خوافی. ۵۰ گ

○ کتاب الوجوہ و النظائر فی اللفظ المتغایر (اصول تفسیر)

از ابی عبدالله الحسین بن محمّد دامغانی (آغاز و کلفنون) نام کتاب در کلفنون و دیباچہ آمدہ است

آغاز: الحمد لله الذی اوجد جمیع الکائنات و غایر بینها فی الوجود والعدم

ان . ک : الذریعه ۲۵ : ۳۰ در آنجا به همین عنوان کتابی چنین آمده است . « کتاب الوجوه والنظائر » از ابی الحسن دارم بن قبیصة بن نهشل ابن مجمع التمیمی الدارمی من اصحاب الرضا . کشف الظنون ۲ : ۲۰۰۱]

۷۰۵ . نسخ . مصطفیٰ . ۱۱۱۹ھ . با یاد داشتی محمد معز بن ابوالمعالی نصر پوری . با مهر « عبده ۱۱۰۵ » . مهر دیگر نا خوانا . عنوانها شنگرف . کرم خورده . برگها پراگنده . ۱۲۰ گ .

بخشِ دوم

نسخه‌های خطّی فارسی

، آداب تعلیم و متعلم ـ تعلیم متعلمین

○ آئینۀ اسکندری (منظوم)

از امیر خسرو دہلوی در سال ۶۹۹ھ ـ ۱۲۹۹ء / ۱۳۰۰م سروده است ، چهارمین مثنوی خمسۀ اوست۔

آغاز (۵ برگ افتاده) : چناں کرد ہر شاخ قرب آشیان
که خود ہم نگنجید اندر میان

[ن ، ک : آذر ؛ ۲۳۲ـ موزه ؛ ۵۳۰ـ مشترک ۲ ـ (۱) ؛ ۳۲۸]

۲۰ـ نستعلیق خوش ، محمد رفیع ولد شیخ عبدالسلام سکنۀ ملتان بیرون پاک دروازه ، بجهت نور چشم ملا محمد اشرف و اولادش ، ۲۰ رجب ۱۱۲۸ھ ، ۵ جلوس فرخ سیر ، ۱۳۹ گ ، ۱۵ س ، با مهر های ـ ۱ـ "اشرف شدم از نام محمد ۱۱۵۲" ـ ۲ـ "محمد اشرف" ـ ۳ـ "محمد رفیع ۱۱۲۷ھ" ـ ۴ـ "عطا محمد" ـ

○ ادویۀ مجربه (طب)

بی دیباچه ، نام نگارنده در نسخه نیامده است ، در خاتمه نام کتاب چنین آمده است "تمام شد نسخه جات ادویات مجربه" با عنوانهای در معالجات چشم ، معالجات سرفه و ضیق النفس و معده و جگر ، معالجات حبس ، امساک ، قوة باه ، و علاج های بدن انسانی ، نسخه های مجربه ـ

آغاز : در معالجات چشم ، کحل ، جهت خیالات و حول و دمعه و سوزش چشم و شب کوری و ضعف بصر واز دور دیدن ـ

۱۷ـ نستعلیق ، ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۰۱ھ ، عنوانها قرمز ۲۰۱ گ ـ

○ ارشاد الطالبین ـ انشای برکرن (انشاء)

از برکرن بن متهرا داس کنبوه ملتانی ، از منشیان روزگار جهانگیر پادشاه (۱۰۱۴ـ ۱۰۳۷ھ) به

خواہش دوستان میان سالهای ۳۲-۱۰۳۱ھ / ۲۳-۱۶۲۲م نگاشته است.

در هفت "باب"

آغاز: بعد از حمد و ثنای مر حضرت ایزد متعال ذوالجلال والافضال...

ان. ک: آذر: ۱۳۲. مشترک ۵: ۳۹. موزه: ۲۰۵

۹۲۔ نستعلیق، عبدالمومن برای خواندن حافظ عبدالواحد، ۲۸ ربیع الثانی ۱۱۹۹ھ. عنوانها شنگرف، بامُهر عبدالرزاق مورخ ۱۲۱۱ھ. شماره ۲ در مجموعه ۳۰۰ گ.

اساس المصلی (فقه)

از بدر رکن مذکر سندی. که آن را از کتابهای معتبر مانند صلاة مسعودی و صلاة بارچین و ترغیب الصلوة و عمدة المصلی و کیدانی و کافی و کشافی گزیده و اختصار کرده است.

در دو باب و هر باب در چند فصل

آغاز: الحمد لله ... بدانکه اسعدک الله تعالی فی الدارین که در فتاوی کبیری و ناصری و فتاوی شبابی و صلوة مسعودی.

ان. ک: گنج بخش ۳: ۲۱۴۳. موزه: ۸۱۲. پاکستان میں فارسی ۳: ۱۸۲۸

۶۔ نسخ، قرن ۱۳ھ عنوان و نشان باشنگرف.

شماره ۶ در مجموعه ۱۸۰ گ.

۶۸۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، بامُهر "محمد قاسم عفی عنه"

در مجموعه شماره یکم. نسخه کامل.

اسامی الادویه (طب)

از عبدالفتاح مخاطب به خواجه عبدالله تمکین حمان نگارنده ... الغذیه ... بنگرید در همین فهرست.

آغاز: باب الالف آجاص یعنی الوا قحوان. ع ف. بالونه کومی افنتین م بدلش صبر نجاسف که به هندی بو باد زان گویند

[در منابع در دسترس تاکنون از این کارش بدست نیامده است]

۴۳۔ نستعلیق، عبدالرحمن ولد مرحوم نعمت الله. ۵ ربیع الثانی ۱۱۶۰ھ در چوند متصل احمد آباد، ش ۴ در مجموعه ۸۰ گ.

○ اسکندر نامه : شرف نامه (منظوم)

از نظامی گنجوی

ان . ک: مشترک ۰ : ۱۰۰، آذر : ۲۳۳، موزه : ۵۹۲ ـ ہمدرد : ۱۲۵ . نیز بنگرید به شرفنامه تصحیح وحید دستگردی چاپ تہران؛

۲۷ـ نستعلیق . قرن ۱۳ھ ناقص الطرفین ـ جای عنوانها خالی مانده است .

آغاز افتاده ماں زندگی آتش تیز سوز ـ بر افروخته شاه گیتی فروز .

۱۱۹ گ ـ ۱۲ س

۲۰ـ نستعلیق عمده . قرن ۱۱ھ آغاز افتاده . چنان کرد بر شاخ قرب آشیان . که خود هم نگنجید اندر میان . ناقص الآخر گ ۵ ـ ۱۵۳ مانده است .

○ اکبر نامه (منظوم) (تاریخ . منظوم)

از ملا حمید الله کشمیری متخلص به حمید (م ۱۲۶۳ھ / ۱۸۴۰م) در سال ۱۲۴۰ھ / ۱۸۳۴م سروده است . در وقایع جنگ میان افغانان و انگلیسیان

آغاز خدایا جهاندار اکبر توئی

کرم گستر و بنده پرور توئی

ان . ک : آذر : ۳۹۹ ـ ۲۰۳، ۴۰۳ ـ منزوی ۳ : ۲۶۳۵ و ۲۵۸۹ . گنج بخش ۳ : ۲۰۳۲ .

شیرانی ۱ : ۵۸ ـ مشترک ۸ : ۲۰۹ و ۲۳۱ .

۵۷ـ نستعلیق . قرن ۱۳ھ . عنوانها شنگرف . نسخه کامل .

انتخاب لب لباب . نی نامه شرح دو بیت مثنوی : نائیه (عرفان)

گزارش دو بیت سر آغاز مثنوی مولوی . از عبدالرحمن جامی (۸۱۷ـ۸۹۸ھ / ۱۴۱۴ـ۱۴۹۲م)

آغاز : عشق جز نائی و ما جز نی ـ ایم

او دمی بی ما و ما بی وی ـ نه ایم

.... این سطریست چند بعضی منثور (کذا) و بعضی منظوم بقلم صدق نیت و خلوص طویت مرقوم در بیان معنی نی و حکایت دو بیت دی که در مفتح مثنوی مولوی که کاشف اسرار معنویست . وقوع یافته

ان . ک : مشترک ۳ : ۱۹۳۵، ۶ : ۲۳۰]

۲ـ نستعلیق : (۱۲۲۱ھ) ضمن ۸ـ۱۲ دیوان میر " : ۵ گ .

○ انشای ابری (انشا)

از ابراهیم بن نصر الله بن عبدالکریم احمدی سیوستانی، متخلص به ابری، از پایان سدهٔ دوازدهم و آغاز سیزدهم هجری

برای شاگردان خود، بنام "انشای ابری" به سال ۱۲۰۳ھ / ۹۰-۱۷۸۹م (چو از تاریخ ابری پرسی احوال، هزار و دو صد و چارش بود سال) در پنج "فصل" نگاشته است (دیباچه)

فصل ۱: نامه به عزیزان و خویشان

۲: به یاران دوستی نشان

۳: پروانجات و برزجات

۴: دستکات کار و دستکات طلب سه کاری (دولتی)

۵: عرائض به خوانین و بزرگان

آغاز: حمد و ثنا سپاس متکاثر، مر خالق هژده عالم و رازق اصناف امم را سزد که انشای هر ممکن دلیل است.

ان. ک: مشترک ۵: ۳۵۵، موزه: ۳۰۰، همدرد: ۱۰۱

۸-۶۸ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ۹۸ گ، پس ازین چهار برگ از انشای "مجموعهٔ فضائل"

۱۲۰- نستعلیق ۱۲۳۲ھ، کرم خورده

۲۷- نستعلیق، نوشتهٔ شیخ محمد رضا ولد شیخ محمد اعظم صدیقی قرن ۱۳، مجدول، عنوانها شنگرف ۸۳ ص

• انشای ابوالفضل: مکاتبات علامی

• انشای بیدل: رقعات بیدل

• انشای عبدالرؤف، گلدستهٔ نورس بهار

○ انشای عطارد (انشا)

از شیوک رام متخلص به عطارد از سرایندگان سدهٔ دوازدهم هجری. پسرش الهرای در ۱۲۱۱ھ ترتیب داده است. در دیباچه میگوید:

- الهرای از قوم اروژه مسودات پدر خود منشی شیوکرام راکه ملازم بود در زمان میان غلام شاه خان و محمد سرفراز خان بتوسل دولت میر بجار خان تالپر، اگرچه زیاد ازین بودند این هم بتلاش و تردد بهم رسیده است، آن را ... مجموعه کرده واقعه ماه ربیع الاول ۱۲۱۱ھ ... ترتیب داده باسم انشا.

عطارد ... موسوم و مشهور ساخت "

آغاز : بعد از حمد فرازنده چرخ کبود و طرازنده اقلیم وجود که بقدرت کامله صورت انسانی را از کتم عدم بعرصهٔ ایجاد جلوه گر ساخته

ان . ک : مشترک ۵ : ۳۵۲۰ ، مقالات الشعراء : ۸۸۳

۱۰۲ . نستعلیق شکسته آمیز . شیوک رانی بنت شیوک رام : ۲ ماه ذیحجه ۱۲۳۸ ه . واقعه قصبه لارکانه (سند) . ۳۰ گ . ۱۵ س . نسخهٔ مهم و نادر است . چون پسر نگارنده ترتیب داده است و دختر نگارنده کتابت کرده است

• انشای فایق : دستور الانشا .

○ انشاء فردوس (انشا .)

از حاجی پیر بخش بن راضی خان جویه (دیباچه)

آغاز : در معرض (ابا .) سگالش (فکر کردن) حمد آفرین در آمدن بسان من ناکسان بخشش کاغذ از دریای آب و آتش گذشتن و گنجشک بال بسته را بهوای شاخچه سدرة المنتهی از بسیط غبرا (زمین) برجستن است ... که سالک طریق نادانی و بیهودهٔ افکار عصیان حاجی پیر بخش بن راضی خان جویه عمری است .

[در منابع در دسترس نامی ازین انشا بدست نیامده است]

۸۳ . نستعلیق . قاضی خدا بخش بفرمایش نور محمد پیشکار وزیر ریاست خیرپور . ۱۸ رجب ۱۲۰ هجریه (کذا) . عنوانها شنگرف . ۱۰۰ گ .

ترقیمه : تمام شد کار من نظام شد ردی ابلیس مردود سیه شد . مسمی انشای فردوس سراسر مغز و هوش بعون الله تعالی بتاریخ هژدهم شهر رجب المرجب ۱۲۰ هجریه (کذا) مقدسه معلی حسب الفرمایش و اقتضای جناب فقیر انتساب قاضی صاحب برگزیده درگاه احد جناب قاضی نور محمد پیشکار وزیر صاحب بهادر ریاست دارالسرور خیرپور . از ید احقر العباد راجی الی الرحمت الهی قاضی خدا بخش معلم مدرسهٔ لقمان تعلقه خیرپور صورت تحریر یافت . نوشته بماند سیه بر سفید . نویسنده را نیست فردا امید .

• انشای حرکرن : ارشاد الطالبین .

○ اوراد و وظائف (اوراد)

اوراد و وظائف و نود و نه نام رسول خدا و حزب البحر و نقشه های مزار با و جز آنها ، نام نگارنده ناشناخته است .

آغاز : (بی دیباچه) اللهم صلی وسلم علیٰ من اسمه محمد . احد . حامد . محمود . احید . وحید .

۶۵ـ نسخ ، محمّد مقیم بن محمد عارف ساکن آستان مخدوم قلندر (سیوون شریف) ۸ شعبان ۱۲۱۳ھ ، بروز خمیس ، برای میر جام فیروز خان تالپور، مجدول .

○ **بازنامه** (جانور شناسی)

از احمد جامی ترخان ، در ۹۱ « باب » نگاشته است .

آغاز : صد هزار شکر و سپاس حضرت آفریدگاری را که عالم بی علّت علمی که بحکمتِ بالغه و قدرتِ کاملهٔ خلعت احسن التقویم .

[ن . ک : مشترک ۱ : ۳۹۹ تا ۴۰۴ که چندین نسخه بدین نام ، امّا نسخه‌ها از آنها جدا ست]

۲۰ـ نستعلیق ، ۳ شعبان ۱۲۲۰ھ ، پس از دولت نامه ۳۲ گ .

• باز نامه : دولت نامه

○ **باه نامه** (طب)

از محمّد بن ملک برهان الدّین حسین خان عادل شاه (دیباچه) از کتابهای : طبّ شمائی وطبّ بقراط و طبّ شمسی استفاده کرده است با سربند های « باب » بی شماره .

آغاز : سپاس و ستائش مرآفریدگار حق تعالیٰ را که بدن انسان را ... داروهای قوة ... بقول حکماء صادق آزموده و تجربه کرده بعد ازان نوشته شده ،

[ن . ک : مشترک ۱ : ۳۹۵]

۲۵ـ نستعلیق شکسته آمیز ، قرن ۱۳ھ ، ۲۲۰ گ ، با مُهر « بود نور چشم محمد حسن ۱۲۶۱ھ » ، کرم خورده ،

○ **باقیات الصالحات** (تذکره)

از مخدوم محمّد باشم تتوی ؟ در دیباچهٔ نسخه نام نگارنده نیامده است . آقای عارف نوشاہی در فهرست موزه : ۶۶ ، و در پاکستان میں فارسی ۳ : ۸۰۸ ، و در فهرست مشترک ۱ : ۲۹۲ کتاب « باقیات الصالحات فی ذکر الازواج الطّاهرات » را از مخدوم محمّد باشم تتوی نوشته است که در ۱۱۳۶ھ / ۱۷۳۵ء تالیف کرد ، در نسخه‌ها نام این کتاب بدینگونه آمده است . ن . ک : آغاز .

آغاز : الحمد لله ... این رساله ایست که نام وی الباقیات الصالحات فیما یمنی عن النبین و تعیین علی البنات والاخوات ... نهاده شد . و این مشتمل بر دو " فصل " .

ان ۰ ک : موزه : ۸۶۶ ـ مشترک ۱۰ : ۲۹۲ ۱۲۰ : ۱۹۵۵ پاکستان میں فارسی ۳ : ۸۰۸ ـ تکملہ ۳۴ و ۵۲ ـ فہرست تالیفاتش]

۴ـ نستعلیق ۰ قربان ولد سیّد فخرالدین ۰ ۱۰ صفر ۱۲۶۹ھ ۰ ش ۳ در مجموعہ گ ۳۳ـ۳۸ ۰ پس ازین استفتاء در مسایل کہ بجواب مخدوم مرحوم میاں عبدالباقی رسیدہ ۰ آنکہ در بیع فاسد چون طرفین رضامند شدہ نقل از بیاض مخدوم یونس مفتی ٹھٹہ و مخدوم آدم مدرسہ ٹھٹہ (سندھ)

○ بحرالمعانی، مکتوبات محمّد بن جعفر (عرفان ۰ انشاء)

از محمّد بن نصیر الدین جعفر قریشی عقیلی (مکّی حسنی) (م ۸۹۱ھ / ۱۳۸۶م) مرید و خلیفۂ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی ۰ در سالہای ۲۳ـ۸۲۵ھ / ۲۲ـ۱۴۲۱م نگاشتہ است ۰ مجموعہ ۳۶ نامہ عرفانی اوست کہ برای ملک محمود شیخن می نگاشتہ است

آغاز: آنخدایی که انگبین شیرین نوش از فواره تلخ نیش زنبور بقدرت خویش چکاند ... اما بعد فیقول محمد ابن نصیر الدین جعفر المکی الحسینی ... بحر المعانی ـ

[ان ۰ ک : موزہ : ۲۰۳ـ مشترک ۳ : ۱۳۱۵ـ مشترک ۵ : ۹۰۳]

۷۸ـ نستعلیق ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان و نشان شنگرف ۰ ۱۳۳ و ـ

۳۷ـ نستعلیق ۰ فتح الدین ۵ رمضان المبارک ۱۲۲۴ھ ۰

آغاز افتادہ: شیخ اسماعیل بیست سوم شیخ موسیٰ علی و بیست و چہارم شیخ بہانوری و بیست و پنجم قطب حیدر ۰

○ بہارِ دانش (داستان ۰ ادب)

از عنایت اللہ کنبوہ لاہوری ـ (برہانپور ۸۲ـ۱۰۱۸ھ / ۱۶۰۸ ـ ۱۶۷۱م) در ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱م بہ انجام رساندہ است ـ

آغاز (افتادہ): عزیزان گزارش می باید پوشیدہ مبادکہ پیش ازین بیست سال بندہ ذرہ مثال بعنوان لشکریان ... میکرد ـ

[ان ۰ ک : مشترک ۶ـ۱۰۰۹ـ موزہ : ۱۸۳ ـ آذر : ۲۱۳ـ موزہ : ۹۶۱]

۷۴ـ نستعلیق ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوانہا شنگرف ناقص الطرفین در نسخہ نام کتاب ناشناختہ ماندہ است ۰ آب دیدہ ۱۵۱۰ ۰ گ ۱۹۰ س ـ

○ بیاض امید علی (چند دانشی)

از امید علی نقشبندی بالائی متخلص سها ؟، در ۲۵ ربیع الثانی ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۸م نگاشته است۔

دارای: انتخاب مثنوی مولوی، مخمس مخدوم جهانیان، حلیهٔ شریف پیغمبر (ص)، حلیهٔ شریف حضرت غوث اعظم، طریق دعوت ثلاثی دعای اعتصام حزب البحر، ترجمه و شرح قصیدهٔ برده شریف (منظوم، فارسی) آغاز۔ امن تذکر ...

ای ز یاد کردن همسایگان ذی سلم
ریختی تو اشک را کز دیده جاری شدہ دم
آیا ز یاد کردن همسایها خویش
در ذی سلم شدی تو چنین زار و سینه ریش

دعوت سورهٔ فاتحه، تعویذات و عملیات، مکتوب حضرت غوث صمدانی و جز آنها

۹۳۔ نستعلیق در فارسی ها و نسخ در عربی ها، امید علی بالائی نگارندہ بیاض، ۱۲۶۵ھ، خوش، مجدول۔ کمند بندی، ۱۰٫۵۰ گ، با مُہر "بجان و دل غلام خواجه معصوم بفضل الله عبدالله قیوم ۱۲۵۶ھ" مُہر دیگر "حافظ علی اکبر"، با یادداشت ملکیت حافظ علی اکبر بن اخوند محمد قاسم بن اخوند میر محمد سانوئی بن اخوند عزیز الله قریشی عقیلی۔

○ بیاض صغیر (چند دانشی)

دارای: مخاطبات الملوک (عربی)، مسایل فقه (عربی)، انتخاب از کلام غنیمت و حافظ شیرازی بخط شکسته خفی، ادعیه، وکالت نامه (عربی) خطبهٔ نکاح، پیش گوئی قرآن مجید، تحقیق معجزهٔ شق القمر (عربی)، ۳۰۰ معجزهٔ رسول کریم (عربی)، اثبات النبوة، نقل از مرج البحرین شیخ عبدالحق محدث دهلوی و جز آنها

۹۶۔ نستعلیق شکسته آمیز، قرن ۱۳ھ، ۱۱۶۰ و۔

○ بیاض غیاثیه (طب)

از خلیفه محمد ابراهیم حکیم شکارپوری، در ۲۳ "باب" و هر باب در چند "فصل" است۔ فهرست باب ها در آغاز نسخه نوشته شده است و در آغاز فهرست آمده است۔ فهرست کتاب بیاض غیاث (نه غیاثیه) که اوستادان کامل هنر و حکیمان خرد پرور و نسخها هر مرض آزموده و تجربه آورده می نوشتند تاکه بیاض معتبر گردیده و نیز درین بیاض غیاث (کذا) نسخها عجیب و غریب است و آزموده شده و اگر کسی مرض فسیده را بطور صحیح استعمال کند خطا نشود و مفید گردد۔

باب ها: ۱۔ دربیان معرفت اخلاط چہارگانہ ۲۔ دربیان امراض راس ۳۔ امراض چشم، ۴۔ امراض گوش ۵۔ امراض انف یعنی بینی ۱۰۔ امراض قلب ۲۰۔ امراض ظہر یعنی پشت و اطراف یعنی دست و پای و مفاصل بندھا وغیرہ ۲۴۔ در دفع زہر جانوران، مار، کژدم و جزآنہا۔

آغاز: الوف الوف حمد و سپاس حکیم مطلق و حاذق برحق که به حکمت بالغه و قدرت کامله خویش ارکان و امزجه و اخلاط در وجود بر ممکنات و محسوسات ترکیب داده ... اما بعد این رساله ایست در بیان طب عملی موسوم باسم غیاثه برای افاده خلق الله تالیف نمود۔

[ن۔ ک: مشترک: ۵۱۰]

۴۹۔ نستعلیق، امان الله خلف میان ہدایت الله سکنہ شکارپور، یوم الخمیس ۱۹ جمادی الاول ۱۳۰۰ھ، عنوانہا شنگرف، ۲۲۰ ص، ۱۹ س، در این نسخہ نام کتاب "بیاض غیاثہ" آمدہ است۔

○ بیاض فقہی (فقہ)

متفرق مسایل فقہ از دیدگاہ اہل تسنن از مخدوم محمد ہاشم تتوی، مخدوم عبدالواحد سیوستانی، مخدوم احمد و جزآنہا، از روی کتابہا۔ جامع الرموز، عین الفقہا، جواہر الفقہ، کشف الرموز، خلاصۃ الفقہ و جزآنہا۔

آغاز (افتادہ): و یصوم النہار ویتسب الی الصلاح والعبادۃ

۵۰۔ نستعلیق و نسخ، چلیپا، سدہ ۱۲-۱۳ھ، برگہای پراگندہ۔

○ بیاض منظوم (منظومہ)

منتخب شعرہای فارسی از احمد، قطعات تاریخ وفات و ولادت و جزآنہا۔

۵۱۔ نستعلیق، چلیپا، قرن ۱۲-۱۳ھ، برگہای پراگندہ۔

○ بیسرنامہ (منظومہ)

از عطار تونی سرایندہ سدہ ۸ ہجری۔ ہمان نگارندہ: ۱۔ ترجمۃ الاحادیث یا مواعظ ۲۔ شترنامہ، ۳۔ بلبل نامہ، ۴۔ بیسرنامہ، ۵۔ جواہر الذات، ۶۔ خیاط نامہ، ۷۔ سی فصل، ۸۔ لسان الغیب، ۹۔ مظہر العجائب، ۱۰۔ حلاج نامہ، ۱۱۔ وصلت نامہ، ۱۲۔ کنز الحقائق، ۱۳۔ گل وہرمز، ۱۴۔ معراج نامہ۔

آغاز: (نسخہ ما) من ترا دانم ترا دانم ترا

خود ترا کی غیر باشد ای خدا

[ن۔ ک: مشترک ۲: ۱۰۰۹۔ منزوی: ۵۵۲]

۲۔ نستعلیق ، (۱۲۲۱ھ) ، مجدول ، همراه دیوان میر در همان مجموعه و در همان خط ، گ ، ب ۔ ۱۳ ؛ ناقص الاخر

۳۷۔ نستعلیق طلبگی، قرن ۱۳ھ ، آغاز : من لغیر از تو نه بینم در جهان ۔ همراه بحرالمعانی بعد ازو ، ۳ گ ۔

○ پنج رقعه (انشاء)

از عبدالاحد رابط لکھنوی (م ۱۲۶۸ھ / ۱۸۵۱م) در جواب پنج رقعه ظهوری در ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۳م نگاشته است ۔ در خاتمه تاریخ تالیف چنین سروده است ؛

خطاب کرده به رابط دم سحر تاریخ

به "آه" گفت بگو "واردات عالم عشق"

۶ ۱ ۲ ۲ ۳ = ۱۲۲۹ھ ۔

نام نگارنده در دیباچه آمده است ۔ همان نگارنده "شرح احدیه بر وقائع محمدیه" (مشترک ۱۰ : ۲۷۷) و "تاریخ بهادر شاهی یا بهادر شاه نامه" (مشترک ۱۰ : ۳۰۸) و "قانون خوشنویسی" (شیرانی ۳ : ۵۳۸) ۔ نیز بنگرید به مشترک ۵ : ۲۸۶ در آنجا شرح پنج رقعه از عبدالاحد آمده است که شاید از همین نگارنده می باشد ۔

آغاز : بسمله ، رقعه اول در هموم فراق و ولوله اشتیاق ، عاشق معشوق گشته عالم خیال ، پری در خواب دیده یاد وصال ، نگین فروش بازار ننگ و ناموس ، قبا ساز خرقه مکر و سالوس ۔

[ان ، ک : فرهنگ سخنوران : ۲۱۸]

۹ / ۳۵ نستعلیق ، (عبدالصمد ، ۱۲۳۰ھ) شماره ۹ در مجموعه ، ۸ گ ۔

• تاریخ سند : تاریخ معصومی

○ تاریخ شمشیر خانی ، شاهنامه منثور ۔ خلاصه شاهنامه (تاریخ ، نثر)

از میرزا توکل بیگ ولد تولک بیگ ۔ در ۱۰۶۳ھ / ۱۶۵۲م مطابق ۲۶ جلوس شاهجهان پادشاه شاهنامه فردوسی را خلاصه کرده و به نثر در آورده است ۔

آغاز : حمد بیغایت و ثنای بی نهایت مر حضرت کبریا واهب الوجودی را جناب قدسی آبش و درگاه با جلالش از ادراک افهام مقدس رکنه صمدیت ذاتش از احاطه اوهام منزه است

[ان ، ک : همدرد : ۱۵۹ ۔ آذر : ۳۹۹ ۔ گنج بخش ۳ : ۲۰۵۰ ۔ مشترک ۱۰ : ۱۳۰]

۲۶ ۔ نستعلیق ، لچھمن سنگھ قوم دهوسر در مقام جهادلی لشکر موضع کالوندری علاقه سردبی ، نقل از نسخه میان صاحب محمد حمید صاحب ، ۲۰ شوال ۱۲۳۹ھ / ۱۹ جون ۱۸۲۴م ، ۲۵۱ گ ، ۱۵ س ۔

○ تاریخِ معصومی ؛ تاریخِ سند

از میر محمّد معصوم نامی ترمذی سرقندی بھکری (م۱۰۱۴ھ) در حدود ۱۰۰۹ھ / ۱۶۰۰م تالیف شده است

آغاز : بر ضمائر صافیہ کار آگاہان عالم بی اساس و خاطر زاکیہ ہوشمندان سخن شناس مخفی و مستور نخواہد بود

[ن ۰ ک : مشترک ۱۰ : ۳۱۰ ـ موزہ : ۱۰، ـ آذر : ۳۹۵]

۱۰۱ ـ نستعلیق ، سدہ ۱۲ھ ، عنوانہا شنگرف ، مجدول ، آب دیدہ ، کرم خوردہ ، ۱۲۰۰ گ ، ۱۹ س ـ

○ تاریخِ مغول (تاریخ)

ناشناختہ : مشتمل بر واقعات قرن ہفتم ہجری خاندان مغلیہ

۹۷ـ نستعلیق جلی ، قرن ۱۳ھ ، گ ۸۱۳ـ ۱۱۴ ، ناقص الطرفین، آغاز (افتادہ واز صفحہ شمارہ ۸۱۳) : واقع شد و تادر سنہ اربع و ثمانین و خمسمائہ کشیدہ قریب بچہار سال آنچنان فتنہ و فساد در ولائت افریقہ مغرب بہم رسید۔ ۹۸، گ ـ ۲۱ س ـ

• تاریخ نامہ ریاض العارفین ؛ ریاض العارفین ـ

○ تجاربِ شہریاری (کیمیا)

از شہریار بن بہمن یار پارسی، شاگرد ابن سینا (م ۴۲۸ھ / ۱۰۳۶م) یا از قرن ششم ہجری۔ مشتمل بر بیست " باب " ۔

۱۔ در تدبیر زیبق ۲۔ در تدبیر نوشادر ۳۔ تدبیر شعر ؟ ۴۔ تدبیر کبریت و زرنیخ ،
۵۔ تدبیر طوطیا ۶۔ تدبیر کاسا ۷۔ تدبیر تشمیع ۸۔ تدبیر حلِّ مرکبات ،
۹۔ در تدبیر حلِّ ملحا و دراجا وجسدھا ، ۱۰۔ تدبیر عقدھا ،
۱۵۔ در تدبیر تصعید ہای ہر چیز ، ۲۰۔ در تدابیر مزاوجت

آغاز : الحمد للہ ... بعد ہذا اسرار و علم اخبار بر دانایان روزگار بدین اطوار و صورت کسب کمال راہ یافتہ ـ

[ن ۰ ک : مشترک ۱ : ۵۰۰ ـ موزہ : ۹۹]

۲۱ ـ نستعلیق ، عاشور بیگ ، روز دوشنبہ ۲۵ ذیحجہ ۱۳۳۰ھ ، ۵۲ و ، عنوانہا شنگرف ، مجدول ۳ راہ شنگرف و سیاہ ـ

○ تحفه : شرح صرف میر (دستورِ زبان)

شرح از نور محمد مدقق لاهوری بن شیخ محمد فیروز بن شیخ فتح الله لاهوری ، بنام اورنگ زیب عالمگیر بادشاه (۱۰۶۸-۱۱۱۸ھ) نگاشته است .

آغاز : نحمدک یامن بیده الصحة والسقام ولیس فی الحقیقه ... (پس از دو صفحه آغاز متن) - قوله بسم الله ... ابتدا کرد مصنف کتاب خود را به تسمیه برای تبرک و متابعت کلام مجید .

[ان ۰ ک : موزه ۳۶۲]

۹- نستعلیق ، عبدالله الولباری ، قرن ۱۳ھ ، عنوان و نشان شنگرف . ۸۱ گ .

○ تحفة الاحرار (منظوم)

از عبدالرحمان جامی . در ۸۸۶ھ / ۱۴۸۱م ، در بیست " مقاله " سروده است ، مثنوی عرفانی و اخلاقی است .

آغاز : حامداً لمن جعل جنان کل عارف مخزن ...

بسم الله الرحمن الرحیم هست صلای سر خوان کریم

[ان ۰ ک : آذر : ۲۴۴ ـ موزه : ۵۵۶ . مشترک ۶ : ۵۳۵ ـ این نسخه بفرمایش دختر میر فتح علی خان نوشته بود ، بنگرید به ترقیمه]

۴۴- نستعلیق خوش ، عنوانها شنگرف ، ۲۰ شوال ۱۲۶۰ھ در مجموعه شماره یکم ۳۲ و ۱۳۰ س ، در چهار کالم .
ترقیمه : شد رقم خاتمه تم الکتاب ، حسب الفرقان عالیشان معصومه محترمه عالمه فاضله نظم و نسر (کذا) سراج نساء عصمت و عفت زمان سحاب سخاوت و مروت بنت میر صاحب میر فتح علی خان سلطان هند دیره کلان سرکار عالی مدار دام عصمتها ، این نسخه مستطاب زیب تسطیر و زینت ترقیم یافت تاریخ بیستم ماه شوال ۱۲۶۰ھ .

تحفة الاخوان فی منع شرب الدّخان (فقه)

از مخدوم محمد هاشم بن عبدالغفور سندی تتوی (۱۱۰۴-۱۱۷۴ھ / ۱۶۹۲-۱۷۶۰م) ، در ۱۱ شوال ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱م نگاشته است (دیباچه)

مشتمل بر مقدمه و چهار " فصل " و خاتمه

آغاز : سبحانک لا علم لنا ... الحمد لله حمد الشاکرین والصلوة والسلام علی

رسوله محمد سید الاولین ... بعد میگوید بندهٔ ضعیف ... محمد باشم.

ان ۰ ک : پاکستان میں فارسی ۳ : ۸۰۸ ذکر و فہرست تالیفات فارسی مخدوم محمد باشم]

۱۱۴۔ نستعلیق (قربان ولد سید فخر الدین ۱۲۹۰ھ) ۰ شمارۂ یکم در مجموعه گ ۸۰۱

تحفة القلوب ۔ عشقیه

○ تحفة الکرام (تاریخ)

از میر علی شیر قانع تتوی، در ۱۱۸۱ھ (تو آئین انتخاب) نگاشته است۔ این کتاب مشتمل بر سه جلد است۔ نسخهٔ ما جلد سومین از آن است۔ دربارهٔ تاریخ و جغرافیای سند این مجلد خیلی مهم است۔

آغاز: بعد حمد احد بیچون تعالی شانه عما یصفون که این بیچمدان خوشه چین خرمن ارباب خبر را بتالیف دو مجلد تحفة الکرام موفق نموده

[ان ۰ ک : پاکستان میں فارسی ۳ : ٦٦۲ ۔ مشترک ۱۰ : ۵۱۰۔ نیز بنگرید ۔ به پیشگفتار پیر حسام الدین راشدی که جلد اوّل را تصحیح کرده است]

۱۔ نستعلیق ۰ یکم ماه رمضان ۱۲۲۳ھ ۰ عنوانها شنگرف ۔ این نسخه ۲۱ سال پس از وفات مؤلف تحریر شده است ۰ ۲۰۵ گ ۰ ۱۳ س ۰

• تحفۂ نظامیه : شرح شمایل النبی

○ تحفة المؤمنین (طب)

از حکیم میر محمد زمان تنکابنی دیلمی

آغاز: سبحانک اللهم یا قدوس یا طبیب النفوس اتمم لنا انوار معرفتک ... و بعد به ناظران حقائق رس مکشوف میدارد که چون والدین ذرهٔ بیمقدار بر محمد زمان تنکابنی دیلمی۔

۱۵۔ نستعلیق خوش، قرن ۱۲ھ ۰ مجدول، سر لوح طلائی۔ نسخه خیلی مهم ۰ کامل۔ این نسخه از کتابخانهٔ میر غلام علی خان تالپر بود۔ روی ورق اوّل یادداشتی از عبدالحسین تالپر چنین نوشته شده است۔ با مُهر او ۔

○ ترجمهٔ شاطبی: ترجمه حرز الامانی (تجوید)

متن از شاطبی، ابو محمد قاسم بن فیره ضریر اندلسی (م ۵۹۰ھ / ۱۱۹۳م) شرح یا ترجمه از ناشناس۔

آغاز (افتاده) از دیباچه: تا طائفه که از حلیت ... عاطل باشند از فواید آن بهره تمام حاصل

[ان ۰ ک : مشترک ۱ : ۱۱۱ ۔ ۱۱۳ در آنجا چند ترجمه های حرز الامانی را نشان داده است]

۱۔ نسخ، قرن ۱۲ھ ۰ عنوانها شنگرف ۰ برگهای پراگنده۔

○ ترجمهٔ شمائلِ ترمذی (سیرت)

متن از امام محمّد بن عیسیٰ بن سورۃ ترمذی

ترجمهٔ فارسی: از دین محمّد (بنگرید: مشترک ۱۰: ۲۰۱)

با متن عربی، ترجمهٔ فارسی است. نام مترجم در نسخهٔ ما نیامده است.

آغاز ترجمه: شمایل ترمذی همان است که در فهرست مشترک آمده است

آغاز: الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی قال الشیخ الحافظ ابو عیسی محمد ... حمد بی عدد و سپاس مر داوری را که متابعت افعال و اخلاق.

[ن. ک: مشترک ۱۰: ۱۹۲ - ۲۰۲ که در آنجا درباره ترجمه ها و شرح های شمایل ترمذی بتفصیل سخن رفته است]

۳۸- متن بخطِ نسخ معرب، فارسی بخط نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ۵۰ گ. با مُہر. "فتح محمّد ۱۲۲۲ھ".

• تزک: توزک

• ترویج العشق و الحسن: حسن و عشق

○ تذکرۃ الاولیاء (تذکره)

از شیخ فرید الدین عطّار نیشا پوری. در ۶۱۷ھ - ۱۲۲۰م نگاشته است. سرگذشت ۹۲ تن از عارفان نامی و کرامات و سخنان و اندیشه های آنان.

آغاز: الحمد لله الجواد با فضل انواع النعماء

[ن. ک: موزه: ۱۰۰، آذر: ۳۲۸، مشترک ۱۱: ۸۸۵]

۴۳- نستعلیق، قرن ۱۱ھ، ناقص الآخر از حالاتِ شبلی، یاد داشتِ ملکیّت عبدالباقی ابن محمّد زاہد ساکن قصبہ بیجا پوری، و یاد داشتِ دیگر حق ملکیت "این جلد حق و ملک بنده عبدالرّؤف بن شیخ کرم الله حکیم ساکن بلده لوہری. ۲۳۲ گ، ۱۵ س.

۱۰۷- نستعلیق، قرن ۱۳ھ، عنوانها شنگرف، ۱۳۸ گ، ۱۵ س. این نسخه ناقص الطرفین است. آغاز این نسخه. ایشان بوده است یا ہوا نیافته است لبس بر ایشان منکر شده.

○ تذکرهٔ حمیدیه

از شہر الله (سیر الله) ابن رحمت الله بن تماجی بن کالو لنگاه (دیباچه) در حدود ۹۰۰ھ / ۱۴۹۴م، در حالات شیخ حمید الدّین حاکم ہاشمی قریشی سہروردی (۶۶۳ / ۷۳۸ھ - ۱۲۶۴ - ۱۳۳۶م) نگاشته است

آغاز : حمد وافر و ثنای متکاثر مر حضرت بی نیاز را که انعام او عام است

[ن . ک : پاکستان و هند ۳ : ۳۱]

۵۔ نستعلیق . محمود شاه ساکن کوٹلی پیران . ۲۹ اکتبر ۱۹۵۸م از روی نسخهٔ پیر غلام دستگیر نامی لاهوری نقل کرده است ش ۲ در مجموعه۔

○ تذکرهٔ شعراء

ناشناخته : ناقص الطرفین

تذکرهٔ شعرای : فیضی، فسونی، غضنفر، فصیحی، فتحی، فکری، فضلی، فوجی، فائض، ملا فاضلی۔

حرف القاف : قطران تبریزی (و بعضی بلخی گفته اند) . سید قاسم انوار . قوامی . خواجه کلاں . کیخسرو خان . کاتی . کلب علی . کم گو . میرزا کاظم . گلشن . کاشف گرامی (میر عبدالرحمن نام خلف امانت خان عالمگیریست) منه :

فصلِ گل آمد و من توبه بجا کردم

چه ستم بر قدح و جور به مینا کردم

حرف لام : لامعی . مولانا لطف الله . لسانی . قاضی لاغر . لوای . لقای . لطفی .

حرف نون : بر حالات " نجات " این نسخه تمام میشود

مختصر احوال زندگی سرایندگان و نمونهٔ کلام داده است

آغاز (افتاده) : فتح الله بعد فوت علی عادلشاه بدرگاه اکبری شتافت و خواجه محمد به احمد نگر رفته

۵۶ ۔ نستعلیق خفی پخته . قرن ۱۲-۱۳ھ . اندکی کرم خورده . قابل استفاده عنوانها شنگرف . ۳۱ گ . ۱۹ س۔

○ تذکرهٔ قطبیه (تذکره)

از جمال الدین ابوبکر بن شیخ ابوالفتح حارثی الهاشمی القریشی الهنکاری (دیباچه) . پیرامون ۹۵۰ھ ۔ ۱۵۴۰م نگاشته است ۔

در احوال و کمالات و کرامات و ملفوظات حضرت شیخ عبدالجلیل المعروف چوہڑ بندگی مدفون لاهور ۔

این تذکره را پیر غلام دستگیر نامی مرتب کرد نسخهٔ ما نقل از همان نسخه است

آغاز : حمد و سپاس آن قادری را که کارخانه موجود است را بیک امر کن فیکون ساخت

[ان ۰ ک ؛ مشترک ۱۲ : ۲۲۰۱ " فہرستوارہ " ۔ پاکستان و ہند ۳ : ۳۰۹ (بتفصیل)]

۵۔ نستعلیق ۰ محمود شاہ ساکن کوٹلی پیران ۲۰ ۲ اکتبر ۱۹۵۸، شمارہ ۳ در مجموعہ ۔

تضمین بر کریما ؛ رحیما ۔

○ تعلیم المتعلّمین ؛ آداب تعلیم و متعلّم (منطق)

در فہرست مشترک ۲ ۔ ۹۱۹ نام نگارندہ خواجہ نصیر الدین طوسی ۰ و یک مورد از غزالی طوسی و بنابہ گفتۂ دانش پژوہ از زرنوجی آمدہ است ۔ نام کتاب در آنجا " آداب تعلیم و متعلّم " ، " تعلیم المتعلّم (ترجمہ) " و " آداب المتعلمین (ترجمہ) " آمدہ است ۔ در نسخہ ما نام این کتاب " تعلیم المتعلّمین " نوشتہ شدہ است ۔ امّا آقای دکتر تسبیحی در کتابخانہ ہا ۔ ۲۲۱ یک نسخہ " تعلیم متعلمین " معرفی کردہ است و لیکن در آنجا و در نسخۂ ما نام نگارندہ نیامدہ است ۔

در ۱۴ باب : ۱۔ در حقیقت علم ۲۰۔ در نیّت علم ۰ ۳۔ در اختیار علم و استاد و شریک و ثبات بر علم ۰ ۴۔ تعظیم علم و اہل آن ۰ ۵۔ جد و دوام و ہمت ۰ ۶۔ سبق و قدر آن ۰ ۷۔ توکّل ۰ ۸۔ وقت تحصیل ۰ ۹۔ شفقت و نصیحت ۰ ۱۰۔ استفادہ ۰ ۱۴۔ اشعار مناسب گفتہ ہای پیشین ۔

آغاز : **الحمد للّٰہ ... این مختصر یست در آداب تعلیم و تعلم ۔ باید کہ متعلم این در تحت نظر دارد تا آن علم بہرہ و تمتع یابد ۔**

[ان ۰ ک ؛ مشترک ۲ : ۹۱۹ ۔ کتابخانہ ہا : ۲۲۱]

۷۔ نسخ ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان و نشان با شنگرف ۰ ۱۲ گ ۔

○ تفسیرِ چرخی

از یعقوب چرخی

آغاز (یک برگ افتادہ) : **اقبالنا علیک وکن علیک ولیلنا ویسر الیک سبیلنا**

۱۶۔ نستعلیق ۰ متن قرآن عربی نسخ معرب شنگرف ۔

ترقیمہ : تاریخ اتمام کتابت تفسیر مولانا یعقوب فی سنہ سبع و سبعین تسمات یوم الخمیس ۱۸ شہر ربیع الآخر بلدۃ تہتہ من اعمال سند کاتبہا امۃ اللہ المسماۃ حبیبہ سلطان بنت محمّد قاسم المحدث المفتی الفقیہ الحنفی عفی اللہ عنہ و عنہا ۔ سپس پدرش تصحیح کردہ است و در خاتمہ ترقیمہ بر حاشیہ نسخہ نوشتہ است " فرغت من تصحیحا بتاریخ یوم الجمعہ رابع شہر جمادی الآخر سنہ ثمان و سبعین و تسمات انا العبد محمّد قاسم المذکور ۔

۱۳۱ گ : مجدول

○ تفسیر حسینی : مواهب علیه

از ملا کمال الدین حسین بن علی سبزواری کاشفی بیہقی ، واعظ شہر ہرات (م ۹۱۰ھ / ۱۵۰۴-۵م)

آغاز (افتادہ) : که ما یافتیم ما وعدنا ربنا ، آنچه وعده کرده بودند مارا پروردگار ما از مثوبتها حقا راست درست

[ان ٠ ک : ہمدرد : ۱ ۔ آذر : ۳ ۔ مشترک ۱ : ۴۳ ۔ موزه : ۱۰]

۷۰ ۔ نستعلیق ٠ قرن ۱۲ھ ٠ مجدول سہ راه شنگرف سبز و سیاه ٠ ۲۳۸ گ ۔

○ تفسیر سورة الفاتحه

از معین مسکین فراہی

آغاز : الکلام فی قوله الحمد لله رب العالمین و فیه مقدمة و مجالس المقدمة التسبیح والتحمید والنعت و المناجات ، اما تسبیح سبحان من لم یطرف لدرک حقایق صفاته ۔

[ان ٠ ک : مشترک ۱ : ۳۳]

۵۴ ۔ نستعلیق خوش ٠ ۱۰۲۵۰ھ ٠ سرلوح ٠ مجدول ٠ ۱۳۳ گ ٠ ۲۵ س

○ تفسیر سوره لیٰس

از جلال (ترقیمہ)

آغاز : بسمله بحکم فرموده حضرت رسالت صلی الله علیه وسلم که لکل شئی قلب و قلب القرآن یس ۔ این سورة جامع جمیع حقائق بود ... (آغاز تفسیر) یس ... اکثر علماء و عرفا قدس الله ارواحهم برانند که حروف مقطعه اسرار است ازان آورنده که جبریل است

۸۴ ۔ نستعلیق ٠ محمد سلطان ٠ قرن ۱۰ھ ٠ عنوان و نشان شنگرف ٠ مجدول دو راه زرد ٠ ۳۲۰ و ۱۸۰ س ۔

ترقیمہ : تمت کتابت ہذہ الرسالہ علی ید الضعیف محمد سلطان و مؤلفہ جلال احسن الله حاله فی الامال ۔ تمم

پس ازین از ہمین نگارنده در ہمین مجموعہ شرح لمعات عراقی ست که در جای خود معرفی شده است

○ توزک جہانگیری، جہانگیر نامہ (تاریخ)

از نور الدّین محمّد جہانگیر بادشاہ (حکومت ۱۰۱۴۔ ۱۰۳۷ھ) سرگذشت خود را از سال جلوس ۱۰۱۴ بہ بعد نگاشتہ است

آغاز (افتادہ)، چہارم از جلوس آمد سن ، شب چہار دہم ذی حجہ سنہ ہزار و ہفدہ ہجری نیر اعظم فیض بخش عالم برج حمل تحویل فرمود و سال چہارم از جلوس عالی آغاز شد۔

[ان۔ک : موزہ : ۲۲، آذر : ۴۰۲۔ مشترک ۱۰ : ۳۲۸ بہ تفصیل]

۲۔ نسخ، قرن ۱۳ھ ، عنوانہا شنگرف ، ناقص الطرفین ، انجام از ذکر وزرای شاہنشاہ جہان پناہ افتادہ است، ۱۱۶ گ ۲۱ س۔

○ تیسیر الاحکام (فقہ)

از قاضی شہاب الدّین احمد دولت آبادی (م ۸۴۹ھ / ۱۴۴۶م) مشتمل بر پنج باب ۔

باب ۱۔ در ایمان

۲۔ در ترک گناہ

۳۔ فرائض وضو در ۳۹ فصل

۴۔ در محضورات و مکروہات در سہ فصل

۵۔ در اخلاق در چہار فصل

آغاز ، حمد وافر و ثنای متکاثر مر حضرت صمدیت ذوالجلال (جل) جلالہ ، راکہ اساس دین حنفی را بتاسیس بناء علم بنیاد نہاد ... اما بعد میگوید بندہ ... شہاب الدین عمر شمس دولت آبادی۔

[ان۔ک : گنج بخش ۳ : ۲۲۰۵ ۔ موزہ : ۸۲۱ ۔ علمائے ہند : ۲۳۹]

۳۔ نسخ خفی ، محرم الحرام ۱۲۱۱ھ ، حقّ و ملکیّت جلال الدّین نور اللہ ، ۲۸۰ گ ، شمارہ ۱ در مجموعہ ، در نسخہ نامش "تیسیر الکام" آمدہ است ۔

○ جامع الفوائد، طبّ یوسفی، شرح علاج الامراض (طب)

از یوسفی ہروی (م ۹۵۰ھ / ۱۵۴۳۔۴م) ۔ در ۹۱۷ھ / ۱۵۱۱م در شرح "علاج الامراض" نگاشتہ است۔

آغاز ، حمد نا محدود حکیمی را کہ بہ قانون حکمت کاملہ ... اما بعد چنین

گوید ... یوسف بن محمد

[ان - ک : آذر : ۳۲ - بمدرد : ۲۵ - موزه : ۱۰۳ - مشترک ۱ : ۵۳۹]

۹۴ - نستعلیق - عبدالرحمن ولد مرحوم اخوند نعمت الله ۳۰ ماه صفر ۱۱۹۶ه - تعلّقه میر واه - شمارهٔ یکم در مجموعه - مجدول - عنوانها شنگرف - ۴۵ گ .

○ جامع القوانین : انشای خلیفه (انشاء)

از خلیفه شاه محمد قنوجی - در ۱۰۸۵ه (= مجموعهٔ فضائل) / ۱۲۷۵ه م در یک " مقدمه " و چهار " فصل " و یک " خاتمه " نگاشته است .

آغاز : ستائش و نیایش احدی را که کاتب فصاحت بیان خرد دانشوران از تحریر انشای ثنای بیکرانش چون قلم سرگردان .

[ان - ک : آذر : ۱۳۰ - بمدرد : ۱۰۳ - مشترک ۵ : ۱۹۸ - موزه : ۳۸۸]

۹۳ - نستعلیق - محمد مراد بن محمد حیات - ۲۸ جمادی الاول ۱۲۰۶ه - عنوانها شنگرف - در مجموعه پس از انشای بر کرن - ۶۰ گ .

۶۳ - نستعلیق - قرن ۱۳ه - آغاز برابر نمونه - ۹۲ گ - شمارهٔ یکم در مجموعه .

۴۴ - نستعلیق شکسته آمیز - قرن ۱۳ه - عنوانها شنگرف - آغاز افتاده : به نکته سرای شکیب از دل قدسیان ربود .... ۶۱۰ گ .

۶۱ - نستعلیق - قرن ۱۴ه - عنوانها شنگرف ۱۹۱ ص - ناقص الطرفین .

○ جُنگ : انتخاب اشعار فارسی (منظوم)

زیر عنوان های گوناگون شعرهای سرایندگان معروف .

عنوان ها : مشورت - شجاعت - غیرت - سیاست - فرصت - صحبت اغیار - گیسو - شانه - حسن و جمال و جز آنها .

شعرای : ملا عبدالله - نظیری - صائب - کلیم - طالب - سامی - غنی - میرزا باقر - املی - مرزا ابوالحسن - اوجی - زلالی - حریفی - طغرا - عبداللطیف خان - نوعی - سعدی و جز آنها .

۴۰ - نستعلیق چلیپا - قرن ۱۲ه - ۱۱۹۰ و - در همین مجموعه پس ازین ۱ - قصهٔ قاضی و دزد ۲ - گوهر منظوم - که هر یک به جای خود معرفی شده است .

○ جنگنامهٔ بهادر شاه و اعظم شاه (تاریخ)

از نعمت خان عالی - وقائع محاربهٔ بهادر شاه اول (۲۴-۱۱۱۸ه) و محمد اعظم پسران عالمگیر

بادشاه۔

آغاز : نثر من تصنیف حکیم نعمت خان عالی در محاربه بهادر شاه و اعظم شاه ، زیب دیباچه سخن و ستائش بی نیازیست که در بارگاه کبریائش زبان چون و چرا۔

[ان ۔ ک : موزه : ۲۳، ۔ مشترک ۱۰ : ۲،۲ ۳]

۱۲ - ۵ - نستعلیق ۔ (عبدالصمد ساکن میرٹھ ، ۱۲۳۰ھ) ۔ شمارۂ دوم در مجموعہ ۔ عنوانہا شنگرف ۲۹۰ گ ۔

• جنگنامۂ محمدؐ مصطفی : فتح نامۂ حضرت امیر المؤمنین حضرت علی المرتضی

○ الجواہر الثمینہ (عرفان ۔ اخلاق)

از علی بن حسام الدّین متّقی ۔ بنگرید بہ آغاز

آغاز : الحمد لله ... اما بعد همی گوید ... علی بن حسام الدین اشهر بالمتقی ... چون این فقیر تالیفی کرد که نام وی جامع الکلام فی المواعظ والحکم است وآن تالیف مشتمل است برسه هزار حکم پانصد ازان اقتباسات قرآنیه و پانصد تضمنیات حدیثیه و باقی کلام سلف بر طریق ابواب در خاطر آمد که بزبان فارسی نیز تالیفی کرده شود تا فائده خاص و عام باشد و نام این تالیف فارسی " الجواهر الثمینه " نهاده شد ۔ درین تالیف بعضی از کلمات قدسیه حضرت شیخ الاسلام عبدالله انصاری و بعضی از کلمات سید حسینی مؤلف نزهة الارواح و کلمات مرات العارفین تالیف ملکزاده مسعود بیگ و بعضی از حکمتهای گلستان شیخ سعدی چیده جمع کرده شد ، و ترتیب فصول این کتاب بر حروف معجمه واقع شد تا برای کشف و استخراج ... آسان بود ۔

[ان ۔ ک : موزه : ۲۹۹ ۔ مشترک ۳ : ۲۲۹۶]

۳۴۳ ۔ نستعلیق ۔ (عبداللہ بن مخدوم ابراہیم دلہاری ۱۲۶۲ھ)

ش ۳ در مجموعہ ۲۰ گ ۔ ناقص الآخر از فصل فی الامارة والقضاء۔

• جہانگیر نامہ : توزک جہانگیری۔

○ چنیسر نامہ : لیلا چنیسر (داستان ۔ منظوم)

از ادراکی بیگ لاری : در ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱م ۔ سرودہ است

آغاز: بنام بادشاہی دلنوازی کریم کردگاری کار سازی
خداوند زمین و آسمانہا بود روزی رسان جملہ جانہا

خاتمہ: چو طبع اہل دل کردہ تمامش شادندی - چنیسر نامہ - نامش
اگر دروی بود سہو خطائی عطا خواہد ز طبع نیک رای
بہ یمن طبع سلطان معظم سخن آمد بسر واللہ اعلم

[ان ۔ ک : پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ ۲ : ۵۱۵۔ چنیسر نامہ مرتبۂ سیّد حسام الدین راشدی، مطبوعہ سندی ادبی بورد، ۱۹۵۶م]

۴۵۔ نستعلیق خوش، ۲۰ ذیحجہ ۱۲۶۸ھ، ۱۸ و، ۱۳ س ۳۰ کالم

ترقیمہ: نسخۂ لیلا چنیسر حسب الارشاد جناب اقدس اطہر معصومہ فاضلہ عالمہ نظم و نسر (کذا) بنت میر صاحب والا شان میر فتح علی خان سلطان سندہ اسکنہ اللہ تعالی بحبوحۃ جنابہ دعرہ کلان سرکار عالی مدار زیب تسطیر و زینت ترقیم یافت تاریخ بیستم ماہ ذیحجہ ۱۲۶۸ھ۔

شمارۂ دوم در مجموعہ پس از تحفۃ الاحرار جامی۔

○ حدیقۃ الاولیاء (تذکرہ)

از سیّد عبدالقادر بن ہاشم بن محمّد الحسینی نصر پوری ٹھٹوی، در ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۷-۸م نگاشتہ است. بکوشش شادروان پیر حسام الدّین راشدی، حیدرآباد سند در سال ۱۹۶۷م چاپ شدہ است.

آغاز: حمد و ثناء سپاس بی منتھا مر خداوندی راست جل و جلالہ، کہ شمع ہدائت و معرفت در شبستان خیال انسان افروخت

[ان ۔ ک : ۱۱ : ۸۷۳ ۔ پاکستان میں فارسی ۲ : ۵۰۲]

۶۰۔ نستعلیق، محمّد ذاکر بن محمّد لوک ۲۹، ذوالحجہ ۱۱۹۱ھ، عنوانہا شنگرف ۔ ۸۶ گ، ۱۳ س،

۳۰۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، جای عنوانہا خالی ماندہ، ناقص الطرفین، آغاز از دیباچہ افتادہ؛ او کہ بحزم ہدا و قنادیل ابداء از باد صلوۃ دائمہ فائضہ الی یوم ... اما بعد میگوید عبد حقیر ... عبدالقادر، ۲۲ گ۔

۶۳۔ عکسی نقل از نسخۂ خطّی ۔ کہ در آن تاریخ ہای بزرگان افزودہ شدہ است۔

○ حدیقۂ کمال (انشاء)

از فائق لکھنوی، محمّد فائق بن غلام حسین بن محمّد عظیم، متخلّص بہ فائق (م ۲۹ رجب ۱۲۳۱ھ / ۱۸۲۶م) حسب الارشاد سیّد جعفر علی خان رضوی ترتیب داد (دیباچہ) نگارندہ مخزن

الفوايد " (مشترک ۱ : ۸۳۱) و " دستور الانشاء " (مشترک ۵ : ۳۴۲) و نیز بنگرید در ہمین فہرست " انشای فائق " و " حدیقۂ وصال " از ہمیں نگارندہ .

نامیوب : باعنوانهای : رقعه بسیّد کاظم علی خان ، رقعه بسیّد جعفر علی خان در عدم حسن سلوک از طرف شخصی بستلازمِ چشم ، رقعه بمنشی اسد علی که محفلِ طرب ترتیب یافته ، و سپس قطعاتِ تاریخ ، از انجمله : تاریخِ امام باره نوّاب آصف الدّوله ، " بزمگاهِ شهیدِ راهِ خدا " (چهار قطعه) ، تاریخِ مسجد بشور ، تاریخ مسجد جعفر گنج ، تاریخِ وفات میر زین العابدین ، تاریخ مسجد فتحپور ، تاریخ امام باڑه لکھنؤ ، تاریخ مسجدِ لکھنؤ ، تاریخ مسجدِ حیدر شاه " گفت بیت المقدسِ ثانی " .

جواب غزل عبدالغنی خان سفیر ، مطلع :

لافِ محبّت گرزنی پیدا کن اعضای دگر
چشم دگر ، گوشِ دگر ، دستِ دگر ، پای دگر

مقطع : می گفت بایک ہمدمی فائق نخواہد دید صبح
در گوشِ من امشب رسد ہوئی دگر ہای دگر

غزل دیگر ، مقطع : نوبتِ قتلش زمژ گانش گر فائق رسید
می شود رخصت ز ما دل آه دل افسوس دل

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامده است]

۱۲ - ۵ ؛ نستعلیق ، (عبدالصمد ، ۱۲۳۰ھ) ، ۹۹ گ .

○ حدیقۂ وصال (انشاء)

از فائق لکھنوی . (ہمان نگارندہ حدیقۂ کمال) . نثر رنگین است .

آغاز : حدیقه وصال بهجت مآل فائق نامه ایست بتاکید تمام کسانی را که گوش حق نیوش و دیدۂ انصاف گزیدۂ میدارند بر این معنی که سامعه را از شنیدن و باصره را از دیدن محروم نگذارند . پردہ شناسان مقامات فصاحت و بریشم نوازان نغمات بلاغت .

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامده است]

۱۲ - ۵ - نستعلیق ، (عبدالصمد ، ۱۲۳۰ھ) ، در مجموعه شماره ۹ - ۲۴ گ .

○ حسن و عشق ، تزویج العشق والحسن (نثر ادبی)

از نعمت خان عالی (م ۱۱۲۱ھ) .

الاوراح " نهادم ... سوال، اگر ترا پر سند ایمان از روی لُغت چیست ؟ ، جواب بگو ایمان از روی لُغت اداخل نفس فی الایمان یعنی در آوردن نفس را در ایمان.

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامده است]

۵۵۔ نستعلیق معمولی. قرن ۱۳ھ، ۱۴۰ ۱۳ x ۱۵۰ س.

• خلاصهٔ شاهنامه : تاریخ شمشیر خانی

○ خلاصة العارفین (عرفان)

ملفوظات حضرت خواجه بهاء الدّین زکریای ملتانی (۵۶۶ - ۶۶۶ھ / ۱۱۷۰-۷۱ - ۱۲۶۷م)

آغاز : الحمد لله ... بدان اسعدک الله ... که این چند کلمه حکایت آن سلطان الملت مصطفوی ... محب نبوی و آن پروردهٔ مسلک نبوت ... بهاء الحق ابو محمد زکریا قریشی.

[ان ـ ک : مشترک ۳ : ۱۳۳۲]

۵ـ نستعلیق. محمود شاه ساکن کوٹلی پیران ۲۶، اکتبر ۱۹۵۸م. نقل از نسخهٔ پیر غلام دستگیر نامی، که کاتب در عمر ۸۰ سالگی کتابت کرده است. شمارهٔ یکم در مجموعه.

○ خلاصة الفقه (فقه)

از عبداللطیف لاهوری، فقهٔ اہل تسنّن است در ۱۸ "باب" و هر باب در چندین فصل. کتاب معروف است بارها چاپ شده است.

آغاز : الحمد لله یعنی بگو که همه سپاس و ستائش یعنی صفت کردن به نیکی با ... اما بعد میگوید حمد و ثنای مر حضرت و درود بی منتها بر خاتم انبیاء میگوید بندهٔ خاکپای عبداللطیف.

[ان ـ ک : موزه : ۸۲۶ ـ گنج بخش ۳ : ۲۲۲۰]

۳۴ـ نستعلیق. ہدایت الله ولد قاضی عبدالغنی قریشی، ۰ رمضان ۱۲۰۰ھ ۹۰ گ. با مُہر "امان الله باد دستگیرم".

• خواب و خیال : گلشن خیال

• خواص الاغذیه : رسالة الاغذیه

• دُزد و قاضی : قصهٔ دُزد و قاضی

○ دستور الانشاء ، انشای فائق (انشاء)

از محمد فائق لکھنوی (یاد او در ضمن حدیقہ کمال گذشت) ۔ بہ فرمائش نواب قاسم علی خان بہادر قیام جنگ نگاشتہ است ۔ در پنج فصل

۱۔ در تحریر القاب و آداب کہ خردان بہ بزرگان نویسند۔ ۲۔ در تسطیرِ القاب و آداب کہ ہمسران بہ ہمسران می نگارند ۔ ۳۔ در تسوید القاب و آداب کہ بزرگان بہ خردان رقم می سازند ۔ ۴۔ در ترقیمِ پروانجات وشقہ و تمسک و فارغ خطی وغیرہ۔ ۵۔ در نوشتنِ بعضی خطوط ضروری و کاغذ شرعی

آغاز : سپاس بیقیاس قدیمی را کہ قلم قدرت او رقوم ہستی بر جریدہ عالم نگاشتہ و نعت قدسی اساس کریمی را کہ نور نبوتش در وجود اول و ظہور آخر ...

[ہمان : مشترک ۵ : ۳۴۲ ۔ موزہ : ۳۹۳ ۔ آذر : ۱۳۳]

۱۲۔۵ : نستعلیق ، (عبدالصمد ، ۱۲۳۰ھ) ۳۲۰ گ ۔

○ دستور الشعراء (عروض ، بلاغت)

از محمد مازندرانی المتخلص بہ امانی (م ۱۰۶۱ھ) ابن یوسف ۔ بروزگار میرزا محمد تقی ، در یک مقدمہ وسہ "مقالہ" و خاتمہ ای نگاشتہ است۔

مقدمہ در تعریفِ شعر و بیان شاعر

مقالہ ۱ : در بیانِ علم عروض

مقالہ ۲ : در بیانِ قوافی

مقالہ ۳ : در بیانِ صنائع و بدائع شعری

خاتمہ : در بیانِ سرقاتِ شعری ،

آغاز : ستائش وافر کاملی را کہ بارگاہ سپہر نیلی چہر را بی ہوا داری چوب و طناب صدر و عروض و ابتدا و ضرب در صحرای طویل و مدید امکان بر افراشت۔

[ن ۔ ک : فرہنگِ سخنوران : ۵۰ "امانی مازندرانی"]

۳۳۔ نستعلیق پختہ خوش ، محمد کاظم ابن محمد رضا ، ربیع الاول ۱۱۹۰ھ ، عنوانہا شنگرف ، ۸۲ گ ، ۱۷ س ۔

○ دقائق الحقائق (عرفان)

از مولانا ابا الفضل احمد رومی - از اصحاب مولانا بلخی (صاحب مثنوی معنوی) در دیباچه خود را - از بندگان خداوندگار مولانا جلال الدین - گفته است و نام آن - دقائق الحقائق - نهاده و سال ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰م نگاشته است.

در آن بهر اید: سبع و عشرین و بمقصد به تمام
این رسالت از کتابت شد تمام

[ن . ک مشترک ۳: ۱۳۵۳ در آنجا سال نگارش ۷۲۰ھ / ۱۳۲۰م آمده است.]
مشتمل بر هشتاد - فصل - : ۱. در بیان حدیث الشریعة اقوالی والطریقة افعالی والحقیقة حالی. ۲. تفسیر حدیث من استوا یوما فهو مغبون ۳. حدیث المسلم من سلم المسلمون من یده. ۴. تاویل آیت من کان یرید حرث الآخره. ۵. تاویل آیت و اذا قال ابراهیم رب ارنی. ۱۰. تاویل آیت و ما من دابة فی الارض الا. ۸۰. تاویل آیت قل متاع الدنیا قلیل.

آغاز: الحمد لله ... والتکلان فی جمیع الامور علی خالق السموت ... بذا رسالة من کلام احمد الرومی اضعف العباد من عباد سلطان المحققین ... جلال الملة والدین جمال الاسلام.

[ن . ک: مشترک ۳: ۱۳۵۳] نسخه خیلی مهم و نادر است.

نستعلیق، قرن ۱۱ھ، عنوانها شنگرف، سرلوح طلا و لاجورد، با مهر های:
۱. - بادشاه شاهجهان صاحبقران غازی (ص - ح) - ۲. - شفاعت خواه سعد الدین محمد - (خاتمه).
۳. - راز نوشاد خسروی طلبد ۳۸ - (ورق آخر ب) ۴. - دارد امید شفاعت ز محمد باقر - (ورق آخر ب)

○ دولت نامه، بازنامه (جانور شناسی)

از ناشناس، نام نگارنده شاید در دیباچه بود که افتاده است. در ۲۲ - باب -
۱. اندر آموختن باز و باشه و گیرا کردن آن.
۲. پوشانیدن ساقین که بچه رنگ می باید.
۳. شناختن باز که به فعلی باشد، شناختن و راست کردن آن.
۴. در دانستن جلاجل که کجا باید بست
۵. در بیان بجله و چکس و جای آن.
۱۰. در علاج سرگردانی جانوران.

۲۰۔ در علاجِ جانوران از پرانیدن بر آسمان و ہوا رفتہ باشد۔
۳۰۔ در نیک کردن مرکی کلال چشم سیاہ چشم
۳۰۔ در بیانِ خالی کردن کلال چشم وغیرہ جانوران
۳۲۔ در بیانِ پرورش لاچین و ترتیبِ پرانیدن۔

آغاز (از دیباچہ افتادہ): او زمین پرسید۔ بیدل از نشان چگوید باز، یعنی آن مسبب الاسباب شخصی را بدرجہ عالی۔

[ان۔ ک: آذر: ۲۷ " بازنامہ ۳۰ فصلی۔ مشترک ۱: ۳۳۹ " دولت نامہ ۳۶ فصلی]

۱۵ا۔ نستعلیق، ۳ رجب ۱۲۲۰ھ، عنوانہا شنگرف، مجدول زرد، ۵۳ گ۔

○ دیوانِ احمد

از سرائندہ ای با تخلص احمد ، دارای غزلیات بہ ترتیب ردیف۔

ازوست: احمد وفا مخواہ ز یارانِ بی وفا
مہر و وفا چو از ہمہ اہلِ صفا گذشت
گر تو مرشد نبود احمدی را
کی رسیدی درین مقامِ رضا

آغاز افتادہ: از درد غم بمیر زکس مرہمی مخواہ
زیراکہ دردِ محبت ما از دوا گذشت

۱۷ا۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ناقص الطرفین، برگہای پراگندہ، ۵۰ گ، ۱۵ س۔

○ دیوانِ بیدل

از میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی۔ (۱۰۵۴ - ۱۱۳۳ھ)

آغاز: الہی مطلع انوار وحدت ساز جانم را
ز ظلمت ہای کثرت رستگاری دہ روانم را

[ان۔ ک: آذر: ۳۳۹۔ موزہ: ۳۰۹۔ منزوی ۳: ۲۲۵۳۔ مشترک ۸: ۱۰۳۲۔ نیز بنگرید بہ مقدمہ عارف نوشاہی بر کلیات بیدل، چاپ مرکز تحقیقات فارسی اسلام آباد، ۱۳۹۸ھ]

۸۲ا۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، دارای غزلیات بہ ترتیب ردیف، ۹۳ گ،

○ دیوانِ حافظ

از حافظ شیرازی (م ۷۹۱ه / ۱۳۸۹م)

آغاز: **الا یا ایها الساقی ادر کاساً و ناولها**

[ان ـ ک: مشترک ۷، ۳۳۶ ـ بهدرد: ۱۳۹ ـ آذر: ۳۳۶ موزه: ۳۸۳]

۵۷ـ نستعلیق خوش، تاج محمّد ولد غلام حسن سیوستانی بفرمایش میر جان محمّد، ۲۰ ماه صفر ۱۲۳۹ه، مجدول کمند بندی، ۱۹۳ گ.

○ دیوانِ خسرو

از امیر خسرو دهلوی (م ۷۲۵ه / ۱۳۲۴م).

ان ـ ک: آذر: ۳۵۳ ـ موزه: ۳۹۲ ـ مشترک ۱۰: ۳۱۳ ـ ۳۵۰ در آنجا دربارهٔ نسخه های کلیاتِ امیر خسرو بتفصیل سخن رفته است. نیز بنگرید به: مقدّمه اقبال صلاح الدّین بر «کلّیات غزلیاتِ خسرو» چاپ لاهور، ۱۹۷۲م]

۵۳ـ نستعلیق خوش، قرن ۱۳ه، بر متن و حاشیه نوشته شده است. نسخه خیلی جالب است. آغاز: صد هزاران آفرین صنعِ خدای پاک را ـ کافرید از آب و گل سرو چو تو چالاک را، ۲۱۹ گ.

○ دیوانِ سعدی

از سعدی شیرازی (م ۶۹۱ه)

آغاز: **شکر و سپاس و منت و عزت خدای را**
پروردگار خلق و خداوند کبریا
دانای غیب دان و نگهدار آسمان
رزاق بنده پرور و خلاق رهنما

دارای: غزلیات به ترتیب ردیف، قطعات

[ان ـ ک: موزه: ۳۹۰ ـ مشترک ۷، ۲۵۸]

۱۳ـ نستعلیق خوش، پخته، قرن ۱۲ ـ ۱۳ه، انجام از قطعات افتاده، ۲۳۵ گ.

○ دیوانِ قاسم دیوانه

از محمّد قاسم دیوان مشهدی، از سرایندگان قرن ۱۱ه / ۱۷م شاگرد صائب تبریزی.

از وست: **عجب دارم که پر گردد زبس خالی بود قاسم**
اگر در بحر اندازد کسی پیمانه ما را

قاسم مدار دست ز دامان بیدلان
خود را ازین جهان بجهانی کشیده اند
آغاز: بسکه افتد از غمت شوریدگی درکار ما
بر سر ما خود بخود وا میشود دستار ما
سست بنیاد ست عشرتخانه ما بیغمان
افتد از پا گر کشی تصویر بر دیوار ما

[ان - ک: موزه ۵۲۱ - مشترک ۲: ۸۹۳ - فرہنگ سخنوران: ۳۶۴]

۵۲- نستعلیق پخته، قرن ۱۳ھ، تخلص و نشان با شنگرف.

۸۵ و ۱۷ س.

• دیوان محمود: محمود نامہ

○ دیوان محی

منسوب بہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی.

آغاز: بی حجابانه بیا از در کاشانه ما
که کسی نیست بجز درد تو در خانه ما

شامل غزلیات بہ ترتیب ردیف

[ان - ک: مشترک ۲: ۹۱- موزه: ۵۲۶]

۵۱- نستعلیق، (محمد ذاکر ولد محمد ملوک، ۳۰ ذیقعد ۱۱۶۰ھ).

مجدول، ۸۱ گ - در مجموعہ شماره کم ہمراه دیوان انوری

○ دیوان میر

از میر سید جان الله شاه رضوی بھکری متخلص بہ "میر" از سده ی دوازدهم، که در قصبه "روہڑی" سند می زیسته است. از خلفای شاه عنایت الله شهید سندی بود. در ہمین نسخہ (گ ۵، الف) آمده است:

آن عارفِ مُحقِّق وآن کاشفِ مُدقِّق
نامش عنایت الله وآن نور مصطفائی

دارای: غزلیات بہ ترتیب ردیف و قصائد - از وست:

غلام ہمت عشقم که ہر دم میر گرداند طراز چنگل شہبار کبک کوہسارم را
میر در استفادهٔ کونین بخت در جواب میدہد مارا

بمعنوا چون میر با صائب شدن بمبحثِ مردانه میدانیم ما
لذتِ وصل میکند میر مرادرین غزل نی زہواشگفته ام سینه به سینه لب به لب
میر در میخانه' نازِ بتان از شکستِ ساغرم پیمانه بود
آغاز: الٰہی جوشِ طوفان بخش چشمِ اشکبارم را
سحاب دجله افشان کن رگِ ابرِ بہارم را

ان۔ ک: مشترک ۸: ۱۵۰، فرہنگ سخنوران: ۵۸۰ در میر بھکری. مقالات الشعراء: ۸۸۶]

۲۔ نستعلیق ۱۱۰ جمادی الثانی ۱۲۲۱ھ ۰ مجدول ۰ ۱۰۰ گ ۱۹۰ س ۔

○ دیوان نگار

میر غلام محمد خان "نگار" ولد میر ہوت خان، در صفحۂ عنوان ست که:

امیر غلام محمد خان ولد میر ہوت خان که به دغای میر فتح علی خان تالپور و میر عبدالنبی کلہوره در ۱۱۹۸ ہجریه ساغر شہادت آشامیده بجنت سرای شہداء مسکنت پذیرفت و خلفش ممدوح این داستانِ راحت جان بل بیقرار سازِ مشتاقان به تخلص دیوانِ نگار تصنیف نموده یادگار خود گذاشته بود. الحال در ۱۳۳۹ھ باہتمام کثیر وسعی وفیر خود جناب معلّی القاب نوّاب صاحب نوّاب میان خدا داد خان ابن مرحوم نوّاب میان گل محمد خان لغاری ساکن قریه لاشاری متعلق سیوستان ضلع دادو از یه قاضی افضل خلف مرحوم و مغفور بارگاه حق قاضی میان عبدالحق علت تحریر پوشانیده داخل دفتر خود ساخت"

نمونۂ کلامش با تخلص:

بنده "نگار" سازد صد بار التماس
یکبار لب کشای بر آری جواب را
بادشاہا کرم فرما بر سر این مسکین "نگار"
زانکه گردیده ز تو ہر مشکلِ آسان طلب
درد ہجرت می کشد لیلی "نگار"
توتیا وصلِ تو بر مجنون ریز

آغاز: الٰہی رنگ و بو افزاء شقائق نو بہارم را
برشحاتِ ابر رحمت خود طراوت بخش یارم را
دلم چون غنچه تنگ ست از غمِ دوران درین گلشن
بخندان چون گلِ بستانِ سروِ جوئبارم را

انجام: گنج دل و جان ربودی زنگار با ناز
تو بر آن گنج زر و سیم بساماں نشستی

دارای: غزلیات به ترتیب ردیف و قصاید در مدح حضرت علی.

[در منابع در دسترس نامی ازین دیوان بدست نیامده است. نسخه جالب و مهم است.]

۸۵۰. نستعلیق. قاضی محمد افضل بختیار پوری خلف قاضی عبدالحق. ۲۵ شعبان ۱۲۲۹ھ ۱۰۰ ص.

ا. دیوان نوری

از سید نور الله رضوی نصر پوری (کلفون). (ان. ک. مشترک ۸: ۱۲۶۳ در آنجا سراینده ناشناخته مانده است.

از وست: طاقت صبر و شکیب اندر دل نوری نماند
دود کی پنهان بماند آتش خس پوش را
نوری تو فنا شو به ره حق که رسیده است
آنکس که درین دار فنا گشت بقا را
حکایت شب هجران بیان مکن نوری
که شرح هجر نگنجد درین رساله ما

آغاز قافیه ز: زار نالیدم بر نزد بی نیاز
از فراق یار در شبهای دراز
نوری بیچاره را دستش بگیر
او فتاده بر درت مهر نیاز

آغاز: الا ای بدبد کشاف سر عشق و مشکلها
رسان از من به بلقیس سبا از ہجر مر سلها

دارای: غزلیات به ترتیب ردیف.

ان. ک: مشترک ۸ / (۲): ۱۲۶۳. گنج بخش ۳: ۱۳۹۵

۸۵۱. نستعلیق. محمد ذاکر ولد محمد ملوک. ۱۱۴۰ھ. مجدول. عنوان با شنگرف. ۳۰ گ. در مجموعه شماره ۲. درین دیوان کلام سرایندگان زیر نیز آمده است: ۱. لطف الله رضوی نصر پوری. ۲. شاه فتح الله رضوی نصر پوری. ۳. شاه هاشم رضوی نمونه: کلام ایشان ملاحظه کنید:

لطف الله: ای دل چرا غم میخوری معشوق آمد در بغل
چون عاشقی در راهِ او بگذار این دعوی دغل
لطفی ز لطفِ حق طلب توفیقِ نیکی روز و شب
تا یابی از روی ادب پاداشِ نیکو را بدل

ہاشم رضوی: دلبرا چون بناز جلوه فشانی کند
مرغِ دلم از قفس کرم عنانی کند

شاہ فتح اللہ: (قصیده دربارهٔ جلوسِ اورنگ زیب)

آغاز: ای شهسوار عرصهٔ دوران خوش آمدی
وی صفدرِ معارک مردان خوش آمدی

انجام: نوشیروانِ عادلِ اورنگ زیب کوی
کو برده گوی عدل ز شاہان خوش آمدی (۱۰۶۰ھ)

(۱) دیوانِ ولی

از نوّاب ولی محمّد خان لغاری وزیر والیِ سند۔ (م ۱۲۴۵ھ / ۱۸۲۹م) این دیوان را در ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷م سروده است۔ تاریخ سرودن آن در خاتمہ دیوان شماره ۸۶ (ن۔ک زیر) چنین گفته است:

مصرعهٔ تاریخ دیوانِ ولی
گفت ہاتف "جا بجا بادا چراغ"

آغاز: الٰهی جوہر آرا ساز شمشیرِ زبانم را
چو خورشیدِ درخشان کن دُرِ نظمِ بیانم را

۸۷۔ نستعلیق۔ جان محمّد۔ ۱۲ شعبان ۱۲۶۳ھ۔ واقع قصبه دہ سیّد غلام نبی شاه رضوی۔ اندکی کرم خورده۔ دارای غزلیات به ترتیب ردیف۔ آغاز برابر نمونه ۸۸ گ۔ ۱۵ س۔

۸۶۔ نستعلیق۔ لعل داس ولد لاله من موگر (سکھ) داس قانو نگوی باشنده لوہری واقعه بتاریخ ۱۱ ماه اپریل (آوریل) ۱۸۶۰م / ۱۸ رمضان المبارک ۱۲۷۶ھ

از وست: دل را اشتیاقِ دیدنِ تست ببر از خاطرِ غم دیده غم را
گم کجا گردد طریقِ معرفت گر دلی باشد ہدایت رہنما

آغاز برابر نمونه۔ ۱۰۰ گ۔ برگهای از غزلیات ردیف "ی" موریانه خورده۔

○ دیوانِ یار

دارای غزلیات به ترتیب ردیف. غزل اوّل از سلطان باهو. سپس با تخلّص یار.

یار - از وست: یار سر بازی است کن در راهِ عشق
زانکه سر بازیست بازی عاشقان
ای یار خود نمای با دلق می کنی
آخر ازین خیال پشیمانیت کجا است
یار گر خواهی لباسِ مُقبلان
رو چو صوفی شو لباس صوف بر

آغاز: یقین دانم درین عالم که لامعبود الاهو
ولا موجود فی الکونین لا مقصود الاهو

۴۹ـ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، همراه "مجمع الصنائع" پس ازان، ۱۵۰ و. پس از اختتام این نسخه چهار برگ مشتمل بر شعر های فارسی از سرایندگان مختلف.

○ ذخیرهٔ خوارزمشاهی (چند دانشی، طب)

از سیّد اسماعیل گرگانی، در سال ۵۰۴ھ / ۱۱۱۰م در دو مجلد نگاشته است.

آغاز: (باب پنجم) باید دانست که مردم لاغر و خشک اندام را از فرط جماع زبونی پیدا شود

[ان. ک: موزه: ۹۳. گنج بخش ۱: ۲۸۴. آذر: ۳۴. مشترک ۱: ۵۷۸]

۲۹ـ نستعلیق، به دو خامه، ناقص الطرفین، ۲۳۰ گ.

○ راحت القلوب (اخلاق)

از مبارک بن فیض الله سنای، در اخلاق و حکایات دینی در ۲۰ "باب" در ۸۵۰ھ / ۱۴۴۶م نگاشته است.

آغاز: الحمد لله ... بعد میگوید بندهٔ ضعیف مبارک فیض الله ... که هیچ کاری اہم تراز ایمان نیست

[ان. ک: آذر: ۲۸۵. موزه: ۳۰۴. مشترک ۳: ۱۳۴۳]

۲۸ـ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، همراه "اساس المصلیٰ" پس ازان در همان مجموعه، نصفِ آخرِ این نسخه بسیار کرم خورده، آب دیده و بریده است و ناقابل استفاده.

ارحیما، تضمین بر کریما (منظوم)

شاید از فقیر امیر علی (ان . ک . خاتمه)، تضمین بر کریمای سعدی.

آغاز: رحیما ز الطاف بی منتها سوی ملک تحقیق شو رہنما
مکن در بوادی عصیان رہا کریما به بخشای بر حال ما
که هستم اسیر کمند هوا

خاتمه: الا ای جهاندار جم اقتدار تمنای باطل ز خاطر برار
که از پند فردی ترا هست عار منه دل برین دہر ناپایدار
ز سعدی همین یک سخن گوشوار

رحمة الله علیه، از فقیر امیر علی

فلک تا ز خورشید باشد منیر زمین تا جوانست از چرخ پیر
بیان تا بجانش بود داروگیر زبان تا بود در دہان جاگیر
ثنای محمد بود دلپذیر
صلی الله علیه وسلم

(در منابع در دسترس نامی ازین نسخه بدست نیامده است)

۳۳- نستعلیق زیبا، قرن ۱۳ه، عنوان با شنگرف، ۱۵×۲۵، در چهار کالم، در مجموعه شماره سومین، پس از مثنوی چسپیر نامه

۱) رساله اختصار نجوم هیئت حکمت حساب (نجوم)

نام نگارنده در دیباچه نیامده است، برای تفصیل بنگرید به آغاز

آغاز: الحمد لله رب العالمین ... این رساله مختصر کرده شد بعبارت فارسی و در وی مندرجه است چهار علم از علم معتبره و چنانکه علوم نجوم و علم بینة و حکمت و حساب از کتابهای معظمه چیزی اند که کشیده شد در سه " باب " ۱. دربیان حرکت آفتاب، ۲. دربیان سایه اصلی و طلوع و غروب ستاره، ۳. دربیان بهوای مختلفه و نو روز و موسم مزرعه.

۳۴- نستعلیق، عبدالرحمن بن محمد ساجن، قرن ۱۲-۱۳ه، عنوانها و نشانها شنگرف، با یادداشت ملکیت "فقیر محمد".

○ رسالهٔ شیخ بهاء الدین زکریا ملتانی (عرفانی)

از شیخ بهاء الدین زکریا ملتانی (۵۶۶-۶۶۶ھ / ۱۱۷۰-۱۲۶۷م) نام این رساله در خاتمهٔ نسخه آمده است. ن. ک: مشترک ۳: ۱۳۸۰ "رسالهٔ بهاء الدین زکریا ملتانی" که آغاز نسخهٔ ما ازان جدا است.

آغاز: **الحمد لله ... قال النبی صلی الله علیه وسلم عن اعرض عن النبی فقد اعرض عن الله تعالی قال ائمه الدین رحمه الله تعالی المرتد ... مرتد عن الدّین.**

[ن. ک: مشترک ۳: ۱۳۸۰. پاکستان و هند ۲: ۱۰۳ "ذکر مولف"]

۱۰۱. نستعلیق. قرن ۱۲ھ. کرم خورده. ۸ گ.

• رسالهٔ فی شرح رباعی سلطان ابو سعید ابوالخیر: حورائیه

○ رسالة الاغذیه، خواص الاغذیه (طبی)

از سید عبدالفتاح مخاطب به خواجه عبدالله تملین (تمکین)، بنگرید گنج بخش ۱: ۲۸۶ "رسایل خواجه تملین" در نسخهٔ ما با دو نقطه "تمکین" آمده است. نیز بنگرید به مشترک ۱: ۳۲۹ در آنجا استاد منزوی در مورد تمکین و تملین بررسی کرده است و هم در باره نسبت مکانی اش حیدرآبادی و دهلی.

مشتمل بر پنج "فصل": ۱. خواص و کیفیت گوشت ها. ۲. کیفیت حبوب و دانه ها. ۳. خواص بقولات و سبزی ها. ۴. میوه ها. ۵. شیرها (لبنیات).

آغاز: **حمد و سپاس مرخدای را که ناطقهٔ انسان بحکمت خود کشاده و بر مخلوق را بواسطه فضلای و فیض ازان داده.**

[ن. ک: مشترک ۱: ۳۲۹. گنج بخش ۱: ۲۸۶]

۶۴. نستعلیق. قرن ۱۳ھ. شماره ۳ در مجموعه گ ۶۸-۶۰. عنوانها شنگرف.

○ رسالهٔ بسم الله، بسم الله نامه، تفسیر بسم الله (منظوم تفسیر)

از ملّا شاه بدخشی (بدخشانی)، شاه محمّد بن عبدالحمید ارگشائی رستاقی ملقب به لسان الله (م ۱۰۷۰ھ یا ۱۰۶۹ھ / ۱۶۶۰ یا ۱۶۵۸م). امّا در نسخهٔ ما نام سراینده این رساله شام بن عبدالله آمده است. در دیباچهٔ منثور میگوید (پس از حمد و نعت) .... اسم بی مُسمّا شام بن عبدالله متولد در ارک از قریه های رستاق شهرهٔ آفاق.

در باره این کتاب در دیباچهٔ منثور میگوید: "در وزن مخزن اسرار گنج بیکنار شیخ نظامی

گنجہ ای ۔ اوّلاً بطریق اجمال صدبیت در تعریف مجموع بسم اللہ الرحمن الرحیم گفتہ و آخراً بتفصیل در تعریف ہریک حرف صدبیت علیحدہ گفتم و در خاتمہ درباره کتاب می سراید :

بسم اللہ الرحمن الرحیم	گفتم از اوّل تا بمیم
بیست دو حروف است سر تا قدم	ہریک را تعریفی کرده ام
با مجموعش دلبستہ ام	بستہ ہمہ را یکی گلدستہ ام
ہر یکی را صد بیتی گفتہ ام	بیست و سہ صدبیت آمد رُستہ ام

برای نمونۂ تعریف حرف یا ملاحظہ شود :

تعریفِ سینِ بسم اللہ = سینش آمد ز دل مستقیم بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعریف میم بسم اللہ = میکنم از بسملہ اش حرف میم بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز (دیباچہ منثور) : الحمد لمن قال بسم اللہ ... و علم احمده ... پس از حمد خدا و نعت انبیاء و منقبت اولیاء میگوید اسم بی مسما شام بن عبداللہ متولد در ارک از قریہ ہای رستاق ۔

آغاز : بسم اللہ الرّحمن الرّحیم خال و خط و زلف و قدِ مستقیم

انجام : گشت رسالہ بسم اللہ تمام آخرش با این ختم کلام

[ن ۔ ک : مشترک ۸ : ۸۸۳ ۔ پاکستان میں فارسی ۲ : ۱۲۳ - حالات ملا شاہ بتفصیل "]

۳۲ ۔ نستعلیق ، قرن ۱۲ھ ، مجدول ، ۹۹ گ ۔

○ رسالۂ حمد و نعت و منقبت (منظوم)

از ملا شاه ، یاد او در ضمن رسالۂ بسم اللہ گذشت در ہمین فہرست نیز ن ۔ ک : آغاز

آغاز : (دیباچہ منثور) : الحمد للہ رب العالمین والعالمیـن و نعتـاً للانبیاء والمرسلین والمرسلین خصوصاً سیّدنا سیّد الاوّلین والآخرین ... بعده این کتاب فقیر آگہ مُلّا شاه کہ مشتمل بر حمد و نعت و منقبت و تعریف و سلوک و معرفت و خاتمۂ کتاب است منقسم بر پانزده پانزده بند است و ہر بندی مشتمل بر پا نزده بیت است ۔

آغاز : (منظوم) : اوّل تمہید

بیائید یاران محمود من کہ حمدی کی ہست مقصود من

(حمد اوّل اللہ را نسبت نامِ او عزّ و جل)

بیائید یارانِ اللہ جو کہ بینم از نامِ اللہ رو

(حمدِ دوم رحمن رانسبتِ نامِ او عزوجل)

بیائید ای دوستان شاه را   برون گنج مخفی ست الله را

[ان ـ ک : پاکستان میں فارسی ۲ : ۱۳۶ ـ مشترک ، : ۸۸۴ " نام این رسالہ "]

۳۲ـ نستعلیق ۰ قرن ۱۲ھ ۰ گ ۶۹ تا ۱۱۰ ھمراہ رسالہ بسم اللہ ـ

از آخر اندکی افتادہ است ۰

• رسالۂ خواجہ محمد پارسا ، مجوبیہ

○ رسالہ در رشاد زنان و دستِ بیعتِ ایشان   (عرفان)

از علی بن حسام الدّین حتقی ، بنگرید بہ آغاز ـ

آغاز : الحمد للہ ... اما بعد ہمی گوید علی بن حسام الدّین این چند کلمہ است در رشادِ زنان و دستِ بیعتِ ایشان قال اللہ تعالی ایھا النّبی اذا جاءک المؤمنات ـ

۳۴ـ نستعلیق ۰ (عبداللہ ابن مخدوم ابراہیم ولہاری ۰ ۱۲۶۲ھ) ۰ ش ۲ در مجموعہ ۰ ۲ ص ـ

○ رسالہ در بیانِ تاریخ ماہِ شمسی   (فلکیات)

بخشی از رسالہ ایست کہ دربارۂ نجوم و فلکیات است ۰ چون از آغاز این رسالہ پیدا میشود ـ ن ـ ک زیر ـ

آغاز : فصل دربیانِ تاریخ ماہِ شمسی کہ امروز آفتاب در کدام برج است ، بایدکہ از سالھای ہجری یازدہ صد سی وہفت طرح کند باقی را در یازدہ ضرب کند ـ

۵۸ـ نسخ ۰ (۱۱۸۸ھ) ۶۰ برگ ـ

○ رسالہ در فضیلتِ اسپان   (جانور شناسی)

بروزگارِ سلطان شمس الدّین مُظفّر شاہ گجرات ۰ درآن در وصفش می سراید :

شمس دنیا و دین مُظفّر شاہ   آنکہ شاہی بعلم و دانش داد

یارب اندر پناہِ تو گجرات   تا ابد باد ایمن از آفات

در فضیلتِ اسپ بر حیوانات : نثر آمیختہ بہ نظم در بارۂ خواص وعلامات و علاجات اسپ و جز آنہا مشتمل بر دو " قسم " و ۵۰ " باب " ـ دربارۂ تقسیم کتاب سرودہ است :

ہست بنیادِ این خجستہ کتاب   مشتمل بر دو قسم پنجہ باب

آغاز : الحمد لله علی نعمایه الشاملة و علی آلائه الکاملة ... بدانکه اسعدک ... این رساله مختصریست در فضیلت اسپان از سعیِ بسیار و از کوشش بیشمار این چند باب ارقام نموده اند .

[در منابع در دسترس نامی این کتاب بدست نیامده است]

۶۹۲ـ نستعلیق ، قرن ۱۲ و ۱۳هـ ، عنوانها شنگرف ، ۱۰۸ ص .

• رسالهٔ شیخ بهاء الحق محمد بن محمد البخاری المعروف به نقشبند : قدسیه

○ رسالهٔ نبض (منظوم) (طبّ)

از میان اخوند امتید علی بن مرحوم حاجی عبدالله بالائی عقیلی متخلص به شها ، مرید در سلسلهٔ نقشبندیه بود . در آن می سراید .

تمام این موجز آمد دلپسندم | اگر نالائقم از نقشبندم

و دربارهٔ سیّد نور محمّد می سراید :

بحمد الله قلم در نون بالنون | چون صاد از دال اسم سرنون
الٰهی سیّد نور محمّد | بفضلِ خود نگهدارش زهر بد

رساله در بارهٔ نبض میباشد :

آغاز : حکیمی مطلق اندر جنبش نبض | ودیعت کرد بسط کامل قبض
کمال جنبش نعت محمد | پذیرد نبض عقل از وی چو اثمد

انجام : الٰهی حرمتِ نورِ محمّد | سارا ده نصیب از نورِ سرمد
علیلان راشفای از تو باشد | فقیران راغنای از تو باشد

[در منابع در دسترس نسخهٔ دیگر ازان نیافتم]

۶۹۳ـ نستعلیق به روشنائی لاجورد ، بدون عنوانها ، نظم مسلسل ، در مجموعه ش ۶۰۱ گ ۱۱۰ س .

○ رشحات الفنون (چند دانش ، تذکره سرایندگان)

از امین الدّین خان حسینی هروی متوی (م ۱۱۲۶هـ = داخل الجنات اد ") بن سیّد ابو المکارم بن امیر خان الحسینی الهروی . در سال ۱۱۲۳هـ / ۱۷۱۱م نگاشته است . در دیباچه تاریخ تالیف چنین گفته است :

رشحات الفنون بود نامش | باسمیٰ است اسم این مرقوم
چون سر جهل از بریده شود | سال تاریخ زان شود معلوم

شامل ۱۶ "رشحہ" ۔ ۱۔ در علم تفسیر ۔ ۲۔ در علم حدیث ۔ ۳۔ در شعب ایمان ۔ ۴۔ دربیان عقائد و کلام ۔ ۵۔ در اصول فقہ ۔ ۶۔ در علم فروع فقہ ۔ ۷۔ در علم تصوف ۔ ۸۔ تعریف حکمت و منطق و اقسام آن ۔ ۹۔ در علم طب ۔ ۱۰۔ در حکمت عملیہ ۔ ۱۱۔ در علم نحو ۔ ۱۲۔ علم صرف ۔ ۱۳۔ در علم معانی ۔ ۱۴۔ در علم بیان ۔ ۱۵۔ در علم بدیع ۔ ۱۶۔ در علم تاریخ ۔ تنویر در بیان سیر النبیؐ ۔

آغاز : سپاس بیقیاس آن معبود مطلق وآن مسجود برحق را جل شانہ ، کہ سزاوار پرستش ذات اوست ... اما بعد چنین میگوید اقل الخلیقہ احقر العباد امین الدین خان۔

[ن ۔ ک : مشترک ۱۰ : ۲۳ ۔ پاکستان میں فارسی ۳ : ۸۱۸ تا ۸۲۳]

۹۔ نسخ خوش ۔ قرن ۱۳ھ ۔ عنوانہا شنگرف ۔ در آغاز فہرست مطالب آمده است ۔ ۲۵۳ گ ۔ ۱۹ س ۔ نسخہ خیلی جالب است ۔

○ رضوان الرمل (رمل)

از محمد رضا بن عنایت اللہ دیلمانی (دیباچہ)

آغاز : بعد حمد و سپاس حکیمی را کہ بہ گم گشتگان بادیہ منقلب الاحوالی اشکال خارج و داخل و ثابت را بہ امتنان لازم الشفاء

[ن ۔ ک : مورد : ۹۰۴ فقط ذکر نامش است ، در منابع در دسترس نسخہ دیگر ازین الفاگی یافتم]

۶۷۔ نستعلیق ۔ ۱۸ صفر ۱۲۲۶ھ ۔ عنوانہا شنگرف ۔ ۲۵۳ گ ۔ ۱۳ س ۔

○ رقعات بیدل ، انشای بیدل (انشاء)

از میرزا عبدالقادر بیدل عظیم آبادی (م ۱۱۳۰ھ / ۱۷۱۸م)

با عنوانہای ۔ رقعہ در معذرت شکوه ۔ ایضاً ۔ در معذرت غفلت ۔ ایضاً ۔ در معذرت کاہلی قلمی ۔ در جواب شکایت نامہ ۔ اشتیاق نامہ ۔ بشکر اللہ خان در ازدواج صبیۂ ایشان ۔ جواب عنایت نامۂ شکر اللہ خان ۔ رقعہ بکرم اللہ خان ... وجز آنہا

آغاز : رقعات بیدل ۔ رقعہ در معذرت شکوه ۔ بیدلم بیدل مراچہ تیغ بودن ساز کو ۔ از عدم جوشم انجامم چہ او نماز کو ۔

[ن ۔ ک : مشترک ۵ ۔ ۲۹۳ ۔ پیشگفتار سید عارف نوشاہی بر "بر کلیات میرزا عبدالقادر بیدل" انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ۔ اسلام آباد ۔

۱۲۔۵ نستعلیق ۔ قرن ۱۳ھ ۔ عنوانہا شنگرف ۔ شماره در مجموعہ ۔ مجدول ۔ ۱۱ گ

○ روضة الشهداء (تذکره)

از حسین بن علی کاشفی، در ۹۰۸ھ / ۳-۱۵۰۲م، در سرگذشت حضرت پیامبر (ص) و اہلبیت (ع) نگاشته است.

آغاز: ای شربت درد تو دوای دل ما
آشوب عطای بلای تو دل ما (کذا فی نسخه ہذا)

[ان - ک: مشترک ۱۰: ۲۳۸ - موزه: ۹۰۰۹ - آذر: ۳۳۳]

۲- نستعلیق، ۱۹ رمضان المبارک ۳۰ھ (کذا) بعمل سنه ششم بادشاه فرخ سیر، ۲۱۰ گ.

○ ریاض العارفین؛ تاریخ نامهٔ ریاض العارفین (عرفان)

از عبدالقادر بن ہاشم الحسینی (دیباچه) نصرپوری مؤلف حدیقة الاولیاء، در ۱۰۳۳ھ / ۱۶۲۳م بروزگار جهانگیر نور الدّین محمد ابن جلال الدّین محمّد اکبر بادشاه نوشته است. در دیباچه تاریخ نگارش چنین سروده است:

تاریخ سال آن را چون از خرد بجستم
نغز سرا چون بلبل گفتا «بود ریاضی» = ۱۰۳۳

این کتاب مشتمل بر پنج فصل و پانصد حکایت اولیاء که آن را مؤلف کتاب از کتب متعددهٔ ائمهٔ کبار و مشائخ نامدار انتخاب نموده. (دیباچه)

آغاز: (افتاده از دیباچه)، بینات و مرموزات راه نمود، فیاضی، که مرایای قلوب دوستان صادق مولا بصیقل ذکر و ضیاء از زنگ تعلق ماسوا مصفا گردانید.

۹۹- نستعلیق، قرن ۱۱ - ۱۲ھ، عنوانها شنگرف، ۲۱۶ ص، ۱۸ س. نسخه خیلی مهم است.

○ سراج المصلّی (فقه، منظوم)

از ابوالحسن ذاہری. در ۱۱۶۳ھ / ۱۷۳۹م سروده است در آن زیر عنوان «باب در تاریخ کتاب و معذرت در خدمت اصحاب اولوالالباب» می سراید.

بگوید کنون ذاہری بوالحسن
که در ملک ہند است اورا وطن
چون شد سال ہجری تا سال حال
ہزار و صد و شصت دیگر سه سال

بکردم بتائید او اہتمام
نہادم سراج المصلیٰ اش نام

آغاز: لک الحمد والحمد مثمر وضاک
ولا حمد اصلا لمن ھو سواک
بنام خداوند بر دوسرا
درین نامه جاری کنم خامه را

[ن . ک : گنج بخش ۳ : ۱۹۳۷]

۴۳. نسخ . قرن ۱۲ھ . عنوان و نشان شنگرف . محشی . نسخه: کامل .

○ سراجِ منیر (اخلاق)

از قاضی محمد شریف کاشف شیرازی بن شمس الدین محمد شیرازی (۱۰۰۱ . ۱۰۶۰ھ / ۱۵۹۳ . ۱۶۵۰م) در بیست "لمعه" و یک "خاتمه" .

۱. شرایط ادب ۲. ذباب حیا ۳. فواید حلم ۴. مناقبِ عدل ۵. محامدِ احسان ۶. حلاوتِ صبر ۷. عذوبتِ عشق ۸. چاشنیِ محبت ۹. مکارمِ سخاوت ۱۰. محاسنِ شجاعت ۱۱. ذلتِ طمع ۲۰. ملامتِ حسد

آغاز : ستائش کریمی را که حلیهٔ حلیتش زیوری ست زیبنده در رشحهٔ محیطش گوہری ست .

[ن . ک : مشترک ۳ : ۲۳۶۵]

۴۱. نستعلیق پخته . محمد شریف . ربیع الاول ۱۰۳۰ھ . گویا در حین حیات مصنف کتابت شده . محشی . در مجموعه ۵۰ گ .

○ سلک السلوک (عرفان)

از ضیاء الدین نخشبی دہلوی بدایونی (م ۷۵۱ھ / ۱۳۵۰م) در درویشی و سلوک نگاشته است . در ۱۵۱ "سلک" .

آغاز : حمدی که از عطر روائح و ارواح اولیاء معطر گردد .

[ن . ک : مشترک ۳ : ۱۵۵۳ . ۲/۵ : ۲۳۳ . بعد در: ۸۱]

۴۳. نستعلیق . قرن ۱۲ھ . ۹۳ گ با فہرست مطالب که در آغاز نوشته شده است . از یار محمد صدیق عفی عنه ۱۲۰۵ھ . محشی .

○ سلوک الرجال (عرفان)

از علی بن حسام الدّین متّقی (همان نگارنده سلوک الطریق ... بنگرید در همین فهرست). در سلوک نگاشته است. بنگرید به آغاز:

آغاز: سبحانک لاعلم لنا ... اما بعد همی گوید اضعف عباد الله علی ابن حسام الدین که مشهور است درمیان مردمان به متقی، پیش ازین رساله در بیان معرفت راه خدای تعالی و بیان قرب خدای تالیف کرده شد بزبان عربی و نام این رساله " تبیین الطرق " نام نهاد شد. واین رساله پارسی آن رساله است برای فهم مبتدیان تالیف کرده شد و نام این " سلوک الرجال " نهاده شد.

ان. ک: مشترک ۳: ۱۵۹۰؛

۵۳. نستعلیق. قرن ۱۳ھ. ۲۰ گ. ناقص الآخر

○ سیر العارفین (تذکره)

از جمالی دهلوی (م ۹۴۲ھ / ۱۵۳۶م) در مدت ۹۳۸-۹۳۱ھ / ۱۹۳۱-۱۹۲۵م نگاشته است.

آغاز: حمدی که ابواب سعادت بر ارباب عبادت مفتوح گرد اند، و سپاس که سرگشته بادیهٔ طلب را بمنزل مقصود رساند.

ان. ک: آذر: ۳۳۶. گنج بخش ۳: ۲۱۲۸. موزه: ۶۸۲؛

۳۴. نستعلیق، ابراهیم ابن داؤد بن علی ولد حسین کمتو لده متوطن سرودبن، ۱۳ جمادی اخری ۱۱۳۰ھ؛ ۱۸۱۰؛ ۱۳۰ ص،

• شاہنامۂ منثور: تاریخ شمشیر خانی

○ شرح اربعین نووی (حدیث)

جامع حدیث ابو زکریا یحیی ابن شرف النووی (م ۶۷۶ھ / ۱۲۷۷م) شرح از ناشناس. ن. ک. آغاز: شرح لطیف علی اربعین.

آغاز: الحمد لله حمداً یلیق به والصلوة والسلام ... امّا بعد فهذا شرح لطیف علیٰ اربعین الاحادیث الّتی جمعها ... محی الدّین ابو زکریا یحییٰ ابن شرف النووی.

۳۵. نسخ، نستعلیق. محمّد شامل بن شاه محمّد بن مولانا محمّد ہاشم، ۱۰ ذیحجه ۱۲۱۶ھ، یوم الثلثا، بامُہر کاتب "محمّد شامل". ۸۲ گ ۲۱۰ ص.

• شرح اسکندر نامه : شرح شرفنامه

○ شرح بوستانِ سعدی

از عبدالرسول بن شهاب الدین بن عبدالله بن طاہر بن حسن قریشی به سال ۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۳م به دستور برادرِ بزرگِ خود شیخ عبدالله و برخی از یاران نگاشته است.

[ن ـ ک : مشترک ۶ : ۲۸۸ ـ موزه : ۵۳۹]

۱۹ـ نستعلیق ، محمد صادق ۲۹ ذیحجه ۱۱۰۹ھ ، همراه شرح گلستان عبداللطیف گ ۲۳ ـ ۳۰.

آغاز : قطا بی لباب کتبت العتیق پس خوشی است مروریرا بمچون خانهٔ کعبه است.

شرحِ پند نامه (فارسی ـ نظم)

متن از عطار نیشاپوری ، گزارش از ناشناس.

آغاز افتاده : وغیر ذالک چکند وزان و کشید کرانی بکلا باطون وتار بای

۲۰ـ نستعلیق ، ۲۰ جمادی الثانی ۱۲۱۳ھ.

○ شرح خلاصة الکیدانی (فقه)

متن عربی از لطف الله نسفی کیدانی (زنده در حدود ۹۰۰ھ) شرح از ناشناس.

آغاز : معنی التسمیة با الفارسیه علی التحقیق بنام خدای بی همتا آغاز میکنم خدای که روزی بما دهنده است.

[ن ـ ک : موزه : ۸۲۸ ـ گنج بخش ۳ : ۲۲۲۲ در آنجا چند نسخه از شرح خلاصة الکیدانی نشان داده است که نسخه ما از آنها جدائی دارد]

۲۱ـ نسخ ، پیر محمد ولد میان پرنم ساکن موضع کوٹی ، قرن ۱۲ھ ، شمر او مؤرخ ۱۱۶۳ھ ، برگهای پراگنده و کرم خورده.

۲۲ـ نسخ ، عبید الله ، قرن ۱۳ھ ، عنوانها شنگرف ، ۱۰ گ ، ۲۲ س ، محشی

○ شرحِ سفر السعادت والصراط المستقیم : الطریق القویم فی شرح صراط المستقیم

متن از مجد الدین محمد بن یعقوب فیروزآبادی (۷۲۹ ـ ۸۱۶ھ)

شرح از شیخ عبدالحق محدث دهلوی در ۱۰۱۶ھ / ۱۶۰۶م نگاشته است.

آغاز: سبحانک لاعلم لنا ... حمد و سپاس صانع پروردگار تحت کلمة

۳۴۳- نستعلیق، قرن ۱۲/۱۸م، ۵۲۵ ر، یک برگ از انجام افتاده است. نسخۀ خوب و پاکیزه است. بالای، ورق اول، عبدالعزیز میمن که به همین خط نسخۀ ای از اسماء الرجال مشکاة المصابیح - تالیف شیخ عبدالحق محدث دهلوی بخط پسر نگارنده شیخ نورالحق دهلوی است که در کتابخانۀ رامپور نگهداری می شود، در نسخه ما نیز بخط آن محدث باشد.

ملاحظه کنید عکس صفحۀ اول و تحریر عبدالعزیز میمن بر آن.

(۱) شرح شرفنامه: شرح اسکندرنامه

متن از نظامی گنجوی.

شرح از محمد نصیر بن سلطان شفیانی بهکری، در نیمۀ دوم، سدۀ یازدهم هجری

آغاز: حمد و سپاس متواتره و ثناء تحیت متکاثره مر خالقی را که ظلمت کده حروف ... چنین گوید شیرازه بند دفتر پریشانی محمد نصیر بن سلطان شفیانی پیش ازین بر سکندر نامه بری از تصنیف ... خواجه نظامی یکی از فضلاء شرحی ساخته.

ن. ک: گنج بخش ۳: ۱۵۲۹، موزه: ۵۹۳، مشترک ۹: ۱۳۰۰،

۳۱- نستعلیق، قرن ۱۳/۱۹م، ۲۰۰ گ، کرم خورده، ناقص الآخر.

(۱) شرح شرفنامه: شرح اسکندرنامه

متن از نظامی گنجوی.

شرح از ناشناس - برای نشانی: ن. ک: زیر.

آغاز: (دو برگ از آغاز افتاده) دنیا مناسب است و برین تقدیر باد ببای موحده بمعنی معروف و حاصل ازو بیچ و ناپائیدار است ... بیت: پناه بلندی و پستی توئی - همه نیستند آنچه هستی توئی. از - بلندی و پستی عالم علوی و سفلی مراد است.

ن. ک: مشترک ۹: ۱۳۰۰، ۱۵۳ در آنجا "شروح اسکندرنامه"

۱۳۱- نستعلیق، قرن ۱۳/۱۹م، الفاظ متن شنگرف، ناقص الطرفین. ۱۲۰ گ، ۱۹ س.

(۱) شرح شمایل النبی: تحفۀ نظامیه (سیرت)

متن از ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی

حکیم ... مراد از گنج کتابِ مجید و قرآنِ حمید است که گنج لطائف جواهر احکام و غرائب زواہرِ قصص و فرائدِ مواعظة است

[ان . ک ؛ موزه ؛ ۹۳۵ ـ گنج بخش ۳ ؛ ۱۸۰۵]

۴۹ـ نستعلیق ؛ بدانت الله ، سلخ ماه ربیع الاول ۱۲۰۸ ھ ، مجدول دو راه شنگرف ، کمند بندی ، عنوانہا شنگرف ، متن بہ قلم جلی و شرح بقلمِ خفی ۱۳۳۰ و ، نسخہ جالب است.

○ شرح المیزان (صرف)

از مخدوم عبدالرحمن تہرانی

آغاز: الحمد لله ... اما بعد فهذا حواشی متعلقه به میزان الصرف

۵۰ـ نستعلیق ، قرن ۱۳ھ پس ازین یک برگ از تصنیف بوبکانی ملحق شده است.

○ شرحِ یوسف زلیخا

متن از جامی ، شرح از ناشناس

آغاز (افتاده): منادی برکشیده ـ منادی بفتح دال نوازنده و منادی بکسر دال آواز . قوله بسی گفتند حاشا ثمّ حاشا ـ حاشا کلمه تنزیه است.

[ان . ک ؛ مشترک ۰ ؛ ۰۰۰ در آنجا شرح ہای این کتاب را نشان داده شده است]

۷۱ـ نستعلیق ، عنوانہا شنگرف ، قرن ۱۳ھ ، ۱۹۲ گ ، ناقص الطرفین .

○ شمس العارفین (عرفان)

منسوب بہ حضرت سلطان باہو (۱۰۳۹ـ ۱۱۰۲ھ / ۱۶۳۰ ـ ۱۶۹۱ م) انتخاب از کتابہای سلطان باہو ، کلید التوحید ، قرب دیدار ، مجموع الفضل و عقل بیدار ـ در ہفت باب ... است

آغاز: الحمد لله رب العالمین والحمد لله الذی نور قلوب العارفین بالہدایه والعرفان ... بعده شروع میکنم بعون الله تعالی رساله که انتخاب کرده شد.

[ان . ک ؛ مشترک ۳ ؛ ۱۹۹۸]

۷۲ـ نستعلیق ، قرن ۱۲ـ ۱۳ھ ، عنوانات سرخ ، از باب ہفتم نا تمام مانده ، ۲۹۰ گ .

○ شیرین و خسرو ، خسرو شیرین ـ (منظوم)

از نظامی گنجوی ، دومین مثنوی از خمسہ اوست ـ بہ سال ۵۷۶ھ / ۱۱۸۰ـ ۱۱۸۱م ، در بحر ہزج مسدس سروده است.

آغاز: خداوندا در توفیق بگشای

سطامی را ره توفیق بنمای

[ان . ک : مشترک ۸۸:۴ . آذر : ۲۵۵]

۹۱۔ نستعلیق ۱۰ رجب المرجب ۱۲۲۹ھ . در متن و هامش . ۲۰۶ ص . (این نسخه مطبوعه است).

( ) صلاح المتعلمین   (انشاء)

از بهارو صالح در دیباچه میگوید - فقیر الحقیر پُر تقصیر فقیر بهارو که نامش عجمی از اوّل بر مصرع این دو بیت پیدا و هویدا خواهد شد :

صرف کردم در معاصی در جرائم روزگار

اشک ریزان است چشم همچو اشک ابر بار

لائق لطف لطیف آنکه از راهِ عطا

حرف عفو خویش آرد پیش هر عیب و خطا

مشتمل بر چهار قسم :- ۱. مشتمل بر خطوط و عرائض ۲. رقعات ۳. تهنیت نامجات ۴. مکاتبات عزا.

آغاز: حمد و ثنای ایزد تعالی عزّاسمه وجلّ قدره که در همه مصنوعات گوناگون و تمامی مکنونات بو قلمون را بصنعت شامله و قدرتِ کامله از کتم عدم بمرصه وجود موجود کرد.

[ان . ک : مشترک ۵ : ۵۰۱]

۸۹۔ نستعلیق . سده ۱۳ھ . ۳۹ . ۱۳ س .

( ) ضرب الامثال فارسی   (دستورِ زبانِ فارسی)

نام نگارنده و نام کتاب شاید در دیباچه بود که از نسخه ما افتاده است مشتمل بر ضرب الامثال فارسی . از شعر و مصرع های فارسی کشیده است . برای بیت لفظ (ب) و برای مصرع (ع) بکار برده است.

آغاز: (افتاده تا حرف دال) : دولت ندهد کس را بغلط . دولت ... را بقای نیست . دولت دولت است.

انجام: (پ) : یکی کرده بی آبروی لبی . چه غم دارد از آبروی کسی. یک یوسف هزار خریدار.

۳۱۔ نستعلیق. قرن ۱۳ھ. مجدول ۳ راه شنگرف. نشان با شنگرف. ش ۲ در مجموعه. کهنه بندی. ۱۰ گ.

۱) طبّ دارا شکوهی؛ علاجات دارا شکوهی

از نور الدین محمد عبد الله، عین الملک شیرازی، به نام دارا شکوه (۱۰۲۴ - ۱۰۶۹ھ / ۱۶۱۵-۱۶۵۹م) به سال ۱۰۵۶ھ / ۱۶۴۶-۵۰م نگاشته است.

آغاز: گفتار بشتم علاجات دارا شکوہی در استحمام و فصد و حجامت و داغ و زالو چسپانیدن مشتمل بر ہفت اسرار

ان. ک: حمدرد: ۳۸. مشترک ۱: ۶۲۵.

۷۷۔ نستعلیق شکسته آمیز، خوش، قرن ۱۲ھ، عنوانها شنگرف، مجدول زرد و شنگرف و لاجورد، جلد دوم است، ۲۰۰ گ، ۲۱ س.

۱) طبّ داودی

از داود خان بن خدا یار خان عباسی، در ۱۲۵۳ھ مسودات میر عبد الرزاق را درست کرده و ترتیب داده است. (دیباچه)

مشتمل بر ۲۵ "روضه" (= باب). ن. ک: ہمدرد ۲۳۹ و موزه: ۱۰۲ و مشترک ۱: ۶۲۶
در آنجا ہمین کتاب مشتمل بر ۲۱ باب است، نیز آغاز نسخه ما با منابع ذکر شده مطابقت ندارد. ن. ک: زیر

روضه ۱: در تشخیص امراض سر و علاج آن مشتمل بر ۱۵ شجره و سیزده ثمره
روضه ۲: در تشخیص امراض چشم. مشتمل بر ۸ شجره و ۱۳ ثمره
روضه ۳: در تشخیص امراض گوش و علاج آن مشتمل بر ۲ شجره و یک ثمره
روضه ۴: در تشخیص امراض بینی و علاج آن مشتمل بر ۳ شجره و یک ثمره
روضه ۵: در تشخیص امراض دہن.

آغاز: محامد مقاصد اساس سپاس بیقیاس محض ذات قدسی آیات یکتائی است که وحده لاشریک له صفت اوست.

ن. ک: مشترک ۱: ۶۲۶. موزه: ۱۰۲. حمدرد: ۲۳۹.

۵۳۔ نستعلیق. محمد افضل. دوم رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ. عنوانها شنگرف ۲۱، ۳۴×۲۰ س، ۱۵ س.

ترقیمه: تمام شد نسخه داودی در بلده بختیار پور بتاریخ دوم رمضان المبارک ۱۳۳۳ ہجریه از ید اضعف العباد آخوند محمد افضل ابن عبد الحق بختیار پوری نقل شده بملکیت حضرت صاحبزاده

ان ـ ک : مشترک ۱ : ۹۳۸ ، موزه : ۱۰۳ ، محمود : ۳۰ ۔

۲۳۔ نستعلیق ، قرن ۱۱ھ عنوانہا شنگرف ، مجدول ، موریانہ خوردہ نسخہ کامل ۔

(۱) فتح دارین (اخلاق)

از جعفر بن عبدالکریم میران بوبکانی ، نگارندہ از مخالفان محی الدین عربی ست ، و در بیانی نوشتہ کہ ۱۱ رسال در رد " فصوص " و " فتوحات " نوشتہ ام ، و گویا این یکی از آنہا باشد ، نام کتاب و نگارندہ در دیباچہ آمدہ است

آغاز : الحمد للہ ... ہر چیزی را باندازہ و حکمت گردانیدہ است والصلوۃ والسلام بر ... لیاقت گفتہ است ... بعد میگوید بندہ ضعیف جعفر بن عبدالکریم میران بوبکانی چون اعراض بسیار کسان از امور دین بسبب استیعاب فقر احوال ایشان را

ن ـ ل : گنج بخش ۲ : ۹۵۰ ۔

نیز بنگرید بہ : نہج التعلل از ہمین نگارندہ بہ تصحیح دکتر این اسے بلوچ چاپ دانشگاہ سند ۱۹۸۰م ۔

۱۸۔ نستعلیق ، شامل بن شاہ محمد ، قرن ۱۳ھ ، عنوان و نشان شنگرف ، ہمراہ این نسخہ یک بیاض است مفید و ارزندہ دارای اسمای اصحاب صف بودہ و نام حضرت فاطمۃ الزہرا ، حلیہ حضرت غوث پاک ، وجز آنہا ، ۱۲ گ ۔

(۱) فتح نامہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضی ، قصہ احمد مختار ، جنگنامہ محمد مصطفی (داستان)

ناشناختہ ، در نسخہ نام کتاب " فتح نامہ حضرت امیر المؤمنین علی المرتضی آمدہ است

آغاز : الحمد للہ ... اما راویان اخبار و ناقلان آثار از قصہ محمد مختار و حیدر کرار چنین روایت میکنند ۔

ان ـ ک : مشترک ۶ : ۱۰۸۸ " جنگنامہ محمد مصطفی : قصہ احمد مختار

۴۳۔ نستعلیق ، قرن ۱۳ ، ۱۲۰۳ھ ، ۲۱ گ ۔

(۱) فتوح الاوراد

از بابا فتح محمد بن عین العرفا شاہ محمد عیسی جند اللہ برہانپوری ۔

از سید میران محمد (ابوکانی ؟)

آغاز: نحمد الله تعالی و نسلم علی رسوله ... اما بعد میگوید فقیر حقیر اضعف عباد الله الاحد سید میران محمد که این چند فواید از علم طب بنا بر افادهٔ مبتدیان جمع نموده.

۵۱- نستعلیق، قرن ۱۲هـ، عنوانها شنگرف، در آخر فرهنگ ادویه.

۱) قدسیه: رسالهٔ شیخ بهاء الحق محمد بن البخاری المعروف به نقشبند (عرفان)

از خواجه محمد پارسا (م ۸۲۲هـ / ۱۴۱۹م). سخنان پیر و استاد خویش را گرد آوری کرده است.

آغاز: حمد و ثنای بیحد و منتها و شکر و سپاس بی اندازه و قیاس حضرت پادشاهی را.

ن. ک: مشترک ۳: ۱۰۰۵؛ موزه: ۲۰۵۲ نیز بنگرید. قدسیه بکوشش ملک محمد اقبال، انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۳۵۴ خ / ۱۹۷۵م.

۵۲- نستعلیق، قرن ۱۳هـ، ناقص الآخر، همراه رسالهٔ شرح رباعی ابوسعید ابوالخیر پس ازو، کرم خورده، ۵۸ و ۵۹ ص.

• قرابادین دهلوی: علاج الامراض

۱) قرابادین قادری (طب)

از محمد اکبر معروف به محمد ارزانی در سال ۱۱۲۶هـ / ۱۷۱۴م در ۳۴ باب به نام شیخ عبدالقادر جیلانی نگاشته است.

آغاز: شکر بی قیاس شایان جناب مستطاب حضرت الهی است.

ن. ک: منزوی ۱: ۵۲۳؛ آ. ف. ۱۰۵؛ موزه: ۱۲۱؛ مشترک ۱: ۱۸۵.

۵۳- نستعلیق خوش، تهارو مل ولد چندن مل، ۱۵ صفر ۱۲۱۲هـ، ساکن قصبهٔ نصرپور، برای خواندن لاله میگراج و منگها رام، در آغاز نسخه فهرست مطالب نوشته شده است و در خاتمه فهرست نام کاتب و مهر او «تهارو مل ۱۲۰۵» ثبت شده است. (فهرست) ۹۸ گ.

• قصهٔ احمد مختار: فتح نامهٔ حضرت امیرالمؤمنین علی (ع)

قصهٔ قاضی و دزد، دزد و قاضی (داستان)

از ناشناس

آغاز: آغاز داستان دزد و قاضی، راویان اخبار و ناقلان آثار چنین روایت کرده

۳۶س، نستعلیق، قرن ۱۱ھ، محشّیٰ، عنوانہا شنگرف، ۱۰، گ. نسخہ مہم است، معلوماتی مفید دارد.

(۱) چکلول نامہ (منظوم)

از ابوالحسن داہری نقشبندی (زادہ در حدود ۱۱۱۴ھ / ۱۷۰۲ـ۱۶۹۶م) و در ۱۱۰۹ھ / ۱۶۹۲م سرودہ است در آن خودش می سراید:

بگوید بوالحسن کاں خوش نمیقہ
نوشتم در معانی بس دقیقہ
نہادم نام او چکلول نامہ
بود چکلول نامہ بہر عامہ
ہزار و یکصد و ہفتاد با شش
گذشتہ این ہمہ تاریخ ختمش

دارای: حمد، مناجات بحضرت مجیب الدعوات، ذکر الله تعالی کہ نجات دہندہ است ...، ذکر شریعت، طریقت، فرق میان ہر دو، ذکر حقیقت، کشف حقیقت، ذکر معرفت آن را بفارسی شناختن گویند، (عنوان آفرین)، ذکر نفس ناطقہ و احوال او در برزخ.

آغاز: بنام آنکہ نامش ہست الله
دلم را او بنامش کرد آگاہ

ن. ل: موزہ ...، آغاز نسخہ ما ازان جدائی دارد

۳۷س، نستعلیق، عبدالله بن مخدوم ابراہیم ولہاری، ۱۲ ربیع الآخر ۱۲۲۳ھ، عنوانہا شنگرف، ۲۲ گ.

(۱) کشف المحجوب (عرفان)

از ابوالحسن علی بن عثمان جلابی غزنوی لاہوری، معروف بہ داتا گنج بخش (م ۴۶۵ھ / ۱۰۷۲ـ۳م).

آغاز نسخہ ما جدائی دارد، بلکہ بہ آغاز کشف المحجوب در موزہ و مشترک چنین آمدہ است: ربنا آتنا من لدنک رحمۃ وہیئ لنا امرنا رشدا

آغاز (نسخہ ما): الحمد لله الذی کشف الاولیاء بواطن ملکوت وفتح الاصفیاء،

ن. ل: ۱۰۰۰، موزہ، مشترک ل ۳: ۱۵۹۵، آذر، ۹.

[نیز بنگرید: رسالهٔ دکترایی آقای دکتر محمد حسین تسبیحی دربارهٔ کشف المحجوب و نگارنده]

۳۹۔ نستعلیق خفی، قرن ۱۱-۱۲ھ، ۱۵۸ و۔

○ کفایۂ مجاهدیه: کفایۂ منصوری (طب)

از منصور بن محمد بن احمد شیرازی، پیرامون ۸۰۰ھ / ۱۴۰۸-۰۹م) نگاشته است.

در دو فن "نظری و عملی و دارو سازی و هریک در بخشهای

آغاز: حمد و سپاس بیقیاس مر خالقی را که در خلقت انسان دقائق حکمت او بی پایان است۔

[ان ـ ک: همدرد: ۳۶ ـ آذر: ۳۰ ـ مشترک ۱: ۶۹۵ ـ موزه: ۱۱۲]

۸۵۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، عنوانها شنگرف، ۲۰۰ ص

• کفایۂ منصوری: کفایۂ مجاهدیه

○ کمندِ وحدت (عرفان)

از محمد حسین نگاهی "میر نگاهی" (آغاز)، "میر همدانی" (ترقیمه) ابن محمد باقر الحسینی (دیباچه)

آغاز: شکر و سپاس رفیعی را سزاست که مرتبه نشینان زوایای بیحران را به نوید ان الله یحب الصابرین بر افراشتند

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامده است]

۲۷۔۵: نستعلیق، عبدالصمد، منشی آقا کربلائی محمد در بلدهٔ فیض آباد ۱۲۳۵ھ، شماره ۵ در مجموعه، ۳۱ گ، ۱۲۰ س

○ گلبنِ معنی (نثر ادبی)

از ناشناس ـ نام نگارنده در دیباچه نیامده است۔

آغاز (نظم): ای در دل و جان صورت و معنی همه تو

مقصود و همه ز دین و دنیا همه تو

هم با همه همدمی و هم بی همه تو

ای با همه تو بی همه تو ای همه تو

(نثر) الهی رقمطراز ثنای ترا چشم سرنامه که خوبان ذات میز شد

[در منابع در دسترس کتابی بدین نام پیدا نشد]

نستعلیق خوش. قرن ۱۲-۱۳ھ ۱۲۰ ق ۰

○ **گلدستۀ نورس بہار، انشای عبدالروف** (انشاء)

از عبدالروف سیوستانی (م ۱۱۳۰ھ / ۸-۱۷۲۷م) نام کتاب و نگارندہ در دیباچہ آمدہ است. منشآت او را فرزندش محمد وفا گرد آوری کردہ است. مشتمل بر سہ "لطیفہ"

لطیفہ ۱. در عرائضِ والا درگاہ و امرایانِ عظام و راجہا

۲. بمتصدیان و جاگیر داران و سادات و علماء و غیر ذالک

۳. بوکلای دربارِ دولت مدار وغیرہ جمع نمودہ.

آغاز (از دیباچہ افتادہ) : استبشارات نطاق امثال مرمیان اقتدار بستہ خواست کہ مطابق امر کرامت بہرآن قبلہ صورت معنی جواہر و زواہر آبدار در رشتہ انتظام و سلک ترتیب کشد.

[ان. ک: مشترک ۵: ۳۰۳. مقالات الشعراء: ۳۲۱ "عبدالروف منشی بھکری"]

۲۲. نستعلیق، ملا احسان سیوستانی، حق و ملک سوکہ رام ولد گوپال داس، در عہد میر فتح علی ۲۰۰۰ گ ۱۵۰ س، مجدول

○ **گرشاسب نامہ**

از حکیم ابونصر علی بن احمد، اسدی طوسی (م ۳۹۵ھ / ۳-۱۰۰۲م)

آغاز: چنان چون مرا در کسی یار نیست

چو کردارِ او نیز کردار نیست

[ان. ک: مشترک ۰، ۱۸: آغاز نسخۂ ما ازان جدائی دارد]

۲۳. نستعلیق خوش، کمال الدین حسب الارشاد میر میان بجار خان ثالث، ۲۶ ذیحجہ ۱۲۷۱ھ، عنوانہا شنگرف، مجدول، کمند بندی، نسخہ کامل و پاکیزہ است

○ **گلشنِ اطباء**

از بولچند سیوستانی (م ۱۱۸۰ھ در سیوستان). دربارۂ سبب تالیف در دیباچہ میگوید:

"سببِ تالیفِ این کشکول آنست کہ این خاکپای اہل حکمت ... بجہت تحصیل جوہر علم کہ گوہر گرانمایہ است سائل دائل بود ... در سن پانزدہ سالگی در خدمتِ خانِ بلند مکان ... داؤد خان خلف خدا یار عباسی حاکمِ ولایتِ سندہ ... از مدت سی سال خدمت پذیرد و سعادت

اندوز گشت و بعد از ارتحال آن ... مدّت ده سال در سرکار دولت مدار ... محمّد مراد ولد میان نور محمّد ابن میان یار محمّد بعهدهٔ نوکری شرفِ اختصاص یافت "

نام کتاب و فهرست عنوانها نیز در دیباچه مرقوم است

مشتمل بر چهار "گلشن" و هر گلشن بر چند "باب" و هر باب بچند فصل است

گلشنِ اوّل: در طب علمی و نظری و آنچه در طب است مشتمل بر چهار باب

گلشنِ دوّم: در علاج امراض از سر تا پای. مشتمل بر ۱۹ باب

گلشنِ سوّم: در علاجِ امراض غیر معین بعضو، مشتمل بر هفت باب

گلشنِ چهارم: در ذکرِ الفاظِ ادویه و ذکرِ طبائع و درجات و بدل آن و مداوای سموم و دستورِ استعمال چوبِ چینی.

آغاز: شکر بحد و سپاس بعد خالقی را سزد که در خلقت انسان دقائق حکمتِ کامله اش بی پایان و حقائقِ قدرتِ بالغه اش افزون از حدِّ بیان.

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب نیامده است. نسخه خیلی مهم است]

۳۵- نستعلیق. اسیر داس ولد بولچند، ۱۰ رمضان المبارک ۱۲۰۱ھ، عنوانها شنگرف، ۲۰۸ گ، ۱۹ س. کاتبِ این نسخه پسرِ مؤلف است. در خاتمهٔ کتاب ترقیمهٔ طویل نوشته است در آنجا ذکر وفاتِ پدر کرده است.

○ گلشنِ خیال: خواب و خیال

از میرزا محمّد طاہر نصرآبادی (ولادت ۱۰۲۷ھ / ۱۶۱۸م - وفات ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳م) داستانی ست عشقی و وصفِ یک رؤیا.

آغاز: بنامِ گلشن آرای خیالات
که از نقش برون می آید اثبات

... بعد از حمدِ قادرِ مختار و نعتِ سیدِ ابرار.

[ان - ک: مشترک ۹: ۱۰۳۱، موزه: ۹۸۵]

۱۲ر۵: نستعلیق. (عبدالصّمد ساکن میرٹھ، ۱۲۳۰ھ) مجدول. شماره ۳ در مجموعه. ۱۲ گ، ۱۲ س

○ گوہرِ منظوم

از غلام علی مدّاح (ولادت ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲م) ابن محمّد محسن متوفّی (م ۱۱۲۲ھ / ۱۷۰۹م) مثنوی اخلاقی در "صنعتِ تجنیس" است. با عنوانهای: فی التوحید. فی نعت النبی

تسمیۂ کتاب گوہرِ منظوم ۰ مذمّتِ حرص و ہوا ۰ مدحِ قناعت و گمنامی ۰ در مدحِ شکیبائی ۰ مدحِ رضا ۰ مدحِ رحم و خلق ۰ مذمّتِ حسد ۰ مدحِ حلم ۰ مذمتِ بخل ۰ مدحِ سخاوت ۰ مذمّت تکبّر ۰ مذمّتِ دروغ ۰ مدحِ عدل ۰ وجز آنها۔

آغاز: دیده دلرا است بر دل بر نگاه
دیده دلرا است بر دل بر نگاه

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامده است ن ۔ ک ؛ موزه ، ۵۱ ، در آنجا " حلّ المعما " از ہمین سراینده و برای احوالِ سراینده بنگرید بہ مقالات الشعراء : ۳۵ ، نگارندهٔ این فهرستُ خضر نوشاہی نسخۂ گوہرِ منظوم را تصحیح کرده است و با مقدمہ انگلیسی و در مجلّہ ۔ ہستاریکل جرنل " بابت اوریل ۰ مہ ۰ جون ۱۹۹۳م چاپ شده است]

۴۰۔ نستعلیق ۰ چلیپا ۰ قرن ۱۲ھ ۰ شمارهٔ سوم در مجموعہ ۰ گ ۱۲۲ ب تا ۱۲۰ الف ۰ محشّی بخامہ سراینده ۰ نسخہ مہم است ۔

○ لیلیٰ مجنون (منظومہ)

از نظامی گنجوی ۔ در ۵۸۴ھ / ۱۱۸۸م سرود است

آغاز: ای نامِ تو بہترین سر آغاز
بی نامِ تو نامہ کی کنم باز

[ن ۰ ک ؛ مشترک ۶ : ۸۲ ۔ موزه : ۹۲۲ ۔ آذر ۲۹۳]

۴۲۔ نستعلیق ۰ محمود بن حافظ وجہ الدین بن عزت اللہ از اولادِ مخدوم نورنگ علیہ الرحمہ ۰ قرن ۱۳ھ ۰ عنوان با شنگرف ۲۲۴ گ ۲۱۰ س ۔

○ مثنویِ معنوی (انتخاب)

از مولانا جلال الدّین محمّد بلخی رومی (۶۰۴ ۔ ۶۷۲ھ) ۰ انتخاب کننده نا معلوم۔

باعنوانهای : خطاب با آفتاب ۰ در مذمّتِ زر ہم در اثنـای کہ خطاب با آفتاب کند ۰ در خطاب بوجہِ عتاب و ملامت ۔ در خطاب با آفتاب بوجہ معذرت گوید : ای عینِ حیات و عالمِ عین ۔ وی قوۃ عین و قرۃ العین۔

۴۶۔ نستعلیق خوش خفی ۔ قرن ۱۱ھ ۰ مجدول طلائی ۰ آغاز : یکسر شود امہات حیوان ۔ بستہ رحم و فسرده امتان ۰ در دیدهٔ ابلق جہان باز ۔ از ناخنہ رویہ استخوان باز ۰ ۱۱۲۰ گ ۱۵۰ س ۔

○ مجرّباتِ دہلوی (طب)

مرتّب : میاں معین الدین .

نسخه های پزشکی از مجرّبات پزشکان جمع کرده است . مثلاً برای دردِ سر مجرّب از حاجی محمّد ساکن بیوستان ، میر عبدالرزّاق حکیم . عمل محمد سعید نقشبندی ، میر منعم علی ، سیّد حاجی عنایت الله ہندی ، میر عبدالفتّاح ، و عزّت الله قریشی و جز آنها .

آغاز (بی دیباچه) : بابِ اوّل در امراضِ سر و ضعفِ دماغ ، مغزِ سرِ گوسفند سیاه ... را در روغن ستور بریان کرده .

۲۰ـ نستعلیق ، قاضی محمد افضل ابن میاں عبدالحق ساکن بختیار پور متعلق بیوستان ضلع لاڑکانہ ، ۱۳ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ ، یوم آدینہ ، عنوانها قرمز ، ۵۱۲ ص .

○ مجمع الصنائع

از نظام الدّین احمد بن محمّد صالح الصّدّیقی الحسنی ، در ۱۰۶۰ھ / ۱۶۵۰م مطابق ۲۳ جلوس شاہجہان بادشاہ ، در بدایع و صنایع در چهار فصل نگاشته است

فصل : ۱ـ در تقسیمِ کلام ۲ـ در بیان بدایع لفظی ۳ـ ذکر صنایع معنوی ۴ـ سرقاتِ شعری ـ خاتمه در بیان بعضی الفاظ که بدین فن مناسب دارد .

آغاز : الحمد لله الذی انعم علینا و ہدینا الی الاسلام و میسر نا من طبقات الانعام والصلوة والسلام علی سیّد محمّد سیّد الانام وآله الکرام . شکری زیاده آنچه در تقدیر و تحریر نگنجد .

[ان ـ ک : موزه : ۳۵۵ ـ گنج بخش ۳ : ۱۲۲۵ ـ ہمدرد : ۹۹]

۳۹ـ نستعلیق ، قرن ۱۳ھ ، عنوانها شنگرف ، در آغاز و انجام مهرها " اسد احمد " ۱۱۵۰ ، پس از دیوانِ باہو است که جداگانه معرفی شده است .

• المجموع من مقالات المسمّیٰ به مفتاح الفتوح : مفتاح الفتوح

○ مجموعه

۱ـ خلاصة العارفین

۲ـ تذکرهٔ قطبیه

۳ـ تذکرهٔ حسیدیه

[ہریک بجای خود معرفی شده است]

۵ـ نستعلیق ، محمود شاہ ساکن کوٹلی پیران ، ۲۰ اکتبر ۱۹۵۹ ، نقل از نسخهٔ پیر غلام دستگیر نامی لاہوری

برای دکتر نبی بخش بلوچ، با یادداشتی پیر غلام دستگیر نامی - که برای نویسنده حق الخدمت بفرستید چون نویسنده (کاتب) پیر مرد ۸۰ ساله است، یادداشتی مورخ ۲۲ / ۲ / ۱۹۵۹ء

○ محبوب القلوب (اخلاق)

از برخوردار بن محمود ترکمان فراهی، متخلّص به ممتاز، منشیِ منوچهر خان پسرِ قراچغای، سدهٔ ۱۰-۱۱ھ، روزگارِ سلطان حسین صفوی (۱۱۰۵-۱۱۳۶ھ ق)

مشتمل بر مقدمه و هفت "باب" و خاتمه

مقدمه در بیان ... که اوّلاً انسان را تحصیل آن باعث رنگینیِ فقرات دیباچهٔ صحیفهٔ حیاتِ جاودانی است و آن مشتمل بر پنج مقاله

باب ها: ۱. در بابِ ادب و تواضع و شرم که اوّلین قطعه از قطعاتِ ریاضِ زندگانی و معاشِ خاص و عام است.

۲. در آدابِ حسن و خُلق و نگاهداشتنِ دست و زبان از آزردنِ دل خاطرِ ابنای زمان و حفظِ سیرتِ اربابِ صلاح

۳. در تحصیلِ رفیقِ مناسب و احتراز از مصاحبتِ ناجنس

۴. در فوایدِ قناعت و نتایج همت و خدمت بُخل عنوان های بابِ پنجم و ششم و هفتم و خاتمه نوشته است.

آغاز: الٰهی بزرگی و شوکت تراست سرافرازی و ملکِ حشمت تراست
توی روشنی بخشِ چشمِ حیات توی ناظمِ کشورِ کائنات

[ان - ک: گنج بخش ۳: ۱۳۸۸ - موزه: ۶۸۶ - آغاز نسخهٔ ما از آنها جدائی دارد]

۲۵- نستعلیق خفی خوش ۱۶۰ شعبان ۱۲۶۲ھ بروز دو شنبه.

در جیکب آباد ۲۱۰ ص. نسخهٔ کامل، تقطیع بزرگ.

○ محبوبیّه: رسالهٔ خواجه محمّد پارسا (عرفان)

از خواجه محمّد پارسا (۷۵۶ - ۸۲۲ھ / ۱۳۵۵- ۱۴۲۹م) از خلفای خواجه بهاء الدّین نقشبند.

پند و اندرزها و آموزش های است صوفیانه به نثر آمیخته به نظم

آغاز: ابن مسعود رضی الله عنه قال جاء رجل الی رسول (ص) قال یا رسول کیف تری فی رجل احب قوما ... از انفاس قدسیه مشائخ طریقت است.

[ان - ک: مشترک ۳: ۱۸۶۹]

۳۰۔ نسخ خوش، (۸۹۹ھ) ش ۲ در مجموعہ ۳۰ گ۔

○ محک الکمال

از میر محمد محسن صباغ تتوی متخلص بہ "محسن" (۱۱۲۱-۱۱۶۳ھ / ۱۷۰۹-۱۷۵۰ام) بصورت بیاض سرودہ ہای سرایندگان مشہور گرد آوری کردہ است، از انجملہ: ہلالی استر آبادی، شیدا ہندی، طغرای مشہدی، صائب تبریزی، معلوم تبریزی، میرزا طاہر وحید قزوینی، میر معز موسوی، ناصر علی سرہندی، وجز آنہا۔

آغاز: (از دیباچہ یک برگ افتادہ): معانی تشبیہ و تمثیل ... تکرار خزان و بہار در ... روز ... و توالی فصول نزد ارباب عقول از لطف ترکیب۔

آغاز (متن منظوم): الایا ایہا السّاقی ادر کاساً و ناولہا

که عشق آسان نمود اوّل ولی افتاد مشکل ہا

[ان۔ ک: مشترک ۸: ۱۰۵۶۔ پاکستان میں فارسی ۳: ۲۵، بہ تفصیل۔ مقالات الشعراء: ۲۰۰ تا ۲۳۹]

۳۔ نستعلیق، ۱۲۱۰ھ، مجدول، با مُہرِ ملکیت "غلام حسین تالپر ۱۲۱۱ھ" و مُہرِ دیگر "غلام حسین بن عبداللہ فقیر تالپر ۱۲۱۶ھ" ۳۳۰ گ، ۲۳۰ س۔

○ محمود نامہ: دیوانِ محمود (منظوم)

از مولانا محمّد محمود لاہوری (زندہ ۱۰۰۸ھ / ۱۵۹۹ام) در ۹۸۲ھ / ۱۵۸۴ام سرودہ است۔

آغاز: ای داغ بردل از غمِ خال تو لالہ را

شرمندہ ساخت آہوی چشمت غزالہ را

[ان۔ ک: ہمدرد: ۱۳۳۔ آذر: ۳۶۳۔ موزہ: ۵۲۶۔ مشترک ۷: ۳۲]

۸۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، ۸۰ گ۔

○ مختصر طبِّ حکمی (طب)

از محمّد فقیر قادری بن عبدالحفیظ متوطّنِ ملکِ مغرب

آغاز: الحمد للہ الذی خلق الانام وجعل فیہم بحکمت الدّوام والاسقام

۱۱۔ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، عنوانہا شنگرف، ناقص الطرفین

○ مخزن العقد شرح العقد (دستور زبان)

متنِ منظوم از علامہ محمد صادق

شرح از عبداللہ ابن اسمعیل بن حاج عیسیٰ السندی (بُرہان پوری)

آغاز (دیباچہ) : الحمد للہ علی نعمۃ المتضاعۃ و منحۃ المترادفہ حمداً لا ینتھی مدہ ولا ینقضی مددہ ... امابعد میگوید احقر عباد اللہ ... عبداللہ بن اسماعیل ... کہ چند اصدقہ در صدد خواندن علم صرف نزد این احقر مشغول بودند۔

آغاز (پس از شرح بسملہ، متن) : بعد حمد ایزدی و پس درود بر نبی
بندہ صادق عقد نثری را کند نظم جلی

(شرح) حمد فی اللغۃ سپاس ستائش و فی الاصطلاح ... الثنا باللسان۔

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامدہ است]

۹۰۸۔ نستعلیق، ۱۹ جمادی الاول ۱۲۵۵ھ، متن بہ شنگرف، مجدول دو راہ شنگرف، ش ا در مجموعہ با مہر "بود نور چشم محمد حسن "، ۰، ۲ گ۔

○ مزرع الحسنات شرح دلائل الخیرات (اوراد)

متنِ عربی از محمد ابی بکر بن سلیمان الجزولی (م ۸۷۰ ھ) شرح (شاید) از محمد ہاشم بن عبدالغفور سندی تتوی۔

آغاز : الحمد للہ الذی تحیر غیرہ فی کنہ عظمۃ کبریایہ و تھیا قلوب المؤمنین بمحبۃ کمالہ ... اما بعد بدانکہ دلائل الخیرات از خزانۂ نبوی اکبر واعظم بہر حال چون دل سوختگان و عشاق درد مندان ورد وسیلہ خداوند کریم است

[در منابع در دسترس نامی ازین کتاب بدست نیامدہ است]

۹۱۵۔ نستعلیق، محمد ولد مرحوم فائق خان ولد ابوبکر ولد اسحٰق ... ۱۲۳۰ھ، عنوانہا و الفاظِ متن شنگرف، کرم خوردہ ۲۳۵ گ، ۱۹۰ س، محشی۔

○ مرغوب القلوب (منظوم)

از شمس الدین تبریزی متخلص بہ شمس، این مثنوی عرفانی را در ۷۵۸ھ / ۱۳۵۶م سرودہ است۔

آغاز (دیباچۂ منثور) : الحمد للہ ... این کتاب مرغوب القلوب از گفتار شیخ ... شمس تبریز ... تصنیف کرد از برای مریدان تا خدای تعالی ... را بشاسند۔

آغاز (منظوم) : بگویم حمد رب العالمین را

عطا کو کرد بر ما عقل و دین را

[ان . ک : مشترک ۱ : ۳۰۹ . موزه : ۹۳۰ . ہمدرد : ۱۳۲]

۶۱ـ نستعلیق . قرن ۱۲ھ ، ۰ گ . کرم خورده . ناقابل استفاده

○ مُرکّباتِ تمکین ذی تمکین (طب)

از سیّد عبدالفتاح المخاطب به خواجه عبدالله تمکین (تمکین) . بنگرید : فهرست مشترک ۱ : ۳۵ ، در آنجا استاد منزوی نام نگارنده ناشناخته نوشته است . و نام کتاب «مُرکّبات تمکین ذی تمکین» نوشته است . و میگوید که نگارنده معاصر میر عبدالفتاح ... بوده است . در دیباچهٔ نسخهٔ ما نام کتاب «مرکّباتِ تمکین ذی تمکین» آمده است و نام نگارنده «سیّد عبدالفتاح ...» نوشته شده است . و در دیباچه میگوید که «این رساله ایست در مُرکّباتِ طبّیه . سوای مُرکّبات مندرجهٔ طبِّ المقدمه و تذکرة الاطبا . و نافع الخلق و بوستان افروز ...» چنانچه ازین برمی آید که این کتاب از همان میر عبدالفتاح است که نگارندهٔ کتابهای ذکر شده است که در این کتاب آن مرکبات را آورده است که در کتابهای دیگر (تالیفاتش) نیامده است .

آغاز : الحمد لله ... امّا بعد این رساله ایست در مرکّبات طبّیه سوای مُرکّبات مندرجهٔ طبّ المقدمه و تذکرة الاطبا . و نافع الخلق و بوستان افروز و ترجمهٔ طب الرحمت

[ان . ک : مشترک ۱ : ۳۵]

۶۳ـ نستعلیق . عبدالرحمن ولد مرحوم نعمت الله ، ۳ صفر ۱۱۹۶ھ . شماره ۵ در مجموعه ، ۱۱۰ گ ، ۱۵ س

○ مُسوّداتِ محمّد تقی (انشاء)

از محمّد تقی بن عبدالقوی قریشی الفاروقی . روزگارش بدست نیامد . رقعات و مکتوبات اوست

آغاز ، رقعه : توجه مشتمل مهربان منزل زینت افزای محامد لاله دستمل سلامت

۶۴ـ نستعلیق مائل به شکسته . ولی محمّد ۱۹ ، شوال ۱۲۱۰ھ . واقع مکان سپورکری ضمیمهٔ خیرپور در اطاق دیوانیان نوشته شده . شماره ۲ در مجموعهٔ ۱۴ گ .

• مشکوة المصابیح (منتخب) : منتخب مشکوة المصابیح

○ مفتاح الخیرات (عقاید . فقه)

از اسماعیل بن لطف الله الباخرزی . از سدهٔ دهم هجری . مسایل اعتقادی و احکام به فارسی روان با عنوانهای : بیان ایمان اجمالی ... بیان فرائض . بیان احکام ... مسئله . مسئله

آغاز: الحمد لله ... میگوید بنده ضعیف ... اضعف عباد الله اسمعیل بن لطف الله الباخرزی ... چند مسئله در اسلام بر تو فرض است

[ان ـ ک: گنج بخش ۳: ۲۳۰۰]

۵ـ نسخ، قرن ۱۳ھ، عنوانها شنگرف، شماره ۲ در مجموعه ۹۰ گ ـ

○ مفتاح الصلوة (فقه)

از فتح محمد ہندی بُرہانپوری بن عین العرفا شاہ محمد عیسیٰ جند اللہ در سلخ ذیحجہ ۱۰۶۱ھ / ۱۶۵۱م در مسائل نماز نگاشته است

آغاز: الحمد لله ... بدانکه نیک بخت کند ترا حق تعالی که دانستن فرض بر مکلف فرض است

[ان ـ ک، موزه: ۸۵۱ ـ گنج بخش ۳: ۲۳۰۶ ـ ہمدرد: ۱۶۱ ـ آذر: ۳۹۳]

۱۶ـ نستعلیق، محمد ذاکر، ۱۱۹۳ھ، محشی، ۱۱۰ گ، ۱۳ س، آغاز افتاده: الف اندام پاک کردن از نجاست معنوی و صوری

۳۰ـ نستعلیق، محمد مقیم خلف محمد کامل قانونگوی متعلوی، ۲۰ ربیع الآخر ۱۲۰۳ھ، بروز پنجشنبه بوقت پیشین، با یادداشتِ ملکیت محمد رحیم ولد قبول میمن سکنندہ رانڈ تعلقہ کوڑی، عنوانها شنگرف، مجدول، کمند بندی، نسخه کامل ـ (از مخطوطات درجهٔ سوم در کتابخانه) آغاز برابر نمونه ۸۱ـ نسخهٔ دیگر ازان است ـ

○ مفتاح الفتوح: المجموع من مقالات المسمّیٰ به مفتاح الفتوح (عرفان)

متن فتوح الغیب از شیخ عبدالقادر جیلانی

شرح از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، در ۱۰۲۳ھ (= مفتاح الفتوح) نگاشته است.

آغاز: هذا الكتاب فتوح الغیب سیّدنا و مولانا العلّامة الاوحد الشیخ الامام العارف الکامل امامِ ائمه طریق ... محی الدّین ابی محمّد عبد القادر الحسنی الجیلانی ... (شرح) الحمد ربّ العالمین حمد ستایش ها ثابت است مر خدای عزّوجل که پروردگار همه عالمها است

[ان ـ ک: مشترک ۳: ۱۶۹۲]

۱۶ـ نستعلیق خوش جلی، نسخ در عربیها، فقیر محمد مدنی سکنه نصر پور قرن ۱۱، ۱۲ھ، با یادداشت و مُہر محمد شاکر عفی عنه ۱۱۱۳ھ، کرم خورده اما قابل استفاده، نسخهٔ کامل ـ تقطیع بزرگ ـ

○ مقدمهٔ شرح فصوص (عرفان)

از شیخ داود قیصری (کلفون) · متن از ابن عربی

آغاز: ولما کان العلم بهذه الاسرار موقوفه علی معرفه قواعد و اصول اتفق علیها هذه الطائفه قدمت لبیاننا فصولا ... الفصل الاول فی الوجود

۴۵- نستعلیق · قرن ۱۲ھ · در مجموعه گ ۸۱ - ۱۰۲ شماره ۳ · کرم خورده · برگهای پراگنده.

• مقدمهٔ شرح فصوص : نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص · دیباچه

○ مکاتبات علامی : انشای ابوالفضل (انشاء)

از ابوالفضل بن مبارک · معروف به علامی (م ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲م) گرد آوری عبدالصمد بن افضل محمد · در ۱۰۱۵ھ / ۱۶۰۶م گرد آورده است در سه "قسم".

آغاز: گوناگون نیایش سر داوری را سزد · وجود بشر را از کارخانهٔ عنایت

[ان - ک: آذر: ۱۵۶ - همدرد: ۱۱۰ - مشترک ۵: ۳۰ - موزه: ۳۱۵]

۵۷- نستعلیق جلی خوش · قرن ۱۳ھ · عنوانها شنگرف · ناقص الآخر · ۱۶۳ گ · ۷ س.

۵۹- نستعلیق · قرن ۱۳ھ · عنوانها شنگرف · نسخهٔ پاکیزه · ۱۳۵ گ · ۱۸ س.

○ مکتوبات حضرت امیر کبیر سید محمد یوسف همدانی : مکتوبات یوسف همدانی (عرفان، انشاء)

از سید محمد یوسف همدانی - نام کتاب و نگارنده در کلفون آمده است.

آغاز: خدایا رحمت دریای عام است
از انجا قطره ما را تمام ست
اگر آلایش خلقی گنه کار بدان دریا

۱۰۸- نستعلیق · حاجی احمد هندی · قرن ۱۲ھ · ۸ گ.

• مکتوبات یوسف همدانی : مکتوبات حضرت امیر کبیر سید محمد یوسف همدانی

○ منتخب التواریخ (تاریخ)

از قاضی احمد حسین بنبانی (دیباچه) عرف بڑا صاحب (خاتمه) در بلدهٔ بروده نگاشته است [ان - چ]
مختصر حالات دشمنین پاشاهان سند و هند

آغاز: حمد و ثناء مر حضرت خالق خلایق و واقف اسرار حقائق و کاشف استار دقائق را و درود بر احمد مختار صل الله علیه وعلی آله الاطهار واصحابه

الکبار اجمعین الی یوم الدین اما بعد این ذکر یست که یکروز در خیال فاسد و بعقل این خادم شرع شریف رسول ربانی قاضی احمد حسین بنیانی.

[در منابع در دسترس نسخهٔ دیگری ازان پیدا نشد]

۷۰ـ نستعلیق ۰ محمد راد بن ابن محمد حمید میان صاحب ۲۰ رجب ۱۳۲۵ھ / ۱۹۱۵م ۰ عنوانها شنگرف، با مهر "میان امین محمد بن میان نور محمد ۱۲۹۹ھ ۱۲۱۰ ص.

منتخب الفوائد (عروض)

از مولوی ثناء الله ساکن نارنول. روزگارش معلوم نشد

آغاز (افتاده): فاعلن مفاعیلن مستفعلن مفاعلین متفاعلن فاعلاتن مفعولات رکن مرکب است از اصول، اصول بر سه قسم است.

[در منابع در دسترس بدین نام کتابی بدست نیامد]

۷۲ـ نستعلیق ۰ غرهٔ شوال روز سعید عید الفطر بوقت نماز ظهر ۱۶ جلوس شاه عالم ۰ ۳۱ گ.

○ منتخب مشکوة المصابیح، مشکوة المصابیح منتخب (حدیث)

ترجمه و انتخاب از مخدوم عثمان متعلوی در سال ۱۲۰۰ھ بروز شنبه بتاریخ ۲۹ ماه ذوالحجه نگاشته است. مشتمل بر ۲۹۶ باب ۰ در دیباچه میگوید:

"خواستم که بیان معانی احادیث که سابقاً از مشکوة المصابیح انتخاب نمودم بزبان فارسی بطریق اختصار کنم و چند فواید از کتب فقه و شروح مشکوة بدان ضم کنم تا فائده بروجه اتم حاصل شود و جملهٔ ابواب او دو صد و نود و شش است ... بباید دانست انتخاب احادیث شریفه ابواب مشکوة المصابیح ازین فقیر دوبار واقع شد و سبب آن آنست که نسخهای منتخب اول متفرق شدند چنانچه باقی نماند نزد این فقیر مگر قدر قلیل از اول آن منتخب. پس باز انتخاب کردم از بابهای جز آنچه باقی مانده. و آن را شرح نوشته ام و احتمال است که در بعضی مواضع اختلافی بیشتر باشد میان اول و ثانی. والله اعلم"

آغاز: بهمه سپاس و ستائش ثابت است مر خداوندی را که پروردگار بهمه عالم است، وبی نیاز است از بهمه چیز، و بر چیز محتاج است بسوی وی ...

اما بعد میگوید ... فقیر عثمان که چون بر حدیثی از احادیث بنویه .
۳۷ـ نستعلیق ، متنِ حدیث عربی بخطِ نسخ معرب و بر آن خط کشیده است برنگ قرمز ، ۳۰ ماه صفر ۱۲۲۷ھ ، ۱۰۶ گ ، با مهر " فتح محمد ۱۲۲۲ھ " .

○ منهاج الشعور (انشاء)

از ابراهیم بن نصر الله بن عبدالکریم احمدی بیوستانی متخلص به ابری ـ در ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵م نگاشته است ـ با سر بند های " طبقهٔ اول " ، " طبقهٔ دوم " ... نثری است نشیانه با صناعات ادبی.

نام این نسخه در کلفون " انشای ابری " و در ترقیمه " منهاج الشعور " آمده است. بنگرید به فهرست مشترک ۵ : ۳۵۶ در آنجا سه نسخه ازین کتاب معرفی شده است آغاز نسخه ها از آنها جدایی دارد

آغاز : حمد و سپاس افزون تر از وهم و قیاس مر خداوند بی مثل و مانندی را که ذرات عوالم کونین

[ن . ک : مشترک ۵ : ۳۵۶ ـ گنج بخش ۳ : ۱۱۸۰]

۲ـ ۲۷ نستعلیق ، قرن ۱۳ھ ، محمد رضا ، پس از انشاء ابری در همان مجموعه ۱۳ گ
۶۱ـ نستعلیق ، ۱۲۳۸ھ ، برای میان علیم بخش ، عنوانها سرخ ، مجدول دو راه قرمز ، ۱۰ گ .

• مواهب علیه : تفسیر حسینی

○ نافع الخلق (طب)

از سید عبدالفتاح مخاطب به خواجه عبدالله تمکین (یا تمکین) ـ همان نگارنده " خواص الادویه " بنگرید در همین فهرست ـ نام کتاب و نگارنده در دیباچه آمده است

در امراض و علامات و اسباب و درمان آنها نگاشته است.

آغاز : الحمد لله و سلام علی عباده الذین اصطفی این رساله ایست مسمی به نافع الخلق تالیف احقر العباد سید عبدالفتاح المخاطب من الرسول الامین (ص) بخواجه عبدالله تمکین ، منتخب از ... معالجات قانون و غیره

[ن . ک : مشترک ۱ : ۴۶۰ ـ گنج بخش ۱ : ۲۸۶ " در رسایل تمکین " در نسخه ما خطاش " تمکین " آمده است با دو نقطه]

۶۴ـ نستعلیق ، قرن ۱۳ھ ، شماره ۲ در مجموعه گ ۵۳ ب ـ ۶۰ ب عنوانها شنگرف ، مجدول دو راه شنگرف .

○ نصاب الصبیان (دستور زبان)

از ابو نصر فراهی (م ۶۳۰ ھ / ۱۲۳۲م)

آغاز: بعون نصرت و فتح الهی
بمی گوید ابو نصر فراهی
[ان ـ ک: آذر: ۱۲۵ ـ گنج بخش ۳: ۱۰۶۹ ـ موزه: ۳۴۰ ـ منزوی ۳: ۲۰۳۹]

۲ـ نستعلیق خوش، (عبدالوہاب، ۸ شعبان ۱۰۰۲ھ) : با مُہرہا ـ محمد حیات عفی عنہ "
ـ نستعلیق و نسخ، قرن ۱۲ھ، ہمراہ شرح گلستان سعدی، ۲۳ گ، محشی
۷۹ـ نستعلیق خوش، قرن ۱۳ھ، عنوانہا شنگرف، محشی، با مہرہای "محمد حیات ۱۰۰۲" و "نور محمد"
نسخہ کامل، آغاز برابر نمونہ۔

○ نصائح سود مند از گفتار مہر سپہر ... خواجہ عبد اللہ انصاری ہروی

آغاز: ای ز دردت بی دلان را بوی درمان آمده
یاد تو ہر عاشقان را مونسِ جان آمده

۷ـ نستعلیق، قرن ۱۳ھ، کرم خورده، با مہر "دارد امید شفاعت ز محمد حامد"

○ نفائس الغنون فی عرائس العیون

از شمس الدین محمد بن محمود آملی، بروزگار ابو اسحاق محمود شاہ در مدت ۳۲ـ۷۳۶ھ / ۳۲ـ۱۳۳۵م نگاشتہ است۔

منقسم بر دو "قسم" : ۱ـ در علوم اوایل، ۲ـ در علومِ اواخر تقسیم اخیر جہت نسبت او با اہل اسلام تقدیم بمجموع آن مشتمل بر ۵ مقالہ

آغاز: حمد و ثناء و شکر بی انتہا حضرت بادشاہی را کہ افکار اذکیا و انظار عقلا در پیداء عظمت و معرفت کبریاء او از قصور ادراک بردم نداء ... اما بعد ... بندہ ضعیف محمد محمود الآملی۔

۳۴ـ نستعلیق خوش، پختہ، سر لوح طلائی ولاجورد، مجدول طلائی، صفحۂ اول و دوم دارای موش دندان طلائی، عنوانہا شنگرف، قرن ۱۲ھ، جلد چرمی، نسخہ خیلی جالب و پاکیزہ است، ۵۰۳ گ۔

○ نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص، دیباچہ: مقدمۂ شرحِ فصوص (عرفان)

متن ـ نقش الفصوص "کہ گزیدہ ایست از "فصوص الحکم" بر دو از ابنِ عربی (۵۶۰ ـ ۶۳۸ھ / ۱۱۶۵ ـ ۱۲۴۰م) ، شرح از عبدالرحمان جامی (۸۱۷ ـ ۸۹۸ھ / ۱۴۱۴ ـ ۱۴۹۲م) کہ در ۸۶۳ھ / ۹ـ۱۴۵۸ بہ انجام رسانده است بر نسخہ نام کتاب "مقدمۂ شرحِ فصوص" نوشتہ شده است

آغاز (دیباچہ) : الحمد للہ الذی جعل صفائح ذوی الهمم قابلة النقش فصوص

الحکم ... سپاس بیقیاس نثار حضرت خداوندی تعالی و تقدس که در جمیع مراتب وجود حامد و محمود اوست

[ن ـ ک : مشترک ۳ : ۱۰۳۰؛ کشف الظنون ۲ : ۱۲۳۸ ـ ذریعه ۲۳ : ۲۸۰]

۴۴ـ نستعلیق ، قرن ۱۲هـ شماره ۲ در مجموعه فقط دیباچه آن دارد ، گ ۵۰ـ۴۹ ،

• وقایع حیدرآباد و گولکنده : وقایع نعمت خان عالی

○ **وقایع نعمت خان عالی ؛ وقایع حیدرآباد و گولکنده** (تاریخ)

از نعمت خان عالی ـ رویداد های محاصرهٔ قلعهٔ گولکنده ، در ماه رجب و شعبان ۱۰۹۰هـ / ۱۶۸۶م بروز عالمگیر بادشاه

آغاز : زینت اندوزی عنوان صحیفه بیان بزیور حمد

[ن ـ ک : آذر : ۳۲۳ ـ موزه : ۵۰۰ ؛ بنگریه : آغاز نسخه ما جدایی دارد]

۱۲ـ۵ نستعلیق ، عبدالصمد ساکن قصبه میهز ، ملازم آقا کربلائی محمد صاحب تاجر شیرازی بحسب فرمائش آقای نامدار در قصبهٔ مذکور ، عنوانها شنگرف ، مجدول ، ۹ شعبان ۱۲۳۰هـ ، عبارات عربی بخط نسخ جلی ، شمارهٔ یکم در مجموعه ۸۰ گ .

○ هزلیات

مؤلف نا معلوم ، نام کتاب در ترقیمه " کتاب هزلیات " آمده است ـ نثر آمیخته به نظم

آغاز : ایکه از گیر ابر نیسانی ـ صدف رحم پر گهر داری ـ کون کندلا دہان کس ناپاک ـ گیبروترسا وظیفه خور داری ، ای طالب کس مشتاب و اوقات سلامت آیات دریاب که جزنمام عافیت آشام لجاجت و الحاج درین پیشه۔

۵۵ـ نستعلیق خوش ، قاضی محمد احسان ساکن شهر بالہ کندی حسب الفرمان میر میان محمد علی خان ، هفتم ماه محرم الحرام ۱۲۵۸هـ ، مجدول طلائی ، کمند بندی ، عنوانها شنگرف ، سرلوح رنگین ، ۳۰ گ .

با یادداشتی محمد علی فقیر تالپور عفی عنه در ایام قید در دمدم کلکته نوشته شد ـ باز نوشته است

○ **هفت اقلیم** (تذکره ، تاریخ)

از امین رازی که در ۹۹۶هـ / ۱۵۸۸م بدان آغاز کرده و در سال ۱۰۰۲هـ (ـ تصنیف امین احمد رازی) به انجام رسانده است ـ مشتمل بر مطالب تاریخی و جغرافیایی و ذکر بلاد هفت اقلیم با احوال ۱۵۶۰ تن شاعر و عارف و دانشمند و امیر و پادشاه ، تاریخ تالیف در دیباچه چنین سروده است :

این نسخه که هست همچو فردوس نکو ـ تا هو نشوی درو بشگانی مو
گراز تو کسی سوال تاریخ کند ـ تصنیف امین احمد رازی ، گو

آغاز، خرد بر کجا گنجی آرد پدید ـ بنام خدا سازد آنرا کلید
... حمد خدای را جل جلاله که عندلیب زبان قفس دہان بذکر او رطب اللسان ست.

[ان.ک : آذر : ۳۳۸ . موزه : ۸۰۵ . مشترک ۱۱ : ۸۳ ب تفصیل]

۸ـ نستعلیق، قرن ۱۲-۱۳ھ ، مجدول شنگرف، عنوانها شنگرف ، اندکی کرم خورده ، ۲۳۸ گ ۲۱۰ س.

○ هیئت (نجوم)

از ملا علی قوشچی (م ۸۷۹ھ / ۷۵-۱۴۷۴م).

در یک مقدمه و دو "مقاله" و خاتمه ای

آغاز : الحمد لله ... اما بعد ، این کتابیست مشتمل بر یک مقدمه و دو مقاله و خاتمه . مقدمه در بیان آنچه پیش از شروع در این علم دانستنی است . و آن بر دو قسم است.

[ان.ک : موزه : ۵۳ . مشترک ۱ : ۳۱۳]

۱ـ نستعلیق ، قرن ۱۱-۱۲ھ ، ۱۰۹ گ ۱۰ س

۲ـ نستعلیق ، قرن ۱۲ھ ، با مُهر "بود نور چشم محمد حسن ۱۲۶۱ھ " ، آغاز افتاده : گنجهای خانه و زاویه راس مخروط مضلع و بدانکه بدانک دو سطح مستوی احاطه بزاویه ... ۸۰ گ .

اضافات

اضافات

○ "گوشۂ اختر" مشمولہ تحقیق شمارہ ۸۔ ۹ کے ذیل میں

(الف) عکس تحریر قاضی احمد میاں اختر (مکتوب بنام مختارالدین احمد)

(ب) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی : کتابیات مرتبہ سید مسعود حسن (پٹنہ) مع مکتوب مرتب بنام مدیر تحقیق

○ "مسز رابعہ اقبال کے مقالے بعنوان "نشاط کی بکٹ کہانی ..." مشمولہ تحقیق شمارہ ۶ کے ذیل میں:

مفتی الٰہی بخش نشاط کے حالات، تحریر کردہ مولانا نورالحسن راشد، ملخصاً از مجلہ "احوال و آثار" شمارہ ۱۰۲۔

○ مفتی عنایت احمد کے مزید حالات، ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ کے مقالے بعنوان "ایک قلمی مجموعہ رسائل" (شامل شمارۂ ہذا) کے ذیل میں

مکتوب سیّد مسعود حسن بنام نجم الاسلام

۲۰ مئی ۹۰ء

مکرمی تسلیم

"تحقیق" کا تازہ شمارہ ۹۔۸ نظر سے گذرا۔ آپ نے گوشۂ اختر (قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی) شائع کر کے ایک بڑا کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ مبارک باد قبول فرمائیں۔ قاضی صاحب کے پسر قاضی محمد اختر جونا گڑھی (مقیم کراچی) کی بھی تحریر گوشے میں ہونی چاہیے تھی۔

اختر جونا گڑھی پر میں نے بھی چند سال قبل ایک کتاب تیار کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کے تمام مقالات، ان پر لکھے گئے مضامین اور ان کی تصنیفات و تالیفات کی فہرست مرتب کی تھی۔ فہرست ہندوستان میں شائع ہو چکی ہے۔

اب آپ کے موقر رسالہ "تحقیق" ۹۔۸ سے استفادہ کرنے کے بعد اس کی ایک نقل روانہ کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ اور "تحقیق" کے قارئین اسے مفید جانیں گے۔

آپ کا

سیّد مسعود حسن
(پٹنہ)

سید مسعود حسن

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی

(کتابیات)

قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی اردو، فارسی اور عربی کے معتبر محقق تھے۔ آپ کا مطالعہ وسیع اور حافظہ قوی تھا۔ آپ کی علمیت کا اندازہ درج ذیل اقتباسات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

- "ایسا صاحب فضل و کمال ایسا محقق، اسلامی تاریخ کا ماہر، ایسا صاحب نظر اب ہم میں نظر نہیں آتا۔ وہ سراسر علمی شخص تھے۔"

بابائے اردو مولوی عبدالحق
قومی زبان (کراچی) بابائے اردو نمبر ۱۳۔

- "میں نے جن علماء کو قریب سے دیکھا ہے ان میں دو ایسی شخصیتیں ہیں جن کا ہم پایہ مجھے نہ ملا ایک مولانا عبدالعزیز میمن دوسرے قاضی احمد میاں جوناگڑھی۔ میں نے مولانا میمن کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو میری کمزوریاں ہیں وہ قاضی صاحب کے کمالات ہیں۔"

ممتاز حسین :
مقدمہ مقالات اختر ص ج

قاضی صاحب ۱۸۹۰ء میں جوناگڑھ (کاٹھیاواڑ) کے جاگیردار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی فارسی کی تعلیم گھر پر اپنے بزرگوں سے حاصل کی۔ انگریزی کی تعلیم مہابت مدرسہ (جوناگڑھ) اور اسلامیہ ہائی اسکول (اٹاوہ) میں پائی۔ اعلیٰ تعلیم لکھنؤ کے بعض علماء سے حاصل کی، موسیقی اور طب کی تعلیم بھی پائی، سیاست سے بھی لگاؤ تھا۔ صوبائی مسلم لیگ کی ہم وزن جماعت انجمن اتحاد مسلمین کے صدر تھے۔ آپ وقتاً فوقتاً مختلف تنظیموں اور اداروں سے منسلک رہے۔ ۱۹۱۶ء میں دھوراجی کے مدرسے کے ہیڈ ماسٹر، ۱۹۲۲ء تا ۱۹۳۵ء تک جوناگڑھ ایڈمنسٹریٹو افسر، ۱۹۳۵-۳۶ء اورینٹل ٹرانسلیٹر سیکریٹریٹ کے مہتمم، ۱۹۳۸-۳۶ء کاٹھیاواڑ

ایجوکیشن بورڈ کے رُکن رہے۔ تقسیم ہند کے بعد ریاست جوناگڑھ میں آئے انقلاب کی زد سے بچنے کے لیے جزیرہ دیو میں پناہ لی اور پھر وہیں سے کراچی چلے گئے۔ وہاں تگ و دو کے بعد بابائے اردو کی درخواست اور کوشش سے ۱۹۴۹ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کے اسسٹنٹ سیکریٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۳ء تک اسی انجمن سے وابستہ رہے۔ اس عرصے میں آپ کے زیر نگرانی "معاشیات" "سائنس" اور "تاریخ و سیاست" جیسے معیاری رسائل نکلے۔ ۱۹۵۳ء میں انجمن سے استعفاء دے کر سندھ یونیورسٹی چلے گئے جہاں تا دم حیات شعبۂ اسلامیات کے صدر و سربراہ کے عہدے پر فائز رہے۔ یہیں حرکت قلب بند ہونے سے بوقت صبح ۹ اگست ۱۹۵۵ء کو انتقال ہوا۔

انھوں نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی شادی ریاست جوناگڑھ میں ہوئی جو ان کی رشتہ کی عم زاد سے ہوئی تھی ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی چناں چہ دوسری شادی جن خاتون سے کی ان کا تعلق احمد آباد (گجرات) کے ایک نامور اور سرکردہ خاندان "غوثی" سے تھا۔ ان سے کل سات بچے پیدا ہوئے چار لڑکیاں اور تین لڑکے۔ لڑکوں میں سب سے بڑے قاضی محمد اختر جوناگڑھی (مقیم کراچی) ہیں۔

قاضی صاحب بیک وقت پانچ زبانوں عربی، فارسی، اردو، انگریزی اور گجراتی میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے سنسکرت بھی پڑھی تھی اور فرانسیسی زبان سے بھی کسی حد تک شناسا تھے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ تحصیل علم، تحقیق اور انشاء پردازی میں گذرا۔ علم و ادب کے خاموش خدمتگار تھے۔ آپ کا پسندیدہ موضوع تاریخ اسلام اور اسلامی تاریخ و تمدن تھا۔ ان موضوعات پر آپ نے جو تصنیفات چھوڑی ہیں ان میں طبقات الامم، حیات نظامی گنجوی اور اقبالیات کا تنقیدی مطالعہ قابل ذکر ہیں۔

جوناگڑھ میں قاضی صاحب کا بہت بڑا ذاتی کتب خانہ تھا۔ جب پاکستان تشریف لائے تو اس کا کچھ حصہ ہی منتقل ہوسکا۔ اس کتب خانے کی بربادی کا انھیں بے حد قلق تھا۔ قاضی صاحب کے انتقال کے بعد ان کا کتب خانہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدرآباد سندھ (پاکستان) نے حاصل کرلیا۔

قاضی صاحب نے احمد آباد کی مشہور لائبریری پیر محمد شاہ لائبریری کا مفصل کیٹلاگ بھی تیار کیا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں انھوں نے سید ابو ظفر ندوی صاحب کے ہمراہ جوناگڑھ سے ماہنامہ رسالہ "شہاب" نکالا تھا۔ جو ایک سال تک نکلنے کے بعد بند ہوگیا۔ اس کا پہلا شمارہ جنوری

۱۹۳۴ء میں شائع ہوا تھا۔ (بحوالہ معارف اعظم گڑھ جلد ۳۳۔۱)

قاضی صاحب کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا۔ شعر میں ان کے استاد سید حسن میاں ترمذی تھے۔ شروع میں احمد اور بعد میں اختر تخلص اختیار کیا اور اردو دنیا میں اختر جونا گڑھی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اردو کا پہلا سانیٹ بعنوان "شہر خموشاں" اختر صاحب نے لکھا تھا۔

●

میاں "مقالات اختر" (مجلس ترقی ادب، لاہور "مضامین اختر جونا گڑھی" (انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی) "زرِ گل" (آگرہ اخبار پریس آگرہ) اور مترجمات (آگرہ اخبار پریس ۳۰ آگرہ) کے علاوہ مختلف رسائل میں قاضی صاحب کے بکھرے ہوئے مقالات۔ مترجمات کا موضوع وار اشاریہ پیش خدمت ہے۔ ساتھ ہی ان پر لکھے گئے ادب اور قاضی صاحب کی طبع شدہ تصنیفات و تالیفات کی بھی ایک فہرست شامل کر دی گئی ہے تاکہ یہ کوشش قاضی صاحب کے مطالعے میں معاون ثابت ہوسکے۔

●

تذکرۂ اولیاء:

خواجۂ بزرگ (مخزونہ کتاب خانہ مشفق خواجہ) تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸

تذکرۂ علماء

اقضی القضاۃ ماوردی۔ الناظر (لکھنؤ) مارچ ۱۹۲۹ء

صاعد اندلسی۔ معارف (اعظم گڑھ) ستمبر ۱۹۲۵ء

ملّا عبدالقادر بدایونی۔ مقالات اختر ص ۲۳۵

غزالی یا غزّالی (امام ابو حامد محمّد بن محمّد الغزالی)۔ معارف (اعظم گڑھ) جون ۱۹۲۹ء

تذکرۂ ادباء

جدید نثر اردو کا ارتقاء اور سرسید: "ماہ نو" مارچ ۱۹۵۱ء، ماہ نو چالیس سالہ مخزن ۱۹۸۸ء

اسلامی ادبیات کا ناشر اعظم منشی نولکشور: "تاریخ و سیاست" مئی ۱۹۵۳ء، مضامین اختر جونا گڑھی ص ۳۴۲

پروفیسر میرزا حیات (۱۸۲۹ء - ۱۸۹۸ء) الناظر نومبر ۱۹۱۳ء

میر امّن دہلوی۔ نقش (کراچی) جلد ۱۔۵۔۶

تذکرۂ شعراء

اشرف گجراتی ۔ اردو (کراچی) جنوری ۱۹۳۷ء، مضامین اختر جونا گڑھی ص ۲۳۱ امیر
خسرو اور تصوف ۔ مقالات اختر ص ۳۸
جذبات ٹیگور (ٹیگور کی نظم کا اردو ترجمہ) ۔ نقاد جون ۱۹۱۷ء
کہاں ہے ہندوستان (ٹیگور کے متعلق اور ان کی نظم کا ترجمہ) ۔ نقاد جولائی ۱۹۱۸ء
زرگل ۔ اختر ص ۲۳
اردو ادب کے معمار شبلی نعمانی ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۲۸۸
علامہ شبلی بحیثیت شاعر ۔ مشمولہ روداد ادارہ معارف اسلامیہ اجلاس دوم ۱۳۶ ص ۹۳۰
ہندوستانی (الہ آباد) اکتوبر ۱۹۳۶ء
تذکرۂ ولی ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۱۰۸
ولی کا سنہ وفات ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۱۰۳
ولی گجراتی (استدراک) ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۸۹ ، معنف (علی گڑھ)
جولائی ۱۹۳۶ء
ولی گجراتی (تصحیح و استدراک) ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۷۰ ، معنف (علی گڑھ)
اپریل اکتوبر ۱۹۳۶ء جنوری ۱۹۳۷ء ۔
ولی گجراتی ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۱۱ ، معنف (علی گڑھ) ۱۹۳۵ء
کلیات ولی کے طبع دوم پر ایک نظر ۔ اردو (کراچی) اکتوبر ۱۹۳۶ء ، مضامین
اختر جونا گڑھی ص ۱۳۱
گجرات کے چند قدیم شعراء اردو ۔ مضامین اختر جونا گڑھی ص ۲۱۳

غالبیات

غالب کا ایک شعر ۔ زمانہ (کانپور) نومبر ۱۹۳۳ء ، مضامین اختر جونا گڑھی ص ۲۴۸ ۔
مرزا غالب (۱۷۹۶ء ۔ ۱۸۶۹ء) اور امیر مینائی (۱۸۲۸ء ۔ ۱۹۰۰ء) ۔ نوائے ادب (بمبئی)
اکتوبر ۱۹۵۴ء ، مضامین اختر جونا گڑھی ص ۲۸۱
مرزا غالب کا ایک شاگرد فخرالدین حسین خاں سخن دہلوی ۔ نوائے ادب (بمبئی) جولائی ۱۹۵۰ء
نثر اردو کا مجدد غالب ۔ اردو (کراچی) اکتوبر ۱۹۵۱ء ، العلم (کراچی) اکتوبر دسمبر ۵
" عارف " (لاہور) مارچ ۱۹۶۶ء ، مضامین اختر جونا گڑھی ص ۶۷

اقبالیات

اقبال اور غزل۔ زمانہ (کانپور) اکتوبر ۱۹۳۱ء

تذکرہ

تذکرۂ اہل دہلی (سرسیّد احمد خاں)۔ تاریخ و سیاست اپریل۔ اکتوبر ۱۹۵۱ء، فروری ۱۹۵۲ء، فروری۔ نومبر ۱۹۵۳ء

روضۃ السلاطین۔ امرا، و سلاطین شعرا، کا ایک نایاب تذکرہ (از سلطان محمد بن امیری فخر) مشمولہ ارمغان علمی مرتبہ سیّد عبد اللہ ص ا

عہدِ عالمگیری کی ایک غیر معروف کتاب مراۃ الخیال اور اس کا مؤلف (شیر خاں لودی) معارف اکتوبر ۱۹۳۲ء

مراۃ الخیال۔ مقالات اختر ص ۱۸۹

ڈرامہ و افسانہ

شب رو۔ اردو (کراچی) جنوری ۱۹۵۰ء

افسانۂ قمر۔ الناظر ستمبر ۱۹۱۹ء۔ زرنگل۔ اختر ص ۳

انشائیہ

ایک بعید ترین عالم میں۔ العصر (لکھنؤ) نومبر ۱۹۱۸ء۔ زرنگل۔ اختر ص ۱۲

پیغام محبت۔ نقاد جون ۱۹۲۱ء۔ زرگل ص ۳۱

بعید تر۔ نقاد جون ۱۹۲۱ء۔ زرگل ص ۳۳

ایڈیٹر کی بیوی۔ مخزن نومبر ۱۹۳۱ء

سفر نامہ

علامہ شبلی کا سفر نامہ۔ مضامین اختر جوناگڑھی۔ ص ۲۹۰

صحافت

اردو کا صحافتی ادب۔ مضامین اختر جوناگڑھی ص ۳۹۰

اردو شاعری

اردو زبان اور اس کی شاعری۔ مخزن جولائی ۱۹۳۱ء

اردو ادب

گذشتہ سو سال کا اردو ادب۔ مضامین اختر جوناگڑھی ص ۳۴۰

لسانیات

اردو زبان کا صحیح تلفظ اور صحیح ترجمہ ۔ نقش (کراچی یکم جولائی ۱۹۵۱ء ... مضامین
اختر جونا گڑھی ص ۳۶۳

حرف تہجی کی اصلیت ۔ جدید عہد حجری کے کتبات (ڈاکٹر اے موریل کی تحقیق ۔
عہد حجری کے انسانوں نے حروف تہجی کا استعمال کیا
تھا) ۔ زبان (منگرول) اکتوبر ۱۹۲۶ء ۔ مترجمات ص ۳۰ ۔
رسائل کے دفینوں سے ... جلد ۵ ص ۱۰۰

سارا سین ۔ ان کی اصلیت اور وجہ تسمیہ ۔ معارف اگست ۱۹۳۱ء

علمی اصطلاحات ۔ زبان جولائی ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۸

وحدتِ لسانی وطنِ سامی میں (بنی اسرائیل کے خروج سے پہلے مصر ۔ شام ۔ عراق
کے علماء اور اہل سیاست کی زبان اثوری تھی) ۔ زبان
ستمبر ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۲

تاریخ

اکبر کا مذہب (عہد مغلیہ کی تصاویر کے رو سے) ۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کے
دفینوں سے جلد ۵ ۱۸۰ ۔ مترجمات ص ۹۲

اورنگ زیب کی تاریخ کا ایک غیر معروف ماخذ مثنوی آشوبِ ہندوستان ۔ معارف
جنوری ۱۹۴۰ء

بعض مشہور تاریخی مغالطات کی اصلاح ۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء ۔ مترجمات ص ۶۰ ۔
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۶۹

بیگڑہ کی وجہ تسمیہ (سلطان محمود ۸۶۳ھ ۔ ۱۴۵۹ء / ۹۱۰ھ ۔ ۱۵۱۱ء کے متعلق) ۔ زبان
جولائی ۱۹۲۶ء ۔ مترجمات ص ۲۴ ۔ رسائل کے دفینوں سے
جلد ۵ ص ۲۳

تاریخ سلاطین گجرات کے عربی ماخذ ۔ مُصنف (علی گڑھ جنوری ۱۹۳۵ء

سلطانہ رضیہ بیگم (التمش کی بیٹی) ۔ مخزن ۱۱ جنوری ۱۹۱۵ء

شرق اردن کے آثار قدیمہ زبان فروری ۱۹۲۰ء ۔ رسائل کے دفینوں سے
جلد ۵ ص ۲۹۱

عربوں کا اکتشاف امریکہ کلمبس سے پہلے (پروفیسر لیویز کی کتاب " افریقہ اکتشاف امریکہ " میں امریکہ کے ہندیوں (Red Indians) کی زبان میں عربی الفاظ کے وجود کا انکشاف ۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، مترجمات میں

فلسطین کی جدید تحقیقات (فلسطین کے آثار قدیمہ پر) ۔ زبان مئی جون ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳

مغلوں کا محکمۂ احتساب ۔ زبان مئی جون ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جل ۵ ص ۵۳۷

یورپ کے شاہی درباروں کی اخلاقی حالت (سلاطین یورپ کے درباریوں کی اخلاقی حالت کا موازنہ دربار مغلیہ سے) ۔ زبان دسمبر ۱۹۲۶ء، مترجمات ص ۶۰، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۷۰

ہندوستان اور جاپان ۔ زبان ستمبر ۱۹۲۹ء، مترجمات ص ۳۹، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۲۷

فلسفہ

برنارڈ شا کی تھیوری ۔ زبان نومبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۱۸

حضرت انسان کا کچا چٹھا ۔ العصر اگست ۱۹۱۷ء، مترجمات ص ۹

دبستان حیات ۔ الناظر اپریل ۱۹۱۶ء، زرگل ص ۲۰

روشنی کی عدم جسمیت پر ارسطو کے دلائل ۔ معارف ستمبر ۱۹۲۶ء

زندگی میں کامیابی اور خوشحالی کے ذرائع ۔ الناظر یکم جون ۱۹۱۶ء

عطا یائے زندگی ۔ نقاد دسمبر ۱۹۱۷ء، زرگل ص ۳۸

عورت ۔ نقاد نومبر ۱۹۱۷ء، زرگل ص ۱۷

لذتِ الم ۔ زبان جنوری ۱۹۲۷ء، مترجمات ص ۶۹، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۳۸

تعلیمات

آل انڈیا اورینٹل کانفرنس کا اجلاس ہفتم (۲۷-۲۹ دسمبر ۱۹۳۳ء، بڑودہ)۔ معارف فروری ۱۹۳۴ء

تعلیم پر چند خیالات ۔ رسائل کے دفینوں سے نمبر ۲ جلد ۲ ص ۳۵۳
جرمن کی تعلیمی حالت۔ زبان جولائی ۱۹۲۶، مترجمات ص ۱۳ رسائل کے دفینوں سے
جلد ۵ ص ۲۸
نظام تعلیم کی تجدید (مسٹر یس اور رانا موری کا نظریہ تعلیم)۔ زبان
جولائی ۱۹۲۹، مترجمات ص ۵۵، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۸
ہندوستان کی تعلیم کا دردناک انجام (آلڈس ہکسلے کے خیالات)۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶،
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۲۸

اخلاقیات

اتحاد ۔ مخزن (کانپور ۔ مارچ ۱۹۱۵ء
شذرات ۔ (مشاہیر کے اقوال) ۔ زرگل ۔ ص ۳۵
شرافت ۔ مخزن (لاہور) دسمبر ۱۹۱۳ء

فارسی ادب

سحابی نجفی (اس کی رباعیات کے قلمی نسخے، عجائب خانہ لندن، کتب خانہ ندوہ،
کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد) میں موجود نسخے کا ذکر، ذاتی
نسخہ نوشتہ ۱۲ ویں صدی کا تعارف)۔ مقالات اختر ص ۱۹۶
سعدی کا سفر سومنات (بزبان انگریزی) ۔ یہ مضمون آل انڈیا اورینٹل کے اجلاس
ہفتم کے موقع پر شعبۂ عربی (بڑودہ) میں پڑھا گیا ۔ بحوالہ
معارف فروری ۱۹۳۴، اس کی تلخیص رسالہ تحقیق (جام
شورو) شمارہ نمبر ۹۔۸، ۹۵۔۱۹۹۴، میں شایع ہوئی۔
سندھ کا فارسی ادب ۔ مقالاتِ اختر ص ۳۸
شبلی کی فارسی شاعری ۔ مقالاتِ اختر ص ۵۴
علامہ شبلی کی ابتدائی فارسی شاعری ۔ العلم (کراچی) جلد ۲۲ ۔ ۱
ابوالعلاء معرّی اور عمر خیام ۔ مقالات اختر ص ۱۰، معارف جولائی ۱۹۳۲، فتح اللہ گردیزی
(مشہور فارسی ادیب گردیزی کی کتاب تذکرۂ ریختہ گویاں
پر تبصرہ) دانشور (کراچی) جولائی ۱۹۶۰ء
فتوح السلاطین از عصامی (مرتبہ سید محمد یوشع)۔ مقالات اختر ص ۲۲۱

فردوسی کا بزمیہ کلام ۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۳ء، مقالات اختر ص ۱، معارف نومبر ۱۹۳۳ء

مثنوی آشوب ہندوستان (ذاتی نسخے کا تعارف نوشتہ ۱۰۹۰ھ کاتب محمد حسین) مقالات اختر ص ۲۰۶

نظامی گنجوی کی قبر (الزابیتھ پول گنجہ میں) ۔ مقالات اختر ص ۲۹ معارف جون ۱۹۳۳ء

دیوان نظامی کے قلمی نسخے (بوڈلین ۔ دو نسخے ۔ برلن کی پروشین نیشنل لائبریری ایک نسخہ ، بوہارو کا نسخہ ، کلکتہ امپیریل لائبریری ، نسخۂ رامپور ، نسخۂ خدیویہ مصر ، نسخۂ نولکشور) ۔ معارف جنوری ۱۹۲۹ء، اگست ۱۹۳۳ء، مقالات اختر ص ۱۵۲

حیات نظامی ۔ الناظر یکم جولائی ، یکم اگست ، ستمبر ، نومبر ۱۹۱۶ء

حیات نظامی گنجوی ۔ مقالات اختر ص ۹۱

تاریخ وفات نظامی گنجوی ۔ معارف ۱۹۳۳ء، مقالات ص ۱۳۶

رسالہ نور معرفت (ولی گجراتی) ۔ اردو اکتوبر ۱۹۵۰ء

عربی ادب

ابوالعلاء المعرّی اور مذمت شراب ۔ معارف اگست ۱۹۳۲

البستانی، ٹاگور عربی لباس میں (ٹیگور کے مجموعۂ منظومات " گارڈنر " کا عربی ترجمہ) ۔ معارف مئی ۱۹۲۰ء

شعر جاہلیت کا انکار اور جامعۂ مصریہ کا ملحد (الشعراء الجاہلی از طٰہٰ حسین پر تبصرہ زبان مارچ اپریل ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۱۲

عربی شعر کی قدامت (عادی خط میں منقوش ایک عربی قصیدہ جو یمن کے کھنڈروں میں) زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۲

شعرائے [illegible] شعر ۔ معارف جون ۱۹۳۲ء

تسمیہ عشق (عربی کے چند اشعار کا ترجمہ) ۔ نقاد فروری ۱۹۱۹ء، زرگل ص ۲۹

عجمیوں کی عربی شاعری کی خصوصیات ۔ العلم جلد ۲۲ / ۱
عربی ادب میں سندھ کا حصہ ۔ العلم جلد ۱ / ۱
عربی شاعری پر فارسی زبان کے اثرات ۔ العلم ۲۲ ۔ ۱
کتاب الاغانی ابو الفرج اصفہانی (موسیقانہ عربی اشعار کی تاریخ) ۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء ۔
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۲۱

انگریزی ادب

انگریزی ادبیات اور ہندوستان ۔ مضامین اختر ص ۳۰۹ ۔ زمانہ (کانپور) جنوری ۱۹۳۲ء
شعراء (ماخوذ از نظم کیٹس) ۔ نقاد مئی ۱۹۱۹ء ۔ زرگل ص ۳۹
عشق (ترجمہ از کولرج) ۔ زرگل ص ۴۱
عطایائے زندگی (ڈریمز سے ماخوذ) ۔ نقاد دسمبر ۱۹۱۸ء
لفظ "میمن" انگریزی زبان میں (انگریزی ادبیات میں اسی کا ہمنوا لفظ Mammon جس کے معنی سریانی زبان میں دولت و ثروت ہیں) زبان نومبر ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۸

ہندی ادب

خیالات کال داس ۔ نقاد دسمبر ۱۹۲۰ء ۔ زرگل ص ۳۶

روسی ادب

روسی ادیب ترجنیف (.....) ..... ۔ زمانہ اگست ۲

اسلامیات

اسلام اور ڈینٹی (اسلامی تصانیف کا مقابلہ ڈانتی کامیڈی سے)۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء ۔
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۰۰ ۔ مترجمات ص ۵۲
اسلام کا اثر یورپ پر (تمدنی اثرات) ۔ معارف اپریل ۔ جون ۱۹۲۱ء
اسلامی جذبۂ خود داری ۔ زبان جولائی ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کی دفینوں جلد ۵ ص ۵۰
اسلامی فلسفہ قرونِ وسطی کے اندلس میں (از پی جی ۔ مرج) ۔ معارف جولائی ۱۹۲۵ء
ایک فرانسیسی کی تعریف اسلام (سائیکلوجی آف دی مسلمان کی تنقید) ۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء ۔ رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲،
ذاتوں کا امتیاز اور مساواتِ اسلامی (مصری خاتون مس ذکیہ عبدالحمید سلیمان کا

ہندوستان سے لوٹنے پر تاثر)۔ زبان فروری ۱۹۲۶ء،
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۵۸

علم اور اسلام۔ تسنیم (آگرہ) اپریل مئی ۱۹۳۲ء
ہندوستان کا اسلامی عہد سلطنت۔ الناظر نومبر ۱۹۲۱ء، مترجمات ص ۳

قرآنیات

ارتقاء ارض کا قرآنی نظریہ اور موجودہ تحقیقات الارض (اسلامک ریویو سے ماخوذ)
زبان جنوری ۱۹۲۶ء، مترجمات ص ۳۰، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۳۶
ترجمۂ قرآن مجید چینی زبان میں۔ زبان فروری ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵
ص ۳۳۶
تفسیر بقاعی کی اشاعت (نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور از علامہ ابو اسحاق ابراہیم
بن عمر البقاعی (۸۰۹ - ۸۸۵) کی اشاعت کے متعلق)۔
زبان فروری ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹۰
زوجیتِ عامہ اور قرآنِ مجید۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء، اور رسائل کے دفینوں سے جلد ۵
ص ۱۵۸
کتاب سعد السعود (از علی بن موسیٰ بن محمد طاؤس)۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء، رسائل
کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱،
قرآن مجید کے ترجمے مشرقی زبانوں میں۔ جامعہ (دہلی) فروری ۱۹۳۱ء

مذاہب عالم

حضرت مسیح ہندوستان میں (تبت کی ایک خانقاہ سے دستیاب ایک قلمی کتاب کے
پیش نظر پروفیسر رورچ کی تحقیق)۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء،
رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۸۰
عہد نامہ زرتشتی۔ معارف اپریل ۱۹۲۵ء
گاؤ کشی (رسالہ Liberator سے سوامی شردھانند کے ایک مضمون کا خلاصہ) زبان اکتوبر
۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۰۸
لفظ مسیح کی اصلیت (عبرانی لفظ مشیح سریانی میں مشیحو اور کلدانی میں مشیحا جو لفظ مسح
سے مشتق جس کے معنی "مسح" کے ہیں)۔ زبان

جولائی ۱۹۲۶ء رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۵

لندن میں مذہب عیسوی پر مادّیت اور خود غرضی کا غلبہ (لندن میگزین سے ترجمہ) زبان فروری ۱۹۲۰ء رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۸۳

مسیح کے وجود سے انکار۔ زبان نومبر ۱۹۲۶ء مترجمات ص ۲۸، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۱۶

فنون

زریاب۔ اسلامی دنیا کا نامور مغنی اور مغربی وضع میشن کا اولین موجد) معارف مارچ ۱۹۳۵ء

صنعت وراق عہد عباسیہ میں۔ معارف مارچ ۱۹۳۳ء

کتاب الاغانی از قاضی علی بن حسین (موسیقی سے متعلق)۔ الناظر مارچ ۱۹۱۸ء

کتب و کتب خانہ

ابن خلکان کے فارسی ترجمے (مترجم مولانا یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان نے منظر الانسان کے نام سے ترجمہ کیا اس کے چار قلمی نسخوں کا ذکر (۱) نسخہ برٹش میوزیم نوشتہ ۱۰۱۲ھ (۲) دفتر دیوانی حیدرآباد کے کتب خانے میں نوشتہ ۱۰۳۱ھ (۳) کتب خانہ محمود شیرانی) معارف فروری ۱۹۳۵ء

اسلامی کتب خانے۔ الناظر اپریل مئی ۱۹۳۰ء

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا جدید ایڈیشن۔ زبان فروری ۱۹۲۰ء۔ رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۵۸

تاریخ ابن خلکان کے فارسی ترجمے، مقالاتِ اختر ص ۲۳۰

تبصرہ کتاب الحج و الزیارۃ (مولفہ جناب مولوی منوّر الدین دہلوی)، زبان فروری ۱۹۲۰ء رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۸۶

دیوان میر رضی (میر رضی ارتیمانی، ذاتی نسخے کا تعارف، کاتب محمد صالح ابو العلائی الحسنی الخوارزمی التفرشی، نوشتہ ۱۰۵۵ھ)۔ معارف دسمبر ۱۹۱۹ء، مقالاتِ اختر ص ۱۰۳

دیوان نظامی کے مزید قلمی نسخے (نسخہ خدیویہ مصر، نسخہ نولکشور، نسخہ بوڈلین، نسخہ برلن، نسخہ بوہارو، نسخہ رامپور)۔ معارف
فروری ۱۹۲۹ء، اگست ۱۹۳۳ء مزید دیکھیے فارسی ادب

دیوانِ ولی کا قدیم ترین نسخہ (نسخہ پنجاب یونیورسٹی نوشتہ ۱۱۳۸ھ، نسخہ انجمن ترقی اردو نوشتہ ۱۱۳۵ھ قدیم ترین)۔ اردو (کراچی)، جولائی ۱۹۵۵ء،
مضامین اختر جوناگڑھی ص ۱۱۶ مزید دیکھیے تذکرۂ شعراء

رسالۂ نور المعرفت (از ولی گجراتی)۔ اردو اکتوبر ۱۹۵۰ء

سحابی نجفی اور اس کی رباعیات کے قلمی نسخے (ذاتی نسخہ مجموعۂ رباعیات سحابی نوشتہ ۱۲ ویں صدی، کا تعارف)۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۱ء

عہد اسلامی میں کتب خانوں کا نظم و نسق۔ مشمولہ روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ اجلاس سوم ۱۹۳۸ء ص ۱۳۷

غیر صحیح اور مخرب اخلاق کتابیں نذرِ آتش۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۸۳

کتاب سعد السعود (مولفہ علی بن موسیٰ بن محمد بن الطاؤس)۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۱

کتب خانۂ رامپور۔ معارف مارچ ۱۹۳۳ء

کتب خانۂ رامپور رامپور از حافظ نذیر احمد (ترجمہ)۔ معارف مارچ ۱۹۲۹ء

کیا مدینۃ العلوم طاشکبری زادہ کی تصنیف ہے۔ معارف اپریل ۱۹۴۵ء

مسلمان سلف اور جمع و مطالعۂ کتب کا شوق۔ مشمولہ روئداد ادارۂ معارف اسلامیہ اجلاس دوم ۱۹۳۶ء ص ۶۵

مطبوعاتِ قدیمہ کی قدر و قیمت (یورپی مطبوعات)۔ زبان مئی جون ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۵۲۶

نامۂ نامی از غیاث الدین محمد بن ہمام الدین معروف بہ خوند میر (عہد بابر و ہمایوں کا انشاء، قلمی نسخے کاما انسٹی ٹیوٹ بمبئی نوشتہ ۱۱۶۰ھ، نسخہ انڈیا آفس لندن، نسخہ پنجاب یونیورسٹی نوشتہ ۱۱۰۸ھ، ذاتی نسخہ نوشتہ ۱۱۰۹ھ کا تعارف)

مقالاتِ اختر ص ۱۰۸، معارف مارچ ۱۹۶۰ء

معلوماتِ عامہ

امریکہ میں موٹروں کی لاگت۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۴
ایک دو سر والے حلق کی ۲۵ ہزار میں خرید۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹۱
ایک عجیب گھڑی (بغیر کوک کے چلنے والی)۔ زبان جنوری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۳۱
ایک عظیم الشان فلکی دور بین (وزن ۵۵ ٹن)۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۲
باغ حیوانات (زولا جیکل گارڈن عباسی خلیفہ المامون کی ایجاد)۔ زبان جولائی ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹
تشخیص امراض بذریعہ تصاویر (جرمن ڈاکٹر الیسز کی ایجاد)۔ زبان جنوری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۳۰
تفتیش جرائم۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء، مترجمات ص ۱۸، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۹۳
جنین کی جنسیت حسب خواہش والدین۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۹۲
حمی محرقہ کے جراثیم۔ زبان جنوری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۳۰
درخت کو رنگنے کی صنعت۔ زبان نومبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۴۲
دریائی گھونگھوں سے ریشم۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۳
دنیا کا سب سے بڑا مطبع (واشنگٹن امریکہ میں)۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۹۵
دنیا کا قدیم ترین درخت گلاب (ہلڈیشیم (جرمنی) میں لگ بھگ ہزار برس پرانا) زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳
زلزلوں کی پیشین گوئی کرنے والا آلہ۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۹۳
سب سے چھوٹا برقی لیمپ۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹۲
سائنس کے حدود (ڈاکٹر ورنن کیلوگ کے مضمون سے ماخوذ)۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء،

مترجمات ص ۱۰، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۱

شمالی یورپ میں اسلامی سکّہ جات (الزہرا سے ماخوذ) ۔ زبان جولائی ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹۔

طاعون میں حفظِ ماتقدم (لہسن کے ذریعے بقول حکیم براکلوس) ۔ زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۳۳

عربوں میں سونے کے دانتوں کا رواج (۱۸۰ھ سے قبل) ۔ زبان جولائی ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹

عصبی امراض کا سبب ۔ زبان نومبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۳۲

فوٹو گرافی کا ارتقاء ۔ زبان جنوری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۲۰

قدیم علم جغرافیہ کے محافظ (مسلمان تھے جاگریفیکل میگزین سے ماخوذ)۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۸۳

کرۂ زمین کی عمر تقریباً دس لاکھ ارب برس ۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۹۵

لاسلکی کا اصلی مؤجد (ڈیوڈ ایڈروڈ ہیوجز)۔ زبان اکتوبر ۱۹۲۶ء، مترجمات ص ۳۳، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۸۶

لاش کی حفاظت (اٹالین کیمیاگر کے تیار کردہ ایک مسالے کے ذریعے) ۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۱۹

لندن میں گداگری ۔ اخبار سچ (لکھنؤ) ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء، مترجمات ص ۳۲ ۔

مستقبل کا اخبار (صرف واقعات کی چھوٹی چھوٹی تصاویر پر مشتمل ہوگا)۔

المستنصر کے زمانے کی ایک گھڑی (الزہرا سے ماخوذ) ۔ زبان دسمبر ۲۶ء مترجمات ص ۳۶، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۶۸ ۔

مقیاس المحبت (اومیٹر کے ذریعے) ۔ زبان فروری ۱۹۲۷ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳۹۰

موجودہ انگریزی مصنّفین کی تصانیف کا معاوضہ (۲۵۰ پونڈ سے لے کر ۳۰ ہزار پونڈ تک) زبان ستمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۱۲۹

نباتات کا انسائیکلوپیڈیا (از ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک) ۔ زبان دسمبر ۱۹۲۶ء، رسائل کے

دفینوں سے جلد ۵ ص ۲۶۹

ہنری فورڈ کی کامیابی کا راز (مزدوروں کو نرخ سے زیادہ اُجرت) ۔ زبان اگست ۱۹۲۶ء رسائل کے دفینوں سے جلد ۵ ص ۳ء

حوالے

(۱) رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت جلد ۵ ماہنامہ زبان (منگرول) ۱۹۲۶ء ۔ ۱۹۲۸ء مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ (رسائل کے دفینوں سے جلد ۵)

(۲) رسائل کے دفینوں سے اردو ادب کی بازیافت جلد ۲ العصر (لکھنؤ) مطبوعہ خدا بخش لائبریری پٹنہ (رسائل کے دفینوں سے جلد ۲)

اختر صاحب پر لکھے گئے مضامین

(۱) آپس کی باتیں (اداریہ) ۔ ماہ نو ستمبر ۱۹۵۵ء

(۲) اختر جوناگڑھی ۔ عبدالحق ۔ قومی زبان (کراچی) اردو نمبر ۱۹۶۳ء

(۳) اختر جوناگڑھی کے خطوط بنام سید الطاف علی بریلوی ۔ کتابی دنیا (کراچی) جولائی ۱۹۶۳ء

(۴) اختر جوناگڑھی کے ۱۸ خطوط بنام مالک رام ۔ نقوش مکاتیب نمبر ۲ ۱۹۵۷ء ص ۸۷

(۵) اختر جوناگڑھی کے سانیٹ کی مزید تحقیق ۔ سید ایچ ترمذی العلم (کراچی) قائداعظم نمبر جولائی ستمبر ۱۹۷۶ء

(۶) ایک صاحب علم قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی ۔ تحسین سروری، جنگ (کراچی) ۱۵ اگست ۶۳ء

(۷) باباے اردو اور قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے مراسم ۔ قاضی محمد اختر، قومی زبان (کراچی) باباے اردو نمبر ۱۹۶۳ء ص ۱۳۰

(۸) حرفے چند ۔ جمیل الدین عالی، مشمولۂ مضامین اختر جوناگڑھی ص ۷

(۹) سر سید کا علمی سرمایہ از اختر جوناگڑھی تبصرہ از ادارۂ افکار ستمبر ۱۹۶۳ء

(۱۰) شذرات ۔ شاہ معین الدین احمد ندوی معارف ستمبر ۱۹۵۵ء

(۱۱) فن تعمیر۔مترجم قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مشمولہ ثقافت پاکستان مرتبہ شیخ محمد اکرام ص ۵،

(۱۲) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔ عبدالرزاق قریشی، نوائے ادب (بمبئی) اکتوبر ۱۹۵۵ء تاثرات از عبدالرزاق ص ۱۲

(۱۳) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ۔ تحسین سروری، اردو نامہ (کراچی) شمارہ ۳۰

(۱۴) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ۔ نصر اللہ خاں ، حریت (کراچی) ۲۶ اگست ۱۹۷۳ء ، گلبن (احمد آباد) جنوری ۔ اپریل ۱۹۹۴ء ، کیا قافلہ جاتا ہے " نصر اللہ خاں ص ۹۵

(۱۵) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ۔ ماہر القادری فاران اکتوبر ۱۹۵۵ء

(۱۶) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی ۔ " راہی و راہ نما " از سید الطاف علی بریلوی ص ۲،

(۱۷) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی۔ عبدالحق، قومی زبان (کراچی) ۱۶ اگست یکم ستمبر ۱۹۵۵ء

(۱۸) قاضی احمد میاں اختر جونا گڑھی مرحوم کی یاد میں۔ ممتاز حسن ، العلم جولائی ستمبر ۱۹۵۹ء

(۱۹) قاضی اختر جونا گڑھی ۔اعجاز الحق قدوسی مشمولہ میری زندگی کے ۵۰ سال ص ۱۸۳

(۲۰) قاضی اختر جونا گڑھی ۔ وفا راشدی العلم (کراچی) جنوری ۱۹۷۶ء

(۲۱) قاضی اختر جونا گڑھی کی اخوان الصفا ۔ ممتاز حسن العلم ۲۲ ۔ ۱

(۲۲) قطعہ تاریخ وفات ۔ حفیظ ہوشیار پوری ماہ نو ستمبر ۱۹۵۵ء

(۲۳) مضامینِ اختر جونا گڑھی ۔ شکیل احمد ضیاء قومی اخبار (پاکستان) ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۹ء

(۲۴) مولانا میمن اور اختر جونا گڑھی ۔ ممتاز حسن، العلم ۲۲ ۔ ۱

(۲۵) لمعاتِ اختر پر ایک نظر ۔ انگریزی نظموں کا منظوم اردو ترجمہ از اختر جونا گڑھی ۔ تمکین کاظمی، الناظر جنوری ۱۹۲۹ء

(۲۶) لمعاتِ اختر (تبصرہ) ادارۂ جامعہ (دہلی) مارچ ۱۹۲۸ء

(۲۷) علم اور اسلام (تبصرہ) ادارۂ جامعہ (دہلی) دسمبر ۱۹۳۳ء

(۲۸) From Sindh to Jonagadh and Back - M.A Siddiqui Review on Mazamin - e Akhtar Junagadhi "the Dawn" 11th May 1990

(۲۹) مقدمہ ۔ ممتاز حسن مشمولہ مقالاتِ اختر، مجلس ترقی ادب لاہور ص الف

(۳۰) قاضی احمد میاں اختر مرحوم ۔ ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں ۔ تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۱) قاضی احمد میاں اختر مرحوم اور جوناگڑھ کی یاد میں ۔ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۲) ذکر اختر ۔ سیّد حسام الدین راشدی ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۳) مکاتیب قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی ۔ مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین احمد ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۴) مکتوبات اختر بنام سیّد الطاف علی بریلوی ۔ سید الطاف علی بریلوی ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۵) مکتوبات اختر اعزہ و اقرباء کے نام ۔ مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۶) مکتوبات مشاہیر بنام اختر مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۷) ترکِ اختری ایک ناتمام تصنیف کے اجزاء مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۸) تصانیف و تراجم اختر مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۳۹) یاد داشتہای اختر مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۰) باقیات اختر مخزونہ کتب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۱) قاضی احمد میاں کا ایک خط زبان انگریزی مخزونہ کتاب خانہ مشفق خواجہ ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۲) سپاس نامہ کارکنانِ انجمن ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۳) تعزیتی مضمون از سیّد الطاف علی بریلوی ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۴) قطعاتِ تاریخِ وفات اختر از نامعلوم
(۴۵) مکاتیب اختر کے ذیل میں اضافی معلومات ۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۶) دو مکتوبات اختر بنام حیرت ، مراسلہ سیّد انیس شاہ جیلانی ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸
(۴۷) قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کی یاد میں ۔ ڈاکٹر الیاس عشقی ، تحقیق (جام شورو) شمارہ ۹۔۸

اختر مرحوم کی طبع شدہ تصنیفات و تالیفات

(۱) اسلام کا اثر یورپ پر ۔ دائرۂ ادبیہ لکھنؤ ۱۹۲۰ء

(۲) اسلامی کتب خانے عہد عباسیہ میں (ڈاکٹر اولگا پنٹو کے مضامین کا ترجمہ مع حواشی)۔ الناظر پریس، لکھنؤ ۱۹۳۲ء

(۳) اقبالیات کا تنقیدی جائزہ ۔ اقبال اکادمی کراچی ۱۹۵۵ء

(۴) انار کلی (ترجمہ از بنگالی) ۔ صدیق بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۲۶ء

(۵) تذکرۂ اہل دہلی (آثار الصنادید کا چوتھا باب مع حواشی)۔ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۵۵ء

(۶) حیات نظامی گنجوی ۔ الناظر پریس لکھنؤ ۱۹۱۳ء

(۷) زر گل (مجموعۂ مضامین) ۔ آگرہ اخبار پریس آگرہ ۱۹۲۸ء

(۸) سر سید کا علمی کارنامہ ۔ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی ۱۹۶۵ء

(۹) سی پارۂ دل (اردو غزلوں کا مجموعہ) ۱۹۳۵ء

(۱۰) طبقات الامم (اردو ترجمہ) ۔ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

(۱۱) علم اور اسلام (پروفیسر آرنسٹ رے کے مضامین کا ترجمہ)۔ معارف پریس اعظم گڑھ میں

(۱۲) لمعاتِ اختر (انگریزی شعرا کی نظموں کا اردو منظوم ترجمہ) ۱۹۲۸ء

(۱۳) مترجمات (عربی اور انگریزی مضامین کا ترجمہ) ۔ آگرہ اخبار پریس آگرہ ۱۹۲۸ء

(۱۴) مضامینِ اختر جوناگڑھی ۔ انجمن ترقیِ اردو پاکستان کراچی ۱۹۸۹ء

(۱۵) مقالاتِ اختر ۔ مجلسِ ترقیِ ادب لاہور

Studies : Islamic and Oriental (Collected works, Ashraf Press, Lahore 1945.

●

از

سید مسعود حسن
خدا بخش لائبریری ۔ پٹنہ ۔ بہار

○ مسز رابعہ اقبال کے مقالے بعنوان "نشاط کی بکٹ کہانی اور طالب کا تیرہ ماسہ" (تحقیق، شمارہ ۶) کے ذیل میں

[بکٹ کہانی کے مصنّف مفتی الٰہی بخش نشاط کے مفصل حالات سہ ماہی "احوال و آثار" کے دو ابتدائی شماروں میں مدیر مجلّہ جناب نورالحسن راشد کاندھلوی کے قلم سے نکلے ہیں جنھیں ذیل میں ملخصاً پیش کیا جاتا ہے۔ نجم الاسلام]

۱۔ مفتی الٰہی بخش ۱۱۶۲ھ میں تولد ہوئے۔ متوسطات کی تعلیم کے بعد، چودہ سال کی عمر میں دہلی پہنچے اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کے حلقۂ درس سے فیض یاب ہوئے۔ مفتی صاحب اکثر درسیات میں شاہ رفیع الدّین کے رفیق اور ہم سبق تھے۔ اس وقت شاہ عبدالقادر نسبتہً ابتدائی کتابیں پڑھ رہے تھے۔ تعلیم سے فراغت پر شاہ عبدالعزیز نے اپنے قلم سے مفصّل سند لکھ کر عطا کی۔ مفتی صاحب نے درسیات کے علاوہ سلوک و تصوّف کی متعدد اہم تصنیفات اور دیگر فنون کی اہم کتابیں سبقاً سبقاً شاہ عبدالعزیز سے پڑھیں، اور سلوک و تصوّف کی عملی تربیت بھی حاصل کی۔

۲۔ پھر مفتی الٰہی بخش نے اپنے چھوٹے بھائی شاہ کمال الدّین کاندھلوی سے بیعت کی اور اجازت و خلافت پائی۔ بعدہ سیّد احمد شہید رائے بریلوی سے بیعت کی اور اجازت و خلافت پائی۔ بعدہ سیّد احمد شہید رائے بریلوی سے بیعت کی۔ سیّد احمد شہید ۱۲۳۳ھ میں اطراف دہلی کے سفر پر نکلے تھے اس سفر کے دوران کاندھلہ بھی آئے اور مفتی الٰہی بخش کے مکان پر فروکش ہوئے۔ مفتی صاحب کاندھلہ سے اگلی منزل کے سفر پر بھی سیّد احمد شہید کے ساتھ رہے اور اس دوران مفتی صاحب نے سیّد صاحب کے ملفوظات اور طریقۂ تعلیم کو مرتّب و منضبط کیا۔ یہ

مجموعہ "ملہمات احمدیہ" کے نام سے موسوم ہے اور شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ منصب افتاء پر پہلا تقرر اور مفتی کا خطاب نواب ضابطہ خاں (پسر نجیب الدولہ) کی طرف سے ملا تھا۔ اس وقت ضابطہ خاں کا مرکز ریاست غوث گڑھ علماء اور اہل کمال کا مرجع بنا ہوا تھا۔ غوث گڑھ کی مرہٹوں کے ہاتھوں تباہی سے تقریباً ایک سال پہلے مفتی صاحب نے خدمت افتاء کا تعلق ختم کر لیا تھا۔ پھر کوٹہ (راجستھان) میں درس، افتاء اور سلوک کی خدمات میں مصروف رہے۔ کوٹہ سے رشتہ ملازمت ختم ہونے پر بھوپال کا سفر کیا۔ تقریباً چھ سال بھوپال میں مفتی ریاست رہے اور وسط ۱۲۱۱ھ میں واپس آ گئے۔ وقفے وقفے سے تھانہ بھون، بڈھانہ اور اطراف کی چند بستیوں میں قیام رہا۔ کاکوری میں بھی قیام رہا۔ ۱۲۲۲ھ سے ۱۲۲۸ھ تک سہارنپور میں قیام فرما رہے۔ اس دوران میں بھی درس و تدریس، اصلاح و تربیت اور تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ سہارنپور سے واپسی کے بعد اپنے وطن کاندھلہ میں مستقل قیام رہا جو قیاساً سولہ سال کو محیط ہے۔ ۱۵ جمادی الاخریٰ ۱۲۳۵ھ کو وفات پائی اور اس کا ظاہری سبب یہ ہوا کہ ایک شب و روز پہلے اپنی ایک دوا کھائی جس کے کھاتے ہی بے ہوشی طاری ہو گئی۔ اسی حال میں مغرب کے وقت انتقال فرمایا۔

۴۔ حلقۂ درس متواتر ساٹھ سال (۱۱۸۵ھ تا ۱۲۳۵ھ) جاری رہا۔ چند قابل ذکر تلامذہ:

- مولانا سید محمد قلندر محدّث جلال آبادی (م ۱۲۶۰ھ)
- مولانا مرزا حسن علی صغیر محدّث لکھنوی (م ۱۲۵۵ھ)
- مولانا محمد حسن رام پوری (شہید بالاکوٹ، م ۱۲۴۶ھ)
- مولانا مغیث الدین سہارنپوری (شہید بالاکوٹ، م ۱۲۴۶ھ)
- مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی کاندھلوی (م ۱۲۹۳ھ)
- مولانا وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری (م تقریباً ۱۲۶۰ھ)

۵۔ مفتی صاحب کو فقہ کے ساتھ ساتھ شعر و ادب پر بھی بہت قدرت حاصل تھی، اور برجستہ شعر کہنا معمول تھا۔ منقولات و معقولات میں غیر معمولی مہارت کے ساتھ ساتھ طب پر بھی غیر معمولی دسترس تھی۔ خود مفتی صاحب کے خاندان میں طب یونانی کے درس اور مطب کی روایت قدیم تھی۔ کئی نسلوں سے یہ سلسلہ مسلسل چلا آ رہا تھا۔ حکیم عبدالحی صاحب نزہۃ الخواطر نے مفتی صاحب کو ہندوستان کے ممتاز ترین اطباء میں شمار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ بہت سے لوگوں نے ان سے طب پڑھی (دیکھیے الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، ص ۲۱۱، دمشق ۱۴۰۰ھ)

۶۔ مفتی صاحب کی عربی تصنیفات : ● تلخیص و حواشی تفسیر مدارک التنزیل نسفی۔ ● رسالۂ تجوید القرآن۔ ● حاشیۂ مقدمۂ جزریہ للجزری۔ ● فتوح الاوراد شرح حصن حصین۔ ● وظائف النبوی خلاصۂ حصن حصین۔ ● حد البصائر فی حد الکبائر۔ ● اربعینات۔ ● بدور الهدایہ۔ ● مسائل الزکوٰۃ۔ ● المطالب الجلیلہ۔ ● شیم الحبیب۔ ● تلخیص غایۃ السئول۔ ● صلوٰۃ المستعان لرویۃ النبی علیہ السلام۔ ● تذکار اصحاب البدر۔ ● احوال رواۃ صحیح البخاری۔ ● احوال علماء حنفیہ۔ ● شرح دلائل الخیرات۔ ● شرح ارجوزۃ الاصمعی۔ ● شرح الشرح ارجوزۃ الاصمعی۔ ● شرح القاف الاربعین۔ ● شرح قصیدۂ بانت سعاد۔ ● حاشیۂ مقامات حریری۔ ● تلخیص حیاۃ الحیوان۔ ● امثال العرب۔ ● خلاصۂ شرح طیف اقبال ۔ محمد مومن خاں شیرازی۔ ● خطبات جمعہ (بصنعت اہمال)۔ ● شرح سلّم العلوم۔ ● حاشیہ برحاشیہ میر زاہد بر ملا جلال۔ ● شرح رسالۂ شیخ بہاء الدین عاملی۔ ● تلخیص الصواعق فی رد الروافض۔ ● خلاصۂ حبیب السیر فی اخبار افراد البشر۔ ● رسائل رمل۔

۷۔ مفتی صاحب کی فارسی تصنیفات۔ ● اختتام مثنوی (مثنوی مولانائے روم کا تتمہ و تکملہ، سنہ اتمام ۱۲۱۹ھ، مطبوعہ ملتی ہے، کثرت سے چھپی ہے)۔ ● رسالۂ فضل القرآن۔ ● ترجمۂ شاطبیہ منظوم۔ ● جوامع الکلم۔ ● مجموعۂ اربعینات۔ ● رسالۂ کبائر۔ ● ازالۃ الکفر۔ ● نافع للمفتیین والقضاۃ۔ ● تحقیق جواز تمباکو خوردنی۔ ● تحقیق تحریر مولوی فیض علی خراسانی۔ ● رسالۂ جہادیہ منظوم۔ ● محافل نبوی۔ ● اصول حدیث منظوم۔ ● رسائل البرکات۔ ● رسالۂ عقائد منظوم۔ ● رسالۂ توحیدیہ واجتناب کبائر۔ رسالۂ فرائض اسلام۔ ● رسالۂ ارکان نماز۔ ● بدور بدریہ۔ ● خلاصۂ تواریخ عجم۔ ● ملہمات احمدیہ۔ ● ملفوظات حافظ محمود شاہ۔ ● رسالۂ حضرات خمس۔ ● تحقیق مشرب مجدد الف ثانی بہ سلسلۂ وحدۃ الوجود والشہود۔ ● کتاب تصوف (یہ مفتی صاحب کی تالیفات میں تصوف کے موضوع پر سب سے عمدہ کتاب ہے)۔ ● تحقیق حقیقت کعبہ۔ ● یک صد مقام سلوک۔ رسالہ جہادیہ (جہاد النفس و شیطان) منظوم، مطبوعہ ● ہندی محاورات کی متصوفانہ شرح۔ ● انتخاب مسلکات از کیمیائے سعادت۔ ● انتخاب ارشاد الطالبین شیخ جلال تھانیسری۔ ● شرح غزل شمس تبریز۔ ● شرح غزل اوّل دیوان حافظ۔ ● شرح غزل دوّم حافظ شیراز۔ ● شرح غزل سوّم حافظ شیراز۔ ● بیاض نشاط (مفتی صاحب کے اور دیگر شعرا کے منتخب فارسی اشعار)۔ ● مناجات بہ حضور الٰہ العالمین۔ ● ترجمہ ارجوزہ

اصمعی۔ ● ترجمہ انا المطلوب۔ ● ترجمہ سقانی الحب ، کاسات الوصال۔ ● کافیہ منظوم۔ ● صرف اکبر۔ ● انتخاب رسالۂ امام الدین مہندس (امام الدین ریاضی بن لطف اللہ مہندس؟) ● مفتی المجربات۔ ● مفتی العلاج۔ ● رسالہ نبض۔ ● رسالہ قارورہ۔ ● انتخاب علاج الامراض حکیم شریف خاں۔ ● رسالہ ردّالروافض۔ ● خلاصہ، تالیف مولانا صبغت اللہ سالوی ● بیاض یمین۔ ● مین بیاض۔ ● بیاض متفرقات (ذاتی یادداشتیں ، کتابوں سے متعلق اندراجات ، متفرق موضوعات پر اندراجات) ۔ ● بیاض طب کلاں (ساڑھے چار سو صفحات) ۔ ● بیاض طب خورد۔

۸۔ مفتی صاحب کی اردو مؤلفات و منظومات۔

● مثنوی معنوی کے پہلے دفتر کا منظوم اردو ترجمہ جو ناتمام رہ گیا ، بعد کو ان کے فرزند مولانا ابوالحسن حسن تخلص نے اس کی تکمیل کی۔ پہلی بار کلکتہ سے اور دوسری بار مطبع ہاشمی میرٹھ سے ۱۲۸۳ھ میں چھپا تھا۔

● رسالہ منظوم در فرائض و واجبات نماز وغیرہ۔

● گناہِ کبیرہ منظوم۔ پہلے اس موضوع پر فارسی رسالہ منظوم تصنیف کیا تھا اور پھر اردو میں یہ مستقل کتاب لکھی۔

● دیوانِ نشاط۔ مفتی صاحب کے اردو فارسی کلام کا مجموعہ۔

● مثنوی قصۂ نوجوانے از سہارنپور۔ عشق و محبت میں مجنونانہ کیفیت اور اسی غم میں المناک موت کا قصہ۔

● بکٹ کہانی یا بارہ ماسہ۔ مفتی صاحب کی مقبول ترین تصنیف ، مطبوعہ ، اس پر مسز رابعہ اقبال کا مقالہ رسالہ تحقیق کے شمارۂ ششم میں چھپا ہے۔

مکتوب مولانا نور الحسن راشد بنام مسز رابعہ اقبال

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی،
کاندھلہ، ضلع مظفر نگر
۲۸۔جولائی ۱۹۹۹ء

محترمہ پروفیسر رابعہ اقبال صاحب!

السلام علیکم

مجھے برصغیر کے علماء خصوصاً خانوادہ حضرت شاہ ولی اللہ اور اس خطے کے علماء و اہل کمال کے احوال و آثار سے کچھ دلچسپی سی ہے جس میں ایک ممتاز اور نمایاں شخصیت حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی کی ہے، اور ان سب حضرات کے احوال اور تالیفات و تحریرات کی طرح مفتی صاحب کی تحریروں اور مفتی صاحب پر لکھی ہوئی کتابوں اور مضامین کی تلاش اور ان سے استفادہ کا اشتیاق رہتا ہے۔

پچھلے دنوں معلوم ہوا تھا کہ مجلہ تحقیق میں مفتی الٰہی بخش کی بکٹ کہانی پر آپ کا مضمون چھپا ہے۔ مگر میری معلومات میں تحقیق یہاں پابندی سے کہیں بھی نہیں آتا، دہلی میں بھی متعدد نامور اہل علم سے دریافت کیا مگر مطلوبہ شمارہ اور مضمون ہاتھ نہ آیا۔ اس لیے محترم پروفیسر نجم الاسلام صاحب سے گذارش کی کہ وہ مضمون بالا کا فوٹو اسٹیٹ عنایت فرمائیں، موصوف نے ازراہ کرم وہ شمارہ ڈاک سے بھجوادیا جس کے لیے شکریہ واجب ہے۔

اس شمارے میں سب سے پہلے آپ کا مضمون پڑھا اور اندازہ ہوا کہ مفتی صاحب کی بکٹ کہانی پر ایک عمدہ اور قابل قدر مضمون ہے۔ اس مضمون سے بکٹ کہانی نشاط کی بہت سی خصوصیات و امتیازات پہلی بار سامنے آتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مضمون کا اشاعت کے بھی بہت دیر بعد علم ہوا، اگر اس کی ترتیب کے دوران علم اور رابطہ ہو سکتا تو راقم مفتی صاحب کے متعلق معلومات اور بکٹ کہانی کے قلمی یا مطبوعہ نسخوں کی معلومات اور فوٹو اسٹیٹ فراہم کر سکتا تھا۔ مضمون پڑھنے کے دوران جو چند باتیں قابل توجہ محسوس ہوئیں وہ تحریر ہیں۔

۱۔ خدا بخش لائبریری جرنل میں شائع فہرست مخطوطات اردو، الٰہی بخش اکیڈمی، کی فہرست کی معلومات مختصراً اور اس وقت کی ہیں، فہرست کے تعارف میں تفصیلات کی گنجائش نہیں تھی، اور یوں بھی یہ فہرست بہت جلدی میں مرتب کی گئی تھی اس لیے کئی

چیزوں کا اس میں اندراج رہ گیا۔ اور کئی کتابیں اور اردو مخطوطے ایسے ہیں جو اس فہرست کی ترتیب کے بعد دریافت ہوئے۔

بہرحال اس فہرست میں بکٹ کہانی نشاط کے قلمی نسخے کا درج نہ ہونا ایسے کسی نسخے کے موجود نہ ہونے کا ثبوت نہیں۔ بکٹ کہانی نشاط کے دو نسخے میرے علم بلکہ ہمارے ذخیرے میں ہیں۔

الف: نسخہ جو مفتی الٰہی بخش کے قلم سے ان کی ایک بیاض میں ہے۔ مگر یہ نسخہ صرف پہلے حصے پر مشتمل ہے مکمل نسخہ نہیں۔ تاہم جس قدر بھی ہے تمام نسخوں سے اہم اور بنیادی ماخذ ہے۔

ب: ایک اور نسخہ ایک لائبریری میں ایک مجموعے میں ہے۔ یہ نسخہ ہماری نواحی بستی (کیرانہ ضلع مظفر نگر) کے ایک شخص کا نقل کیا ہوا ہے۔ جب ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۱ء) میں نقل کیا گیا۔ میرا خیال ہے کہ اس نسخے کا کاتب مفتی الٰہی بخش یا ان کے فرزند مولانا ابوالحسن حسن کا شاگرد اور فیض یافتہ ہے (یہ اس کی اور تحریروں سے جھلکتا ہے)

۲۔ بکٹ کہانی نشاط کے جن نسخوں کا میں نے ذکر کیا ہے وہ کل مطبوعہ نسخے نہیں۔ بلکہ اس وقت تک معلوم نسخے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہ کتاب کئی مرتبہ چھپی ہوگی، کم از کم ایک نسخہ اس کے بعد سامنے آیا ہے۔ یہ معلومات مجھ کوتاہ نظر کی ہیں جو اک چھوٹے سے قصبے میں بیٹھا ہے اور اس کو بڑی لائبریریوں سے تفصیلی استفادے کا کم موقع ملا ہے۔ امید ہے کہ اہل نظر اور محققین کو اور متعدد نسخوں کا علم ہوگا۔

۳۔ لمعات احمدیہ صراط مستقیم کی تلخیص کا نام ہے۔ یہ دو علیحدہ کتابیں نہیں ہیں۔

۴۔ مفتی الٰہی بخش کا اور بھی متعدد تذکروں اور ماٰخذ میں ذکر آیا ہے۔

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کے علمی مجلے "احوال و آثار" کے پہلے دو شماروں میں مفتی صاحب پر میرا ایک مفصل مضمون چھپا تھا۔ یہ دونوں شمارے پروفیسر نجم الاسلام صاحب کو بھیج رہا ہوں۔ امید کہ ان سے مفتی صاحب کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوں گی۔

فقط

نور الحسن راشد

مفتی عنایت احمد کے مزید حالات ، مقالہ بعنوان "ایک قلمی مجموعۂ رسائل" (شامل شمارۂ ہٰذا) کے ذیل میں

[رسالہ "ہدایات الافضاحی" کے مصنف مفتی عنایت احمد کے مزید حالات "یادگار بریلی" مرتبہ محمد ایوب قادری (کراچی ، ۱۹۰۰ء) سے اخذ کر کے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں
نجم الاسلام]

مفتی عنایت احمد بن منشی محمد بخش ۹ شوال ۱۲۲۲ھ کو بمقام دیوہ پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کاکوری میں حاصل کی۔ جب تیرہ سال کی عمر ہوئی تو تحصیل علم کی غرض سے رام پور پہنچے، وہاں مولوی سید محمد بریلوی سے صرف و نحو مولوی حیدر علی صاحب ٹونکی اور مولوی نورالاسلام سے دوسری درسی کتابیں پڑھیں۔ رام پور میں درسی کتابیں ختم کر کے دہلی پہنچے، وہاں شاہ محمد اسحاق دہلوی سے کتب حدیث سبقاً سبقاً پڑھیں اور سند حاصل کی۔ دہلی سے علی گڑھ آئے۔ جہاں مولانا بزرگ علی مارہروی، جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسے میں درس و تدریس کا فرض انجام دیتے تھے۔ علی گڑھ میں مفتی عنایت احمد نے علوم منقول و معقول کی تمام کتابیں مولانا بزرگ علی سے پڑھیں اور فارغ التحصیل ہوئے۔ ۱۲۴۲ھ میں مولوی بزرگ علی مارہروی کے انتقال کے بعد مفتی عنایت احمد جامع مسجد علی گڑھ کے مدرسے میں مدرس مقرر ہوئے۔ ایک سال تک مدرسے سے تعلق رہا۔ اس کے بعد مفتی و منصف کے عہدے پر علی گڑھ ہی میں تقرر ہوا۔ اسی زمانے میں مفتی صاحب سے مولوی لطف اللہ علی گڑھی (ف ۱۳۳۳ھ) اور مولوی سید شاہ بخاری کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا۔

بریلی کے قیام میں مفتی عنایت احمد صدر امین مقرر ہوئے۔ درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بریلی کے تلامذہ میں قاضی عبدالجلیل، مولوی [illegible] مصنف اور مولوی

عبدالعزیز خاں مشہور لوگ گزرے ہیں۔ ۱۲۷۳ھ میں مفتی عنایت احمد صاحب آگرہ کے صدر اعلیٰ مقرر ہوئے۔ ہنوز بریلی سے روانگی عمل میں نہ آئی تھی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہو گئی اور مفتی صاحب آگرہ نہ جا سکے۔

جب مفتی عنایت احمد کا بریلی میں تقرر ہوا تو بعض اہل الرائے حضرات کی مدد سے ایک انجمن "جلسۂ تائید دین متین" کے نام سے قائم کی۔ جس کا مقصد مسلمانوں میں مذہبی اور اصلاحی لٹریچر کی نشرواشاعت تھا۔ اس انجمن نے مفتی صاحب کے چھے رسالے چھپوا کر تقسیم کیے جن کے نام یہ ہیں: ۱۔ بیان قدر شب برات ۲۔ رسالۂ مذمت ہائے میلہ ۳۔ ہدایات الاضاحی ۴۔ محاسن العمل الافضل مع المتممات ۵۔ فضائل درود و سلام۔

انقلاب ۱۸۵۷ء میں مفتی صاحب بریلی میں تھے۔ بریلی تحریک آزادی کا خاص مرکز تھا۔ مفتی عنایت احمد نے بھی حصہ لیا۔ نواب خان بہادر خاں کی مالی امداد کے لیے فتویٰ دیا تحریک کی ناکامیابی پر مفتی عنایت احمد گرفتار ہوئے اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔

مفتی عنایت احمد نے جزیرۂ انڈیمان میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا۔ بغیر کسی کتاب کے محض قوت حافظہ کی مدد سے مختلف فنون میں رسالے تصنیف کیے۔ انڈیمان میں قیام کے زمانے کی تصنیف کردہ چھے کتابیں معلوم ہو سکیں: ۱۔ وظیفہ کریمہ ۲۔ تجربۃ بہار ۳۔ علم الصیغہ ۴۔ تواریخ حبیب الہ ۵۔ احادیث الحبیب المتبرکہ ۶۔ ترجمۂ تقویم البلدان۔ ترجمۂ تقویم البلدان ہی رہائی کا سبب بنا جو کسی انگریز کی فرمائش پر کیا گیا تھا۔ مفتی عنایت احمد ۱۲۷۷ھ میں رہا ہو کر آئے۔

انڈیمان سے آکر مفتی عنایت احمد نے مستقل قیام کانپور میں رکھا اور مدرسہ فیض عام قائم کیا جو کانپور کی مشہور دینی درس گاہ ہے اور بقول مولانا حبیب الرحمن شروانی اسی مدرسے کا فیض بالآخر ندوۃ العلماء کی شکل میں ظاہر ہوا۔

دس سال کے بعد مفتی عنایت احمد حج کے لیے تشریف لے گئے۔ جدہ کے قریب جہاز پہاڑی سے ٹکرا کر ڈوب گیا۔ مفتی عنایت احمد بحالت نماز احرام باندھے ہوئے غریق و شہید ہوئے۔ یہ واقعہ ۷ شوال ۱۲۷۹ھ کا ہے۔

مدیر تحقیق کے نام

چند مکتوبات

مکتوب ڈاکٹر نذیر احمد، علی گڑھ

۹۳۵/۳/۰۳، سر سید نگر، علی گڑھ

۳/ستمبر ۱۹۹۸ء

محبِ گرامی: سلام مسنون۔ تحقیق کا نیا شمارہ ملا۔ دل باغ باغ ہوگیا۔ سُبحان اللہ، کیا عمدہ شمارہ نکالا۔ اس کی جامعیت و نفاست کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آپ نے شروع میں جب اپنے ارادے کا ذکر کیا تھا تو مجھے اس کی کامیابی کا زیادہ یقین نہ تھا۔ اور سچ بات تو یہ ہے کہ موضوع کا صحیح تصور بھی ذہن میں نہیں آتا تھا۔ اور جب رسالہ چھپ کر سامنے آگیا تو اندازہ ہوا کہ آپ نے جس موضوع کا خاکہ ذہن میں بنایا تھا وہ کتنا وسیع اور جامع تھا۔ آپ نے جس محنت اور لگن سے مضامین جمع کیے وہ اپنی جگہ لائقِ صد ستایش ہے۔ پھر ان کی ترتیب، ان پر یہاں تہاں تنقیدی و تحقیقی اشارے محض آپ کا حق ہے۔ یہ کام جتنا مشکل تھا، اس کا اندازہ اب لگایا جاسکتا ہے۔ میرے علم کے مطابق برصغیر کا کوئی محقق و نقاد اس کام کو اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔ شکریے کے ساتھ آپ کی صحت کے لیے دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

آپ نے لکھا کہ میرے مضامین پر تنقیدی یادداشت لکھوانے کے خواہش مند ہیں۔ اس کام کے لیے مجھے کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ ہی اس کو کرلیں۔ مختصر طور پر ہی سہی۔ کوئی دوسرا کام بگاڑ کر رکھ دے گا۔

ان شاء اللہ تحقیق کے آیندہ شماروں کے لیے کچھ نہ کچھ بھیجتا رہوں گا۔

ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے نام کے خطوط کا مجموعہ نکلا۔ ایک نسخہ میرے پاس بھی آیا ہے۔ بہت اچھا ہوا کہ وہ سارے خطوط اکٹھا شایع ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے سمجھنے میں ان سے کتنی مدد ملے گی۔ خدا ان کو سلامت رکھے اور ان کی خدمات کا سلسلہ جاری رہے۔

پروفیسر مختار الدین احمد صاحب تو مجلّے کی وصولیابی کی رسید بھیج چکے ہیں۔ یہ چند سطریں میں نے بھی لکھ دی ہیں۔ خدا کے فضل سے اچھا ہوں۔ البتہ کمر کا درد باقی ہے۔ دعا فرمائیں۔ "اعجازِ خسروی" کے کام میں الجھا پڑا ہوں۔ جی چاہتا ہے کہ اس سے جلد فرصت ملے۔

نیاز مند

نذیر احمد

مکتوب ڈاکٹر مختار الدّین احمد، علی گڑھ

علی گڑھ

۳۰ / ۸ / ۹۸ء

مُحبّی پروفیسر نجم الاسلام صاحب، السلام علیکم

۲۳/ اگست کے لکھے ہوئے آپ کے دونوں گرامی نامے رات ایک صاحب پہنچا گئے، یہ آپ کی دہری عنایت ہے، اس لیے دو بار شکریہ ادا کرتا ہوں۔ رسالۂ تحقیق کا تازہ شمارہ عین حالتِ انتظار میں ملا، دیکھ کر خوش ہوا اور آپ کی محنت کی داد دی۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پچھلے شمارے کے بعد ایسا عظیم الشان مجموعۂ مضامین آپ شائع کرنے والے ہیں۔ یہ شمارہ منسوبات لٹریچر پر سند کا درجہ حاصل کرے گا اور اس موضوع پر کام کرنے والے اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتے۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کو بھی آپ کا رسالہ مل گیا ہے۔ میرا نسخہ ایک دوست پڑھنے کے لیے گئے ہیں اس کے بارے میں کبھی آیندہ لکھوں گا۔ معارف اور کتبخانۂ خدا بخش کے نسخے مجھے نہیں ملے ممکن ہے روانہ کر دیے گئے ہوں۔

شیرانی مرحوم، ڈاکٹر نذیر احمد اور پروفیسر غلام مصطفےٰ خاں منسوبات کی تحقیق کے سلسلے میں اہم نام ہیں۔ نذیر احمد صاحب کے سلسلے میں جائسی صاحب (۱) سے بات کروں گا اور آپ کو اطلاع دوں گا۔ ڈاکٹر نذیر احمد صاحب کے نام آپ کا خط مرسلہ پیکٹ میں نہیں ملا۔ شمشاد صاحب نے ممکن ہے خود ہی انھیں پہنچایا ہو۔

امید کہ مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔

والسلام

مختار الدّین احمد

دکتر بلوچ صاحب والا فوٹو گروپ واپس بھیج دیجیے گا کہ وہ ایک سہ پہر کی یادگار ہے۔

حاشیہ

(۱) ڈاکٹر کبیر احمد جائسی، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ۔

مکتوب پروفیسر سید محمد سلیم، کراچی

ڈاکٹرز کالونی

جناح ہسپتال، کراچی

۸ اگست ۱۹۹۸ء

محترم نجم الاسلام صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

کل مُراد بن خلیل نے آپ کی کتاب "تحقیق" لا کر دی۔ اس پر ایک کتاب کا واقعہ یاد آگیا۔ تجارہ (وطنِ مالوف) میں ملّا غلام رسول نے ایک کتاب "واقعاتِ امامیہ" مقامی زبان میں نظم بند کی۔ غالباً اس کا عہد محمد شاہ رنگیلے کا عہد تھا۔

اس کے چار نسخے میرے محلّے قاضی واڑہ میں موجود تھے دو مکمّل، دو نامکمل۔ میرا ارادہ تھا کہ علی گڑھ سے فارغ ہو کر آؤں گا تو اس پر ایک مفصّل مضمون لکھوں گا۔

ہمارے محلّے کے سجادہ نشین حافظ مجید الدّین شاہ کے پاس بھی ایک نسخہ تھا۔ موصوف کو نام و نمود کا بڑا شوق تھا۔ آغاز میں محمد شاہ کی تعریف میں دو چار اشعار تھے۔ ان میں ہمایوں کا لفظ بطور صفت کے استعمال کیا گیا ہے۔ موصوف نے اس کو عَلَم قرار دے کر ہمایوں بادشاہ کے عہد کی تصنیف قرار دیا ہے۔

چھٹیوں میں۔ میں قبرستان میں کتبوں کا مطالعہ کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں آ رہا تھا اور ایک کتبے کے تین اشعار پڑھے گئے تھے، وہ میں نے حافظ صاحب سے بیان کر دیے۔ انھوں نے وہ نوٹ کر لیے اور چوتھا مصرعہ اپنی طرف سے ایزاد کر کے اس کو غلام رسول کے مرنے کی تاریخ بنا دیا۔ سنہ لکھ دیا جو ہمایوں کا دور بنتا ہے۔ یہ سب جعل تھا اور میرے علاوہ کوئی دوسرا اس جعل سے واقف نہیں۔ ان دو ثبوت کو سامنے رکھ کر انھوں نے ایک مضمون لکھا جس کو اپنے بھتیجے ڈاکٹر عبدالرّشید (حیوانات) کے نام سے معارف اعظم گڑھ میں چھپوایا۔ ۴۲-۴۳ میں، میں نے اس کو علی گڑھ میں پڑھا، جہاں میں زیرِ تعلیم تھا۔ پھر وہ اس مضمون کو مولوی عبدالحق کے پاس دہلی لے کر گئے۔ مگر مولوی عبدالحق نے اتنا قدیم قبول نہیں کیا۔ اب یہ پوری داستان ڈاکٹر وحید قریشی (مدیر خصوصی) نے پنجاب یونیورسٹی سے شائع شدہ "تاریخِ ادبیاتِ مسلمانان پاکستان و ہند" میں اردو کے حصّے میں معارف سے نقل کر دیا ہے۔

، اگست ۱۹۴۷ء کو تجارہ تباہ ہوگیا۔ تمام علمی ذخائر جو مختلف قاضی صاحبان کے گھروں میں تھے سب لٹ گئے۔ قاضیِ شہر قاضی عماد الدین صاحب کے پاس قضاۃ کے فرامین تھے اکبر و جہانگیر سے لے کر آخر فعل تک بلکہ آخری دور میں میوات میں مرہٹوں کی حکمرانی ہوگئی تھی۔ میوات کا حاکم انھوں نے جان Baptist جان بطیث کو مقرر کیا تھا۔ آخری فرمان اس کا بھی تھا۔ معلوم نہیں ان ذخائر کا / فرامین کا کیا حشر ہوا۔ حافظ مجید الدین شاہ کا کتب خانہ تین چار نسلوں کا اندوختہ تھا۔ معلوم نہیں کباڑیوں کو بیچا یا آگ لگائی گئی۔

یہ ساری داستان آج نوکِ قلم پر آگئی۔ آپ کو لکھ کر بھیج رہا ہوں۔ والسلام

راقم

محمد سلیم

مکتوبِ مولانا نور الحسن راشد، کاندھلہ، ضلع مظفر نگر

(مدیر احوال و آثار)

کاندھلہ، ضلع مظفر نگر

۲۸/ جولائی ۱۹۹۹ء

مخترمی و مکرمی پروفیسر نجم الاسلام صاحب،

السلام علیکم و رحمۃ اللہ

گذشتہ سے پیوستہ ہفتے میں پہلے گرامی نامہ اور دو تین دن کے بعد مجلہ تحقیق کا پیکٹ ملا۔ اس گراں قدر علمی تحفے اور کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ۔

بکٹ کہانی نشاط پر پروفیسر رابعہ اقبال کا مضمون پڑھا۔ قابل قدر مضمون ہے۔ اس سے بکٹ کہانی کے بعض امتیازی گوشوں کا پہلی بار علم ہوا۔ میں نے بکٹ کہانی نشاط کے کئی مطبوعہ نسخے فراہم کر کے ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب سے بکٹ کہانی کا محقق اور علمی نسخہ تیار کرایا تھا جس پر علوی صاحب نے مفصل مقدمہ بھی لکھا تھا۔ مگر اس کی اشاعت میں بوجوہ خاصی دیر ہوئی۔ اس دوران بکٹ کہانی نشاط کے دو قلمی نسخے بھی دستیاب ہوگئے، جن میں سے ایک خود مصنف، حضرت مفتی الٰہی بخش کے قلم کا ہے، مگر یہ ناتمام نسخہ ہے۔ دوسرا نسخہ

۱۲۵۸ھ (۱۸۴۱ء) کا مکتوبہ ہے۔ ان نسخوں کی دریافت کے بعد ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب کا مرتبہ متن ثانوی حیثیت کا ہوگیا ہے۔ اب ارادہ یہ ہے کہ ایک اور نسخہ ان دونوں نسخوں کی مدد سے تیار کرایا جائے۔

مکتوبات بہرائچ بھی ایک اہم دریافت ہے۔ خصوصاً حضرت مرزا مظہر اور قاضی ثناء اللہ، اس خانوادے اور مجددی سلسلے سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نادر تحفہ، مگر تعجب ہے کہ اس مضمون کے علاوہ اب تک تالیف و تحریر میں بہرائچ کے اس سرمائے کا ذکر نہیں آیا، حالاں کہ بہرائچ میں مرزا مظہر کے حوالے سے چند اور چیزیں ہیں، ان کا بار بار ذکر کیا گیا۔ اس دریافت پر مبارک باد قبول فرمایئے۔

میں اس ذخیرے میں سے حضرت قاضی ثناء اللہ اور شاہ عبدالغنی مجددی کی تحریروں کو اردو ترجمے کے ساتھ "احوال و آثار" میں شائع کرنا چاہتا ہوں تاکہ ان کا افادہ عام ہو اور یہ نادر تحریریں ہندوستان میں ان حضرات سے دلچسپی رکھنے والے علماء تک بھی پہنچ جائیں۔ امید کہ اجازت سے ممنون کریں گے۔

تحقیق کے خاص شمارے کا تعارفی کارڈ ایک کرم فرما نے بھیجا تھا، جس سے شاہ عبدالقادر کے موضحِ قرآن پر آپ کے مضمون کا علم ہوا۔ اس موضوع پر راقمِ سطور کا بھی ایک مختصر سا مضمون جو مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی دہلوی کے نام ایک خط تھا) ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند میں مولانا قاسمی کی عنایت سے شائع ہوا تھا۔ اس لیے اس مضمون کو بھی دیکھنا چاہتا ہوں لیکن بلاتکلف عرض ہے کہ اس کو نہ فرمائش خیال فرمائیں نہ یہ شمارہ بھیجنے کی زحمت فرمائیں، اگر ممکن ہو تو صرف مذکورہ مضمون کا فوٹو اسٹیٹ ارسال فرما دیجئے، کرم ہوگا۔

"احوال و آثار" کے سب سے پہلے دو شماروں میں مفتی الٰہی بخش پر میرا ایک مُفصّل مضمون چھپا تھا، ممکن ہے یہ مضمون بکٹ کہانی کی مضمون نگار پروفیسر رابعہ اقبال صاحبہ کے لیے کسی پہلو سے مفید ثابت ہوسکے، اس لیے یہ دونوں شمارے ارسال ہیں۔

خط طویل ہوگیا، معذرت خواہ ہوں۔ کارِ لائقہ سے یاد فرمائیں۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

والسّلام

نورالحسن

تبصرے

تذکرۂ خطاطین

تحقیق و تالیف: محمد راشد شیخ

ناشر: ادارۂ علم و فن، کراچی

ضخامت: ۲۵۴ صفحات   سنہ اشاعت: ۱۹۹۸ء

مبصر: نجم الاسلام

یہ بیسویں صدی میں دنیاے اسلام کے نامور خطاطوں کا تذکرہ ہے، اور ان کی خطاطی کے اعلیٰ ترین نمونوں سے بکثرت مزین ہے۔ پوری کتاب بڑے سائز میں آرٹ پیپر پر چھاپی گئی ہے۔ اسے گزشتہ چند برسوں میں پاکستان سے شائع ہونے والی چند خوبصورت ترین کتابوں میں شامل کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مؤلف نے کتاب خوش ذوقی کے ساتھ مرتب کی ہے اور طابع (فضلی سنز کراچی) نے اعلیٰ معیار کے ساتھ طبع کی ہے۔

مؤلف کتاب جناب محمد راشد شیخ پیشے کے لحاظ سے انجینیر ہیں۔ فن خطاطی سے خاص دل چسپی ہے۔ وہ اس فن کی تاریخ سے بخوبی واقف ہیں اور عملاً اس فن میں مہارت بھی رکھتے ہیں۔ انھوں نے استاد شفیق الزماں خطاط مسجد نبوی سے فیض پایا ہے۔

کتاب میں برصغیر کے نامور خطاطوں کے علاوہ ترکی، ایران، مصر، لبنان اور عراق کے نامور خطاطوں کے حالات تحقیق کے ساتھ جمع کیے گئے ہیں اور ان کے فن کے دلکش نمونے بھی شامل کیے گئے ہیں۔ فن خطاطی سے متعلق اصطلاحات کی شرح عمدہ طور پر پیش کی گئی ہے۔ آخر میں مآخذ و مصادر کی فہرست بھی درج ہے جو اردو، عربی، فارسی مطبوعہ کتب و مقالات، غیر مطبوعہ مواد، انٹرویو، انسائیکلوپیڈیا، متفرق اخبارات کے علاوہ انگریزی، ترکی مطبوعات اور مضامین و مقالات کے اندراج پر مشتمل ہے۔ ان بنیادی مآخذ کے علاوہ دو صفحات میں ضمنی مآخذ کی نشان دہی بھی کی ہے اور مزید مطالعے کے لیے کتب و مقالات کی ایک اور فہرست بھی دی ہے، جس سے بخوبی معلوم ہوجاتا ہے کہ انھوں نے کتاب مرتب کرتے وقت حصول معلومات کے لیے کیا کچھ محنت کی ہے اور تحقیق کے تقاضوں کو کس قدر جاں فشانی سے پورا کیا ہے۔ اس کامیاب پیش کش پر مؤلف اور طابع و ناشر کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

تحقیقات و تاثرات (مجموعۂ مقالات و مضامین)

مصنف: ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی
ناشر: ادارۂ علم و فن، کراچی
ضخامت: ۵۲۴ صفحات   سنہ اشاعت: ۲۰۰۰ء
مبصّر: نجم الاسلام

اس کتاب کے مصنّف ڈاکٹر سیّد رضوان علی ندوی، مولانا ابوالحسن علی ندوی مرحوم کے خاص شاگرد ہیں، عربی زبان و علوم کی تحصیل اور پھر تدریس کے سلسلے میں ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۰ء تک مسلسل عرب ممالک میں رہے ہیں، درمیان میں کیمبرج یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کے لیے انگلستان میں قیام بھی کیا۔ اور اب کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ عربی سے متعلق ہیں۔ انھوں نے پیش نظر کتاب میں اپنے اردو مقالات و مضامین کو جمع کیا ہے جو خاصے متنوع موضوعات پر لکھے گئے ہیں۔ ان مقالات و مضامین کو عمدہ ترتیب اور پیش کش کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ کتاب کے مشمولات میں علاوہ مقدّمے کے، تاریخ و سیاست پر سات مضامین، شخصیات و سوانح کے تحت گیارہ مقالات و مضامین، تجزیہ و تنقید کے تحت تیرہ مضامین اور دینی افکار کے تحت چار مضامین شامل ہیں۔ آخر میں عنوان "ذاتیات" کے تحت اپنی ذات کے حوالے سے مصر کے ڈاکٹر طٰہٰ حسین، پیرس کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اور کراچی کے مولانا ماہر القادری مرحوم سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے اور تاثرات پیش کیے ہیں۔ اسی ذیل کی ایک تحریر "دمشق سے کیمبرج تک" بھی ہے جو ایک مختصر مگر دل چسپ سفر نامہ ہے۔ غرض کہ سوا پانچ سو صفحات کی یہ کتاب بھرپور علمی زندگی گزارنے والے ایک عالم اور اہل قلم کی علمی زندگی کا عمدہ طور پر تعارف پیش کرتی ہے۔ کتاب میں بعض مشہور عام خیالات کے رد میں مفید عالمانہ بحثیں ملتی ہیں۔ انھوں نے بعض اختلافی مسائل پر علمی قوت و توانائی کے ساتھ دادِ تحقیق دی ہے۔ اس ذیل میں بعض مقالات خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر ہیں، مثلاً طبری پر شیعیت کا الزام، امام شافعی کی ابتدائی زندگی، سیّد عبداللہ شاہ غازی اور تاریخ، نورِ محمدیؐ اور حدیث جابر: ایک تحقیقی جائزہ۔ تحقیق و تصحیح اغلاط مصنف کا خاص رجحان ہے۔ بعض ایسی متعاقب تحریریں بھی شامل کتاب ہیں جو صحافتی کالم نگاروں / خطیبوں کے رد میں لکھی گئی ہیں، تاہم علمی فوائد سے خالی نہیں۔

سینٹرل ایشیا: تاریخ، سیاست اور کلچر (مجموعۂ مقالات بزبان انگریزی)

مُرتّبین: ریاض الاسلام، قاضی عبدالقادر اور جاوید حسین
ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز، یونیورسٹی آف کراچی
ضخامت: ۳۸۳ صفحات سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء
مُبصّر: نجم الاسلام

سینٹرل ایشیا کے موضوع پر کراچی میں ۱۹۹۳ء میں ایک بین الاقوامی سیمنار منعقد ہوا تھا۔ یہ اس میں پیش کیے ہوئے ۳۲ انگریزی مقالات کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کو مرحوم حکیم محمّد سعید کی خوشگوار یادوں سے منتسب کیا گیا ہے جو اس وقت صوبہ سندھ کے گورنر تھے اور جنھوں نے اس بین الاقوامی کانفرنس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت فرمائی تھی۔ کتاب کے مقالات تین حصّوں پر منقسم ہیں۔ تاریخ کے حصے میں نو مقالات شامل ہیں، جب کہ سیاست اور کلچر کے حصّوں میں بالترتیب گیارہ اور بارہ مقالے ہیں۔ آج کے دور میں اہلِ پاکستان کے لیے سینٹرل ایشیا سے متعلّق مطالعات کی اہمیت پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی ہے، اور وقت کا تقاضا ہے کہ

اس اہم موضوع کی طرف پوری ذہنی توانائیوں کے ساتھ متوجّہ ہوں۔ اس اہم ضرورت کو سیمنار کے منتظمین نے ایک بین الاقوامی سیمنار منعقد کر کے اور ناشر ادارے نے سلیقے اور حسنِ ترتیب کے ساتھ مقالات کو کتابی شکل میں شائع کر کے عمدہ طور پر پورا کیا ہے۔

شعلۂ طور: طباعت اوّلین و مابعد۔ ایک تجزیاتی مطالعہ

مُصنّف: ڈاکٹر احمر رفاعی
ناشر: انجم پرویز عارفی الرفاعی، کراچی
ضخامت: ۲۹۳ صفحات
سنہ اشاعت: ۲۰۰۰ء
مُبصّر: نجم الاسلام

ڈاکٹر احمر رفاعی، جگر کے احوال و آثار کی تحقیق پر ایک متخصّص کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور اس حیثیت سے ان کا نام اور کام بخوبی معلوم اور مشہور ہے۔ اس زیرِ تبصرہ کتاب کی شکل میں انھوں نے جگر کے مجموعۂ کلام شعلۂ طور کی اوّلین طباعت کی بازیافت کی ہے، جس کو خود

جگر نے طباعت کے بعد مسترد کر دیا تھا۔ اس اوّلین طباعت میں اصغر گونڈوی کا حُسنِ انتخاب شامل تھا۔ مگر چوں کہ نتیجے میں بہت سا کلام انتخاب میں نہ آ پایا اس لیے جگر مرحوم نے اس انتخاب کو قبول نہ کیا اور نسخوں کو تلف کر دینے کا حکم صادر کر دیا۔ تاہم کچھ نسخے جگر کے احباب کے پاس محفوظ رہ گئے۔ انھی محفوظ نسخوں میں سے ایک نسخہ جگر مرحوم کے ایک بھوپالی دوست سے ڈاکٹر احمر رفاعی کو حاصل ہوا۔ انھوں نے شعلۂ طور کی اس مسترد اوّلین طباعت اور بعد کی طباعتوں کو سامنے رکھ کر عمدہ طور پر شعلۂ طور میں اشعار کی ترمیم، تنسیخ اور اضافوں کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے۔ ان کا یہ جائزہ کم و بیش ڈھائی سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ آخر میں شعلۂ طور کی اوّلین طباعت کا عکس بھی شاملِ کتاب کیا ہے۔ یہ حصّہ ۲۶۰ صفحات سے شروع ہو کر ۳۹۰ صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح بیسویں صدی میں اردو غزل کے دو اہم شاعروں کے ذوق و رجحان اور معیارِ انتخاب کے فرق کو سمجھنے کی ایک دلچسپ اور مفید صورت ڈاکٹر احمر رفاعی کی تحقیقی کاوشوں کے نتیجے میں ہمارے سامنے آئی ہے۔

تحقیق: (خصوصی اشاعت - اصولِ تحقیقِ ابلاغِ عامّہ)
مرتب: پروفیسر متین الرحمن مرتضیٰ
ناشر: شعبۂ ابلاغ عامّہ، جامعۂ کراچی
ضخامت: ۱۹۰ صفحات
سنہ اشاعت: ۱۹۹۰ء

یہ رسالہ بڑے سائز کے صفحات پر عمدہ ترتیب و پیش کش کے ساتھ چھاپا گیا ہے۔ اس کا مقصد ابلاغِ عامّہ کے طالبانِ تحقیق کے لیے ایسا تحریری سرمایہ پیش کرتا ہے جو ابلاغی تحقیق میں معاون و مددگار ہو سکے، جیسا کہ مشتملات کے عنوانات سے بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے۔ عنوانات یہ ہیں: عمرانی علم کا فلسفہ، ابلاغی تحقیق، موضوعِ تحقیق کا انتخاب، مفروضہ، تجربی تحقیق کے عناصرِ اربعہ، نمونہ بندی، افادیت اور طریقۂ کار، تجربے کے طریقے کی خصوصیات، تحقیقی جائزے، سوالنامے کی تیاری، مطالعۂ احوال کا طریقہ، تجزیۂ مشتملات، تاریخی طریقۂ تحقیق، تحقیقی مقالے کی تحریر، مطبوعہ ذرائع ابلاغ میں تحقیق، اشتہارات میں تحقیق کی افادیت و اہمیت۔ آخر میں ابلاغِ تحقیق سے متعلق اصطلاحات کی فرہنگ بھی دی گئی ہے۔ جو پانچ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

ہفت گفتار دربارۂ سنائی و عطار و عراقی (بزبان فارسی)

مصنف : ڈاکٹر محمد سلیم اختر

ناشر : شورای گسترش زبان و ادبیات فارسی، وزارتِ فرہنگ و ارشاد اسلامی، تہران۔

ضخامت : ۲۳۴ سنہ اشاعت : ۱۹۹۶ء

مبصّر : نجم الاسلام

یہ ڈاکٹر محمد سلیم اختر کے سات فارسی مقالات کا مجموعہ ہے جس کے پانچ مقالے سنائی سے متعلق ہیں اور باقی دو عطار و عراقی پر ہیں۔ کتاب مصنف کے قیام تہران کے زمانے میں چھپی ہے، جہاں وہ تہران یونیورسٹی میں اردو اور مطالعۂ پاکستان کے استاد اور شعبۂ اردو کے صدر تھے۔ اب وہ ان عہدوں پر خدمات انجام دے کر واپس اسلام آباد پاکستان آچکے ہیں اور حسب سابق نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ میں اپنی ذمے داریاں سنبھال چکے ہیں۔ یہاں آکر بھی ان کی علمی فتوحات جاری ہیں جیسا کہ انگریزی مجلّے "اسلامک کلچر" حیدرآباد دکن کے شمارے، بابت اکتوبر ۱۹۹۹ء سے معلوم ہوا۔ اس شمارے میں ان کا ایک مبسوط مقالہ جنوبی اشیا پر نظامی کے اثرات کے موضوع پر شامل ہے۔ قبلاً ان کی تصحیح، تعلیق اور مقدّمے کے ساتھ طبع ہو کر دو کتابیں مجمع الشعرای جہانگیر شاہی اور کلمات الصادقین ہم تک پہنچی ہیں۔ ہفت گفتار سے معلوم ہوا کہ وہ رسالۂ نوریۂ سلطانیہ نوشتۂ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور تحفۃ الولاۃ و نصیحۃ الرعیۃ والرعاۃ از شیخ محمد بن طاہر محدث پٹنی بھی ایڈٹ کر کے چھپوا چکے ہیں۔ سابقہ کاموں کی طرح ہفت گفتار کے مقالات سے بھی ان کے علمی و تحقیقی طریقے بخوبی نمایاں ہیں۔ ان سب کامیاب علمی و تحقیقی سرگرمیوں پر مصنف کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

ذاکر صاحب کے خط : جلد سوم اور جلد چہارم

مرتبہ : پروفیسر مختار الدین احمد، ناشر : خدا بخش لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۹ء

"ذاکر صاحب کے خط" کی صرف دو مذکورہ بالا جلدیں ہم تک پہنچی ہیں۔ جلد سوم میں ادیب شہیر مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام اور جلد چہارم میں ۲۸ مختلف مکتوب الیہم کے نام خط ہیں۔ مفید اور پُر از معلومات حواشی مرتب کے قلم سے شامل ہیں۔ جن سے مکتوب نگار کی شخصیت کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں اور معاصر علمی و ادبی شخصیتوں سے روابط پر روشنی پڑتی ہے۔

رامپور رضا لائبریری مونوگراف (بزبان انگریزی)

مؤلف: ڈاکٹر وقار الحسن صدیقی

ناشر: رامپور رضا لائبریری رامپور

ضخامت: ۵۰، صفحات سنہ اشاعت: ۱۹۹۸ء

مُبصر: نجم الاسلام

آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی اور رنگین تصویری مواد سے مزین بڑے سائز کی یہ کتاب رامپور رضا لائبریری کے ذخیرۂ مخطوطات کے نوادر اور مُصوّری کے نمونوں کا ایک دل کش تعارف نامہ ہے، جس میں ،، عکس شامل ہیں اور ان سے متعلق، مؤلف کی تصریحات بھی پیش کی گئی ہیں، جن سے اس لائبریری کے مخطوطات اور قلمی تصاویر کی نُدرت و اہمیت بخوبی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے۔ علاوہ ازیں نادر اشیاء اصطرلاب، گلوب وغیرہ کے قدیم نمونوں کی، جو لائبریری کے ذخیرۂ نوادر میں شامل ہیں، رنگین تصاویر بھی مع ضروری تصریحات کے شامل ہیں۔ مختصر یہ کہ کتاب والیانِ ریاستِ رام پور کے قائم کردہ کتاب خانے کے نوادر کا بھرپور تعارف پیش کرتی ہے، اور ظاہر کرتی ہے کہ عمدہ طور پر ان کی حفاظت کی جا رہی ہے۔ کتاب کے مؤلف ایک تجربہ کار ماہرِ آثارِ قدیمہ، آرٹ ہسٹورین اور ماہرِ کتبات ہیں اور آج کل افسر بکارِ خاص کی حیثیت سے اس عظیم کتاب خانے کی نگرانی پر مامور ہیں۔ مولانا امتیاز علی خاں عرشی جیسے ممتاز فاضل، ماہرِ علومِ اسلامی و عربی و فارسی اور مخطوطہ شناس کے بعد اب آثارِ قدیمہ، اور آرٹ ہسٹری اور علمِ کتبات میں مہارتوں کے حامل نگراں سے اس عظیم الشان کتاب خانے کے حق میں بہتری کی بہت کچھ توقعات رکھی جائیں تو بے جا نہ ہوگا جیسا کہ عملاً اس زیرِ تبصرہ کتاب کی تالیف و اشاعت سے بھی بخوبی ظاہر ہے۔

سفینۂ بیخبر (تذکرہ شعراء فارسی)
مؤلف: میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی
مرتب: ڈاکٹر ظفر اقبال (کراچی یونیورسٹی)
ناشر: ادارۂ ترویج علوم اسلامی، کراچی
سنہ اشاعت: اگست ۱۹۹۹ء
مبصر: فہمیدہ شیخ

گزشتہ نصف صدی اردو داں حلقوں میں میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی (متوفی ۱۱۳۲ھ) اور ان کے فارسی رسالے "غبار خاطر" کو مولانا ابوالکلام آزاد نے غیر معمولی شہرت دی تھی جب ان کے رسالے سے اپنے مجموعۂ مکتوبات غبار خاطر کا نام مستعار لیا تھا۔ اور اب بیخبر کے ایک غیر مطبوعہ فارسی تذکرے کے طبع ہونے کی نوبت ڈاکٹر ظفر اقبال کے اعتناء سے آئی ہے۔

یہ تذکرہ عہد جہانگیر سے لے کر عہد محمد شاہی تک کے ایک ہزار انچاس فارسی گو شعراء کا احاطہ کرتا ہے۔ اس تذکرے میں بعض شعراء کے حالات و کلام کا انتخاب قدرے تفصیل سے ملتا ہے اور بعض کا محض چند جملوں پر مشتمل ہے۔ اس کے باوجود یہ اپنے دور کی ایک جلیل القدر شخصیت کا اہم علمی کارنامہ ہے۔ اس کی اشاعت سے برصغیر میں فارسی ادب کی تاریخ میں ایک اہم دفتر کا اضافہ ہوا ہے جو یقیناً ایک مفید بات ہے۔

مذکورہ تصنیف کی ابتداء میں مرتب کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں مؤلف کے حالات، مشاغل اور تصانیف کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پہلے مرتب، میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی پر ایک مبسوط مقالہ اور ان کا ایک رسالہ "ناقل و دال" مرتب کر کے شائع کروا چکے ہیں۔

ڈاکٹر ظفر اقبال کے ان کاموں سے فارسی ادب سے ان کے خصوصی شغف کا اندازہ ہوتا ہے۔ میر عظمت اللہ بیخبر بلگرامی کی دستیاب تصانیف میں اب ان کا دیوان ہی غیر مطبوعہ رہ گیا ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ ڈاکٹر ظفر اقبال کے توسط سے یہ دیوان بھی اشاعت پذیر ہوگا۔

"لوحِ ایّام"
مصنف: مختار مسعود
ناشر: العطاء ۱۰۱، شادمان ۲، لاہور
مبصر: فہمیدہ شیخ

مختار مسعود کے نام سے اردو کا تقریباً ہر ادب شناس واقف ہے۔ ان کی پہلی تصنیف "

آوازِ دوست " جب بازار میں آئی تب ہر ایک نے اس کا پُرتپاک استقبال کیا۔ اور کیوں نہ کرتے کیوں کہ مصنّف کی یہ تصنیف مینارِ پاکستان کا ہی نہیں بلکہ تاریخِ پاکستان کا بھی احاطہ کرتی ہے۔ اگر کسی پاکستانی کے دل میں اپنے وطن سے متعلق ذرّہ بھر بھی احساس ہوگا وہ اس کتاب کی ضرور قدر کرے گا۔

" آوازِ دوست " کے مضامین میں انھوں نے فقط ہمیں ہی احساس نہیں دلایا ہے بلکہ خود بھی تڑپے ہیں۔ اسلاف کے کارناموں کو یاد دلا کر قوم کو کچھ کرنے کے لیے اکسایا ہے۔ "مینار پاکستان " میں طلب حق، استدلال اور ایمان کی حقیقتوں کا سراغ ملتا ہے۔

مصنّف کی دوسری تصنیف " سفر نصیب " ہے جو ۱۹۸۰ء میں شایع ہوئی۔ اس کتاب کے دو حصّے ہیں اور ہر حصّے میں دو مضمون دیے گئے ہیں۔ ایک سفری داستان ہے اور دوسرا شخصی خاکہ۔

فاضل مضمون نگار کی یہ تصنیف ایک قسم کا سفر نامہ ہے۔ حصّۂ اول میں " برف کدہ " اور " پس انداز " کے عنوان سے دو مضامین دیے گئے ہیں۔ جب کہ حصّۂ دوم میں " طرفہ تماشا " اور " زادِ سفر " کے نام سے دو مضمون پیش کیے گئے ہیں۔ اس میں دیے گئے خاکے اردو کے بہترین خاکوں میں شمار ہونے کے قابل ہیں۔ مصنّف کی فکر و نظر میں وسعت و گہرائی، تخیل کی ژرف نگاہی اور ماہرانہ اظہارِ قوت ان کے کمالِ فن کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

" لوحِ ایام "، فاضل مضمون نگار کی تیسری تخلیق ہے جو ایران کے انقلاب کے موضوع پر پیش کی گئی ہے۔ یہ ایک اعلیٰ پائے کی تصنیف ہے۔ اس انقلاب کی درد بھری داستان مصنّف نے ایک چشم دید گواہ کی حیثیت سے پیش کی ہے، کیوں کہ جس وقت یہ انقلاب برپا ہوا، مضمون نگار خود وہاں موجود تھا۔

" لوحِ ایام " میں دنیا کے تیسرے بڑے انقلاب ایران، کا ذکر حیران کن اور منفرد انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ تصنیف انقلاب ایران کی صورت میں ہمیں ایک آپ بیتی، جگ بیتی بلکہ ایک تاریخ نظر آتی ہے۔

فاضل مضمون نگار انقلاب سے قبل بھی دو مرتبہ ایران کا سفر کرچکے تھے اور یہ سفر دونوں مرتبہ ایک سفارتی وفد کے ہمراہ وفد کے رکن کی حیثیت سے کیا تھا۔ تیسری بار انقلاب برپا ہونے سے کچھ عرصے پہلے آر سی ڈی کے نمائندے کی حیثیت سے چار سال کے لیے ایران میں تعینات کیے گئے تھے۔

"لوح ایام" میں "شاہنامہ" کے عنوان سے آٹھ ذیلی ابواب قائم کیے گئے ہیں اسی طرح نمبر دو پر "آمد نامہ" کے عنوان سے چار ذیلی باب ہیں اور نمبر تین پر "منظر نامہ" کے نام سے پانچ ذیلی باب دیے گئے ہیں۔

"لوح ایام" کی تاریخی اور ادبی حیثیت ہمارے لیے یوں بھی اہمیت رکھتی ہے کہ ایران ہمارا ہمسایہ ملک ہے اور دونوں ممالک کی مذہبی، سماجی اور اقتصادی روایتیں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ ثقافتی اور لسانی دھارے بھی مشترک ہیں۔

اگر یوں بھی دیکھا جائے تو کمپنی کی حکومت سے پہلے فارسی ہی ہماری قومی زبان تھی اور مثنوی مولانا روم، گلستان و بوستان ہمارے نصاب کا لازمی جزو تھے۔

یہ تصنیف فقط انقلاب کے موضوع پر ہی مبنی نہیں بلکہ ایران کے شعری ادب کا بھی ایک ناقدانہ جائزہ ہے۔ مصنف کے اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ خشک سے خشک موضوع کو بھی انھوں نے بڑے دلچسپ پیرایے میں تحریر کیا ہے۔ کبھی طنز کے نشتر برسائے ہیں تو کبھی ہلکے پھلکے انداز میں مزاح کا سہارا لیا ہے۔

شہنشاہی دور میں "ساواک" کے ظلم و ستم کی داستان، قاری کے لیے بڑی درد انگیز کیفیت پیدا کرتی ہے اور اس انقلاب کے بعد ان لوگوں کا جو حشر ہوا وہ بھی تاریخ کا ایک عبرت آموز سبق ہے۔

"لوح ایام" کا کینوس بہت وسیع ہے اور اس میں مصنف کے بے پناہ مشاہدے کی داد دینا پڑتی ہے۔ وہ انقلاب ایران سے پہلے وہاں پہنچے اور اس انقلاب کو بچشم خود دیکھا۔ اس انقلاب نے ان کی طبیعت پر گہرا اثر چھوڑا، اور انھوں نے ان اثرات کا جائزہ جس بہتر انداز میں پیش کیا ہے، یہ ان ہی کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔

انقلاب ایران پر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں "لوح ایام" ان میں سب سے زیادہ مستند دستاویز ہے۔ یعنی ہر لحاظ سے۔ تحریر کی برجستگی، بے ساختگی و روانی، واقعات کی سچائی کے ساتھ ساتھ ملی شعور اور بصیرت افروزی اس کا وصف خاص ہے۔ بہرحال یہ تصنیف ایک منفرد ادبی شاہکار ہے۔

مثنوی جہاں شاہ و جہاں بانو۔

مرتب: ڈاکٹر یوسف تقی۔

ناشر: مرتب خود (معرفت، عثمانیہ بک ڈپو، رابندر سرانی، کلکتہ)

ضخامت: ۲۲۲ صفحات سنہ اشاعت: ۱۹۹۸ء

مبصر: عتیق احمد جیلانی

فاضل مرتب جامعۂ کلکتہ میں صدر شعبۂ اردو ہیں۔ شعر و انتقاد سے تعلق کے ساتھ ساتھ ان کی دل چسپیوں کا ایک پہلو تحقیق بھی ہے جس کا تازہ اظہار زیرِ نظر مثنوی کی صورت میں ہوا ہے۔ راجا راج کشن متخلص بہ راجا کی مذکورہ مثنوی کا واحد خطی نسخہ ڈھاکہ یونی ورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔ ڈاکٹر یوسف تقی نے ۹۰ صفحات کے مبسوط مقدمے میں اس مثنوی، اس کے شاعر اور بنگال کے ادبی ماحول پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ بنگال میں اردو کے فروغ کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "دوسرے علاقوں کی طرح بنگال میں بھی یہ زبان صوفیوں اور سنتوں کے وسیلے سے پہنچی۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں صوفیائے کرام نے بنگال کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ خاص طور پر حسین شاہ کے زمانے میں۔ حسین شاہ علم و ادب کا بہت بڑا سرپرست تھا۔ اور اس نے اپنے دورِ حکومت میں بنگلہ زبان (جو یہاں کی مقامی زبان تھی) کے ساتھ ساتھ اردو زبان کی بھی سرپرستی کی۔ اس کے دورِ حکومت میں حضرت [illegible] اشرف (وفات ۹۰۰ھ)، شیخ نور الحق پنڈوی (وفات ۸۱۳ھ) اور [illegible] کے کٹواسب ڈویژن منگل کوٹ کے شیخ حمید الدین دانش مند (وفات ۱۰۵۰ھ) وغیرہ بنگال میں رشد و ہدایت میں مشغول تھے ... بنگال میں اردو زبان کا استعمال ادبی سطح پر بہت بعد میں شروع ہوا۔ تقریباً سو سال بعد یا یوں کہیے کہ جب سے مرشد قلی خاں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا (۱۷۱۳ء) اور مرشد آباد کے نام سے اپنی حکومت کا دارالسلطنت قائم کیا"۔
>
> (ص ۲۳-۲۴)

اس مختصر جائزے کے بعد مرتب نے بنگال سے متعلق چند اہم اردو شعراء رام نرائن

موزوں، لالہ ہردے رام جودت، محمد فقیہ درد مند، شاہ قدرت اللہ قدرت، انشاء اللہ خاں انشاء، میر باقر مخلص، قاضی محمد صادق اختر اور خاص طور پر مرزا جان طپش کا ذکر کیا ہے۔ مرزا جان طپش زیرِ نظر مثنوی کے خالق راجا راج کشن راجا کے متوسلین میں سے تھے۔

نو سال قید کاٹنے کے بعد طپش ۱۲۲۱ھ۔ ۱۸۰۶ء میں رہا ہوئے۔ رہائی کے بعد وہ راجا لب (نب) کشور کے متوسلین میں شامل ہوئے یا ان کے بیٹے راجا راج کشن کی سرکار سے وابستہ ہوئے، اس ضمن میں ڈاکٹر یوسف تقی کا بیان غیر واضح ہے: "رہائی کے بعد ۱۸۰۶-۷ء میں وہ کلکتہ کے راجہ لب کشور اور مہاراجہ راج کشن کے متوسلین میں شامل ہو گئے"۔ (ص ۲۹)۔ جب کہ اسی کتاب کے ص ۳۲ پر راجا لب (نب) کشور کی تاریخ وفات ۲۲ نومبر ۱۷۹۰ء درج کی گئی ہے۔ پیش لفظ میں ڈاکٹر مختار الدین احمد نے ڈاکٹر نجم الاسلام کے مجموعۂ مقالات "مطالعات" سے طپش سے متعلق اقتباس درج کیے ہیں مگر ان سے بھی صورت حال واضح نہیں ہوتی۔ اصل کتاب "مطالعات" سے رجوع کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ "وقائع عبدالقادر خانی کی اطلاع تصحیح طلب ہے۔ اس لیے کہ راجہ نب کشن، طپش کے کلکتہ پہنچنے سے پہلے سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہو چکا تھا"۔ (مطالعات: پس نوشت (اگست ۱۹۸۸ء)، ص ۳۰۱)

راجا راج کشن راجا (وفات ۱۹ اگست ۱۸۲۳ء) نے مثنوی "جہاں شاہ و جہاں بانو" ۱۸۰۸ء میں بہ عمر ۲۸ سال تصنیف کی۔ تقریباً ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل یہ مثنوی سحر البیان اور گلزار نسیم کی درمیانی کڑی ہے۔ خاص بات یہ کہ دلی و لکھنؤ کے ادبی مراکز سے دور کلکتے میں تخلیق ہوئی۔ مرتب نے اسی حوالے سے اس مثنوی کی اہمیت کا تعین کیا ہے۔ مقدمے کا غالب حصہ کہانی کے ہمہ پہلو تنقیدی تجزیے پر مشتمل ہے۔ مجموعی طور پر یہ تجزیہ ڈاکٹر یوسف تقی کی تنقیدی بصیرت کا آئینہ دار ہے مگر ایک جگہ زیرِ نظر مثنوی اور سحر البیان میں تقابل کسی قدر جانب داری کا غماز ہے۔ صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں: "بے نظیر کے غم میں مظاہر قدرت کا مبالغے کی حد تک شریک ہونا کچھ عجیب سا لگتا ہے"۔ جب کہ صفحہ ۶۱-۶۲ پر یہ رائے ملتی ہے: "عجم شاہ کے آنے کی خبر پہنچتی ہے تو شہزادی جہاں بانو اور اس کی خواصوں کے ساتھ ساتھ مظاہر قدرت پر بھی خوف طاری ہو جاتا ہے ... اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے دل و دماغ جن حالات (خیالات) میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہی کیفیت انسان مظاہر قدرت میں پاتا ہے"۔

اسی طرح صفحہ ۸۰ پر لکھتے ہیں: "ملا وجہی اور میر حسن کا تعلق شاہی دربار سے رہا ہے"۔ ان چند مقامات کو چھوڑ کر مقدمے میں درج آراء اور خیالات مرتب کی احتیاط پسندی اور تنقیدی

شعور کا پتا دیتے ہیں۔

آٹھ صفحات کو محیط لسانی مطالعہ بھی شامل مقدمہ ہے۔ فاضل مرتب نے بڑی کاوش اور دقتِ نظر سے اس مثنوی کی لسانی خصوصیات اجاگر کی ہیں۔ چند نکات املا کے حوالے سے بھی ہیں۔ ویسے یہ پہلو زیادہ توجہ کا متقاضی تھا۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو کے پُر از معلومات پیش لفظ سے زیرِ گفتگو موضوع کے کئی گوشے نمایاں ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ذوالفقار علی مست کے تذکرۂ ریاض الوفاق کے برلن میں موجود واحد معلوم نسخے سے راجا راج کشن راجا کا ترجمہ نقل کیا ہے اور اس کے پانچ فارسی شعر بھی دیے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر نجم الاسلام کے مجموعۂ مقالات "مطالعات" میں شامل مقالے "بیاضِ طپش" سے بھی چند اقتباسات شامل تحریر کیے ہیں۔ ان سے راجا، راج کشن راجا اس کے والد راجا نب کشن اور استاد مرزا جان طپش دہلوی سے متعلق بعض اہم اطلاعات ملتی ہیں۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد، فاضل مرتب کی ستائش میں رقم طراز ہیں:

> "کسی ایک نسخے سے کسی قدیم مخطوطے کو مرتب کرنے کا کام خاصا دشوار ہے۔ اس میں لفظوں کی غلط قراءت کا خدشہ بہت بڑھ جاتا ہے ... مرتب نے توجہ سے صحیح متن متعین کرنے کی کوشش کی ہے ... حواشی مفید ہیں۔ مشکل، متروک اور نامانوس الفاظ کی تشریح بھی کر دی گئی ہے"۔
>
> (ص ۱۳)

اور ڈاکٹر صاحب ہی کے اختتامی جملے پر ہم اپنا تبصرہ ختم کرتے ہیں کہ: "ان کی یہ ادبی کوشش اردو دنیا میں قدر اور پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائے گی"۔

تذکرۃ الشعراء۔

مرتب: شفقت رضوی۔

ناشر: ادارۂ یادگار غالب، کراچی۔

ضخامت: ۶۸۸ صفحات   سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء

مبصر: عتیق احمد جیلانی۔

پروفیسر سید شفقت رضوی کا نام علمی و ادبی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ ان کی

دلچسپی کے موضوعات میں حسرت موہانی سرفہرست ہے۔ اس ضمن میں موصوف کا تازہ کارنامہ "تذکرۃ الشعراء" کی ترتیب مع حواشی و تعلیقات ہے۔

مولانا حسرت موہانی ایک جامع "تذکرۃ الشعراء" تحریر کرنے کے آرزو مند تھے مگر سیاسی و قومی مصروفیات مانع رہیں۔ مجوزہ تذکرے کے لیے کئی منصوبے بنائے گئے البتہ ان پر جزوی عمل ہی ممکن ہوسکا۔ مولانا کے قلم سے مختلف شعراء کے تراجم نکلتے رہے اور "اردوئے معلیٰ" کی مختلف اشاعتوں میں جگہ پاتے رہے۔ ان تراجم کی تحریر اور اشاعت میں کسی خاص ترتیب کے بجائے تذکرہ نگار کی سہولت مدِنظر تھی۔

اہلِ شوق نے ان تحریروں کو ہاتھوں ہاتھ لیا لیکن کسی مجموعے کی صورت میں عدم دست یابی نے بعد کے بے شمار صاحبانِ ادب کو محروم رکھا۔ مولانا کے ساتھ ساتھ "اردوئے معلیٰ" بھی ابتلا و آزمائش کا شکار رہا اور بہ وجوہ اس کی مکمل فائل کہیں بھی موجود نہ رہی، چناں چہ اس تذکرے سے واقفیت کے باوصف گزشتہ نصف صدی کے اہل علم اس سے فیض یاب نہ ہوسکے۔ یقیناً یہ بڑی محرومی کی بات تھی۔

پروفیسر سیّد شفقت رضوی نے اس کارِ دشوار کی بجا آوری کا بیڑا اٹھایا، اور مرحلہ بہ مرحلہ سو فی صد تراجم یک جا کرنے میں کام یاب ہوگئے۔ اس راہ میں پیش آمدہ مشکلات کا ذکر نہایت دل چسپ انداز میں شاملِ مقدمہ ہے۔ بہ ہرحال ڈاکٹر جمیل جالبی، مشفق خواجہ، عبدالصمد خاں، ابو سلمان شاہ جہان پوری اور رفاقت علی شاہد کی مدد اور تعاون سے تذکرے کی جمع آوری سے اشاعت تک کے مراحل بہ خوبی طے ہوئے۔ یوں سیّد شفقت رضوی کے ساتھ ساتھ یہ حضراتِ گرامی بھی ہماری تحسین اور ممنونیت کے سزاوار ٹھہرتے ہیں۔

موجودہ صورت میں "تذکرۃ الشعراء" کی ترتیب یوں ہے کہ سب پہلے مختصر مقدمہ اور پھر "تذکرۃ الشعراء کے منصوبے" کے زیرِ عنوان مولانا حسرت موہانی کی چار مختصر تحریریں دی گئی ہیں۔ اصل تذکرہ تین حصّوں میں مُرتّب و منقسم ہے۔ حصّہ اول سلسلۂ شاہ حاتم سے منسلک اساتذہ اور نمایاں شاگردوں کا احاطہ کرتا ہے۔ جب کہ دوسرے حصّے میں دیگر سلسلہ ہائے سخن کے اساتذہ اور ان کے چند شاگردوں کا احوال شامل ہے۔ آخری حصّے میں متفرق شعراء کے تراجم یک جا کیے گئے ہیں۔ ان شاعروں کے مُتعلّقہ سلسلوں کا تعارف معرضِ تحریر میں نہ آسکا۔

اردوئے معلیٰ کے منتشر شماروں کی تلاش، تراجم کی دست یابی اور ترتیب بہ جائے خود ایک اہم ادبی خدمت ہے اور اس پر مستزاد مُرتّب کے مفید حواشی و تعلیقات ہیں کہ جن کے

سبب کتاب کی تنقیدی و تحقیقی اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔

سیّد شفقت رضوی بلاشبہ ہمارے عہد کے نمایاں ترین حسرت شناس ہیں۔ حسرت موہانی پر ان کی سات کتابیں اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ انھیں اپنے موضوع سے عشق ہے۔ جب کہ ان کتابوں کا معیار انھیں ایک باخبر، سلیقہ مند اور صاحبِ نظر مُرتّب، مدوّن، نقاد اور محقق کے درجے پر فائز کرتا ہے۔

دیوانِ غالب، نسخۂ خواجہ

تدوین و تحقیق: ڈاکٹر سیّد معین الرحمن

ناشر: الوقار پبلی کیشنز، ۵۰۰ لوئر مال، لاہور۔

ضخامت: ۳۵۲ صفحات   سنہ اشاعت: ۱۹۹۸ء

مُبصّر: عتیق احمد جیلانی۔

ذوق و شوق، محنت اور سلیقہ، ڈاکٹر سیّد معین الرحمن کی شخصیت کے نمایاں عناصر ہیں۔ غالبیات سے موصوف کی دل چسپی بخوبی ظاہر ہے۔ ایک تہائی صدی کو محیط اس وابستگی کا تازہ مظہر دیوانِ غالب مکتوبہ ما قبل اگست ۱۸۵۲ء کی تدوین و تحقیق ہے، جسے انگریزی، فارسی اور اردو کے ممتاز عالم و ادب شناس پروفیسر خواجہ منظور حسین سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس نسخے کی اہمیت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس میں متعدد مقامات پر غالب کے ہاتھ کی اصلاحات موجود ہیں۔ چار صفحات کی رنگین عکسی طباعت، اصل نسخے کی ندرت اور دل کشی کا پتا دیتی ہے۔

اٹھائیس صفحات پر پھیلا ہوا نسخۂ خواجہ کا تعارف دس حصوں پر منقسم ہے:

۱۔ اہمیت، مشمولات، زمانۂ ترتیب ما قبل اگست ۱۸۵۲ء

۲۔ خطی نسخے کی ملکیت کا معاملہ۔

۳۔ غالب کے قلم کی اصلاحیں، ترمیمات اور اضافے۔

۴۔ کتابت کے سہو اور اغلاط۔

۵۔ نسخۂ لاہور، متعارفہ: مولانا امتیاز علی خاں عرشی۔

۶۔ خطی نسخہ، متعارفہ: قاضی عبدالودود۔

۷۔ ایک نادر قلمی نسخہ ، متعارف : ڈاکٹر سید عبداللہ۔
۸۔ مذکورہ مخطوطات اور نسخۂ خواجہ میں نمایاں اختلاف اور مماثلتیں۔
۹۔ نسخۂ خواجہ : کلامِ غالب کی تاریخی ترتیب و تدوین کی لازمی کڑی۔
۱۰۔ نسخۂ خواجہ : مئی ۱۸۲۰ء سے اگست ۱۸۵۲ء کے مابین غالب کے اردو کلام کا واحد ماخذ۔

اس کے بعد صفحہ ۳۲ تا صفحہ ۲۹۵ مذکورہ نسخہ دیوانِ غالب کا متن اس طرح دیا گیا ہے کہ دائیں ہاتھ پر مخطوطے کے صفحہ وار عکس ہیں اور بائیں ہاتھ پر نستعلیق مشینی کتابت میں نقول ہیں۔ متن کے بعد اضافات کے زیرِ عنوان نسخے میں شامل سارے کلام کا اصناف وار زمانی تخمینہ، تخلیق مُرتب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد توضیحات و تعلیقات کا حصّہ ہے جس میں مُتعدد اشعار سے مُتعلق دل چسپ اور معلوماتی حقائق یک جا کر دیے گئے ہیں۔ آخر میں دیوان کے فارسی دیباچے اور خاتمے (تقریظ از محمد ضیاء الدین احمد خاں) کا محنت سے کیا گیا اردو ترجمہ درج ہے۔

زیرِ تبصرہ مخطوطے کی ملکیت سے مُتعلق تازہ اختلافی بحث سے قطع نظر، ہمارا خیال ہے کہ ڈاکٹر سیّد معین الرحمٰن نے نسخۂ خواجہ کی ترتیب، تدوین اور تنقید و تحقیق میں بڑی عرق ریزی، محنت اور ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔ میرزا اسد اللہ خاں غالب جیسے عظیم شاعر کا کلام ان کے شایانِ شان اہتمام کے ساتھ پیش کرنا یقیناً قابلِ تحسین و ستائش ہے۔ یہ مجموعہ ذخیرۂ غالبیات میں ایک اہم اور دل کش و نظر افروز اضافہ ہے۔

جہاتِ جہدِ آزادی

مُصنّف: معین الدّین عقیل۔
ناشر: الوقار پبلی کیشنز، ۵۰ لوئر مال، لاہور۔
ضخامت: ۲۹۹ صفحات سنہ اشاعت: ۱۹۹۸ء
مُبصّر: عتیق احمد جیلانی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل اردو زبان و ادب کے ساتھ ساتھ تحریکِ آزادیٔ ہند کے موضوع سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ممکن حد تک ماخذ کی نشان دہی کا جذبہ، حاصل شدہ لوازمے کی چھان پھٹک کا قرینہ اور اخذِ نتائج کا سلیقہ ان کی تحریروں کا عمومی وصف ہے۔ پاکستانیات

کے حوالے سے ان کے مقالات و مضامین میں جو نظریاتی شعور اور اسلامی فکر جلوہ گر ہے وہ اس لحاظ سے زیادہ قابلِ توجہ اور وقیع ہے کہ اس کی بنیاد محض تخیّل اور جذباتیت پر استوار نہیں بلکہ اس کی تعمیر میں تحقیق و جستجو اور مستند تاریخی حوالوں کا مسالا استعمال کیا گیا ہے۔ اس طرح ڈاکٹر معین الدّین عقیل ایک محقق دانش ور کے طور پر سامنے آتے ہیں۔

زیرِ نظر مجموعۂ مضامین اپنے متعین و محدود دائرے میں بھی خاصے تنوع کا حامل ہے۔ اوّلین مقالے میں تحریکِ پاکستان کے تیسرے عامل کی نشان دہی کی گئی ہے اور وہ ہے ایسٹ انڈیا کمپنی اور تاجِ برطانیہ کے دور میں مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی استحصال ۔ مصنّف نے اسلام اور اردو کو بنیادی عوامل قرار دینے کے بعد ضمنی محرکات میں مذکورہ عامل کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس مقالے کی تحریر (۱۹۷۰ء) سے قبل یہ جہت اہلِ نظر سے یک سر پوشیدہ تھی ، مگر اتنا ضرور ہے کہ اردو میں اس موضوع پر متفرق نوازے کو تحقیقی و تنقیدی باریک بینی کے ساتھ یک جا کرنے کی یہ پہلی قابلِ قدر کاوش ہے۔ ۱۶۰۰ء میں ہندوستان سے تجارت کی پہلی سند حاصل کرنے کے بعد سے کمپنی اور بعد ازاں تاجِ برطانیہ نے سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت ۱۹۴۷ء تک جس طرح استحصال کا شکنجہ کسا ، تمام اہلِ ہند عموماً اور مسلمان خصوصاً اس کا نشانہ بنے۔ انگریزی استعمار کی ہوسِ زر نے مقبوضہ ہندوستان کے ترقی پذیر صنعتی اور زرعی ڈھانچے کو تہ و بالا کر دیا۔ ڈاکٹر معین الدّین عقیل نے اس معلوم و مشہور حقیقت کو بہترین دست یاب ماٰخذ کی مدد سے نہایت معروضی انداز میں پیش کیا ہے۔ چناں چہ کہا جاسکتا ہے کہ زیرِ نظر مقالے کا تنقیدی لوازمہ تحقیق کی مستحکم بنیادوں پر استوار ہے۔ جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے ، یہی فاضل مصنّف کی عام روش ہے۔

اس مجموعے کا دوسرا اہم موضوع ہے ، " بنگال کی اسلامی تحریکیں "۔ اس ضمن میں فرائضی تحریک " اور " تیتو میر " کا جائزہ لیا گیا ہے۔ حاجی شریعت اللہ اور تیتو میر مقبوضہ بنگال میں غاصب انگریزی قوت اور ان کے آلۂ کار ہندو ساہو کار اور زمین دار کے خلاف جدوجہد کی علامت بن کر ابھرے۔ دو مقالوں میں ان قائدین اور ان کی برپا کی ہوئی تحاریک کا مختصر مگر جامع تذکرہ ضروری حوالوں اور حواشی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

برصغیر میں مسلمانوں کی تحاریکِ ہجرت کے حوالے سے دو مقالات شاملِ کتاب ہیں۔ اس اہم موضوع پر بڑی محنت ، عرق ریزی اور بالغ نظری سے مواد جمع کیا گیا ہے۔ یہ دونوں مقالات تحاریکِ ہجرت کے پس منظر ، مقاصد اور نتائج کا عمدہ طور پر احاطہ کرتے ہیں۔

اس کے علاوہ اس مجموعۂ مقالات میں مولانا فضل حق خیر آبادی، قائد اعظم، علامہ اقبال، رئیس احمد جعفری اور عزیز احمد کے حوالے سے مضامین یک جا کیے گئے ہیں۔ ہر مضمون مصنف کی وسعت مطالعہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

مجموعی طور پر کتاب شعور آفریں اور بصیرت افروز تحریروں سے مزین ہے۔ تاریخی و تہذیبی شعور کی بیداری میں ڈاکٹر معین الدین عقیل کی مساعی یقیناً لائق توجہ اور قابل داد ہیں۔

پاکستانی زبان و ادب، مسائل و مناظر

مصنف: ڈاکٹر معین الدین عقیل

ناشر: الوقار پبلی کیشنز ۱۰۰ لوئر مال، لاہور۔

ضخامت: ۳۶۴ صفحات سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء

مبصر: عتیق احمد جیلانی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل کی ایک اور اہم کتاب پیش نظر ہے۔ یہ مجموعہ مضامین موصوف کی ان تحریروں کا انتخاب ہے جو گذشتہ تین دہائیوں میں شائع ہوئیں۔ یہ مضامین تین حصوں میں منقسم ہیں: ۱۔ زبان ۲۔ ادب اور ۳۔ تحقیق۔

پہلے حصے میں موجود تحریریں دراصل وہ اداریے نوٹ ہیں جو بہ حیثیت مدیر "اخبار اردو" (کراچی، ابتدائی دور) اَسّی کی دہائی کے شروع میں تحریر کیے گئے۔ مقتدرہ قومی زبان اور اس کے مذکورہ رسالے کا مقصد اردو کو اس مملکتِ خداداد میں اس کا جائز مقام دلانا اور نفاذ اردو کی راہ میں حائل مشکلات کا ازالہ کرنا ہے۔ چند موضوعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مدیر کی نگاہ اپنے مقصد کی تحصیل میں کہاں کہاں پہنچی ہے: اردو میں انگریزی الفاظ کا استعمال۔ نسخ یا نستعلیق۔ مادری زبان۔ تازہ غلامی۔ زبان کا مزاج۔ ہماری بے احتیاطی۔ شہروں، سڑکوں، عمارتوں کے انگریزی نام۔ ذرائع ابلاغ کا منفی کردار۔ فطری سائنس کی اصطلاحات کے مسائل۔

دوسرے حصے میں پاکستان میں اردو ادب: محرکات و مسائل، طنز و مزاح کے دس سال، وطن کا قرض: اردو افسانہ اور پاکستانیت، اقبالیاتی مطالعہ مضامین ہیں۔ اردو ادب سے متعلق یہ مختصر تحریریں جائزے اور تجزیے کی اچھی مثالیں ہیں۔ ان تنقیدی تحریروں کا ایک نمایاں وصف توازن ہے۔ اظہارِ رائے میں نہ کہیں تلخی اور طنز ہے اور نہ بے جا تعریف و

توصیف ۔ پھر سکّہ بند نقادوں کا ادعائی لب و لہجہ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ اس کے ساتھ ہی کتاب کے دوسرے مقالات کی طرح اس حصّے میں بھی مُصنّف کا نظریاتی رنگ کہیں کم اور کہیں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے۔

تیسرے حصّے کا پہلا مضمون " پاکستان میں اردو تحقیق " سرسری جائزے اور چند تجاویز پر مشتمل ہے۔ اس موضوع پر مُصنّف کی ایک کتاب " پاکستان میں اردو تحقیق : معیار اور موضوعات " پہلے ہی شائع ہو چکی ہے۔ آخر میں جائزے کے زیر عنوان سولہ کتب و جرائد پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ یہ تحریریں بنیادی طور پر تبصرے ہیں مگر ایک قدم آگے بڑھ کر ان میں علمی ، تجزیاتی ، تنقیدی اور تحقیقی شان پیدا ہو گئی ہے۔

مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر معین الدّین عقیل کی یہ مختصر اور عمومی تحریریں بھی ان کے مخصوص اسلوبِ نگارش ، طرزِ فکر اور موضوع پر گرفت کی آئینہ دار ہیں۔

کلکتے کی داستانیں

مُصنّف : ڈاکٹر وفا راشدی

سنہ اشاعت : ۱۹۹۹ء

ناشر : مکتبۂ اشاعتِ اُردو ، کراچی

مُبصّر : سیّد جاوید اقبال

ڈاکٹر وفا راشدی ، اُردو ادب کا ایک معروف حوالہ ہیں۔ اُن کی پہلی کتاب " بنگال میں اُردو " ، ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی تھی ۔ یہ اپنے موضوع پر پہلی کتاب ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر وفا راشدی کی مقبولیت کا نقطۂ آغاز بھی ہے ۔ اُس وقت سے لے کر اس کتاب تک ان کی مُتعدّد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں ۔ انجمنِ ترقّیِ اُردو پاکستان کے لیے ان کی خدمات اس کے علاوہ ہیں۔

کلکتے کی علمی و ادبی تاریخ ، ڈاکٹر صاحب کا خاص موضوع ہے۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی زندگی کا ابتدائی حصّہ اسی شہر میں گذرا ہے۔ وہ یہاں کی معاشرتی روایات ، سیاسی اقدار اور علمی و ادبی حوالوں سے واقف ہیں۔ اس لیے زیرِ تبصرہ کتاب میں پیش کیا جانے والا لوازمہ ایک علمی دستاویز کے طور پر قبول کیا جائے گا۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں رسمی تحریروں کے بعد " حرف حرف داستان " کے ذیل میں غالب ، داغ ، نسّاخ ، وحشت ، ادیب سہیل اور ظہیر مشرقی کے کلکتے سے متعلق منظوم تاثرات

درج کیے گئے ہیں۔ اُس کے بعد کلکتہ کی علمی ۔ و ادبی تاریخ تین مضامین میں پیش کی گئی ہے۔ پھر واجد علی شاہ ، غالب ، نساخ ، قتیل ، وحشت ، سرسید ، نواب عبداللطیف ، داغ دہلوی ، حجاب ، نقاب ، اکبر الہ آبادی ، نذر الاسلام اور مولوی عبدالحق وغیرہم کی کلکتہ سے وابستگی سے متعلق معلوماتی مضامین ہیں۔ جو ڈاکٹر وفا راشدی کی تحقیق و جستجو کا آئینہ دار ہیں۔ اور ان کی کلکتے سے غیر معمولی دل چسپی کا پتا دیتے ہیں۔

موضوع کے اعتبار سے یہ ایک منفرد کتاب ہے۔ ایک شہر سے اتنے نامور لوگوں کی وابستگی سے متعلق تازگی کے ساتھ لکھے گئے یہ مضامین کلکتے کی ادبی تاریخ ہی نہیں بلکہ اُردو کی جامع تاریخ کے لیے بھی اہم مواد فراہم کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ کتاب میں شامل بعض مضامین میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جو پہلی مرتبہ منظرِ عام پر آئی ہیں۔

اس کتاب کے آخر میں وحشت کلکتوی، سوز دانا پوری، علقمہ شبلی، ڈاکٹر معصوم شرقی ، ف س اعجاز اور ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں کے مکتوب بنام ڈاکٹر وفا راشدی بھی شامل ہیں ، جو قابلِ مطالعہ ہیں۔ اسے کتاب کی اضافی خوبی جاننا چاہیے۔

☆☆☆

تاریخ کتاب خانۂ رضا

تالیف : حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری

سنِ اشاعت : ۱۹۹۸ء

ناشر : رام پور رضا لائبریری ، رام پور ، بھارت

مُبصّر : سیّد جاوید اقبال

یہ کتاب رام پور رضا لائبریری سے متعلق ہے۔ اسے مرحوم حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری نے تالیف کیا تھا۔ شوق نے تقریباً چونتیس سال ، رام پور رضا لائبریری میں ملازمت کی۔ اس عرصے میں انھوں نے عربی ، فارسی کتابوں کے ترجمے بھی کیے اور ایک اہم کتاب " کاملانِ رام پور " بھی تالیف کی۔ اس کے علاوہ عربی ، فارسی ، اور انگریزی کتب کی ضخیم فہرستیں تیار کیں۔ ان میں فہرست کتب عربیہ کی پہلی اور دوسری جلد شائع ہو چکی ہے۔

حافظ احمد علی کی زیرِ تبصرہ تالیف ، " تاریخ کتب خانۂ عالیہ دار الریاست مصطفےٰ آباد عرف رام پور " ، کا مخطوطہ ، رام پور رضا لائبریری میں محفوظ تھا۔ اسے پہلی مرتبہ رام پور رضا لائبریری کے دو صد سالہ جشنِ زریں کے موقع پر نہایت عمدگی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر

وقار الحسن صدیقی (افسر بہ کار خاص) نے اس کتاب پر مفصّل پیش لفظ لکھ کر کتاب کو مفید تر بنا دیا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں پہلے پہل عربوں کے خصائص، عربوں میں فنِ کتابت کی ابتداء، عربوں کی طبائع پر اسلام کا اثر، عربی میں ترجموں کی ابتداء، اسلام میں کتب خانوں کی ابتداء، اسلامی سلطنتوں میں کتب خانوں کی کثرت، عام کتب خانوں کی ابتداء اور ہندوستان میں اسلامی کتب خانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ گویا کتاب کے پہلے حصے میں کتب خانوں کی تاریخ، اُس کے بعد والیانِ ریاست رام پور کے عہد میں کتب خانوں کا دور بہ دور جائزہ لیا گیا ہے۔

کتب خانے کی تاریخ نواب علی محمد خاں (۱۷۰۸ء۔ ۱۷۳۹ء) کے عہد حکومت سے لے کر نواب حامد علی خاں (۱۸۷۵ء۔ ۱۹۳۰ء) کے دورِ حکومت میں ۱۹۰۴ء تک کے حالات و واقعات پر مشتمل ہے۔

مولّف نے اس تاریخ کے بیان میں اختصار سے کام لیا ہے، چناں چہ ہر عہد کی معلومات اُس دور کی علمی و ادبی تاریخ کا نچوڑ معلوم ہوتی ہیں۔ حافظ احمد علی خاں شوق رام پوری کو یہ کتاب لکھنے کے بعد نظرِ ثانی کا موقع نہیں ملا جس کی وجہ سے متعدد مواقع پر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ لیکن اس کی تلافی ڈاکٹر وقار الحسن نے عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ انھوں نے ہر عہد کے بعد اُس سے متعلق اہم حواشی درج کیے ہیں۔ بعد ازاں حواشی کا اشاریہ بھی کتاب کے آخر میں شامل کیا ہے۔ جس سے یہ کتاب خاصی معلوماتی ہو گئی ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں والیانِ رام پور، ان کے عہد میں شائع ہونے والی کتب کی رنگین عکسی تصاویر نے کتاب کے مجموعی تاثر میں اضافہ کیا ہے۔ رام پور رضا لائبریری کے منتظمین کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے کہ انھوں نے طالبانِ تحقیق کے لیے ایک عمدہ کتاب شائع کی ہے۔

☆☆☆

مولانا محمد علی اور جنگ آزادی

مُصنّف : ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی

سنِ اشاعت : ۱۹۹۸ء

ناشر : رام پور رضا لائبریری، رام پور، بھارت

مُبصّر : سیّد جاوید اقبال

یہ کتاب ہندوستان کی آزادی کی پچاسویں سال گرہ اور "رام پور رضا لائبریری"، کے

دو سو سالہ جشن کے موقع پر شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کی افادیت اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اب تک مولانا محمد علی جوہر پر جو بھی تحقیقی کام کیے گئے ہیں صاحبِ تصنیف نے انھیں پیشِ نظر رکھا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر کی زندگی، ہماری سیاسی تاریخ کا نہایت زرّیں باب ہے۔ ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی نے جو مولانا کے خانوادے سے ہیں، اس باب کو تحقیق و تنقید کے مراحل سے گزار کر عمدگی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اُنتالیس عنوانات قائم کیے ہیں، جو مولانا کی سیاسی، ادبی اور صحافتی زندگی کے پس منظر اور پیش منظر کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر ظہیر علی صدیقی نے اس کتاب میں مولانا کی اور ان سے مُتعلّق نادر و نایاب تصاویر، ان کی اُردو، انگریزی تحریروں کے عکس، کئی اہم مکتوبات کے علاوہ روزنامہ "ہمدرد" اخبار کے سرورق سے متعلق کئی عکس شامل کیے ہیں جو کتاب کے مجموعی تاثر میں اضافہ کرتے ہیں۔

یہ کتاب مولانا محمد علی جوہر کے مذہبی، سیاسی نظریات، ان کی علم دوستی، جنگ آزادی میں ان کے کردار اور ہندوؤں کے متعلق مولانا کے رویّوں کا پتا دیتی ہے۔

اس کتاب کی خاص خوبی یہ ہے کہ مولانا کی صحافتی زندگی، شاعرانہ فکر اور مفکرانہ خیالات کے پس منظر کو مستند حوالوں کے ساتھ اجاگر کیا گیا ہے۔

البتہ یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ صدّیقی صاحب کی تحقیق میں صحافتی انداز سے معلومات پیش کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ مولانا کی شخصیت، ان کے مزاج، کردار، ہندوستانی صحافت اور سیاست پر ان کے اثرات سے مُتعلّق کوئی تجزیہ یا سیر حاصل بحث نہیں ہے۔ اس ایک آنچ کی کسر کے باوجود یہ ایک کام یاب کوشش ہے۔ جس کی وجہ سے برصغیر کے تمام حلقوں میں تحسین کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔

خواجہ محمّد خاں اسد: احوال و آثار

مُرتّب: راشد علی زئی

سنہ اشاعت: ۱۹۹۴ء

ناشر: اسد اکیڈمی حضرو، اٹک

مبصّر: سیّد جاوید اقبال

اس کتاب میں خواجہ محمّد خاں اسد (۱۱ دسمبر ۱۹۱۹ء حضرو۔ ۲۱ دسمبر ۱۹۸۰ء مکّہ) سے متعلّق تعزیتی و تاثراتی مضامین، منظوم تحسین، انتخابِ کلام، نثری مضامین سے انتخاب اور مشاہیر کے خطوط (بنام خواجہ محمّد خاں اسد) شامل ہیں۔

خواجہ محمّد خاں اسد ضلع اٹک کے علاقے چھچھ کے مرکزی شہر حضرو کے رہنے والے تھے۔ انھیں علم اور اربابِ علم سے عشق تھا۔ وہ نہایت دین دار مسلمان اور تحریکِ پاکستان کے پُرخلوص غازی تھے۔ انھوں نے علم کی جستجو میں ہندوستان اور پاکستان کے متعدّد شہروں کا سفر بھی اختیار کیا اور بہت سے علماء و فضلاء سے فیض حاصل کیا۔ ان میں سیّد سلیمان ندوی، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا ظفر علی خاں نمایاں ہیں۔

خواجہ محمد خاں اسد نے سیّد سلیمان ندوی کی خواہش پر حضرو میں کتب خانے کی بنیاد رکھی تھی۔ بعد ازاں مولانا غلام رسول مہر نے اس کا نام "میرا کتب خانہ" تجویز کیا۔ خواجہ محمّد خاں اسد کو نظم و نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، اس کے علاوہ تاریخ سے انھیں خصوصی شغف تھا۔ "اورنگ زیب عالم گیر" اور "علی زئیانِ چھچھ" سے متعلّق ان کے قابلِ ذکر مضامین رسائل و جرائد میں شائع ہوچکے ہیں۔ شاعری میں وہ اسد تخلص کرتے تھے جو مولانا ظفر علی خاں کا تجویز کردہ تھا۔ ان کا تخلیقی یا تحقیقی کام بہت زیادہ نہیں ہے جس کی بناء پر وہ ادب میں حوالہ بن سکیں لیکن کتاب دوستی کی بنیاد پر وہ تاریخ کا حصّہ ضرور ہوں گے۔ اس کتاب دوستی نے خواجہ محمد خاں اسد کو اتنا معتبر کیا کہ برِصغیر کے نامور محقّقین سے ان کے دیرینہ تعلقات قائم ہوگئے تھے۔ کتابیں جمع کرنے اور مطالعے کا شوق انھیں جنون کی حد تک تھا۔ ان کی ذہنی تربیت میں سیّد سلیمان ندوی، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا ظفر علی خاں کا بڑا حصّہ ہے۔ انھوں نے ڈیڑھ سال کا عرصہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں بھی گزارا اور وہاں کا رنگ ایسا چڑھا کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرا ہوتا گیا۔

خواجہ محمد خاں اسد کے ہاتھ میں رعشہ اور زبان میں لُکنت تھی۔ ساری عمر کوئی ملازمت نہیں کی اور نہ اس قابل تھے۔ معاشی ذمہ داریاں زمین داری سے پوری ہوتی تھیں۔ آپ نے تمام زندگی کتابیں جمع کرنے اور اہل علم کی خدمت میں گزار دی۔ حضرو ضلع اٹک میں رہتے ہوئے دس ہزار کے لگ بھگ نادر و نایاب کتب جمع کیں۔ یہ ذخیرہ تاریخ، سیاسیات، سفرنامے، تذکرے، سیرت، لغت، تصوف، قرآن کی تفاسیر اور سوانح نگاری پر مشتمل ہے۔ مشہور علمی اداروں کی مطبوعات خاص کر دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنو، دارالمصنفین اعظم گڑھ، دارالترجمہ حیدرآباد دکن کی مطبوعات قابلِ لحاظ تعداد میں ہیں۔ قدیم و جدید رسائل کا ذخیرہ اس کے علاوہ ہے۔

اس اہم کتاب خانے میں نادر قلمی کتابوں کا ذخیرہ بھی محفوظ ہے۔ اسی ذخیرے میں ایک نادر کتاب "تاریخِ ارادت خاں" ہے جو ارادت خاں واضح کی تصنیف ہے اور گیارھویں صدی ہجری سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمارے علم کی حد تک تاریخ ارادت خاں کا ایک اور نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی محفوظ ہے۔ مولانا غلام رسول مہر نے "میرا کتب خانہ" سے مذکورہ کتاب کا نسخہ حاصل کیا تھا اور پھر اس کی تصحیح و تعلیقات اور مقدمہ تحریر کر کے شائع کرایا تھا۔

اس کے علاوہ مشاہیر کے مکتوبات جو خواجہ اسد کے نام ہیں، ایک بڑی تعداد میں یہاں محفوظ ہیں۔

خواجہ محمد خاں اسد بلاشبہ ہماری علمی و ادبی ثقافت کا اہم حصہ ہیں اور "میرا کتب خانہ" قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ یادگار ہے۔ خواجہ مرحوم کے فرزند جناب راشد علی زئی قابلِ مبارک باد ہیں کہ انھوں نے یہ کتاب شائع کر کے اپنے والد کی زندگی اور کارناموں کو متعارف کرایا ہے۔

آزادی کے بعد اردو ناول

مصنّف: ڈاکٹر ممتاز احمد خاں

ناشر: انجمنِ ترقّی اردو، پاکستان

سنہ اشاعت: ۱۹۹۷ء

مبصّر: سیّد جاوید اقبال

یہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ہے جو کراچی یونی ورسٹی میں ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی زیرِ نگرانی تحریر کیا گیا۔ اس مقالے پر مصنّف کو وزیرِ اعظم لٹریری ایوارڈ برائے ۱۹۹۸ء عطا کیا گیا ہے۔

اردو ناول ، ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کا اہم موضوع ہے۔ اس سے پیش تر ان کی ایک کتاب " اردو ناول کے بدلتے تناظر " ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں اردو کے اٹھتیس ۲۹ ناولوں کا تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ادبی حلقوں میں خاصی پذیرائی ہوئی۔ اور اب ان کا مقالۂ علمیہ کتابی صورت میں منظر عام پر آیا ہے۔ جس میں ۱۹۳۶ء سے ۱۹۸۰ء تک کے ناولوں پر فاضلانہ بحث کی گئی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب چھے ابواب اور ایک ضمیمے پر مشتمل ہے۔ ضمیمے میں ان سولہ اہم ناولوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جو ۱۹۸۰ء کے بعد کسی بھی حوالے سے اہم تصور کیے گئے، جب کہ ابواب میں مُصنّف نے ذہانت اور غور و فکر کے ساتھ اردو ناولوں کے صنفی اسلوب ، موضوعاتی تنوّع ، تکنیکی مسائل ، اور غیر ملکی ناولوں کی بدولت اردو ناول کے اسلوبیاتی تغیّرات کا دل چسپ ، معلوماتی ، نتیجہ خیز اور منفرد جائزہ لیا ہے۔

یوں تو اردو میں ناول سے متعلق کئی اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ لیکن ڈاکٹر ممتاز احمد خاں کی یہ کتاب کئی حوالوں سے مفید ہے۔ مثلاً یہ کہ اب تک اردو ناول پر کیے گئے اہم کاموں کا احاطہ کیا گیا ہے ۔ لگ بھگ سو ناول اس کتاب میں زیر بحث آئے ہیں ان میں سے نہایت احتیاط کے ساتھ قابل ذکر ناول علیحدہ کیے گئے ہیں۔ اور پھر ان کا مطالعہ ہیئت ، اسالیب اور رجحانات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔ اور وہ جزدی مسائل جو ناول کی تکنیک ، اسلوب ، تنقید یا ابلاغ کے مسائل میں قابل ذکر نہیں ہیں ، چھوڑ دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ مصنّف کی مکمل توجہ تحقیق و تنقید کے ان اصولوں کی طرف نظر آتی ہے جو کسی بھی مطالعے میں نتائج فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باب ششم بہ عنوان " اردو ناول کے سفر پر ایک طائرانہ نظر (بحوالہ ہیئت ، اسالیب اور رجحانات) پس منظر و پیش منظر " میں منظم انداز میں عمدگی کے ساتھ نتائج پیش کیے ہیں۔ یہ بلاشبہ ایک عمدہ کام ہے جس پر مُصنّف کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

کتابی سلسلہ "نعت رنگ" ، شمارہ ۷ ، حمد نمبر
مدیر : صبیح رحمانی
سنہ اشاعت : اگست ۱۹۹۹ء
ناشر : اقلیم نعت ، کراچی
مُبصّر : سید جاوید اقبال

" نعت رنگ " کا " حمد نمبر " ظاہری و باطنی خوبیوں کا عمدہ امتزاج ہے۔ اردو ادب کی

شعری یا نثری کتابوں کی ابتداء میں حمد اور نعت کی روایت شروع ہی سے ملتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ چیز نثر میں ختم ہوتی گئی لیکن شاعری کی کتابوں میں موجود رہی۔ اردو کی دیگر اصناف کی طرح حمد میں بھی تجربات ہوئے ہیں جس کے نتیجے میں یہ ہمیں شاعری کی مختلف ہیئتوں میں نظر آتی ہے۔ ان تجربات کو خوشگوار تبدیلی اور احساس کے طور پر اہلِ علم، عوام اور خواص سب ہی نے پسند کیا۔ چناں چہ اس صورت حال کے بعد حمدیہ شاعری کا ذخیرہ اتنا ہوگیا تھا کہ اس کی تاریخ بھی مُرتّب کی جائے، اس کے آغاز و ارتقاء، رجحانات اور ہیئتی تجربات پر روشنی ڈالی جائے اور تنقید کے ذریعے نئے پہلو تلاش کیے جائیں۔ اس حوالے سے حمدیہ شاعری پر ایم اے کا ایک مونوگراف بہاء الدین زکریا یونی ورسٹی ملتان میں رابعہ رسول نے ۱۹۸۲ء میں تحریر کیا ہے۔ ہمارے علم کے مطابق یونی ورسٹی کی سطح پر یہ پہلا تحقیقی کام ہے جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا۔

نعت کی تحقیق و تنقید سے متعلق دوسری قابلِ ذکر کوشش زیر تبصرہ "حمد نمبر" ہے جس میں اس صنف کے مختلف پہلوؤں پر برصغیر کے نامور لوگوں کی تحریریں ہیں۔ مضامین و مقالات کا حصّہ نہایت جان دار اور متنوع ہے۔ حمد سے متعلق جتنے بھی گوشوں پر قلم اٹھایا گیا وہ مُتعلق اور اہم تھے۔ اس کے علاوہ قدیم اور جدید شعراء کی حمدیہ شاعری پر نئے زاویہ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ حمد کے مختلف صنفی انداز کا انتخاب بھی قابل تعریف ہے اتنا معلوماتی اور دیدہ زیب حمد نمبر شائع کرنے پر مدیر صبیح رحمانی کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

کتابی سلسلہ "نعت رنگ": شمارہ ۸

مدیر: صبیح رحمانی

سنہ اشاعت: ستمبر ۱۹۹۹ء

ناشر: اقلیم نعت، کراچی

مبصر: سیّد جاوید اقبال

"نعت رنگ کا زیر تبصرہ شمارہ بھی سابق شماروں کی طرح تنقید، تحقیق اور تخلیق کے اعلیٰ معیار کے مطابق ہے۔ یہ نمبر اردو نعت شناسی سے متعلق مفید مواد فراہم کرتا ہے۔ اعلیٰ پائے کے مقالات و مضامین اہم شعراء کے فن پر مستند فضلاء کی تحریریں، علاقائی زبانوں میں نعت کے محرکات و رجحانات کا جائزہ، نعت گو شعراء کا تذکرہ، ہندوستان و پاکستان کے نعت

گو شعراء کے کلام کا انتخاب ، فروغِ نعت میں نمایاں کردار ادا کرنے والی شخصیات پر مضامین کے ساتھ اردو نعت اور تحقیقِ نعت سے متعلق کتابوں پر مختصر اور تفصیلی تبصروں نے اس شمارے کو خاصا وقیع بنا دیا ہے۔ قابلِ تحسین بات یہ ہے کہ اس اہم اور نازک موضوع پر لکھنے والوں کا تعاون مدیر کو حاصل ہے۔ یہ حضرات ہر مرتبہ نئے پہلوؤں پر قلم اٹھاتے ہیں۔ اسی لیے نعت رنگ کا ہر شمارہ پہلے سے زیادہ اہم ثابت ہوا ہے۔

قتیل اور غالب
تالیف : سیّد اسد علی انوری
سنہ اشاعت : ۱۹۹۸ء (طبع دوم)
ناشر : فضلی سنز (پرائیوٹ لمٹیڈ ، کراچی)
مُبصّر : سیّد جاوید اقبال

کتاب پہلی مرتبہ ۱۹۳۹ء میں مکتبۂ جامعہ ، دہلی سے شائع ہوئی تھی۔ اور اب ڈاکٹر اسلم فرخی کی تحریک پر فضلی سنز نے اسے غالب کی دو سو سالہ ، سال گرہ کے موقع پر شائع کیا ہے۔ اس کتاب کا تعارف ڈاکٹر اسلم فرخی کا تحریر کردہ ہے۔ جس کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ مؤلف محکمہ جنگلات سے وابستہ تھے۔ انھیں قومی ، تعلیمی ، علمی اور ادبی کاموں سے بھی غیر معمولی دل چسپی تھی۔ انھوں نے زیرِ تبصرہ کتاب کے علاوہ دو اور کتابیں "صحیفۂ چمن" اور "نقوشِ چمن" بھی یادگار چھوڑی ہیں۔

غالب اور عقیدت مندانِ قتیل کی معرکہ آرائی ، غالب شناسی کا اہم باب ہے۔ جس پر "یادگارِ غالب" سے لے کر آج تک کسی نہ کسی حوالے سے ذکر ہوتا رہا ہے۔ اسی لیے اس ساری معرکہ آرائی کا تفصیلی علمی مطالعہ پیش کرنا ایک علمی و ادبی ضرورت تھی۔ غالب کے بعض سوانح نگاروں نے اس موضوع پر مختصر اور سرسری اظہار خیال کیا ہے۔ لیکن سیّد اسد علی انوری نے اس سنجیدہ موضوع پر ایک بھرپور کتاب شائع کر کے حق ادا کر دیا ہے۔ انھوں نے بہت سادگی کے ساتھ دونوں طرف کے اعتراضات کو آٹھ نکات میں پیش کیا اور پھر ان سے بحث کر کے فکر انگیز نکات اٹھائے ہیں جو غالب شناسی سے متعلق کئی موضوعات سمیٹے ہوئے ہیں۔

دل چسپ اسلوب میں لکھی جانے والی یہ کتاب حامیانِ قتیل و غالب کی علمی معرکہ

آرائی کے بارے میں غیر جانب داری کے ساتھ اہم معلومات فراہم کرتی ہے۔ اس کی اشاعت ثانی سے ایک بار پھر غالب شناسی کے مطالعے کو تحریک ملے گی۔ آج کے علمی معیارات اور شخصیت پرستی کی روشنی میں اس معرکہ آرائی کو دیکھا جائے گا تو یقیناً فکرِ غالب کے نئے گوشے سامنے آئیں گے جو سخن فہمی میں بھی معاون ہوں گے۔

کتاب: اردو ادب کی تاریخیں۔ نظری مباحث

مُصنّف: سلمان احمد

سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء

ناشر: قصر الادب، حیدر آباد سندھ

مُبصّر: ڈاکٹر اسلم فرخی

جو کتاب اس وقت میرے پیشِ نظر ہے وہ اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اس کا نام ہے "اردو کی ادبی تاریخیں۔ نظری مباحث"۔ مُرتّب ہیں سلمان احمد۔ سلمان احمد نے اردو کی ادبی تاریخوں کے حوالے سے سولہ قابلِ قدر عالمانہ مضامین کو اس مجموعے میں یکجا کیا ہے اور ایک مفید دیباچہ خود ہی لکھا ہے۔

تاریخ نویسی مسلمانوں کا خاص فن رہا ہے چناں چہ سیاسی تاریخوں میں ثقافتی حوالے سے شاعروں اور ادیبوں کے تذکرے بھی ہوتے تھے۔ اگرچہ ان کی حیثیت ضمنی ہوتی تھی تاہم انھیں تاریخ کی کلّیت کا جزو تصور کیا جاتا تھا۔ ان ضمنی تذکروں نے تذکرۂ شعرا کے عنوان سے انفرادی آہنگ اختیار کیا۔ فارسی میں شعرا کے تذکرے مرتب ہوئے اور محمد حسین آزاد نے اپنی مشہور کتاب "آبِ حیات" مرتب کی جس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ادبی تاریخ ہونے کے ساتھ ساتھ بذاتِ خود ادب بھی ہے۔ آبِ حیات سے ڈاکٹر جمیل جالبی کی مبسوط تاریخِ ادب تک جو ابھی مکمل نہیں ہوئی۔ اردو کی ادبی تاریخوں نے اپنا سفر تیزی سے طے کیا ہے۔ بعض بزرگوں نے ادبی تاریخیں انفرادی سطح پر مرتب کی ہیں جس میں گل رعنا، داستان تاریخ اردو۔ بعض امتحانی اور درسی ضروریات کے تحت مُرتّب ہوئی ہیں۔ جیسے آغا باقر کی تاریخ نظم و نثر اردو کے علاوہ انگریزی میں بھی اردو ادب کی تاریخیں مرتب ہوئی ہیں۔

سلمان احمد نے اپنے دیباچے میں ۴۸ ادبی تاریخوں کی ایک فہرست پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف علاقوں کے پس منظر اور حوالے سے مُرتّب ہونے والی ۴۵ کتابوں کی بھی ایک فہرست اس دیباچے میں شامل ہے۔ ان فہرستوں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۲۰، ۱۹۳۰

برس کے اندر ادبی تاریخوں کے حوالے سے خاصا کام ہوا ہے تاہم ابھی بہت کچھ کرنے روایتوں کے حاشیوں اور لذیذ حکایتوں کے سحر کو زائل کرنے اور ادب دوستوں کے سامنے اردو ادب کے زندہ اور فعال تسلسل کو صحیح حقایق کی روشنی میں پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ بہر حال اردو ادب کی تاریخوں کے علمی اور تنقیدی جائزے کے طور پر بھی جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا ایک بہت اچھا انتخاب سلمان احمد نے اپنے اس مجموعے میں پیش کر کے اردو کی ادبی تاریخوں کے ارتقاء کو سمجھنے اور سمجھانے کا موقع فراہم کیا ہے۔ اس انتخاب میں ڈاکٹر حنیف سید، سید محمد عقیل، اسلوب احمد انصاری، کلیم الدین احمد، مظفر علی سید، ڈاکٹر نجم الاسلام، پروفیسر محمد حسن، پروفیسر رالف رسل اور ڈاکٹر گیان چند جیسے دیدہ وروں اور عالموں کے نام شامل ہیں۔ ان مضامین میں اردو کی ادبی تاریخوں کے حوالے سے بڑے اہم نکات واضح ہوتے ہیں۔ بہت سے سوال ذہن میں ابھرتے ہیں اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ قوموں کی زندگی میں سیاسی تاریخوں کی طرح ادبی تاریخوں کی اہمیت بھی کچھ کم نہیں ہے کیوں کہ سیاسی تاریخیں سیاسی اعمال کا جائزہ پیش کرتی ہیں اور ادبی تاریخوں سے قوموں کی فکری، روحانی اور ثقافتی کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے۔

سلمان احمد نے یہ مجموعہ وسیع مطالعے کے بعد مرتب کیا ہے اور دقتِ نظر سے مرتب کیا ہے۔ یہ طلبہ اور ادب کے عام قاری دونوں کے لیے یکساں مفید اور ذہنی افق کو وسعت دینے والا مجموعہ ہے۔

(یہ تبصرہ فاضل محترم نے نشری تحریر کے بطور قلم بند کیا تھا، اور اس کی ایک عکسی نقل عنایت فرمائی تھی، دلی شکریے کے ساتھ شامل اشاعت کیا جاتا ہے)۔

کتاب: سید حسن غزنوی (حیات اور ادبی کارنامے)
مصنف: ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء ضخامت: ۳۵۳ صفحات
ناشر: ادارۂ یادگار شیفتہ، کراچی
مبصر: انعام الحق عباسی

یہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جسے ۱۹۴۶ء میں ناگ پور یونی

ورسٹی میں پیش کیا گیا تھا۔ اوّل یہ مقالہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم ضمیمہ اورینٹل کالج میگزین (اگست ۱۹۴۸ء تا فروری ۱۹۵۰ء) میں شائع کرچکے ہیں اور اب (۱۹۹۹ء میں) جناب افتخار احمد صاحب عدنی کی بدولت یہ مقالہ پہلی مرتبہ کتابی صورت میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ "عرضِ حال" میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں خود رقم طراز ہیں:

> "یہ کتاب مدت سے اورینٹل کالج میگزین کے ایک ضمیمے کے طور پر خاموشی کی نیند سو رہی تھی۔ عدنی صاحب کی ہمت، حوصلے اور ذوق اشاعت نے اسے بیدار کیا اور اس عاجز کی اوّلین تحقیقی کاوش کو اہل علم تک پہنچایا ہے"۔

اس مقالے پر مفصل تبصرہ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب رسالہ تحقیق (شمارہ ۳، ۱۹۹۰ء، ص ۹۰۔ ۱۲۵) میں کرچکے ہیں۔ ذیل میں مختصراً تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

سیّد حسن غزنوی (م ۵۵۶ھ) کا شمار فارسی کے بزرگ شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کے معاصرین میں معزی (م ۵۴۲ھ)، سنائی (م ۵۴۵ھ)، عمادی (م تا ۵۲۵ھ) جیسے شعراء موجود تھے ۔ ان سب کی شاعری کا دار و مدار قصیدہ گوئی پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حسن غزنوی نے بھی شاعری کی ابتداء قصیدہ گوئی سے کی اور اس صنف میں کمال حاصل کیا۔ قصیدہ گوئی کی بدولت سلطان سنجر اور بہرام شاہ غزنوی کے دربار سے منسلک رہے۔ ان کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہرام شاہ غزنوی کے ایک سکّے کی پشت پر ان کا شعر کندہ تھا۔ حسن نے ایران، افغانستان، بغداد اور ہندوستان کی سیر کی اور مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی اور وہاں ایک فارسی ترجیع بند پیش کیا جس کا ترجیعی شعر عربی میں یہ تھا۔ (یہ شعر ہندوستان اور پاکستان کے میلاد خواں طبقے میں آج بھی شوق سے پڑھا جاتا ہے۔)

سلّموا یا قوم بل صلّوا علی الصدر الامین
مصطفیٰ ما جاء الّا رحمۃً للعالمین

"سیّد حسن غزنوی" کے موضوع سے متعلق بہت کم مواد دستیاب تھا، اس لیے ڈاکٹر صاحب نے قریب قریب پورے ہندوستان کے کتب خانے دیکھے، اس کے علاوہ پیرس اور لندن سے بھی مخطوطات کے عکس حاصل کیے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس مقالے میں داخلی اور خارجی شہادتوں سے استدلال کا عمدہ نمونہ پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں وہی مناہجِ تحقیق دیکھنے میں آتا ہے جو حافظ محمود شیرانی اور مولوی محمد شفیع جیسے فضلاء کا خاصّہ تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے شاعر کے نام، کنیت اور ولادت کے مسئلے کو حل کیا ہے جس کے لیے کلام کی داخلی شہادت کے علاوہ مرتب دیوان یعنی حسن کے شاگرد کے مقدمے اور معاصر شعراء کے کلام سے بھی استدلال کیا ہے۔ تذکروں سے بھی مدد لی ہے، بالخصوص راحت الصدور کے بیانات کو (جو شاعر کے عہد سے قریب تر تصنیف ہے) ترجیح دی ہے۔ اس کے بعد واقعاتِ زندگی بیان کیے ہیں جن کا زیادہ تر انحصار داخلی شواہد پر ہے اور یہ داخلی شواہد شاعر کے ۱۰۵ قصائد اور ایک دو بیتی کے تجزیے سے حاصل کیے گئے ہیں ڈاکٹر صاحب نے مختلف عنوانات کے تحت حالات زندگی پر عمدہ روشنی ڈالی ہے۔

حالاتِ زندگی کے بعد کلام حسن کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور یہ بتایا ہے کہ مختلف لغات میں ان کے اشعار حوالے کے طور پر موجود ہیں جن میں فرہنگ آنند راج، مصطلحات الشعراء اور فرہنگ جہانگیری قابل ذکر ہیں۔ بعد ازاں مختلف مقالوں سے یہ واضح کیا ہے کہ شاعر نے دوسرے شعراء کی تقلید بھی کی ہے۔ ان شعراء میں مسعود سعد سلمان، معزّی اور عمادی غزنوی وغیرہ شامل ہیں جب کہ دوسرے شعراء نے بھی سیّد حسن کی تقلید کی ہے۔

ایک عنوان " سیّد حسن اور پروفیسر عبدالغنی " ہے۔ اس کے تحت ڈاکٹر صاحب نے سیّد حسن غزنوی سے متعلق ان باتوں پر گرفت کی ہے جو پروفیسر عبدالغنی نے اپنی کتاب "The Pre-Mughal Persian Literature in Hindustan" میں لکھی ہیں۔ آخر میں کلام حسن کا جائزہ لیا گیا ہے جس کے تحت قصیدہ، ترجیع بند اور ترکیب بند، قطعات، غزل اور رباعی پر علاحدہ سے روشنی ڈالی ہے اور بہت سے عمدہ نکات بیان کیے ہیں، بالخصوص رباعی کے حوالے سے شیرانی اور ڈاکٹر محمدؐ اقبال کے بیانات کا حوالہ دے کر یہ صراحت کی ہے کہ سیّد حسن غزنوی کے یہاں ایسی رباعیات موجود ہیں جن کا تیسرا مصرع قافیے کی پابندی سے آزاد ہے۔ نیز چند رباعیات بھی نمونے کے طور پر دی گئی ہیں۔

مقالے کے آخر میں حواشی دیے گئے ہیں جو بیش قدر معلومات سے مزیّن ہیں۔ اشاریہ بھی شامل ہے جو صرف اسماء الرجال کو محیط ہے لیکن اہتمام یہ کیا گیا ہے کہ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کا اسم پاک تحریر کیا گیا ہے اس کے بعد انبیائے کرام کے نام حروف تہجی کے اعتبار سے درج ہیں پھر حروفِ تہجی کے مطابق دوسرے نام دیے گئے ہیں۔

مقالے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مطالعے سے نوآموز اسکالرز یہ

اندازہ کرسکتے ہیں کہ داخلی شواہد سے کس طرح استدلال کیا جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ مقالہ حافظ شیرانی کے سلسلۂ منہاجِ تحقیق میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس کتاب کی از سرِ نو اشاعت پر متعلقین لائقِ مبارک باد ہیں۔

کتاب: حضور احمد سلیم ایک مطالعہ
مصنفہ: رونق افروز صدیقی
سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء
ناشر: عدیم پبلی کیشنز، حیدرآباد
مبصر: رفیق احمد خاں

پیشِ نظر کتاب "حضور احمد سلیم ایک مطالعہ" شعبۂ اردو جامعۂ سندھ کی تصنیفی سرگرمیوں کا ایک حصہ ہے۔ رونق افروز صدیقی اس کی مصنفہ ہیں۔ یہ ان کا ایم۔ اے کا مقالۂ علمیہ ہے۔ ۱۹۹۶ء میں اس کی تکمیل ہوئی اور ۱۹۹۹ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔

حضور احمد متخلص بہ سلیم ۱۹/اگست ۱۹۲۴ء کو قصبۂ نارنول میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ ہائی اسکول ریواڑی سے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۵ء میں فارسی میں منشی فاضل اور ۱۹۴۷ء میں اردو میں ادیب فاضل کے امتحانات امتیازی نمبروں سے پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیے۔ لاہور ہی سے ۱۹۴۸ء میں بی۔ اے کی سند حاصل کی اور پھر حیدرآباد چلے آئے۔ ۱۹۵۱ء میں سندھ یونی ورسٹی سے فارسی زبان و ادب میں ایم۔ اے کیا۔ ۱۹۵۲ء میں حکومتِ ایران کی تعلیمی وظیفے کی پیش کش پر ایران کا دورہ کیا۔ ۱۹۵۴ء میں، زمینی راستے سے حج کی سعادت حاصل کی۔

حضور احمد سلیم صاحب ملازمت کے سلسلے میں مظفر گڑھ اور لاہور میں بھی رہے ایران بھی گئے۔ ایران کے سفر سے واپسی کے بعد، سٹی کالج حیدرآباد سندھ اور گورنمنٹ ایمرسن کالج ملتان میں، تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۹۵۶ء تا ۱۹۸۴ء، جامعۂ سندھ کے شعبۂ فارسی میں بہ حیثیت اسسٹنٹ پروفیسر، پروفیسر اور صدرِ شعبہ، وابستہ رہے۔ جامعۂ سندھ کی ملازمت سے سبک دوشی کے بعد خانۂ فرہنگ ایران حیدرآباد سندھ، میں بہ حیثیت استاد زبانِ فارسی، ۱۹۹۸ء تک فارسی زبان کی تعلیم دیتے رہے۔

حضور احمد سلیم خاموش طبع، کم آمیز اور کم گو شخص ہیں۔ ظاہر داری اور بناوٹ سے قطعی اجتناب کرتے ہیں۔ سادگی، شائستگی اور شگفتگی ان کے مزاج کے لازمی جزو ہیں۔ یہ

حیثیت مُعلّم اعلا صلاحیتوں سے متصف ہیں۔ اقبال اور اسلام کے شیدائی اور جذبۂ حب الوطنی سے سرشار ہیں۔

مُصنّفہ نے حضور احمد سلیم کی شخصیت اور فن کو حیطۂ تحریر میں لانے کے لیے چھے ابواب قائم کیے ہیں۔ بابِ اول میں حالاتِ زندگی، بابِ دوم میں مطبوعہ و غیر مطبوعہ شعری و نثری سرمایے کی تفصیل اور اس کا تجزیہ شامل ہے۔ باب سوم، چہارم اور پنجم میں بالترتیب، بہ حیثیت شاعر، نثر نگار اور مترجم، حضور احمد سلیم کے فن سے بحث کی گئی ہے۔ بابِ ششم ریڈیو پاکستان حیدرآباد سندھ کے لیے حضور احمد سلیم کی خدمات سے مُتعلّق ہے۔ دو ضمائم، اوّل : انتخاب کلام، دوم : حضور احمد سلیم مشاہیر کی نظر میں، بھی شاملِ کتاب ہیں۔ آخر الذکر کے ذیل میں ان فضلائے کرام کے اسمائے گرامی آتے ہیں : پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مولانا نظیف علی شاہ، پروفیسر ڈاکٹر نجم الاسلام، رئیس امروہوی، ڈاکٹر سیّد عارف نوشاہی، ڈاکٹر الیاس عشقی اور پروفیسر میر خادم حسین خاں تالپر۔

حضور احمد سلیم کی جُملہ تصانیف میں، منظوم اردو تراجم، بابا طاہر ہمدانی کی " دو بیتی نامہ " اور علامہ اقبال کی " پیامِ مشرق " کے علاوہ منثور اردو تراجم، حضرت شیخ ابن عطاء اللہ اسکندری کی عربی تصنیف " الحکم العطائیہ " کا اردو ترجمہ " شرحِ حکم " اور طبع زاد تصنیف " آموز گار فارسی " خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

بابا طاہر عریاں ہمدانی کے منتشر کلام کے جمع کرنے میں، حضور احمد سلیم نے تحقیق کے صبر و استقلال اور تلاش و جستجو کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھیں، بابا طاہر کے کلام سے طالب علمی کے زمانے سے دل چسپی تھی، اس شوق کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے رباعیات کا منظوم ترجمہ شروع کیا اور یوں دسمبر ۱۹۰۲ء میں مکمل کتاب کی صورت میں، بہ عنوان " دو بیتی نامہ بابا طاہر ہمدانی " منصۂ شہود پر آیا۔

" الحکم العطائیہ " کا پہلے حضرت خواجہ محمد حسن جان مجددی سرہندی نے، فارسی زبان میں بہ عنوان " شرحِ حکم " ترجمہ کیا، بعد میں اسی عنوان کے تحت حضور احمد سلیم نے اردو زبان میں ترجمہ کیا۔

۱۹۷۷ء میں، علامہ اقبال کے صد سالہ جشن کے موقع پر، اقبال اکیڈمی، لاہور، کی جانب سے " پیامِ مشرق " کے ترجمے کی فرمائش کی گئی۔ حضور احمد سلیم نے، باوجود کم وقت کے

نہایت عمدہ منظوم ترجمہ کیا۔ اگرچہ فیض احمد فیض نے بھی پیام مشرق کا منظوم ترجمہ کیا مگر ناقدینِ فن نے سلیم صاحب کے ترجمے کو پسند کیا۔

"آموز گار فارسی" فارسی زبان کی تدریسی ضرورت کے تحت تصنیف کی گئی اور پہلی بار ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب خانۂ فرہنگ ایران حیدرآباد سندھ اور جامعۂ کراچی کے شعبہ اردو کے نصاب میں شامل ہے۔ ان جامعات کے علاوہ بھی جہاں جہاں فارسی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے وہاں وہاں اس کی ضرورت کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں، ان کی مُرتّبہ فارسی زبان کی کچھ اور کتابیں بھی ہیں جن میں "کتابِ اوّل فارسی"، "کتابِ دوم فارسی"، "ارمغانِ فارسی"، "دبستانِ فارسی" اور "خزینۂ دانش" قابلِ ذکر ہیں۔

بہ حیثیتِ مجموعی، کتاب، "حضور احمد سلیم ایک مطالعہ"، تحقیق کے لوازم و مراحل کی ادائی سے لے کر مرحلۂ تصنیف تک عمدہ کاوش ہے اور سراہے جانے کے لائق ہے۔ اردو ادب میں اس با معنی اضافے کے لیے مُصنّفہ، مقالۂ علمیّہ کے نگراں جناب عتیق احمد جیلانی، شعبۂ اردو جامعۂ سندھ اور ناشر کو مبارک باد پیش کی جاتی ہے۔

کتاب: تفہیم و تجزیہ
تالیف: ڈاکٹر رفیع الدّین ہاشمی
سنہ اشاعت: ۱۹۹۹ء
ناشر: پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت، ڈین کلیۂ علوم اسلامیہ و شرقیہ، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور
مُبصّر: رفیق احمد خاں

رفیع الدّین ہاشمی بہ حیثیت مُعلّم، مُحقّق، نقّاد اور ماہر اقبالیات، منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ علم و ادب سے وابستگی کو ایک عرصہ بیت چکا ہے۔ اس عرصے میں ان کی متعدد مُصنّفات و مؤلّفات منظرِ عام پر آکر تحسین و تبریک سے سرفراز ہوچکی ہیں۔

زیرِ نظر تالیف ان کے دس متنوع منتخب مضامین پر مشتمل ہے۔ جن کے کوائف سے مُتعلّق وہ رقم طراز ہیں کہ "ان میں سے بعض تو مختلف مذاکروں اور سمی ناروں میں پیش کرنے کے لیے لکھے گئے اور چند ایک مدیرانِ جرائد کی فرمائش پر، دو مضامین (حیاتِ ظفر علی خاں کا ایک ورق اور اندلس کے سفر نامے) اسی برس لکھے گئے اور ہنوز غیر مطبوعہ ہیں، پرانے

مضامین پر نظر ثانی کی گئی ہے اور اضافے بھی"۔ (حرفِ اوّل ص: ۹) مضامین درج ذیل ہیں:

۱۔ سر سیّد، شبلی اور مغرب
۲۔ حسرت موہانی کی شخصی عظمت
۳۔ حیاتِ ظفر علی خاں کا ایک ورق
۴۔ اردو میں ادبی تحقیق: ایک اجمالی جائزہ
۵۔ پاکستانی جامعات میں ادبی تحقیق
۶۔ بھارت میں ادبی اور لسانی تحقیق
۷۔ اردو میں سوانح نگاری
۸۔ اندلس کے سفرنامے
۹۔ پاکستان میں اقبالیاتی ادب (۱۹۴۷ء - ۱۹۹۶ء)
۱۰۔ اذانِ اقبالیات، کلیساؤں کے شہر میں (روداد)

مذکورۂ بالا عنوانات کو فاضل مؤلف نے تین حصّوں میں ترتیب دیا ہے۔ پہلے تین عنوانات ایک حصّے میں: ۴، ۵، ۶، دوسرے: ۷، ۸، ۹، تیسرے اور ۱۰ چوتھے حصّے میں۔

پہلا مضمون جس کا عنوان "سر سیّد، شبلی اور مغرب" ہے۔ ہمارے سامنے سر سیّد اور شبلی کی قومی فکر اور اس کی نوعیت، دونوں شخصیات کے باہمی تعلق اور مغرب سے رویّے کو، پیش کرتا ہے۔ تاریخی حقائق کے پیشِ نظر، فاضل مضمون نگار نے اس تعلق اور رویّے کے ضمن میں درجِ ذیل نتائج اخذ کیے ہیں:

"سر سیّد تقلید کے زبردست مخالف اور اجتہاد کے داعی تھے مگر پیرویِ مغرب کے باب میں انھوں نے بالکل برعکس روش اپنائی اور سرتاپا مغرب کے مُقلّد ثابت ہوئے۔ شبلی نے ایسی اندھی تقلید سے اجتناب کیا۔" (ص: ۲۱) سر سیّد کی مغرب زدگی، انھیں (شبلی کو) اپنے رنگ میں رنگنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ شبلی، سر سیّد کی دوسری انتہا پر نہیں گئے بلکہ اپنے توازنِ فکر کی بدولت، ایک معتدل ذہنی رویہ اختیار کر کے ایک علاحدہ راستہ نکالنے میں کامیاب ہوئے۔ (ص: ۱۰)

باوجود نظریاتی اختلاف کے شبلی، سر سیّد کے احسان مند اور ان کی اعلا قابلیت کے

معترف تھے۔ سرسیّد کے انتقال پر شبلی کے یہ الفاظ۔ قومی عمارت کے ستون ہل گئے ۔۔۔ ہماری قوم کا شیرازہ بکھر گیا۔ میں کچھ دنوں تک کوئی کام نہیں کر سکتا۔" (سرسیّد، شبلی اور مطرب ص: ۱۰) ۔ان کے قلبی تعلق اور گہری عقیدت کے آئینہ دار ہیں۔

حسرت موہانی کی شخصیت میں جہاں تضادات کی رنگا رنگی تھی وہاں اخلاص و نیک نیتی اور جرأت و بے باکی جیسے مجاہدانہ اوصاف کی یک رنگی بھی دیدنی تھی۔

دوسرے مضمون "حسرت موہانی کی شخصی عظمت" میں حسرت کی شخصیت کے دیدہ زیب نقوش ابھارے گئے ہیں اور متعدد جہات کو نمایاں کیا گیا ہے، جس سے ان کے جذبۂ قومیت و حریت، فراخیِ طبع اور شاہرانہ عظمت کا پتا چلتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی انھوں نے نہ صرف اپنے عہد کو متاثر کیا بلکہ آنے والے زمانوں میں بھی ان کے دور رس اثرات دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا ظفر علی خاں کثیر الجہات شخص تھے۔ "انھوں نے بہ یک وقت علمی و ادبی اور عسکری و انتظامی شعبوں میں اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا۔" (ص: ۳۳) زمانۂ قیام دکن (۱۸۹۶ء۔ ۱۹۰۹ء)، مجلسِ وضع قوانین لجسلیٹو کونسل میں رجسٹرار تھے کہ ستمبر ۱۹۰۸ء میں حیدر آباد قیامت خیز سیلاب سے دوچار ہوا تو مولانا کو علاقہ افضل گنج کے لنگر خانے کا مہتمم مقرر کیا گیا، انھوں نے یہ ذمہ داری، کمالِ خوبی سے انجام دی۔ مولانا ظفر علی خاں کے سفر زندگی کا یہ اہم گوشہ ان سے متعلق کتب میں واضح طور پر سامنے نہیں آیا۔ رفیع الدین ہاشمی نے اس پہلو کو بہ عنوان "حیاتِ ظفر علی خاں کا ایک ورق" صراحتاً پیش کیا ہے۔

کتاب کے اس حصّے کی چاروں شخصیات، سرسیّد، شبلی، حسرت موہانی، اور ظفر علی خاں قومی و ملی شخصیات ہیں۔ ان کا مطالعہ جہاں فاضل مصنّف کے قوم اور قومی و ملی معاملات و شخصیات سے گہرے شغف اور ان کے وسیع مطالعے کو ظاہر کرتا ہے، وہاں تاریخ اسلام اور رہ نمایانِ قوم سے دل چسپی رکھنے والوں کے لیے لائقِ فکر اور باعثِ تسکینِ خاطر ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ بھی تین مضامین پر مشتمل ہے اور تینوں کا تعلق تحقیق اور تحقیقی پیش رفت سے ہے۔

"اردو میں ادبی تحقیق ایک اجمالی جائزہ" کے زیرِ عنوان حافظ محمود شیرانی، مولوی عبدالحق، مولوی محمد شفیع، قاضی عبدالودود، مسعود حسن رضوی ادیب، مولانا امتیاز علی خاں عرشی، ڈاکٹر عندلیب شادانی، ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر مختار الدین احمد،

گیان چند، رشید حسن خاں، ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار اور مشفق خواجہ کی تحقیقی کاوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ مالک رام اور ڈاکٹر سید معین الرحمن کا ذکر بھی اسی ذیل میں آیا ہے۔

مذکورہ مضمون میں، اردو میں تحقیق کی ابتداء سے متعلق، مختلف نظریات کی روشنی میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے۔ جامعات میں ہونے والی تحقیق کے حوالے سے پاکستانی اور ہندوستانی جامعات کے تحقیقی کام کی تفصیلات درج کی گئی ہیں اور حسبِ ضرورت تنقیدی تجزیہ بھی کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں تحقیق سے متعلق مسائل کو بھی زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

"پاکستانی جامعات میں ادبی تحقیق" کے عنوان سے، پاکستانی جامعات میں دورانِ تحقیق، پیش آنے والے مسائل کو ذاتی مشاہدات و تجربات کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اسی حصے میں ان مسائل سے متعلق تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں، جو رفتارِ تحقیق اور معیارِ تحقیق میں ممد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔

ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈائریکٹر، خدا بخش پبلک اورینٹل لائبریری پٹنہ، نے ادارہ تحقیقاتِ اردو، پٹنہ کے زیرِ اہتمام ایک نیا تحقیقی و علمی مجلہ "معیارِ و تحقیق" جاری کیا تھا۔ رفیع الدین ہاشمی نے اس کے دوسرے شمارے کے جائزے کو بہ عنوان "بھارت میں ادبی اور لسانی تحقیق" شاملِ کتاب کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ادارۂ تحقیقات اردو، پٹنہ، نے قاضی عبدالودود کی یاد میں "اردو ریسرچ کانگریس" کی بنیاد ڈالی ہے جس میں ہر سال اردو کے تحقیقی مقالوں کے جائزے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ جائزے نامور محققوں، نقادوں اور جامعات کے اساتذہ سے لکھوائے گئے۔ ازاں بعد مقالہ نگاروں سے ان جائزوں کے جوابات حاصل کیے گئے۔ فاضل مضمون نگار نے ان جائزوں اور دل چسپ جوابوں کی روشنی میں، مقالات کی قدر و قیمت کا تعین کیا ہے اور پاکستان میں ایسی ریسرچ کانگریس کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا ہے۔ اردو زبان و ادب سے متعلق پی ایچ ڈی کے پچپن تحقیقی مقالوں کو مذکورہ مجلے کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ آخر میں مجموعی جائزوں کی صورت میں تین مضامین بھی بہ عنوان:

(الف) اردو ناول پر لکھے جانے والے تحقیقی مقالے از ڈاکٹر ہارون ایوب۔
(ب) "سودا کے کلام پر تحقیق" از فرخ جلالی۔
(ج) "یونی ورسٹیوں میں اردو تحقیق کی رفتار" از ڈاکٹر کلیم الحق قریشی، شامل مجلہ ہیں۔

کتاب کے تیسرے حصے کا پہلا مضمون " اردو میں سوانح نگاری " الطاف حسین حالی کی " حیاتِ جاوید " (۱۹۰۱ء) سے ضیاء الحسن فاروقی کی " شہیدِ جستجو " (۱۹۸۸ء) تک کے ستاسی سالہ دور میں لکھی جانے والی نمایاں سوانح عمریوں کے تحقیقی و تنقیدی جائزے پر مبنی ہے۔ اس مضمون میں حالی اور شبلی کی قائم کردہ روایتوں کے تسلسل، پیروی و انحراف اور ترقی معکوس صورتوں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ اس کا معتدبہ حصہ اقبال کی سوانحات سے متعلق ہے۔ فاضل مضمون نگار نے سوانح نگاری کی تعریف، تاریخ اور اصول و قواعد کی تعیین میں اپنی گزارشات پیش کی ہیں اور اس کے محرکات کی نشان دہی بھی کی ہے۔ علاوہ ازیں سوانح نگاری کے اہم مسئلے معروضی و غیر جانبدارانہ طرزِ تحقیق اور طرزِ نگارش پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ اس ضمن میں حالی و شبلی کی " کان کنی " اور " کری ٹیکل " روایتوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے اور ان کی جادہ پیمائی کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔

اردو میں " اندلس کے سفر نامے " کے زیرِ عنوان فاضل مضمون نگار نے اردو میں اندلس کے نو باقاعدہ سفر ناموں کی نشان دہی کی ہے، جو درجِ ذیل ہیں:

۱۔ قندِ مغربی (۱۹۹۸ء) از محمد عمر علی خاں

۲۔ سفر نامۂ اندلس (۱۹۲۷ء) از قاضی ولی محمد

۳۔ اندلس میں اجنبی (۱۹۷۹ء) از مستنصر حسین تارڑ

۴۔ آج بھی اس دیس میں (۱۹۸۲ء) از محمد حمزہ فاروقی

۵۔ اندلس کی تلاش (۱۹۸۸ء) از رفیق ڈوگر

۶۔ لندن سے غرناطہ (۱۹۹۳ء) از ڈاکٹر صہیب حسن

۷۔ اندلس میں چند روز (۱۹۹۳ء) از مولانا محمد تقی عثمانی

۸۔ سفر نامۂ اندلس (۱۹۹۷ء) از ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

۹۔ غرناطہ کی خاموش اذانیں (۱۹۹۶ء) از اے حمید

رفیع الدین ہاشمی نے ان سفر ناموں کے علاوہ بھی متعدد ایسے مضامین کا کھوج لگایا ہے، جو اندلس کی سفری روداد کے اظہار میں اس خطۂ بے مثل کی اسلامی تاریخ کے کتنے ہی گوشے منور کرتے ہیں۔ انھوں نے بعض سفرناموں کا انفرادی اور بعض کا باہم تقابلی تجزیہ کیا ہے۔ ان میں پوشیدہ رویوں، رجحانات اور مختلف طرزِ اظہار کی نشان دہی کی ہے۔ ان سفر ناموں

میں حال اور ماضی اور حقیقت و خواب کی مسافرت، ماضی کے انسان کی تلاش اور عظمتِ رفتہ پر غم گساری، قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہیں۔

تحریر کی تاثیر سے ایک کار آگاہ کے قلم کی فنی مہارت اور جذبۂ اسلامی کی امتزاجی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

"پاکستان میں اقبالیاتی ادب (۱۹۴۷ء۔۱۹۹۶ء)" اس عنوان کے تحت فاضل مضمون نگار نے انچاس سالہ دور میں منصۂ شہود پر آنے والے اقبالیاتی ادب کا دِقّتِ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ اس سرمایہ اقبالیات میں اقبال کی نثر و شعری کتب؛ اردو انگریزی خطبات؛ اردو انگریزی خطوط، مضامین اور نوٹ بک؛ حصۂ شعر و نثر کے مقامی اور بین الاقوامی زبانوں میں تراجم؛ تشریحیں؛ تلاشِ ابیات پر کتاب؛ خطوط کے اشاریے؛ توضیحی کتابیاتِ اقبال؛ اقبال اور اقبالیات سے مُتعلّق شخصیات پر کتب؛ اقبال کی سوانحی ذخیرے پر اہم مضامین؛ جدید نفسیات کی روشنی میں اقبال کی شخصیت کے مطالعے پر کتب؛ اقبال کے فن، فکر اور فلسفے کی تشریح و تعبیر اور تنقید و تجزیے پر مشتمل کتب؛ پی ایچ ڈی کی سطح پر پاکستانی جامعات میں اقبال پر ہونے والا کام؛ رسائل و جرائد کے اقبال نمبر اور اقبال کی شخصیت، فکر اور فلسفے سے مُتعلّق مخالفانہ، معاندانہ بلکہ متعصبانہ تحریرات کا جائزہ شامل ہے۔

مذکورہ مضمون میں فاضل مُحقّق نے نہ صرف ۱۹۴۷ء سے ۱۹۹۶ء تک، اقبال پر ہونے والے کام کو پیش کیا ہے بلکہ اس کا باریک بینی سے تجزیہ بھی کیا ہے اور سرمایے کے معیاری یا غیر معیاری ہونے پر بحث کی ہے۔ مضمون کی کمیت و کیفیت مُحقّق کے ماہر اقبالیات ہونے پر دال ہے۔

کتاب کا آخری مضمون "اذانِ اقبالیات، کلیساؤں کے شہر میں" بھی، اقبال سے ان کی گہری وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ مضمون ایک سمپوزیم کی روداد ہے۔ اس سمپوزیم کا موضوع (Iqbal and the Modern Era) (اقبال اور عہدِ جدید) تھا، یہ شہر گینٹ (Gent) میں منعقد ہوا۔ اس کا انعقاد یونی ورسٹی آف گینٹ بیلجیم اور اقبال فاؤنڈیشن یورپ نے مل کر کیا تھا۔ اس سمپوزیم میں نو ممالک سے ماہرین اقبالیات نے شرکت کی۔ شرکا کی کل تعداد اٹھارہ تھی۔ پاکستان سے جن فضلائے کرام نے شرکت کی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: محمد اکرام چغتائی، ڈاکٹر ایم اے تحسین فراقی، محمد سہیل عمر، خالد احمد، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر وحید قریشی اور حکیم محمد سعید۔ تاہم آخر الذکر تین فضلاء اپنی دیگر

مصروفیات کے باعث سمپوزیم میں شریک نہیں ہوسکے۔ یہ سمپوزیم نومبر ۱۹۹۰ء کی ۱۹-۱۸ تاریخوں میں ہوا۔ مقالات کے موضوعات اقبال کی شاعری، فکر، فلسفے، عہدِ جدید میں اقبال کی ضرورت، اقبال اور اسلام، اقبال اور کائنات، اقبال اور مغرب، اور اقبال اور مودودی وغیرہم سے متعلق تھے۔

پیشِ نظر مضمون میں، سمپوزیم کے ایک ایک مقالے کے چیدہ چیدہ نکات کا تقسیم و تجزیہ اس طرح کیا گیا ہے کہ مقالے کا نچوڑ مختصر الفاظ میں اجمال کی تفصیل پیش کرتا ہے۔ اس مضمون کا مقصد غیر اسلامی ممالک میں شیدائیانِ اقبال کی کارگزاریوں اور ان سے متعلق تقریبات کے انعقاد سے اقبال شناسوں کو آگاہ کرنا تھا۔

کتاب کا ہر مضمون اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے بہ موجب وقعت و رفعت کی منزلوں کو چھوتا نظر آتا ہے۔ اسلوب تحریر کی شگفتگی، شوق و انہماک کے نوع بہ نوع شگوفے کھلاتی دکھائی دیتی ہے۔

ہر مضمون کے اختتام پر حوالے اور حواشی کا اہتمام، جملہ تحریرات کی تفہیم اور ماٰخذ تک رسائی میں ممدّ و معاون ثابت ہوتا ہے۔

کلیہ علومِ اسلامیہ و شرقیہ نے اپنے اساتذہ کے تحقیقی و علمی کام کو زیورِ طباعت سے آراستہ کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اس منصوبے کی ایک عملی شکل پیشِ نظر کتاب ہے۔ متنوع مضامین کے اس وقیع اور بامعنی انتخاب اور اس کی اشاعت پر ناشر پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت اور مصنف ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لائقِ تبریک ہیں۔

یادگار نامۂ قاضی عبدالودود

مرتبین: پروفیسر نذیر احمد، پروفیسر مختار الدین احمد، پروفیسر شریف حسین قاسمی

ناشر: غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی

ضخامت: ۳۶۰ صفحات سنہ اشاعت: ۲۰۰۰ء

مبصر: نجم الاسلام

غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی کی طرف سے دو یادگار نامے، یادگار نامہ فخرالدین علی احمد اور فخرالدین علی احمد میموریل والیوم (بزبان انگریزی) ۱۹۹۳ء میں اعلیٰ معیار کے ساتھ چھپ کر

شائع ہو چکے ہیں۔ جن پر رسالہ تحقیق کے شمارہ مشترکہ برائے ۹۵-۱۹۹۴ء میں تبصرہ بعنوان " دو یادگار نامے " پیش کیا جا چکا ہے۔ اب ایک اور یادگار نامہ " یادگار نامۂ قاضی عبدالودود " کی شکل میں حال ہی میں چھپ کر سامنے آیا ہے جو اپنی سابقہ روایت کے مطابق ایک عمدہ علمی پیش کش ہے۔ قارئین کی اطلاع کے لیے اجمالاً اس کے مشمولات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

قاضی عبدالودود اردو فارسی زبان و ادب کی تحقیق کے میدان میں ایک نمایاں بلکہ ایک لحاظ سے نمایاں ترین مقام رکھتے ہیں۔ پروفیسر نذیر احمد نے اپنے پیش لفظ میں قاضی مرحوم کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین ادا کیا ہے :

> " قاضی عبدالودود اردو و فارسی کے ممتاز ترین محقق تھے۔ ان کی تحقیق سے نہ صرف اردو تحقیق کا دامن وسیع ہوا بلکہ متنی تحقیق کے اصول و آئین مقرّر ہوئے اور متنی تحقیق ادب کا مستقل فن بن گیا۔ اردو کا محقق قاضی صاحب کی تحقیق سے بے نیاز نہیں ہو سکتا " (ص ۹)

یادگار نامے کے مشمولات میں اوّلاً " من کہ قاضی عبدالودود ..... " کے عنوان سے اپنے بارے میں قاضی عبدالودود کی تحریر شامل ہے اور ان کے دو غیر مطبوعہ خطوط بھی بصورت عکس پیش کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد قاضی صاحب کے بارے میں فضلاء کے پانچ مضامین ہیں، جن کے لکھنے والوں میں مختار الدّین احمد، سیّد حسن عسکری، محمّد حسن، گیان چند جین اور شمس بدایونی صاحبان شامل ہیں۔ پھر پندرہ مقالے مختلف علمی اور تحقیقی موضوعات پر شامل ہیں، جن کے لکھنے والوں میں اکثر مقالہ نگار ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو تحریریں پاکستانی مقالہ نگاروں کی بھی شامل ہیں۔ بحیثیت مجموعی اس کتاب کی شکل میں عمدہ تحریری سرمایہ سامنے آیا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ یادگار ناموں کی روایت اس پیش کش کی صورت میں مزید مستحکم ہو گئی ہے۔

الماس (شعبہ جاتی تحقیقی مجلّے کا پہلا شمارہ)

مرتّب: محمد یوسف خشک

ناشر: شعبۂ اردو، شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، خیرپور سندھ۔

ضخامت: ۱۹۹ صفحات، سنہ اشاعت ۱۹۹۹ء

مبصّر: فہمیدہ شیخ

اس رسالے کے سرپرست اعلیٰ پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد شاہ ہیں، جو رسالے کی اشاعت کے وقت شاہ عبداللطیف یونی ورسٹی، خیرپور کے سربراہ تھے، اور اب سندھ یونی ورسٹی کے سربراہ ہیں۔ وہ پہلے بھی سندھ یونی ورسٹی کے سربراہ رہ چکے ہیں، اور تحقیق اور تحقیقی مجلّوں کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں جس کا اظہار "الماس" کے اجراء سے بھی بخوبی ہو رہا ہے۔ یہ رسالہ شعبہ جاتی تحقیقی مجلّوں کی فہرست میں ایک قابلِ ذکر و قابلِ توجہ اضافہ ہے۔ پہلے شمارے کے ۱۳ مقالات اپنے معیار اور اپنی تعداد کے لحاظ سے ایک اچھے آغاز کی علامت ہیں۔ توقع رکھی جانی چاہیے کہ مستقبل میں یہ رسالہ مزید ترقی کرے گا اور علمی حلقوں میں اپنی یونیورسٹی کو متعارف کرانے اور منوانے کا سبب بنے گا۔ ان توقعات کے ساتھ ہم اس علمی و تحقیقی مجلّے کے اجراء کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

"اقبال ـــ علامہ اقبال کیسے بنے"۔

مصنّف: گوہر ملسیانی

ناشر: گوہرِ ادب پبلی کیشنز صادق آباد

سنہ اشاعت: اوّل، ۱۹۹۸ء

مبصّر: رفیق احمد خاں

علامہ اقبال کی زندگی، فن شعر اور فکر و فلسفہ سے متعلق حقیقتوں کی پردہ کشائی، اب تک، مختلف انداز اور مختلف پہلوؤں سے کی جاچکی ہے، اور طرزِ تحقیق کی نوعیت کی وجہ سے اتفاقات و اختلافات کے متعدد زاویے بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ تحقیقی تجزیے کا یہ سلسلہ ابھی جاری ہے، جو معلومات میں اضافے کا موجب ہے۔

مذکورہ کتاب بھی اسی تسلسل کا حصّہ ہے۔ اس کا موضوع ان عوامل و محرکات کی

کھوج ہے جن کے باعث اقبال ایک منفرد و ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔

کتاب کو چار نمایاں ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ اقبال آباء و اجداد
۲۔ علامہ اقبال تعلیم و تدریس، تحقیق و تخلیق اور عملی سیاست
۳۔ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام
۴۔ علامہ اقبال تعمیرِ شخصیت۔ تخلیقِ حکمت۔

پہلے باب میں اقبال کے نسلاً کشمیری ہونے، ان کے آباء و اجداد کے سیالکوٹ میں ورود کے زمانی تعین، فرداً فرداً والدین کے کردار و شخصیت، اقبال کی تربیت، گھر کے ماحول اور تاریخِ پیدائش کے اختلافات کا دقّتِ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس باب میں گھر کے ماحول اور تاریخِ پیدائش کے اختلاف سے متعلق معلومات اور مباحث اہمیت کے حامل ہیں۔ گھر کے ماحول کو مفصّل بیان کیا گیا ہے اور اقبال کے علامہ اقبال بننے میں اس کو مرکزی اہمیت دی گئی ہے۔

بہ قولِ مُصنّف:

"محبت، خلوص اور چاہت اس گھرانے میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ماحول پاکیزہ، مطہر اور دینی تھا۔ علامہ کی نشوونما میں اس عنصر کا بڑا دخل ہے۔ اقبال کو علامہ اقبال بنانے میں اسی گھریلو ماحول کا بڑا حصّہ ہے"۔
(ص: ۳۴)

تاریخِ پیدائش کے اختلافات کی وجوہ مختلف اہلِ قلم کے درج کردہ سنین کی تفصیلات اور صحیح تاریخِ پیدائش کے اصل حقائق کی دریافت کے سلسلے میں نہایت محنت کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں اقبال کی ذہنی ساخت، گھریلو ماحول کے اثرات، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم کے لیے ملک اور بیرونِ ملک اسفار، تحقیقی و تصنیفی سرگرمیوں، منثور و منظوم تخلیقات اور سیاسی خیالات اور سرگرمیوں پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

تیسرے باب کا موضوع اقبال اور انجمنِ حمایتِ اسلام ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر محمد حنیف شاہد کی تصنیف منظرِ عام پر آچکی ہے، تاہم مُصنّف نے جزئیات کو بھی شریک

بحث کیا ہے اور ہر دو کے تعلق کا جائزہ اپنے نقطۂ نظر سے لیا ہے۔ اس جائزے سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں ۱۰ انجمنِ حمایتِ اسلام سے تعلقِ خاص نے اقبال کی عظمت کو ثابت کیا اور اس میں اضافے کا سبب بنا وہاں اقبال نے بھی انجمن کی ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔

چوتھا باب جو تقریباً نصف کتاب پر محیط ہے، نہایت اہم ہے۔ اس باب کے ذیلی عنوانات یہ ہیں: ۱۔ اقبال ایک شاعر ہیں۔ ۲۔ اقبال ایک مُعلّم ہیں۔ ۳۔ علّامہ اقبال ایک مُفکّر ہیں۔ ۴۔ اقبال ایک مُدبّر ہیں۔

مُصنّف نے کتاب کے اس حصّے میں اقبال کی شخصیت کے چار مختلف پہلوؤں کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالی ہے اور اقبال سے علّامہ اقبال بننے تک کے مراحل کے ضمن میں پیش کردہ جہات کے اثرات کا ژرف نگاہی سے جائزہ لیا ہے۔

اگرچہ وہ موضوعات جن کے تحت حقائق پیش کیے گیے ہیں، نئے نہیں ہیں، تاہم نئے زاویے سے ان کی تشکیل و تدوین، اپنی جگہ منفرد ہے۔

بلاشبہ تمام کام انتھک محنت، بے پایاں شوق اور اچھے طرزِ تحریر کا عکاس ہے اور اقبالیات میں عمدہ اضافہ ہے۔ ہر باب کے آخر میں حوالہ جات و تعلیقات کا اہتمام اور خاتمۂ کتاب پر اکثر وقیع کتابوں کا اندراج مذکورہ تصنیف کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔

available letter written in Urdu, contained in "Waqi'at-i-Azfari" by Mughal prince Azfari (b. 1172, Qil'a-i-Dehli, d. 1234 A.H. Madras), pp. 481-483. (d) "Eik Ghair-matbu'a Tazkira-i-Talamiza-e-Shad", an introductory note on an un-published Tazkira of the disciples of Shad Azimabadi, pp. 484-494.

12. " 'Ilmi Maktubat",225 academic letters, mainly pertaining to the problems of researches reg. scholarly works on Ghalib, written about 50 years back by experts on Ghalib, compiled & annotated by Dr. Mukhtaruddin Ahmad, pp. 495-786.

MAKHTUTAT:

"Fihrist Makhtutat Dr. Nabi Bakhsh Khan Baloch", a catalogue of Arabic and Persian manuscripts possessed by Dr. Nabi Bukhsh Khan Baloch, presently in the MSS collection of Sindh Archives, Clifton, Karachi, prepared by Dr. Sayyid Khizar Naushahi, pp. 837-928.

ADDITIONAL NOTICES :

(a) a letter written by Qazi Ahmad Mian Akhtar Junagarhi to Dr. Mukhtaruddin Ahmad, in photo-print.

(b) a bibliography on the life & works of Qazi Ahmad Mian Akhtar Junagarhi , compiled by S. Masud Hasan.

(c) Additional information regarding the life & works of Mufti Ilahi Bakhsh Nishat, author of "Bikat Kahani".

(d) additional information regarding Mufti Inayat Ahmad.

SOME LETTERS TO THE EDITOR: REG. "TAHQIQ"

by Dr. Nazir Ahmad, Dr. Mukhtaruddin Ahmad, Professor Sayyid Muhammad Saleem, and Maulana Noorul Hasan Rashid.

REVIEWS ON BOOKS & PERIODICALS:

Written by Najmul Islam, Fahmida Shaikh, Atiq Ahmad Jilani, Sayyid Jawed Iqbal, Rafiq Ahmad Khan and Inamul Haq Abbasi.

5. Dr. Muhammad Salim Akhtar: "Ustad-i-Allama Dr. Sayyid Ja'far Shaheedi", a study of the life & works of a renowned researcher of Tehran University, Chief of the Board of Lughat-nama-i Dihkhuda, pp. 167-177.
6. Dr. Sharif Husain Qasimi: "Barr-i-Saghir ke Masha'ikh ki Majalis-o-Asar mein 'Attar ka Zikar", a study of references pertaining to 'Attar in the Persian sources of the sub-continent, pp. 179-200.
7. Dr. Zahid Munir 'Amir: "Mir Soz: Sal-i-Wiladat ki Tahqiq", a methodological attempt to trace the correct date of birth of Mir Soz, a renowned Urdu poet of 12th century A.H., pp. 201-209.
8. Dr. Sardar Ahmad Khan: (a) "Mir Soz ke Ma'asireen aur unka Taqabuli Mutala'a", a comparative study of Mir Soz and his contemporaries, pp. 211-253. (b) "Mir Soz ke Kalam ka Tajziyati Mutala'a, an analytical study of the poetry of Mir Soz with special reference to his contemporaries, pp. 257-348.
9. Dr. Ilyas Ishqi (a) "Qazi Abdul Wadood: Tahqiqi-o-Tanqidi Ja'izey, Eik Mutala'a", a study of book compiled by Dr. Nazir Ahmad on the achievements of Qazi Abdul Wadood, pp. 821-827. (b) "Dr. Mazhar Mahmood Sherani ka Maqala -i- 'Ilmiya", a study of Vol. 1 of Dr. M. M. Sherani's thesis on Hafiz Mahmood Sherani, pp. 828-833.
10. Sayyid Jawed Iqbal: "Urdu Taqreez Nigari", the first part of an exhaustive study of Urdu Taqriz Nigari, pp. 789-819.

GOSHA'I MUKHTARUDDIN AHMAD:

11. Dr. Mukhtaruddin Ahmad: (a) "Mir Zainuddin Ishq aur Kulliyat-i-Ishq", a study of a neglected Persian poet of Iran who migrated to the sub-continent in 12th. century A.H., pp. 383-445. (b) "Amir Qabus bin Washm-gir", a study of the life and works of an accomplished Arabic writer who ruled Jurjan and Tabaristan in the 5th century A.H., pp. 447-479. (c) "Urdu ka Eik Qadim-tareen Ruq'a", an introductory note on the oldest

"TAHQIQ", Vol. 12-13, 1998-1999
Journal of the Dept. of Urdu, University of Sindh,
published in September, 2000

A GLIMPSE OF THE CONTENTS

ARTICLES:

1. Dr. Nazir Ahmad: (a) Qasim Kahi Kabuli aur uska Risala-i-Qafia", a critical study of a rare Persian treatise by Qasim Kahi (d. A.H. 988, Agra), hitherto unpublished, pp. 3-32. (b) Akbari Daur ka Farsi Adab", pp. 349-365.
2. Dr. Ghulam Mustafa Khan: "Sawanih-'umri Yusufi; Ta'aruf-o-Tajziya", an analytical study of autobiography written by Yusuf Gulshanabadi, well-known for his versified Urdu translation of Rumi's masnavi, pp. 41-91.
3. Dr. Nabi Bakhsh Khan Baloch: (a) "Sindh Ke Ujrey huey Kitab-Khaney", a detailed description of the rare Persian & Arabic manuscript collections found by him in the deserted libraries of Sindh. (b) Eik Qalami Majmu'a-e-Rasa'il", a note on a 19th century manuscript comprising six treatises, with special reference to urdu treatise, pp. 93-98.
4. Dr. Najmul Islam: (a) "Shah Muradullah Ansari Sambhali aur unki Urdu Tafsir", an exhaustive study of Urdu prose -work of the 12th. Century A.H., pp. 99-132. (b) "Muzah-i-Quran ki do Riwayatein", a linguistic study of 18th. century Urdu prose work, pp. 133-166. (c) "Hakim Muhammad Sharif Khan Dehlavi ka tarjama-i-Quran, a note on the hitherto unpublished Urdu translation of Quran completed during the reign of Shah Alam II, pp. 367-373. (d) "Qazi Muhammad Mu'azzam Sambhali ki Tafsir-i-Hindi Qalami (A.H. 1131)", a note on another hitherto unpublished Urdu Tafsir of Quran, pp. 375-379.